

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
موت کے سوداگر
8
ھواں حصہ

مرگ سوداگر

قلیم علیم

ہتھیار
یک لخت مارتے ہیں
مگر ان کا نشانہ خطا بھی
ہو جاتا ہے، ہیروئن سِسکا سِسکا
کر مارتی ہے اور اس کا نشانہ کبھی
خطا نہیں ہوتا۔ موت کی سوداگری
کرنے والے اُن بین الاقوامی فتنوں کی ہولناک
داستان جو نگر نگر طاقت و اقتدار کی بساط
اُلٹ کر من پسند مُہرے سجاتے ہیں۔ ان سفاک
اور درندہ صفت مسیحاؤں کا آلۂ کار بننے والے
ایک پُرعزم نوجوان کی ولولہ انگیز سرگزشت
جس نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کر قہر و
جبروت کے ناخداؤں کو للکارا اور دہشت و
انتقام کی ہر نادیدہ زنجیر کو توڑ کر اُن
کے قدم اُکھاڑ دیے۔ اپنے دامن میں اندر
کی اَن گنت کہانیاں سمیٹے ہوئے پَل پَل
رنگ بدلنے والی ایک انوکھی
کہانی۔

حقیقت سے زیادہ فکر انگیز ـــ سسپنس کا ایک تحیری سلسلہ

رات گزر چکی تھی اور صبح کے پہلے پہر کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ شہر میں ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ شب بیداری کے غیر فطری مرض میں مبتلا انسانوں سمیت، شہر کے سارے ذی روح اپنی رات بھر کی ہوس رانیوں کے بعد تھک ہار کر کونے کھدروں میں جا سوئے تھے۔ سناٹے کی اس لامتناہی چادر کو ہمارے ٹرک کے انجن کا شور مجروح کر رہا تھا یا پھر خارش زدہ یا آوارہ کتوں کی یادِ فراقِ صحبتِ شب سے مجروح، مکروہ آوازیں اس سناٹے کا سینہ چیر رہی تھیں۔

"کمال ہے!" ویرا کچھ دیر کی خاموشی کے بعد قدرے تشویش آمیز انداز میں بڑبڑائی۔ "ویران راستوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے شہر میں رات کو پولیس والوں کی عملداری باقی نہ رہتی ہو۔ ہمیں ابھی تک کہیں، کوئی اونگھتا ہوا سپاہی بھی نظر نہیں آیا ہے۔"

"کوئی کمال نہیں ہے۔" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا۔ "پولیس والے اسی قدر کام کرتے ہیں، جتنی انہیں تنخواہ دی جاتی ہے۔ کوئی پولیس والا اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کسی چور یا ڈاکو کے ہاتھوں مارا جائے تو اس کی بیوہ یا پسماندگان کو محکمے کی طرف سے تعریفی سند کے ساتھ محض دو سو روپے نقد دیے جاتے ہیں۔ اتنی رقم میں تو آج کل کوئی گھر کا گزر بھی نہیں کھولتا پھر پولیس والے اندھیرے میں مجرموں کا پیچھا کر کے اپنی جان کا خطرہ کیوں مول لیں گے.....؟"

"انشورنس کی رقم بھی تو ملتی ہوگی؟" ویرا نے میری بات کاٹتے ہوئے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ "وہ کس کھاتے میں جائے گی؟"

"انشورنس کی رقم تو حادثاتی طور پر مرنے والے ہر شہری کو ملتی ہے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی ادائیگی میں ڈاکو، سپاہی یا راہ گیر کا کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ ڈاکو کے وارث اس کی موت کے معاوضے کے دعوے دار کے طور پر سامنے آنے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ خود کو اس کے حوالے سے سامنے لا کر وہ بے شمار سماجی اور معاشرتی مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔"

"سماجی اور معاشرتی مسائل!" اس نے استہزائیہ انداز میں دہرایا۔ "تم تو ان مسائل پر یوں بات کر رہے ہو جیسے عمرانیات کے پروفیسر رہے ہو....."

"عمرانیات کے پروفیسر آسمانوں سے نہیں اتارے جاتے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "وہ بھی ہمارے جیسے انسان ہوتے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چند برس پہلے یورپ کے کسی فضائی سفر میں میری ملاقات پروفیسر انیس نامی ایک

شخص سے ہوئی تھی۔ وہ عمرانیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حامل تھا اور اسلام آباد کی اسلامی یونیورسٹی میں روزگار کے لئے بیرونِ ملک جانے والوں کے اندوہ ناک معاشرتی مسائل پر تحقیق کررہا تھا۔ اس کے تجزیئے سن کر دل خون کے آنسو روتا تھا۔ زرِمبادلہ کمانے کے لئے انسانوں کو مشین بنا کر ہم اپنے ملک میں فصلیں سنوار کر نسلیں بگاڑ رہے ہیں۔ محروم بیویاں اندھے راستوں پر چل رہی ہیں۔ جوان بچے' بچیاں' باپ کے روایتی دباؤ سے آزاد رہ کر بے لگام ہوتے جارہے ہیں۔ ہم زرِمبادلہ ضرور کمارہے ہیں لیکن اس کے تبادلے میں اپنی صدیوں پرانی روایتوں کو بڑی آسانی کے ساتھ اور بے خبری کے عالم میں نیلام کرتے جارہے ہیں۔ یہ لہریوں ہی چلتی رہی تو بس چند برس کی بات ہے' یورپ والے آزادروی کا سبق ہمارے دیہاتوں اور کھلیانوں سے سیکھا کریں گے۔ منہ زور نسوانی مطالبوں کے سامنے عمر رسیدہ اور استخوانی ڈھانچے زیادہ دنوں تک شرم وحیا اور صبر وشکر کی خود ساختہ دیواروں کو سہارا نہ دے سکیں گے....."

"تم طوطے!" ویرا طویل سکوت کے بعد بالآخر میری بات کاٹ کر غرانے پر مجبور ہوگئی "دنیا کے ہر موضوع پر اس طرح بکواس کرتے ہو جیسے تم نے اس پر کوئی سند لی ہوئی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ اپنی تمام تر بے عملی کے باوجود تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اور تمہارے مذہب میں بھی یہ خیال رائج ہے کہ بھوک انسان کو مذہب سے دور لے جاتی ہے۔ بھوک اور بے روزگاری سے سارے شیطانی فتنوں کے راستے کھلتے ہیں۔ فکرِ معاش میں اپنے پیاروں اور اپنی دھرتی کو چھوڑ کر باہر جانے والے ذاتی قربانیاں دے کر ان راستوں کو بند کرتے ہیں۔ خود ذہنی عذاب کے عالم میں نا آسودہ رہ کر اپنے لواحقین کو آسودگیاں فراہم کرتے ہیں اور تم اس معاشی ہجرت کو ایک معاشرتی المیہ قرار دے رہے ہو...."

"انسان بھوکا ہو تو دین' دھرم اور اقدار کو بھول کر صرف روٹی کی یاد میں مبتلا رہتا ہے" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "لیکن پیٹ بھر جانے کے بعد اسے اپنی دوسری آزادیاں اور حقوق یاد آنے لگتے ہیں۔ تم نے بدی اور بدکاری کے حیوانی اور شیطانی چوباروں پر کبھی کسی ننگے بھوکے کو دادِ عیش دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہاں وہی لوگ جاتے ہیں جو شکم سیر ہوتے ہیں۔ دینار' ریال اور ڈالروں کی ریل پیل جہاں بہت سے مسائل کو حل کرتی ہے' وہیں بہتیرے سنگین مسائل پیدا بھی کرتی ہے۔ باپ کے سائے سے محرومی کے عالم میں پلنے والے لڑکے ہوش سنبھالتے ہی اپنی ماؤں سے کھلا خرچ طلب کرتے ہیں' اپنے باپ کی بے تول کمائی پر موج اڑاتا وہ اپنا حق سمجھتے ہیں اور جوان ہونے تک بیشتر لڑکے اوباش' سرکش' خودبین اور خود آرا ہوجاتے ہیں اِس طرح نگر نگر نوجوانوں کی ایک ایسی نسل پیدا ہوتی جارہی ہے جو کسی کے اختیار کو مانتی ہے اور نہ اقدار کے بندھن کو تسلیم کرتی ہے۔ روز بہ روز ان کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ چڑھتے ہوئے خون کے نشے میں سرشار' یہ لوگ رومان پرور خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں..."

"خدا کے لئے خاموش رہو!" سلطان شاہ نے بھرائی ہوئی آواز میں میری بات کاٹ دی "ہم معاشرتی اصلاح کے لئے ہونے والے کسی مذاکرے میں نہیں جارہے ہیں۔ تم دونوں یہ تقریریں رٹتے رہے تو ٹمبر فیکٹری میں جانو ماچھی کے آدمی ہمارے مزار بنا کر ان کے مجاور بن بیٹھیں گے.... اور ہاں' ذرا تم اسے کھڑکی کی طرف سرکا کر خود بیچ میں آجاؤ' یہ مجھے ستا رہی ہے۔"

ویرا مردانہ روپ میں ہم دونوں کے درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور بظاہر پوری طرح میری طرف متوجہ تھی اس لئے سلطان شاہ کی شکایت میرے لئے ناقابلِ فہم ثابت ہوئی۔

لیکن میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ویرا اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے جارحانہ لہجے میں غرائی "میں کیا ستا رہی ہوں تمہیں؟ بلاوجہ میرے منہ لگنے کی کوشش کی تو میں مزہ چکھا دوں گی۔"

اسی لمحے میں نے دیکھا کہ ویرا نے شرارتی انداز میں اپنی داہنی ٹانگ سلطان شاہ کی ٹانگ سے ملادی تھی۔ میں ایک گہرا سانس لے کر کھڑکی سے باہر ویران راستوں کو گھورنے لگا۔ ان دونوں کے معاملات کو سلجھانے کی کوشش میں خود کو ہمیشہ احمق محسوس کرنے لگتا تھا۔

ویرا کی تیز اور بے ساختہ سسکاری نے مجھے بے اختیار اندر کی صورتِ حال کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کردیا۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی کے انعکاس میں مجھے ویرا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی فاتحانہ چمک کوندتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"کیا ہوا؟" میں نے اضطراری لہجے میں اسی سے سوال کیا تھا۔

"کچھ نہیں" ویرا نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنے آپس کے معاملات ہم خود ہی نمٹالیں گے۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"یہ بہت ڈھیٹ ہڈی ہے" سلطان شاہ کی بھرائی ہوئی آواز سے اس کی بے بسی ظاہر ہو رہی تھی "اس نے دوبار ٹانگ لڑائی تھی اور میں نے پوری قوت سے چٹکی لے ڈالی مگر یہ

اس اذیت سے بھی مزہ لے رہی ہے..."

ویرا غصیلے لہجے میں اس پر برس پڑی "ہم تینوں کسی مقبرے میں رکھی ہوئی حنوط شدہ لاشیں نہیں ہیں۔ ہم زندہ ہیں اور ٹرک بھی شہر کی ناہموار سڑکوں پر چل رہا ہے۔ اگر اتفاق سے ہاتھ پیر ٹکرا ہی جائے تو میں کیا کرسکتی ہوں۔ تم ذہنی طور پر بری طرح بیمار نظر آتے ہو جو ان چھوٹی موٹی باتوں کا بتنگڑ بنارہے ہو۔ واپسی پر' اگر تم زندہ رہے تو میں اپنے بدن کے نیل تم ہی سے گنواؤں گی اور تم سے اکٹھا بدلہ لوں گی..."

"تم مجھ سے اپنی جگہ بدل ہی لو تو بہتر ہوگا" میں نے ویرا کی بات کاٹتے ہوئے انتہائی نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا "تم یہ بات کیوں بھول رہی ہو کہ سلطان شاہ نے اس کٹر قبائلی ماحول میں پرورش پائی ہے جہاں عورتیں نامحرم مردوں سے اپنا چہرہ ہی نہیں بلکہ بال اور ناخن تک چھپاتی ہیں اور اگر کوئی نامحرم اپنے تجسس یا کسی خاتون کی بے پروائی کی بنا پر ان جزئیات سے آگاہی حاصل کرلے تو صورت حال کا انکشاف ہوتے ہی جرگہ اس پر اپنا تعزیری قانون نافذ کرکے اسے سزا سنادیتا ہے۔"

"تم لوگ مجھے اچھوت نہیں بناسکتے" وہ مجھ پر بھی برہم ہوگئی "میں نے تم سے درمیانی نشست کی فرمائش نہیں کی تھی لہٰذا اب میں ہرگز اپنی جگہ نہیں بدلوں گی۔ جب میری وجہ سے تم کو کوئی پریشانی نہیں ہے تو آخر اسے کیا اچک دم لگی ہوئی ہے؟ میں تو تم دونوں ہی کے ساتھ بیٹھی ہوں۔ اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو میں اس سے ٹانگیں لڑاؤں گی؟"

"کوئی بات تو ہے جو تم نے نہایت خاموشی کے ساتھ اس کی چٹکی سہہ لی" میں نے تاریک کیبن میں ویرا کی چمک دار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت ہمارے سامنے ایک مرحلہ درپیش ہے اس لئے اپنی شرارتیں کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ ذہنی کوفت اور تناؤ کے عالم میں ہم میں سے کوئی بھی نازک لمحات میں صحیح فیصلہ نہیں کرسکے گا۔"

اچانک میری سمت میں ٹرک کی باڈی کو زور سے تھپتھپانے کی آواز آئی۔ میں نے کھڑکی سے اپنا سر باہر نکال کر دیکھا تو جہانگیر کیبن کی چھت پر سے میری طرف جھکا ہوا تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟ ٹرک رفتار کیوں نہیں پکڑ رہا؟ ہم اسی طرح چلتے رہے تو صدیق دہاب روڈ پر پہنچنے تک سورج طلوع ہوچکا ہوگا" جہانگیر نے تند وترش لہجے میں کہا تھا۔

اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ ٹرک کی رفتار واقعی سست تھی۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ سلطان شاہ' ویرا کی حرکتوں سے گھائل ہوچلا تھا اور سست رفتاری کے ساتھ وہ سفر طے کرکے ویرا کے پہلو میں اپنی ہم نشینی کے لمحات کو طول دینے کی کوشش کررہا تھا۔

وہ مرد تھا۔ ایک قبائلی مرد' جو اپنی انا کی خاطر اپنی جان قربان کردیتا ہے۔ جھکنے کے بجائے اپنی گردن کٹوانے میں زیادہ عزت محسوس کرتا ہے۔ سلطان شاہ شاید ویرا کی شرارتوں اور خفیہ بدمعاشیوں سے کسی حد تک متاثر ہوچلا تھا لیکن اس کے وجود میں چھپا ہوا قبائلی مرد ویرا کے سامنے سپر ڈالنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ شاید ویرا کے حسین ومتناسب وجود کی بے پناہ رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے پر آمادہ تھا لیکن اپنی طرف سے کوئی پیش قدمی کرنے کے بجائے ویرا کی طرف سے دست درازی کا منتظر تھا اور اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع دینے پر تلا ہوا تھا۔

"انجن کمزور ہے" میں نے جہانگیر کو جواب دیا "سلطان شاہ جوش میں پوری دس ٹن لکڑی لوڈ کرالایا ہے جب کہ ٹرک چھ سات ٹن سے زیادہ گھسیٹنے کے قابل نہیں ہے۔"

جہانگیر کا وہ تبصرہ سلطان شاہ نے بھی سن لیا تھا۔ چند ثانیوں کے لئے انجن کا شور تیز تر ہونے کے ساتھ ٹرک کی رفتار قدرے بڑھی پھر سلطان شاہ نے گیئر تبدیل کیا اور میں دل ہی دل میں ویرا کی مکاری کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنی چھیڑ چھاڑ سے سلطان شاہ کے ذہن کو اس حد تک ماؤف کرکے رکھ دیا تھا کہ وہ غیرارادی طور پر ٹرک کو نچلے گیئر میں چلائے جارہا تھا۔ شاید اس طرح وہ لاشعوری طور پر ویرا کی ہم نشینی کے لمحات کو طول دینے کی کوشش کررہا تھا۔

ٹرک کی رفتار بڑھتے ہی جہانگیر ٹرک کے کیبن پر اندھیرے میں غائب ہوگیا۔

"تھوڑی دیر کے لئے بھول جاؤ کہ تمہارے ساتھ کوئی ویرا بیٹھی ہوئی ہے" میں نے ناصحانہ لہجے میں سلطان شاہ سے کہا "کسی نازک موقع پر غیرارادی طور پر تم اسے عورت کے طور پر مخاطب کر بیٹھے تو سارا معاملہ چوپٹ ہوکر رہ جائے گا۔"

ویرا دھیمے سے ہنس دی اور چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اسے یہ بھی بتادو کہ میرا مردانہ نام کیا ہوگا۔ کہیں یہ فیکٹری پہنچ کر میرا نام نہ پوچھ بیٹھے۔"

میں نے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا "تمہارا نام دلبر خان ہی مناسب رہے گا۔ میں نے تمہارے جیسے لڑکوں کے عموماً ایسے ہی نام سنے ہیں۔"

اس کے بعد کیبن میں خاموشی چھاگئی۔ آنے والے سنگین لمحات کا ذکر آتے ہی ماحول قدرے بوجھل ہوگیا تھا۔ آپس کی نوک جھونک میں الجھ کر کچھ دیر کے لئے ہم تینوں یہ

بات فراموش کر بیٹھے تھے کہ ہم کسی پکنک پر نہیں، بلکہ ایک خوں ریز مہم پر جارہے تھے۔

نشتر روڈ سے دو موڑ گھومنے کے بعد ہمارا ٹرک صدیق وہاب روڈ پر پہنچ گیا۔ سناٹے میں وہ سڑک اس وقت بہت شادہ اور خوبصورت نظر آرہی تھی۔ اسی سڑک سے ملنے والی ایک گلی کے آخری سرے پر ہماری مطلوبہ فیکٹری واقع تھی۔

اس گلی میں تمام تر دکانیں اور گودام ہی واقع تھے جن میں اس وقت زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے تھے کسی کسی دکان کے آگے بنے ہوئے پختہ تھڑے پر چرسی اور موالی قسم کے خستہ حال، اکاد کا افراد بے سدھ پڑے ہوئے تھے جن کی مدہوشی میں ٹرک کے انجن کا شور بھی خلل انداز نہ ہوسکا تھا۔ ہمارے لئے ان کی وہ بے تعلقی ہر اعتبار سے سودمند تھی۔

سلطان شاہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا اس لئے ٹرک رکنے تک وہ کسی عملی کارروائی میں کوئی حصہ نہیں لے سکتا تھا لیکن ہم دونوں کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لئے پوری طرح تیار ہوچکے تھے۔

پھر ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں، گلی کے بند سرے پر، بڑے سے، سالخوردہ چوبی پھاٹک کے برابر میں دیوار پر لگا ہوا وہ دھندلایا ہوا بورڈ نظر آنے لگا جس پر انگریزی حروف میں فائن ٹمبر فیکٹری کا نام درج تھا۔

بورڈ کے اڑے ہوئے رنگوں اور خستہ حالی سے ظاہر ہورہا تھا کہ فیکٹری کے مالکان نے برسہا برس قبل اس کی تنصیب کے بعد کبھی بھی اس پر کوئی توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

چوبی پھاٹک اس احاطے میں ایک برائے نام رکاوٹ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بادی النظر میں یوں معلوم ہوتا تھا کہ ذراسی زور آزمائی کرکے اسے بآسانی کھولا جاسکتا تھا یا پھر اسے پھاند کر اندر اترا جاسکتا تھا۔

سلطان شاہ نے پھاٹک کے قریب ٹرک روک کر انجن کو دو تین مرتبہ ریس دی، ایک بار ہارن بجایا اور پھر ہیڈ لیمپس کو باربار دھیما اور تیز کرنے لگا۔

میں دروازہ کھول کر ٹرک کے نیچے اترا، اتنی دیر میں جہانگیر بھی کیبن کی چھت پر سے نیچے آگیا۔ اس وقت ہمارا طویل سفر سے آئے ہوئے مزدوروں کی طرح بے تابی کا اظہار کرنا ضروری تھا اس لئے اندر سے کوئی تحریک نہ ہوتی دیکھ کر ہم دونوں چوبی پھاٹک پر طبع آزمائی کرنے لگے۔

سلطان شاہ اپنی جگہ پر مستعد تھا۔ ہمارے آگے نکلتے ہی اس نے ٹرک کے ہیڈ لیمپس گل کردئے اور ہم انجن کے شور میں چوبی پھاٹک دھڑدھڑانے میں مصروف ہوگئے۔

"خاصی بڑی فیکٹری ہے۔" جہانگیر نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "کیبن کی چھت پر سے میں نے پورا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی۔ اگر گیٹ کے قریب کوئی موجود نہ ہوا تو ہم تک بھی گیٹ بجاتے رہیں گے اور اندر سے کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔"

میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ ہمارے حریفوں نے ادھر کا رخ نہ کیا ہو۔ اگر ڈیفنس سے مار کھاکر اسی طرف آئے ہیں تو نہ صرف چوکنا بلکہ وہ خود بھی چوکنا ہوں گے اور شاید خود ہی ہمارا استقبال کریں گے۔"

"کون ہے؟" چند ثانیوں بعد فیکٹری کے احاطے سے ایک کرخت اور گونجیلی آواز ابھری جس میں نیند کا یکسر مفقود تھا۔

"برادر پھاٹک کھولو! مال آیا ہے۔" جہانگیر نے پشتو میں شاید اس نے سوال کرنے والے کے لہجے سے بھانپ کہ وہ کوئی پختون تھا۔ اور ویسے بھی کراچی کے ساہوکاروں جان ومال کی حفاظت کا فریضہ عام طور پر پختون ہی سرا دیتے ہیں۔ پختونوں کی ناخواندہ اکثریت نے اس شہر میں سنگلاخ پرورش اور جنگی جبلت کی بنا پر شب بیدار نگہ کے طور پر اپنی کچھ ایسی ساکھ بنالی ہے کہ لسانی تنازعات کے میں بھی باحیثیت لوگ ان ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ بڑی با ہے کہ اس برادری نے اپنی انفرادی خوبیوں اور خامیوں باوجود کبھی بھی اپنے مالکان کو دھوکا نہیں دیا ہے۔ شہر کی اور بازاروں میں سندھی، پنجابی، مہاجر اور پٹھان ایک دو کو لہولہان کرنے پر تلے ہوئے ہوں تب بھی پٹھان محا دیواروں کے پیچھے جاگ کر اپنے سندھی، پنجابی اور مہا کے جان ومال کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ وہ جس کا نمک ہے، اس سے نمک حرامی کم ہی کرتا ہے۔

جہانگیر کا مطالبہ اندر والے کے لئے بجاطور پر ناقا تھا۔ وہ پھاٹک سے دور تھا لیکن آواز سے ظاہر ہورہا پھاٹک کی طرف آرہا تھا۔ "یہ فیکٹری برسوں سے بند پڑ ہے۔ تمہیں کوئی مغالطہ ہوا ہے یہاں کوئی مال وال نہیں گونجیلی آواز نے اس بار پشتو میں جواب دیا تھا۔

"فائن ٹمبر فیکٹری یہی ہے؟" جہانگیر نے اصرار کیا شمال کے جنگلات سے یہاں کے لئے لکڑی لے کر آ دروازہ کھولو، تکان اور نیند سے ہمارا برا حال ہورہا

"بابا، یہاں کوئی مال نہیں آتا تھا۔" کچی زمین پر قدموں کی چاپ چوبی پھاٹک کے قریب آگئی۔ "تم کیوں یہاں پریشان ہورہے ہو؟ مال کسی اور کا ہوگا۔"

"غضب خدا کا۔" جہانگیر چڑچڑے سے انداز میں بولا۔ "دن رات سفر کرتے ہوئے ہزار میل سے یہاں پہنچے ہیں تو مال کا کوئی ولی وارث ہی نہیں ہے۔ سپرہائی وے پر پولیس والوں نے خوار کیا۔ اگر مال نہیں لینا تو نہ لو لیکن گاڑی تو اندر لے لو تاکہ ہم لوگ بھی تھوڑی دیر کے لئے بے خبری سے سوسکیں۔ مال اونے پونے بیچ کر کوئی نیا بھاڑا پکڑلیں گے۔"

سالخوردہ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی پر کھڑکھڑاہٹ سنائی دی پھر آواز سے وہ کھڑکی کھل گئی۔ اس میں سے ایک تنومند دراز قامت شخص برآمد ہوا تھا۔

اس نے پرتپاک انداز میں ہم دونوں سے ہاتھ ملایا۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس کی آنکھوں میں دور دور تک کا خمار نہیں تھا۔

وہ واجبی حد تک پڑھالکھا تھا۔ چالان پر اپنی فیکٹری کا نام دیکھ کر وہ قدرے پریشان نظر آنے لگا اور خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "چالان ہماری ہی فیکٹری کا ہے لیکن یہاں تو مشینیں بھی برسوں پہلے زنگ کھاکر ناکارہ ہوچکی ہیں۔ سیٹھ لوگ مہینوں ادھر نہیں آئے پھر یہ لکڑی کس نے یہاں بھیجی ہے؟"

"بابا! مال لے کر ہماری گلو خلاصی کرو۔" میں نے برہمی کے لہجے میں کہا۔ "کیوں ہم پردیسیوں کو پریشان کرتے ہو؟ مفت میں کوئی ٹنوں لکڑی یہاں کیوں بھیجے گا؟ تمہارے سیٹھ لوگوں نے ہی کسی سے اس کا سودا کیا ہوگا۔ پھاٹک کھولو، انجن بند کردیا تو پھر ٹرک دھکے سے ہی اسٹارٹ ہوگا۔ راستے میں اس کا سیلف بھی خراب ہوگیا ہے۔"

اس نے چالان کو روشنی میں غور سے دیکھا پھر سوال کیا۔ "کرایہ مل چکا ہے؟"

"ہاں، سب کچھ مل چکا ہے" میں نے بے زاری کے عالم میں کہا۔ "تم بس اندر کہیں جگہ بتادو تاکہ ہم ٹرک خالی کرالیں۔ مزدور تو ہوں گے تمہارے پاس؟"

"یہ ویران اور غیر آباد فیکٹری ہے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "میرے پاس اپنی تنخواہ کے بچے ہوئے پیسوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے پھر اس وقت مزدور بھی نہیں ملیں گے۔ تم ٹرک اندر کھڑا کرکے سوجاؤ۔ میں صبح کوئی بندوبست کروں گا۔ زیادہ جلدی ہے تو تم لوگ ہی ہمت کرو۔ میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا۔ ایک گھنٹے میں ٹرک خالی ہوجائے گا۔"

خدا کا شکر تھا کہ وہ پھاٹک کھولنے پر آمادہ ہوگیا تھا میں نے بے زاری سے کہا۔ "تم پھاٹک تو کھولو، پھر ہم آپس میں مشورہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔"

پھاٹک کھلتے ہی سلطان شاہ نے ٹرک کے ہیڈ لیمپس روشن کردئے اور میں نے دیکھا کہ اس وسیع وعریض مگر ویران رقبے پر پھاٹک سے کافی دور ایک اونچا اور کافی بڑا شیڈ بنا ہوا تھا جو شاید کسی زمانے میں مشین ہال رہا ہو مگر اس وقت تاریک اور ویران پڑا ہوا تھا۔

سلطان شاہ پھاٹک سے گزرنے کے بعد ٹرک کو اسی شیڈ کی طرف لے جانا چاہتا تھا مگر چوکیدار دونوں ہاتھ پھیلا کر ٹرک کے سامنے آگیا اور اونچی آواز میں بولا۔ "ادھر جانے کی ضرورت نہیں، بس یہیں پھاٹک کے قریب ٹرک بند کردو۔"

"بھرے ہوئے ٹرک کو دھکا لگاکر اسٹارٹ کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔" میں نے اسے ڈراتے ہوئے کہا۔ "ایک بار ٹرک یہاں کھڑا کردیا تو لکڑی یہیں اتروانی پڑے گی۔"

"فکر نہ کرو، لکڑی یہیں اتروالوں گا۔" وہ احاطے کے اندرونی حصوں کے بارے میں بہت زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔ اس کے رویے سے ظاہر ہورہا تھا کہ اندر کوئی گڑبڑ تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ ہم لوگ کسی گڑبڑ ہی کی امید لے کر اس وقت وہاں پہنچے تھے۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف پہنچ کر سلطان شاہ کو ٹرک وہیں لگانے کا مشورہ دیا اور اس نے کمال ہوشیاری سے ٹرک کو لمباسا چکر دے کر اس طرح گھمایا کہ باری باری احاطے کے تمام حصے روشنی سے منور اور پھر تاریک ہوتے چلے گئے اور اسی دوران میں میں نے زرد رنگ کی وہ لمبی سی سیڈان کار بھی دیکھ لی جو شیڈ کے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی۔

ٹرک کے طاقتور ہیڈ لیمپس کی روشنی میں واضح نظر آرہا تھا کہ اس کار کی باڈی اور شیشوں پر گرد کی خاصی تہ جمی ہوئی تھی جیسے وہ مدت سے وہاں کھڑی ہوئی ہو لیکن اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں ڈیفنس کے مکان سے نکلنے والی سرنگ کے اختتام پر واقع احاطہ یاد آگیا جہاں چھپر کے نیچے کسی کار کی موجودگی اور پھر روانگی کے سارے شواہد موجود تھے۔

خلاف توقع پھاٹک کے ساتھ چوکیدار کے لئے کوئی کمرا وغیرہ نہیں تھا۔ وہاں پیپل کے ایک تناور درخت نے کافی بڑے حصے پر سایہ کیا ہوا تھا۔ چوکیدار نے ہمیں آگاہ کیا کہ ہم کو رات کے باقی لمحات وہیں زمین پر چادر وغیرہ بچھاکر گزارنے ہوں گے۔

"تم رات کو کہاں سوتے ہو؟ تمہارا بستر نظر نہیں آرہا۔" ٹرک کا انجن بند ہوجانے کے بعد میں نے چوکیدار سے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"میں اندر سوتا ہوں۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔" لیکن تم لوگ ٹرک خالی نہیں کروگے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ یہیں سوؤں گا۔"

" وہ کار تمہارے سیٹھوں کی ہے ؟" میں نے روا روی میں اس سے سوال کیا اور اس نے چونک کر بے ساختہ انداز میں مجھ سے سوال کرڈالا تھا۔" کون سی کار ؟"

" ارے وہی جو دھول مٹی میں اٹی ہوئی شیڈ کے قریب کھڑی ہوئی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے لاابالی انداز میں کہا۔" یہاں کون سی دس بیس کاریں ہیں ؟"

وہ بھونڈے انداز میں ہنس پڑا۔" ہاں' وہ سیٹھ کی ہی گاڑی ہے۔ کبھی کبھار یہاں بھی آجاتی ہے.... تم لوگ اپنے لیٹنے کا بندوبست کرو' میں اندر سے اپنی چادر لے کر آتا ہوں۔"

کار کے بارے میں میرے سوال پر وہ بوکھلا گیا تھا اور جواب دیتے ہوئے یہ بھول گیا تھا کہ چند ہی لمحے پہلے وہ مجھے فیکٹری سے سیٹھوں کی مہینوں طویل غیر حاضری کی کہانی سنا چکا تھا لیکن میں نے بھی اسے ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تاکہ وہ ہماری طرف سے ہوشیار نہ ہوسکے۔

ٹرک سے اترنے کے بعد ویرا نے صرف ایک بار ہی اپنی زبان کھولی تھی اور میں اس کے حلق سے بر آمد ہونے والی مردانہ آواز سن کر بھونچکا رہ گیا۔ وہ ہر اعتبار سے اپنے مردانہ بہروپ کو نباہنے پر قادر تھی لیکن تشویش کی بات یہ تھی کہ اس مختصر سی مدت میں چوکیدار کئی بار حریصانہ نظروں سے اس کی طرف گھور چکا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اندر کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ یقینی طور پر ہم میں سے کسی سے ویرا کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کرے گا۔

وہ چادر لینے کا عذر کرکے وسطی میدان عبور کرتا ہوا' آہستہ آہستہ شیڈ کی طرف بڑھنے لگا میں نے سرگوشیانہ لہجے میں ان تینوں سے کہا۔" یہیں میرے سگنل کا انتظار کرو۔ میں اس کے پیچھے جارہا ہوں۔ وہ لوگ یقینی طور پر یہاں موجود ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ چادر لینے کے بہانے ان کو لکڑی سے لدے ہوئے ایک ٹرک کی ناگہانی آمد کی اطلاع دینے گیا ہے۔ یہ ہمارے لئے سنہرا موقع ہے ورنہ اندھیرے میں ہم ان کو آسانی کے ساتھ تلاش نہیں کرسکیں گے۔"

" میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" ویرا نے فوراً ہی اپنا فیصلہ صادر کردیا لیکن میں نے سختی کے ساتھ ان تینوں کو وہیں رکا رہنے پر مجبور کردیا۔ چار میں سے کسی ایک کے غائب ہونے پر تو حوائج ضروریہ کے کسی ناگزیر دباؤ وغیرہ کا بہانہ کیا جاسکتا تھا لیکن آدھی نفری غائب ہونے کی صورت میں باقی رہ جانے والوں کے لئے اس غیر حاضری کا دفاع کرنا محال ہوجاتا۔

اگر فیکٹری کے تاریک شیڈ میں جانو ماچھی کے ساتھی چھپے ہوئے تھے تو یہ امر یقینی تھا کہ انہوں نے پھاٹک کی طرف آنے والے چوکیدار کو بے لگام نہیں چھوڑا ہوگا بلکہ ان میں سے کوئی نہ کوئی مستقل طور پر اس کی نگرانی بھی کررہا ہوگا اس لئے تاریک میدان میں براہِ راست چوکیدار کا تعاقب کرنا خطرناک بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا تھا جب کہ اس نادیدہ عمارت کے تاریک ڈھانچے میں جانو ماچھی کے آدمیوں کی کمین گاہ کا سراغ لگانے کے لئے چوکیدار کا تعاقب ناگزیر تھا!

ان تینوں کو سختی سے ہدایات دیتے ہی میں نے چیپل کی چھاؤں میں احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کردیا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ اندھیری رات تھی اور صرف تاروں کی چھاؤں میں دور سے کسی کا دیکھ لیا جانا ممکنات میں سے نہیں تھا۔

میں خاصی کڑی اور پُر مشقت زندگی گزارنے کا عادی تھا لیکن اس رات اندازہ ہوا کہ مسلسل دوڑنا کتنی ہمت کا کام ہوتا ہے۔ دیوار کا کونا آنے تک میرا سانس پھولنے لگا تھا۔ اس دوران جابجا اُگے ہوئے تناور درختوں کی اوٹ سے میں چوکیدار کا جائزہ بھی لیتا رہا جو تاریک شیڈ سے لمحہ بہ لمحہ قریب ہونے کے باوجود اتنا دور تھا کہ میں پورے احاطے کا چکر کاٹ کر اس سے پہلے شیڈ کے آس پاس کوئی پوزیشن لے سکتا تھا۔

میں مسلسل دوڑتا رہا۔ میرا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا لیکن میرے لئے وہ لمحات بہت اہم تھے۔ اسی احاطے کے کسی گوشے میں میری غزالہ سفاک اور بے رحم ڈاکوؤں کی قید میں تھی۔ اس وقت تک وہ میرا قیاس تھا جسے چوکیدار کا مشکوک رویّہ تقویت دیتا رہا تھا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ اس رات کی میری وہ بھاگ دوڑ جلد ہی بار آور ہونے والی تھی۔

ایک سمت مجھے راستہ صاف ملا مگر دوسرے رخ پر خودرُو جھاڑیوں اور پودوں نے مجھے محتاط ہونے پر مجبور کردیا۔ بیچ کہیں کہیں خاردار پودے بھی پھل پھول رہے تھے جن کی وجہ سے میری رفتار میں خاصی کمی آگئی لیکن پھر بھی میں چوکیدار سے چند ثانیوں پہلے ہی تاریک شیڈ کی بغلی دیوار کے ساتھ قد آدم جھاڑ جھنکاڑ میں دبک کر بیٹھ گیا۔

"کیا خبر لائے ہو شیر خان؟" چوکیدار شیڈ سے چند قدم دور ہی تھا کہ اندھیرے میں سے ابھرنے والی ایک آواز نے میرے وجود میں سنسنی سی دوڑادی۔

چوکیدار نے ہمیں فیکٹری کی ویرانی کی خبر سنائی تھی لیکن وہ خود اس ویرانے میں کسی کے ساتھ مذاکرات کررہا تھا جس کا مطلب تھا کہ لکڑی سے لدے ہوئے ٹرک کے ساتھ ہماری بھاگ دوڑ رائیگاں نہیں گئی تھی۔ ہمیں ایک رات میں دوسری بار اپنے حریفوں سے پنجہ آزمائی کا موقع مل رہا تھا۔

" فیکٹری کے نام پر لکڑی آئی ہے۔" شیر خان کی الجھن آمیز آواز ابھری۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ سوال سنتے ہی اندھیرے میں اپنی جگہ پر منجمد ہوکر رہ گیا تھا۔

" لکڑی آئی ہے ؟" تلخ اور زہریلی آواز ابھری۔" بھلا یہ کہاں سے آئی ہے ؟"

"سوات کے جنگلوں سے پورا ٹرک آیا ہے۔ کسی میاں اسلم نے یہ مال ہماری فیکٹری کے نام بھیجا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ٹرک کا کرایہ بھی ادا کیا جاچکا ہے۔ ہمیں بس اپنے مزدوروں سے ٹرک خالی کروانا ہے اور پھر لاکھوں روپے کی یہ لکڑی ہماری ہوگی۔"

"ٹرک پر کتنے آدمی آئے ہیں؟" پُر خیال لہجے میں وہ اہم سوال کیا گیا۔" سائیں نے تمہیں اس ٹرک کے بارے میں کوئی خبر نہیں دی تھی ؟"

"سائیں نے کچھ بتایا ہوتا تو کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ میں نے تو پھاٹک کھولنے سے ہی انکار کردیا تھا لیکن کاغذات دیکھنے کے بعد انہیں اندر بلانا پڑا۔ لمبے سفر سے آنے والوں کی مہمان نوازی دیسے بھی ہم لوگوں میں فرض سمجھی جاتی ہے۔ یہ بے چارے تو بہت تھکے ہوئے ہیں۔ میں نے ان چاروں کو پھاٹک پر ہی روک دیا ہے۔"

" ان میں سے کسی ایک کو گھیر گھار کر ہماری طرف لے آؤ۔ مجھے اس ٹرک پر کچھ شبہ ہو رہا ہے۔ اول تو یہاں لکڑی کا آنا ہی عجیب سی بات ہے پھر اس ٹرک پر ڈرائیور اور کلینر کے بجائے چار آدمی آئے ہیں...."

" ایک جوان اور خوبصورت لڑکا ہے۔" شیر خان نے اندھیرے میں سوال کرنے والے کی بات کاٹ کر دھیمے لہجے میں کہا۔ "لمبے روٹ پر چلنے والے' گاؤں کے لڑکوں کو شہر دکھانے کے بہانے اکثر دل بہلانے کے لئے ساتھ لے آتے ہیں۔ وہ مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کلینر کچا ہو تو کبھی کبھار منزل پر جلدی مال پہنچانے کے لئے دو ڈرائیور بھی چل پڑتے ہیں۔ وہ باری باری کیبن کی چھت پر سوتے اور ڈرائیونگ کرتے ہیں۔"

. تمہاری باتوں سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم ہی انہیں یہاں لائے ہو۔" چبھتے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔" آخر انہیں یہاں مرنے کی اتنی کیا جلدی تھی کہ پورا جلوس بنا کر آئے ہیں ؟"

" مجھے الزام نہ دو سائیں۔" شیر خان نے مجروح لہجے میں احتجاج کیا۔" میں مر سکتا ہوں مگر اپنے مالکوں سے نمک حرامی نہیں کرسکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں آئے ہوئے ہو پھر مجھے کسی کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں تیس برس سے یہاں چوکیداری کررہا ہوں۔ میں نے اپنی جوانی اسی کام میں گزاری ہے۔ جب یہ فیکٹری چلتی تھی تو میرا دن رات ٹرک والوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔"

چند ثانیوں کے لئے تاریک فضا پر بوجھل اور خون آشام سا سکوت چھا گیا پھر وہی آواز ابھری۔" اچھا! تو اب تم یہیں ٹھہرو' میں خود ان لوگوں کو دیکھوں گا۔"

" ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا۔" شیر خان جلدی سے بول پڑا۔ "میں نے ان لوگوں سے کہا ہے کہ فیکٹری میں میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ میری جگہ تمہیں دیکھ کر وہ بھڑک جائیں گے۔"

" بھڑک کر کیا کرلیں گے ؟" اس کا لہجہ تضحیک آمیز ہوگیا۔" وہ شمال سے لکڑی ہی لے کر آئے ہیں تو انہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہئے کہ یہاں کتنے آدمی ہیں اور ان سے جھوٹ کیوں بولا گیا تھا؟ اگر ان کے کچھ اور ارادے ہیں تو انہیں کھل کر سامنے آنا پڑے گا۔ تم ان سب باتوں کی فکر نہ کرو۔ میں اپنی بات خود ہی سنبھال لوں گا۔"

" تم میرے ساتھ آجاؤ تو ہم ان کے ساتھ مل کر ابھی ٹرک خالی کرالیں گے اور انہیں یہاں سے چلتا کردیں گے۔ ان مین سے ایک نے تمہاری گاڑی بھی دیکھ لی ہے۔" جانو ماچھی کے ساتھی کی گفتگو نے شیر خان کے ذہن میں بھی شبہات ابھار دیئے تھے۔

"تمہاری تجویز درست ہے۔" اس نے فوراً ہی کہا تھا۔ "لیکن اپنی رائفل لوڈ کر کے فاضل کارتوسوں کی پیٹی بھی ساتھ لے لو۔ گڑبڑ کا ذرا سا بھی شبہ ہوا تو ہمیں ان کو ہوشیار ہونے کا کوئی موقع دیئے بغیر ہی پہلے وار میں ڈھیر کرنا ہوگا۔"

مجھے حیرت تھی کہ ان دونوں کے مذاکرات طویل ہوجانے کے باوجود اندر سے کسی کی مداخلت کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ ہماری زبان سے جانو ماچھی کی موت کی خبر سن کر آگے بڑھانے والا' ان کا ساتھی 'ڈیفنس میں ان ہی کے ہاتھوں مارا جاچکا تھا لیکن ہمیں یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ ان کی کل نفری کتنی تھی؟ اور وہ کس حد تک مسلح تھے؟

"تم یہیں ٹھہرو' میں رائفل لے کر آتا ہوں۔" اس شخص کی آواز سنائی دی۔ میرے لئے یہ بات باعثِ حیرت تھی کہ چوکیدار کو خوں ریزی میں اپنا شریک کار بنانے کے باوجود وہ اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔

اس اثنا میں میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا تھا۔ اندر والے جانو ماچھی کے ساتھی تھے اور ان کا براہِ راست اس فیکٹری سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن چوکیدار اس شخص کے ایما پر جتنی آسانی کے ساتھ قتل اور خوں ریزی پر آمادہ ہوگیا تھا' اس سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ ان دونوں میں کوئی ایسی قدر مشترک تھی کہ باہمی جان پہچان نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ثابت ہورہے تھے۔ اس اعتبار سے فائن ٹمبر فیکٹری کا وہ چوکیدار بھی ڈاکوؤں' قاتلوں اور اغوا کنندگان کی صف میں شامل نظر آنے لگا تھا اور اگر میں صورتحال کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے اسے مار بھی دیتا تو میرے دل پر ذرا بھی بوجھ نہ ہوتا۔

ان لوگوں کی تعداد میرے علم میں نہیں تھی' غزالہ ان کی قید میں تھی اور اس وسیع و عریض فیکٹری میں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ قرب و جوار میں اگی ہوئی خودرو جھاڑیوں میں جابجا جھینگر بول رہے تھے۔ بعض جگہ اس قدِ آدم اور بے ترتیب جھاڑ جھنکاڑ نے اتنا پھیلاؤ اختیار کرلیا تھا کہ اس میں بیک وقت کئی آدمی آسانی سے روپوش ہوسکتے تھے۔ اگر ایک بار ان سے کھلے تصادم کا آغاز ہوجاتا تو وہ خطرہ بھانپتے ہی' غزالہ کو ساتھ لے کر اس تاریک جنگل میں کہیں بھی پناہ لے کر پسپا ہوتے ہوئے دیوار پھاند کر فرار ہوسکتے تھے اور ہم ہوا میں اپنا اسلحہ برباد کرکے بھی ناکام و نامراد رہتے۔

چوکیدار اور اس نامعلوم شخص کے مذاکرات سے جو صورتحال بن رہی تھی' وہ کچھ امید افزا تھی۔ اس وقت تاریک میدان میں صرف نہتا چوکیدار ہی میرا مدِمقابل رہ گیا تھا۔ آوازوں کی بنا پر میں نے اس کی موجودگی کی سمت کا تعین کرلیا تھا پھر جھاڑیوں میں جگہ بنا کر تاریکی میں اس کا تاریک تر ہیولا بھی دیکھ لیا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ کھلے تصادم کے آغاز سے پہلے ان میں سے ایک ایک کو گھیر کر ٹھکانے لگادیا جاتا۔

جھاڑیوں میں پلے ہوئے چوہے' ان کے خونی تعاقب میں لگی ہوئی بلیاں اور خاصے حشرات الارض دوڑتے پھر رہے تھے' اس لئے مجھے اپنی پیش قدمی سے پیدا ہونے والی سرسراہٹوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اس وقت میں پستول سے فائر کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا اس لئے میں نے اللہ کا نام لے کر بیم گن نکالی اور چوکیدار کی طرف بڑھنے لگا جو اندھیرے میں اپنی رائفل کا منتظر تھا۔

بیم گن بلاشبہ ایک بہت مہلک اور بے آواز ہتھیار تھا جس نے بہتیرے نازک مواقع پر میری مدد کی تھی مگر مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ایک بار اس کا چارج ختم ہونے کے بعد اسے دوبارہ کارآمد بنانا میرے لئے ناممکن تھا۔ میں نے اسے کافی مدت سے استعمال نہیں کیا تھا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ وہ ہتھیار کم از کم اس رات مجھے دغا نہیں دے گا جو غزالہ کے لئے غالباً اہم ترین رات تھی۔

میں جھاڑیوں میں اپنی راہ بناتا ہوا بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھا تھا کیونکہ اندر سے کسی کی واپسی سے پہلے مجھے اپنا کام پورا کرنا تھا۔ میرا ارادہ اسے رینج میں لے کر اس کے دل کے مقام پر بیم فائر کرنے کا تھا لیکن اس کی بدقسمتی کہ میں جوں ہی جھاڑیوں کے آخری سرے پر پہنچا' اس نے اچانک اپنی پوزیشن تبدیل کی اور میرے طرف پشت کرکے پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا جہاں اندھیرے میں ہمارا ٹرک موجود تھا۔

میں نے فوراً ہی جھاڑیوں سے نکل کر پنجوں کے بل میدان میں اس کی طرف دوڑ لگادی۔ چشم زدن میں عقب سے اس کے قریب پہنچ کر میں نے دل کے مقام پر ایک ڈیڑھ انچ کے فاصلے سے فائر کیا۔ بیم گن کے نوزل سے مہلک نیلگوں شعاع اس کی جلد' گوشت اور ہڈیوں کو راکھ کرتی ہوئی اس کے دل سے گزر گئی۔ اسے چونکنے یا کسی ردِعمل کا اظہار کرنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ نیلگوں شعاعیں بیم گن کے نوزل سے نکلنے کے بعد کسی بھی وجود سے ٹکراتے ہی پھیلاؤ اختیار کرلیتی تھیں' اس لئے لمحہ بھر کی اس شرباری نے شاید اس کے پورے دل کو ہی راکھ کرڈالا تھا۔ وہ جس طرح کھڑا ہوا تھا' اسی طرح' ہلکی سی دھمک کے ساتھ زمین پر آرہا۔

میں نے بیم گن بائیں ہاتھ میں تھامی اور داہنے ہاتھ سے اس کی ایک ٹانگ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا جھاڑیوں کی طرف

لے چلا تاکہ آنے والے کو اس کے عبرت ناک انجام کا پتا نہ چل سکے۔

وہ سب بہت قلیل سے وقفے میں ہوا مگر اس دوران میں سنسنی اور بے یقینی کی وجہ سے میرا دل پوری رفتار سے کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ اس مختصر سے مقابلے میں قویٰ اور اعصاب دونوں ہی پر شدید دباؤ پڑا تھا لیکن میں پوری بے خوفی کے ساتھ اگلے راؤنڈ کے لئے تیار ہوچکا تھا۔

چند ثانیوں بعد شیڈ کی جانب سے رائفل بردار نمودار ہوا۔ چوکیدار کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس کے استقبال کے لئے میں نے زیادہ بہتر پوزیشن لے لی تھی اور اس وقت وہ براہِ راست میری نظروں میں تھا۔

ویران فیکٹری کا تاریک پھاٹک وہاں سے کافی دور تھا' اس لئے وہ بے پروایانہ انداز میں باہر آیا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے چند ثانیوں تک انتظار کیا پھر شیر خان کو آواز دی جو زندگی اور اس کے تمام تر تکلفات سے بے نیاز ہوکر جہنم داصل ہوچکا تھا۔

شیر خان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے فوراً ہی زمین پر سینے کے بل لیٹ کر اپنی رائفل سیدھی کرلی۔ وہ ایک رسوائے زمانہ ڈاکو کا قریبی ساتھی تھا اس لئے خطرہ بھانپتے ہی اس کی ساری حیوانی جبلتیں یک بیک روبہ کار آگئی تھیں۔

میں نے اپنے قدموں میں سے ایک پتھر اٹھا کر مخالف سمت میں' جھاڑیوں میں اچھال دیا۔ تیز اور دھیمی سرسراہٹوں میں پتھر گرنے کی آواز بہت نمایاں تھی۔ وہ بجلی کی سی سرعت سے زمین پر پیٹ کے بل گھوما تھا اور اس نے پتھر گرنے والی جگہ پر فائر کردیا۔

اس وقت میرا کوئی ارادہ یا منصوبہ نہیں تھا۔ بس میں اپنا پستول سنبھال چکا تھا لیکن جوں ہی فضا میں رائفل کا پُرہول دھماکا گونجا' میں ایک لمحاتی فیصلے کی تحت پوری قوت سے یوں چیخ پڑا جیسے گولی نے میرا بدن اُدھیڑ ڈالا ہو۔ دھماکے کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی میں خاموش ہوچکا تھا۔

وہ واقعات اتنے تواتر سے رونما ہوئے کہ اس کھلے میدان میں اسے قطعی اندازہ نہیں ہوسکا کہ انسانی چیخ اُدھر سے نہیں ابھری تھی جدھر اس نے فائر کیا تھا۔ اس کے دماغ پر بس یہ نشہ سوار ہوگیا کہ اس کا نشانہ بے خطا ثابت ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی بے احتیاطی کے ساتھ زمین سے اٹھ کر اس طرف دوڑ لگادی' جدھر اس نے رائفل چلائی تھی۔

فائر اور چیخ کے ساتھ ہی ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔ شیڈ کی طرف سے کچھ ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے چند لوگ آپس میں لڑپڑے ہوں یا دھماچوکڑی مچارہے ہوں۔

دوسری طرف میرے ساتھیوں میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی اور وہ تینوں تیزی سے اس طرف بھاگے چلے آرہے تھے۔

اس ڈاکو کے دیدہ دلیرانہ فائر نے میرے ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ روپوش رہ کر ان لوگوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے اب کھل کر مقابلہ کرنا ضروری ہوچکا تھا۔

اپنے متوقع شکار تک رسائی کے وحشیانہ جنون میں وہ رائفل بردار ڈاکو جوں ہی دوڑتا ہوا میری زد میں آیا' میں نے پستول سیدھا کرکے اس پر گولی داغ دی۔

اس بار وہ غضبناک انداز میں چیخا تھا۔ اندھیرے میں بھاگتے ہوئے شکار کا بالکل صحیح نشانہ لینا کسی ماہر ترین نشانے باز کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا' اس لئے میری گولی اسے کوئی مہلک زخم نہیں لگا سکی تھی البتہ زخمی ہوتے ہی وہ رائفل پھینک کر شیڈ کی طرف دوڑ پڑا تھا۔

میں نے اپنی کمین گاہ چھوڑ کر رائفل پر قبضہ کرلیا۔ اس کے دستے پر تازہ خون کی چپچپاہٹ سے اندازہ ہوا کہ میری گولی نے شاید اس کا شانہ زخمی کردیا تھا' اس لئے وہ رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی پھینک کر وہاں سے فرار ہونے پر مجبور ہوگیا تھا۔

"شیر خان! ادھر گولیاں کیوں چل رہی ہیں؟ کون کون زخمی ہوا ہے؟" دور ہی سے جہانگیر کی وحشت زدہ بلکہ ہذیانی آواز سنائی دی۔

اسی لمحے شیڈ کے اندر گولی چلی اور ایک مردانہ چیخ سنائی دی اور میں مضطرب ہوگیا۔

غزالہ کے ہاتھ اسلحہ لگ گیا تھا یا پھر ان ہی میں سے کسی نے بوکھلاہٹ میں اپنے کسی ساتھی کو زخمی کردیا تھا لیکن یہ امر یقینی تھا کہ اندر بھی مزاحمت اور مقابلے کا آغاز ہوگیا تھا۔

"شیر خان بھاگ گیا؟" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ "سنبھل کر آنا' ورنہ گولیوں کا نشانہ بن جاؤ گے۔"

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی شیڈ کی طرف سے تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔ وہ واضح طور پر دو عدد خود کار کلاشنکوف رائفلیں تھیں جو نیم دائرے کی صورت میں شیڈ کے سامنے والے پورے علاقے کو کور کررہی تھیں۔ میں فائرنگ کی ابتدا ہوتے ہی جھاڑیوں میں لیٹ گیا اور اندازے کی بنا پر شیڈ کے داخلی راستے کی طرف رائفل چلادی لیکن وہ فائر رائیگاں گیا۔

اس کھلے مقابلے میں نہ پستول کار آمد تھا' نہ ہی بیم گن کسی کام آسکتی تھی۔ جدید اور خود کار اسلحے کی تباہ کن فائر پاور کے سامنے رائفل بھی ناکارہ ہوکر رہ گئی تھی۔ میں دل ہی دل میں دعا کررہا تھا کہ میرے ساتھی بوکھلاہٹ میں اپنا اسلحے کا تھیلا ساتھ لانا نہ بھولے ہوں۔

ان لوگوں پر بھرپور جوابی حملہ کئے بغیر نہ ہم انہیں زیر کرسکتے تھے اور نہ فرار ہونے سے روک سکتے تھے۔ ان کی طرف سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ جاری تھی اور یوں معلوم ہورہا تھا جیسے ہم پوری طرح ان کے دباؤ میں آگئے ہوں کہ اچانک مخالف سمت سے شیڈ پر خودکار سب مشین گن کا فائر شروع ہوگیا اور پہلے ہی ہلے میں حریفوں کی طرف سے ابھرنے والی دو چیخوں پر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔

وہ زخمی ہوچکے تھے اور انہیں ہراساں کرنے کے لئے یہی بات کافی تھی کہ ان کے حریف ان سے کسی طرح کم تر نہیں تھے۔ اس سے قبل شیر خان سے مذاکرات کرنے والا میرے ہاتھوں زخمی ہوچکا تھا۔ رفتہ رفتہ صورت حال واضح ہوتی جارہی تھی۔ مقابلے میں براہِ راست شریک نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اپنی پوری توجہ ان کی نفری کے تعین پر مرکوز کررکھی تھی اور اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس وقت جانو ماچھی کے کم از کم چار آدمی ہمارے سامنے صف آرا تھے۔ غزالہ کی نگرانی پر مامور افراد ان کے علاوہ ہوسکتے تھے۔ جبکہ پانچویں کو وہ خود ڈیفنس میں جہنم واصل کرآئے تھے۔

دونوں طرف سے دھواں دھار فائرنگ ہورہی تھی۔ جانو ماچھی کے ساتھی شیڈ میں محبوس ہوکر رہ گئے تھے۔ سامنے کے رخ سے باہر آنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا تھا لیکن میں بھی گولیوں کی شدید برسات میں اپنے ساتھیوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اپنے پاس مناسب اسلحہ نہ ہونے کی وجہ سے میں اس مقابلے میں مزید کوئی رول ادا کرنے سے قاصر ہوکر رہ گیا تھا اس لئے میں نے وہیں دبک کر وقت ضائع کرنے کے بجائے شیڈ کے عقبی حصے کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔

اس طرف شیڈ کی خستہ حال دیواریں تقریباً زمین بوس ہوچکی تھیں اور چھت کو سہارنے والا ڈھانچا آہنی ستونوں پر رکا ہوا تھا۔ شیڈ کی گری ہوئی دیواروں سے چند فٹ کے فاصلے پر احاطے کی دیوار تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جانو ماچھی کے آدمی اس طرف سے غافل تھے۔

اس طرف کسی کے موجود نہ ہونے کا پورا یقین کرلینے کے بعد میں شیڈ کی طرف بڑھا تو فضا جلے ہوئے بارود کی بو سے بوجھل ہورہی تھی اور فائرنگ کے آتشیں انعکاس سے پہلی ہی نظر میں ان چاروں کی پوزیشنیں میری نظروں میں آگئیں۔ اندر گہرا اندھیرا تھا لیکن چند ثانیوں بعد' جب میری

آنکھیں اس اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو مجھے اس وسیع وعریض ہال میں بے جان مشینوں کے کئی دیوہیکل ڈھانچے ایستادہ نظر آئے جن میں سے ایک آدھ ان ڈاکوؤں سے اتنا قریب تھا کہ میں اس کی آڑ لے کر ان پر اپنی بیم گن آزما سکتا تھا۔

اس ڈھانچے کی طرف بڑھتے ہوئے میں پوری طرح مستعد تھا۔ چار ڈاکو میری نظروں کے سامنے تھے لیکن غزالہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو ایسے دشوار حالات میں خود کو تقدیر کے حوالے کرکے ایک گوشے میں سر جھکائے بیٹھی رہتی ہیں۔ جانو ماچھی کے آدمیوں نے مقابلہ شروع ہوجانے کے بعد یا تو اسے بے ہوش اور یا بے بس کرکے کسی کونے میں ڈال دیا تھا یا ان کا کوئی ساتھی غزالہ کی نگرانی پر مامور تھا۔ میرے لئے ہر دو صورتوں میں غزالہ تک پہنچنا بہت اہم تھا مگر اس کی فکر میں پڑ کر میں ان چاروں کو ڈھیل نہیں دے سکتا تھا۔

ان چاروں کی مسلسل فائرنگ کی وجہ سے شیڈ کوئی زیر زمین دمدمہ محسوس ہورہا تھا جہاں ہوا کا مناسب گزر نہ ہونے کی وجہ سے گھٹن محسوس ہورہی تھی۔

میں نے ایک آرامشین کی اوٹ میں پوزیشن لے کر پستول بائیں ہاتھ میں سنبھالا اور بیم گن سے قریب ترین حریف کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبادیا۔

شیر خان تو دل راکھ ہوتے ہی حیرت ناک سرعت کے ساتھ بے حس وحرکت ہوکر گر گیا تھا مگر کھوپڑی پر بیم گن کی مہلک' نیلگوں دھار کھانے والا اچانک ہی اپنی جگہ لٹو کی طرح تیزی سے گھوما۔ اس کی کلاشنکوف پُرشور آواز کے ساتھ زمین پر گری اور پھر وہ بھی ایک دھماکے کے ساتھ دور جاگرا۔

ٹریگر چھوٹتے ہی شعاعیں معدوم ہوگئیں لیکن میرے اس فائر کی وجہ سے شیڈ کی تاریک فضا میں کچھ بھر کے لئے پراسرار سی نیلی روشنی پھیل گئی جس نے باقی تینوں کو چونکا دیا اور ان کی فائرنگ کے تسلسل میں غیر ارادی طور پر خلل واقع ہوگیا۔

پھر انہوں نے اپنے ساتھی کو پھرکی کی طرح ناچ کر گرتے دیکھا تو غالباً ان کے حواس باختہ ہوگئے۔ گرنے والے کی ناک اور حلق سے چند ثانیوں کے لئے خوفناک آوازیں برآمد ہوئیں اور وہ بے حس وحرکت ہوگیا۔

"کالو.... کالو! کیا ہوا؟" شیڈ میں ان تینوں کی ملی جلی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

اسی لمحے میں نے اندھیرے میں تاک کر دوسرے کے سینے پر بیم گن فائر کردی۔

بقیہ دونوں اسے ڈھیر ہوتا دیکھ کر بوکھلا گئے۔ ایک پلٹ کر بھاگا۔ دوسرے نے میری کمین گاہ کی طرف برسٹ مارا۔ ساری گولیاں مشین کے زنگ خوردہ مگر مضبوط فولادی ڈھانچے سے ٹکرا کر اچٹ گئیں۔

بھاگنے والا جوں ہی میری زد میں آیا' بیم گن کی شعاعیں اس کے پیٹ میں اترتی چلی گئیں اور وہ وہیں زمین پر گر کر کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح تڑپنے لگا۔

وہ تینوں ڈاکو آناً فاناً میں چٹ پٹ ہوئے تھے' اس لئے اکیلا رہ جانے والا بری طرح بدک کر شیڈ سے نکاسی کے راستے کی طرف بھاگا۔ شاید گولیوں سے زیادہ وہ بے آواز شعاعوں سے دہشت زدہ ہوگیا تھا لیکن جوں ہی وہ دیوار کی اوٹ سے نکل کر نکاسی والے خلا کے سامنے پہنچا' باہر سے آنے والی گولیوں کی بوچھاڑ نے اس کے وجود کو چھلنی کرکے اندر اچھال دیا اور وہ بھی دردناک چیخوں کے ساتھ تڑپنے لگا۔

اس دوران میں اندر کہیں سے' کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ دو حریف ٹھنڈے ہوچکے تھے اور دو زخمی ہوکر موت کی دہلیز پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ اندر ان کا کوئی ہمدرد یا ساتھی باقی نہیں رہا تھا جو ان کی مدد کو آتا۔

غزالہ اگر وہاں تھی تو بے ہوش یا بے دست وپا تھی جسے فوراً تلاش کرنا ضروری تھا۔

"فائرنگ بند کردو' ادھر قصہ ختم ہوگیا۔" میں نے وہیں سے چیخ کر باہر والوں کو ہدایت جاری کی اور چیختی چنگھاڑتی فضا پر یکلخت ایک ہولناک سناٹا چھا گیا۔

اس سناٹے میں دم توڑتے ہوئے' دونوں زخمیوں کی دلدوز چیخیں عجیب وحشتناک سماں باندھ رہی تھیں۔ میں نکاسی والے خلا کے سامنے آیا تو وہ تینوں دوڑتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے۔

آتے ہی ان تینوں نے مجھ پر سوالات کی یلغار کردی۔ ان کے لئے میری اندر موجودگی' سرے سے ناقابل فہم ثابت ہوئی تھی لیکن میرے لئے اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

"اندر غزالہ کو تلاش کرو۔" میں نے سرد لہجے میں انہیں ہدایت کی۔ "چوکیدار یہاں رہتا تھا اس نے اپنے لئے کوئی نہ کوئی بلب وغیرہ ضرور لگا رکھا ہوگا جسے ان لوگوں نے دانستہ بجھا رکھا ہے۔ روشنی میں ہم اپنا کام تیزی سے نمٹا سکیں گے۔"

وہ تینوں اندر پھیل گئے۔ اس اثنا میں گولیوں سے زخمی ہونے والا ڈاکو بھی سسک سسک کر دم توڑ چکا تھا اور فضا میں صرف اس شخص کی کراہیں باقی رہ گئی تھیں جس کا پیٹ بیم

گن نے چھید ڈالا تھا۔

میں تیزی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ کرب اور نیم غشی کے عالم میں بری طرح مدد کے لئے کراہ رہا تھا۔ میں نے اس کے جسم کو سہارا دیا تو وہ بالکل خشک تھا۔

بیم گن کی خوبی یا خرابی یہی تھی کہ اس سے کوئی ایسا زخم نہیں آتا تھا جس سے خون یا کوئی اور سیال بہہ سکے۔ نیلگوں شعاعیں اپنی راہ میں حائل ہونے والی ہر شے کو جلا کر یوں بھسم کرتی تھیں کہ زخم کے سرے جلے ہوئے ریشوں کے سبب سے خود بخود بند ہو جاتے تھے۔

"تمہیں بچالیا جائے گا مگر پہلے یہ بتاؤ کہ لڑکی کہاں ہے؟" میں نے اس کے رخسار پر زور زور سے تھپڑ مارتے ہوئے سوال کیا۔

"لل.... لڑکی نے ہم سب کو مروادیا۔" وہ ہکلاتا ہوا' کرب ناک آواز میں کراہا۔ "سائیں جانو اب اسے اپنی سیج پر لے جانے کے بجائے مروا دے گا....."

"فضول باتیں نہ کرو' تم خطرناک حد تک زخمی ہو۔ دیر ہو گئی تو مر جاؤ گے۔ یہ بتاؤ کہ لڑکی اب کہاں ہے؟ اس کے بعد ہم تمہاری دیکھ بھال کر سکیں گے۔"

"مجھے بچالو..... میں ابھی نہیں مرنا چاہتا۔" وہ تڑپ کر میرے ہاتھوں سے نکل گیا۔ "پہلا فائر ہوتے ہی اسے سائیں مراد اپنی ساتھ لے کر پیچھے سے دیوار پھاند کر نکل گیا تھا...." پھر کرب اور مایوسی کے عالم میں شاید مجھے اپنی باتوں کا یقین دلانے کے لئے اس نے اچانک انگریزی بولنا شروع کر دی۔ "میں کامرس کا گریجویٹ ہوں۔ کسی وڈیرے نے میری کوئی مدد نہیں کی' ہم سب بھوکوں مر رہے تھے..... میں مجبور ہو کر سائیں جانو کا ساتھی بنا تھا۔ سائیں بہت گریٹ ہے۔ اسے اس کی نیکیوں کا اجر اللہ سائیں دے گا مگر اپنی زمین پر قانون' اس کے اور اس کے ساتھیوں کے خون کا پیاسا ہے..... تم مجھے بچالو' میں سائیں کو چھوڑ دوں گا...."

زخمی حریف کے چہرے پر تیزی کے ساتھ موت کی زردی پھیلتی جا رہی تھی' اس کی آنکھیں پپوٹوں میں چڑھ چکی تھیں۔ مہلک شعاعوں نے شاید اس کا مثانہ' گردے اور آنتیں تباہ کر دی تھیں کیونکہ فائر اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر پڑا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے اجل کے بے رحم ہاتھوں سے نہیں بچا سکے گی۔

"سائیں مراد کہاں ملے گا؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

اس کے لبوں کو جنبش ہوئی لیکن کوئی آواز برآمد نہیں ہوئی' اس لمحے اس کا سانس اکھڑنا شروع ہو گیا تھا اور اس نتھنوں سے بھیانک آوازیں برآمد ہونے لگی تھیں۔

میں نے بہت کوشش کی کہ اس لبِ دم حریف کی زبان غزالہ اور سائیں مراد کے بارے میں کام کی کوئی بات اگلوا سکوں مجھے اپنی اس کوشش میں ذرا بھی کامیابی نہ ہو سکی اور میرے دیکھتے دیکھتے اس نے زندگی کی شدید ترین آرزو میں دم توڑ دیا۔

میں ایک گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جانو ماچھی کے چار اور قابلِ اعتماد ساتھی ہمارے ہاتھوں' ذرا سی دیر میں موت کے گھا اتار دیئے گئے تھے لیکن میرے نزدیک ہماری وہ پوری رات بری طر ناکام ہوئی تھی اور ہم اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیا نہیں ہو سکے تھے۔

ابتدا غیر ملکی سفارت کار' کرنل میش پال سے ہوئی تھی سلطان شاہ بڑی محنت سے اسلام آباد سے اغوا کر کے لایا تھا۔ اس میں بلیک کیٹ ٹی کا سراغ حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن کرنل نے موضوع پر بات کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ اس سے ہم صرف اتنا معلوم کر سکے کہ جانو ماچھی کے ساتھی کراچی میں کہاں کہا روپوش ہو سکتے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ بعد میں اس پر تھرڈ ڈگری آ اسے بلیک کیٹ کے معاملے میں زبان کھولنے پر مجبور کر دیا جا۔ لیکن کرنل نے میرا ارادہ بھانپ کر تہ خانے کے باتھ روم میں ٹو ہوئے شیشے سے اپنی شہ رگ کاٹ کر میری کامیابی کی راہ مسدود کر

اسی طرح غزالہ کی بازیابی کی کوششوں میں بھی مجھے ناکامی دیکھنا پڑا تھا۔ جانو ماچھی کے آدمی پہلے ایک آدمی کا نقصان اٹھا کر ا ڈیفنس والی کمین گاہ کے زیرِ زمین راستے سے فرار ہوئے پھر اب فائر نمبر فیکٹری سے بھی سائیں مراد غزالہ کو نکال کر لے گیا تھا۔ گو اس میں جانو ماچھی کے پانچ آدمی مارے گئے تھے لیکن میرے نزدیک ہماری کوئی کامیابی نہیں تھی۔ غزالہ کے نکال لے جانے کی وجہ ہمارا مشن ناکام رہا تھا۔

اسی اثنا میں وہ تینوں بھی اس شیڈ کے جائزے سے فارغ ہو میرے پاس لوٹ آئے۔ آتے وقت' انہیں اندھیرے کی وجہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ حریفوں کا اسلحہ خاموش کرانے کے لئے کتنی خونریزی کرنی پڑی تھی۔ وہ ان دونوں سے ہی باخبر تھے جو ان آتے ہوئے' زخمی حالت میں' بری طرح کراہ رہے تھے اس لئے تینوں نے ہی ان چار لاشوں کو حیرت سے دیکھا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ڈاکوؤں کے آنے سے پہلے بھی لوگ موجود تھے۔" جہانگیر نے باری باری ان چاروں لاشوں کا جا لیتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"لیکن پھر بھی ان میں فیکٹری کا چوکیدار شامل نہیں ہے۔" و بھی ان چاروں کو الٹ پلٹ کر ان کے چہروں کی شناخت کرنے

کوشش کر رہی تھی۔

"اس کی لاش باہر جھاڑیوں میں پڑی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہیں رک کر لاشیں تلاش کرتے رہے تو جلد ہی پولیس رنگے ہاتھوں ہمیں گرفتار کر لے گی۔ سناٹے میں دھواں دھار فائرنگ کی آوازیں بہت دور تک سنی گئی ہوں گی۔"

"چلو۔" میرے یاد دلاتے ہی سب کے ذہنوں میں صورتحال کی سنگینی واضح ہو گئی اور ہم افراتفری کی حالت میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

اس وقت ہمارے سامنے دو راستے تھے۔ فیکٹری کے احاطے کی دیوار، کہیں سے بھی عبور کر کے پیدل ہی کسی طرف سے فرار ہو جاتے لیکن اس صورت میں ایک خرابی یہ تھی کہ وہ علاقہ ہم میں سے کسی کا دیکھا بھالا نہیں تھا اور ہمیں بالکل اندازہ نہیں ہو پاتا کہ ہم کدھر سے بچ کر نکل سکیں گے اور کس سمت میں خود ہی شب بیدار پولیس والوں کے سامنے جا کھڑے ہوں گے۔ دوسری راہ بھی پرخطر ہی تھی مگر وہ نسبتاً قابلِ عمل تھی اس لئے ہم تیزی کے ساتھ پھاٹک پر کھڑے ہوئے ٹرک پر جا پہنچے۔

فائرنگ کے تیز شور سے اس علاقے میں بیداری کی لہر ضرور دوڑ گئی تھی لیکن مزدوروں یا کئی منزلہ فلیٹوں میں رہنے والوں میں سے کسی نے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ پھر کھلے میدان میں گولیوں کی گونج کی وجہ سے شاید کسی کو اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ فائرنگ کہاں ہوئی تھی۔

سلطان شاہ نے کسی ماہر اور پیشہ ور ڈرائیور کی طرح پھرتی کے ساتھ، لکڑی سے لدا ہوا ٹرک اسٹارٹ کیا۔ میں نے پھاٹک کھولا اور ٹرک گھوم کر باہر نکل گیا۔ میں بھی سالخوردہ چوبی پھاٹک بند کر کے باہر نکلا اور رینگتے ہوئے ٹرک کے پائیدان پر لٹک کر اپنی نشست پر پہنچ گیا۔ میرے سوار ہوتے ہی ٹرک نے رفتار پکڑ لی۔ واپسی کے اس سفر میں بھی ہماری جگہیں وہی رہی تھیں جو ہم نے وہاں آتے ہوئے سنبھالی تھیں۔

اس گنجان علاقے میں سڑکوں کے کنارے لگے ہوئے گھنے درختوں سے پرندوں کی چہکار سنائی دینے لگی تھی۔ آسمان کے مشرقی گوشوں پر ہلکی ہلکی سفیدی نمودار ہو چلی تھی جس کا مطلب تھا کہ ہم نے وہ پوری رات ہی جانو ماچھی کے آدمیوں کے خوں ریز تعاقب میں گزار دی تھی۔

OO

کرنل مہیش پال کی گردن کاٹ کر، اس کی لاش پر سے لباس اتار کر اسے ٹھکانے لگانے کا پروگرام ابتدائی مرحلے پر ہی ناقابلِ عمل ثابت ہوا کیونکہ کرنل یقینی طور پر روایتی اور کٹر ہندو ثابت ہوا تھا۔ اس کی بے لباس لاش سے اس کا دھرم سامنے آتے ہی اس کو شناخت کر لیا جانا یقینی ہو جاتا جبکہ میں ایسا کوئی بکھیڑا نہیں پھیلانا چاہتا تھا۔

میری نظروں میں وہ ناقابلِ معافی مجرم تھا اور ایک پاگل کتے کی طرح، اپنے ہاتھوں خود ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا، اس لئے اسے گمنامی کے عالم میں کہیں مفقود الخبر ہو جانا چاہئے تھا۔ ایک مردہ دشمن کی لاش سے گردن کاٹ لینے کے علاوہ مزید کسی اقدام پر میرا دل مائل نہ ہوا اور آخر کار ویرا کے مشورے پر کراچی کے جنوب مشرقی ساحل پر اس سمندری علاقے میں لاش کو بھاری پتھروں سے باندھ کر پانی میں پھینک دینے کا فیصلہ کر لیا گیا جہاں سمندر میں ہر وقت گوشت خور مچھلیوں اور خونی مگرمچھوں کی موجودگی کی کہانیاں سننے میں آتی تھیں۔ اس علاقے میں پانی پر ابھرنے سے پہلے ہی کرنل مہیش پال کا استخوانی ڈھانچا ناقابلِ شناخت ہو کر رہ جاتا۔

صورتحال اتنی وحشت انگیز تھی کہ رات بھر کی تکان اور بھاگ دوڑ کے باوجود ہم چاروں میں سے کوئی بھی سونے کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا اور چند گھنٹوں تک بستروں پر کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد ہم ایک ایک کر کے جہانگیر کے ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے جہاں ویرا سب سے پہلے، اعصابی سکون کے لئے اسکاچ کا ایک لارج پیگ لئے سگریٹ نوشی میں مصروف تھی۔

غزالہ اس وقت ہم سب کے ذہنوں پر سوار تھی۔ جانو ماچھی کے آدمی اپنے دونوں معتبر ٹھکانوں پر بری طرح ناکام ہو کر موت کے گھاٹ اتر چکے تھے، اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مراد اسے لے کر کہاں روپوش ہوا ہو گا۔

"بہت غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اب ہمیں غزالہ کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" ویرا نے اپنے گلاس سے ایک ہلکی سی چسکی لے کر کہا۔ "جو ہارات بھر شراب کے مٹکے میں ڈبکیاں کھانے کے بعد، صبح کو مشکل سے باہر آنے میں کامیاب ہوا تو اس کے ننھے سے ذہن میں بھی ایسے ہی نادر خیالات اگنے شروع ہو گئے تھے۔" سلطان شاہ نے ویرا کو یکسر نظرانداز کر کے براہ راست مجھ سے کہا۔ "ایک رائے یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ مراد، غزالہ کو اپنے ساتھ لے گیا اور وہ ہمارے ہاتھ نہیں آ سکی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ زیادہ محفوظ نہ ہوتی ...."

"پی میں رہی ہوں لیکن نشہ تمہارے گھر کے چوہوں کو چڑھ رہا ہے۔" ویرا اس کے تبصرے پر چڑے بغیر ترکی بہ ترکی جہانگیر سے مخاطب ہو گئی۔ "مجھے تو یہ سوچ کر ہی ہول آ رہے ہیں کہ غزالہ چھ وحشی درندوں کی قید میں تھی۔ اگر جانو ماچھی نے اس کے لئے اپنی پسند کا اظہار نہ کیا ہوتا تو وہ بھیڑیئے، نجانے اس کا کیا حشر کرتے۔ ایک کو انہوں نے صدمے کے عالم میں خود بھون ڈالا۔ چار کو ہم نے

ٹھکانے لگا دیا، اب غزالہ کلو اسطہ صرف مراد سے ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ برابر کے اس مقابلے میں کسی نہ کسی طرح فاتح ہو کر نکلے گی ... مجھے معلوم ہے کہ انگلینڈ میں میرے آدمیوں کی تحویل سے نکل بھاگنے کے بعد اس نے اپنا پیچھا کرنے والوں کو کیا تگنی کا ناچ نچایا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم جہانگیر کے ساتھ کرنل کی لاش کو ٹھکانے لگا آؤ۔" میں نے ویرا کی بات کا وزن محسوس کرتے ہوئے سلطان شاہ کو وہاں سے ٹالنے کی نیت سے کہا۔ "گھر میں لاش کو زیادہ دیر تک لئے بیٹھنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس دوران میں میں سوچتا ہوں کہ ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

"کرنل کے سفارتخانے کا کراچی میں کاؤنسلیٹ بھی ہے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ غزالہ کے اغوا میں براہِ راست نہ سہی، لیکن بالواسطہ طور پر یہ لوگ بھی ملوث تھے تو تم دیکھ لینا کہ میں ان لوگوں کا کیا حشر کرتا ہوں۔ تم مراد اور بلیک کیٹ ٹی کو ڈھونڈتے رہ جاؤ گے اور میں اس عمارت کو کھنڈر میں تبدیل کر دوں گا۔ اب یہ معاملہ میری برداشت سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔"

میں نے سرد نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "میری اجازت کے بغیر تم ایسی کوئی کارروائی نہیں کرو گے۔ اپنے ایک ذاتی معاملے کے لئے میں اپنے ملک اور حکومت کے لئے کوئی سنگین سفارتی جھگڑا کھڑا کرنا نہیں چاہتا۔"

وہ زہریلے انداز میں ہنستا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بولا۔ "تم حکومت کی فکر میں دبلے ہوتے رہو۔ حکومت کو تمہاری اور تم جیسوں کی کوئی فکر نہیں ہے۔ روز اغوا ہو رہے ہیں، ڈاکے پڑ رہے ہیں، ڈنکے کی چوٹ پر لاکھوں اور کروڑوں کا زرِ تاوان، جرم نہیں بلکہ حق سمجھ کر طلب کیا جا رہا ہے۔ خود غزالہ کو جانو ماچھی تھانے دار کو بھاری رشوت دے کر حوالات توڑ کر اغوا کر کے لے بھاگا، قانون اور حکومت نے تمہارے یا غزالہ کے لئے کیا کر لیا؟"

"تمہیں یہ لاف و گزاف زیب نہیں دیتی۔" مجھے اس کا اندازِ گفتگو پسند نہیں آیا تھا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ امن و امان تباہ کرنے اور لوگوں میں مایوسی پھیلانے کے لئے بیرونی طاقتیں مقامی تخریب کاروں سے مل کر کیا کچھ کر رہی ہیں... کرنل مہیش کمار اسی سلسلے میں تمہارے ہاتھ آیا ہے، ورنہ اسے اسلام آباد سے کراچی آ کر کورنگی کی دھول پھانکنے کی کیا ضرورت تھی ....؟"

ویرا نے فوراً ہی میری بات پکڑ لی۔ "اب بار بار کورنگی کا ڈھول نہ بجاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ کرنل کے اغوا کے سلسلے میں تمہارے دل میں چور ہے، اسی لئے تم بار بار اس کی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اس نے منہ بنا کر کہا تھا۔ "جب میں اس بارے میں تم سے کوئی بات نہیں کر رہی تو تم کو بھی اس بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑنا چاہئے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا۔ "کورنگی نہ سہی، اسے اسلام آباد سے ہی اٹھایا گیا مگر اہم بات جو میں سلطان شاہ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم یا وہ خود اس کی طرف کیوں متوجہ ہوا تھا؟ جانو ماچھی تو مقامی تخریب کاروں اور ملک دشمنوں کی ایک علامت ہے اور سارا قصہ ایسی قوتوں کے گھناؤنے گٹھ جوڑ کا ہے۔ اگر ہم جذبات کی رَو میں بہہ کر کوئی مجنونانہ انتقامی کارروائی کر گزرے تو یوں سمجھنا چاہئے کہ کرنل مہیش پال مرنے کے باوجود اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا ہے۔"

"جرم صرف جرم ہوتا ہے، اس کا کبھی کوئی فلسفہ نہ ہوتا ہے اور نہ گھڑا جا سکتا ہے۔" سلطان شاہ نے سر جھٹک کر کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ مجرموں کے مقابلے میں ہم بھی کچھ نیک نام نہیں۔ جرم کو مٹانے کے لئے ہم خود مجرم بنے ہوئے ہیں کیونکہ لوہے کو صرف لوہا ہی کاٹ سکتا ہے لیکن تم اپنے جرائم کے ارتکاب میں فلسفہ لے آتے ہو جو میری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ یہ تمہارے اپنے طریقے ہیں۔ مجھ سے جو چاہتے ہو، وہ میں کر آتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ جہانگیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "آؤ جی! ہم دونوں اپنے کام پر چلتے ہیں۔ یہ دونوں، ایک دوسرے کی بات آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری واپسی تک ذہنی معقولیت کے انداز میں سوچنے لگے۔ فی الحال تو یہ ملک اور قوم پر ہم سب کو قربان کرنے کے موڈ میں نظر آتا ہے۔"

ان دونوں کے وہاں سے چلے جانے تک ویرا سنجیدگی کے ساتھ، خاموش بیٹھی رہی لیکن ان کے جاتے ہی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "تمہارے ساتھ رہ کر کل کلیہ گونگا بھی اب خوب بولنے لگا ہے۔"

"وہ صحیح کہہ رہا ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "میرے مقابلے میں وہ کم عمر اور نوجوان ہے، اس لئے حالات کا اثر فوراً قبول کرتا ہے۔ حالات مسلسل بگڑتے چلے جائیں اور ان کے سدھار کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو معاشرے میں اجتماعی مایوسی اور بددلی اسی طرح سرایت کرتی چلی جاتی ہے اور یہ بھی مایوسی کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد والا مرحلہ تباہ کن ہوتا ہے جب امن پسند اور پڑھے لکھے لوگ بھی اپنی مسلسل مظلومیت سے تنگ آ کر ہتھیار اٹھانے اور سرکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کرنل مہیش پال اور اس کے حواری، دراصل ہمیں اسی راہ پر دھکیل رہے ہیں۔"

"خدا کی پناہ!" وہ حیرت سے بولی۔ "اس وقت تو تم واقعی کوئی راہب یا مصلح نظر آ رہے ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ان معاملات میں اب تم اس قدر حساس ہو چکے ہو۔"

"یہ آج کی بات نہیں ہے، میں ہمیشہ سے اسی قدر حساس رہا

ہوں۔"

"اور اسی وجہ سے تم شی سے باغی ہوئے ہو؟" اس نے میری بات میں ٹکڑا لگایا۔

"حالات کے جبر سے مجبور ہو کر میں نے شی میں شمولیت اختیار کی تھی۔" میں نے اعتراف کیا۔ "لیکن جب میری ضروریات پوری ہونے لگیں تو میرا ضمیر کچوکے لگانے لگا ..."

"یہی بات تو سمجھنے والی ہے کہ جب آدمی کا پیٹ خالی ہو تو اس کا ضمیر سو جاتا ہے۔ حلق تک حرام کھا لینے کے بعد جب ضمیر ایک جاگتا ہے تو آدمی تمہاری طرح مصلح بن جاتا ہے... ارے بابا! یہ سب تم کسے سنا رہے ہو؟ تم وہی ڈینی ہو، میں وہی ویرا لائیڈ ہوں۔ ہم مل جل کر بھیانک ترین جرائم کرتے رہے ہیں، اس لئے تمہاری یہ باتیں سلطان شاہ کو ہی نہیں، مجھے بھی عجیب سی محسوس ہوتی ہیں۔"

"شکر ہے کہ کسی بات پر تم اس سے متفق ہوتی ہوئی نظر آئی ہو۔"

وہ ہنس پڑی۔ "ضد اور ہٹ دھرمی کی اور بات ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اکثر و بیشتر عقل کی باتیں کرتا ہے۔ اگر وہ عورتوں کا احترام کرنا سیکھ لے تو ہیرا بن سکتا ہے۔"

"وہ پہاڑی پتھر ہے۔ اسے ہیرا بننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اس سے اپنا جس قماش کا احترام کرانا چاہتی ہو، یہ تو وہ قبر میں اترنے تک بھی نہیں کر سکے گا۔ تم شمال کے پہاڑوں میں خاصا عرصہ گزار چکی ہو اور اچھی طرح جانتی ہو کہ وہاں مرد سے عورت کے صرف تین رشتے ہوتے ہیں۔ ماں، بہن، بیوی... ماں، سب کی ماں ہوتی ہے۔ بہن، سب کی بہن اور عزت ہوتی ہے لیکن بیوی، جس کی ہو، بس اسی کی ہوتی ہے۔ وہاں ان تین کے علاوہ، مرد اور عورت کے درمیان دوست یا محبوبہ کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا..."

اس نے میری بات کاٹ دی۔ "وہ لوگ جدید تہذیب کو گناہ سمجھ کر اس سے دور رہتے ہیں۔ ان کی اپنی روایات ہیں، اس لئے ان پہاڑوں میں ان کا یہ رویہ قابلِ فہم ہوتا ہے لیکن سلطان شاہ برسوں سے شہروں میں نئی تہذیب کے سائے میں شب و روز گزار رہا ہے۔ وہ اب تک ان باتوں سے مانوس کیوں نہیں ہو سکا؟"

"اس سوال کا جواب وہی دے سکے گا... یہ تم کیا خرافات لے بیٹھیں؟"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟ بلیک کیٹ ٹی سے تو اب میرے گھر سے رات ہی کو رابطہ ہو سکے گا۔"

"ہم ابھی تک کرنل میش پال کے مقامی کاؤنسلیٹ کو بھولے رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہاں ہمارا کوئی شناسا نہیں ہے..." اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسلام آباد کے سفارت خانے میں میش پال کے علاوہ بھی تمہارے دو ایسے جاننے والے ہیں جن سے تم شی کے کوڈ کے ذریعے کھل کر بات کر سکتی ہو۔ وہ تمہیں بتا دیں گے کہ کراچی میں تمہارے کام کا آدمی کون ہے۔ بلکہ ان دونوں میں سے ایک تو کرنل میش پال کا سیکریٹری ہی ہے۔"

"ایسے کاموں میں لوگ بلا ضرورت خود کو یا اپنے رابطوں کو ایکسپوز نہیں کرتے۔ میں جس سے بھی اس موضوع پر بات کروں گی، وہ چھوٹتے ہی یہ جاننا چاہے گا کہ مجھے کراچی والوں کے بارے میں کیا تجسس ہے۔"

وہ بات سیدھی اور سامنے کی تھی۔ میں چاہتا تو ویرا کو سمجھا سکتا تھا مگر میری خواہش تھی کہ میں اس معاملے کا کنٹرول ویرا سے لے لوں، اس لئے میں نے کہا۔ "بات کر کے کوئی بھی راہ نکالی جا سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ تم سے متعارف تو نہیں ہوں گے۔ بس کوڈ کے ذریعے شناخت ہوتی ہو گی۔"

"متعارف نہیں ہیں لیکن پہلے بھی ان سے بات چیت ہوتی رہی ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ساری اہمیت صحیح کوڈ کی ہوتی ہے... کیا تم خود اسلام آباد بات کرنا چاہ رہے ہو؟"

"سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جمود ٹوٹنے کی کوئی راہ نکل آئے۔"

"کوشش کرنے میں کوئی ہرج نہیں لیکن اتنا بتا دوں کہ گفتگو کرتے ہوئے تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ سفارتی عہدوں کی آڑ میں یہ لوگ سیکرٹ سروس کے سینئر اراکین ہیں اور اڑتی چڑیا کے پر گن لینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔"

"ان دونوں کے نام کیا ہیں؟" میں نے پُر خیال لہجے میں سوال کیا۔

"کرنل میش پال کا سیکریٹری رام دیال ہے اور دوسرا ویزا افسر کرن مورے ہے۔"

ویرا سے کوڈ کے تبادلے کے طریقِ کار پر گفتگو کے بعد میں نے فون سنبھال لیا۔

رام دیال کا نمبر براہِ راست تھا اور میری نظروں میں وہی اہم آدمی بھی تھا کیونکہ کرنل میش پال اسی کا افسر تھا اور وہ باہمی اعتماد کی فضا میں کوئی ایسی بات بھی بتا سکتا تھا جو کرن مورے کے علم میں بھی نہ ہوتی۔

دوسری گھنٹی پر اسلام آباد میں فون اٹھا لیا گیا۔ مردانہ آواز نے اپنا نام بتانے کے بجائے اپنے سفارت خانے کا نام لیا تھا۔

"میں مسٹر میش پال سے بات کر سکتا ہوں؟" بغیر کسی پیشگی ارادے کے میری کھوپڑی نے عین وقت پر قلابازی کھائی تھی کیونکہ اس وقت تک اخبارات میں میش پال کی گمشدگی کے بارے میں کوئی خبر نہیں آئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ شی کے کارندے کی حیثیت میں مجھے سب سے پہلے کرنل ہی سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کرنا چاہئے تھا۔

ویرا میرے اس غیر متوقع سوال پر حیران نظر آ رہی تھی لیکن ایکبار گفتگو کا آغاز ہو جانے کے بعد درمیان میں دخل انداز ہو تے ہوئے لقمہ دینا اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا، اس لئے وہ خاموش ہی رہی۔

"کرنل میش پال موجود نہیں ہیں... فرمائیے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟" دوسری طرف سے نہایت خلیقانہ لہجے میں مجھ سے دریافت کیا گیا۔

"میرا کرنل سے بات کرنا بہت ضروری اور ناگزیر ہے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ کب تک مل سکیں گے؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟" میرے اصرار پر میرے مخاطب کا تجسس بیدار ہو گیا۔

"اگر وہ نہیں ہیں تو پھر میری رام دیال سے بات کرا دیں۔" میں نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"میں بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے فوراً ہی جواب دیا گیا تھا۔

میں نے اپنے لہجے کو دھیما اور رازدارانہ بناتے ہوئے کہا۔ "میں سلور آئی کا پجاری بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔" رام دیال نے شاید ایک گہرا سانس لیا تھا۔ "میں طاقت کا دیوتا ہوں۔"

میں نے اس تبادلے پر اطمینان کا اظہار ضروری سمجھا۔ "گڈ! کرنل کے بارے میں ہماری طرف سے ایک شخص پہلے بھی تم سے رابطہ کر چکا ہے۔ آخر کرنل کہاں لاپتا ہو گیا ہے؟" تشویش آمیز لہجے میں آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے میں نے کرنل کے بارے میں دانستہ واحد غائب کا صیغہ استعمال کیا تھا تاکہ اپنے مخاطب کو ذہنی طور پر مرعوب رکھ سکوں۔

"ہم خود پریشان ہیں۔" وہ واقعی کھل کر بات کر رہا تھا۔ "اس واقعے کو آج تیسرا دن ہو چلا ہے اور ہم مخمصے میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کرنل کسی اہم مشن پر اکیلے نکل گئے ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سے کیا بات کروں؟ مجھے صرف اور صرف کرنل سے بات کرنا تھی۔"

"میں اصرار نہیں کرتا، لیکن تم چاہو تو اپنا مسئلہ مجھے بتا سکتے ہو۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔"

"مسئلہ میرا نہیں، بلکہ کرنل کا اور تمہارا ہے۔" میں نے بے لوچ لہجے میں کہا۔ "اس کی اہمیت کا اندازہ تم صرف اسی بات سے لگا سکتے ہو کہ میرا کوڈ سن کر بھی تم میری اس فون کال کا مدعا نہیں سمجھ سکے۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں اصرار نہیں کر رہا۔ ہو سکتا ہے کہ کرنل کی غیر حاضری کچھ طویل ہو جائے۔" اس کا لہجہ بہت زیادہ مدافعانہ ہو گیا۔ وہ غیر ضروری طور پر کوئی ذمے داری اپنے سر لینے کے لئے آمادہ نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے فرائض سے چشم پوشی کرنے پر بھی تیار نہیں تھا۔

"تم بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟" میں نے گمبیھر لہجے میں سوال کیا۔

میں اسمگلروں، چوروں، قاتلوں، ڈاکوؤں اور موت کے سوداگروں کے ساتھ زندگی بھر ہر قسم کے مذاکرات کرتا رہا تھا اور چند ہی ثانیوں میں معاملہ ختم کرنے کا عادی ہو چکا تھا لیکن کسی سفارتی افسر سے ایک نازک اور خفیہ موضوع پر گفتگو کرنے کا وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ محتاط روی میں گفتگو بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی لیکن وہ لمحات میرے لئے صبر آزما تھے۔ وہ ذہنی تناؤ میں صرف اس امید پر برداشت کر رہا تھا کہ آخر کار مجھے کامیابی کی امید ہو چلی تھی۔

ریسیور پر اس کی آواز بھی رازدارانہ ہو گئی "صرف اس حد تک کہ وہ فائل کرنل ہر وقت اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اپنے ساتھ دفتر لاتے ہیں اور چھٹی ہونے پر گھر لے جاتے ہیں۔ وہاں بھی وہ تجوری ہی میں رہتی ہو گی جس کی چابی صرف کرنل کے پاس ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ علم نہیں۔"

"بلیک کیٹ ٹی کسی فرد کا نام ہے یا پراجیکٹ کا؟" اس کی لاعلمی پر مجھے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

فوراً ہی اس کا لہجہ ترش ہو گیا "تم مجھ سے کیا اگلوانا چاہ رہے ہو؟"

اس مرحلے پر بات بگڑ سکتی تھی، اس لئے میں نے فوراً ہی نرمی سے کہا "تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ دراصل مجھے اس بارے میں بہت کچھ معلوم ہے اور اپنی زبان کھولنے سے قبل میں یہ اندازہ لگانا چاہ رہا ہوں کہ تم کتنا جانتے ہو تاکہ میں اپنی گفتگو اسی دائرے میں محدود رکھوں۔ مجھے اس موضوع کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ ہے۔"

"ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے قابلِ اعتماد ہیں کیونکہ ہم نے کوڈ ورڈز سے اپنی شناخت کرالی ہے۔ جہاں تک بلیک کیٹ ٹی کا معاملہ ہے، اس سلسلے میں تم باہر کے آدمی ہو۔ اگر تم کو کچھ معلومات حاصل ہو چکی ہیں تو کھل کر بات کرو۔ وہ باتیں میرے علم میں آنے سے ان کی رازداری میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"تم نے یہ وضاحت کر کے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "بلیک کیٹ ٹی تمہارا ایک گھاگ سیکرٹ ایجنٹ ہے اور سندھ میں تمہارے کسی مشن کا چیف بھی ہے۔ وہ ہم سے فوری طور پر پیچیدہ ہتھیاروں اور ان کے اسلحے کی ایک بڑی کھیپ خریدنا چاہتا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ شی کے لئے وہ اجنبی ہے اور وہ شی پر بھروسا کر کے سودے کی رقم پیشگی ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ ڈلیوری لے کر رقم دینے کی بات کر رہا ہے۔ ہم کسی معقول ضمانت کے بغیر اسلحے کی اتنی بڑی کھیپ یہاں نہیں لا سکتے۔ اس کے لئے بلیک کیٹ ٹی نے خود ہی ضامن کے طور پر کرنل کا نام تجویز کیا ہے اور کرنل لاپتا ہے۔"

میں سانس لینے کے لئے خاموش ہوا تھا کہ وہ بول پڑا "معاملہ واقعی بہت اہم ہے... کیا تم ضمانت کے لئے چند روز تک کرنل کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

"ہمیں کوئی عجلت نہیں ہے... عجلت بلیک کیٹ ٹی کو ہے۔ وہ فوری طور پر اسلحہ چاہتا ہے۔ یہ اتفاق یا اس کا مقدر ہے کہ اس کا مطلوبہ ساز و سامان ہمارے مشرقِ وسطیٰ کے آپریشن ڈپو میں موجود ہے۔ ضمانت مل جائے تو لانچوں میں وہ سارا ساز و سامان چند دنوں میں ہی یہاں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ دیر ہو گئی تو ہم دو ماہ سے پہلے ڈلیوری نہیں دے سکیں گے۔"

"دو ماہ!" اس نے حیرت سے دہرایا تھا "یہ تو بہت لمبی مدت ہے۔" اس کے تبصرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی کے معاملے میں وہ اتنا انجان نہیں تھا، جتنا بن رہا تھا۔ اسے اپنے سیکرٹ ایجنٹ کی ضروریات اور ترجیحات کا بخوبی علم تھا اور وہ یقیناً خود بھی اس کھیل میں کوئی اہم رول ادا کر رہا تھا۔

"مشکل یہ ہے کہ ہم مقامی یا علاقائی نہیں بلکہ عالمی پیمانے پر آپریٹ کرتے ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "اسرائیل اور کئی دوسری جنگجو طاقتوں سے ہمارے مذاکرات چل رہے ہیں۔ تمہاری ضمانت ملنے سے پہلے کسی حکومت سے ہماری شرائط طے پا گئیں تو ہمارا ڈپو خالی ہو جائے گا۔ دور دراز منڈیوں میں اسلحے کی دستیابی تک ہم کسی سپلائی سے قاصر رہیں گے۔ مال مل بھی گیا تو اسے یہاں تک لانے میں ہی ایک، ڈیڑھ ماہ لگ سکتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو؟" میری پیش کی ہوئی صورتحال نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں" میں نے بے پروائی سے کہا "دراصل اس وقت بھی میں نے تم سے فون پر بات کر کے بہت بڑا خطرہ مول لیا۔"

"تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھ سے بات کر لی۔ مجھے ایسی کوئی ضمانت دینے کا اختیار تو نہیں ہے لیکن میں اپنے اوپر والوں سے بات کر کے جلد از جلد اس مسئلے کا حل نکال سکتا ہوں۔"

"تم سمجھے نہیں" میں نے زور دے کر کہا "ان ممالک میں فون کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی کوئی لائن کراس ہو اور کوئی خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا ہو۔ تم دونوں ممالک کے تعلقات خراب ہیں، اس لئے یہ امکان بھی ہے کہ سراغرسانی کا کوئی ادارہ تمہارا فون ٹیپ کر رہا ہو۔ میں ان خطرات سے بہت خوف

ہوں۔"

"میں تمہارے اندیشے سمجھ رہا ہوں۔" اس کی تفہیمی آواز ابھری۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ چند روز کے لئے تم اسلام آباد آجاؤ۔ یہاں ہم سارے معاملات دوبدو طے کر لیں گے۔ مجھے امید ہے کہ اوپر سے کلیئرنس آنے میں دو دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا کیونکہ بلیک کیٹ ٹی کے لئے وقت کا معاملہ بہت اہم ہے۔"

"کراچی میرا ایک اہم اور بڑا آپریشن بیس ہے۔ یہاں ہماری پوری تنظیم ہے۔ اسے چھوڑ چھاڑ کر میں اسلام آباد نہیں آسکتا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا "میں وہاں سے فون پر اہم ہدایات جاری کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا۔ تم چند دن کے لیے کراچی کیوں نہیں آجاتے۔ تمہیں تو اپنے سفارت خانے سے اس کام کے لئے باقاعدہ اجازت مل سکتی ہے۔"

"اسلام آباد چھوڑتے ہی مقامی حکام میری کڑی نگرانی شروع کرا دیں گے۔ ہمارے عملے کا کوئی فرد وزارتِ خارجہ کو اطلاع دیئے بغیر شہر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں وہاں آ بھی گیا تو میری وجہ سے تم بھی کسی چکر میں پڑ سکتے ہو۔ ہمیں باہمی رابطے کے لئے یقیناً کوئی اور راہ تلاش کرنی ہو گی۔"

"بس یہ خیال رہے کہ یہ میری آخری فون کال ہے۔" میں نے اس پر دباؤ بڑھانے کی نیت سے کہا۔

"تمہارا فون نمبر کیا ہے؟" اس نے برجستہ سوال کیا تھا۔

"میں نے کہا تا کہ میں ٹیلی فون کے رابطوں کا قائل نہیں ہوں۔ اس وقت بھی ایک پبلک بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"کرنل آگئے تو وہ تم سے کیسے رابطہ کریں گے؟" اس نے مجھے گھیرنا چاہا۔

میں نے خشک لہجے میں کہا "ہماری طرف سے یہ دوسری کوشش ہے۔ اب کرنل کو بلیک کیٹ ٹی کے ذریعے کوئی راہ نکالنا ہو گی ہمارا اس سے رابطہ رہتا ہے۔"

"کرنل نہ آئے تو میں کیا کروں گا؟ میں تو جلد از جلد یہ معاملہ ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے۔"

دوسری طرف سے لائن پر سکوت چھایا رہا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

اس دوران میں میں لوہا گرم دیکھ کر اپنے ذہن میں موجود تجویز کے لئے مناسب الفاظ یکجا کرتا رہا اور پھر اس کے بولنے سے پہلے ہی پُرخیال انداز میں بولا "کراچی کاؤنسلیٹ میں بھی تو تمہارا کوئی خاص آدمی ہو گا؟"

"ہاں، یقیناً ہے۔" اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا تھا "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"تمہارے لئے کوئی دشواری نہ ہو تو میرے روزمرہ رابطے کے لئے تمہارا کراچی والا آدمی کارآمد رہے گا۔ میرے اور تمہارے درمیان وہ زیادہ موثر پیغام رسانی کر سکے گا۔ پیغامات کے تبادلے کے لئے تم لوگ سفارتی ڈاک کے تھیلوں سے ٹیلکس اور فیکس تک، کچھ بھی استعمال کر سکتے ہو۔"

میری تجویز پر وہ اپنی خوشی نہ چھپا سکا "تم نے تو میرا مسئلہ ہی حل کر دیا۔ ہم لوگ فون ملا کر آپس میں دعا سلام کے ذریعے یہ یقین کر لیتے ہیں کہ نمبر صحیح ملا ہے، پھر اپنے خفیہ پیغامات ایک دوسرے کو فیکس کر دیتے ہیں جو پڑھ کر تلف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ صورت ہمارے لئے بہت مناسب رہے گی۔"

"جب مناسب سمجھو، اپنے آدمی کو بتا دینا کہ وہ بلیک کیٹ ٹی کے ذریعے مجھ سے مل لے۔" میں نے اپنے جوش اور ہیجان پر قابو پاتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔

"اس کا کانٹیکٹ خود میرے پاس نہیں تو میں کسی اور کو کیا بتاؤں گا۔" مسئلہ حل ہونے کی امید میں اس کے لہجے میں بے تکلفی عود کر آئی۔ "میں اسے مطلع کردوں گا۔ نصف گھنٹے بعد تم اس سے اپنے کوڈ کے حوالے سے بات کر کے کہیں مل لینا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ طریقِ کار ہم دونوں کے لئے سود مند رہے گا۔"

"کوڈ تو بعد میں آئے گا۔ اس کی ابتدائی شناخت کیا ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"مس شانتی نرائن، ہماری پی آر او ہے، تمہارا اسی سے واسطہ رہے گا۔"

"خدا کرے کہ تمہاری پی آر او خوش شکل اور خوش مزاج ثابت ہو۔"

"اسے دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے لیکن اتنا بتادوں کہ وہ بھی ہماری ہی ٹریڈ کی ہے۔ اسے زیادہ رجھانے اور لبھانے کی کوئی کوشش نہ کرنا۔ وہ اپنی کھڑی ہتھیلی کی ایک ہی ضرب سے گردن توڑ دینے میں کمال رکھتی ہے۔"

"ان خرافات کے لئے میرے پاس بھی وقت نہیں ہوتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ بد شکل اور بد مزاج عورتوں سے مل کر میں کئی کئی دن تک خود کشی کے امکانات پر غور کرتا رہتا ہوں۔ اسی وجہ سے ایسی ملاقاتوں سے گریز کرتا ہوں۔ کوئی بڑی مجبوری پیش آجائے تو اور بات ہے۔"

اس سے گفتگو کا خاتمہ خاصے پُرجوش اور خوشگوار انداز میں ہوا تھا۔

"یہ کون سی پی آر او کی بات ہو رہی تھی؟" ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی مجھے ویرا کی جرح سے دوچار ہونا پڑ گیا کیونکہ وہ بے چاری صرف میری ہی گفتگو سن سکی رہی تھی۔

"یہاں کراچی میں کوئی مسز شانتی نرائن ہے۔" میں نے اسے نام سے آگاہ کر کے رام دیال سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل دہرانی شروع کردی جو ویرا کے لئے حیرت اور دلچسپی کا باعث تھی۔

"تم واقعی اتنے پکے مکار ہو کہ وہ بے چارہ آخر تک تمہارا مقصد نہیں سمجھ سکا ہوگا۔" میرے خاموش ہونے پر وہ اپنے لئے نئی سگریٹ سلگا کر بولی تھی۔ "تم نے گھیر گھار کر اپنے مطلب کی بات اس کے منہ سے اگلوا ہی لی!"

"شطرنج میں حریف کے شاہ کو مارنے کے لئے ہر مہرے کو بیسیوں دفعہ آگے پیچھے لے جانا پڑتا ہے تب کہیں بازی قابو میں آتی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ویسے وہ بھی بہت مردود ثابت ہوا۔ آخر تک بلیک کیٹ ٹی کے بارے میں معصوم اور انجان بنا رہا جب کہ میرا اندازہ ہے کہ ٹی کے کوڈ سے واقف ہر شخص بلیک کیٹ ٹی اور اس کے منصوبے سے نہ صرف پوری طرح باخبر ہے بلکہ اپنی اپنی بساط کے مطابق اس کا ہاتھ بٹانے کی کوشش بھی کر رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم ایسے تمام لوگوں کو اغوا کر کے ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو گے جو کرنل مہیش پال کے ساتھ کیا گیا تھا؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے، چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں اتنا احمق نہیں ہوں۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کرنل کو سلطان شاہ نے کسی پروگرام کے بغیر کورنگی سے اغوا کیا تھا۔ رام دیال، کرن مورے، مسز شانتی نرائن کو کوئی نقصان پہنچا تو سفارت خانے والے بڑی آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کرلیں گے کہ ٹی انہیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"پھر تم کراچی میں ان کے آدمیوں کی نشان دہی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "سیدھی سی بات ہے کہ میں یہاں اس سے ہر وقت مل سکتا ہوں۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ وہ سچ بول رہی ہے یا جھوٹ ... اور پھر شاید باتوں باتوں میں بلیک کیٹ ٹی کا ٹھکانا بھی معلوم ہو جائے۔ غزالہ کی بازیابی کے بعد میں اس کو ضرور گھیروں گا۔"

"میں دیکھتی ہوں کہ اب تم کیا کرتے ہو۔" یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری طرف سے اس کا ذہن صاف نہ ہوا ہو۔

ویرا کے ساتھ کچھ دیر تک وہیں گپ شپ ہوتی رہی۔ میں دانستہ اسے چڑانے کی کوشش کرتا رہا۔ دراصل میں اس سے کچھ دیر کے لئے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا تاکہ مافیا والوں کی خیر خبر لے سکوں۔

عملاً میں ہر محاذ پر اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے کام کر رہا تھا لیکن ویرا سے گہری دوستی ہونے کی بنا پر مجھے اس قتالۂ عالم کا تعاون بھی حاصل تھا۔ اسے اس بات کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی کہ جن دنوں وہ کراچی میں میرے خون کی پیاسی ہو رہی تھی تو میں نے اس کا زور توڑنے کے لئے مافیا والوں سے معاہدہ کر لیا تھا۔

مقامی مافیا چیف، سیٹھ حبیب جیوانی کی کچھ اپنی قانونی مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے وہ منظرِ عام پر نہیں آسکتا تھا پھر اسے مافیا کے ڈان تھری کی آشیر باد حاصل تھی جو مجھے اپنے ساتھ ملانے کے لئے خود پاکستان آیا ہوا تھا۔ اس تمام جوڑ توڑ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی مافیا کا مکمل چارج میرے حوالے کر کے خود ملک کے انتہائی شمالی علاقوں میں کہیں روپوش ہو گیا تھا کیونکہ جرمنی کے پولیس اور جیل کے حکام کو شبہ ہو گیا تھا کہ وہ جیل میں اپنے کسی ہم شکل کو پھنسوا کر، خود

وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔ جیل سے اس کے فرار کی تیاری اور منصوبہ بندی مافیا کے بڑوں کی براہِ راست نگرانی میں ہوئی تھی کیونکہ وہ لوگ منشیات کے اس باحیثیت مجرم کو پاکستان لاکر اس کی سربراہی میں مافیا کی داغ بیل ڈالنا چاہتے تھے تاکہ پاکستان میں تیار ہونے والی کم لاگت مگر بہترین ہیروئن پر قابض ہوسکیں۔

سیٹھ حبیب کے لئے میری ذات اس وقت ایک ناگزیر مجبوری بن گئی جب جرمن جیل میں اس کا ہم شکل اتفاقی طور پر مرگیا اور اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیا گیا تو یہ انکشاف ہوا کہ متوفی کے دانتوں کی تعداد اصل قیدی کے دانتوں سے زیادہ تھی اور پھر وہاں سے ماہرین پوری تیاریوں کے ساتھ مفرور قیدی کا کھوج لگانے کے لئے پاکستان آگئے۔

پاکستان میں موجود مدر مافیا کے نمائندوں نے ان ماہرین کو دہشت گردی کے ذریعے خوف زدہ کرکے واپس لوٹنے پر مجبور کردیا مگر احتیاطاً سیٹھ حبیب جیوانی کو بھی روپوشی اختیار کرنا پڑ گئی اور میں مافیا کے سارے وسائل پر پوری طرح قابض و متصرف ہوکر اسے شی کے سامنے لانے میں کامیاب ہوگیا۔

لیکن تازہ ترین خبریں میرے لئے تشویش ناک تھیں۔ مدر مافیا کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ جرمن جیل میں مرنے والے قیدی کی لاش سے مطلوبہ تعداد میں دانت غائب کرکے ریکارڈ میں سیٹھ حبیب جیوانی کو مردہ قرار دلوادیا گیا تھا اور وہ اپنی روپوشی ختم کرکے کسی نئے نام سے منظرِ عام پر آسکتا تھا۔

مافیا، شی سے کہیں زیادہ قدامت پسند اور روایتی تنظیم تھی۔ اس میں شمولیت کے لئے حلف لینا ہوتا تھا اور ایک بار حلف لینے کے بعد کوئی بھی شخص، زندگی بھر مافیا سے رُوگردانی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

آزاد اور خود مختار رہتے ہوئے مجھے ہر قسم کی آزادیاں حاصل تھیں لیکن ایک بار سیٹھ حبیب جیوانی واپس آکر میرے سر پر مسلط ہوجاتا تو میرے لئے مشکلات کا ایک لامتناہی دور شروع ہوسکتا تھا۔ ٹریڈ لائن کے دفتر سے میری طویل غیر حاضری پر مشتبہ ہوکر وہ کسی کو میری نگرانی پر بھی مقرر کرسکتا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوتا، اس کا تصور کرنا بہت زیادہ مشکل نہیں تھا۔

دوسری طرف مجھے یہ تشویش ناک خبر بھی مل چکی تھی کہ میری تباہ کن سرگرمیوں پر قابو پانے کے لئے شی کے سربراہ جمی لائیڈ نے مافیا کے سپر ڈان سے رابطہ کیا ہوا تھا۔ وہ دونوں عالمی مجرموں کے نامور معززین تھے اور ان کے درمیان اصولی طور پر ایک ملاقات طے ہوچکی تھی جس کا انعقاد یورپ کے کسی پُرفضا مقام پر ہونا تھا۔ وہ دونوں ہی درندوں، بھیڑیوں اور موت کے سوداگروں کی بھیانک تنظیمیں تھیں اور ان کے درمیان ایک قدر مشترک تھی کہ وہ پُرامن بقائے باہمی پر یقین رکھتی تھیں اور جرائم کی آبیاری کی خاطر کبھی بھی قانون یا دوسری اصلاحی قوتوں کا سہارا لینے کی قائل نہیں تھیں۔

یہ طے کرلیا گیا تھا کہ دونوں بڑوں کی اس پہلی ملاقات میں مجھے بھی طلب کیا جاتا۔ وہاں میرا بیان سن لینے کے بعد جو کچھ ہوتا، وہ مجھے اپنے حق میں بہتر نظر نہیں آرہا تھا۔ خاص طور پر سیٹھ حبیب جیوانی کے ذاتی مسائل حل ہونے کے بعد مافیا والوں کے لئے میری افادیت کم ہوکر رہ گئی تھی اور مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ سپر ڈان، جمی لائیڈ سے خیر سگالی کے نجی اظہار کے طور پر اس ملاقات میں مجھے اس کے حوالے کرسکتا تھا۔

اس پریشان کن پس منظر میں میرے لئے مافیا کی سن گن لینا ناگزیر ہوگیا تھا۔

ویرا کے ٹل جانے کے بعد میں نے فوراً ہی فون پر سینڈو سے سلسلہ ملایا۔ وہ کاروباری اوقات تھے، اس لئے ٹریڈ لائن کا دفتر کھلا ہوا تھا۔ آپریٹر نے فوراً ہی میری آواز پہچان کر سینڈو سے لائن ملادی۔

"میں تمہاری طرف سے بہت پریشان ہوں باس۔" دعا سلام کے بعد اس کی تشویش آمیز آواز ابھری تھی۔ "مجھے کچھ علم نہیں کہ تم آج کل کہاں مصروف ہو اور کیسے مل سکتے ہو...

اس کے لب و لہجے میں مجھے ہلکی سی شکایت کا احساس ہوا اور میں نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ہوش میں نہیں ہو سینڈو! یہ کب سے ضروری ہوگیا کہ میں اپنی نقل و حرکت اور مصروفیات سے تمہیں باخبر رکھا کروں، میں تمہارا ماتحت تو نہیں ہوں۔"

"میں معافی چاہتا ہوں باس!" اس کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔ "میں جانتا ہوں کہ مجھے تم سے ایسی باتیں کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے لیکن مشکل یہ ہے کہ چیف شہر میں موجود ہے۔ وہ دفتر نہیں آیا لیکن کل شام سے اب تک وہ ازکم دس مرتبہ فون کرکے تمہارے بارے میں پوچھ چکا ہے اور میں اسے کوئی معقول جواب نہیں دے سکا۔ اب تم خود میری پوزیشن اور مجبوریوں کا اندازہ لگا سکتے ہو..."

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے اسی جھنجھلاہٹ میں جواب دیا۔ "اسے بتادینا کہ آج میں بہت مصروف ہوں۔ ہو تو خود ہی اس سے بات کرلوں گا ورنہ کل دفتر آؤں گا۔"

"بات کرلو تو زیادہ بہتر رہے گا۔" سینڈو کی آواز پژمردہ تھی۔ "تم سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ فون پر مجھے پھاڑ کھانے دوڑ رہا ہے..."

"تم نے اسے ان پیغامات سے آگاہ کردیا ہے جو ڈان تھری نے میرے لئے چھوڑے تھے؟" میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں اسے آگاہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا پہلا سوال تمہارے بارے میں ہوتا ہے اور میرا منفی جواب سنتے ہی اس کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ اس نے مجھے اپنی بات کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"اس مال کا کیا بنا جو تم ابراہیم حیدری کے علاقے میں وصول کرنے کے بعد اپنے ساتھ نہیں لاسکے تھے؟" صورتِ حال سمجھ کر میں نے اپنی گفتگو کا رخ اس کی کارکردگی کی طرف موڑ دیا۔

"وہ مال محفوظ تھا، کل میں نکال لایا تھا۔ تم اجازت دو تو اسے آگے بڑھا کر رقم وصول کرلوں۔ چیف کی غیر حاضری میں ہم یہی ایک ڈیل کرسکے ہیں اور وہ بھی ابھی ادھوری ہی ہے۔"

"یہ مال کراچی سے کیسے نکلے گا؟" میں نے اپنی معلومات میں اضافے کے لئے سوال کیا۔

"آج کل ایئرپورٹ مخدوش ہوگیا ہے۔ یہاں امریکن ماہرین اور تربیت یافتہ کتے باہر اسمگل ہونے والی ہیروئن کا سراغ لگانے پر مامور ہیں اس لئے، مال کراچی پورٹ سے نکلے گا۔ آگے دوبئی سے کوئی دوسرا بندوبست ہے۔"

"مال کی آج ڈلیوری دے دو۔ یہ یاد رکھنا کہ جب تک چیف دفتر نہیں آتا۔ تم براہِ راست مجھ ہی کو جواب دہ ہو۔" اس سے بات کرتے ہوئے میں نے کن انکھیوں سے جائزہ لیا کہ ویرا اس وقت تک واپس نہیں لوٹی تھی، اس لئے دھیمی آواز میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ویرا اور شی پر آخری اور بھرپور ضرب لگانے کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے میری کیسی خوں ریز آویزش چل رہی ہے۔"

"تم وہیں ہو جہاں اس نے مسلح دھاوا بولا تھا؟" اسے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"وہاں وہ مجھے، اب تک ذبح کراچکی ہوتی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، اسے دھیان میں رکھنا۔ اب کل صبح ہی دفتر میں تم سے ملاقات ہوسکے گی۔" اتنا کہہ کر میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

سگریٹ سلگاتے ہوئے سینڈو کی استعمال کی ہوئی ترکیب میرے ذہن میں رینگ آئی اور میں بے اختیار مسکرانے لگا۔ ہیروئن کے انسداد کے لئے پاکستان میں دو بیرونی قوتیں برسرِکار تھیں۔ امریکن اور تربیت یافتہ کتے۔ خواص کے اعتبار سے ان دنوں وہ دونوں ہی ایک پٹڑی پر چل رہے تھے جس کی بنیاد خودغرضی اور مفاد پرستی پر استوار تھی۔

آئین میں دی گئی شخصی آزادیوں کی بنا پر وہ اپنے ملک میں ہیروئن اور دیگر منشیات کے بڑھتے ہوئے استعمال پر کوئی سخت قدغن عائد کرنے سے گریز کرتے تھے لیکن دوسری طرف ہیروئن کے پیداواری سرچشموں پر پوری قوت کے ساتھ تمام ممکنہ پابندیاں عائد کرنے پر تلے رہتے تھے۔ بابائے معاشیات، آدم اسمتھ کے طلب اور رسد کے اٹل اصول پر اپنی آزاد اور خود مختار معیشت کو سنوارنے والے منشیات کی کھپت، اسمگلنگ، بڑھتے ہوئے استعمال اور اس کی ہلاکت خیزی پر وہ اٹل اصول عائد کرنے سے مسلسل چشم پوشی اختیار کرتے چلے آرہے تھے۔

"بے وقوفوں کی طرح اکیلے بیٹھے ہوئے کیوں مسکرا رہے ہو؟" ویرا کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ میری بے خبری میں نہ جانے کب اپنے کمرے سے وہاں آموجود ہوئی تھی۔

"سوچ رہا تھا کہ یہ مسز شانتی نرائن کہیں تمہاری چچی ثابت نہ ہو۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "رام دیال کی تعریف تو میں تمہیں سنا ہی چکا ہوں۔"

"تمہیں بھی ہر موڑ پر عورتیں ٹکراتی ہی رہتی ہیں۔" وہ میرے قریب بیٹھتی ہوئی بولی تو اس کے الفاظ سے حسد اور رقابت کی ہلکی سی آنچ ظاہر ہورہی تھی۔ "لیکن تم شانتی کے ساتھ صرف کام سے کام رکھوگے۔"

"جب میں نے اسلام آباد بات کی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس تجسس کا اختتام کسی خوبرو خاتون کی ذات پر ہوگا۔ اب اسے راہ پر لانے کے لئے کچھ نہ کچھ دانہ تو ڈالنا ہی پڑے گا۔"

"کم از کم اس سے بات تو کرو۔ اب تک رام دیال تمہارے بارے میں اسے بریف کرچکا ہوگا۔ وہ بڑی شدت سے تمہاری کال کا انتظار کررہی ہوگی۔" ویرا نے مجھے اکسانے کی کوشش کی۔

"وہ اگر صرف شانتی ہوتی تو میں بڑے شوق سے اس سے ملتا لیکن وہ مسز بھی ہے۔ میں پرائی عورتوں سے دامن بچا کر چلنے کا عادی ہوں۔ اس سے میری دوستی مطلب نکالنے سے آگے نہ بڑھ سکے گی۔"

"ذرا یہ خیال رکھنا کہ اس سے آج شام کے لئے کوئی پروگرام نہیں بنانا ہے۔ آج ہمیں بلیک کیٹ ٹی سے بات

کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔ اگر اسے جانو ماچھی کے آدمیوں کے بارے میں ذرا بھی بھنک ملی ہوئی تھی تو اب تک اسے ضرور پتا چل گیا ہوگا کہ ان پر کیا بیت چکی ہے۔ ویسے بھی شام کے اخبارات میں سب کچھ آجائے گا۔"

میں نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا اور رام دیال سے ملا ہوا، شانتی کا نمبر ملانے لگا۔

دوسری طرف سے کال اسی نے ریسیو کی تھی۔ اس کی ذات جو کچھ بھی رہی ہو، اس کی آواز میں صنفِ مخالف کے لئے بے پناہ جاذبیت اور مقناطیسی کشش موجود تھی۔

اس کی زبان سے اس کے نام کی تصدیق ہوتے ہی میں نے اپنا کوڈ ادا کیا اور اس نے فوراً ہی "طاقت کا دیوتا" کہہ کر گفتگو آگے بڑھانے کی راہ ہموار کردی۔

گفتگو کو ابتدا ہی سے رسمی ڈھرے سے ہٹانے کے لئے مجھے فوراً ایک بات سوجھ گئی "تم جیسی دلکش آواز والی خاتون کو دیوتا کے بجائے طاقت کی دیوی ہونا چاہئے۔"

اس کی جاندار ہنسی کی مترنم آواز ابھری "کوڈ ادا کرتے ہوئے خود میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن دیوی کہتی تو شاید تم میری شناخت ہی تسلیم نہ کرتے۔ رام دیال نے مجھے تم لوگوں کے کٹر اصولوں کے بارے میں اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا تھا۔ ویسے اصل نام کیا ہے تمہارا؟ آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔"

"ہماری دنیا میں کسی کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ تم جو نام چاہو، مجھے دے سکتی ہو۔"

"تم میرے نام سے واقف ہو، اخلاقاً تمہیں بھی اپنا نام بتانا چاہئے۔ میں ہر وقت تو تمہیں سلور آئی کا پجاری نہیں کہہ سکتی۔" اس نے نرم، دعوت انگیز اور مصلحت آمیز لہجے میں کہا۔

"پھر تم مجھے پیٹر واک کہہ سکتی ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"تو کیا تم کوئی غیر ملکی ہو؟" اس نے مجھ پر فوراً ہی وہ سوال داغ دیا اور میرا اقرار سن کر تحیر زدہ لہجے میں بولی "غیر ملکی ہو کر بھی تم مجھ سے اچھی ہندی بول رہے ہو!"

"زبان سیکھنے کے بعد ہی مجھے یہاں کی پوسٹنگ ملی ہے۔ ہمارے کام بھی سفارتی پیمانے پر ہوتے ہیں۔" مجھے اس منڈر، بیباک اور باتونی خاتون سے گفتگو میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی "مجھ سے ملوگی تو تم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکوگی کہ میرا رنگ روپ بھی یہاں کے باشندوں سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ مجھے تمہارے اور اسلام آباد کے درمیان رابطے کا کام دینا ہے۔ غالباً ہم ایک دوسرے سے مل کر ہی اس بارے میں کوئی طریقِ کار طے کر سکیں گے۔"

"تمہاری چھٹی کس وقت ہوتی ہے؟" میں نے قدر فدویانہ لہجے میں سوال کیا۔

"کام کے لئے ہر وقت دفتر چھوڑ سکتی ہوں۔" اس نے فوراً ہی جواب دیا "تم چاہو تو میں اسی وقت کہیں بھی آ سکتی ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ ملنے جلنے کا مزہ سورج ڈھلنے کے بعد ہی آتا ہے۔"

"پاکستان ایک خشک ملک ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا "جب سے یہاں امتناعی قوانین نافذ ہوئے ہیں شاموں کا رنگ روپ ماند پڑ گیا ہے۔ سورج ڈوب جائے یا رہے، ہمیں تو چائے یا کافی کی پیالی پر ہی مذاکرات کرنا ہوں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اچھا جمالیاتی ذوق بھی رکھتے ہو۔" وہ میرے تبصرے پر خوش ہوگئی تھی "اچھے لوگوں کا ساتھ ہو تو کام بھی تفریح بن جاتا ہے۔ چاہو تو کلفٹن میں میرے فلیٹ پر آسکتے ہو۔ وہاں مہمان داری کے سارے لوازم موجود ہوتے ہیں جو میں اپنے ڈیوٹی فری کوٹے سے جمع کرتی ہوں۔"

"ہم کل شام کو مل سکیں گے۔" میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہا "میری مہمان داری بھی کچھ ایسی گئی گزری نہیں ہے۔ آج شام کو اگر میرا پیشگی پروگرام طے نہ ہوتا تو آج ہی تم سے ملتا۔ تم سے بات کرکے تم سے ملاقات کا شوق بھی ہوگیا ہے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہوگا کہ ہمارا مقصد کیا ہے؟"

"فکر نہ کرو۔ ہم ایک دوسرے کے بہت کام آسکتے ہیں۔ اپنی طرف سے میں بھی تھوڑے بہت اختیارات رکھتی ہوں جن کی وجہ سے مجھے بہت سی باتیں خود بخود معلوم ہوتی رہتی ہیں... پھر کل کا پروگرام کیا رہے گا؟"

"تمہارے شوہر، شری نرائن تو دفتر کے بعد کی تمہاری مصروفیات پر معترض نہیں ہوتے؟" میں نے محتاط لہجے میں اس سے بہت ہی ذاتی نوعیت کا وہ سوال بھی کر ڈالا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

میرا سوال پورا ہونے سے پہلے ہی وہ زندگی سے بھرپور انداز میں، زور سے ہنس پڑی تھی "تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں پاکستان میں اکیلی ہی آئی ہوئی ہوں اور یہاں کے شب و روز میرے اپنے ہوتے ہیں۔"

"بس، تو پھر کل دوپہر کو میں فون کرکے تمہیں پروگرام بتادوں گا۔" میں نے کہا۔

"فون نمبر کیا ہے تمہارا؟" اس نے روا روی میں سوال کیا تھا۔

"میرے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ میرے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ فی الحال کام کرنے کے لئے تمہیں میری ہی کال پر انحصار کرنا ہوگا۔ یہ بات تمہیں میری مجبوری سمجھ کر قبول کرنا ہوگی۔"

"جب کل اپنے گھر بلا ہی رہے ہو تو آج فون نمبر دینے میں کیا حرج ہے۔" اس کے لہجے میں پہلی بار سرد سی سنجیدگی در آئی اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میری مخاطب کوئی عام سی عورت نہیں تھی۔

"ضروری نہیں کہ ہماری ملاقات وہیں ہو جہاں میں اس وقت موجود ہوں۔" میں نے بھی سرد اور روکھے لہجے میں کہا۔ "میل جول میں ہم نے ایک دوسرے کے اصولوں کا لحاظ نہ رکھا تو یہ گاڑی سرے سے چل ہی نہیں سکے گی۔ کیا تم میرے فون نمبر کے بدلے میں مجھے بلیک کیٹ ٹی کا پتا یا فون نمبر بتا سکتی ہو؟"

"وہ ایک تیسرا آدمی ہے، میں اپنی اور تمہاری بات کر رہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"میرے اور تمہارے درمیان یہ پہلی گفتگو ہے۔ نہ میں تمہارا عاشق ہوں، نہ تم مجھ پر فدا ہوئی ہو۔ پھر ہم ایک دوسرے سے یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ ہمارے لئے فریقِ ثانی اپنے اصولوں سے انحراف بھی کر گزرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور سپاٹ رہا تھا "میں کل تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔"

وہ مجھ سے شاید کسی جواب کی توقع کر رہی تھی لیکن میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"آج تم نے واقعی میرا دل خوش کردیا۔" ویرا میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"کیوں آج کیا خاص بات ہوگئی؟" میں نے اپنا شانہ سہلاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"آج پہلی بار تم نے ثابت کیا ہے کہ تم عورتوں سے ہمیشہ مرعوب نہیں ہوتے۔ تمہاری دو ٹوک باتیں سن کر وہ الو کی پٹھی اپنے ہونٹ چباتی رہ گئی ہوگی۔ بعض عورتیں تو بس یہ سمجھتی ہیں کہ وہ جس مرد سے ذرا سا ہنس کر بات کرلیں وہی اٹھ کے کسی الو کی طرح ان کے پیچھے دم ہلاتا پھرے گا..... وہ کیا کہہ رہی تھی تم سے؟"

"فون نمبر مانگ رہی تھی۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "تمہیں اتنی معمولی سی بات پر بغلیں نہیں بجانی چاہئیں۔ سیکرٹ ایجنٹوں کا کام ایسا ہوتا ہے کہ ان میں انا کی رمق بھی باقی نہیں رہتی۔ انہیں ابتدا سے ہی ہر قیمت پر مقررہ نتائج حاصل کرنے کی تربیت دی جاتی ہے، چاہے اس کے لئے انہیں اپنے جسم، مزاج اور خودی کو ہی داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑ جائے، میں نے تو اسے ذرا سی بات کہی تھی اگر وہ حقیقی معنوں میں سیکرٹ ایجنٹ ہے تو کل ملاقات ہونے تک وہ ان ناخوشگوار فقروں کو سرے سے بھول چکی ہوگی کیونکہ میری ذات سے اس کے ملک کے مفادات وابستہ نظر آنے لگے ہیں۔"

مجھے توقع تھی کہ سلطان شاہ جہانگیر کے ساتھ کرنل کی لاش ٹھکانے لگانے کے بعد شام سے پہلے واپس نہیں آئے گا اس لئے میں تیار ہوکر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

ویرا نے میرے ساتھ جانا چاہا تھا لیکن میں نے سختی سے انکار کردیا۔ اسے میں نے یہی بتایا تھا کہ مجھے اگلے روز مسز شانتی نرائن سے ملاقات کے لئے تیاری کرنی تھی اس لئے میرا باہر جانا ناگزیر تھا جب کہ مجھے اصل فکر سیٹھ حبیب جیوانی کی طرف سے لاحق تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ مجھ سے بات نہ ہونے کی وجہ سے وہ کس قدر بھنّایا ہوا ہوگا۔

دفتر میں شاید عملے کے لوگوں کو اس دن بھی میری آمد کی امید نہیں رہی تھی اس لئے میری صورت دیکھتے ہی وہاں ہلچل سی مچ گئی مگر میں ان سب کو نظر انداز کرتا ہوا سیدھا اپنے دفتر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

سینڈو کے بارے میں ٹیلی فون آپریٹر سے پتا چلا کہ وہ فون پر مجھ سے بات ہوتے ہی اپنے کام پر نکل کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اپنے کمرے کے دروازے پر پرائیویسی آن کرکے ڈائریکٹ لائن پر پہلی بار سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر ملایا تو میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا ہے۔

گھنٹی بجنے پر خوش قسمتی سے خود حبیب نے ہی ریسیور اٹھایا تھا ورنہ میں سوچ رہا تھا کہ اس کی بیوی سے میں خود کو کن الفاظ میں متعارف کراسکوں گا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں چیف۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم شہر لوٹ آئے ہو۔"

مجھے پہچانتے ہی وہ ایک دم پھٹ پڑا "میں کل سے آیا ہوں اور دسیوں بار تمہارے لئے فون کرچکا ہوں لیکن کسی کو کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو.... اختیارات مل جانے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی بالکل ہی خود سر اور بے لگام ہوجائے، میں پوچھتا ہوں کہ پچھلے تین دن سے تم کہاں غائب ہو؟"

"اس وقت میں اپنے دفتر میں ہوں۔" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا "اتنی توہین آمیز باز پرس سے تو بہتر ہوگا کہ تم دفتر آکر مجھے اپنے ہاتھوں سے ذبح کردو۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔" وہ میرے شریفانہ

احتجاج پر تلملا اٹھا۔

" تمہاری غیر حاضری میں ویرا کے ساتھ مسلح تصادم ہو چکا ہے جس میں وہ زخمی بھی ہو گئی تھی۔ آج کل میں اسی کے پیچھے لگا ہوا ہوں اور وہ اپنی جان کے خوف سے زیر زمین چلی گئی ہے۔"

" یہ سب کام تم اکیلے ہی کر رہے ہو؟"

" سینڈو اور اس کے آدمیوں نے اس مقابلے میں اہم رول ادا کیا ہے لیکن وہ لوگ ہر کام نہیں کر سکتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ویرا بہت چالاک عورت ہے' اسے میں ذاتی طور پر دیکھ رہا ہوں۔"

" پھر اس کا پتا چلایا نہیں؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے سوال کیا۔

" پتا چل گیا ہوتا تو اس وقت تمہیں فون کرنے کے بجائے ساری نفری لے کر اس کی کمین گاہ کا گھیراؤ کیا ہوا ہوتا۔ میں تو اب اس کے لہو کا پیاسا ہو گیا ہوں۔"

ایک مرتبہ پھر کئی سیکنڈ کے لئے لائن پر سکوت چھا گیا۔ میں دانستہ خاموش رہا۔ آخر کار اسی کو جھلائی ہوئی آواز میں سکوت توڑنا پڑا۔" آگے بھی کچھ بکو۔ کیا سو گئے ہو؟"

" میں تو ہمہ تن گوش ہوں۔ تمہارے اگلے سوال کا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

" اس سے آگے بتانے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟" اس کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

" بہت کچھ ہے لیکن تم نے ہی مجھے صرف اپنی بات کا جواب دینے کی ہدایت کر کے میری زبان بند کر دی ہے۔" میں نے اسے چڑانے کے لئے کہا۔" تم پوچھو تو میں بتاؤں گا۔"

" ڈینی! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی زبان کو بہت مشکل سے لگام دی تھی۔" تم میری زبان پکڑ رہے ہو۔"

" میں ایسی جرات بھی نہیں کر سکتا' چیف۔" میں نے مسمسی آواز میں کہا۔" اب تم نے اجازت دی ہے تو سنو کہ تم سرکاری طور پر وفات پا چکے ہو...."

" میں تمہاری چمڑی گرا دوں گا' تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوری آواز سے دہاڑا تھا۔

" یہ ڈان تھری کا پیغام تھا چیف۔" میں نے اسے اپنے آپے سے مزید باہر ہونے کا موقع دیئے بغیر جلدی سے اپنی بات کی وضاحت کی۔" تمہارے متوفی ہم شکل کے دانت توڑ کر کاغذات کا پیٹ بھر دیا گیا ہے جس کی رو سے جرمنی کی جیل

میں تمہاری وفات ہو چکی ہے۔ اب تم نام بدل کر ...
عام پر آ سکتے ہو۔"

" اتنی بڑی خبر' تم مجھے اب سنا رہے ہو؟" وہ ...
کر اس کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

" یہ خبر تو سینڈو بھی تم کو سنانا چاہ رہا تھا لیکن ...
بھی موقع نہیں دیا۔ اس اطلاع کی وجہ سے ...
بذات خود مجھے فون کیا تھا۔"

" مجھے تو ایک اخباری اشتہار میں شائع ہو...
کے ذریعے پیغام ملا کہ مجھے فوری طور پر کراچی ...
میرے فرشتوں کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ دانتوں ...
آسانی سے سلجھ جائے گا۔ وہ اشتہار تم ہی نے ...
وقت تک حبیب کا غصہ کافور ہو چکا تھا اور وہ دو...
بول رہا تھا۔

" اشتہار کا مجھے علم نہیں۔ وہ مدر مافیا والوں ...
میں نے کہا۔

میرے الفاظ پر شاید وہ بری طرح چونکا تھا۔" تم ...
مافیا کیا ہے؟"

" شاید میں اب بھی اندھیرے میں رہتا لیکن ...
تھری نے ہی مدر مافیا کے بارے میں بریف کیا ...
اعتراف کرتے ہوئے کہا۔" اب تم آ گئے ہو تو ...
محسوس کر رہا ہوں ورنہ مجھے ہر وقت یہ شبہ ر...
مدر مافیا کا کوئی نہ کوئی آدمی میرا پیچھا کر رہا ہے۔"

" تم دو چار روز عیش کرو۔ یہ تمہارا انعام ...
خوش دلانہ آواز ابھری۔" کل سے دفتر کے معاملات ...
دیکھ لیا کروں گا۔ دل بھر جائے تو کام پر واپس آجا...

" چھٹی میں ضرور کروں گا... لیکن خدا کے لئے ...
تحقیر نہ کیا کرو کہ مجھے اپنے وجود پر غصہ آنے ...
مجھے آسمان پر پہنچا دیتے ہو اور کبھی تحت الثریٰ ...
دیتے ہو۔"

اتنے دنوں میں پہلی بار میں نے اس کی ہنسی کی ...
"آئندہ محتاط رہوں گا۔"

اس سے گفتگو ختم ہوتے ہی میں نے دفتر ...
دوبارہ گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جہانگیر کے گھر میں ویرا ڈرائنگ روم میں ...
بوتل لئے بیٹھی تھی اور خلاف معمول ڈرائنگ ر...
جانے والے دونوں دروازے بند تھے' جہانگیر یا سلطا...
پتا نہ تھا۔

" یہ دونوں ابھی تک نہیں آئے؟" میں نے ار...

لیتے ہوئے حیرت سے سوال کیا۔

"آگئے ہیں، تمہارا سورما دروازے بند کرکے اندر محصور ہوگیا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں میں اس کی عزت نہ لوٹ لوں۔" اپنے استہزائیہ لہجے میں کہا۔" اور جہانگیر واپسی کے بعد اپنی بیوی کی خبر لینے کے لئے اسپتال چلا گیا تھا۔ دروازہ کھلوا کر دیکھو کہ تمہاری سلطان بی بی زندہ ہے یا اس نے اپنی آبرو بچانے کے لئے خودکشی کرلی ہے۔"

"یقیناً تم نے اسے ستایا ہوگا ورنہ اتنا بزدل بھی نہیں ہے۔" میں نے ایک بند دروازے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے کہا۔" تم غیر ضروری طور پر اس سے مخاصمت مول لے رہی ہو۔"

"تم یقین کرو کہ میں نے کچھ نہیں کیا تھا، بس اس سے دوستی کرنے کی کوشش کی تھی جس سے پر وہ بدک گیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے بہت زیادہ خائف ہے۔"

سلطان شاہ نے میری کئی دستکوں کے بعد میری آواز سن کر دروازہ کھولا تھا۔ اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔ ویرا نے تو مجھ سے کچھ اعتراف ہی نہیں کیا تھا لیکن سلطان شاہ نے بھی اپنے مضحکہ خیز ردعمل کا کوئی سبب نہیں بتایا۔ میرے بار بار کے اصرار پر صرف یہی کہتا رہا کہ ویرا اس کے ساتھ بدتمیزی کررہی تھی۔

میری مداخلت پر دروازے کھل گئے لیکن سلطان شاہ وہاں بیٹھنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ جب کافی وقت برباد کرنے کے باوجود بھی میں ان دونوں کے درمیان نئی جھڑپ کے اسباب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تو میں نے مجبوراً ویرا ہی کے ساتھ نشست جمالی کیونکہ نو بجے سے پہلے مجھے اس کے ساتھ، اس کے گھر جانا تھا تاکہ بلیک کیٹ ٹی کی طرف سے رابطہ ہونے کی صورت میں اس سے تفصیلی بات چیت کی جاسکے۔

"تم نے مسز شانتی نرائن کو اپنا نام پیٹرواک بتایا ہے جبکہ بلیک کیٹ ٹی اچھی طرح جانتا ہے کہ میں ڈینی کے ساتھ مل کر کام کررہی ہوں۔" اس کا ذکر آنے پر ویرا بولی۔

"ضروری نہیں کہ تمہارے ساتھ صرف ڈینی ہی ہو۔" میں نے اپنی بائیں آنکھ دباتے کہا۔" پیٹرواک دوسرا آدمی بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی لازمی نہیں کہ بلیک کیٹ ٹی اور شانتی میں فوری طور پر کوئی رابطہ ہوسکے۔"

"لیکن آج ہم اس سے کیا بات کریں گے؟" ویرا نے گلاس خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اس سے ہونے والے سودے کی بنیادی شرط پر بات ہوگی۔" میں نے رسٹ واچ دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے "وہ ابھی تک غزالہ سے ہماری بات کرانے میں ناکام رہا ہے میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس نکتے پر زور دینا چاہئے تاکہ مراد کو گھیرنے کی کوشش کرے۔ مراد غزالہ کو لے کر نکل گ بات دور چلی جائے گی۔"

"مراد نہ سہی، تو پھر اسے براہِ راست جانو ماچھی سے با کرنا ہوگی۔" ویرا کا لہجہ تیزملہ کن تھا۔

ان دونوں کے مراسم میں کشیدگی نہ ہوتی تو شاید سلطا شاہ بھی ہمارے ساتھ چلنے پر اصرار کرتا لیکن اس وقت اس ہمارے پروگرام میں ذرا بھی مداخلت نہیں کی اور ہم دونوں کی کار میں وہاں سے روانہ ہوگئے۔

میں ویرا کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی آلات کے نظام آن کرنے میں مصروف ہوگیا اور ویرا لباس تبدیل کرنے لئے اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔

وہ شب خوابی کے سیاہ لبادے میں واپس آئی تو م نگاہیں اس کے وجود پر جم کر رہ گئیں۔ سسٹم آن ہوچکا تھا لئے میں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور ویرا دلآویز مسکراہٹ ساتھ میرے قریب ہی بیٹھ گئی۔ سلطان شاہ کی سرکشی کی میری تعریفی نگاہوں نے شاید اسے خاصا سہارا دیا تھا۔

ٹھیک نو بجے بلیک کیٹ ٹی اپنی مخصوص آواز کے س لائن پر آگیا۔

"ہم تمہاری آواز سن رہے ہیں۔" طے شدہ پروگرا مطابق میں نے بات شروع کی۔" ہم مال فراہم کرنے ے تیار ہیں لیکن تمہاری طرف سے ابھی تک نہ ضامن س آیا ہے اور نہ ہی تم غزالہ سے ہماری بات کرانے میں کا حاصل کرسکے ہو۔"

"کرنل مہیش پال کئی دن سے اپنے سفارت خانے غائب ہے۔ آج شام ان لوگوں نے مایوس ہوکر کرنل گمشدگی کی ایف آئی آر کٹوا دی ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ مقامی خفیہ ایجنسی کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔"

"پھر تمہاری ضمانت کون لے گا؟" اس کے خامو ہونے پر میں نے سوال کیا۔

"اس کا جواب تم خود بھی جانتے ہو، تم میں سے ک آج رام دیال سے اس موضوع پر بات کی ہے۔ کرنل کے

پاکستان میں وہی میرے لئے ایسا کوئی بندوبست کر سکتا ہے ۔ میں نے اس سے بات کی تو پتا چلا کہ تم لوگوں کے ذریعے وہ پہلے ہی حالات سے باخبر ہو چکا ہے ایک دو روز میں وہ ضمانت کا بندوبست کرالے گا۔"

"اس نے تمہیں یہ بھی بتایا ہو گا کہ وقت کتنی تیزی کے ساتھ ہماری گرفت سے نکلتا جارہا ہے۔ دوسروں سے بھی بات چیت چل رہی ہے ۔ محض وعدوں اور امیدوں پر لاکھوں ڈالر کیش کے سودے ملتوی نہیں کئے جاسکتے ۔"

"میری مجبوریوں کی خاطر تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔" اس کے لہجے سے دباؤ ظاہر ہو رہا تھا۔

"لیکن کب تک ؟ اور اگر کرنل کسی ایجنسی کی قید میں چلا گیا ہے تو تمہارا بنا بنایا کھیل بگڑ سکتا ہے۔ تشدد سے گھبرا کر وہ اپنی زبان کھول بیٹھا تو تمہارے ساتھ ہم بھی مصائب سے دوچار ہو جائیں گے ۔"

"تمہیں آج سے صرف دو دن تک انتظار کرنا ہوگا۔ اڑتالیس گھنٹے گزرنے کے بعد آزادی ہوگی کہ تم اپنا اسلحہ اسرائیل کو دو یا عراق کے ہاتھ بیچ دو' رہا کرنل کا معاملہ تو میں پوری ذمے داری سے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان میں ہماری حکومت کی طرف سے پیدائشی سیکرٹ ایجنٹ ہی بھیجے جاتے ہیں جو مرجانا گوارہ کرجائیں گے لیکن اپنی زبان نہیں کھولیں گے ۔"

"یہ تمہارا مفروضہ ہے جس کی تصدیق یا تردید آنے والا وقت ہی کر سکے گا۔"

"تم لوگ میری توقع سے کہیں زیادہ مستعد اور فعال ہو۔" اس کی آواز میں ہلکی سی اداسی اتر آئی "میں نے تم کو بتایا تھا کہ جانو ماچھی میرا آدمی ہے اس کا ہر آدمی میرا سپاہی ہے۔ ان میں ہر خطے اور ہر علاقے کے لوگ شامل ہیں جو اپنی روزی کے لئے جانو ماچھی کے غلام ہیں۔ اسلحہ ملنے پر جانو کی سربراہی میں وہ سب میرے لئے کام کریں گے۔ وہ سب اپنی ذات اور قوم سے قطع نظر میرے سپاہی ہیں اور تم آج نہایت بے دردی کے ساتھ اس کے سات آدمیوں کو ختم کر کے مجھے گہری زک پہنچائی ہے ۔"

"کون سات آدمیوں کی بات کر رہے ہو" میں نے حیرت سے پوچھا اور میری وہ حیرت اس حد تک بجا تھی کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے چوکیدار سمیت صرف پانچ آدمی مارے تھے جب کہ وہ سات کی خبر سنا رہا تھا' چھٹا تو پھر بھی ڈیفنس میں اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا جانے والا ہو سکتا تھا لیکن ساتواں میرے لئے ناقابل فہم تھا۔

"شام کے اخبارات سے مجھے پتا چلا تھا۔" اس کی آواز ابھری "ان میں صرف تین کو میں اچھی طرح جانتا ہوں' مجھے امید نہیں تھی کہ تم ان کی بو سونگھتے ہوئے ڈیفنس اور پھر نر[illegible] فیکٹری بھی پہنچ جاؤ گے ورنہ میں اپنی کوششیں تیز کر دیتا مجھ سے ہیر پھیر کی کوشش نہ کرو' میں جانتا ہوں کہ شہر میں [illegible] لوگوں کے علاوہ کوئی ایسی بے رحمانہ کارروائی نہیں کر سکتا۔ جانو ماچھی کے آدمیوں سے تو پولیس والے بھی کنی کترا کر گزر جاتے ہیں اور انہیں چھیڑنے کی ہمت نہیں کر پاتے ۔"

"یہ کوئی شرم یا ندامت کی بات نہیں بنتی اگر تم یہ کارنامہ ہمارے ہی کھاتے میں ڈالنے پر مصر ہو تو میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ تم نے ضمانت کے لئے تو اڑتالیس گھنٹے مانگ لئے لیکن غزالہ کے بارے میں ابھی تک خاموش ہو ۔"

"وہ ساتوں تو مر گئے لیکن دلی صدمے کے ساتھ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اتنا بڑا آپریشن کرنے کے باوجود تم لڑکی اپنے قبضے میں لینے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ شاید تمہیں ا[illegible] لوگوں کے تیسرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ شام کے اخبارا[illegible] دیکھ کر میں ان کے تیسرے اور آخری ٹھکانے تک پہنچا تو خوبصورت مگر خونخوار لڑکی مراد کا گلا گھونٹ کر تمہارا اسکو[illegible] سات تک پہنچا چکی تھی ۔ جانو ماچھی کے ساتوں آدمی مو[illegible] کے گھاٹ اتر گئے لیکن میری جیت یہ ہے کہ میری بروقت مداخلت سے لڑکی مراد کو قتل کر کے فرار نہیں ہو سکی۔"

اس کی زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی میرا دل اچھل [illegible] حلق میں آگیا۔ حیرت اور بے یقینی کی حالت میں دیرا[illegible] آنکھیں بھی اس کی پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

"پھر اب کہاں ہے وہ لڑکی ؟" میں نے اضطراری لہجے [illegible] سوال کیا۔

"میری تحویل میں۔" اس کی آواز مجھے کسی گہر[illegible] کنوئیں کی تہ سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور یک بیک دورانِ خون تیز ہو کر میری کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے [illegible]

"لو' اب میں اپنی دوسری شرط بھی پوری کرتا ہوں' تم اس سے بات کرلو۔" اس نے کہا تھا اور میں لاسلکی ریسیو[illegible] غزالہ کی آواز سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گیا ۔ [illegible] اعصاب پر یکایک ہی چٹخا دینے والا تناؤ طاری ہونے لگا [illegible] دیرا اضطراری طور پر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی غزالہ تک رسائی کی دوڑ میں بلیک کیٹ ٹی نے آ[illegible] ہم سب کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

"غزالہ اسپیکنگ" لاسلکی آلات پر اس کی بھرائی ہوئی مگر جذبات سے یکسر عاری آواز ابھری اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یک بیک فضا گنگنا اٹھی ہو۔ اس وقت عام حالات ہوتے تو شاید دیرا کی وہ آواز مجھے اس کی سلامتی اور صحت کے بارے میں فکر مند کر دیتی لیکن میں نے ایک طویل وقفے کے بعد اس کی آواز سنی تھی۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ اپنی تمام تر مشکلات اور دشواریوں سے نمٹنے کے بعد وہ زندہ تھی ۔ میں بلیک کیٹ ٹی سے سن چکا تھا کہ غزالہ اپنے اغوا کنندہ کو قتل کر کے فرار ہونے سے ذرا ہی پہلے اس کے چنگل میں پھنسی تھی' اس لئے اس کا لب و لہجہ اس وقت میرے لئے اہم نہیں تھا۔

موت کے سوداگروں کے خلاف میری جاں گسل جدوجہد میں وہ بھی اس بری طرح ملوث ہوئی تھی کہ کبھی اسے ویرانے اغوا کرا کے پاکستان سے باہر اسمگل کرایا اور جب وہ درندوں کے اس غول کو چیر پھاڑ کر اپنا راستہ بناتی ہوئی پاکستان پہنچی تو بھیڑ کے بہروپ میں چھپے ہوئے' دلدار آغا نامی بھیڑیے نے اسے فریب دے کر مجھ سے اتنا دور کر دیا کہ وہ مشرقی لڑکی مجھ سے روبرو ملنے کے باوجود مجھے اپنا نہ کہہ سکی۔ دلدار آغا کو اپنا مجازی خدا بنا کر اس نے خود ہی اپنی محبت کو لہولہان کر دیا تھا۔ اس عمل میں وہ خود بھی اندر سے اتنی فگار ہو گئی تھی کہ میں اپنے دل میں بھڑکتے ہوئے محرومی کے شعلوں اور کھولتے ہوئے انتقامی لاوے کے باوجود اس سے کوئی شکوہ نہ کر سکا اور میری غزالہ مجھے اپنے سے دور رہنے کا حکیمانہ مشورہ دے کر اسی درندے کے بھٹ میں لوٹ گئی جس نے اپنی مکاری سے اسے شکار کیا تھا۔

میرے لئے غزالہ کا یوں پرایا ہونا ایک بدترین شکست سے کم نہیں تھا۔ اس وقت تک میں شی کے ڈی ڈی کے بارے میں سن چکا تھا لیکن یہ بات میرے وہم و خیال میں بھی نہیں تھی کہ غزالہ کو مجھ سے چھیننے والا' دلدار آغا ہی ڈی ڈی ثابت ہو گا۔ میں اسے اپنا رقیب روسیاہ سمجھ کر اس کے پیچھے لگ گیا اور آخرکار اس کی ذات کے گرد بنے ہوئے حصار کو توڑ کر اس کی اصلیت کا سراغ لگا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اپنے شوہر کا وہ گھناؤنا روپ بتدریج غزالہ پر بھی ظاہر ہوتا چلا گیا اور اپنے احتجاج کے نتیجے میں وہ اپنے ہی گھر میں ایک قیدی بنا دی گئی۔

اس کی مظلومیت اپنی جگہ پر تھی مگر میں دلدار آغا کے لئے قہر داماں دشمن بنا ہوا تھا۔ میں اس کی بو پر لگا رہا اور آخرکار وہ بدنسب شخص نہایت عبرت اور کسمپرسی کے عالم میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔

میرا خیال تھا کہ اس کی موت کے بعد میری اور غزالہ کی آنکھ مچولی ختم ہو جائے گی لیکن غزالہ کی پُراسرار اور ناقابل فہم روپوشی نے میرے اس خیال کو ایک خود ساختہ وہم میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔

وہ دوبارہ میری نظروں میں آئی تو میرے ہاتھ پڑنے سے پہلے ہی ناگہانی طور پر پولیس کی تحویل میں چلی گئی جہاں سے جانو ماچھی' ایک بدعنوان اور راشی پولیس افسر کی مجرمانہ سازش کے سہارے نہ صرف خود فرار ہوا بلکہ غزالہ کو بھی مالِ غنیمت کے طور پر اپنے ساتھ لیتا چلا گیا۔

جانو ماچھی کے ساتھیوں سے روح فرسا تصادم کے بعد اس وقت مجھے پہلی بار غزالہ کی شناسا آواز سنائی دی تھی۔ یہ درست تھا کہ وہ اس وقت بھی آزاد اور اپنی مرضی کی مالک نہیں تھی۔ بلیک کیٹ ٹی اپنی طاقت اور وسائل کے سہارے اس کی قضا و قدر کا مالک بن بیٹھا تھا لیکن یہ کافی تھا کہ وہ زندہ تھی۔

اگر وہ زندہ تھی اور اس کے دل میں زندہ رہنے کی تڑپ موج زن تھی تو جلد یا بدیر اسے بلیک کیٹ ٹی کے گھناؤنے چنگل سے رہائی مل سکتی تھی۔

"میں زندہ ہوں۔ مجھے قیدی بنانے والے آخری شخص سے مقابلے میں معمولی سے زخم آئے ہیں مگر اس سے میری ہمت اور ارادوں میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔" وہ اسی بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میری بدقسمتی ہے کہ آخری لمحات پر اس نقاب پوش نے مجھے اپنا قیدی بنا لیا لیکن میں پہلا موقع میسر آتے ہی اس کا گلا کاٹ کر اپنی آزادی کی راہ نکال لوں گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم اس سے کیا کہتے رہے ہو لیکن میں نے اس کی جو کچھ یک طرفہ گفتگو سنی ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نقاب پوش تم سے اسلحہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس سودے بازی میں کوئی سفارتخانہ بھی ملوث ہے۔ مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ تم نے جانو ماچھی کے چھ ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ ساتواں میرے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ نقاب پوش یقیناً آٹھواں ہوگا۔ اس نے لاسلکی ٹرانسمیٹر کا ہیڈ گیئر میرے حوالے کرنے سے پہلے اپنی کسی دوسری شرط کا ذکر کیا تھا۔ میری ہدایت ہے کہ میری وجہ سے اس کا کوئی ناجائز دباؤ ہرگز قبول نہ کرنا۔"

"تم ان چکروں میں نہ پڑو" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے اضطراری لہجے میں کہا "تمہاری وجہ سے اس نے ہم پر کوئی شرط عائد نہیں کی ہے۔ بلکہ ہم نے اس پر تمہاری تلاش میں مدد دینے کی ذمے داری عائد کی تھی۔ یہ ابھی ہماری شرط کا ذکر کر رہا تھا۔"

دیرا بولی "تم فکر نہ کرو۔ تمہارے لئے میں ڈینی کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔"

ہم دونوں ہی کمرے میں گونجتی ہوئی اس کی آواز سن رہے تھے اور بیک وقت اپنی آوازیں اس تک پہنچا سکتے تھے لیکن دوسری طرف ریسیور کا کام شاید ہیڈ فون سے لیا جارہا تھا جس کی وجہ سے ہماری طرف سے کہی ہوئی بات ایک وقت میں صرف غزالہ سن سکتی تھی یا پھر بلیک کیٹ ٹی سن سکتا تھا۔

غزالہ کہہ رہی تھی "مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں اکٹھے ہو۔ تم چاہو تو مل کر دنیا کے بڑے سے بڑے شہ زور کے پیر اکھاڑ سکتے ہو" اس کے لہجے میں ہلکی سی ترشی تھی۔ ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں خود بھی سمجھ رہا تھا کہ غزالہ نے وہ فقرہ بلیک کیٹ ٹی کو سنانے کے لئے مجبوراً ادا کیا تھا۔

"لیکن دلدار کی موت کے بعد سے تم کہاں غائب تھیں؟" میں نے دوسری طرف بات سنی جانے کے انفرادی نظام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سوال کرڈالا جس نے ہم دونوں سے مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔

اس کا جواب خجالت آمیز تھا "ملوں گی تو سب کچھ بتادوں گی۔ اب میں ٹرانسمٹر نقاب پوش کو دے رہی ہوں... یہ یاد رکھنا کہ تمہیں اس کی دھونس میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

غزالہ ویرا کو کبھی بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کی ناپسند میں سلطان شاہ کی طرح ذاتی عناد یا حسد کا دخل نہیں تھا۔ نہ ہی اسے اس بات کی پروا ہوتی تھی کہ ویرا ایک خوبرو اور رنگین مزاج عورت تھی جو میرے اور غزالہ کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ اس کی ناپسندیدگی کا واحد سبب یہ تھا کہ ویرا نہ صرف نسلی اعتبار سے بلکہ اپنے مزاج کے لحاظ سے بھی ایک مستند اور پیشہ ور مجرمہ تھی جو اپنے متعین کئے ہوئے مفادات کے حصول کے لئے کسی بھی وقت، کسی کو بھی داؤ پر لگا سکتی تھی۔

یہ اچھا ہوا تھا کہ ویرا کی مداخلت کی وجہ سے غزالہ کو یہ علم ہوگیا تھا کہ شی اور دلدار آغا کے خلاف بھیانک اور خوں ریز کارروائیوں کے باوجود، ان دنوں ویرا سے میری دوستی چل رہی تھی ورنہ بے خبری کے عالم میں وہ بلیک کیٹ ٹی سے کچھ ایسی باتیں کہہ سکتی تھی جنہیں سنبھالنا شاید میرے اور ویرا کے لئے دشوار ہوجاتا۔

"میں نے تمہاری دوسری شرط پوری کردی ہے" کمرے میں بلیک کیٹ ٹی کی آواز ابھری "لیکن میں ابھی تک غزالہ کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ اپنے سن وسال سے یہ لڑکی نظر آتی ہے لیکن باتیں پختہ کار عورتوں کی طرح کرتی ہے۔"

مجھے اس کا تبصرہ ناگوار گزرا اور میں نے ترش لہجے میں کہا "تمہیں اس پر ریسرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب اسے کب اور کہاں ہمارے حوالے کررہے ہو؟"

"ابھی تک نہ تم مجھ پر اعتماد کرسکے ہو اور نہ مجھے تمہاری نیت پر بھروسا ہے۔ کرنل مہیش پال یا رام دیال ہی کو یہ کام کرنا ہوگا۔ تمہیں رقم کی ادائیگی کا یقین دلانا ہوگا اور مجھے اطمینان دلانا ہوگا کہ اس لڑکی کو تمہارے سپرد کردینے کے بعد میرے ساتھ دھوکا نہیں ہوگا۔"

"تم اپنی باتوں سے ہمارے درمیان بداعتمادی کی فضا پیدا کررہے ہو!"

"اعتماد دو طرفہ ہوا کرتا ہے میرے دوست!" اس کی آواز میں ہلکی سی تلخی پیدا ہوگئی "یہ کیسے ممکن ہے کہ تم مجھے غلط سمجھتے رہو اور میں صدق دل سے تمہیں سا ہوکار مان لوں"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں اڑتالیس گھنٹے گزرنے تک انتظار کرنا ہوگا؟"

بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن مجبوری کی وجہ سے صورت حال بدل بھی سکتی ہے۔"

اس کے معنی خیز لہجے نے مجھے چونکا دیا "کس مجبوری کا ذکر کررہے ہو؟"

"تمہیں معلوم ہے کہ کرنل مہیش پال غائب ہے اور رام دیال نیا آدمی ہے۔"

اس کی نئی قلابازی سے مجھے الجھن سی ہونے لگی۔ میں نے برہمی سے کہا "رام دیال نیا آدمی کہاں سے ہوگیا؟ نیا ہوتا تو وہ ہمارے کوڈ سے ہی لاعلم ہوتا۔"

وہ یوں ہنسا جیسے میری برہمی سے محظوظ ہورہا ہو، پھر بولا "ضمانت فراہم کرنا اس کے فرائض میں ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ ایسے کام کرنل مہیش پال ہی کیا کرتا تھا۔"

"اسے پیدا کرنا میری ذمے داری نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی روپوش ہوگیا ہو۔"

"میرے لئے اس کی روپوشی بھی اسی قدر تشویشناک ہے جتنی اس کی گم شدگی۔"

آخر تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟" رفتہ رفتہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا تھا۔

"اول تو سارا کام طے شدہ طریقے پر پایۂ تکمیل کو پہنچنا چاہئے" مجھے محسوس ہوا جیسے وہ اس وقت الفاظ کو چبا چبا کر ادا کررہا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا "لیکن کرنل مہیش پال کے درمیان نہ ہونے سے کوئی پیچیدگی بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ رام دیال کرنل کے مقابلے میں ایک جونیئر افسر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دہلی میں بیٹھے ہوئے اعلیٰ افسران، اتنے بڑے سودے میں اسے اختیارات دینے پر آمادہ نہ ہوں..."

اس کی بات پر مجھے شدید غصہ آیا لیکن مجھے اس کی بات کو تحمل سے برداشت کرنا پڑا۔ میں نے پوچھا "پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"یہاں رہتے ہوئے میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

"پھر یہ سودا نہیں بن سکے گا" میں نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ فوراً ہی چہکتے ہوئے لہجے میں بولا تھا "اس وقت ایسی بدشگونی کی باتیں نہ کرو۔"

"یہ بدشگونی تم خود ہی پیدا کرنا چاہ رہے ہو۔ ایسی منفی قیاس آرائی کا یہ کون سا موقع ہے؟"

"ضمانت نہیں مل سکی تو بھی ہمارا سودا ضرور ہوگا" اس کی پراعتماد آواز ابھری۔

"تو کیا رقم کی پیشگی ادائیگی کا کوئی بندوبست کرلیا ہے تم نے؟"

"غزالہ میری حفاظت میں ہے۔ تم خود اس سے بات کرچکے ہو۔ اس کے ہوتے ہوئے تمہیں کسی نہ کسی حد تک میری ذات اور زبان پر بھروسا کرنا ہی پڑے گا۔"

"یعنی تم اسے اپنی قید میں رکھ کر ہمیں بلیک میل کروگے؟" ... میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"یہ تمہارے اپنے الفاظ ہوسکتے ہیں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"بالکل یہی ارادہ ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "ہم تمہیں اسلحہ فراہم کریں گے تو تم غزالہ کو ہمارے حوالے کروگے۔ غزالہ کے تمہارے قبضے میں ہونے سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ سودے کی قیمت کی ادائیگی کے معاملے میں تم نیک نیت ہو یا اتنی بڑی رقم ادا کرنے کی حقیقی استطاعت بھی رکھتے ہو؟"

"سودا بہت بڑا ہے۔ نہ تم مجھے سارا مال ایک کھیپ میں دوگے اور نہ میں ساری رقم کے سوٹ کیس اسی وقت تمہارے حوالے کردوں گا۔ پہلی کھیپ ملتے ہی میں غزالہ کو تمہارے حوالے کردوں گا۔ تمہاری رقم بھی تمہیں مل جائے گی اور تم میری نیک نیتی کے قائل ہوجاؤ گے۔ اس سے آگے مجھے مال ملتا رہے گا اور تمہیں دام ملتے رہیں گے۔ غزالہ کو پہلی ڈیل ہونے تک اپنا مہمان رکھوں گا۔ اور وہ بھی صرف اس وقت جب رام دیال ضمانت فراہم کرنے میں ناکام ہوجائے" اس کا لب ولہجہ حد سے زیادہ مکارانہ ہوگیا تھا "وہ اپنا کام پورا کرلیتا ہے تو میں ایک لمحے کے لئے بھی غزالہ کو اپنے پاس نہیں روکوں گا۔ خونخوار اور مردمار عورتوں سے میں ہمیشہ سے الرجک رہا ہوں۔ خود تم نے بھی غزالہ کو مراد کی بے جان لاش کے نرخرے پر آخری زور آزمائی کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا تو شاید تمہارے ذہن سے اس کے حسن وجمال کا طلسم کئی دن کے لئے محو ہوجاتا۔"

"اتفاق نے اگر ہمیں یکجا کرہی دیا ہے تو تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تم ہمارے ذاتی معاملات پر بھی تبصرے کرنے لگو" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔

میری بات پر وہ فوراً ہی شرمندہ ہوگیا "میں معذرت چاہتا ہوں۔"

جب تک غزالہ اس کی دسترس سے باہر تھی، وہ اپنی ملک دشمن سرگرمیوں کے لئے سراسر ہمارا محتاج تھا۔ ہم پر اس کا کوئی زور نہیں تھا۔ وہ پیسہ دے کر ہم سے ہتھیار اور اسلحہ خریدنا چاہ رہا تھا لیکن ہم اپنی مرضی کے مالک تھے۔ ہم نے اس پر کرنل مہیش پال کی ضمانت فراہم کرنے کی شرط عائد کرکے ایک اعتبار سے خود ہی کرنل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سے آگے اگر رام دیال نئی دہلی سے ہماری مطلوبہ ضمانت کا بندوبست کرادیتا تو دوسری بات تھی ورنہ ہم آزاد تھے لیکن بدقسمتی سے غزالہ کی صورت میں ایک اہم کارڈ اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور صاف نظر آرہا تھا کہ وہ اپنی اس کامیابی سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلا ہوا تھا۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ کہیں اس نے رام دیال کو اپنی کوششیں عارضی طور پر معطل کرنے کی ہدایت ہی نہ کردی ہو۔

"تمہارے اڑتالیس گھنٹے پرسوں پورے ہوں گے۔ پھر اسی وقت بات ہوگی" میں نے کہا۔

"لیکن ہم کل رات بھی بات کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ کام بن جائے" وہ بولا۔

"کل ہم دونوں مصروف ہیں" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا "کل کوئی بات نہیں ہوسکتی۔"

"شاید تم میری کسی بات سے ناراض ہوگئے۔" اس کا لہجہ مصالحانہ ہوگیا "تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنی کوششوں سے ویرا کی کمین گاہ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ میرے لئے یہ پتا لگانا مشکل نہیں ہوگا کہ کل کے لئے واقعی تمہارا کوئی پروگرام ہے یا تم مجھے ٹالنے کی کوشش کررہے ہو۔"

اس کا نرم لہجہ اپنی جگہ لیکن اس کی بات اشتعال دلانے والی تھی اس لئے میں فوراً ہی بھڑک گیا "تم حد سے تجاوز کررہے ہو۔ ہم لوگ اس شہر میں تمہارے باج گزار نہیں ہیں جو اپنے ہر قول اور فعل میں تمہاری خوشنودی کا خیال رکھیں۔ اگر تم نے یا تمہارے کسی آدمی نے اب ہمارے قریب آنے کی کوشش کی تو ہم بے رحمی سے اسے ذبح کرڈالیں گے۔ شاید تم بھول گئے ہو کہ میری اور ویرا کی پشت پر شی کی وہ قوت ہے جس سے ہر ایک لرزتا ہے۔"

اس نے میری کسی بھی بات کا جواب دیے بغیر کہا "اچھا تو اب تم سے پرسوں ہی بات ہوگی۔ میں اس مرحلے پر بات بڑھا کر کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتا۔"

گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے میں نے سسٹم آف کر دیا تاکہ ویرا سے بات کر سکوں۔

"غزالہ تو ہر بار چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر ہمارے ہاتھوں سے نکلی جارہی ہے" میرا کام ختم ہو جانے پر ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"مقدر کی بات ہے کہ ہم اس قدر کشت و خون کر کے بھی اسے حاصل نہ کر سکے اور بلیک کیٹ ٹی نے کسی جدوجہد کے بغیر اسے اپنا قیدی بنالیا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ اب رام دیال دم دکھادے گا اور بلیک کیٹ ٹی پہلی کھیپ ملنے تک غزالہ کو اپنی قید میں رکھے گا۔"

"جانو ماچھی کے ٹھکانوں تک تو ہم نے رسائی حاصل کر لی تھی لیکن بلیک کیٹ ٹی کا سراغ ملنا مشکل ہے۔ اسے تو تم نے ثی کی تنظیم اور قوت کی دھونس دے ڈالی لیکن یہاں تم نے اپنے ہاتھوں سے ان دونوں چیزوں کو تباہ کر دیا ہے۔ میں اکیلی تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اب ہمیں تحمل سے مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ مسز شانتی نرائن سے ہمیں کچھ مدد مل سکے" میں نے امید ظاہر کی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شانتی سے ملاقات سود مند ثابت نہ ہوئی تو مجھے اسلحہ کی ڈیل کے بارے میں اپنے بڑوں سے رجوع کرنا پڑے گا۔ باہر سے صرف میری ہدایت پر اسلحہ یہاں نہیں بھیجا جائے گا اور مجھے فکر لاحق ہو چلی ہے کہ میں جوں ہی باہر والوں سے کسی بھی سلسلے میں رابطہ کروں گی تو وہ مجھ سے جمی لائیڈ کے لئے میرے مشن کے بارے میں کریدنے کی کوشش کریں گے جس کے لئے میرے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟" میں نے بے چارگی سے سوال کیا۔

"نہ ہو لیکن وہاں تو یہی سمجھا جارہا ہو گا کہ میں پاکستان آکر پھر بدل گئی ہوں۔"

میں نے حیرت سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا "اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

اس نے شانے اچکا کر میری طرف دیکھا اور تیز لہجے میں بولی "وہ سیٹلائٹ مائیکروفون سے میری مصروفیات کی نگرانی کررہے تھے۔ تم نے اسے تباہ کر کے وہ رابطہ ہی منقطع کر دیا۔ انہیں تشویش تو ضرور ہو گی اور پھر میں نے بھی یہاں آنے کے بعد سے اب تک ان لوگوں میں سے کسی سے رابطہ نہیں کیا ہے۔"

"سیٹلائٹ مائیکروفون تمہارے کمرے میں تمہاری لاعلمی میں چھپایا گیا تھا۔ تم خود ہی انہیں اپنے کمرے میں کسی مشتبہ لاسلکی آلے کی موجودگی کی خبر سنا سکتی ہو۔ کہہ دینا تمہاری چھیڑ چھاڑ کے نتیجے میں وہ آلہ یک بیک جل کر تباہ ہ... اس کہانی کے بعد کوئی بھی تم سے کوئی سوال نہیں کر سکے...

"ترکیبیں بتانا دنیا کا سب سے آسان کام ہے۔ اب ا... معاملے کو تو مجھے ہی بھگتنا ہو گا۔ بظاہر میں اس مائیکروفون... انجان بن سکتی ہوں لیکن میری اس بے خبری پر کوئی اع... نہیں کرے گا۔ ثی کے بڑوں کو اپنے اعلیٰ اختیارات کی و... سے بعض ایسی چیزوں اور رازوں تک بھی رسائی حا... ہو جاتی ہے جو اصولاً ان کے علم میں نہیں آنے چاہئیں سیٹلائٹ مائیکروفون کی کارکردگی میں ڈیلاس میں ب... نفیس دیکھ چکی تھی۔"

"وہ بعد کی باتیں ہیں۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جا... فی الحال تو میرے ذہن پر شانتی نرائن سوار ہو کر رہ گئی۔ اب میری تمام امیدیں اسی کی ذات سے وابستہ ہو کر رہ گئی

"ابھی بلیک کیٹ ٹی نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس کی نیت خراب ہو رہی ہے تو وہ تک رام دیال کو بھی اپنے ارادوں سے آگاہ کر چکا ہو گا تاکہ اس سے براہ راست بات کریں تو وہ ہم کو اصل کہانی سے نہ کر دے اور اگر وہ ایسا کر بیٹھا ہے تو یقین رکھو کہ رام دیال... شانتی نرائی کو بھی بریف کر دیا ہو گا اور وہ ہمارے کسی کام نہ آسکے گی۔ اگر وہ تم سے ملی بھی تو تمہیں گمراہ کرنے کی کوش... کرے گی۔"

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا "تو اب میں کون سا پا... ہوں؟ پھر خوبصورت اور دل نواز عورتوں سے مل کر تو شیخ کا بھی گمراہی کے لئے مچلنے لگتا ہے۔"

"تم نے بھی عجیب سیمابی طبیعت پائی ہے" وہ... گھورتے ہوئے، ملامت آمیز لہجے میں بولی "ابھی غزالہ... فراق میں گھلے جارہے تھے اور اب شانتی سے ملنے کی امی... قہقہے لگا رہے ہو۔ تمہاری طبیعت کے اسی تلون سے سل... شاہ چڑ چڑا تا ہے۔ اگر اس وقت وہ موجود ہوتا تو یقیناً تم سے... پڑا ہوتا۔"

سلطان شاہ کے ذکر پر میں چونک پڑا "باتوں میں ڈوب... میں وہ قصہ تو بھول ہی گیا تھا۔ تنہائی میں تم نے اس کے... کیا حرکت کی تھی کہ وہ خود کو گھر میں محصور کر لینے پر مجبور... تھا؟ وہ خاصا شرمسار اور جھینپا ہوا نظر آرہا تھا، اسی وجہ سے... نے اس سے بھی زیادہ باز پرس نہیں کی۔"

اس بار وہ ہنستے ہوئے بے پروایانہ لہجے میں بولی تھی "اسی سے پوچھ لینا۔ چھیڑ چھاڑ کے بعد بات ہاتھا پائی اور پھر مشتی تک پہنچ گئی تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ آج کے وا... بعد ہمیشہ کے لئے ہم دونوں کے تعلقات بہتر ہو جائیں... راصل میں آج سے پہلے اس کے ٹائپ کا اندازہ نہیں لگا سکی ...ں۔"

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو" میں نے اس کی آنکھوں ...ں جھانکتے ہوئے کہا۔

وہ شوخ لہجے میں بولی "میں کسی سے کچھ نہیں چھپاتی۔ ...کچھ ہوا تھا، وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اس سے آگے کی تحریر ...اس کی آنکھوں میں پڑھنے کی کوشش کرنا۔"

وہ بہت ضدی اور ہٹ دھرم تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا ...کہ وہ اس موضوع پر اس وقت مزید زبان نہیں کھولے گی۔ اس لئے میں نے چلنے کا ارادہ کیا مگر وہ بھی میرے ساتھ ہی ...ٹھ گئی۔

"تم کہاں چلیں؟" میں نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"اب میں بڑی حد تک تمہاری پارٹی میں شامل ہو چکی ...وں اس لئے مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش بے سود ہیں۔ ...ں جاننا چاہتی ہوں کہ سلمیٰ نے کیسٹر آئل پی کر کیا کارنامہ سر ...نجام دیا ہے؟"

"جہانگیر اس معاملے میں بہت جذباتی ہے۔ اس کے ...سامنے یہ الفاظ نہ دہرا بیٹھنا ورنہ وہ زندگی بھر کے لئے تمہاری ...ورت سے بے زار ہو جائے گا۔"

وہ مجھے چیلنج کرنے والے انداز میں بولی "وہ سلطان شاہ کی ...لکل ضد ہے۔ میری اصلیت سے آگاہ ہوتے ہی مجھ پر ریشہ ...نطمی ہوا جارہا تھا۔ تم اسے بار بار نہ ٹوک رہے ہوتے تو وہ ...رے پیر چاٹ رہا ہوتا۔"

اس سے میرے مراسم بہت دوستانہ اور بے تکلفانہ تھے لیکن جہانگیر اور سلطان شاہ اس کی وجہ سے قدرے ذہنی دباؤ کی حالت میں رہتے تھے، اس لئے میں اسے ساتھ لے ...جانے پر آمادہ نہیں تھا لیکن اس کے اصرار کے سامنے مجھے ...ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ اپنا گھر مقفل کر کے میرے ساتھ وہاں ...سے روانہ ہو گئی۔

وہ اس وسیع و عریض مکان میں برقی حفاظتی نظام اور برقی ...تالوں کے حصار میں تنہا رہتی تھی۔ چند روز پہلے تک اسے ...گمان تھا کہ اس مکان کا حفاظتی نظام ناقابل تسخیر تھا۔ اس کی ...خلوت میں کسی اجنبی کی مداخلت بعید از قیاس تھی۔ لیکن ...بلیک کیٹ ٹی نے، اس کی لاعلمی میں، اس کے ڈرائنگ روم ...میں لاسلکی مواصلاتی نظام نصب کر کے اس کے اعتماد کو خاصی ...زک پہنچائی تھی مگر پھر بھی ویرا کا خیال تھا کہ ہر شخص بلیک کیٹ ٹی کی طرح اس کے مکان میں رسائی حاصل نہیں کر سکتا ...تھا اس لئے اس نے پھاٹک پر برقی قفل کے علاوہ کوئی اور احتیاط ...ضروری نہیں سمجھی تھی۔

اس وقت ہم دونوں ایک ہی کار میں سفر کر رہے تھے... میں خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ ویرا خوشگوار باتیں کر رہی تھی اور بظاہر ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا لیکن بلیک کیٹ ٹی سے ہونے والی، تازہ ترین گفتگو کی وجہ سے میں لاشعوری طور پر بہت زیادہ چوکنا تھا، اس لئے میں نے ابتداء ہی سے اس کار کو بھانپ لیا جو ایک گلی سے نکل کر ہمارے پیچھے روانہ ہوئی تھی۔

ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی کے پیچھے رات کے اندھیرے میں چھپی ہوئی کسی کار کا رنگ اور ماڈل وغیرہ دیکھنا ناممکنات میں سے تھا، اس لئے میں نے ابتدا ہی سے عقب نما آئینے میں مسلسل ان دونوں چمکتے ہوئے ہیڈ لیمپس پر اپنی نگاہ رکھی تاکہ تعاقب کے بارے میں میرے شبہے کی حتمی تصدیق یا تردید ہو سکے۔

چند بے مقصد موڑ گھومنے اور گلیوں کی سڑکیں ناپنے کے بعد جب میں نے دوبارہ اپنی کار مین روڈ پر نکالی تو پیچھے آنے والی کار بدستور ہمارے پیچھے آرہی تھی۔ میری ڈرائیونگ سے شاید وہ بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ میں اپنے تعاقب سے باخبر ہو چکا ہوں لیکن اس نے بھی ڈھٹائی اختیار کر لی اور ہم سے اپنا فاصلہ بڑھانے یا ہیڈ لیمپس گل کرنے کے بجائے مسلسل اسی فاصلے سے ہمارے پیچھے آتا رہا جو اس نے ابتدا ہی سے قائم رکھا ہوا تھا۔

کافی دیر بعد ویرا کو میری حرکات کا اندازہ ہو سکا تھا اور اس نے چونک کر مجھ سے پوچھا تھا "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ سیدھے راستوں کے بجائے گلیوں میں کیوں بھٹک رہے ہو؟"

"تم اپنی کھال میں مست اور بے خبر ہو جبکہ ایک کار ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

میرے انکشاف پر اس نے چونک کر اپنی گردن پیچھے گھمائی تھی اور تعاقب میں آنے والی کار کا جائزہ لیتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں بڑبڑائی تھی "تو بلیک کیٹ ٹی نے اپنی دھمکی پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"میرے لئے یہ تعاقب بہت زیادہ خیال انگیز ثابت ہو رہا ہے" میں نے کہا۔

میرے لہجے نے اسے مزید چونکا دیا "کیوں؟ کیا اس تعاقب میں کوئی خاص بات نظر آرہی ہے؟"

"خاص ہی نہیں، خاص الخاص کہو" میں نے کہا "میں ٹائمنگ پر غور کر رہا ہوں۔"

ویرا نے اس اثنا میں اپنے بیگ میں سے بھرا ہوا پستول نکال کر گود میں رکھ لیا تھا۔ وہ بولی "کھل کر بات کرو! میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکی۔ کس ٹائمنگ پر غور کر رہے ہو تم؟"

"بلیک کیٹ ٹی سے ہماری گفتگو کو ختم ہوئے بمشکل پانچ دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ایک کار نے ہمارا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ہم فوراً بھی روانہ ہوئے

ہوتی تو وہ کار اسی طرح ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہوتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اسی علاقے میں ہمارے آس پاس ہی رہتا ہے؟"

"وہ یہیں بھی رہتا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اس کا طریق کار کسی حد تک سمجھ گیا ہوں۔ وہ اول درجے کا مکار اور سازشی ہے اور شاید خود ہی ہمارا تعاقب کررہا ہے" میں نے کہا۔

اس نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا "وہ خود ہمارا پیچھا کررہا ہے؟"

"ہاں! میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں" میں نے کار کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ غزالہ بھی اس کار میں اسی کے ساتھ ہے۔ اس نے ابھی چند منٹ پہلے ٹرانسمٹر پر غزالہ سے ہماری بات کرائی تھی" کھوپڑی میں امکانات روشن ہونے کے ساتھ ہی اس کی حیرت میں بھی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ میری بات تمہاری سمجھ میں آگئی" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس نے جو آلات تمہارے ڈرائنگ روم میں نصب کئے ہیں وہ بہت زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ طویل فاصلوں پر کام کرنے والے ہائی فری کوئنسی لاسلکی آلات کے استعمال میں ہر وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ درمیان میں کوئی غیر متعلقہ فریق پیغام نہ سن لے، اس لئے وہ مقررہ وقت پر کسی قریبی گلی میں اپنی کار پارک کرکے وہیں سے ہم سے بات کرتا ہے اور ہمیں یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہت دور اپنے کسی محفوظ ٹھکانے سے سارے مذاکرات کررہا ہے جبکہ یہ آلات شاید چند کلومیٹر سے زیادہ آگے تک کام ہی نہیں کرتے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ورنہ اتنی جلدی وہ کسی کو ہمارے پیچھے نہیں لگا سکتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس کو گھیرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ قصہ ابھی ختم ہوجائے۔"

"اتنی پرامید نہ بنو" میں نے ذہن میں ایک خاکہ بناتے ہوئے کہا "میں شہر کے پرہجوم راستوں کی طرف نکل رہا ہوں۔ جہاں بھی میں کہوں، پلک جھپکتے میں نیچے اتر کر دروازہ بند کردینا۔ تم ٹیکسی پکڑ کر اس کے پیچھے لگ سکتی ہو مگر شرط یہی ہے کہ وہ تم کو اس کار ...... سے اترتا ہوا نہ دیکھے۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ فرار کی راہ اختیار کرنے میں ذرا بھی تکلف نہیں کرے گا اور ہم شہر کی سڑکوں پر جھک مارتے رہ جائیں گے۔"

"لیکن اس مصالحانہ فضا میں اسے ہمارا تعاقب کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"غزالہ کے ہاتھ لگ جانے کے بعد وہ خود کو بالادست سمجھ رہا ہے اور ہمارے اوپر اپنا دباؤ بڑھانا چاہتا ہے۔ تم بتا چکی ہو کہ ہتھیار اور سرمائے کے ساتھ ہی اسے افرادی قوت کی بھی ضرورت ہے۔ وہ تمہیں بھی پیشکش کرچکا ہے کہ تم معقول معاوضے پر اپنے آدمیوں کی خدمات اس کے حوالے کردو۔ وہ لین دین میں تو گڑبڑ نہیں کرے گا لیکن اس طرح دباؤ ڈال کر آخر کار ہمیں وسیع تر پیمانے پر اپنا ساتھ دینے پر مجبور کرے گا۔"

کافی لمبا چکر کاٹ کر ہم صدر کے بارونق علاقے میں داخل ہوئے تو پورا علاقہ روشن اشتہارات سے دمک رہا تھا۔ دکانیں بند ہوچکی تھیں اور فٹ پاتھوں پر غیر ملکی سیاح یا مقامی لوگ نظر آرہے تھے لیکن سڑکوں پر رش نہ ہونے کے باوجود خاصا ٹریفک رواں تھا۔

میرے ذہن میں ایک واضح پروگرام بن چکا تھا۔ جب محض میرا پیچھا کررہا تھا، اس لئے رفتار کی کمی بیشی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اپنے اور اس کے درمیان کئی کاریں کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

اگلے چوراہے پر ٹریفک سگنل کی سبز بتی روشن تھی۔ میں نے اچانک ہی اپنی رفتار کم کردی۔ پہلو سے گاڑیاں نکل رہی تھیں لیکن میں اپنی قطار میں رینگتا رہا۔ میرے پیچھے آنے والے میری اس سست روی سے پریشان ہونے لگے۔ کئی ہارن بجائے گئے مگر میں نے انہیں نظرانداز کردیا۔ آگے نکلنے والے سبز سگنل کی وجہ سے دائیں بائیں جانب کی قطار میں ٹریفک تیزی سے رواں تھا۔ اس لئے میرے پیچھے والوں کے لئے پہلو کاٹ کر آگے نکلنا بھی ممکن نہیں تھا۔

پھر جوں ہی سگنل پول پر زرد بتی روشن ہوئی، میں نے کار کی رفتار یک بیک تیز کردی۔ چوراہے پر پہنچتے تک سرخ بتی جل اٹھی تھی اور دوسری سمت کا ٹریفک رواں ہونے لگا تھا کہ میں سرخ بتی کی پروا کئے بغیر، برق رفتاری کے ساتھ نکلتا چلا گیا۔ میرے پیچھے آنے والوں کو رکنا پڑ گیا تھا۔ تعاقب کرنے والا اس بھیڑ میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

اگلا سگنل بند تھا، وہاں صرف چند ہی گاڑیاں تھیں۔ رکنے سے پہلے ہی میں نے ویرا کو اشارہ دیا اور وہ پلک جھپکتے میں گاڑی سے اتر کر آگے کھڑی ہوئی ٹیکسی کی طرف بڑھ گئی۔ شہر کی روایت کے برعکس اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے مذاکرات میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا اور دروازہ کھول کر عقبی نشست میں غائب ہوگئی تھی۔

عقب نما آئینے میں پچھلے سگنل سے ٹریفک حرکت کرتا ہوا نظر آیا تو اسی لمحے میرا سگنل بھی سبز ہوگیا۔ میرا تعاقب کرنے والا شاید چند سو گز کے فاصلے سے یہ دیکھ چکا تھا کہ میں نے بائیں طرف گھوم کر کہیں غائب ہوجانے کے بجائے سرخ بتی پر رک جانے کا فیصلہ کیا تھا اس لئے راستہ کھلتے ہی وہ ڈرائیونگ کے کرتب دکھاتا ہوا دوسری گاڑیوں سے آگے نکلا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے، میرے اور اس کے درمیان صرف دو گاڑیاں رہ گئی تھیں۔

ویرا نے ڈرائیور کو شاید اپنی خوش اخلاقی سے زیر کرلیا تھا کیونکہ اس کی ٹیکسی اپنی قطار سے داہنی طرف نکل کر رینگ رہی تھی اور واضح طور پر مجھ سے پیچھے بلکہ تعاقب کرنے والے کے پیچھے آنا چاہ رہی تھی۔

محمد علی جناح روڈ پر آنے تک تینوں گاڑیوں کی فارمیشن میرے پروگرام کے مطابق ہوچکی تھی۔ صدر کے جگمگاتے ہوئے علاقے میں موڑ گھومتے ہوئے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والی گاڑی گہری سبز نسان کار تھی جس پر کراچی ہی کی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی۔ میں اپنی پوری کوشش کے باوجود اس کا نمبر نہ پڑھ سکا لیکن مجھے امید تھی کہ وہ پہلو ویرا نے نگاہ میں ضرور رکھا ہوگا۔ اس تعاقب سے کچھ اور نتیجہ نکلتا یا نہ نکلتا، کم از کم کار کے نمبروں کے سہارے ہم کسی سمت میں کوئی کارروائی ضرور کرسکتے تھے اور اس طرح ہمیں بلیک کیٹ پی کا کوئی نہ کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

نمائش کا چوراہا گھوم کر میں قائداعظم کے مزار کے سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ پچھلی گاڑی کو روکنے کے لئے میرے ذہن میں قائداعظم کے مزار سے آگے داہنی طرف مڑنے والی سڑک سے بہتر کوئی مقام نہیں تھا کیونکہ وہاں داہنی طرف مزار قائد کے احاطے کی دیوار اور آہنی جنگلا دور تک چلا گیا تھا اور بائیں طرف بلند و بالا درختوں میں گھرے ہوئے تاریک اور وسیع احاطوں میں ایسے مکانات واقع تھے جو باہر سے بالکل ویران اور سنسان نظر آتے تھے۔

اس سڑک پر گھومتے ہوئے سبز نسان میری کار کے بالکل پیچھے تھی۔ میں نے موڑ کاٹتے ہوئے کار کو سڑک کی داہنی جانب رکھا پھر بہت تیزی سے سائیڈ کاٹتے ہوئے اپنی کار کو اس طرح بائیں طرف دبایا کہ سبز کار والا کوشش کے باوجود مجھ سے آگے نکلنے کی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکا۔

اسی اثنا میں پیچھے سے ویرا کی ٹیکسی بھی سر پر آگئی۔ میں دروازہ کھول کر نیچے اترنا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے ٹھک کی ایک مشینی آواز کے ساتھ بے آواز شعلہ فضا میں تیرتا ہوا میری کار کی طرف آیا اور باڈی میں سوراخ ہوگیا۔ میں نے نیچے اترنے کا ارادہ ترک کرکے اپنا پستول سنبھال لیا۔

سبز نسان والا سائلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کررہا تھا۔ اس نے پے درپے مزید تین فائر کئے۔ میری گاڑی کا ایک پچھلا ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ اسی کے ساتھ سبز نسان حرکت میں آگئی۔

گولیوں کی اس بوچھاڑ میں میرے لئے زیادہ سر ابھارنا خطرناک ہوسکتا تھا کیونکہ سبز کار والے کو پہل کا فائدہ حاصل ہوچکا تھا۔ میں نے بس اتنا دیکھا کہ تاریکی میں کوئی باریش شخص اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر جما ہوا تھا۔ میں چاہتا تو پھٹے ہوئے ٹائر کی پروا کئے بغیر اس کا تعاقب جاری رکھنے کی کوشش کرسکتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ میری وہ کوشش بے سود ہوتی البتہ مجھے یہ حیرت تھی کہ ویرا کی طرف سے کیوں خاموشی اختیار کرلی گئی تھی؟

چند ہی ثانیوں میں مجھے اپنی اس ناقابل فہم پہیلی کا جواب بھی مل گیا۔

ویرا بری طرح ہانپتی ہوئی، پوری رفتار سے دوڑتی ہوئی میری طرف آئی تھی۔ ایک گیم ضخیم انسانی ہیولا اس کا تعاقب کررہا تھا۔ میں نے یہ سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور تھا۔

"اس وحشی کو روکو" اس نے دروازہ کھول کر میرے برابر والی نشست پر گرتے ہوئے بڑی خوف زدہ آواز میں کہا۔ "اندھیرے میں ٹیکسی روکتے ہی اس نے میرے ساتھ دست درازی کی کوششیں شروع کردی تھیں..."

لمحہ بھر میں وہ پوری صورت حال میری سمجھ میں آگئی۔ ویرا کے دل پھینک رویئے نے ڈرائیور کو اس کے کردار کے بارے میں کسی سنگین غلط فہمی میں مبتلا کردیا تھا۔ سبز کار کے پیچھے اندھیرے میں ٹیکسی روکتے ہوئے اسے گمان گزرا ہوگا کہ اس کے ہاتھ آیا ہوا پنچھی اب اس کی ٹیکسی سے نکل کر سبز کار والے خریدار کے ساتھ چلا جائے گا، اس لئے اس نے کرائے سے پہلے ہی ویرا سے اپنی خدمات کا خراج وصول کرنے کی بے باکانہ کوششیں شروع کردیں جس کی وجہ سے ویرا سبز کار والے کو گھیرنے کے سلسلے میں اپنا رول ادا نہیں کرسکی۔ اس کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ ٹیکسی سے نکل بھاگی تھی۔

ہم دونوں میں سے کسی کو اپنے دھماکا خیز پستولوں سے فائر کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ سبز کار والے نے جو متعدد فائر کئے، وہ بے آواز تھے اور محض کھٹکے کی آوازیں سن کر کوئی عام آدمی فائرنگ کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا اس لئے ڈرائیور کو وہاں رونما ہونے والی سنگین صورت حال کا سرے سے ادراک ہی نہ ہوسکا تھا، اس لئے وہ اپنی خرمستی میں مبتلا رہا۔

میں پستول تان کر اپنی سیٹ سے نکلا تو ڈرائیور آستین سے اپنا منہ پونچھتا ہوا ویرا والے دروازے پر طبع آزمائی کی تیاری کررہا تھا۔ اس کا چہرہ تمتمارہا تھا اور اس کے وجود میں ہونے والی حیوانی پیکار نے اس کا چہرہ مسخ کرکے رکھ دیا تھا جیسے وہ آدمی نہیں، اپنے شکار کا پیچھا کرتا ہوا کوئی درندہ ہو۔

میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اسے پہلا جھٹکا لگا "یہ ہمارا عورت ہے' اسے باہر نکالو" اس نے پستول پر سے نظریں ہٹائے بغیر کمزور آواز میں اپنا جان دار مطالبہ پیش کیا۔

"یہ اپنے باپ کی نہیں ہے تو تمہاری کیسے ہو سکتی ہے!" میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اور وہ بے چارہ الٹے قدموں پیچھے کی طرف سرکنے لگا۔ اس وقت مجھے اس پر ترس بھی آ رہا تھا۔ وہ جوان اور بہت صحت مند نوجوان تھا۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ویرا اسے کیسی لچھے دار باتوں میں الجھا کر تعاقب پر آمادہ کر سکی ہوگی۔

"تم اس کا باپ تو نہیں ہو سکتا" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پُریقین لہجے میں کہا "اس نے ہم کو سبز گاڑی کا پیچھا کرنے اور بعد میں ہمارا ڈیرے پر چلنے کا وعدہ کیا تھا..."

"ضرور کیا ہوگا... مگر اب تم کو صرف کرائے پر گزارا کرنا ہوگا" میں نے مصالحانہ لہجے میں کہا "یہ تھوڑی سی کریک ہے۔ گھر سے باہر نکل کر ہر ایک سے ایسے ہی اول فول وعدے کرتی ہے اور بعد میں اسے حدود آرڈی ننس کے تحت پولیس والوں سے پکڑوا دیتی ہے۔ اس کی باتوں پر جاؤ گے تو کرائے سے ہاتھ دھونے کے علاوہ دُرّے بھی کھانا پڑیں گے۔"

میری اس صاف بیانی پر وہ صرف منہ چلا کر رہ گیا لیکن کچھ کہہ نہ سکا۔

"یہ لو" ویرا نے کار سے اتر کر سو روپے کا نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ تمہارے کرائے سے بہت زیادہ اور تمہارا انعام ہے۔ غیر عورتوں کی باتوں پر آئندہ کبھی بھروسا نہیں کرنا۔"

ویرا کے داہنے ہاتھ میں بھی پستول تھا' اس لئے اس نے مزید کسی بحث کا ارادہ ترک کر دیا اور تحقیر آمیز انداز میں ویرا کے ہاتھ سے نوٹ جھپٹ کر زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

مجھے خطرہ تھا کہ سبز کار والا کہیں چکر کاٹ کر دوبارہ ادھر نہ آ نکلے اس لئے میں نے فوراً ہی انجن اسٹارٹ کر کے اپنی کار آگے بڑھا دی تاکہ کسی محفوظ' ملحقہ گلی میں سکون سے ٹائر بدل سکوں۔

"تم نے اسے بہت آسانی سے نکل جانے دیا؟ اور یہ تمہاری کار کچھ لہرا کیوں رہی ہے؟" ویرا نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے پہلے ملامت آمیز اور پھر قدرے تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا تھا۔

"آسانی اس لئے کہہ رہی ہو کہ تم اپنے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ موج اڑا رہی تھیں" میں نے تلخ لہجے میں کہا "وہ مجھ پر بے آواز پستول کا پورا میگزین خالی کر کے بھاگا ہے۔ غنیمت ہے کہ میری کھوپڑی کے بجائے کار کا صرف ایک ٹائر ہی فلیٹ ہوا ہے' ورنہ آج تمہیں اس ڈرائیور سے بچانے والا کوئی نہ ہوتا۔"

"اوہ خدا!" وہ ان لمحوں کو یاد کرتے ہوئے ایک جھرجھری لے کر بولی "یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے مجھے خرید لیا ہو۔ میں تو اسے سلطان شاہ کی طرح بے ضرر انسان سمجھ کر اس سے بے تکلفانہ گفتگو کرتی چلی آئی تھی..."

میں نے غصیلے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ سلطان شاہ کے قبیلے میں تمہیں ایسے نوجوان بھی ملیں گے جو خوبصورت عورتوں کو تل کر کھانے کے شوقین ہوتے ہیں۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی اور اسی ترنم ریز ہنسی کے دوران میں بولی "تم مبالغہ کرنے پر آؤ تو زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیتے ہو۔ جس عورت نے ان علاقوں میں اپنا وقت گزارا ہو' وہ تو آنکھیں بند کر کے تمہاری باتوں پر ایمان لے آئے گی۔ سالم عورتوں کو تل کر کھانے کا تصور تو اب آدم خور قبیلوں میں بھی نہیں رہا ہوگا۔"

"اس کی گاڑی کا نمبر کیا تھا؟" میں نے ایک ملحقہ گلی میں کار گھماتے ہوئے سوال کیا اور ویرا نے میری توقع کے عین مطابق فوراً ہی سبز کار کا نمبر دہرا دیا جو کراچی ہی کا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آیا کہ اس میں بلیک کیٹ ٹی یا اس کا کوئی آدمی سوار تھا" وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "وہ تو کوئی دراز ریش' مولوی نما آدمی تھا اور کار میں اکیلا ہی تھا۔ اگر تم اس کی بے آواز فائرنگ کی کہانی نہ سناتے تو میں یہی سمجھتی کہ تمہاری عدم توجہی سے ہم اصل کار کو نظر انداز کر گئے تھے۔"

"نیم اندھیرے میں اس کی ایک ہلکی سی جھلک میں نے بھی دیکھی تھی" میں نے اس کی تائید کی "شاید تم بھول گئیں کہ اس نے خود ہی پاکستان کے کسی سرحدی قصبے میں اپنی برسوں کی ریاضت کا ذکر کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کسی پیر' مولوی یا ملا کا روپ دھارا ہو۔ مذہب اور مذہبی شخصیتوں کے معاملے میں عام مسلمان بہت سادہ لوح ثابت ہوتے ہیں اور نہایت آسانی سے بے وقوف بن جاتے ہیں۔"

"تم عام لوگوں کی بات کرتے ہو" وہ ہنستے ہوئے بولی "حکیم مومن خان کی ہیروئن فیکٹری کے قیام کے دنوں میں میں نے تمہارے ایک وزیر کو خیبر کے پہاڑوں میں ایک ننگ دھڑنگ مجذوب کے پاؤں دابتے دیکھا ہے۔ وہ وزیر گڑگڑا گڑگڑا کر اس مجذوب سے بس ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا کہ آنے والے بحران میں اس کی وزارت باقی رہنی بھی یا نہیں تھی! اگر بلیک کیٹ ٹی تمہارا مقامی پوپ بنا بیٹھا ہے تو پھر اس کا کام بہت آسان ہوگا۔ بہتیرے بارسوخ مگر ضعیف العقیدہ مقامی لوگ اس کے گرویدہ ہوں گے اور اسے گھر بیٹھے اہم ترین خبریں پہنچاتے ہوں گے۔"

میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی کار فٹ پاتھ کے کنارے روکی اور کار جیک پر چڑھا کر پھٹا ہوا ٹائر بدلنے میں مصروف ہو گیا جو گولی لگنے سے اس بری طرح پھٹا تھا کہ مرمت سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

"بلیک کیٹ ٹی کی اس وقت کی چھیڑ چھاڑ میرے لئے ناقابل فہم ہے" ویرا نے میری مدد کرتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں کہا "اس کے تیور کچھ بگڑے ہوئے سے نظر آتے ہیں یا پھر اس کی نیت خراب ہو گئی ہے۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے" میں نے ناکارہ ٹائر اتار کر فاضل ٹائر چڑھاتے ہوئے جواب دیا "تم اخبارات پڑھنے کی عادی نہیں ہو لیکن یہ شوق میری ہمیشہ کی کمزوری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی نے متوقع سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے اپنا پلان کچھ بدل دیا ہو۔ چور' ڈاکو عام شہریوں کو ہراساں کر کے پولیس وغیرہ سے تو لڑ سکتے ہیں لیکن منظم اور پیشہ ور فوجیوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے..."

"تو کیا ڈاکوؤں وغیرہ کے خلاف کسی فوجی ایکشن کا پلان بن رہا ہے؟" اس نے میری بات کاٹ کر متجسس لہجے میں سوال کیا "وہ اپنے آدمیوں کو ایسی ہی کسی صورت حال کے خلاف مسلح کرنا چاہ رہا تھا۔"

"ابھی صرف اخباری افواہیں ہیں۔ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مقامی حکام نے بلیک کیٹ ٹی کی سازش کا سراغ لگا لیا ہے اور اس کی تیاری سے پہلے ہی اس کے حواریوں کو تہس نہس کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بلیک کیٹ ٹی نے ہمیں دو دن کا وقت دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تک واضح صورت حال سامنے آ جائے گی۔"

کار کا ٹائر تبدیل کر کے تازہ ترین واقعات پر اپنا اپنا مغز کھپاتے ہوئے ہم دونوں جہانگیر کے گھر پہنچے تو وہاں خوشی کا سماں طاری تھا۔ گھر کی تمام روشنیاں جل رہی تھیں۔ چوکیدار سے لے کر اندر کے ملازمین تک سب ہی مسرور نظر آ رہے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اندر سے طاقتور ڈیک کے اسپیکروں کے ذریعے ایک مشہور مغنیہ کے ایک طربیہ نغمے کے بول باہر تک گونج رہے تھے۔ ویرا نے مسکراتے ہوئے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی۔

ہم کار سے اتر کر برآمدے کے زینے بھی طے نہ کرنے پائے تھے کہ جہانگیر اندر سے دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا اور فرط جذبات سے تقریباً رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"یار' اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا' سلمیٰ کی گود میں ایک چاند جیسا بیٹا کھیل رہا ہے اور دونوں کے ساتھ سب کچھ نارمل رہا ہے۔"

میں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ اسے اپنی بانہوں میں بھینچ کر اس خوشی خبری پر مبارک باد دی۔ میرے سینے سے الگ ہو کر وہ ویرا کی طرف مڑا تو اس نے ویرا سے مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن ویرا نے اس کے گلے سے لگ کر اس کے رخسار پر مبارکباد کا بوسہ دے کر نہ صرف اسے' بلکہ مجھے بھی حیران کر دیا۔

وہ ایک جذباتی فضا ہو گئی تھی۔ ویرا کی پشت میری طرف تھی لیکن اس کے شانے پر سے جہانگیر کا چہرہ میری طرف تھا۔ ویرا کے نرم و نازک وجود کے گرد اپنے ہاتھ حمائل کرتے ہوئے جہانگیر کے چہرے پر دوران خون کا دباؤ جس رفتار سے بڑھا' اس سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ رسم و رواج اور دستور کی اس خوابناک یکجائی سے پوری طرح لطف اندوز ہوا تھا۔ ویرا نے خود ہی اس کی طرف پیش قدمی کی تھی' اس لئے کئی لمحوں تک اس نے پسپائی کی کوئی علامت ظاہر نہیں کی لیکن جب اس کی پشت پر جہانگیر کی مضبوط کلائیوں کا دباؤ بڑھنے لگا تو وہ کسمسا کر اس سے الگ ہو گئی۔

"مبارکباد کا بہت بہت شکریہ مادام!" اس نے ویرا کی طرف اپنے سر کو خم دے کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا "تم واقعی دنیا کی سب سے زیادہ خوش مزاج اور فراخ دل خاتون ہو۔"

"میں ہمیشہ ایسا ہی رہنا چاہتی ہوں مگر بعض لوگ میرے جذبوں کی قدر نہیں کرتے۔ مجھے خوشی ہے کہ ایک اچھے شوہر کے بعد آج تم ایک باپ بھی بن گئے ہو۔ آج رات ہم اس خوشی کا جشن منائیں گے۔"

جہانگیر کا چہرہ کھل اٹھا۔ تازہ ترین خوشگوار واقعے کے بعد ویرا کی وہ پیشکش اس کے لئے دعوت سے کم نہیں تھی۔

وہ ہم سے آگے آگے اندر داخل ہوا تھا۔ ویرا شوخ نظروں سے میری طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

"کبھی کبھی تم اپنے آپ سے باہر ہو جاتی ہو۔ اب وہ ساری رات شراب پی کر تمہیں اپنے ساتھ نچاتا رہے گا۔ میں تم دونوں کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ مجھے کچھ کام سرانجام دینے ہیں۔"

"سلطان شاہ خشکا بنا رہے گا۔ تم اپنے کام میں لگ جاؤ گے تو دو آدمی کیا خاک جشن منائیں گے" وہ برا سا منہ بنا کر غصیلے لہجے میں بولی تھی "وہ تو واقعی میری مٹی پلید کر ڈالے گا۔"

"مجھے بلیک کیٹ ٹی کی کار کے نمبروں پر کچھ کام کرنا ہے" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا "تمہاری کھوپڑی پر جب شیطان سوار ہوتا ہے تو تم برے اور بھلے کی تمیز تک کھو بیٹھتی ہو۔"

"جب تم خود بے لگام ہونے لگتے ہو تو کسی کو اپنی حرکتوں پر اعتراض تک کرنے کا موقع نہیں دیتے۔ تمہیں اندازہ

نہیں ہے کہ برسوں کے صبر آزما انتظار کے بعد جب آدمی اچانک باپ بنتا ہے تو اس کے کیا جذبات ہوتے ہیں؟ میں نے تو اپنی جانب سے جہانگیر کی اس خوشی میں اپنی شرکت کا اظہار کرنا چاہا تھا۔ تم اسے جو چاہو، سمجھ لو۔"

مجھے اس کی دلیل پر غصہ آگیا اور میں نے ترش لہجے میں کہا "تم تو اس طرح جہانگیر کی وکالت کر رہی ہو جیسے تم دسیوں مرتبہ ایسے تجربات سے گزر چکی ہو۔ کتنے بچے ہیں تمہارے؟"

"نوزائیدہ سے کبھی پالا نہیں پڑا، نازائیدہ کی تعداد یاد نہیں۔"

وہ بے حیائی سے ہنسنے لگی۔

"اور دوسری بات یہ کہ کوئی انسان کبھی اچانک باپ نہیں بنا کرتا" میں نے اسی لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ٹیسٹ ٹیوب کا رواج آجانے کے بعد بھی ابتدائی کچھ عرصے کے بعد، بچہ بیشتر عرصہ اپنی ماں کی کوکھ میں ہی پروان چڑھتا ہے۔

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے میری بات کاٹ دی "ایسے دعوے نہ کرو۔ بچہ مردہ پیدا ہو تو آدمی باپ نہیں بن جاتا۔ ولدیت زندہ بچوں کی ہی گنی جاتی ہے۔ پیدائش سے پہلے کسی کو نہ جنس کا علم ہوتا ہے اور نہ زندگی یا موت کا، اسی لئے وہ لمحہ گزر جانے کے بعد آدمی کو اچانک ہوش آتا ہے تو وہ لاولد سے ایک دم خود کو باپ کے زمرے میں شامل پاتا ہے..."

اسی وقت جہانگیر دور سے ہماری آوازیں سنتا ہوا دوبارہ کمرے میں لوٹا اور خوش دلانہ لہجے میں بولا "یہ کس کے باپ کی باتیں ہو رہی ہیں؟ اس وقت تو ہمیں ہلکی پھلکی باتیں کرنا چاہئیں۔"

میں نے اس کا موڈ صحیح سطح پر لانے کی نیت سے کہا "باپ نہیں، باپ کی بات ہو رہی تھی۔"

"تم ٹھہرو۔" ویرا نے پرجوش انداز میں مجھے خاموش کردیا اور جہانگیر کی طرف دو قدم آگے بڑھ کر بولی "میں جہانگیر سے خود ہی پوچھے لیتی ہوں۔ تمہیں اور مجھے اس حقیقت کا پتا چل جائے گا جس سے ابھی تک ہم دونوں دوچار ہی نہیں ہوئے ہیں۔ جہانگیر ہماری بحث سے لاعلم ہے، اس لئے اس کا جواب بھی بے لاگ اور ایماندارانہ ہوگا۔"

اس نے قدرے توقف کیا اور مجھے خاموش پاکر دوبارہ جہانگیر سے مخاطب ہوگئی "یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنا باپ بننا اچانک محسوس ہوا ہے یا یہ خوشی بتدریج تم تک پہنچی ہے؟"

جہانگیر نے ایک لحظے کے لئے باری باری ہم دونوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ جیسے بات کے رخ کا اندازہ کرنا چاہ رہا ہو۔ پھر جھجکتے ہوئے بولا "سچ پوچھو تو یہ خوشی اچانک ہی ہے۔ کسے پہلے سے معلوم تھا کہ بیٹا ہوگا اور وہ بھی صحت مند اور خوبصورت! یہ خبر تو لیبر روم سے باہر آنے والی سسٹر ہی سناتی ہے۔ اس سے پہلے کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا۔"

ویرا، جہانگیر کو دعوت دے بیٹھی تھی۔ جہانگیر پر سرمستی کی سی کیفیت طاری تھی اس لئے ان دونوں نے مدہوشی کے لوازم کے ساتھ محفل سجالی۔ میں بھی بے دلی کے ساتھ ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

میرا ذہن مسلسل بلیک کیٹ ٹی میں الجھا رہا۔ ویرا کے ڈرائنگ روم میں لاسلکی مواصلاتی آلات نصب کرکے اس نے خود کو ناقابل تسخیر اور پراسرار ثابت کیا تھا۔ اس کی طاقت اور رسائی سے میں بھی مرعوب ہوگیا تھا لیکن تھوڑی دیر قبل پیش آنے والے واقعات نے اس کا بھرم ختم کرکے رکھ دیا تھا۔

اس نے ہم سے اگلے دن بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی لیکن میں نے مسز شانتی نرائن سے ملاقات کے پیش نظر معذرت کرکے اس کو مزید ایک دن بعد کا وقت دیا تھا۔ بلیک کیٹ ٹی نے اسی وقت کہا تھا کہ وہ اپنے وسائل سے میری مصروفیت کی نوعیت معلوم کرکے خود ہی یہ اندازہ لگالے گا کہ مجھے واقعی کوئی حقیقی مصروفیت درپیش تھی یا میں نے بہانہ کرکے اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے جب اپنے وسائل کی بات کی تھی تو مجھے اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنے کسی گرگے کو ہمارے تعاقب پر مامور کرکے، ہماری نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھنے کی پوری کوشش کرے گا۔

اس وقت ہم دونوں میں سے کسی کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی، خود ہی، باہر اپنی کار میں دبک کر ٹرانسمٹر پر، ہم سے بات کر رہا تھا اور خود ہی ہمارا پیچھا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اس نے ٹرانسمٹر پر غزالہ سے ہماری بات کرائی تھی۔ اس لئے یہ امر یقینی تھا کہ غزالہ بھی، اس کے ساتھ، اسی کار میں موجود تھی۔ غزالہ کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے بلیک کیٹ ٹی سے تعاون نہیں کر رہی تھی پھر اس نے بلیک کیٹ ٹی کا حوالہ ایک نقاب پوش کی حیثیت سے دیا جب کہ ہم دونوں نے سبز کار میں واضح طور پر باریش شخص کو بے نقاب دیکھا تھا۔ جو ہم پر بے آواز اسلحے سے فائر کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں دو ہی امکانات نظر آتے تھے۔ اول یہ کہ سبز کار میں بلیک کیٹ ٹی کے ساتھ اس کا کوئی ساتھی بھی موجود رہا ہو جس نے غزالہ کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اسے قابو کیا ہو۔ جب بلیک کیٹ ٹی نے مناسب سمجھا تو غزالہ سے، اسی حالت میں یا اس کی آنکھوں سے پٹیاں اتار کر، میری بات کروادی۔ غزالہ نے اسے نقاب پوش شاید اسی لئے کہا ہو کہ اس نے 'قید ہونے کے بعد' اسے نقاب میں دیکھا ہو اور اس کی آواز پہچاننے لگی ہو۔ ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا تھا۔ ہم سے تصادم کے وقت غزالہ اور اس کا ساتھی سبز [illegible]

کار میں کیوں نظر نہیں آیا؟

اگر بلیک کیٹ ٹی نے ہمارا تعاقب شروع کرنے سے قبل ان دونوں کو اپنے قریب موجود کسی اور کار میں منتقل کر دیا تھا تو اور بات تھی ورنہ یہی سمجھا جا سکتا تھا کہ کسی متوقع خطرے کے پیش نظر غزالہ کو بے ہوش کرکے کار کے عقبی پائیدان میں ڈال دیا گیا تھا اور اس کا نگراں بھی اسی طرح خود کو چھپانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

دوسرا امکان یہ ہو سکتا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی، غزالہ کو بے دست وپا کرکے، اس کے منہ پر ٹیپ چپکا کر اپنے ساتھ لایا ہو اور مجھ سے بات کروانے کے لئے اس کے دہانے کو عارضی طور پر آزاد کیا ہو۔ بعد میں وہ بہ آسانی، غزالہ کو اسی طرح خاموش رہنے پر مجبور کر سکتا تھا اور غزالہ، بے دست وپا وہیں پڑی رہتی، جہاں وہ اسے ڈال دیتا۔

ویرا کا غرور میں نے ایک مرتبہ پھر خاک میں ملا کر، اس کے ہمدردوں اور نمک خواروں کا شیرازہ بکھیر دیا تھا اور وہ تنہا رہ گئی تھی۔ اس کی پشت پر شی کی ہیبت اور اس کا پرشکوہ نام ضرور تھا لیکن یہ حقیقت بھی شہر میں صرف مجھ ہی کو معلوم تھی کہ پاکستان میں شی، ویرا کی یکہ وتنہا ذات سے آگے کچھ بھی نہیں تھی۔

اس اعتبار سے غزالہ کی بازیابی کی کارروائی میں اس کا رول بہت محدود اور مختصر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی ضمنی افادیت صرف اتنی تھی کہ اس کے ذریعے بلیک کیٹ ٹی سے رابطہ ہو گیا تھا۔ آگے کا کام مجھے خود ہی پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ جس میں مافیا کے کارندے میرے لئے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔

سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کی وجہ سے مافیا کے بارے میں میری بالادستی اور خود مختاری بڑی حد تک متاثر ہوئی تھی لیکن ایک دو معاملات میں سینڈو کی بے پروائی اور خاص طور پر ہیروئن کی فروخت میں اس کی دو فیصد رقم کی چوری کے راز سے واقف ہونے کے بعد میرے اور اس کے درمیان، باہمی اعتماد کی ایسی فضا بن گئی تھی کہ میں پوری بے فکری اور رازداری کے اطمینان کے ساتھ اسے کوئی بھی چھوٹا موٹا ذاتی کام سونپ سکتا تھا جس کی سیٹھ حبیب جیوانی کو ہوا بھی نہ لگتی۔

میں نے پہلا پیگ خالی کرنے کے بعد اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ان دونوں نے میری سرد مہری پر خاصا شور مچایا لیکن میں سنی ان سنی کرکے اس کمرے میں چلا گیا جہاں سلطان شاہ آرام کر رہا تھا۔

سینڈو دن میں بظاہر ٹریڈ لائن کا ایک وفادار ملازم ہوا کرتا تھا لیکن اس کا آدمی فرم کے کاروباری اوقات ختم ہونے کے بعد بھی اسی عمارت میں مقیم رہتا تھا۔ وہی اس معاملے میں میرے لئے کام کر سکتا تھا۔

اس نے دوسری گھنٹی پر ہی فون اٹھالیا۔ اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پیئے ہوئے تھا۔

"ڈینی بول رہا ہوں.... کیا ہو رہا ہے؟" میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کو... کوک.... کچھ بھی نہیں۔" سنبھالا لینے کی کوشش میں اس کی زبان زیادہ ہی بہک گئی "بس، ذرا بلیک کوئین کھیل کر اپنا وقت گزار رہے تھے۔" اس نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔

"اور وہسکی بھی پی رہے ہو؟" میں نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

"ہلکا سا دور چل رہا ہے" اس نے بلا حیل وحجت اعتراف کرلیا پھر فوراً ہی ایک سوال داغ دیا۔ "سنا ہے چیف کے لوٹ آنے کے بعد تم چند روز کی چھٹی پر چلے گئے ہو؟"

"تم نے صحیح سنا ہے" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "کس نے خبر دی تم کو؟"

"چیف ہی سے بات ہوئی تھی۔ تمہاری غیر حاضری میں مجھے براہ راست اسی سے ہدایات لینا ہوں گی۔"

"اس کے علاوہ کون یہ منصب سنبھال سکے گا؟" میں نے سرسری لہجے میں کہا "اس دوران میں مجھے ایک ذاتی کام پیش آگیا ہے۔ کام بہت معمولی سا ہے لیکن میں چیف کو اس میں [illegible] کرنا چاہتا۔"

"تم حکم کرو باس! تم تو میرے محسن ہو۔ چیف کو میں ہوا بھی نہ لگنے دوں گا۔ تم نے میرے ساتھ جس اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے بعد تو میں تمہارے لئے اپنی گردن بھی کٹوا سکتا ہوں"

"اتنی بڑی بات نہ کہو سینڈو، جو بعد میں تمہارے لئے امتحان بن جائے" میں نے سخت لہجے میں اسے تنبیہہ کی "ویسے بھی میں تم سے کوئی باغیانہ کام نہیں لینا چاہتا ...."

اس نے وہیں سے میری بات کاٹ دی اور شرابیوں والے، روایتی، جذباتی لہجے میں بولا "باس! سینڈو مرد کا بچہ ہے۔ دشمن کی لاش پر اپنا پیشاب بھی ضائع نہیں کرتا لیکن محسنوں کے لئے گردن بھی کٹوا لے گا۔ تم ابھی آزما کر دیکھو۔ اگر میں اپنی بات سے پھر جاؤں تو اس برتن میں کھانا دینا، جس میں کتا کھاتا ہے۔"

"چلو یہ آزمائش پھر کبھی سہی۔ ابھی تو ایک چھوٹا سا کام کرنا ہے" اتنا کہہ کر میں نے سبز کار کا نمبر دہرایا اور پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہیں اس کار کے موجودہ مالک کا نام اور پتے کا سراغ لگانا ہے"

"کل دوپہر سے پہلے تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔ چاہو تو اس الو کے پٹھے کو اٹھا کر تمہارے ٹھکانے پر پہنچادوں" اس وقت سینڈو کا دماغ بہت اونچا اڑ رہا تھا۔

"کل تو میں خود بھی مقامی رجسٹریشن آفس سے سارے کوائف نکلوالوں گا۔ مجھے صبح ہونے سے پہلے یہ معلومات درکار ہیں۔ صبح میرا شکار' پنجرہ کھلا چھوڑ کر' پرواز کر جائے گا۔" میں نے تازیانہ لگایا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے کڑے مطالبے نے شاید اسے گہری سوچ میں ڈال دیا تھا۔ چند ثانیوں کے بعد اس کی آواز دوبارہ ابھری تو اس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ "باس! تم واقعی باس ہو' تم نے بڑی آسانی کے ساتھ مجھے نکیل ڈال دی ہے۔ کام تو تم نے بہت چھوٹا سا بتایا ہے لیکن وقت کی پابندی عائد کر کے تم نے اسے چیلنج بنا دیا ہے مگر میں بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ اس وقت کوئی وعدہ تو نہیں کروں گا۔ لیکن اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں مجھے سرخروئی حاصل ہو جائے۔"

میں نے سوال کیا "کوئی آدمی ہے تمہاری نگاہ میں' جو یہ کام کر سکے؟"

"ایک دو جاننے والوں کو ٹرائی کروں گا ورنہ رجسٹریشن آفس کے دو چار تالے توڑنا پڑیں گے۔" وہ اپنی دانست میں تمام امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"تم اس قابل تو ہو تا کہ باہر نکل کر قاعدے سے گاڑی چلا سکو؟ کہیں کوئی سپاہی تمہیں نہ روک لے۔ آج کل شرابی حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کئے جاتے ہیں اور ایسی گرفتاریوں پر اخبارات بھی نمایاں خبریں چھاپتے ہیں۔ ہم جیسے گرو گھنٹال کے لئے ایسی کوئی بھی خبر خوش گوار ثابت نہ ہو گی۔"

وہ ترنگ میں بولا "تم میری بالکل فکر نہ کرو۔ مجھے آدھی بوتل پینے کے بعد نشہ ہونا شروع ہوتا ہے۔ ابھی تو میں نے دو تین ہی پیگ لئے ہیں۔ پھر بھی تم نے یاد دلایا ہے تو نکلنے سے پہلے سکنجبین پی کر خوشبو والا پان کھالوں گا۔ کسی کے باپ کو بھی مجھ پر کوئی شبہ نہیں ہو سکے گا۔"

میں نے اسے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ اس وقت بھی اس کی زبان پہ لکنت طاری تھی۔ مجھ سے گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے وہ اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے الفاظ کا تلفظ تک برقرار نہیں رکھ پا رہا تھا۔ اگر اس کا دعویٰ تھا کہ وہ نشے میں نہیں تھا تو مجھے اسے قبول کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا۔ مجھے غرض صرف اس بات سے تھی کہ وہ مجھے سبز کار کے مالک کا پتا لادے تاکہ میں بلیک کیٹ ٹی نامی' بارلیش دہرتے کے گلے میں پھندا ڈال کر' غزالہ کو اس کے چنگل سے رہا کرا سکوں۔

میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "یہ اچھی بات ہے کہ تم نشے میں نہیں ہو لیکن پھر بھی' باہر نکلنے سے پہلے احتیاطی تدابیر اختیار کر لو گے تو کسی خسارے میں نہیں رہو گے۔"

"اگر میرا داؤ چل گیا تو میں تم کو خبر کیسے دوں گا؟" اس نے پوچھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لئے سوچا اور پھر نہایت اطمینان سے جہانگیر کے فلیٹ کا نمبر دہرا دیا۔ عارضی طور پر حالات کچھ بھی رہے ہوں مگر وہ سب ناگزیر سمجھوتوں کی پیداوار تھے۔ بنیادی حقائق یہ تھے کہ ٹی کی طرح مافیا سے بھی میرا نظریاتی اختلاف تھا۔ ٹی سے اپنا پیچھا چھڑانے کی جاں گسل جدوجہد میں' میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا تھا۔ ڈان تھری نے میرا ہمدرد اور دوست بن کر نہایت مکاری اور چالاکی کے ساتھ مجھے مافیا میں شامل کیا تھا۔ ان میں سے کسی کو بھی میں دیدہ و دانستہ ایسی کوئی بات نہیں بتا سکتا تھا جو آگے چل کر میرے یا میرے دوستوں اور خیر خواہوں کے لئے مصائب کا باعث بن سکتی تھی۔

ویسے تو ویرا کے خلاف خونریز محاذ آرائی کے دنوں میں سینڈو اور اس کے آدمیوں نے جہانگیر کا گھر بھی دیکھ لیا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ میں نے وہاں عارضی پناہ لی ہوئی تھی اور وہیں مورچہ بند ہو کر ویرا کو نیچا دکھانا چاہ رہا تھا لیکن میں اسے یہ شبہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا کہ وہ گھر' میرا کوئی مستقبل ٹھکانا تھا۔ دوسری طرف جہانگیر کا یا عملاً میرا فلیٹ' وقفوں کے ساتھ آباد اور غیر آباد رہنے کے باوجود میرا ٹھکانا شمار کیا جاتا تھا کیونکہ مافیا والوں نے وہیں' میری لاعلمی میں' اپنے کچھ جاں بازوں کے ذریعے مجھے مسلح تحفظ فراہم کر کے دوستی کا پیغام دیا تھا پھر بعد میں ڈان تھری نے اسی فلیٹ میں مجھ سے پہلی ملاقات کی تھی۔

"بس باس! تم میری کامیابی کے لئے دعا کرنا!" سینڈو کی پُراعتماد آواز ابھری "مجھے اندازہ ہے کہ رجسٹریشن آفس میں گاڑیوں کا ریکارڈ سیریل نمبر کے حساب سے رکھا جاتا ہو گا۔ اگر ہماری مطلوبہ فائل اپنی جگہ سے غائب نہ ہوئی تو میں خود بھی اسے تلاش کر لوں گا۔ میری کوشش ہو گی کہ سورج طلوع ہونے سے بہت پہلے' تمہارا کام ہو جائے۔"

میں نے حوصلہ افزائی کے چند بول کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں جب تک فون پر مصروف رہا' سلطان شاہ مسلسل مجھے ملامت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا اور جب میں ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس کی طرف گھوما تو اس نے استہزائیہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا "کیا کر آئے اور اب کیا کرنے جا رہے ہو؟"

"بلیک کیٹ ٹی کی ہلکی سی ایک جھلک اور اس کی کار کا نمبر دیکھ کر آیا ہوں اور اب اس پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ ہے" میں نے مختصر ترین الفاظ میں' مکمل ترین بات سموتے ہوئے کہا "اس مہم میں تم کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"اس وقت تمہیں' اچانک میری عزت افزائی کا خیال کیسے آ گیا؟" اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔ یہ بات میں پہلے ہی نوٹ کر چکا تھا کہ وہ مجھ سے ناراض تھا اور اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔

"میرے دل میں تمہارے لئے' ہر وقت عزت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا رہتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ "مجھ سے ایسے لہجے میں جلی کٹی باتیں نہ کیا کرو۔"

"عزت کے اس سمندر میں آج کل ویرا کی ناؤ تیر رہی ہے" اس کا لہجہ مزید تلخ ہو گیا "سمندر کی لہریں کتنی ہی اوپر چلی جائیں' یہ ناؤ ان سب سے اوپر رہتی ہے۔ یہ کنجری جب بھی تم سے ملتی ہے' تم اس کے خمار میں مدہوش رہنے لگتے ہو۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب اور کیا کر رہے ہو۔ یہ تو تمہاری مہربانی ہے کہ پھر بھی' کبھی کبھی مجھے یاد کر لیتے ہو"

اس کی زبان سے ویرا کے لئے کنجری کا لفظ سن کر مجھے شدید ذہنی جھٹکا لگا اور مجھے بے اختیار ویرا کی سنائی ہوئی وہ ادھوری کہانی یاد آ گئی جس میں' اس نے سلطان شاہ سے ہاتھا پائی اور پھر دھینگا مشتی کا ذکر کیا تھا۔

"میں مانتا ہوں' سلطان شاہ کہ وہ بہت اخلاق باختہ عورت ہے لیکن اس نے بڑے نازک وقتوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔ تم کو اس کے لئے اس قدر گرے ہوئے الفاظ کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔"

"میرا بس چلے تو میں اس سے بھی برے القاب لے آؤں مگر مشکل یہ ہے کہ وہ پشتو میں ہیں اور تم پشتو سے بالکل نابلد ہو۔" اس کا لہجہ اس قدر تحقیر آمیز تھا کہ میرے لئے اس کے وجود میں سلگتے ہوئے نفرت کے جہنم کی تپش کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔ میں نے اسے پہلی بار ویرا سے اس قدر بدظن اور متنفر پایا تھا۔

"عزت دار عورت' ماں' بیٹی' بہن یا بیوی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی مگر تمہاری لاڈلی ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ خواص ڈیرے دار کنجریوں کے ہوتے ہیں۔ تم ان کا پیچھا کرو تو وہ تمہیں بھگا بھگا کر نڈھال کر دیتی ہیں اور اگر تم ان کے چہرے پر چڑھے ہوئے پُر فریب نقاب کے پیچھے جھانکنے میں کامیاب ہو کر ان سے دور بھاگنے لگے تو یہ تمہیں گرا کر تمہارے سینے پر سوار ہو کر اپنے اندر کے حیوان کو اپنے لباس تک سے باہر لے آتی ہیں۔ ان کے لئے تو اتنی ہی عزت کافی ہوتی ہے کہ تم انہیں پہچان کر بھی اپنے قریب ان کا وجود صرف اس لئے برداشت کرتے رہو کہ وہ تمہارے پیاروں کو پیاری لگتی ہیں" وہ نفرت اور غصے کے عالم میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا اور میں اس کے الفاظ میں پوشیدہ اس کہانی کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس وقت تک میرے لئے ایک پہیلی بنی ہوئی تھی۔

وہ اپنی تقریر میں کوئی وقفہ دیئے بغیر کہہ رہا تھا "اس کی جب بھی تم سے صلح یا دوستی ہوتی ہے تو تم مجھے ہی نہیں' غزالہ کو بھی بڑی حد تک فراموش کئے رہتے ہو۔ وہ تمہاری نظروں کے سامنے کسی بھوکی بندریا کی طرح ہر طرف ہاتھ پیر مارتی رہتی ہے اور پھر بھی کبھی تمہاری پیشانی پر بل نہیں آتے۔"

"تم سمجھتے نہیں سلطان شاہ!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "تم نے خود ہی عورت کے چار روپ بتائے ہیں۔ میرا اس سے کون سا ایسا رشتہ ہے' جس کے حوالے سے میں اس کی آزادیوں پر پابندی لگا سکوں..."

اس نے فوراً ہی میری بات کاٹ دی اور بولا "خود کو اتنا مظلوم اور بے بس ظاہر نہ کرو! اسے نہیں روک سکتے تو اس سے دور تو رہ سکتے ہو لیکن تمہیں ہر وقت اسی کے ساتھ رہنے میں لطف آتا ہے۔"

میں نے نرمی سے پوچھا "اس نے تمہارے ساتھ کیا زیادتی کی ہے؟ اندر ہی اندر کھولنے کے بجائے مجھے بتاؤ تاکہ میں اس سے باز پرس کر سکوں ایسے اشاروں کنایوں سے بات نہیں بن سکے گی۔"

میں نے اپنی دانست میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ وہ سوال کیا تھا لیکن سلطان شاہ ایک دم ہی بھڑک اٹھا اور غصیلے لہجے میں بولا "مجھے غرق کرو۔ میں اپنی نہیں' تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ کھیل تماشے تم کرتے ہو۔ دوستی کی آڑ میں وہ رفتہ رفتہ تمہاری ضرورت بلکہ مجبوری بنتی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ غزالہ کا پیچھا کر کے تم کسے دھوکا دے رہے ہو۔ ویرا کو' غزالہ کو یا خود اپنے آپ کو؟ غزالہ کے لئے تمہاری چاہت کمزور پڑ چکی ہے اسی لئے وہ ہر بار ہاتھ آتے آتے نکل جاتی ہے۔ طلب صادق ہو تو انسان میلوں دور سے خود کھنچا چلا آتا ہے اور تم ہو کہ مسلسل آنکھ مچولی کھیل رہے ہو۔"

بات بڑھتی جا رہی تھی اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں بگڑ ہی نہ جائے اس لئے میں نے آہستگی سے کہا "میں تمہاری برہمی کا سبب سمجھ رہا ہوں۔ آئندہ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہو گی۔ اب وہ جہانگیر سے دوستی بڑھا رہی ہے۔"

اس نے مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی "اور اس پر تم کو جہانگیر سے دوستی کا دعویٰ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ ایسے معاملات میں احمق ہونے کی حد تک سیدھا ہے۔ ویرا اس کا گھر تباہ کرا دے گی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی میں ویرا کا کوئی بندوبست کر لوں۔ برسوں کا یہ بگاڑ صرف تمہاری تقریر سے دور نہیں ہو سکتا۔ مجھے سنجیدگی کے ساتھ اس کا کوئی توڑ سوچنا ہو گا۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ ہمیں فلیٹ چلنا ہے۔"

اس نے اتنی بکواس کر لی تھی مگر پھر بھی اس کے دل کی بھڑاس پوری طرح نہیں نکلی تھی۔ میری مزاحمت سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کا لہجہ کمزور پڑ گیا اور میں اسے بڑبڑاتا ہوا

باہر نکل آیا۔

وہاں سے میں سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ ان دونوں کو اپنے فلیٹ کی طرف روانگی کے پروگرام سے باخبر کردوں لیکن وہاں مجھے دروازے پر ہی رک جانا پڑا۔

وہ دونوں اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی پشت میری جانب تھی میں اپنی جگہ پر کھڑا کئی سیکنڈ تک پُرتشویش انداز میں ان کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ دونوں پی رہے تھے اور باتوں میں پوری طرح منہمک تھے۔ جہانگیر زیادہ بول رہا تھا۔ ویرا اسے کہیں کہیں لقمہ دے رہی تھی اگر اپنی بسیار نوشی کی وجہ سے وہ دونوں ہی بے سدھ نہ ہوتے تو بادی النظر میں حالات اسی سمت میں پیش قدمی کرتے ہوئے نظر آرہے تھے جس کی پیش گوئی سلطان شاہ کرچکا تھا۔

میں ان دونوں کو اپنی موجودگی کا کوئی احساس دلائے بغیر ہی ڈرائنگ روم کے دروازے سے الٹے قدموں واپس ہولیا۔ لوٹتے ہوئے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ فلیٹ جاتے ہوئے مجھے سلطان شاہ کے ہمراہ عقبی راستہ استعمال کرنا تھا تاکہ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں کوئی بدمزگی پیدا نہ کرسکے۔

جہانگیر ایک عاقل و بالغ شخص تھا اور میرے مقابلے میں اس اعتبار سے زیادہ ذمے دار تھا کہ اب وہ عیال دار ہوچکا تھا۔ اپنی ذاتی خوشی اور ناخوشی کے ساتھ ہی اسے اپنی ازدواجی زندگی کے تحفظ کا بھی خیال رکھنا تھا۔ جس کی طرف سے وہ مجرمانہ غفلت برت رہا تھا۔

ویرا تو چار دن کی شناسا تھی لیکن اس سے پیشتر میں ذاتی طور پر سلمٰی کے بارے میں کچھ ایسے اٹل اور نازک تجربات سے گزر چکا تھا کہ میرا جہانگیر کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا تھا۔ ماں بننے کے بعد سلمٰی بدل جاتی تو اور بات تھی ورنہ جہانگیر کے رویے کی وجہ سے اس کے دل و دماغ میں ناآسودگی کے ایسے مہلک جراثیم پرورش پارہے تھے جو ویرا کے متعارف ہونے کے بعد کسی بھی لمحے جہانگیر کی گھریلو زندگی کو بارود کی طرح اڑا سکتے تھے۔

سلطان شاہ جیسے نو آموز کی پیش بینی اور پیش گوئی اپنی جگہ لیکن اس امر میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ ایسا کوئی المیہ رونما ہوتا تو اس میں سارا قصور خود جہانگیر کا ہی ہوتا۔

میری بدقسمتی یہ تھی کہ بہت اچھا دوست ہونے کے باوجود جہانگیر میرے معاملے میں بہت زیادہ حساس تھا۔ دوستی کی ابتدا ہی سے ناگزیر حالات اور ضروریات کے تحت اسے بالادستی قبول کرنی پڑگئی تھی۔ جسے میں اپنے رویے اور کارکردگی سے بتدریج مستحکم کرتا چلا گیا جس کے نتیجے میں وہ لاشعوری طور پر میرے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہوگیا تھا۔ اس کے اسی احساس کمتری نے اسے میرے بارے میں حساس بنادیا تھا۔ اگر میں اسے ویرا سے دور رہنے کا مشورہ دیتا تو وہ ٹھنڈے دل سے میرے اس مشورے کی اچھائیوں اور برائیوں پر غور کئے بغیر بلا تامل مجھ پر حسد اور رقابت کا الزام لگا دیتا جو میں اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

☆○☆

رات دھیرے دھیرے، چپکے چپکے گزر رہی تھی۔ وال کلاک کی روشن سوئیاں تین بجانے کے بعد اگلی منزل کی طرف گھوم رہی تھیں اور میں اپنی تاریک خواب گاہ میں بستر پر دراز سگریٹ پھونک رہا تھا۔

اس وقت میں نے سوچا کہ فی الحقیقت مجھے سگریٹوں کی ضرورت نہیں تھی۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ میرا ذہن سینڈو کی کارکردگی کے نتائج میں الجھا ہوا تھا۔ سونے کے ان مسلمہ اوقات میں، نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور اس صورت حال نے میرے اعصاب پر دباؤ بڑھادیا تھا۔ اس دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لئے اضطراری طور پر مجھے کوئی ایسی مصروفیت درکار تھی جو میرے خیالات کے دھارے کو اس مہیب سرنگ سے کسی اور طرف موڑ سکے۔ بستر چھوڑے بغیر اس وقت صرف سگریٹ ہی میری دسترس میں تھی اس لئے میں یکے بعد دیگرے سگریٹیں راکھ کرتا چلا جارہا تھا۔

سگریٹ ایک نیم مہلک سا نشہ ہے جو بہت دھیرے دھیرے اور دیر میں اثر کرتا ہے لیکن دوسرے نشے سب ہی مہلک ہوتے ہیں۔ ابتدا شاید اسی طرح ہوتی ہے کہ اعصابی تناؤ میں جو کچھ دسترس میں ہو، کھاپی لیا جائے تاکہ ذہن کو پراگندہ خیالی سے نجات مل سکے۔ آدمی خود کو شہ زور، برتر اور پُراعتماد سمجھ کر اپنی دسترس میں آئے ہوئے نشے کو سونگھتا یا چوستا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ اعصاب سکون طلب کرتے ہیں لیکن سرہانے رکھی ہوئی تپائی خالی ہوتی ہے۔

خیالات کے تالاب میں محرومی کا وہ پہلا پتھر ہوتا ہے جو انسان کو پریشان کردیتا ہے۔ پھر خیالات بھی پریشان ہونے لگتے ہیں۔ ننھے ننھے اور بے وقعت مسائل، رات کے اندھیرے میں گمبھیر اور ڈراؤنا روپ دھارنے لگتے ہیں۔ خطرات، خدشے اور وسوسے ہر طرف سے یلغار کردیتے ہیں، مساموں سے دھیرے دھیرے، ٹھنڈا پسینہ خارج ہونے لگتا ہے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی ہیں، بدن دکھنے لگتا ہے، اعصاب چٹخنے لگتے ہیں۔ تاریکی میں روشن اور تاریک تر سائے لہراتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں اور سرہانے رکھی ہوئی تپائی خالی ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کو پہلی بار احساس ہوتا ہے کہ وہ نہ شہ زور ہے اور نہ برتر۔ اور نہ ہی پُراعتماد رہا ہے۔ اس کا سارا اعتماد تو وہ پُراسرار نشہ نگل گیا ہے جسے وہ روز نگلتا رہا ہے اور اسی لئے انسان پر منکشف ہوتا ہے کہ وہ فاعل سے مفعول ہوگیا ہے۔ بے بس ہوکر اس نشے کا غلام ہوگیا ہے جسے وہ اپنا محکوم سمجھتا رہا ہے۔ اور اس بھیانک لمحے کے بعد اپنے اعصاب اور نظام کو اعتدال پر رکھنے کے لئے انسان اپنی بساط سے بڑھ کر کوششیں شروع کردیتا ہے کہ ضرورت کے کسی بھی لمحے میں اس کی تپائی خالی نہ رہے۔ زیادہ بزدل، ڈرپوک اور پریشان حال ہو تو تپائی پر بھی بھروسا نہیں کرتا۔ نہ جانے کب اور کہاں ضرورت پڑجائے؟ تپائی تک پہنچنا نصیب ہو یا نہ ہو؟ اس لئے بہتر یہی سمجھتا ہے کہ اپنی امرت کی پڑیا، اپنی جیب میں لئے پھرتا رہے تاکہ جب علامتیں پیدا ہونے لگیں تو اس مشکل کشا پڑیا کو اپنے معدے کے جہنم میں انڈیل لے۔ وہ ہر ایک سے دور رہ لیتا ہے مگر اپنی پڑیا سے نہیں۔ روزی ناکافی ثابت ہونے لگے تو روزہ رکھ کے، چوری کرکے پڑیا خریدے گا۔ کوئی ٹوکے گا تو سینہ زوری پر اتر آئے گا۔ ضرورت پڑگئی تو قتل و غارت فساد سے بھی دریغ نہیں کرے گا لیکن اپنی امرت کو لمحے بھر کے لئے بھی اپنے وجود سے الگ نہیں ہونے دے گا۔

ہیروئن ہر طرف اور ہر معاشرے میں اسی لگے بندھے اصول کے تحت پھل پھول رہی تھی۔ لاکھوں میں کوئی ایک بھی یہ سوچ کر ہیروئن کا پہلا ڈوز نہیں لیتا کہ اسے مستقبل میں سب سے بڑا ہیروئنچی بن کر اپنے باپ دادا کا نام روشن کرنا ہے۔ کوئی سکون کے لئے، کوئی اپنے حالات سے فرار کے لئے، کوئی تجسس کی خاطر، کوئی اپنی قوت ارادی کا امتحان لینے کے لئے اور کوئی محض تفریحاً پہلا ڈوز لیتا ہے اور اسی لمحے عالمی منڈی میں ہیروئن کا ایک نیا اور مستقل خریدار وجود میں آجاتا ہے۔

رات کے اندھیرے میں اڈکشن کے بارے میں میرے وہ خیالات اتنے ڈراؤنے تھے کہ میں نے اضطراری طور پر اپنی انگلیوں میں دبی ہوئی ادھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر بجھادی۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کیا کہ میں اگلے چند روز تک سگریٹ کو ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا اور یہ دیکھنے کی کوشش کروں گا کہ کہیں میں سگریٹ جیسے حقیر اور کمزور نشے کا عادی تو نہیں ہوگیا تھا۔

یہ میرا یقین تھا اور آج بھی ہے کہ سگریٹ کسی بھی نشے کی پہلی سیڑھی ہے۔ مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس نے براہ راست ہیروئن پینی شروع کی ہو۔ سب سگریٹ سے گزر کر ادھر آتے ہیں۔ چرس تو ملائی ہی تمباکو میں جاتی ہے۔ شراب سگریٹ کے بغیر مزہ نہیں دیتی۔ سگریٹ دراصل ایک اشتہار ہے جسے پینے والا لاشعوری طور پر دوسری منشیات کے لئے اپنی سپردگی کا کھلا اظہار کرتا ہے کہ ہمت ہے تو آؤ اور مجھے کوئی اور نشہ چکھاؤ۔

جس طرح فاتح افواج اپنے مفتوحہ شہروں کا قتل عام کرنے سے پہلے شہر میں واقع ... دیوار پر نشانیاں لگا کر اپنے دوستوں اور دشمنوں میں حد امتیاز قائم کرتی ہیں، اسی طرح سگریٹیں ہاتھوں میں تھما کر نشے کے حامیوں کو دوسرے لوگوں سے الگ کرلیا جاتا ہے جن کے ہاتھ خالی ہوں، ان کی جیبیں اور تپائیاں بھی ہمیشہ خالی رہتی ہیں۔ انہیں کوئی منشیات فروش گھاس نہیں ڈالتا، نہ ان کا کوئی گرگا ان پر اپنا وقت ضائع کرتا ہے۔ شناخت ہوجانے کے بعد ان سب کا کام آدھا رہ جاتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو شخص مختلف حیلوں کا سہارا لے کر سگریٹ جیسے حقیر اور بے مایہ نشے کی گرفت سے بھی خود کو آزاد نہ کراسکے، وہ ان کی زبردست ترغیب پر قوی تر منشیات کے چنگل سے کیسے نکل سکے گا؟"

ماضی کے ایک بڑے ہیروئن فروش کی یہ تصوراتی منطق نہ جانے کتنے روپ دھارتی کہ اچانک ہی میرے سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی چیخ اٹھی اور خیالات کا سلسلہ وہیں منقطع ہوگیا۔

"گاڑی گردھاری لال کے نام پر ہے۔" دوسری طرف سے سینڈو نے میری آواز پہچان کر بتایا اور پھر بلا توقف گردھاری لال کا پتا بتاتا چلا گیا جس کا تعلق شہر کے ایک معروف اور ستھرے رہائشی علاقے سے تھا۔

"میں تمہارا ممنون ہوں سینڈو! مجھے امید ہے کہ تم راز داری کا خیال رکھوگے؟"

"رازداری کی تو تم فکر نہ کرو" اس کی فاتحانہ آواز ابھری۔ "پورے شہر میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور کو اس کارروائی کا علم نہیں ہوسکا کیونکہ میں نے رجسٹریشن آفس میں نقب زنی کرکے خود ہی وہاں تک رسائی حاصل کی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ وہاں ریکارڈ اتنی ترتیب سے نہیں تھا جو میرے خیال میں تھی۔ اب میں صبح تک فارغ ہی ہوں۔ چاہو تو مجھے کوئی اور کام بھی سونپ سکتے ہو۔ مجھے نو بجے چیف کی کال انتظار کرنے کے لئے دفتر میں موجود رہنا ہوگا۔"

"نہیں سینڈو، بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب تم گردھاری لال کو بالکل بھول جاؤ۔ باقی معاملات میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں میں خود ہی دیکھوں گا" میں نے کہا۔

میری بات ختم ہونے پر اس نے جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا "برا نہ مانو تو ایک سوال پوچھ لوں؟" پھر چند ثانیوں کا وقفہ دے کر اس نے اپنا سوال بھی داغ دیا "ذاتی معاملے سے مجھے خیال آیا کہ یہ کہیں اسی لڑکی کا معاملہ تو نہیں ہے جس کی تلاش کے سلسلے میں تم نے ایک بار مجھے اس کی تصویر بھی دکھائی تھی؟"

"تم بہت مردود اور ذہین ہو" مجھے اس سے اعتراف کرنا ہی پڑا "میں تمہیں سب کچھ بھول جانے کی ہدایت دے رہا ہوں اور تم اس معاملے کو کریدے جارہے ہو۔"

"بس رواروی میں خیال آگیا تھا۔ اب میں دونوں باتیں بھول چکا ہوں" اس نے فوراً ہی معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ بھی میرے کمرے میں آگیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اپنے جسم پر موجود بے داغ لباس کے ساتھ وہ کہیں بھی روانگی کے لئے پوری طرح تیار اور چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

"تم نے کچھ آرام نہیں کیا؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم سو رہے ہوگے" میں نے سلطان شاہ کا بغور جائزہ لیتے ہوئے شفقت آمیز لہجے میں کہا "اب تمہیں شاید ہی آرام کرنے کا موقع مل سکے۔"

"آرام کے لئے ایک عمر پڑی ہے" وہ مغموم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا "غزالہ کو اب کسی بھی قیمت پر ہمارے ہاتھوں سے نہیں نکلنا چاہئے۔ ایک بار اسے سچے معنوں میں آزادی مل جائے تو پھر میں آرام ہی آرام کرتا رہوں گا۔"

"تو پھر چلو" میں بھی اٹھ کھڑا ہوا "غزالہ کی آزادی اب میری منزل نہیں ہے۔ ہاں، نشان منزل ضرور ہے۔ اسے اپنی تحویل میں لینے کے بعد مجھے بلیک کیٹ ٹی کی اینٹ سے اینٹ بجانی ہے۔"

"مجھے تو اس کے منصوبے پر غور کرتے ہوئے ہی پھریریاں سی آنے لگتی ہیں۔ آج کل کے دور میں اپنے وطن کے لئے کون اتنی بڑی قربانیاں دیتا ہے؟ پندرہ برس سے وہ اپنے وطن اور اپنے پیاروں کو بھول کر ہماری سرزمین پر اپنے بہروپ کے فتنے کو پروان چڑھا رہا ہے اور آج اس پوزیشن میں ہے کہ شاید ہم اپنی ہی سرزمین پر اس کے گریبان پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ ہمارے ہم وطن اس جعلی ملا کی حمایت میں ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"ایسے ہی بے نفس لوگ اپنی قوموں کی تقدیر بناجاتے ہیں" میں نے قدرے رشک آمیز لہجے میں کہا "تم اسے غدار اعظم اور جعلی ملا کے ساتھ جو دل چاہے خطاب دیتے رہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کا بہت بڑا ہیرو ہے۔ اس کا منصوبہ ناکام ہوجائے اور وہ ہمارے ہاتھوں مارا جائے تو وہ ایک الگ بات ہے لیکن آنے والے دنوں میں اس کی کہانیاں اس کی قوم میں اس جیسے نہ جانے کتنے ہیرو پیدا کریں گی۔ ہمیں اس کا انجام اس قدر بھیانک اور عبرت ناک بنانا ہوگا کہ کمزور دل کے لوگ بھولے سے بھی اس کی تقلید کا خیال اپنے دل میں نہ لاسکیں۔ یہ کام ہم غیر سرکاری لوگ ہی کرسکتے ہیں۔ قانون کی گرفت میں آنے کے بعد تو وہ ہماری ہی روٹیوں پر برسوں پلے گا۔ مقدمہ چلے گا اور پھر زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ایک دن اسے [illegible]نا دیا جائے گا۔"

میری دانست میں وہ مہم تصادم سے زیادہ مخبری پر مبنی ہوا تھی۔ بلیک کیٹ ٹی انڈین سیکرٹ سروس کا ایک منجھا ہو کارندہ تھا۔ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی کہ سبزکار میں ہم سے ہلکے سے ٹکراؤ کے بعد وہ اپنی کار گردھاری لال کے گیراج میں کھڑی کرکے اسی مکان کے کسی کمرے میں جا سوئے گا۔

ہر سیکرٹ ایجنٹ کی تربیت کی مبادیات میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ کسی بھی مشن پر کام کرتے ہوئے پیش قدمی کے ساتھ پیچھے کا ہر سراغ مٹادیا جائے تاکہ کوئی حریف اس کی راہ نہ لگ سکے اور اگر کسی نقش پا کو مٹانا ممکن نہ رہے تو وہ اپنی سلامتی کی خاطر اسی مقام سے اچانک اپنا رخ تبدیل کرے تاکہ پیچھا کرنے والے امکانات کے گھنے جنگل میں بھٹکتے جائیں۔

اصولی طور پر ہم سے ٹکراؤ کے بعد بلیک کیٹ ٹی کو گردھاری لال سے دور رہنا چاہئے تھا تاکہ سبزکار کی شناخت کے ذریعے اس تک رسائی ممکن نہ رہے۔ مزید احتیاط کے طور گردھاری لال اپنی کار کی چوری یا گم شدگی کی رپورٹ درج کراکے بلیک کیٹ ٹی سے اپنا عدم تعلق ظاہر کرسکتا تھا۔ اگر کار کے مالک کا نام گردھاری لال نہ ہوتا تو مجھے چند فیصد یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی نے وہ کار چوری نہ کی ہو لیکن ان دونوں میں بظاہر مذہب اور وطنیت مشترک نظر آرہی تھی اور یہ اتفاق ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر گردھاری لال پر طبع آزمائی کا فیصلہ صرف اسی لئے کیا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی اپنی مرضی کے مطابق نقل و حرکت کرنے کے سلسلے میں خود مختار نہیں رہا تھا۔ اس نے غزالہ کی صورت میں ایک بھوکی شیرنی کو قید کیا ہوا تھا جو ذرا سا بھی موقع ملتے ہی بلیک کیٹ ٹی کے ناپاک منصوبوں کو درہم برہم کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ اسے بے دست و پا یا قید کرکے اسلحے کے زور پر باہر لایا تھا اور واپسی پر اسے لامحالہ کسی ایسی ہی جگہ کا رخ کرنا تھا جہاں وہ غزالہ پر بہ آسانی اپنی برتری قائم رکھ سکے۔

کچھ عرصے قبل تک ہم دونوں ہی اپنی بقا کی ایک شدید جنگ میں مصروف رہے تھے۔ ہم غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوئے تھے۔ ہمارے نام کچھ اور تھے، کاغذات کچھ اور بتاتے تھے لیکن دشمن ہمیں شکل و صورت سے بہت اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اپنے ان خون آشام دشمنوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم نے بہت سے ایسے چھوٹے موٹے شعبدے جمع کئے ہوئے تھے جن کی مدد سے ہم فوری طور پر اپنے حلیوں میں نمایاں تبدیلی لاکر خود کو ناقابل شناخت بناسکتے تھے۔

سینڈو سے گردھاری لال کے ٹھکانے کی خبر ملنے کے بعد ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا، اس لئے ہم دونوں نے ہی اپنے نتھنوں میں چھوٹے چھوٹے اسپرنگ پھنسا کر ہونٹوں

گھنی مونچھیں لگالیں اور مختصر سا اسلحہ لے کر فلیٹ سے روانہ ہوگئے۔ میری جیبوں میں ایک بھرے ہوئے پستول کے علاوہ بیم گن اور دو ننھی ننھی پکوڑے کی گیندیں بھی تھیں جو دراصل بے ہوش کرنے والی گیس کے دستی بم تھے اور زمین پر گرتے ہی ہلکے سے دھماکے سے پھٹ سکتے تھے۔

جب تک سینڈو سے کوئی خبر نہیں ملی تھی' میں گردھاری لال سے نمٹنے کے لئے کوئی معقول تجویز سوچ ہی نہیں سکا تھا لیکن کار میں سندھی مسلم سوسائٹی کی طرف جاتے ہوئے میرا ذہن اس موضوع پر تیزی سے کام کررہا تھا۔

دو گلیوں میں بھٹکنے کے بعد ہم نے مقررہ مکان آسانی کے ساتھ تلاش کرلیا۔ گاڑی میں اس مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے نوٹ کیا کہ آہنی پھاٹک بند تھا' گیٹ لیمپس بھی گل تھے اور بادی النظر میں پھاٹک کے پیچھے کسی چوکیدار وغیرہ کی موجودگی کے آثار بھی نہیں تھے۔

اس علاقے میں مکانات کی دونوں جانب ایک جیسی پختہ سڑکیں موجود تھیں لیکن تمام مکینوں نے بلا استثنٰی اپنے مکان ایک ہی رخ پر بنائے ہوئے تھے جس کے نتیجے میں ہر مکان کا مین پھاٹک ایک ہی سڑک پر کھلتا تھا۔ عقبی سمت میں بھی چھوٹے دروازے اور پھاٹک موجود تھے لیکن وہ بالکل بے رونق اور ویران پڑے ہوئے تھے جیسے انہیں ہفتوں سے نہ چھیڑا گیا ہو۔ میں نے اسی طرف گردھاری لال کے مکان کے عقبی پھاٹک کے قریب کار رکوادی۔

"اب تم کار سے اتر کے کسی چیز کی اوٹ میں چھپ جاؤ" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں سلطان شاہ کو ہدایت دی "اس مکان میں سے کوئی بھی باہر نکلتا ہوا نظر آئے تو بے دریغ اسے بھون ڈالنا۔"

"ادھر سے تمہاری واپسی بھی ہوسکتی ہے" اس نے آہستگی سے مجھے یاد دلایا۔

"میں ادھر سے نہیں آؤں گا" میں نے وضاحت کی۔ "البتہ تمہیں غزالہ کا دھیان رکھنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ افراتفری کی صورتحال میں اسے عقبی سمت سے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔"

"تم بے فکر رہو۔ آج وہ نظر آگئی تو چھلاوے کی طرح غائب نہیں ہوسکے گی۔"

وہ کار سے اتر کر ایک ایسے مکان کی طرف بڑھ گیا جدھر لگا ہوا لیمپ پول' بلب سے محروم تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر گردھاری لال کے مکان کے آہنی پھاٹک کے چپے حصے میں لگی ہوئی سلاخوں میں سے اندر کا جائزہ لیا تو ادھر اندھیرے اور سناٹے کی مکمل حکمرانی نظر آئی۔ پھاٹک سے چند گز آگے اصل عمارت میں ایک اور شٹر نما دروازہ نظر آرہا تھا جو غالباً کسی گیراج ہی میں کھلتا تھا۔

پھاٹک کی سالخوردہ حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پھاٹک اور اس سے آگے واقع گیراج مدتوں سے استعمال ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی اور شاید مکان کا وہ عقبی حصہ مکینوں کی مکمل عدم توجہی کا شکار تھا۔

میں نے زمین سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر گردھاری لال کے احاطے میں اچھال دیا۔ اس وقت کی خطرناک اور سنسنی خیز صورت حال کے پیش نظر میرے حواس خمسہ غیر معمولی حد تک بیدار ہوچکے تھے اور اندر پیدا ہونے والی کوئی خفیف سی آہٹ بھی میری سماعت سے محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ اندر پختہ فرش پر پتھر گرنے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

میں مزید چند ثانیوں تک اندر کی سن گن لیتا رہا پھر تن بہ تقدیر ہوکر آہنی پھاٹک کی طرف بڑھ گیا کیونکہ احاطے کی تقریباً آٹھ فٹ اونچی' سپاٹ دیوار کے مقابلے میں آہنی گیٹ کے ذریعے اوپر چڑھنا آسان تھا۔

مجھے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں میرے بوجھ سے پھاٹک کے زنگ خوردہ قبضے وغیرہ اچانک آوازیں نہ پیدا کرنے لگیں اس لئے میں نے لیور کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے پھاٹک کے وسط کے بجائے ستون کے قریب سے اس پر مقدر آزمائی شروع کردی اور خوش قسمتی سے چند ہی سیکنڈ میں اوپر چڑھ کر اندر کود گیا۔

میرے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے اس لئے میرے کودنے سے بہت خفیف سی دھمک پیدا ہوئی لیکن یہ سوچ کر میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہوگئیں کہ اس مکان میں اگر گردھاری لال یا کوئی اور فرش پر سونے کا عادی تھا تو دھمک کی وہ ہلکی سی آواز بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔

احاطے کی اس سمت میں روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ کھڑکیوں پر بنے ہوئے کنکریٹ کے چھجوں میں سے ایک دور افتادہ چھجے پر زرد روشنی والا ایک علامتی بلب روشن تھا جس پر لگا ہوا شیشہ امتداد زمانہ سے دھندلایا ہوا تھا۔ وہ بلب بھی غالباً کسی اچھی ساخت کا تھا اور برسوں سے جل رہا تھا۔ وہ فیوز ہوا ہوتا تو شاید اسی بہانے سے شیشہ بھی صاف ہوجاتا۔

میں گیراج کے شٹر کے ساتھ چپک کر کئی منٹ تک دوسری طرف سے کسی ردعمل کا انتظار کرتا رہا۔ جب ادھر مسلسل سکوت طاری رہا تو میں نے محتاط انداز میں پیش قدمی شروع کردی۔

عقبی حصے کے بعد میں بلب کی مخالف سمت والے بغلی گلیارے سے گزر کر مکان کے سامنے والے حصے میں پہنچا تو یہ دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا کہ بلیک کیٹ ٹی کے زیر استعمال رہنے والی سبز کار پورچ میں موجود تھی۔ اس سمت میں اکا دکا بلب بھی روشن تھے لیکن میرے ابتدائی اندازے کے عین مطابق چوکیدار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

احاطے کی مکمل ویرانی اور چوکیدار کے موجود نہ ہونے سے میرا ماتھا ٹھنکا تھا لیکن پھر میں نے خود ہی اپنے اوہام کی تردید کردی۔ بلیک کیٹ ٹی' معراج دین عرف ماتے یا کسی اور بدمعاش کی طرح گروہ بند نہیں تھا جو علی الاعلان اپنی طاقت کا مظاہرہ کرکے مخالفین کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ ایک اجنبی سرزمین پر اپنے ملک اور اس کے مقاصد کے لئے کام کررہا تھا اس لئے اسے رازداری سے کام لینا پڑتا تھا۔ اپنی حفاظت کا کام دوسروں کو سونپ کر خود بے خبری کی نیند سونے کے بجائے اسے خود کو بچائے رکھنے کے لئے ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ گردھاری لال کے مکان کے احاطے میں سبز کار کی موجودگی یہ ظاہر کررہی تھی کہ بلیک کیٹ ٹی اگر وہاں موجود نہیں تھا تو آیا ضرور تھا اور اس کے بارے میں گردھاری لال سے بیش بہا معلومات حاصل ہوسکتی تھیں۔

کریپ سول جوتوں کے باوجود میں احتیاطاً پنجوں کے بل بڑھتا رہا۔ باہر کی طرف کھلنے والے دروازے اندر سے مضبوطی سے بند تھے۔ پرانی وضع کے ان مضبوط چوبی دروازوں میں ہضمی قفل نہیں تھے بلکہ بیرونی سمت میں موجود پیتل کے کنڈوں سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ اندر بھی کنڈے اور قابلے لگے ہوئے تھے جنہیں رازداری کے ساتھ کھولنا ممکن نہیں تھا۔

خاصی کوشش کے بعد آخرکار مجھے ایک کھڑکی کے پٹ غیر مقفل مل گئے۔ میں نے ذرا سا زور لگایا تو چوبی پٹ باہر کھل گئے۔ ان میں شیشہ وغیرہ استعمال نہیں کیا گیا تھا اس لئے کھلی ہوئی کھڑکی میں آہنی گرل یا کوئی اور رکاوٹ نہیں تھی۔

اس کمرے میں گہرا اندھیرا اور سناٹا تھا' حتٰی کہ کسی ذی روح کے سانس لینے کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اپنی دانست میں پورا احتیاطی جائزہ لینے کے بعد میں کھڑکی کی چوکھٹ عبور کرکے اندر داخل ہوگیا۔

جب میری آنکھیں اندر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے سے مانوس ہوئیں تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اس ایک منزلہ مکان کا کوئی کمرا نہیں' بلکہ ایک کشادہ راہداری تھی۔ وہاں رچی ہوئی کھانوں کی بو سے پتا چل رہا تھا کہ کچن اسی راہداری سے ملحق تھا۔

میں نے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے یکے بعد دیگرے تین کمروں کا جائزہ لے ڈالا۔ جن میں سے ایک ڈائننگ روم ثابت ہوا' بقیہ دو خوابگاہیں تھیں لیکن خالی پڑے ہوئے تھے۔ چوتھے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی میرے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی کیونکہ میں نے واضح طور پر کسی کے تیز سانسوں کی آواز سنی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا گہری نیند سو رہا تھا کیونکہ اس نے دروازہ کھلنے کے باوجود کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ پھر بھی میں مزید چند ثانیوں تک ادھ کھلے دروازے سے باہر ٹھہرا رہا اور پھر بیم گن ہاتھ میں لے کر اندر داخل ہوگیا۔

اس خوابگاہ میں مسہری کے بجائے دہرے بستر والا ایک وسیع و عریض چھپر کھٹ موجود تھا جس پر ایک موٹا آدمی بنیان اور دھوتی میں ملبوس گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ پورا مکان ہی قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ چھتیں کافی اونچی تھیں۔ اس کمرے کی تین دیواروں میں چھت کے قریب روشندان کھلے ہوئے تھے۔ واحد کھڑکی مکان ہی کے کسی اندرونی ہوادار حصے میں کھلتی تھی۔

آثار سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس وقت مکان میں وہی موٹا موجود تھا۔ میں نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرکے اندر سے بولٹ کیا اور اللہ کا نام لے کر روشنی کا ایک سوئچ آن کردیا۔

خواب گاہ میں روشنی ہوتے ہی پنکھے کی مشینی گھوں گھوں میں سوئے ہوئے شخص کی بڑبڑاہٹیں گونجیں اور اس نے کروٹ بدل کر اپنا چہرہ ایک نرم تکیے میں چھپا لیا۔

میں نے آگے بڑھ کر سختی سے اسے جھنجوڑا تو اس نے بڑی بڑی' خمار آلود آنکھیں کھول کر حیرت سے مجھے دیکھا تھا' پھر بیم گن پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں دہشت تیر گئی۔

"کک... کون ہو تم؟" اس نے پھنسی پھنسی اور بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"اٹھو... اور تیس سیکنڈ میں اپنے اوسان یکجا کرلو ورنہ میں تمہیں گولی مار کر چلا جاؤں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے" میں نے درشت بلکہ سفاکانہ لہجے میں کہا اور اس نے اپنی دھوتی سنبھالتے ہوئے فوراً ہی بستر چھوڑ دیا۔

"تم کون ہو؟ اور مجھ غریب سے کیا چاہتے ہو؟" اس نے اپنی دھوتی کا بند درست کرتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"تم میرا پورا گھر دیکھ لو۔ یہاں تمہیں کوئی مال نہیں ملے گا۔ عزت سے رہنے اور کھانے پینے کے بعد جو کچھ بھی بچتا ہے' وہ جوڑنے کے بجائے میں دان کرتا رہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"مجھے مال نہیں' معلومات درکار ہیں" میں نے بیم گن کو خطرناک انداز میں جنبش دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ "سچ بولو گے تو صبح کے سورج کی روشنی دیکھ سکو گے ورنہ یہیں مار دیئے جاؤ گے۔"

اس کے ذہن سے نیند کا خمار ایک دم اڑ گیا تھا اور وہ دہشت زدہ نظر آنے لگا تھا "میں تو ایک مسکین سا کاروباری

آدمی ہوں۔ آلو پیاز کی آڑھت کرنے والے سے تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟"

"پچھلی رات تمہاری گاڑی کس کے استعمال میں تھی؟" میں نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اس پر سوار ہونے والی خوف کی لہر اتنی شدید تھی کہ پل بھر میں اس کے ہونٹ خوف سے سفید پڑ گئے اور وہ یوں منہ چلانے لگا جیسے حلق میں پھنسی ہوئی کسی شے کو اپنے معدے میں اتارنے کی کوشش کررہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں ہراس سمٹ آیا تھا۔

"میری... میری گاڑی... مم، میرے پاس تھی" وہ ہکلاتا ہوا بولا۔

میں نے چھپر کھٹ کے سرہانے رکھی ہوئی پیتل کی چمچماتی ہوئی، اونچی تپائی کی طرف رخ کرکے لحظہ بھر کے لئے بیم گن کا ٹریگر دبادیا۔ فضا میں نیلگوں شعاعیں تیریں اور پیتل کی تپائی کا ایک حصہ آناً فاناً میں پگھل کر جل گیا۔ میں نے اس موٹے کو گھورتے ہوئے کہا "یہ پستول نہیں، ایک نیا خلائی ہتھیار ہے یہ آناً فاناً میں تمہاری پسلیوں کے ساتھ تمہارا دل بھی جلا کر راکھ کردے گا اور تم کوئی آواز نکالے بغیر گر کرپٹ سے مرجاؤ گے، اس لئے مجھ سے اول فول بکنے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہارے بارے میں بالکل ہی بے خبر نہیں ہوں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں جو کچھ جانتا ہوں، تمہاری زبان سے اس کی تصدیق سننا چاہتا ہوں۔ تم نے زبان کھولنے میں ہچر مچر کی تو میں تمہیں مار کر سکون سے واپس لوٹ جاؤں گا۔"

"تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم کون ہو؟" وہ پہلو بدلتا ہوا بولا۔ میری خوفناک دھمکیوں اور بیم گن کے استعمال کے ہولناک مظاہرے سے وہ بہت زیادہ بے چین اور مضطرب ہوگیا تھا۔

"میں کرنل میش پال ہوں" میں نے دانستہ وہ نام استعمال کرتے ہوئے کہا "میرے کچھ ساتھی یہاں میرے خلاف بغاوت پر تل گئے ہیں اور میں ان کی بیخ کنی پر نکلا ہوا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں تمہارا کیا رول ہے؟ لیکن تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا تو میں تمہیں اپنے باغیوں میں شمار کرکے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتاردوں گا۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں؟" وہ دردناک لہجے میں کراہا "مجھے کچھ نہیں معلوم کہ تم کس بغاوت کا ذکر کررہے ہو۔ میں تو بس اس آس پر کچھ لوگوں کی مدد کرتا رہتا ہوں کہ ایک دن اکھنڈ بھارت کا خواب پورا ہوسکے۔ مسلوں نے اس دھرتی کو پاک استھان کا نام دے کر ہمارے منہ پر تھپڑ مارا ہے... جیسے بنارس، کلکتہ، پونا اور ایودھیا، سب ملیچھ شہر ہوں۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں کاروباری آدمی ہوں۔ بھلا ان سب باتوں سے میرا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"گردھاری لال!" میں نے سرد اور بے رحمانہ لہجے میں کہا "میرے پاس تمہاری تقریریں سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ پچھلی رات تمہاری گاڑی کس کے استعمال میں تھی؟"

"وہ بہت ظالم آدمی ہے" گردھاری لال خوف زدہ لہجے میں بولا "اگر تمہیں سب کچھ معلوم ہی ہے تو خود اسی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے؟ مجھ بے چارے کی مٹی کیوں پلید کراتے ہو؟"

"تمہیں یہ بتانے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں کہ مجھے کس سے کیا پوچھنا چاہئے۔ میں اپنا کام اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم بس اتنا بتاؤ، جتنا تم سے پوچھا جارہا ہے" میں نے تلخ لہجے میں اسے لتاڑتے ہوئے کہا۔ اور پھر بڑھ کر پوری قوت سے اس کے دہانے پر بیم گن کی آہنی نال سے ایک ضرب لگادی۔

وہ خاصی کریہہ اور گھٹی گھٹی آواز میں چیخا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے اور دہانے سے تازہ تازہ خون کی کئی لکیریں بہہ نکلیں۔ اپنا منہ تھامنے کے بعد اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے خون آلود ہاتھوں کا جائزہ لیا اور روہانسی آواز میں بولا "یہ ظلم ہے... یہ انیائے ہے کرنل! تم ایک برہمن ساہوکار پر یوں ظلم نہیں کرسکتے۔ میں اپنی محنت کی روزی سے تمہارے منصوبوں کو سینچتا ہوں اور تم مجھ غریب پر ہی اپنے ہتھیار آزمانے پر تلے ہوئے ہو۔"

"برہمن کے دم نہیں ہوتی گردھاری لال جی" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "آج تم ایک روپیہ دیتے ہو تو اکھنڈ بھارت بننے کے بعد اس کے ہزار بھی تم ہی وصول کروگے۔ یہ تو مہاجن کا بیوپار ہے۔ اصل جاتا ہے تو پھر اپنے ساتھ بیاج بھی لے کر آتا ہے۔ مجھے یہ سب پٹیاں پڑھانے کے بجائے وہ بتاؤ، جو میں پوچھ رہا ہوں۔"

"یہ تمہارے آپس کے جھگڑے ہیں" وہ اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا "وہ جب بھی یہاں آتا ہے، رازداری پر باربار زور دیتا ہے۔ وہ بھی یہی کہتا ہے کہ وہ اپنے غداروں کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ ایک آدمی کو تو اس نے اسی گھر میں میری آنکھوں کے سامنے سسکا سسکا کر کاٹا تھا۔ بھگوان کے لئے... تم مجھے مجبور نہ کرو۔"

"وہ تو بعد میں آئے گا۔ میں اس وقت تمہارے سر پر سوار ہوں۔ میرے پاس تمہیں سسکانے کا وقت بھی نہیں ہے۔ بس ماروں گا اور واپس چل دوں گا۔ ہاں اتنا وعدہ ضرور کرسکتا ہوں کہ تم نے میرے ساتھ تعاون کیا تو اسے یہ پتا نہیں لگنے دوں گا کہ تم نے اس کے بارے میں اپنی زبان کھولی تھی۔"

"وہ کئی دن سے اپنے گاؤں سے یہاں آیا ہوا ہے" اس نے خاصے طویل سکوت کے بعد جھجکتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہنا شروع کیا "شام کو بھی گاڑی وہی لے گیا تھا۔ رات گئے گاڑی چھوڑ کر واپس چلا گیا۔"

"نام کیا ہے اس کا؟" میں نے اپنے تجسس پر قابو رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"رام جانے، اس کا اصل نام کیا ہے؟ سب اسے ملا سرکار کہتے ہیں" وہ اس قدر دھیمی آواز میں بول رہا تھا جیسے اسے اپنی آواز کہیں اور سن لئے جانے کا خدشہ ہو۔

"اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟" میں نے اگلا اہم ترین سوال کیا۔

"کوئی نہیں" گردھاری لال کی آواز اس کے حلق میں گھٹی جارہی تھی اور خوف سے پھٹی ہوئی آنکھیں یوں مستقل طور پر چکرارہی تھیں جیسے اسے دیواروں میں سے اچانک کسی کے نکل پڑنے کا خطرہ لاحق رہا ہو "وہ جب بھی آتا ہے، اکیلا ہی ہوتا ہے۔ کل شام کو بھی دونوں بار وہ اکیلا تھا۔"

"آج کل ملا سرکار کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟" گردھاری لال کے راہ راست پر آجانے کی وجہ سے مجھے یک بیک اپنی کامیابی بہت قریب نظر آنے لگی تھی لیکن میں اس کے سامنے تحمل سے کام لینے پر مجبور تھا۔

"کسی دوست کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔ ضرورت پڑتی ہے تو خود آجاتا ہے یا فون کرلیتا ہے۔ مجھے اس کے ٹھکانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ان معاملات میں وہ پوری رازداری سے کام لیتا ہے۔"

"اتنے بڑے مکان میں تم تنہا رہتے ہو تو وہ تمہارے پاس کیوں نہیں ٹھہرتا؟"

"اس کے لئے یہ گھر چھوٹا ہے" پہلی بار گردھاری لال کے لہجے میں ملا سرکار کے لئے ہلکی سی تلخی عود کر آئی "وہ کسی بڑی حویلی میں رہتا ہے جہاں شاید اس کے لئے نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں۔"

"تم اسے کس طرح جانتے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری پنچایت کے سرپنچ نے اسے مجھ سے ملایا تھا" وہ دھوتی سے اپنا دہانہ صاف کرتا ہوا بولا "اس نے بتایا تھا کہ ملا سرکار بھارت کا ایک بڑا افسر ہے اور اکھنڈ بھارت کا خواب پورا کرنے کے لئے ہم سب کو پوری طرح اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس کے بعد سے وہ میرے پاس آتا جاتا رہا ہے۔"

"وہ پکا سور اور بدمعاش ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اکھنڈ بھارت کے نام پر تم جیسے سادہ لوح لوگوں سے لاکھوں روپے کا چندہ لے کر ہضم کرچکا ہے اور دوسروں کو بھی بگاڑ رہا ہے۔"

"پر تم نے بھی میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ ادھر سے آنے والا ہر افسر ظالم یا بدمعاش ہوتا ہے" اس نے رندھی ہوئی آواز میں مجھ سے احتجاج کیا۔

"مجھ سے ظلم تمہاری ضد نے کرایا ہے ورنہ مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں تھی" میں نے ملائمت سے کہا "اب جلدی سے یہ بھی بتا ڈالو کہ ملا سرکار کا اصل گاؤں کون سا ہے اور وہ کہاں سے آتا ہے؟"

"وہ دا..." اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ ٹھک کی آواز کے ساتھ کسی جانب س ایک بے آواز گولی آئی اور اس کی پیشانی کے وسط میں پیوست ہوگئی۔ گردھاری لال کے حلق سے ایک تیز ہچکی برآمد ہوئی، وہ کھڑے کھڑے لڑکھڑایا اور پھر منہ کے بل فرش پر گر کر بے جان ہوگیا۔

میں تیزی سے پلٹا۔ دروازہ بدستور بند تھا لیکن اس کے اوپر بنے ہوئے روشندان کے قریب بارودی دھوئیں کی ہلکی ہلکی لکیریں فضا میں تیر رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ بے آواز فائر اسی روشن دان سے کیا گیا تھا۔

روشن دان زمین سے اتنی بلندی پر واقع تھا کہ وہاں سے ہونے والے فائر نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ بظاہر وہاں تک رسائی کی ایک ہی صورت تھی کہ چھت پر لیٹ کر اگلا دھڑ اس حد تک آگے جھکایا جاتا کہ روشندان میں سے کمرے کا جائزہ اور گردھاری لال کی پیشانی کا نشانہ لینا ممکن ہوجاتا۔ میں تیزی کے ساتھ اسی روشندان والی دیوار کی طرف کھسک گیا تاکہ اس نادیدہ دشمن کی زد سے باہر نکل سکوں۔ ادھر کھسکتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ اس کمرے سے باہر راہداری کی اونچائی کمرے سے بہت کم تھی جس کا مطلب تھا کہ اس طرف سامان وغیرہ رکھنے کے لئے دو چھتی بنی ہوئی تھی اور قاتل غالباً اسی میں پناہ گزین تھا۔

"اب تم اس کمرے سے باہر نہیں نکل سکو گے" روشن دان کی طرف سے اچانک بلیک ٹی کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں نے دروازہ باہر سے بولٹ کردیا ہے اسی لئے بزدل، گردھاری لال کو تم سے کچھ زہرافشانی کرنے کا موقع مل گیا ہوگا ورنہ میں اسے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار چکا ہوتا۔ اب تم سامنے آؤ اور اسلحہ پھینک کر خود کو میرے حوالے کردو۔"

گردھاری لال پر فائر ہوتے ہی مجھے خیال آیا تھا کہ اس کا نادیدہ دشمن نجانے کب سے روشن دان کے پیچھے چھپا ہوا ہماری باتیں سن رہا تھا مگر بلیک کیٹ ٹی نے اپنی بات سے خود ہی اس سوال کا جواب فراہم کردیا تھا لیکن وہ یہ بھول رہا تھا کہ اس کمرے میں ایک کھڑکی بھی تھی۔

"تم نے گردھاری لال کے ساتھ بہت بے رخی کا مظاہرہ کیا ہے" میں نے اپنی جگہ چھوڑے بغیر کہا "وہ تمہارا ایک وفادار ساتھی تھا اور تم نے خود ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شاید اپنے محسنوں کو ڈسنا تمہاری فطرت میں شامل ہے۔ اسی لئے تم ہم سے بھی عہد شکنی کررہے ہو، رات کو تم نے ہمارا پیچھا کرکے ہم پر گولیاں برسائیں اور اب مجھے للکار رہے ہو۔"

"میرا نشانہ اتنا کچا نہیں ہے کہ میرے شکار میرا پیچھا کرنے کے لئے زندہ رہ سکیں" اس نے تکبر آمیز لہجے میں کہا "وہ میرا ایک ہرکارہ تھا اور تم اسے بھی زیر نہیں کرسکے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ تم جلد یا بدیر گردھاری لال تک ضرور پہنچو گے۔ میں

نے تمہارے استقبال کا مناسب بندوبست کرلیا تھا مگر افسوس اس بات کا ہے تم میری توقع سے زیادہ تیز رفتار ثابت ہوئے اور مجھے یہاں پہنچنے میں ذرا سی تاخیر ہوگئی لیکن انجام تمہارے سامنے ہے۔ اب تم ایک چوہے کی طرح میرے بے ضرر قیدی بن چکے ہو۔"

"تم اور ہم حریف نہیں تھے بلکہ ایک کاروباری لین دین پر مذاکرات کررہے تھے" میں نے تلخ لہجے میں کہا "تمہیں ہمارا تعاقب کرنے یا کروانے کا کوئی حق نہیں تھا۔ غزالہ پر قابو پالینے کے بعد تمہاری نیت بدلتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ اسی لئے تم یہ سب قلابازیاں کھارہے ہو۔ ہم نے بھی تمہارے عزائم کو بے نقاب کرنے کا ارادہ کرلیا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہوئے ہیں" اس کو جواب دیتے ہوئے میں نے ہکاسی کے دروازے پر زور لگا کر دیکھا مگر وہ باہر سے واقعی بند تھا۔

"غزالہ کے ساتھ تمہارے ہاتھ آجانے کے بعد اب میری پوزیشن اور بہتر ہوجائے گی" اس کے لہجے میں تحقیر کا انداز نمایاں ہوگیا "میرا خیال ہے کہ اب شی کے ساتھ سودے میں مجھے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ویسے بھی بے چارہ کرنل میش پال نہ جانے کہاں غائب ہے۔ رہا رام لال تو وہ بے چارہ بہت یتیم ہے۔ نئی دہلی میں کوئی اس کی بات پر کان نہیں دھرے گا۔"

اس نے پچھلی رات سبز کار میں اپنے بجائے اپنے کسی آدمی کی موجودگی کی خبر سناکر مجھے چونکا دیا تھا۔ اگر وہ سچا تھا تو اس کا مطلب تھا کہ میں نے ویرا کے ساتھ جس باریش بہروپئے کو دیکھا وہ اس کہانی کا کوئی غیر اہم کردار تھا لیکن وہ بلیک کیٹ ٹی کی چال بھی ہوسکتی تھی۔ مجھے گمراہ کرکے وہ اپنی ذات کی پراسراریت برقرار رکھنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ حقیقت کو دریافت کرنے کی ایک ہی صورت تھی کہ کسی طرح اسے سامنے آنے پر مجبور کردیا جاتا۔

"اس وقت تم کسی پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ کے بجائے ایک گھٹیا بلیک میلر معلوم ہورہے ہو۔"

"بلیک میلنگ کسی بھی سیکرٹ ایجنٹ کا پہلا اور بنیادی ہتھیار ہوتا ہے۔"

"لیکن اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ تم نے مجھے پکڑ لیا ہے۔ یہ مکان اس وقت شی کے پیشہ ور گوریلوں کے محاصرے میں ہے اگر میں ایک خاص وقت تک باہر نہ نکلا تو وہ پوری طاقت سے اپنی کارروائی کا آغاز کردیں گے۔"

"انہیں بھی دیکھ لیا جائے گا" اس کا لہجہ بے پروایانہ تھا۔ "گردھاری لال کا مکان میرا کوئی مستقل اڈا یا ٹھکانا نہیں ہے۔ میں یہاں تمہاری تلاش میں آیا تھا اگر تمہارے آدمی واقعی باہر موجود ہیں تو میرے لئے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلنا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے گردھاری لال د

کس امید پر اپنے نشانے پر لیا ہوا تھا؟"

"تم نے کل رات کو بدعہدی کی بدترین مثال قائم تھی۔ جب تم ہماری راہ پر لگے ہوئے تو تمہیں بھی تو کھوج لگانے کا اسی قدر حق حاصل ہے۔ اس محاذ آرائی تمہارا اسلحے کا سودا خراب ہوجائے گا۔"

اس کی طنزیہ ہنسی کے ساتھ آواز ابھری "تم فکر نہ کرو نے دیکھ لیا ہے کہ غزالہ کی تم لوگوں کے لئے کیا اہمیت ہے میں چاہوں تو تم لوگ اسلحے کے کریٹ اپنے سروں پر لا میرے مطلوبہ مقام پر پہنچاؤ گے۔"

میں نے اپنی جیب سے ٹکڑے کی ایک گیند نکال لی جس میں بے ہوش کرنے والی گیس کی خاصی مقدار، بھا دباؤ میں موجود تھی۔ پھر اس سے کہا "اگر تم سودے کے بار میں واقعی سنجیدہ ہو تو سامنے آکر بات کرو۔ تمہیں احساس چاہئے کہ شی اور چوراچکوں سے معاملات طے کرنے میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔"

"فرق ہونا چاہئے لیکن تم نے برقرار نہیں رکھا" اس ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اپنی جگہ پر میری مختصر مربوط تنظیم بھی شی سے کسی طرح کم نہیں ہے اور میں آمیز رویہ بہت کم برداشت کرپاتا ہوں۔"

"ہم نے تمہاری شان میں کون سی گستاخی کی تھی، جس تم یہ حوالہ دے رہے ہو؟"

"سودے سے انکار اور ضمانت کی فراہمی کا مطالبہ میرے لئے ذلت آمیز تھا۔"

"باہمی اعتماد کے بغیر گروہوں کے مفادات سے ہم دست بردار ہوناپڑتا ہے۔ ہمارے لئے اجنبی تھے اور علاقے کی حساس سیاسی صورتحال میں شی کوئی اندھا جوا کھیل سکتی تھی۔ یہ تمہاری بے بنیاد بات ہے۔"

"مجھے تو اب شبہ ہونے لگا ہے کہ کہیں تم لوگوں نے کرنل میش پال کو اسلام آباد سے نہ اٹھوالیا ہو۔ نہ وہ م رہے گا، نہ تمہیں ضمانت مل سکے گی اور نہ سودا بنے گا۔ وہ تو مقدر یاور تھا کہ میں نے عین وقت پر غزالہ کو پکڑ لیا۔ وہ م واردات سے نکل جانے میں کامیاب ہوجاتی تو تم مجھ آنکھیں ہی بدل لیتے۔"

"ہم نے میش پال کو اٹھوایا ہوتا تو سیدھے تمہارے ٹھکانے پر ہی پہنچتے۔ گردھاری لال کے پاس جھک نہ مار ر ہوتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ عملاً تم آزاد اور خود مختار ہو مگر اصولی طور پر کرنل میش پال ہی تمہارے پراجیکٹ کا سربرا ہے اور وہی تم کو سارے مالی وسائل فراہم کرنے کا ذمے دا ہے" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ اس دوران میں میں مسلسل یہ جائزہ لیتا رہا کہ میرا پھینکا ہوا گیس بم روشن دان سے گزر کر بلیک کیٹ ٹی کی کمین گاہ تک پہنچ سکے گا یا دیوار سے ٹکرا کر میرے لئے ہی مصیبت کھڑی کردے گا؟ مجھ سے یہ

حماقت سرزد ہوگئی تھی کہ بے ہوش کرنے والی گیس کے بم اپنے ساتھ لینے کے باوجود میں نے کوئی گیس ماسک نہیں رکھا تھا جو کسی ناگہانی صورت حال میں میرے کام آسکتا تھا اگر اس وقت میرا نشانہ ذرا بھی خطا ہو جاتا تو نہ صرف یہ کہ بلیک کیٹ ٹی پوری طرح محفوظ رہتا بلکہ میں خود ہی کھانس کھانس کر بے ہوش ہو جاتا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ مجھے اپنا قیدی بنالیتا۔

لیکن وزنی چوبی دروازہ باہر سے بند ہونے کے بعد میرے لئے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ بلیک کیٹ ٹی کا مقابلہ کرکے اسے زیر کرنے کی کوشش کرتا یا پھر مکان کے اندرونی حصے میں کھلنے والی کھڑکی سے فرار کی راہ اختیار کرلیتا۔

ادھر بلیک کیٹ ٹی استہزائیہ ہنسی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "مہیش پال اور گردھاری لال میں بڑا فرق ہے۔ مہیش پال سچا سیکرٹ ایجنٹ ہے۔ تم اس کے بدن کا ریشہ ریشہ بھی الگ کردو گے تب بھی وہ اپنی زبان نہیں کھولے گا۔ میں ذرا سی دیر اور نہ آتا تو دہشت سے گردھاری لال کی دھوتی خراب ہوگئی ہوتی اور وہ رٹے ہوئے سبق کی طرح تمہیں ہر وہ بات بتا چکا ہوتا جو کسی بھی طرح سے اس کے علم میں تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ کرنل کی خاموشی نے ہی تمہیں یہاں تک پہنچنے پر مجبور کیا ہے۔"

میں نے کچکڑے کے بم کو اپنے ہاتھ میں تولتے ہوئے مناسب جگہ کے انتخاب کے لئے کمرے کا تنقیدی جائزہ لیا۔ پھر دوڑتے ہوئے گردھاری لال کے لاش کے قریب سے وہ گیند پوری قوت سے بلیک کیٹ ٹی والے روشن دان کی طرف پھینک دی۔ فضا میں بلیک کیٹ ٹی کی ایک دبی دبی سی غراہٹ گونجی۔ میں نے کمرے میں جلنے والے بلب کے انعکاس میں واضح طور پر دیکھا کہ بلیک کیٹ ٹی میری طویل خاموشی سے تشویش کا شکار ہوکر خواب گاہ کا جائزہ لینے کے لئے روشندان کے قریب آیا تھا کہ میرا پھینکا ہوا نازک سا بم اس کے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گیا۔ اس کی اضطراری غراہٹ گیند کی ضرب کا نتیجہ تھی۔ اگر اس کے چہرے پر نقاب منڈھا ہوا نہ ہوتا تو وہ اسی لمحے بے ہوش ہو سکتا تھا۔

گیند ہاتھ سے نکلتے ہی میں نے روشن دان کے پیچھے اس کی سیاہ کھوپڑی ابھرتی ہوئی دیکھ لی تھی اور اس پر گولی چلانے کے لئے بلا توقف پستول نکال لیا تھا لیکن گیس کے بادل نے اسے اپنی اوٹ میں لے کر میرے فائر سے بچالیا۔

بلیک کیٹ ٹی کے چہرے پر چڑھی ہوئی نقاب اس اعتبار سے گیس ماسک ثابت ہوئی کہ وہ منہ پر گیند پڑنے کے باوجود فوراً بے ہوش نہیں ہوا تھا لیکن اس کے مسامات میں پہنچ کر گیس نے اپنا کام دکھانا شروع کردیا جس کی وجہ سے بلیک کیٹ ٹی پر شدید کھانسی کا دورہ پڑ گیا جو میرے لئے حوصلہ افزا تھا۔

کھانستے ہوئے وہ بار بار اپنے پھیپھڑوں میں گیس آلود ہوا لینے پر مجبور تھا۔ اس طرح اس کے بے ہوش ہونے کا قوی امکان تھا مگر پھر اس نے کھانسی کو دبانے کی کوششیں شروع کردیں اور اسی کے ساتھ اس کی آواز دور ہونے لگی۔ گیند سے خارج ہونے والی بے ہوشی کی گیس دباؤ ختم ہونے پر پوری دو چھتی میں بھر چکی تھی اور بلیک کیٹ ٹی نے وہاں سے صاف فضا میں نکلنے کی کوشش شروع کردی تھی۔

میں اچھل کر بھاگا اور کھڑکی سے گزر کر برآمدے میں جا نکلا۔ وہ مکان میرے لئے نیا تھا۔ گردھاری لال کی خواب گاہ کے علاوہ پورے مکان میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ دو چھتی تک کس سمت سے رسائی ہوگی۔ میں برآمدے سے دوڑتا ہوا ایک راہداری میں داخل ہوا تو میری نگاہ دیوار گیر سوئچ پر پڑی اور میں نے رکے بغیر سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار دیا اور راہداری میں بیک وقت دو بلب جل اٹھے۔

روشنی ہوتے ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ راہداری جس میں میں اس وقت دوڑ رہا تھا گردھاری لال کی خواب گاہ کے سامنے واقع تھی۔ اس کی نیچی چھت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی کی کمین گاہ اسی کے اوپر واقع تھی۔

میں دو چھتی کے اختتام پر راہداری عبور کرکے اونچی چھت والے حصے میں داخل ہو رہا تھا کہ اچانک اوپر سے کوئی وزنی وجود میرے اوپر آیا اور پھر فرش پر لڑھک گیا۔ میں اپنی رفتار اور بے خبری کی وجہ سے بری طرح لڑکھڑا گیا تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی بھی تھا مجھے بے بس کرنے کے لئے میرے اوپر نہیں کودا تھا بلکہ اتفاقاً ہی اس کے کودنے اور میرے وہاں سے گزرنے کی ٹائمنگ یکساں ہوگئی تھی جس کے نتیجے میں وہ خود بھی بوکھلا گیا تھا۔

گردھاری لال مارا جاچکا تھا اور میری دانست میں اس وقت پورے مکان میں میرے اور بلیک کیٹ ٹی کے علاوہ کوئی تیسرا ذی روح موجود نہیں تھا اس لئے میں بڑی سرعت کے ساتھ پلٹا تھا۔ اس وقت تک وہ نقاب پوش سنبھل چکا تھا۔

میں اس کی طرف لپکا تھا مگر وہ اٹھتے ہی برآمدے کی طرف دوڑ پڑا جدھر سے میں آیا تھا اس وقت اسے زیر کرنے کے ساتھ ہی میری خواہش اسے بے نقاب کرنے کی بھی تھی تاکہ اس بات کا تعین کرسکوں کہ پچھلی رات وہ خود ہی ہمارا پیچھا کر رہا تھا یا اس کا کوئی آدمی اس کام پر مامور تھا۔

"رک جاؤ' ورنہ گولی ماردوں گا" میں نے غراتے ہوئے اسے حکم دیا لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس اثنا میں میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ بے ہوش کرنے والی گیس اس کے جسمانی نظام پر کسی حد تک اثر انداز ہو چکی تھی اور اگر میرا اس سے دوبدو مقابلہ ہوتا تو وہ زیادہ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ لحظہ بھر کے لئے رک کر پلٹا پھر اس نے ایک سیاہ دستی بم میرے اور اپنے درمیان فرش پر دے مارا۔ وہ بم ہلکے سے دھماکے سے پھٹا اور ہر طرف کثیف دھوئیں کے سے بادل

...لیتے چلے گئے میں نے سیاہ دھوئیں کی اس چادر کو عبور کرکے ...ن قدمی کرنا چاہی لیکن اس گیس کی تیز اور نامانوس بو نے ...ے رکنے پر مجبور کردیا مجھے خطرہ محسوس ہوا تھا کہ کہیں وہ ...ک' زہریلی گیس نہ رہی ہو۔

برآمدے سے آنے والی ہوا کثیف دھوئیں کی اس چادر ...سرنگ نما راہداری میں دھکیل رہی تھی۔ میں نے بے بسی ...رایوسی کے عالم میں پستول سے دو فائر کئے جن کی گونج سے ...ارت لرز اٹھی لیکن بلیک کیٹ ٹی کی کوئی آواز نہیں سنائی ...

اس مقابلے کے لئے اس کی تیاری ہر اعتبار سے بہتر اور ...ل تھی اگر وہ میری طرح اپنے ساتھ دستی بم نہ لایا ہوتا تو بڑی ...انی کے ساتھ زیر کیا جاسکتا تھا لیکن دھوئیں کی دیوار نے ...ے صاف بچ نکلنے کا بہترین موقع فراہم کردیا تھا۔ میرا اندازہ تھا ...ے ہوش کردینے والی گیس کے اثرات سے اس کی حالت ...ابتر ہو چکی تھی کہ وہ رک کر میرا انتظار کرنے کی ہمت نہیں ...سکتا تھا۔

زہریلے دھوئیں نے مجھے راہداری میں پسپائی کی راہ ...یار کرنے پر مجبور کردیا۔ ویسے بھی دو پرشور فائروں کے بعد ...وہاں رکا رہنا میرے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا تھا اس ...ے میں نے واپسی کے لئے وہی راہ اختیار کی جس کی ذریعے ...اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔

دیوار پر میرا ہیولا دیکھتے ہی سلطان شاہ لپک کر کار کی طرف ...تھا۔ نیچے کود کر میں جونہی کار میں سوار ہوا اس نے انجن ...رٹ کرکے گاڑی آگے بڑھادی۔

"تم ٹھیک تو ہونا؟ اندر گولیاں چلی تھیں" اس نے ...لیش آمیز لہجے میں پوچھا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "وہ فائر میں نے کئے ...۔ وہ ادھر سے فرار تو نہیں ہوا تھا؟"

میرا سوال ادھورا تھا لیکن سلطان شاہ میرا مفہوم سمجھ گیا۔ ...ں' ادھر تو چڑیا کا بچہ بھی نظر نہیں آیا۔ کیا تمہارا براہ راست ...سے تصادم ہوا تھا؟ میرا خیال تھا کہ وہ ہمیں یہاں نہیں مل ...گا۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہی تھا۔ وہ کچھ دیر اور نہ آیا ہوتا تو میں ...دھاری لال سے بہت کچھ اگلوالیتا لیکن اس نے ایک نازک ...حلے پر گردھاری لال کو بے آواز پستول سے ہلاک کردیا۔ ...تو بس یوں سمجھو کہ وہ میرے ہاتھ آتے آتے نکلا ہے۔"

سلطان شاہ پورے واقعات کے بارے میں بہت زیادہ ...س تھا اس لئے مجھے اس کو پوری کہانی سنانا پڑی جس کے ...یان میں وہ سوالات بھی کرتا جارہا تھا۔

"ایک بات بہت اچھی ہوئی کہ گردھاری لال نے مرنے ...پہلے ہی تمہیں اس کا نام بتادیا" پورا واقعہ سن لینے کے بعد ...ان شاہ نے رائے زنی کی "ملا سرکار کوئی عام سا نام نہیں۔ اس کا نام تو سرکار ہی رہا ہوگا لیکن اس کے بہروپ اور اداکاری کی وجہ سے لوگوں نے خود ہی اسے ملا سرکار بنادیا ہوگا۔ نام کی بنیاد پر اندرون سندھ اس کی تلاش میں آسانی ہو سکتی ہے مگر دو باتیں ...اب ہوئیں۔ اول یہ کہ گردھاری لال مرنے سے پہلے اس گاؤں کا نام نہیں بتا سکا اور دوم یہ کہ تم اس کا اصلی چہرہ نہیں دیکھ سکے۔"

"چہرہ دیکھنے کی خواہش میری اپنی تھی" میں نے کہا "مجھے یقین ہے کہ پچھلی رات سبز کار میں خود ہی تھا۔ اس نے ہمیں ...شش و پنج میں ڈالنے کے لئے اپنے ہرکارے کی کہانی تراشی تھی۔ رہا ملا سرکار کے گاؤں کا مسئلہ تو اس کے سلسلے میں ایک نام میرے سامنے ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اسے آسانی سے راہ پر لے آؤں گا۔ بلیک کیٹ ٹی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ میں وہاں تک پہنچ سکتا ہوں۔"

"کون ہے وہ؟" سلطان شاہ نے پراشتیاق اور تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"یہاں رہنے والے سارے ہندو پاکستان کے دشمن نہیں ہیں" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "لیکن جانو ماچھی وغیرہ کی طرح ان میں بھی کالی بھیڑیں موجود ہیں۔ انہی میں پنچائیت کے موجودہ سرپنچ کا شمار ہوتا ہے جس نے ملا سرکار کا گردھاری لال سے تعارف کرایا تھا۔ سرپنچ معزز اور بارسوخ شخص ہوتا ہے۔ اسے ذرا دھمکا کر آسانی سے راہ پر لایا جاسکتا ہے۔"

"تم واقعی بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔ میں نے تو ادھر دھیان بھی نہیں دیا تھا" وہ تعریفی لہجے میں بولا "جب میں تمہارے ساتھ شامل ہوا تھا تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں کوئی نیک کام بھی کروں گا۔ ذہن میں یہی تصور تھا کہ آگے چل کر ہیروئن اور چرس کے دھندے میں نام کے ساتھ پیسہ بھی کماؤں گا لیکن آج ہم ہیروئن کے خلاف ایک ہولناک جنگ لڑ رہے ہیں۔ ٹی اور مافیا جیسی تنظیمیں تم سے خائف ہیں اور اب یہ نیا سیاسی رخ سامنے آیا ہے۔ ملک دشمن ریشہ دوانیوں اور دہشت گردی کے خلاف کام کرنا بھی خاصا عزت کا کام ہے اگر ہم بلیک کیٹ ٹی کے فتنے کا سر کچلنے میں کامیاب ہوگئے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی زندگی کا بڑا مقصد پورا کرلیا ہے۔"

وہ بات بہت سیدھی اور سامنے کی تھی لیکن سلطان شاہ کے ذہن میں نہیں آسکی تھی۔ جرم انفرادی ہو یا اجتماعی' اپنی اصل میں ہمیشہ جرم ہی رہتا ہے اور جب ایک جرم کا ارتکاب کرلیا جاتا ہے تو اس کی پردہ پوشی یا اپنے دفاع کے لئے دوسرا جرم کرنا پڑتا ہے اور انسان سر سے پیر تک جرائم کے دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

جس طرح حرام کی آمدنی اپنے ساتھ گمراہی' بے راہ روی' شرمناک آزادی اور دیگر حرام کاریوں کا عقل اور نگاہ کو چندھیا دینے والا روشن سیلاب لے کر آتی ہے اسی طرح

جرم اپنے جلو میں ایک ابلیسی داستان لئے ہوئے ہوتا ہے۔ قتل و غارت گری، آتش زنی اور لوٹ مار، اغوا اور تاوان، منشیات فروشی اور اسلحے کی اسمگلنگ، یہ سب جرم کے ایک ہی تناور درخت کی چھتنار شاخیں ہوتی ہیں۔ کہیں بھی حد فاصل کھینچ کر ایک جرم کو دوسرے جرم سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ہم منشیات فروشی کے کام میں شریک ہوئے تو اپنی اجارہ داری برقرار رکھنے کے لئے ہمیں خوں ریزیاں بھی کرنی پڑیں۔ مجرمانہ رقابتوں میں اپنے پیاروں کو خود اپنے ہاتھوں سے ٹنوں مٹی میں دبانا پڑا۔ اسی کے ساتھ اپنی دھاک اور برتری کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیں ناجائز اسلحے پر بھی انحصار کرنا پڑا۔ یہی کارروائیاں جب انفرادی اور علاقائی سطح سے ٹی اور مافیا جیسی بین الاقوامی تنظیموں میں مدغم ہوتی ہیں تو پھر ان میں سے ہر شاخ ایک فن بن جاتی ہے جس کی آبیاری کے لئے سینڈو، ویرالائیڈ، معراج دین اور ملا سرکار جیسے پیشہ ور مہرے پروان چڑھائے جاتے ہیں ایک جرم کرتے ہوئے یہ سوچ لینا کہ انسان دوسرے جرم سے بچا رہے گا، احمقانہ فعل ہوتا ہے اور اسی طرح جرائم کا انسداد کرنے والا بھی ہر وقت ہر قسم کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

اس وقت تک ملا سرکار کا جو کردار سامنے آیا تھا اس سے اس کے خوفناک عزائم مترشح تھے۔ وہ ایک مستحکم اور خود مختار ریاست میں انتشار اور انارکی پھیلا کر ایک نئی تقسیم کا بیج بونا چاہتا تھا لیکن اس کے سرپرست کرنل میش پال کے عزائم اس سے بھی بہت آگے تھے۔ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے بھیانک انجام کو پہنچ گیا تھا لیکن سلطان شاہ اسے اغوا کرتے ہوئے اس کی گاڑی سے جو کاغذات لایا تھا وہ لرزہ خیز حقیقتوں کی کہانی سناتے تھے۔ ملا سرکار اور غزالہ کے چکروں میں پھنس کر میں خود بھی ان کاغذات کو فراموش کر بیٹھا تھا مگر اس لمحے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ غزالہ کی رہائی کے بعد میں اس پہلو کو بھی دیکھوں گا جس پر میرے وطن کی بقا کا دارومدار تھا۔ کرنل میش پال تک سلطان شاہ کی رسائی دراصل میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی تھی۔ اس نے کرنل پر ہاتھ نہ ڈالا ہوتا تو وہ درندہ ہمارے قومی وجود کی نہ جانے کن کن بافتوں کو اپنے نکیلے دانتوں سے ادھیڑ چکا ہوتا۔

ہیروئن کا انسداد میرے لئے بہت اہم تھا لیکن قومی سلامتی کے معاملات اہم ترین تھے۔ میں ریاستی ڈھانچے سے باہر ایک عام اور حقیر سا شہری تھا لیکن میں اس مٹی کا مقروض بھی تھا جس سے میرا خمیر اٹھا تھا۔

☆○☆

اس سے میری پہلی گفتگو کی ابتدا بہت خوشگوار انداز میں ہوئی تھی لیکن اس کا اختتام بہت سرد اور رسمی رہا تھا۔ جس کی وجہ سے میں نے دوسری بار زیادہ محتاط رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے اس سے دوپہر فون کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن دانستہ شام کو پونے پانچ بجے فون کیا۔ میرا اندازہ تھا کہ دوسرے عام [illegible] طرح اس کے اوقات کار بھی پانچ بجے تک ہوں گے۔ میرا [illegible] تھا کہ وہ اپنی رضامندی کا اظہار کرلی تو میں دفتر سے واپسی پر اس کے ساتھ ہولیتا۔ اپنے تحفظ کے خیال سے میں نے [illegible] اپنے فلیٹ میں لانے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ اس سے [illegible] بالمشافہ ملاقات اسی کے ٹھکانے پر سود مند ثابت ہوسکتی [illegible] جہاں میں رہن سہن اور آرائش و زیبائش کی روشنی میں [illegible] کے مزاج کے بارے میں زیادہ صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

پہلی گھنٹی بجتے ہی اس نے خود فون اٹھایا تھا [illegible] نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

"ہیلو شانتی!" میں نے پرجوش اور بے تکلفانہ [illegible] میں کہا تھا "تم کیسی ہو؟"

"تم کون ہو؟" دوسری طرف سے شانتی کی سرد اور سپاٹ آواز ابھری تھی۔

"میں پیٹر بول رہا ہوں، پیٹرواک" اس کے بدلے ہوئے رویے نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔

"اتنا تو میں تمہاری آواز سے پہچان گئی تھی۔ غالباً ہمارے درمیان ایسی کوئی بے تکلفی نہیں ہے کہ تم چھوٹتے ہی [illegible] مزاج پرسی شروع کردو" اس کا لہجہ تکلیف دہ حد تک جذبات سے یکسر عاری تھا "ہمارا تعارف کسی خاص حوالے سے ہوا [illegible] اس میں تمہاری ذات کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ اسی حوالے سے بات کی ابتدا کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"آئندہ احتیاط رکھوں گا...." غیر ارادی طور پر میرا لہجہ [illegible] ہوگیا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

"آئندہ کے بجائے اسی لمحے سے پروٹوکول کا لحاظ رکھو تو مناسب رہے گا۔ رسمی شناخت کے بغیر میں تم سے گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گی کیونکہ یہ میری پیشہ ورانہ مجبوری [illegible] اس کا لہجہ کاٹ دار ہوگیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ پچھلے روز [illegible] میری سرد مہری کو فراموش نہیں کرسکی تھی اور اس وقت اسی [illegible] جواب دے رہی تھی۔

"میں سلور آئی کا پجاری ہوں" میں نے اپنے غصے اور جھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"طاقت کا دیوتا" اس کی سرد اور بے مہر آواز میرے کانوں میں گونجی "اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"

"آج شام ہماری ملاقات طے تھی۔ تم کب اور کہاں [illegible] سکتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کل ہی تمہیں بتادیا تھا کہ میں کسی وقت بھی کہیں بھی مل سکتی ہوں۔"

"پھر سوا پانچ بجے آواری ٹاورز کے ریمپ پر میں تمہارا انتظار کروں گا۔ وہ شاید تمہارے دفتر سے نزدیک بھی ہے" [illegible] اپنے اندر کی تلخی کو حتی الامکان دل ہی دل میں دبانے رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

"تمہاری [illegible] ریا ہوگا؟" میرے مصالحانہ لب و لہجے کے باوجود اس کے انداز تخاطب میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"میں ٹیکسی میں آؤں گا۔ تم اپنی گاڑی کا نمبر بتادو۔ میں ریمپ سے نکاسی والے سرے پر مقررہ وقت پر تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے بدن پر نیلے رنگ کا سوٹ ہوگا اور شناخت کے لئے کالر میں گلاب کی کلی ہوگی۔"

"خوب" اس نے بہت کھینچ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مجبوریاں قابل رحم حد تک لامحدود ہیں۔ گھر کا پتا نہیں بتاسکتے۔ ذاتی کار چھپا کر ٹیکسی میں سفر کرتے ہو۔ پتا نہیں مجھے اپنا نام کیسے بتا بیٹھے؟ ہوسکتا ہے کہ یہ بھی فرضی ہو اور ولدیت تو ہر ایک سے ہی چھپاتے ہوگے۔"

مجھے بے اختیار کسی شاعر کا وہ مصرعہ یاد آگیا رنجش ہی سہی دل کو جلانے کے لئے آ۔

اس نے مجھ سے بدلہ لینے کے لئے اپنے مزاج پر سرد مہری کا ایک خول منڈھ لیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ٹیکسی کا ذکر سن کر وہ جمود توڑنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ طنز ہی سہی لیکن اس کی گفتگو میں زندگی کا کوئی رنگ تو جھلکا تھا۔

"نام درست ہے۔ ولدیت اینڈ منڈواک ہے۔ کار [illegible] خرید نہیں سکا کیونکہ کام کے سلسلے میں شہر شہر گھومنا پڑتا ہے۔ چاہو گی تو میں تمہیں اپنا پورا شجرہ سنادوں گا لیکن پانچ بجے سے [illegible] آواری ٹاورز آنا نہ بھولنا۔"

ریسیور پر پہلی بار اس کی خفیف سی ہنسی کی مترنم رل ترل نائی دی "شاید مجھے اپنے گھر بھی نہیں لے جاؤ گے؟"

میں ایک گہرا سانس لے کر حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "گھر ہوتا تو ضرور لے جاتا۔ ہم جیسے خانہ بدوش جہاں بیٹھ جائیں اسی جگہ کو اپنا آشیانہ سمجھ لیتے ہیں لیکن تمہیں لے کر میں ہر جگہ بیٹھنے کا تصور نہیں کرسکتا۔"

"کل تو تم نے بڑے زعم کے ساتھ اپنی مہمان داری کا ذکر کیا تھا" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مہمان داری تو آواری ٹاورز سے پرل کانٹی نینٹل تک کہیں بھی کی جاسکتی ہے۔ میں نے اپنے گھر کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ ساری بات وہیں آجاتی ہے کہ گھر ہو تو اس کا ذکر اچھا لگتا ہے۔"

"اور اگر میں بھی تمہیں اپنے گھر لے جانے سے انکار کردوں" وہ رفتہ رفتہ راہ پر آرہی تھی۔

"اگر مسٹر نرائن آگئے ہیں تو میں خود بھی تمہارے گھر سے دور رہنا پسند کروں گا۔"

اس بار وہ کھلکھلا کر بے ساختہ ہنس پڑی تھی "اب میں فون بند کر رہی ہوں۔ پانچ بجنے والے ہیں، تمہیں نہا دھو کر نیلا سوٹ پہننا ہے۔ گلاب کی کلی خریدنا ہے اور پھر سوا پانچ سے پہلے ٹیکسی میں آواری ٹاورز پہنچنا ہے۔ اتنے کاموں کے لئے وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ میں زیادہ دیر تک وہاں انتظار نہیں کروں گی" اس نے اپنی کار کا نمبر بتا کر فون بند کردیا۔

مجھے نہانا دھونا تو خاک بھی نہیں تھا۔ نیلے سوٹ کی پتلون اور سفید قمیص پہلے سے میرے بدن پر موجود تھی۔ گلے میں سرخ ٹائی باندھ کر میں نے کوٹ پہنا، اتنی دیر میں سلطان شاہ نے جہانگیر کے گھر کا نمبر ملالیا۔

"رات کو تم کچھ کہے سنے بغیر کہاں غائب ہوگئے تھے؟" جہانگیر نے میری آواز سنتے ہی شکوہ شروع کردیا مگر میں نے فوراً ہی اسے خاموش کردیا اور سرد لہجے میں ویرا سے بات کرانے کی ہدایت کی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے اسے ذرا بھی ڈھیل دی تو وہ اپنی پچھلی رات کی بے اعتدالیوں کا جواز دیتے دیتے میرا بھیجا چوپٹ کردیتا۔

"رات کو تم اپنے مکان پر موجود رہنا" ویرا کے لائن پر آنے پر میں نے کہا "مجھے یقین ہے کہ بلیک کیٹ ٹی تم سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ اس کی نئی باتوں پر تم آزادی کے ساتھ اپنی حیرت اور لاعلمی کا اظہار کرسکتی ہو۔ بس یہ یاد رکھنا کہ کل رات دس بجے کے بعد سے میں مسلسل لاپتا ہوں۔"

"تم جو کچھ بک رہے ہو، اس میں شبہ ہی کیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"صبح کے اخبارات میں کچھ نہیں آسکا تھا۔ شام بلکہ دوپہر کے بیشتر اخبارات کی شہ سرخیاں تمہیں میری مصروفیات سے باخبر کردیں گی۔ باقی تفصیلات ملاقات ہونے پر بتاؤں گا۔"

"آج تو تمہیں شانتی نرائن سے بھی ملنا تھا" اس نے چونکی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس وقت اسی سے ملنے جارہا ہوں۔ بس تم مری مغفرت کی دعائیں کرتی رہنا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہر اعتبار سے تمہاری بھی خالہ ثابت ہوگی۔"

میں نے فون بند کردیا۔ مڑا تو سلطان شاہ بیم گن لئے کھڑا تھا "یہ ساتھ لے جاؤ۔"

"میں کوئی ہتھیار نہیں لے جاؤں گا" میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا "یہ تم رکھ لو۔ دیر ہوگئی تو سارا کام خراب ہوجائے گا۔ یہاں سے راستہ بھی خاصا طویل ہے۔"

گاڑی میں روانہ ہونے کے بعد بھی سلطان شاہ مجھے مسلح کرنے پر مصر رہا لیکن میں نے سختی سے اسے ٹال دیا۔ شانتی ایک آزاد خیال عورت معلوم ہوتی تھی اور مجھ سے بے تکلفی کے بہانے میرے بدن پر ہاتھ پھیر کر بہ آسانی میری جامہ تلاشی لے سکتی تھی اگر اسے میرے مسلح ہونے کا شبہ بھی ہوجاتا تو وہ میری طرف سے بے اعتمادی کا شکار ہوسکتی تھی [illegible] میں ہر قیمت پر اسے شیشے میں اتارنے کا ارادہ لے

آواری ٹاورز جارہا تھا۔

میرے ایما پر سلطان شاہ نے شرف آباد سے نکل کر کار شہید ملت روڈ پر موڑلی اور آگے چل کر ہم طارق روڈ پر مڑ گئے اس وقت پانچ بجنے والے تھے' اس لئے ٹریفک کا پر ہجوم ریلا سڑکوں پر نہیں آیا تھا۔ طارق روڈ کے اختتام پر قبرستان کے سامنے پھول والے بیٹھے تھے جن سے میں نے منہ مانگے داموں پر گلاب کی ادھ کھلی اور بن کھلی کلیوں کا ایک ہار خریدا اور اس میں سے ایک بغیر کھلی ہوئی کلی الگ کرکے بقیہ ہار سلطان شاہ کی گود میں ڈال دیا۔

سندھی مسلم سوسائٹی سے گزرتے ہوئے مجھے گردھاری لال کا خیال آیا جس کا مکان ہمارے داہنے ہاتھ کی گلیوں میں سے کسی ایک میں واقع تھا۔ اس کا قتل صبح کے اولین لمحات میں ہوا تھا' اس لئے قتل کی خبر شام کے اخبارات نے شائع کی تھی اگر میرے دو فائروں نے گردھاری لال کے پڑوسیوں اور علاقے کے چوکیدار کو چونکانا نہ کیا ہوتا تو شاید اس بے چارے آڑھتی کی لاش کئی دن تک اس مکان میں سڑتی رہتی اور کوئی اس کا پرسان حال نہ ہوتا۔ اخباری اور پولیس کے ذرائع نے گردھاری لال کے بہیمانہ قتل کو خاندانی تنازع کا نتیجہ قرار دیا تھا کیونکہ گردھاری لال کی بیوی اس سے لڑ کر کئی ماہ قبل بچوں سمیت اپنے میکے چلی گئی تھی۔ جو شکار پور میں واقع تھا۔ پولیس کی ایک جماعت گردھاری لال کی بیوی اور اس کے میکے والوں کو تفتیش میں شامل کرنے کے لئے فوری طور پر شکار پور روانہ ہوگئی تھی۔ سہل ترین انداز میں وہ قصہ نمٹانے کی کوششوں میں 'اہل کاروں نے گردھاری لال کی موت کا سبب بننے والی گولی کے علاوہ باقی دو گولیوں اور دودستی بموں کی باقیات کو اس بری طرح نظر انداز کیا تھا کہ خبروں میں ان کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں تھا۔

شاہراہ فیصل پر آتے ہی میں نے سلطان شاہ کو بریف کرنا شروع کردیا "شارع فیصل اور فاطمہ جناح روڈ کے سنگم پر جو چوراہا ہے۔ تم مجھے وہاں اتار دینا میں سڑک عبور کرکے' ٹہلتا ہوا ہوٹل کے ریمپ پر چڑھ جاؤں گا۔ اس اثنا میں تم میٹروپول ہوٹل کا طواف کرکے سامنے سے اسی طرف داخل ہوجانا ـــ برآمدے سے گزر کر جب تم ریمپ سے اترو گے تو ڈھلان کے اختتام پر میں اس کے ساتھ موجود ملوں گا۔ تمہاری کار نظر آنے تک میں کسی نہ کسی طرح اسے الجھائے رکھوں گا۔ تمہیں محفوظ فاصلے پر رہتے ہوئے بہت احتیاط سے اس کا پیچھا کرنا ہے۔ آگے کیا کرنا ہے وہ تم اچھی طرح جانتے ہو لیکن غیر ضروری طور پر عجلت یا بے احتیاطی سے کام نہ لینا۔ شانتی اپنی باتوں سے بہت چالاک اور مکار عورت معلوم ہے۔"

"اس کی کار کا نمبر اور راستہ بتادو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے مجھے مقررہ مقام تک پہنچنے میں دیر ہوجائے تو کم از کم آگے ... سے تلاش کرسکوں" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں سوال کیا۔

"وہ کلفٹن کے علاقے میں' ایک فلیٹ میں رہتی ہے" میں نے شانتی کی کار کا سفارتی نمبر دہراتے ہوئے کہا۔ "... سے نکل کر وہ فریئر ہال کے سامنے سے بھی گزر سکتی ہے فاطمہ جناح روڈ پر اپنے کاؤنسلیٹ والی راہ بھی اختیار کر... ہے لیکن کلفٹن کے پل سے ہر حال میں گزرے گی۔ تم ... کہیں اسے پکڑ سکتے ہو۔"

چند ثانیوں کے بعد ہم ہوٹل مہران کے سامنے ... گزرے اور مقررہ چوراہا جس سے داہنی طرف ہوٹل آواری ٹاورز سر اٹھائے کھڑا ہوا تھا اور بائیں طرف والی سڑک پر ... کے کاؤنسلیٹ کا دفتر واقع تھا۔ سلطان شاہ نے چوراہے ... گھومتے ہوئے ٹریفک کی آڑ میں' لمحہ بھر کے لئے کار روکی ... میں دروازہ کھول کر وہیں اتر گیا۔ سلطان شاہ نے دروازہ ... ہوتے ہی اپنی کار آگے بڑھادی اور میں موقع پاکر سڑک عبور کرگیا۔

دوسرے ٹریک پر' سگنل بند ہونے کی وجہ سے قطعی ٹریفک نہیں تھا۔ اس لئے چند ثانیوں میں آواری ٹاورز ... سائے میں پہنچ گیا۔ میرے لئے ریمپ پر چڑھنا بے سود ... کیونکہ میں نے شانتی کو اس کے اختتام کا مشورہ دیا تھا۔

ہوٹل کے ریستوران اور دوسرے دفتر کے سامنے ... گزرتا ہوا' میں مقررہ مقام پر پہنچا تو سامنے ہی کنکریٹ کی دیوار کے ساتھ مطلوبہ کار کھڑی ہوئی نظر آگئی۔ اس میں سوار خاتون پر نظر پڑتے ہی' میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ نسوانی حسن و جمال کی ہر وہ تعریف جو تصور میں آسکتی ہے' اس خاتون میں مجسم نظر آرہی تھی۔

گوری رنگت' تیکھے نقوش' مسکراتے ہوئے گلابی ہونٹ' بڑی بڑی سیاہ آنکھیں' شانوں تک تراشے ہوئے سنہرے بال اور بغیر آستین والے بلاؤز کے ساتھ' ساڑی میں ملبوس وہ خاتون حسن کے ساتھ ساتھ نسوانی وقار کا ایک پیکر نظر آرہی تھی جسے چھوتے ہوئے بھی خوف آتا ہو کہیں وہ چیخ نہ جائے۔

وہ مسکراتے ہوئے میری ہی طرف دیکھ رہی تھی ... نہ وہ میری تھی اور نہ میرا اس سے کوئی ... تھا لیکن پھر بھی' صرف اس خیال سے میرا سینہ پھول گیا کہ شانتی جیسی لاکھوں میں ایک' حسینہ وہاں میرا انتظار کررہی تھی۔ اس نے اپنی کار داہنی طرف' دیوار سے ملا کر لگائی ہوئی تھی اس لئے اس کے نیچے اترنے کی گنجائش نہیں تھی۔ ... نے نیلا سوٹ اور کالر میں گلاب کی کلی دیکھ کر مجھے پہچان لیا ... اس لیے میرے قریب پہنچتے ہی اس نے جھک کر پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس کی ذات اس قدر سحر انگیز تھی کہ اس قدر واضح پیشکش کے باوجود میں لمحہ بھر کے لئے ٹھٹک کر رہ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسی کے بجائے پیدل چل کر آرہے ہو" اس نے بے ساختہ مسکراہٹ کے ساتھ یوں کہا جیسے ہم مدت سے ایک دوسرے کے صورت آشنا ہوں "یا کسی سے لفٹ لے کر آئے ہو؟"

میں اس کے وجود کی رعنائیوں کے دیدار میں کھویا ہوا تھا اس کی رسیلی اور مترنم آواز سن کر چونکا اور ایک جھٹکے سے اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کار میں گھستے ہی' شانتی کے وجود کی حیوانی مہکار نہایت وحشیانہ شدت سے میرے اعصاب پر حملہ آور ہوئی تھی۔ اس بو میں کسی دھیمے پرفیوم کی خوشبو بھی شامل تھی لیکن ان دونوں میں اتنا واضح فرق تھا کہ اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں تھا۔

"ٹیکسی میں نے اس پار ہی چھوڑدی تھی" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "چند قدم کے فاصلے کے لئے اتنا لمبا چکر کاٹنے میں خاصا وقت خراب ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے دیر نہیں ہوئی ہے۔"

"دیر تو ہوئی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں تم سے پہلے یہاں موجود ہوں" میں جانتا تھا کہ وہ کون تھی مگر پھر بھی مجھے اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں معصومانہ سی شوخی رقصاں نظر آرہی تھی۔

"پہلے کبھی تمہیں دیکھ لیا ہوتا تو تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی انتظار نہ کرنے دیتا" میں نے ٹانگیں پائیدان پر رکھ کر اپنی سمت کا دروازہ بند کرلیا۔ میں گھر سے ہی یہ سوچ کر چلا تھا کہ شانتی کو یہ یقین دلانے کی اداکاری کروں گا کہ میں اس کے تیر نظر سے گھائل ہوگیا تھا لیکن میں محسوس کررہا تھا کہ اسے دیکھ لینے کے بعد میرے جو جذبات تھے' ان کی وجہ سے مجھے کسی اداکاری کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ شانتی سحر خیز شخصیت' طلسم انگیز سراپا اور فسوں خیز اطوار کی مالک تھی۔ وہ خود بھی اپنے وجود کی ان حشر سامانیوں سے بے خبر نہیں تھی۔ تبھی اس نے اپنی گداز اور شہابی بانہوں کو نمایاں کرنے کے لئے سیاہ سلک کا مختصر سا' بغیر آستین والا بلاؤز پہنا ہوا تھا جس پر زرد اور سیاہ ساڑی عجیب رنگ دکھا رہی تھی۔ مختصر سے ان چند لمحوں میں نہ جانے کتنی بار میرے دل میں یہ طفلانہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی بہانے سے اس کے گلابی' شہابی بازو کو چھو کر حسن و ادا کی اس دیوی کے بدن کا لمس تو محسوس کروں جس سے پتا چل سکے کہ وہ آسمان سے اتری ہوئی کوئی اپسرا نہیں بلکہ میری طرح کی ایک انسان تھی۔

اس نے جس رفتار سے گاڑی ریمپ سے نکال کر گھمائی تھی' اس سے ظاہر ہوا کہ وہ کھلنڈری طبیعت کی مالک تھی۔ شاید خطروں سے الجھنا اور الجھ کر بچ نکلنا اس کی ہابی تھی۔ اسی وجہ سے وہ سیکرٹ ایجنٹ بنی ہوئی تھی۔ اسے قریب سے دیکھ کر اس کے پیشہ ور رقیبوں کے نصیب کی سیاہی کا اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں تھا۔

"تم چپ کیوں ہو پیٹر جی" حیوانی مہکار میں شانتی کی

رسیلی آواز ابھری "کیا مجھ سے مل کر مایوس ہوئے ہو؟"

"مجھے حیرت ہے کہ تم جیسی حسین پتنی کو شری نرائن نے ایسا خطرناک پیشہ اختیار کرنے کی چھوٹ کیسے دی ہوئی ہے" میں نے اپنے اوپر طاری ہونے والی مرعوبیت کے حصار کو توڑتے ہوئے کہا۔

"تم سے ملنے کا یہ مطلب نہیں کہ میرا پیشہ بہت خطرناک ہے کیونکہ میں اپنے کاؤنسلیٹ کی پبلک ریلیشنز آفیسر ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے کوئی پتی ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں۔ یہ تو خیر چھوٹی موٹی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہوں۔ ٹارگٹ شوٹنگ میں سات اور کراٹے میں تین ٹرافیاں جیت چکی ہوں" اس وقت وہ کسی سیکرٹ ایجنٹ کے بجائے ایک الہڑ دوشیزہ معلوم ہورہی تھی جو اپنے کارنامے گنا کر خوش ہورہی ہو۔

"پتی پیدا نہیں ہوئے" میں نے حیرت سے دہرایا "تو یہ مسز شانتی نرائن کا کیا ڈھکوسلا ہے؟"

"مس رہتے ہیں تو قدم قدم پر شادی کے امیدوار تڑپتے اور پھڑکتے رہتے ہیں۔ مسز بن جانے سے ایسے جنجالوں سے جان بچی رہتی ہے۔ خاص خاص لوگوں کو میں خود ہی اندر کی بات بتادیتی ہوں۔"

"مجھے تم نے کب سے اپنے خاص آدمیوں میں شامل کرلیا ہے؟" میں پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"رام دیال نے کہا تھا کہ تم کوئی بہت ہی خاص آدمی ہو۔ جب تک تم خود بگاڑ پیدا نہیں کروگے' میں پورے خلوص کے ساتھ تم کو اپنا خاص آدمی سمجھتی رہوں گی۔ مجھے معلوم ہے کہ ہمارا اور تمہارا اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔"

مجھے ان لوگوں کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے جنہوں نے کراچی میں تم کو پی آر او مقرر کیا ہے۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات پر اس شہر کے لوگ آنکھیں بند کرکے یقین کرلیتے ہوں گے؟"

"زبان سے تو سب ایسا ہی کہتے ہیں' اندر کی بات وہ خود جانتے ہوں گے" اس نے معصومانہ بے بسی سے کہا پھر یک بیک موضوع بدلتے ہوئے بولی "میرے ہاتھ کی سبزی کھاؤ گے یا بازار سے کچھ لیتے چلیں؟"

"میزبان تم ہو' اس لئے انتخاب کا اختیار بھی تم ہی کو ہے" میں نے کہا۔

وہ اچانک کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ گاڑی چلاتے ہوئے خاصی دیر تک ہنستی رہی اور میں یہ سوچتا رہا کہ مجھ سے ایسا کون سا لطیفہ سرزد ہوگیا تھا جس نے اسے یوں ہنسنے پر مجبور کردیا تھا

جب اس کی ہنسی قابو میں آئی تو اس نے وہ پہیلی خود ہی حل کردی اور بولی "ابھی پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے ہیں۔ کراچی میں لوگ کہیں بھی ہوں' آٹھ' نو بجے سے پہلے ڈنر نہیں لیتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک تم میرے ساتھ ہی رہوگے۔"

"تم سے مل کر اپنی مرضی سے واپس لوٹنا بدذوقی ہوگی۔ جب تم چاہو، بی، میں اٹھ کر چلا آؤں گا۔ مجھے تو تم سے کچھ دیر باتیں کرنی ہیں، اس کے بعد بیٹھنا یا نہ بیٹھنا تمہاری مرضی پر منحصر ہوگا" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

اس نے دوستانہ انداز میں میرے داہنے شانے پر ہاتھ مارا اور جلدی سی بولی "ارے! اتنی سی بات کا برا مان گئے؟ میں بات بے بات پر ہنس بول کر زندہ رہنے کی عادی ہوں۔ مذاق کی باتوں پر برا مناؤ گے تو ہم دونوں بہت جلد ایک دوسرے سے بدظن ہو جائیں گے۔ خوش رہنا آج کے دور میں زندگی کا سب سے بڑا انعام ہے۔"

"رفتہ رفتہ میں تمہارے مزاج کو سمجھ جاؤں گا" میں نے بے پروائی اختیار کرنے کی کوشش میں کہا "آج تو تم بار بار مجھے حیران کئے دے رہی ہو۔ کبھی بیس برس کی ایک الہڑ دوشیزہ نظر آنے لگتی ہو اور کبھی ایک پختہ کار عورت کا روپ دھار لیتی ہو۔"

اس نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا "حالانکہ میں ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوں!"

اچانک اس کی گاڑی میں ڈیش بورڈ کے کسی حصے سے الیکٹرانک الارم کی اک ہلکی سی آواز ابھری اور فوراً ہی معدوم ہوگئی۔

"یہ کیسی آواز تھی؟" میں نے وہ سوال کرتے ہوئے اپنے لاشعور میں خوف کی ایک موہوم سی لہر ابھرتی ہوئی محسوس کی۔

"اس گاڑی میں ایسے کئی شعبدے نصب ہیں" وہ ہنستے ہوئے بولی "مثال کے طور پر تم ڈیش بورڈ میں اپنے سامنے دیکھو تو کوارٹز کلاک کے برابر میں تمہیں ایک گول سوراخ نظر آئے گا۔ بظاہر یہ ڈیش بورڈ کی ساخت کا ایک حصہ نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک پوشیدہ پستول کی نال ہے جس کا رخ تمہارے سینے کی طرف ہے۔ یہ پستول ہر وقت لوڈ رہتا ہے اور اس کا ٹریگر ایک برقی سولینائیڈ سے آپریٹ ہوتا ہے جس کا کنٹرول میرے پاس ہوتا ہے۔ میں جب چاہوں، ایک سوئچ دبا کر اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص پر یکے بعد دیگرے چھ فائر کر سکتی ہوں۔ یہ صرف حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب اس کی ضرورت پیش آجائے۔"

"پھر تو تمہاری ہم نشینی مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے" میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔ الارم کی آواز کے بعد اس کی وضاحت مجھے کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی لیکن میں اس پر اپنے کسی اندیشے کا اظہار کرنے سے قاصر تھا۔

"دشمنوں کے لئے مہلک ہو سکتی ہے، دوستوں کے لئے یہ بے ضرر ہے۔ تمہیں اس سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہمارے پیشے میں خطرات اچانک ہی نازل ہوتے ہیں۔"

"کہیں یہ میرے لئے کوئی دھمکی تو نہیں ہے؟" میں نے اپنے اندیشوں پر غالب آتے ہوئے سرسری سوال کیا۔

"ارے نہیں" وہ پھر ہنس پڑی "تھوڑی دیر کی بات ہے۔ میں راستے میں سپر اسٹور سے روزمرہ کی اپنی چھ... کروں گی پھر ہم فلیٹ میں مزے سے خوش گپیاں کریں گے۔ تم چاہو گے تو کام کی باتیں بھی ہو جائیں گی۔"

اس کے لب و لہجے نے مجھے مطمئن کردیا۔ اس... میں، میں دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ جہانگیر کی سیاہ ... مناسب فاصلے سے ہمارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کسی بھی خطر... صورت میں وہ فوری طور پر میری مدد کر سکتا تھا۔

اگلے چوراہے پر شانتی نے اپنی کار سپر اسٹور کے ... روک دی۔ اس کی فرمائش پر مجھے بھی کار سے اترنا پڑا... وقت اسٹور میں خریداروں کی خاصی بھیڑ تھی۔ اس ... شانتی میرے بدن سے بالکل لگ کر چل رہی تھی۔ ایک... بار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ جامہ تلاشی کے انداز میں بدن ٹٹول رہی ہو لیکن اس کی مخمور نگاہوں کا سامنا ہو... میرے شکوک و شبہات یک بیک ذہن سے پھسل پڑتے...

وہ گھرداری کی متعدد اشیا اپنی ٹوکری میں ڈالتی جا رہی... جب ٹوکری کا وزن بڑھنے لگا تو میں نے اخلاقاً اپنی خدمات... کردیں۔ اس نے پنیر اور بسکٹوں سے لے کر صابن او... پیسٹ تک کی خریداری کر ڈالی تو مجھے محسوس ہوا... خریداری میں دانستہ خاصا وقت صرف کرنے کی ک... کر رہی تھی۔ جب اس نے خوشبویات والے شیلف... لینا شروع کیا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج تم دفتر سے پورے م... خریداری کا ارادہ کرکے نکلی ہو" میں نے ہلکے سے طن... میں کہا تھا۔

"اوہ! سوری ڈارلنگ" اس نے لپک کر بڑے والہانہ... میں دونوں ہاتھوں سے میرا داہنا بازو تھام لیا "گھرد... معاملے میں، میں بہت بے پروا واقع ہوئی ہوں۔ آج... وجہ سے اسٹور میں آئی تو یاد آیا کہ گھر میں ہر چیز ختم ہو... ہے۔ آؤ، بس اب چلتے ہیں۔"

میں نہایت سعادت مندی کے ساتھ اس کے... ہولیا۔ اس پورے وقت میں، میں نے یہ نوٹ کیا تھا کہ... میں موجود ہر شخص شانتی کو دیکھ کر مبہوت ہوئے بغیر... سکا تھا۔ عورتوں کی نگاہوں میں رشک و حسد کے جذبا... اور مرد تو پیدا ہی مرمٹنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ان میں... زیادہ حریص اور ندیدے تھے، وہ اسے اپنے کندھوں اور... سے چھوتے ہوئے بھی گزر گئے تھے لیکن شانتی نے... توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اپنی خریداری میں محو تھی یا میری... متوجہ تھی۔

رقم کی ادائیگی کے بعد ہم واپس لوٹ کر کار میں بیٹھے...

تو میں نے ازراہ مذاق کہا "میرا خیال ہے، مجھے پیچھے یا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنا چاہئے۔ پتا نہیں، کب تم غلطی سے وہ خفیہ سوئچ دبا بیٹھو!"

"میں غلطی نہیں کرتی" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔ "بس ذرا سی دیر کی بات ہے، اب ہم فلیٹ کے قریب ہیں۔"

کار میں سوار ہونے تک میں نے موقع پاکر سیاہ شیراڈ کو دیکھنا چاہا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ سروس لین میں آگے جاکر میں نے پہلے سلطان شاہ کو دیکھا جس کے چہرے پر تشویش کی آثار تھے۔ پھر اسی کے قریب شیراڈ بھی نظر آگئی۔ اس کے پچھلے ٹائر فلیٹ تھے۔

گاڑی مین روڈ پر پہنچی ہی تھی کہ شانتی کی کار میں ایک مرتبہ پھر ایمبرانک الارم کی ہلکی سی آواز گونجی۔

"اوہ شٹ!" شانتی نے دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا اور کار کی رفتار ایک دم بڑھادی۔

"کس پر دانت پیس رہی ہو" میں نے ہولے سے سوال کیا۔

"کسی پر نہیں۔ پنڈلی میں کریمپ آگیا تھا" وہ خوشگوار لہجے میں بولی "تم میرے خفیہ پستول سے بلاوجہ ہی خوف زدہ ہورہے ہو۔ میں تمہیں یہ بتانا تو بھول ہی گئی تھی کہ پستول بے آواز بھی ہے۔ جب تک گولی سینے میں نہ اترے، شکار کو پتا ہی نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پچھلی بار تم نے جو الارم سنا تھا، اس کے ذریعے مجھے راستے میں کہیں رکنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ کوئی میرا پیچھا کررہا تھا اور میرے محافظ اسے چیک کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے الارم کے ذریعے ان میں سے کسی نے مجھ سے بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ میں اپنا ایرپیس آن کرنے جارہی ہوں۔ تم اطمینان اور خاموشی سے ساری گفتگو سنوگے، ورنہ میری اور تمہاری دوستی ختم ہوجائے گی۔"

اس کے وہ انکشافات سن کر میرا دماغ سن ہوکر رہ گیا۔ اس نے بڑی ہوشیاری اور مہارت سے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ میں اس کا قیدی بن چکا تھا اور اگر میں اس کی مرضی سے انحراف کرتا تو ڈیش بورڈ میں پوشیدہ پستول کی ایک بے آواز گولی میرا کام تمام کرسکتی تھی۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں ساری صورتحال مجھ پر اچھی طرح واضح کردی تھی۔

اس وقت تک وہ گاڑی اگلے چوراہے سے داہنی طرف موڑ کر ویران ساحلی پٹی کی طرف لے چکی تھی اور پھر اس نے ہاتھ بڑھاکر اپنے ایرپیس کا سوئچ آن کردیا اور کار کی رفتار کم کردی۔

"...ٹی کالنگ فار نمبر ٹو" ایرپیس پر ایک بھاری مردانہ آواز بے تابانہ انداز میں وقفے وقفے سے پیغام دہرا رہی تھی۔ ریڈیائی شور کی وجہ سے لب ولہجہ واضح نہیں تھا لیکن میں آواز سن کر چونک پڑا کیونکہ اس میں بلیک کیٹ ٹی سے بہت زیادہ مماثلت تھی۔

"نمبر ٹو ریسیونگ" شانتی نے سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آواز کی ساری چاشنی یک بیک کافور ہوچکی تھی اور اس کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔

"تم بہت احمق اور بے پروا ہو" غصیلی مردانہ آواز ابھری "ہوٹل سے ایک سیاہ شیراڈ مسلسل تمہارا پیچھا کررہی تھی۔ سپر اسٹور کے قریب اس کے دو ٹائر ناکارہ کردیئے گئے ہیں اور اب میدان صاف ہے۔ تمہیں فلیٹ کا رخ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پروگرام بدل دیا ہے۔ قیدی سے فلیٹ میں باز پرس کی گئی تو پوری بلڈنگ میں ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔"

"پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟" خاموشی چھاتے ہی شانتی نے کسی فرماں بردار ماتحت کی طرح سوال کیا۔

"اسے اسٹیشن پر لے آؤ، میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔ اوور اینڈ آل!"

شانتی نے ہاتھ بڑھاکر ایرپیس کا سوئچ آف کردیا۔

میں اس وقت پستول کے سامنے بہت خطرناک پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے کوئی مداخلت کئے بغیر صبر وسکون سے وہ گفتگو سنتا اور شانتی کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

بات ختم ہونے پر میں نے اپنے وجود میں برپا طوفان پر قابو پاتے ہوئے شانتی سے پرسکون لہجے میں پوچھا "یہ کس سے اور کس کے بارے میں بات ہورہی تھی تمہاری؟"

اس نے کڑے تیوروں سے گھور کر میری طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔ اس بار اس کی ہنسی میں نہ لوچ تھا، نہ کھنک۔ اس ہنسی میں صرف درندگی اور خون کی پیاس جھلک رہی تھی۔

"ابھی سب پتا چل جائے گا ڈینی مہاراج!" اس نے غراتے ہوئے کہا اور موڑ لے کر کار کی رفتار ایک بار پھر بڑھادی۔

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میرا انجام تو جو ہونا تھا سو ہونا ہی تھا مگر وہ عورت مجھے بار بار حیرت کے سمندر میں غوطے دیئے جارہی تھی۔

میرے ذہن میں بے اختیار سلطان شاہ کی پیش گوئی گونجنے لگی۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے زندگی کی سب سے بڑی زک کسی حسین اور خوبرو عورت کے ہاتھوں اٹھانا ہوگی اور وہ ہوتا نظر آرہا تھا۔

کار کا انجن پوری قوت سے مگر ہموار آواز میں غرا رہا تھا۔ شانتی کلفٹن کی بھری پری، بارونق شاہراہ پر ایک قیدی کو لے کر کسی پر اسرار ٹھکانے کی طرف اڑائے لئے جارہی تھی۔

صورت حال نے یک بیک ہولناک اور روح فرسا رخ اختیار کرلیا تھا۔

میں بلیک کیٹ ٹی کو اپنی دانست میں چکما دے کر خوبرو شانتی نرائن سے ملنے کے لئے نکلا تو میرے ذہن میں خاکہ بنا ہوا تھا کہ میں اس دلربا نازنین سے کچھ ایسی خفیہ باتیں اگلوانے میں کامیاب ہوجاؤں گا جو اس وقت تک میرے علم میں نہیں تھیں اور ان کی روشنی میں میرے لئے بلیک کیٹ ٹی پر کاری ضرب لگانا آسان ہوجائے گا۔

لیکن شانتی نرائن میری توقع کے خلاف ایک گھاگ اور زیرک سیکرٹ ایجنٹ ثابت ہورہی تھی۔ وہ کسی روایتی مشرقی عورت کی طرح آسانی سے میری باتوں میں آنے والی نہیں تھی۔ مجھ سے ملاقات سے پہلے اس نے اپنے اطمینان کا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اس کا ولی نعمت اس کو تحفظ فراہم کررہا تھا اور ہمارے آواری ٹاورز سے روانہ ہوتے ہی پیچھا کرنے والوں نے بھانپ لیا تھا کہ کوئی اجنبی اپنی کار میں شانتی کا پیچھا کررہا ہے۔

میں نے شانتی کے ہمراہ سپر اسٹور سے واپس لوٹتے ہوئے سلطان شاہ کی پریشان حالی بھانپ لی تھی۔ اس کی کار کا ایک فلیٹ ٹائر تو میں نے بھی دیکھ لیا تھا لیکن ٹرانسمٹر پر ہونے والی شانتی کی گفتگو سے میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس بے چارے کی کار کا دوسرا ٹائر ناکارہ کرکے اسے رکنے پر مجبور کردیا گیا تھا اور وہی اس کی پریشانی کا اصل سبب تھا۔ ایک ٹائر کی بات ہوتی تو وہ فوراً ہی کار کو جیک پر چڑھا کر ٹائر بدلنے کی تیاری شروع کرچکا ہوتا لیکن بیک وقت دو ٹائروں کا ناکارہ ہونا بڑے سے بڑے افلاطون کے لئے بھی تشویش کا باعث بن سکتا تھا۔

میں نے راستے میں سلطان شاہ کو اس کے مشن کے بارے میں بریف کردیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں بالکل غیر مسلح تھا۔ دوسری طرف دو ٹائر ناکارہ ہونے کے بعد اس نے فوراً ہی سمجھ لیا ہوگا کہ مجھے کوئی سنگین خطرہ درپیش تھا۔ ایسے حالات میں تعاقب کا یکایک موقوف ہونا میرے حق میں بدترین ثابت ہوسکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ سلطان شاہ کوئی متبادل حل تلاش کرنے تک ہی ہمارے ہر سراغ سے محروم ہوچکا ہوگا۔

دوسری طرف شانتی سے بات کرنے والے کی شناسا آواز تھی۔ اس نے خود کو صرف ٹی کہا تھا۔ لیکن وہ شاید ان کی باہمی شناخت کے لئے کافی تھا جبکہ وہی آواز مجھ سے یا دیراسے بلیک کیٹ ٹی کے طور پر متعارف تھی۔ اس نے شانتی کو نمبر ٹو کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اگر شانتی واقعی بلیک کیٹ ٹی کی براہ راست مددگار تھی تو مجھے بڑی چوٹ ہوچکی تھی اور میرے لئے مصائب کے کسی نئے سلسلے کا آغاز ہونے والا تھا۔

جب اسلام آباد میں اس کے سفارت خانے کے ایک اہل کار، رام دیال سے فون پر بات کرتے ہوئے مسز شانتی نرائن کا نام میرے سامنے آیا تو میرا خیال تھا کہ وہ بلیک کیٹ ٹی کے اثر و رسوخ سے آزاد ایک ایسی عورت ہوگی جسے اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا کر میں اسے بہت کچھ اگلنے پر مجبور کردوں گا۔ لیکن وہ ایسی چالاک اور مکار ثابت ہوئی تھی کہ اس نے لچھے دار گفتگو کا مرحلہ آنے سے پہلے ہی مجھے بے بس کرڈالا تھا اور یک بیک میری تقدیر کی مالک بن بیٹھی تھی۔

میرے لئے بلیک کیٹ ٹی اور شانتی کا وہ براہ راست تعلق بہت تشویش انگیز تھا۔ سیاسی اور سفارتی جرائم سے براہِ راست کوئی واسطہ نہ ہونے کے باوجود میں جانتا تھا کہ حساس ممالک اور کشیدگی کے خطوں میں ہر ملک اپنے سفارت خانے کو ہر حالت میں اور ہر قیمت پر ایسے واقعات سے حتی الامکان دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے جن کے انکشاف کی صورت میں اس کے سفارت خانے کو شرمندگی، بدنامی یا رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔ ان کے لئے کام کرنے والے سیکرٹ ایجنٹ، تخریب کار، دہشت گرد اور گوریلے بھی عام طور سے ان سے دور رہتے ہیں اور انہیں یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی ڈوریاں ہلانے والا کون اور کہاں ہے۔ اپنے اندازوں کی بنا پر اگر وہ کوئی موہوم سی رائے قائم بھی کرلیں تو اس میں کوئی وزن نہیں ہوتا اور پکڑے جانے کی صورت میں وہ اپنے پس پردہ آقاؤں کے لئے کوئی خطرہ ثابت نہیں ہوتے۔ اپنی مکمل بے خبری کے باعث وہ اپنے حریفوں کے لئے قطعی بے مصرف ثابت ہوتے ہیں اور خاموشی کے ساتھ ان کی جگہ کوئی دوسرا مہرہ تیار کرلیا جاتا ہے جو اپنی کارکردگی کے سہارے ترقی کرنے کے جوش میں زیادہ کار آمد ثابت ہوتا ہے۔

لیکن شانتی نرائن کے معاملے میں وہ اصول سرے سے غلط نظر آرہا تھا۔

وہ کھل کر بلیک کیٹ ٹی کی باغیانہ سرگرمیوں میں اس کی معاونت کررہی تھی۔ اپنی گاڑی میں خفیہ اور بے آواز پستول کے ساتھ ہی ایک ایسا ٹرانسمٹر بھی لئے گھوم رہی تھی جس پر براہِ راست بلیک کیٹ ٹی سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بلیک کیٹ ٹی کی ہدایت پر وہ مجھے اپنے فلیٹ کی بجائے کسی نامعلوم اسٹیشن کی طرف لئے جارہی تھی۔ جس سے اس کا اور بلیک کیٹ ٹی کا براہِ راست رابطہ تھا۔ اس کی بے خوفی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے مقامی حکام اور قانون کا ذرا بھی اندیشہ نہیں تھا یا پھر وہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے ان...

تک قربان کردینے کی حد تک آمادہ و تیار تھی۔

ایک اسی کی بات نہیں تھی، اس سے پہلے سلطان شاہ نے کرنل میش پال کر پکڑا تھا جو ایک اہم سفارتی افسر ہوتے ہوئے بلیک کیٹ ٹی کا ضامن بننے کے لئے تیار تھا۔

جب جنگ کی رفتار ست اور مدافعانہ ہو تو ہر قدم بہت سوچ سمجھ کراور راز داری کے ساتھ اٹھایا جاتا ہے تاکہ دشمن کو اس کی ہوا نہ لگ سکے لیکن جب گھمسان کا رن پڑجائے اور دونوں طرف فنا یا بقا کا گمبھیر سوال حوصلوں کو مہمیز دینے لگے تو پھر ساری احتیاط اور راز داری کو بالائے طاق رکھ کر تیز اور بروقت کارروائیاں کی جانے لگتی ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کن فیصلوں کی پشت پر کون کام کررہا ہے اور اس کا ہدف کیا ہے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لوگ اپنی دانست میں جنگ کے دوسرے مرحلے میں پہنچے ہوئے تھے اور کھل کر کام کرنے کے موڈ میں آچکے تھے تاکہ جلد از جلد اپنے مقررہ ٹارگٹ حاصل کرسکیں۔

کامیابی کو گلے لگانے کی آرزو میں ان لوگوں نے ہر خطرہ مول لینے کا ارادہ کرلیا تھا۔

بلیک کیٹ ٹی کو اس غیر ملکی سفارت خانے سے الگ سمجھ لینا میری بہت سنگین غلطی تھی جس کا خمیازہ میں شانتی کا قیدی بن کر بھگت رہا تھا۔ کرنل میش پال کا اس سازش میں ملوث ہونا تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا تھا اور یہ بالکل واضح بات تھی کہ جب کوئی ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اپنے کارندوں اور اپنے فیلڈ ورکرز کی سرپرستی کرنے والوں کو سفارتی عہدوں کی آڑ میں چھاتا فراہم کرنے کی ضرورت سے گریز نہیں کرسکتا۔

بلیک کیٹس اس ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک انتہائی خوفناک اور سازشی شعبہ تھا جو را کی تنظیم سے الگ اور خود مختار تھا۔ را، ان کے ملک کا ایک باقاعدہ ادارہ تھا جس کے ملازمین ضوابط اور طریقۂ کار کے پابند تھے۔ اس ریگولر سروس کے اراکین کے لئے فوری اور آزادانہ فیصلے کرنا شاید اتنا سہل نہیں تھا، جتنا بلیک کیٹس کے لئے۔ اس کا ہر رکن اپنی جگہ ایک خود مختار اور مطلق العنان افسر ہوتا ہوگا جو کہیں بھی اور کوئی بھی فیصلہ کرکے اسے فوری طور پر نافذ کرسکتا تھا۔ اسے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے نہ کسی کی اجازت کی ضرورت تھی اور نہ منظوری کی کیونکہ ایسے لوگوں سے صرف نتائج کی امید رکھی جاتی ہے۔ اس بات سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتی کہ وہ مطلوبہ نتائج اور مقاصد حاصل کرنے کے لئے اپنی صوابدید پر کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔

شانتی نے مجھے اپنی کار کے ڈیش بورڈ میں نصب خفیہ اور بے آواز پستول کی نال کی زد میں ہونے کے رمز سے نہایت خوبصورتی سے آگاہ کردیا تھا پھر ٹرانسمٹو پر اس کی ہو[...] ہوئی وہ میرے لئے چونکا دینے والی تھی۔ میں نے سلطان[...] کی شیراڈ کا ٹائر فلیٹ ہونے کو محض ایک اتفاق سمجھا تھا[...] ٹرانسمٹو پر ہونے والی گفتگو سے ظاہر ہوا کہ شانتی کی باقا[...] نگرانی کی جارہی تھی۔ اس کے آدمیوں نے بھانپ لیا تھا کہ[...] شیراڈ میں اس کا پیچھا کیا جارہا تھا۔ اس لئے اسے کہیں ر[...] اشارہ دیا گیا اور شانتی خریداری کی غرض سے مجھے ساتھ لے[...] سپر اسٹور میں گھس گئی۔ وہ وہاں جس انداز میں خریداری[...] رہی اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت گزار[...] کی کوشش کررہی تھی۔ بعد کے واقعات سے ظاہر ہو گیا کہ[...] اسٹور میں دیر لگا کر دراصل وہ اپنے ساتھیوں کو کام دکھا[...] مہلت دے رہی تھی۔ شاید سلطان شاہ کو اندازہ نہیں ہ[...] تھا کہ کوئی اس کا بھی تعاقب کررہا تھا۔ اسی لئے سپر اسٹور[...] بھی اپنی کار پارک کرکے غالباً ٹہلتا ہوا کسی طرف نکل گیا[...] شاید اسٹور کے گیٹ ہی کی طرف آیا ہوگا کہ اس پر نظر ر[...] والوں نے اس کی کار کے پچھلے دونوں ٹائروں کی ہوا نکال کر ا[...] فوری طور پر وہاں سے روانہ ہونے سے روک دیا۔

سلطان شاہ کا کانٹا نکال دینے کے بعد شانتی کو مجھ پر[...] برتری حاصل ہوگئی تھی۔ اس لئے اس نے میری موجود[...] پروا کئے بغیر ٹرانسمٹو پر اپنے آقا سے ہدایات لیں اور مجھ[...] دیا کہ میں اس کا قیدی بن چکا ہوں۔

اس کی سرد اور سفاکانہ ہنسی ختم ہونے کے بعد کار میں[...] ثانیوں تک سکوت چھایا رہا۔ جب میری لمحاتی سوچ کا[...] ٹوٹا تو میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "مجھے یہ جان کر خوشی ہو[...] تم میری عرفیت تک سے واقف ہو۔"

"ہم لوگ چوکنا اور باخبر نہ رہیں تو پیس کر رکھ دیئے جا[...]" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "ہم جس سے ملنے[...] اس کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم کرلیتے[...] جن سے وہ خود بھی واقف نہیں ہوتا۔ فارن سروس میں[...] والوں کے لئے صلاحیت اور ذہانت کا بہت کڑا امتحان ہو[...] جو ....."

میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی "تم اپنے بارے[...] زبان نہ کھولو تو بہتر ہوگا۔ اس وقت تمہیں تمہارے کسی[...] ون نے سب کچھ بتایا ہے۔ رہا میرا نام، تو وہ بھی شاید ا[...] کسی وقت بتایا ہوگا۔"

"میں اور وہ یا ہمارے دوسرے ساتھی، انفرادی طور پر[...] بھی نہیں ہیں۔ ہم لوگ ایک ٹیم بلکہ ایک مشین کی صو[...] میں کام کرتے ہیں جس کا ایک بھی پرزہ گڑبڑ کرے[...] مشین رک جاتی ہے۔ میری اور میرے ساتھ کام کرنے[...] کی یہ خوبی ہے کہ ہم حالات اور ضروریات کے تحت ہر[...] ایک دوسرے سے ہم آہنگ رہتے ہیں۔"

"تم تو خود کسی اور کے ساتھ کام کررہی ہو۔ تمہارے ساتھ نچلے درجے کے کچھ لوگ ہوں گے۔"

"جو دل چاہے سمجھ لو، تم مجھے چڑانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"تم نے میرا نام لیا ہے تو میں بھی در جواب آں غزل کے طور پر یہ بتاتا چلوں کہ ٹرانسمٹو پر جو کوئی بھی بول رہا تھا، وہ میرے لئے اجنبی نہیں ہے۔ تم مجھ سے اور میں اس سے واقف ہوں۔"

اس نے مجھے گھورا اور بولی "کیا جانتے ہو تم اس کے بارے میں؟"

"وہ بلیک کیٹ ہے۔ میرا خیال ہے تم بھی گوری ہونے کے باوجود کالی بلی ہی ہوگی۔"

"تھوڑی دیر کی بات ہے۔ ابھی تمہاری معلومات میں خاصا اضافہ ہونے والا ہے" اس نے بے اعتنائی سے کہا "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم کوئی بہت بڑا انکشاف کرو گے۔ تم نے تو صرف اس کی آواز پہچانی ہے۔"

"تمہارے کالے بلے کا اسٹیشن کہاں ہے؟" میں نے تاؤ دلانے کی نیت سے پوچھا۔

"چند منٹ بعد تمہیں خود پتا چل جائے گا" وہ خشک لہجے میں بولی۔

"تم اس کھیل میں ٹی کی کٹھ پتلی ہو یا تمہیں پورے معاملات کا بھی علم ہے؟"

"کسی بڑے کی فرمانبرداری سے کوئی کٹھ پتلی نہیں بن جاتا۔ میں اتنا ضرور جانتی ہوں جو میرے فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ تم ہمارے اور ٹی کے درمیان ایک دیوار حائل کرنے کی کوشش کررہے ہو۔"

"تمہیں گمراہ کیا گیا ہے۔ یہ سارا کیا دھرا تمہارے کرنل میش پال کا ہے۔"

میں نے سگریٹ کا پیکٹ نکالنے کے لئے اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جانے کی کوشش کی تھی کہ شانتی نے فوراً ہی مجھے ٹوک دیا "خبردار! جس طرح بیٹھے ہو، اسی طرح بیٹھے رہو۔ کوئی بھی حرکت تمہیں مہنگی پڑسکتی ہے۔"

"تم مجھے ٹٹول کر دیکھ چکی ہو کہ میں غیر مسلح ہوں۔ میں صرف سگریٹ پینا چاہتا ہوں۔"

"سگریٹ بھی ملے گی مگر فی الحال آرام سے بیٹھے رہو" وہ بولی۔

"تمہاری شکل و صورت اور اعمال میں دور دور تک کوئی مماثلت نہیں ہے۔"

"اسی لئے میں اپنے پیشے میں اب تک بہت کامیاب رہی ہوں" اس کا لہجہ پُرغرور ہوگیا۔

"تم جیسی سُندر ناری پر پیشے کا لفظ کچھ جچتا نہیں" میں نے اسے چھیڑا۔

"لعنت بھیجو میری سُندرتا پر۔ یہ بتاؤ کہ کرنل کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"کرنل کو ایک سودے میں بلیک کیٹ ٹی کا ضامن بننا تھا۔ اِدھر بلیک کیٹ ٹی نے ضامن کے طور پر اس کا نام تجویز کیا اور اُدھر وہ اچانک کہیں روپوش ہوگیا۔ بس وہیں سے ہماری پرخاش کا آغاز ہوا ہے۔"

"اب تو کرنل کی سلامتی کے بارے میں ہم خود فکر مند ہیں" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کرنل بہت گہرا اور کائیاں آدمی ہے، کچھ سوچ سمجھ کر ہی اتنا لمبا غوطہ مارا ہے اس نے" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "میری معلومات کے مطابق، وہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں لاقانونیت اور شورش کی لہر پھیلانے کے ساتھ ہی کھوٹہ کے بارے میں زیادہ سرگرم عمل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ منظرِعام سے دور رہ کر اس سلسلے میں کوئی اہم کام کررہا ہو۔"

"کھوٹہ پر تم لوگ بہت ناز کرتے ہو" اس کا لہجہ زہریلا ہوگیا "اسے کچھ تو مغربی ذرائع ابلاغ نے پُراسرار بنادیا ہے اور رہی سہی کسر تمہارے سیاست دان پوری کررہے ہیں۔ کرنل کے بارے میں تمہاری یہ اطلاع واقعی اہم اور قابلِ قدر ہے۔ تم دیکھ لینا کہ ایک دن وہ کھوٹہ کے سارے رازوں کو بے نقاب کردے گا اور تمہارے سیکیورٹی حکام اپنا سر پیٹتے رہ جائیں گے۔ کرنل ایک ایسے لِنک پر کام کررہا ہے جو اسے ہر شام اندر کی تازہ ترین خبریں لاکر دے گا۔"

میں اس کی خوش فہمیوں پر اپنے دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا کیونکہ کرنل میش پال اپنے مذموم منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے زندہ نہیں رہا تھا۔ اسے سلطان شاہ نے بڑی بے رحمی کے ساتھ اسلام آباد سے اغوا کرکے جہانگیر کے گھر کے تہ خانے میں پہنچایا تھا جہاں اس نے تشدد اور باز پرس سے دہشت زدہ ہوکر خودکشی کرلی تھی۔

"وہ لِنک کھوٹہ کے اندر سے تعلق رکھتا ہے یا باہر سے؟" میں نے پوچھا۔

"اندر اور باہر کے بارے میں، مَیں کچھ نہیں جانتی" اس نے بے پروایانہ لہجے میں کہا "بس اس نے کسی کو گھیرا ہوا ہے اور جوں ہی اس کا شکار راہِ راست پر آیا ہمارا کام بن جائے گا۔"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کرنل جس لِنک پر کام کررہا ہے، وہ خود ہی کرنل کو ڈبل کراس کررہا ہو۔ کرنل اپنی دانست میں اسے گھیرنا چاہ رہا ہے جب کہ وہ خود کرنل پر ہاتھ ڈالنے کے چکر میں ہوگا۔"

"یہ بھی ممکن ہے" اس نے اعتراف کیا "اس بارے میں تم لوگوں نے سیکیورٹی کا جو ہوا کھڑا کیا ہوا ہے، اس کی روشنی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن کرنل بھی گرگ باراں دیدہ ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

اس کے گھمنڈ کو خاک میں ملانے کے لئے، میرا دل چاہا کہ اسے حقیقت سے آگاہ کر دوں لیکن اس وقت شانتی کو جو مجھ پر بالا دستی حاصل تھی اس کی روشنی میں میرا ایسا کوئی اقدام اسے مشتعل کرنے کا سبب بن سکتا تھا اس لئے میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا اور بات کو دوسری طرف گھماتے ہوئے سوال کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے مجھے اغوا کرنا کیوں ضروری سمجھا ہے؟"

"اغوا!" وہ آہستہ سے ہنسی "تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو، میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ میں تمہیں اغوا کر رہی ہوں۔"

"ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہ رہے ہیں" میں نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "ہمارے بہت سے مفادات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے مراسم کو محاذ آرائی کی راہ پر کیوں ڈالا جا رہا ہے؟"

"میں بہت زیادہ تفصیل تو نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ ہم لوگوں کو تمہاری نیت پر بھروسا نہیں رہا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے تم ہمارے اور شی کے درمیان رکاوٹ بن رہے ہو۔"

"یہ سب تمہارے قیاسات ہو سکتے ہیں۔ ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔"

ہو سکتا ہے کہ نہ ہو، لیکن ہم لوگ ڈسپلن کے تحت کام کرتے ہیں۔ میں جس کسی کی معاونت کرتی ہوں، اس کا خیال وہی ہے جو میں تم کو بتا چکی ہوں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ اس کے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں۔"

"اور وہ بلیک کیٹ ٹی ہے" میں نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"اس کا نام بار بار دہرانا فضول ہے" وہ خفگی کے ساتھ بولی۔ "شاید تمہیں ابھی تک اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہو سکا ہے۔"

"اس کی اہمیت تو اسی ایک بات سے ظاہر ہے کہ وہ باہر کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تمہارے سفارت خانے اور کاؤنسلیٹ کے تنخواہ دار سرکاری ملازمین پر بالا دستی رکھتا ہے۔"

"یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم اس کی نظروں میں آ گئے ہو" وہ بولی۔

"شاید وہ مجھ سے ملاقات ہونے کے بعد میرے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائے گا" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "دراصل میری اور اس کی سوچ بالکل یکساں ہے۔ جس طرح وہ آسانی کے ساتھ کسی پر بھروسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اسی طرح میں بھی ٹھونک بجا کر ساتھیوں پر اعتماد کرنے کا عادی ہوں۔"

"یعنی تمہیں اس کی نیت پر شبہ رہا ہے؟" اس نے ... لہجے میں سوال کیا۔

"ابتدا میں شبہ موہوم سا تھا لیکن اب اسے تقویت ... جا رہی ہے۔"

"انفرادی طور پر ہمارے لئے تو تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر میں یہ ضرور جاننا چاہوں گی کہ ہم اپنی نیت میں کوئی فتور پیدا کر کے شی کو کس طرح زک پہنچا سکیں گے"

"سامنے کی بات ہے" میں نے بے پروائی سے کہا ... کروڑوں کا معاملہ ہے۔"

"لیکن کرنل مہیش پال کی ضمانت بڑی حد تک سر... ضمانت کا درجہ رکھتی ہے۔"

"خرابی تو یہی ہے کہ وہ روپوش ہے" میں نے گہرا... لے کر کہا "وہ سامنے ہوتا تو یہ بکھیڑے ہی پیدا نہ ہوتے"

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ کرنل مہیش پال سامنے ... یہ تمام الجھنیں پیدا نہ ہوتیں؟"

"غنیمت ہے کہ میں اپنی بات تمہیں سمجھانے میں کامیاب ہو گیا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "کر... سے لین دین کرتا رہا ہے، اس کی ساکھ اور بات شی... قابل قبول تھی لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ... جوں ہی بلیک ک... نے اسے اپنا ضامن نامزد کیا، وہ یکایک زیرِ زمین چلا گیا ... تمہارے اسلام آباد کے سفارت خانے کے رام دیال ... ذریعے ضمانت فراہم کرنے کی بات چلی اور اسی دوران می... کیٹ ٹی ہماری ایک اہم رکن، غزالہ کو اپنا قیدی بنا... کامیاب ہو گیا۔ وہ غزالہ کی اہمیت سے بخوبی باخبر ہے اور ا... نیت میں فتور آ گیا ہے۔ وہ کسی بھی ضمانت کی فراہ... وعدے سے پھر گیا ہے اور غزالہ کو چارا بنانے پر تل گ... اس کا مطالبہ ہے کہ ہم اسے اس کا مطلوبہ اسلحہ فراہم کر... غزالہ کو ہمارے حوالے کرے گا۔ ایسی صورت میں ش... رقم ڈوبتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور ہم اس سے غزالہ کی ر... ضمانت کی فراہمی پر مُصر ہیں جو سودے کی اصل روح ... مطابق ہے لیکن وہ ہم سے محاذ آرائی پر تل گیا ہے۔"

"اپنی کہانی سے تو تم بالکل ہی مسکین اور مظلوم ہوتے ہو" وہ طنزیہ لہجے میں بولی "لیکن باس بھی ا... نہیں ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی الجھنوں کو تمہارے کھا... ڈال دے۔ درمیان میں یقیناً کچھ اور بھی رہا ہوگا۔"

مجھے اس کی زبان سے بلیک کیٹ ٹی کے لئے باس سن کر خوشی ہوئی۔ بظاہر وہ کراچی میں اپنے کاؤنسلی... پبلک ریلیشنز آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہی تھی اور ا... ... کی آڑ میں اسے بتیمیزی سفارتی مراعات بھی حاصل رہی ... لیکن وہ بے دھیانی میں اپنی اصلی حیثیت کا اعتراف ... تھی کہ وہ براہِ راست بلیک کیٹ ٹی جیسے سازشی اور ...مرد کی ماتحت تھی جو سندھ کے علاقوں میں چوروں، ...یروں اور ڈاکوؤں کی مدد سے بد امنی اور مسلح بغاوت ...نے کے گھناؤنے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔

"حاشیہ آرائی کے لئے درمیان میں کچھ بھی شامل کیا جا سکتا ...لن واقعات وہی ہیں جو میں تم کو سنا چکا ہوں۔ رام دیال ... دہلی سے ضمانت کی منظوری لینے کے لئے وو دن کی ... طلب کی تھی اور معاملات طے کرنے کے لئے مجھے تم ...و بدو مذاکرات کرنے کی ہدایت کی تھی لیکن تم کو میری ...ے پہلے ہی بھڑکا دیا گیا ہے۔"

"مجھے کسی نے نہیں بھڑکایا۔ بس محتاط رہنے کی ہدایت ... تھی اور میں نے اس کے باوجود تم پر اتنا اعتماد کر لیا کہ ...ں سیدھی اپنے گھر لے جا رہی تھی۔ اگر باس کے ...ں نے میرا پیچھا کر کے، میرے تعاقب کرنے والے کا ... نہ لگایا ہوتا تو اب تک تم میرے فلیٹ میں میرے ساتھ ...رم یا جن پی رہے ہوتے۔"

"اگر کوئی واقعی تمہارا تعاقب کر رہا تھا تو اس سے میرا کوئی ... نہیں۔ تم لوگوں کی پُراسرار سرگرمیاں اس قدر ...ت اور وسیع ہیں کہ مقامی خفیہ ایجنسیاں کسی بھی وقت ...ی راہ پر لگ سکتی ہیں۔ ملک کے ایک حسّاس علاقے میں ...ت کی سازش اور اہم ترین ایٹمی تنصیبات تک رسائی کی ...شیں سرکاری اداروں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ ...۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی اور ہنستے ہوئے بولی "ہم ...عرصے سے ان لائنوں پر کام کر رہے ہیں اور کبھی کسی چڑیا ...بچے نے بھی ہم پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ...یہ کیسا اتفاق ہے کہ آج ہی تم مجھ سے ملنے آئے اور آج ...کی سورما پھریری لے کر نیند سے جاگا اور میرے پیچھے ہو لیا۔ ...ں طرح تو تم خود بھی پاکستان کی کسی خفیہ ایجنسی کے ...ے ثابت ہوتے ہو۔"

"یہ سراسر تمہاری کٹ حجتی ہے، ورنہ صورتِ حال کو تم ...مجھ چکی ہو۔"

"باس کی براہِ راست دخل اندازی کے بعد میرے لئے ... اور سمجھانے کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ اس سفر ...اختتام پر باس خود ہی تم کو ساری بات سمجھا دے گا۔ وہ اپنے ...مد حاصل کرنے کے معاملے میں بہت سخت اور بے رحم ...ہوا ہے۔ اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو نہایت سفاکی ... ساتھ اپنی ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دیتا ہے۔"

"کیا تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟" میں نے بے پروایانہ لہجے میں سوال کیا "میری نیک نیتی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میں اس وقت بالکل غیر مسلح ہوں لیکن مجھ پر کوئی برا وقت آیا تو میں غیر مسلح ہونے کے باوجود کسی دشمن کے لئے تر نوالہ ثابت نہیں ہو سکوں گا۔"

"اس سے برا وقت کیا آئے گا کہ تم اس وقت میرے برابر میں ایک بے آواز خفیہ پستول کی نال کے سامنے بالکل بے بس ...بیٹھے ہوئے ہو۔ ہمت ہے تو میری مرضی کے خلاف کوئی حرکت کر کے دیکھ لو۔"

"تمہاری بات دوسری ہے۔ میں خوبصورت عورتوں کے ساتھ دھول دھپے کا قائل نہیں ہوں۔ جو کچھ ہونا ہے، اب وہ تمہارے باس کے ساتھ ہی ہوگا...."

اس نے میری بات کاٹ دی اور بولی "مجھ جیسی عورتوں کے ساتھ دھول دھپا تو ہر مرد کے دل کی آرزو ہوتی ہے۔ تم بھی شاید یہی سوچ کر آئے تھے کہ پی پلا کر میرے ساتھ رنگ رلیاں مناؤ گے اور بے خودی کے عالم میں مجھ سے کام کی باتیں اگلوا کر اطمینان سے واپس لوٹ جاؤ گے۔ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکا ہو گا کہ میرے ساتھ تمہیں اسلحے کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ عورت ہونے کا ایک سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ ایک بار تو بڑے سے بڑے سورما مرد کی عقل بھی چوپٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"مرد یا عورت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ زک اٹھانے کا سبب بس ایک ہی ہوتا ہے۔ آدمی جہاں اعتماد کرتا ہے وہیں مار کھاتا ہے۔ کسی پر اعتماد نہ کیا جائے تو دھوکا کھانے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔"

"وجہ کچھ بھی رہی ہو، اصل صورت حال یہ ہے کہ تم بہت آسانی سے میرے چوہے دان میں پھنس چکے ہو۔"

"تمہاری چوہے دانی میں پھنسا ہوتا تو زیادہ قلق نہ ہوتا۔ افسوس تو اسی بات کا ہے کہ تمہارے بلیک کیٹ ٹی نے مجھے گھیرا ہے" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تم خواہ مخواہ پانچوں سواروں میں شامل ہو رہی ہو۔"

میں اس وقت جس نازک اور خطرناک صورتِ حال سے دوچار تھا اس میں شانتی سے بے مقصد گفتگو کرنے کی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ ایک بار مجھے اپنے کسی ٹھکانے پر لے جانے میں کامیاب ہو گئی تو میری گلو خلاصی محال ہو جائے گی۔ غزالہ اس کے باس کی قید میں تھی۔ اس پر جانو ماچھی کے ایک اہم ترین آدمی سائیں مراد کو قتل کرنے کا دو ٹوک الزام تھا۔ وہ اس الزام سے کسی طور پر نہیں بچ سکتی تھی کیونکہ بلیک کیٹ ٹی نے اسے سائیں مراد کو قتل کرتے ہوئے پکڑا تھا۔

بلیک کیٹ ٹی کے حساب سے میری فردِ جرم خاصی طویل تھی۔ اس کی دانست میں میں نے ہی ویرا کو اس کے جال میں پھنسنے سے روکا تھا ورنہ شاید وہ کسی لمبے چوڑے چکر کے بغیر اس سے اسلحہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ گو یہ حقیقت نہیں تھی لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اسی لائن پر سوچ رہا ہوگا۔ بلیک کیٹ ٹی کے فرشتوں کو بھی اس امر کی بھنک نہیں مل سکی تھی کہ کرنل میش پال ہماری تحویل میں آگیا تھا اور اسی سے ہم نے کراچی میں جانو ماچھی کے دو ٹھکانوں کے بارے میں معلوم کیا تھا لیکن وہ اس امر پر بہت پریشان تھا اور اس کارروائی کو بھی میرے ہی کھاتے میں ڈال رہا تھا کہ ہم لوگوں نے ایک ہی رات میں جانو ماچھی کے دونوں ٹھکانوں پر حملہ کیا تھا۔ ڈیفنس والے مکان پر ہمیں کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی لیکن فائن نمبر فیکٹری میں سائیں مراد کے علاوہ جانو ماچھی کے سارے آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ اس کی نظر میں ہمارے ان اقدامات نے اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ اسی لئے وہ سائیں مراد کی لاش پر سے غزالہ کو اپنی تحویل میں لیتے ہی بذاتِ خود ہماری راہ پر لگ گیا تھا۔

بظاہر وہ ہمیں خوف زدہ کرنا چاہ رہا تھا لیکن مزارِ قائد کے سامنے ہونے والی مختصر سی مڈبھیڑ میں وہ کامیابی حاصل کئے بغیر فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کی کار کے نمبر کے سہارے میں گردھاری لال تک جا پہنچا مگر وہ بے چارہ اپنی پوری کہانی سنانے سے پہلے ہی بلیک کیٹ ٹی کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

گردھاری لال نے مرنے سے پہلے جو کچھ بتایا' وہ بھی کچھ کم اہم نہیں تھا۔ بلیک کیٹ ٹی اپنے بہروپ میں ملّا سرکار کے نام سے پہچانا جاتا تھا اور اندرونِ سندھ کے کسی گاؤں میں غالباً اسی نام سے رہتا چلا آرہا تھا۔ اسے گردھاری لال سے متعارف کرانے والا مقامی ہندو پنچایت کا سربراہ تھا۔

بلیک کیٹ ٹی یا ملّا سرکار نے گردھاری لال کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ مجھے اس کے گاؤں کا نام بھی بتاتا لیکن مجھے پوری امید تھی کہ مقامی ہندو پنچایت کے سربراہ کو ڈرا دھمکا کر میں اس سے مزید معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

گردھاری لال کے مکان پر ملّا سرکار سے میرا خوفناک تصادم ہوا تھا۔ مقابلہ کرتے ہی ہم دونوں ہی یک بیک ایک ایسی پوزیشن میں آگئے تھے کہ کسی بھی لمحے ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کا اسیر ہو سکتا تھا۔ اس موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ملّا سرکار سیاہ دھوئیں کی آڑ میں وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔

میری پے در پے کامیابیوں نے غالباً اسے خوف زدہ کر دیا تھا۔ خاص طور پر گردھاری لال تک میری رسائی کے بعد اسے اپنی سلامتی کو درپیش سنگین خطرات کا ادراک ہو جانا چاہئے تھا۔

وہ ہندو تھا اور پندرہ برس سے ایک پاک باز مسلمان کا روپ دھار کر اندرون سندھ کے کسی گاؤں میں بیٹھا مورچے مستحکم کر رہا تھا۔ مناسب وقت کے انتظار میں اس نے اپنی زندگی کا بہترین عرصہ غریب الوطنی میں گزار دیا تھا۔ نے اپنے دین دھرم اور عقیدے سے انحراف کرتے ہوئے بھرم برقرار رکھنے کے لئے ایک مقامی مسلمان عورت سے شادی کی تھی اور اسی کے بطن سے صاحب اولاد بھی ہوا لیکن وہ اپنے مشن کی دھن میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ اسے اپنی اور اولاد تک کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ ان سب کی قربانی دے کر بھی اپنے خوفناک منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر تُلا ہوا تھا۔ مجھے گردھاری لال کے مکان پر دیکھ لینے کے بعد اسے یک بیک اپنی ناکامی کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اس لئے اس نے مزید وقت ضائع کئے بغیر میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

ملّا سرکار بلیک کیٹ ٹی ہونے کے ساتھ ہی شانتی کا باس بھی تھا اور میرے نہ بتانے کے باوجود اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا اس شام شانتی سے ملنے کا پروگرام تھا اسی لئے اس نے اپنے آدمی شانتی کے پیچھے لگا دیئے تھے۔

سلطان شاہ کا تعاقب کرنا اس سلسلے میں ایک بہانہ ہوا تھا جس کی آڑ لے کر ملّا سرکار کو اپنی کارروائی منظم کرنے کا موقع مل گیا ورنہ دوسری صورت میں شانتی مجھے کسی میں کوئی خواب آور دوا پلا کر بے ہوش کرتی اور اسی حالت میں ملّا سرکار کے حوالے کر دیتی۔ مجھے پورا یقین ہو چلا تھا کہ سرکار میرے بارے میں ویرا سے ایک لفظ بھی نہ کہلوا سکا۔ جس طرح ہم نے اس کی بے خبری میں کرنل میش پال کو اغوا کر کے اسے خود کشی پر مجبور کیا تھا ملّا سرکار اسی طرح سے مجھے بھی راہ سے ہٹا دیتا۔

کلفٹن سے شہر آنے کا صرف ایک ہی راستہ ریلوے لائن پر بنے ہوئے قدیم پل کے ذریعے ساحلی شہر کے مرکزی علاقے سے ملاتا ہے۔ اس لئے جب تک ہوٹل میٹروپول والے چوراہے تک نہیں پہنچی' مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ شانتی مجھے قیدی بنا کر کہاں لے جا رہی ہے۔ اس مقام کے لئے ملّا سرکار نے اسٹیشن کا لفظ استعمال کیا تھا جو بہت مبہم تھا۔

اس دوران میں' میں اپنی تمام تر اعصابی قوت کو کارروائی کے لئے یکجا کر چکا تھا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیش بورڈ میں نصب پستول کی آہنی نال' پسنجر سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص کے سینے کو زد میں لینے کے لئے ایک مخصوص زاویے پر فکس کی گئی تھی۔ اس میں گھومنے یا رخ بدلنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ اگر میں کسی بھی مرحلے پر شانتی کو غافل پا کر پائیدان تک سرکنے میں کامیاب ہو جاتا تو آسانی سے جھکنے یا پائیدان ... ساتھ بازی الٹ سکتا تھا۔ ایسے کسی موقع کی امید میں' میں نے اپنے دونوں پاؤں پائیدان پر پھیلا کر جما لئے تھے تاکہ وقت آنے پر مجھے پوزیشن تبدیل کئے بغیر اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا موقع مل سکے۔

شانتی پُرہجوم ٹریفک میں بہت محتاط انداز میں ڈرائیونگ کر رہی تھی اور مجھ پر بھی کڑی نگاہ رکھ رہی تھی۔ سگنل کھلنے پر اس نے چوراہا عبور کرتے ہی کار کا رخ قدرے داہنی جانب کر لیا اور جب اس کی کار ہوٹل میٹروپول بلڈنگ کا طواف کرتی ہوئی فاطمہ جناح روڈ والے چوراہے کی طرف مڑی تو سامنے ... ہوٹل آواری ٹاورز کی بلند عمارت نظر آنے لگی۔

آواری ٹاورز کی عمارت پر نگاہ پڑتے ہی میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

اگلے چوراہے سے داہنی طرف گھوم کر فاطمہ جناح روڈ پر ... ہال کے تقریباً عقب میں شانتی نرائن کے ملک کا قونصلیٹ آفس واقع تھا اور وہ مجھے یقیناً وہیں لے جا رہی تھی۔ کسی دوسری عمارت کے مقابلے میں ایک سفارتی عمارت میرے لئے ڈراؤنا خواب ثابت ہو سکتی تھی۔ وہاں تک پہنچنے میں اتنا کم فاصلہ اور وقت رہ گیا تھا کہ میرے لئے فوری کارروائی کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

سگنل کھلا ہوا تھا اور اس سمت میں ٹریفک بہا چلا جا رہا تھا۔ شانتی نے میری توقع کے عین مطابق چوراہا گھوم کر اپنی کار فاطمہ جناح روڈ پر موڑ لی۔ شہر کے اس بارونق علاقے میں ... کا وہ حصہ مصروف ترین کاروباری اوقات میں بھی ... کے ہجوم سے محفوظ رہا کرتا تھا اور اس وقت تو وہاں اکا دکا ... کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ بڑے بڑے بنگلوں میں قائم دفاتر ... کام کرنے والے چھٹی کر کے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے ... ماحول میری کارروائی کے لئے پوری طرح سازگار تھا۔

میرے اور مقتل کے درمیان چند سو گز اور صرف چند ... منٹ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا کہ میں اچانک اپنے پنجوں پر زور دے کر پھرتی کے ساتھ کار کے پائیدان پر پھسل گیا۔ شانتی نے براہِ راست میری طرف دیکھے بغیر تبدیلی کا اندازہ کر لیا اور فوراً ہی ... کی آواز کے ساتھ کار میں فائر ہوا۔ گولی غالباً میری سابقہ نشست کی پشت گاہ سے گزر کر پچھلی سیٹ میں پیوست ہو گئی ... کار کے بند کیبن میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو پھیل گئی۔

شانتی نے مجھ پر ناکام فائر کرنے کے ساتھ ہی یک بیک ... کار کی رفتار بڑھانا چاہی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ہر قیمت پر ... کاؤنسلیٹ تک پہنچنے کے لئے کوشاں تھی جہاں وہ مسلح ... محافظوں کی مدد سے بہ آسانی مجھے زیر کر سکتی تھی بلکہ وہاں تو ... سفارتی عمارت میں زبردستی گھسنے کی کوشش کا الزام لگا کر سرِعام گولی ماری جا سکتی تھی۔

میں نے پائیدان میں پہلو بدل کر داہنے ہاتھ سے کار کا ہینڈ بریک پوری قوت سے کھینچا اور اسی لمحے گیئر وغیرہ ٹوٹنے کی پروا کئے بغیر چلتی ہوئی کار کا گیئر نیوٹرل کر دیا۔

شانتی کی کار کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔ اچانک گیئر نیوٹرل ہو جانے پر انجن کی رفتار خطرناک حد تک بڑھ گئی اور میں نے اندازے سے ہاتھ بڑھا کر اگنیشن آف کر دیا۔

کار رکنے کے شدید جھٹکے سے سنبھلتے ہی شانتی نے بائیں ہاتھ سے میری کنپٹی پر کراٹے کا بھرپور وار کرنا چاہا لیکن میں اس خوش رو حسینہ کی اس تباہ کن صلاحیت سے باخبر تھا اس لئے میں نے خود کو بچاتے ہوئے مختصر سے بلاؤز اور ساڑی کے درمیان اس کے برہنہ پیٹ پر مکّا رسید کر دیا اور شانتی کراہ کر اسٹیئرنگ پر دہری ہو گئی۔

میں ہمیشہ عورتوں پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہوں۔ ویرا نے بارہا ایسی حرکتیں کیں جن پر میں اسے جھنجھوڑ دیتا تو کم ہوتا لیکن میں ایسی حرکات سے گریز ہی کرتا رہا' مگر شانتی کے مقابلے میں صورتِ حال بہت سنگین ہو چکی تھی۔ میں غیر مسلح تھا اور وہ اپنی کار میں نہ جانے کیسے کیسے شعبدے لئے گھوم رہی تھی۔ میں بے یار و مددگار تھا اور وہ اپنے مسکن سے چند قدم دور تھی۔ اس کی ایک چیخ پر اسے پہچان کر متعدد مسلح بھیڑیئے میرے اوپر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ میرے لئے وہ اپنی بقا کی ایک ہولناک اور حیوانی جنگ بن گئی تھی جس میں لڑنے کے سارے معیار اور اصول معطل ہو کر رہ گئے تھے۔

میرے لئے مشکل یہ تھی کہ میں اپنے پائیدان سے اوپر ابھرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا ورنہ شانتی اپنے خفیہ کنٹرول سے کام لیتے ہوئے میری کھوپڑی میں پگھلا ہوا سیسہ اتار سکتی تھی۔

یہ سب اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہوا کہ ٹائروں کے شور سے کوئی چونکا ہو تو چونکا ہو لیکن کوئی شخص پوری طرح ہماری طرف متوجہ نہیں ہوا تھا اور میں ایسی کوئی نوبت آنے سے پہلے ہی بساط لپیٹ دینا چاہتا تھا۔

شانتی اپنی عمر اور چہرے مہرے کے تاثرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ خرانٹ تھی۔ اس نے فوراً ہی میرے تیور بھانپ لئے اور کار میں بیٹھے رہ کر میرا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنی سمت کا دروازہ کھول کر باہر کود گئی۔

میں نے جھپٹ کر اسے پکڑنا چاہا' اس کے بجائے اس کی حریری ساڑی کا پلو میرے ہاتھ میں آگیا۔ اس کے بدن کو جھٹکا لگا لیکن وہ رکے بغیر چکراتی ہوئی اپنے بدن کو ساڑی کی گرفت سے آزاد کراتی ہوئی آگے بڑھتی رہی اور لمحوں ہی لمحوں میں اس کی سیاہ پھولوں والی زرد ساڑی سڑک پر لہراتی رہ گئی جس کا

ایک سرا میرے ہاتھ میں تھا۔

شانتی ساڑی کے عذاب سے نجات حاصل کرتے ہی مختصر سے بلاؤز اور پیٹی کوٹ میں دوڑتی ہوئی سڑک عبور کرنے لگی۔ میرے لئے وہ صورتِ حال پریشان کن تھی۔ میں نے فوراً ہی ساڑی کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور وہ رنگین ' آرائشی لبادہ ہوا کے دوش پر دور تک اڑتا چلا گیا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شانتی اپنی کار کے اگنیشن سوئچ سے چابی نکال کر لے جانا بھول گئی تھی۔ میں نے اضطراری طور پر کار کا انجن بیدار کیا اور ہینڈ بریک چھوڑ کر کار کو پہلے گیئر میں ڈال دیا۔

اسی لمحے کسی طرف سے پُرشور دھماکے کے ساتھ ایک فائر ہوا' بے اختیار میری نظر دوڑتی ہوئی شانتی کی طرف اٹھ گئی۔ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا اور وہ آگے کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔

دوسرا فائر ہوا اور اس بار فضا شانتی کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔ وہ بہت بری طرح مُنہ کے بل کولتار کی سڑک پر گر کر تڑپنے لگی تھی اور اسی لمحے مجھے فائر کرنے والا نظر آگیا۔

وہ سفید رنگ کی کرولا ڈرائیو کرتا ہوا میرے برابر سے گزرا تھا۔ اس کی کار کا بایاں حصہ بری طرح پچکا ہوا تھا لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ وہ سلطان شاہ تھا۔

میں نے تو اسے دیکھا ہی تھا لیکن اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ پتا نہیں کہ وہ کب اور کیسے وہاں آپہنچا تھا لیکن اس نے اپنی کار سے فائر کرکے شانتی کو جس طرح ڈھیر کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ صورتِ حال پوری طرح سمجھ چکا تھا۔

میرے قبضے میں آئی ہوئی شانتی کی کار حرکت میں آنے سے قبل ہی سلطان شاہ نے سفید کرولا قدرے آگے نکال کر روک دی۔ میں شانتی کی کار کا انجن بند کئے بغیر تیزی سے نیچے اترا اور سفید کرولا میں سوار ہوگیا۔ سلطان شاہ نے میرے سوار ہوتے ہی اپنی کار برق رفتاری سے آگے بڑھا دی۔

اس وقت تک شانتی سڑک پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ اس کے زخم سے بہنے والا خون دور تک پھیل رہا تھا اور اس کی رنگین ساڑی سڑک پر ہوا سے اڑتی پھر رہی تھی۔ ادھر اُدھر سے کچھ لوگ شانتی کی طرف آنا شروع ہوگئے تھے۔ کاؤنسلیٹ کے بلند اور سیاہ آہنی پھاٹک کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ وہ بند تھا اور اس کے آہنی جنگلے کے پیچھے متعدد مسلح اور باوردی محافظ متجسس انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے سفارتی احاطے سے باہر نہیں نکلے تھے اس لئے انہیں علم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ ان سے ذرا دور ان کی ایک اعلیٰ افسر پر کیا قیامت گزر گئی تھی۔

"ساڑی سے بچ کر نکلنا" میں نے سلطان شاہ کے تیور بھانپ کر جلدی سے کہا "گزوں لمبا یہ باریک کپڑا کسی ٹائر پر لپٹ گیا تو ہم یہیں پھنس کر رہ جائیں گے۔"

"فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود میں نے پیچھے سے اس کے دل کا نشانہ لینے کی کوشش کی تھی۔ اس کا انجام دیکھ کر تمہیں قلق تو ضرور ہوا ہوگا" اس نے جذبات سے عاری لہجے میں

"میں مسلح ہوتا تو تم سے پہلے یہی کام کر گزرا ہوتا۔ سفارتی مراعات کی آڑ میں یہ بھی ملا سرکار کے لئے کام کر رہی تھی اور میں اب ملا سرکار تو کیا اس کے کتوں تک کے خون کا پیاسا ہو چکا ہوں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ تم اچانک یہاں پہنچ گئے؟ یہ کار کہاں سے اور کیسے ہاتھ لگی؟ اور وہ لوگ کہاں سوئے ہوئے ہیں جو حفاظت کے لئے شانتی کا پیچھا کر رہے تھے؟"

"تم نے تو سوالوں کی بھرمار کردی۔ تم لوگ جب اسٹور پر رکے تو وہیں میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ شانتی نے تعاقب کا اندازہ نہ لگالیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ تمہیں ساتھ لے کر ٹیکسی سے فرار ہوسکتی تھی۔ اس لئے میں نے کار پارک کرکے تم دونوں کا پیچھا کیا۔ تمہارے اسٹور میں داخل ہونے کے بعد بھی میں کافی دیر تک اسٹور کے سامنے ٹہل کر شیشے کی دیواروں میں سے تمہارا جائزہ لیتا رہا۔ جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ تم دونوں وہاں واقعی خریداری کررہے ہو تو میں اپنی کار کی طرف لوٹ آیا۔ اس وقت تک میری کار کے دونوں ٹائر ناکارہ کئے جاچکے تھے" اس نے ... خبر سمجھتے ہوئے ابتدا ہی سے کہانی سنانی شروع کردی "... لئے وہ بہت بڑی پریشانی تھی۔ تمہاری کار سروس لین ... گزر گئی تو میں اضطراری طور پر سڑک عبور کرکے دوسری ... آکھڑا ہوا۔ میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ شانتی کی کار اگر ... سے لوٹ کر واپس آئی تو میں اس کے سامنے آکر اسے ... مجبور کردوں گا لیکن کئی منٹ گزرنے کے بعد بھی تم لوگ ... نہیں آئے تو میں نے سمجھ لیا کہ تم آگے نکل گئے ہو ... ناکامی کی جھنجلاہٹ میں مجھے کچھ اور نہ سوجھا تو ... مناسب جگہ دیکھ کر نیم تاریکی میں پستول کی زد پر ایک ... سے یہ کار چھین لی۔ وہ نیچے اتر کر اسے لاک کرنے ... میں نے اسے دھرلیا۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ ... کی دہشت سے فوراً ہی بیہوش ہوگیا اور یوں میں اس ... قابض ہوگیا۔ اس علاقے کی سڑکوں پر بے مقصد ... ڈرائیونگ کرتے ہوئے آخر کار مجھے شانتی کی کار نظر ... جو واپس مین روڈ کی طرف آرہی تھی۔ ایک سفید کار ... صرف پارکنگ لائٹس جلی ہوئی تھیں۔ تم دونوں ... لگی ہوئی تھی۔ اسٹریٹ لیمپ کی روشنی میں 'میں نے ... کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک باریش شخص کو براجمان ...

جس نے شام کے اندھیرے میں بھی تاریک شیشوں کی عینک لگائی ہوئی تھی اور میں فوراً اس کے پیچھے ہولیا۔ میرا اندازہ ہے کہ میری کار کے ٹائروں کو اسی ملعون نے ناکارہ کیا تھا۔ فوری طور پر اسے اپنی راہ سے ہٹائے بغیر میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا اس لئے اگلے چوراہے پر گھومتے ہوئے میں نے تیز رفتاری کے ساتھ سفید کار کو اس بری طرح سائیڈ ماری کہ میری کار سے ٹکرانے کے بعد وہ کار ایک تیسری کار کا خانہ خراب کرتی ہوئی گھاس پر چڑھ گئی۔ میں رکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ تاریک عینک والا جائے حادثہ پر پھنس کر رہ گیا ہوگا۔

اس دوران میں شانتی کی کار ٹریفک کی بھیڑ میں میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ پل اترنے کے بعد میں پریشان تھا کہ تم دونوں کو کدھر تلاش کروں؟ اس وقت میری چھٹی حس نے میری یاوری کی اور میں نے سب سے پہلے شانتی کے دفتر کا جائزہ لینے کا فیصلہ کرلیا جو وہاں سے قریب ترین تھا۔ میں ہوٹل آواری ٹاورز والا چوراہا گھوم ہی رہا تھا کہ مجھے شانتی اپنی ساڑی چھوڑ کر سڑک کے وسط میں دوڑتی ہوئی نظر آئی اور میں نے اپنا رول ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ شانتی کو سڑک پر بھاگتا ہوا دیکھ کر میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تمہیں اس کی نیت اور عزائم پر شبہ ہوچکا تھا اور تمہاری اس سے ان بن ہوگئی تھی اس لئے اس کے دفتر سے اتنے قریب یہ ڈراما کھڑا ہوگیا تھا۔"

اس دوران وہ سفید کار کو فریئر ہال کی اندرونی سڑک سے گزار کر اسے دوبارہ کلفٹن جانے والے راستے پر ڈال چکا تھا جو میری نگاہ میں ایک مخدوش اقدام تھا۔

"اب تم واپس کلفٹن کیوں جارہے ہو؟ ہمیں چوری کی اس کار سے فوراً پیچھا چھڑا لینا چاہئے۔"

"فکر نہ کرو۔ ابھی چھوڑ دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم جہانگیر کی شیراڈ کو جلد از جلد سپر اسٹور کے پاس سے ہٹالیں۔ اس بار ہمارے سامنے ایک بہت چالاک اور مکار دشمن ہے اس لئے ہمیں اپنے نقوش پا مٹا دینے چاہئیں۔"

"تم نے شانتی کا تعاقب کرنے والے کی جو وضع قطع بتائی ہے اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس بار بھی ملا سرکار خود ہی میدان میں اترا ہوا تھا اور تم نے اسے بہت گہری چوٹ دی ہے لیکن شیراڈ سے وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔"

"وہ شیراڈ سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو تم نے گردھاری لال کی کار کے نمبروں سے اٹھایا تھا۔"

"تم بے وقوف ہو" میں نے آہستگی سے کہا "ہم اس کے سامنے ہیں جب کہ وہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ شیراڈ کے ذریعے وہ زیادہ سے زیادہ جہانگیر تک پہنچ سکتا ہے۔ جب وہ میرے اصل نام سے واقف ہے تو شاید اسے جہانگیر کی اور میری دوستی کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ معلوم رہا ہوگا۔

شیراڈ کی طرف سے تمہاری فکر مندی بالکل بے بنیاد ہے۔"

"پھر بھی کار وہاں سے ہٹالینے میں کیا حرج ہے؟" اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دوسری بات ہے لیکن یہ مسروقہ کار چھوڑ دو۔ ہم ٹیکسی میں بھی وہاں جاسکتے ہیں۔"

"چلو اس چوراہے پر چھوڑ دیں گے جہاں میں نے ملّا سرکار کی کار کو سائیڈ ماری تھی۔ وہاں کی بھی تو کچھ خیر خبر لینی چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ شدید زخمی ہونے کے بعد پولیس کی گرفت میں آگیا ہو۔"

میں نے اس سے مزید بحث کئے بغیر خاموشی اختیار کرلی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ شانتی اپنی ساڑی سڑک پر چھوڑ کر کیوں بھاگ گئی تھی؟"

میں نے اسے اصل قصہ بتانے میں جھجک محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی ایک کہانی تراش لی "اس سے یہ طے ہوا تھا کہ اس کے فلیٹ پر بیٹھ کر باتیں ہوں گی لیکن اس نے اچانک ہی اپنے دفتر میں کچھ کاغذات سیف سے باہر چھوڑ آنے کا عذر کرکے کار واپس موڑلی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ مجھے ایک بار اپنے دفتر لے گئی تو میں دوبارہ اپنی مرضی سے اس سفارتی عمارت سے باہر نہیں آسکوں گا۔ راستے بھر ہماری تکرار ہوتی رہی اور جب اس کا کاؤنسلیٹ آفس قریب آگیا تو میں نے ہینڈ بریک کھینچ کر کار روک دی اور اس کے ساتھ آگے جانے سے انکار کردیا۔ یوں بات بڑھ گئی اور وہ کار سے اتر بھاگی۔ اگر وہ کاؤنسلیٹ آفس پہنچنے میں کامیاب ہوجاتی تو مجھے یقین ہے کہ وہ وہاں کے مسلح محافظوں کو میرے خلاف صف آرا کرکے مجھے گھیر لیتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں عین وقت پر ہی وہاں پہنچ گیا؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"لیکن اس بار میں تمہاری چھٹی حس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذہنی انتشار کے عالم میں تم نے کاؤنسلیٹ کی راہ اختیار کرکے بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔"

"بس تمہاری دعا سے کبھی کبھی میری عقل بھی چل ہی پڑتی ہے" اس نے انکسار سے جواب دیا۔

پُل عبور کرنے کے بعد سلطان شاہ نے سفید کرولا بائیں جانب ایک دفتری بلاک کے تقریباً ویران پارکنگ لاٹ میں کھڑی کی اور چابی کار کے پائیدان پر ڈال کر باہر آگیا۔

وہاں سے ہم دونوں ٹہلتے ہوئے اگلے چوراہے کی طرف بڑھے تو وہاں ایک طرف لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ موقع پر پولیس کی گشتی گاڑیاں بھی دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھیں۔

"تمہاری وزنی جیبوں پر کسی کی نگاہ پڑگئی تو ہم دشواریوں میں پڑجائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔ میرے پاس پستول ہے۔ بیم گن میں نے شیراڈ ہی میں چھوڑ دی تھی۔"

ہم لوگ دور تک پھیلے ہوئے متجسس ہجوم تک پہنچے تو چوراہے کے بائیں کنارے پر ایک دوسری سے بری طرح ٹکرائی ہوئی دو کاریں وہاں موجود تھیں اور پولیس والے اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے۔

چند ثانیوں کی پوچھ گچھ کے بعد پتا چلا کہ حادثہ ہوتے ہی ملّا سرکار اپنی تباہ شدہ کار سے نکل کر خاموشی سے کہیں کھسک لیا تھا اور دوسری کار والا اپنی تباہی پر سر پیٹتا رہ گیا تھا۔ اس کی نئے ماڈل کی گاڑی کو نقصان پہنچا تھا اور وہ خود بھی خاصا زخمی ہوا تھا۔ جائے حادثہ پر پہنچنے والی پہلی پولیس موبائل کے عملے نے اپنے پاس موجود فہرست کا جائزہ لے کر فوراً ہی اعلان کر دیا تھا کہ ملّا سرکار کی چھوڑی ہوئی لاوارث کار چند گھنٹے قبل سوسائٹی کے علاقے سے چوری کی گئی تھی۔

مسروقہ کار ثابت ہونے کے بعد کہانی بہت آسان اور سادہ سی رہ گئی تھی۔ مسروقہ کار میں حادثے سے دوچار ہونے کے بعد کوئی بھی سمجھ دار چور جائے حادثہ پر اپنی گردن پھنسانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ بھاگنے والا بھاگ گیا تھا لیکن پولیس والوں نے ضابطے کی کارروائیوں کے نام پر دوسری کار والے کو گھیرا ہوا تھا۔ کئی لوگوں نے وقتاً فوقتاً اس بے چارے کے زخموں سے بہنے والے خون کی طرف بھی توجہ دلانے کی کوشش کی تھی لیکن دن رات خونریزیوں سے دوچار رہنے والے پولیس اہلکاروں نے ان زخموں کو معمولی قرار دے کر اپنے ضابطے کی کارروائیاں جاری رکھی تھیں کیونکہ مسروقہ کار سے قطع نظر بنیادی طور پر وہ ٹریفک کا ایک حادثہ تھا اور اس امر کا تعین کیا جانا از بس ضروری تھا کہ اس حادثے میں کہیں زخمی کار مالک تو قصوروار نہیں تھا۔

بھاگنے والا کار چور بھاگ گیا تھا اور پولیس والوں کی چائے پانی کا تمام تر انحصار اسی فریق پر تھا جو فرار نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ہاتھ لگ گیا تھا اور بدقسمتی سے تفتیش کا واحد شہادتی ذریعہ تھا۔

گردھاری لال کو گنوا کر ملا سرکار نے بڑا سبق سیکھا تھا جبھی اس بار اس نے مسروقہ کار استعمال کی تھی۔

ہم ٹیکسی سے سپر اسٹور کی طرف چلے۔ راستے میں سلطان شاہ پر یکایک ہی کچھ اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی اور میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اندازہ لگا لیا کہ اس کے ذہن میں کوئی کام کی بات آئی تھی جو مجھ تک پہنچانے کے لئے بے چین ہوا جا رہا تھا لیکن ٹیکسی ڈرائیور کی وجہ سے خاموش رہنے پر مجبور تھا۔

پھر ہم نے جوں ہی کرایہ ادا کر کے ٹیکسی کو فارغ کیا' سلطان شاہ یک بیک بول پڑا "ملّا سرکار ہمارے لئے دشواریاں کھڑی کر رہا ہے تو ہمیں بھی اس کے گلے میں ڈھول لٹکا دینا چاہئے۔"

"اب کیا نئی بات سوجھی ہے تم کو؟"

"غیر ملکی کاؤنسلیٹ والے اپنے احاطے میں محصور ہیں انہیں شانتی کی موت کا اسی وقت علم ہو گا جب پولیس لاش کی شناخت کے بعد ان سے رجوع کرے گی..."

"مفروضوں پر سوچ کر اپنے دماغ کو نہ تھکاؤ" میں نے خشک لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "شانتی کی لاش کے ساتھ ہی اس کی ویران کار بھی وہیں کھڑی ہوئی ہے جس پر سفارتی نمبر پلیٹ لگی ہوئی ہے۔ نمبروں کے لئے ہر ملک کا الگ سفارتی کوڈ ہوتا ہے۔ اب تک پولیس ان تک پہنچ چکی ہو گی۔"

"ہمیں فوری طور پر پولیس کو اس کار پر قابض ہونے کا مشورہ دینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ کار میں کچھ اہم دستاویزات وغیرہ مل سکیں" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"وہ کار ایک قتل میں ملوث ہے۔ پولیس والے اسے اپنی تحویل ہی میں رکھیں گے" میں نے اس کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا لیکن اسی لمحے میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا اور میں بے چین ہو گیا۔

میں نے خفت سے بچنے کے لئے سلطان شاہ کو شانتی کی کار میں نصب ٹرانسمٹر اور خود کار پستول کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میں ان حساس آلات کی موجودگی اور کارکردگی کا عینی شاہد تھا۔ شانتی کے قتل کی خبر ملتے ہی اس کے کاؤنسلیٹ کے سینئر افسران اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کر کے شانتی کی کار کو پولیس کی تحویل سے نکال سکتے تھے تاکہ پولیس کو ان حساس آلات کی ہوا نہ بھی لگ سکے لیکن پولیس والوں کو اشارہ دے دیا جاتا تو کار میں موجود ان آلات کی بنا مقامی حکام شانتی پر سنگین الزامات عائد کر سکتے تھے جن کی جواب دہی کاؤنسلیٹ آفس کے لئے دشوار ہوتی۔

اپنی اس نشاندہی کے ذریعے ہم ایک تیر سے دو شکار کر سکتے تھے۔ ایک طرف کاؤنسلیٹ والے مقامی انتظامیہ کو معصوم اور بے گناہ سفارتی افسر کی جان کے تحفظ میں شرمناک ناکامی کا الزام لگانے سے محروم رہ جاتے اور دوسری طرف انہیں اپنی پبلک ریلیشنز آفیسر کی سفارتی کار میں غیر قانونی تنصیبات کا جواز دینا محال ہو جاتا۔

ذہن میں وہ جھماکا ہوتے ہی میں تیزی کے ساتھ ایک پبلک کال آفس کی طرف لپکا جسے میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ سلطان شاہ میرے پیچھے پیچھے اس مختصر سی دکان تک آیا جس کے کاؤنٹر پر فون موجود تھا۔

میں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کے ابتدائی صفحات کی ورق گردانی کر کے پولیس ایمرجنسی سینٹر کا نمبر تلاش کیا۔ میں ملا ہی رہا تھا کہ سلطان شاہ نے کاؤنٹر کے عقب میں موجود نوجوان کو چیونگم کی خریداری کے سلسلے میں دکان کے دوسرے سرے پر اپنے ساتھ الجھا لیا تاکہ میں فون پر آزادی سے بات کر سکوں۔

سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے ایک بھاری مردانہ آواز نے جوں ہی ایمرجنسی سینٹر کے الفاظ ادا کئے میں نے دھیمی مگر واضح الفاظ میں اپنی بات شروع کر دی۔

"فاطمہ جناح روڈ پر فریئر ہال کے پیچھے ایک غیر ملکی جاسوسہ ماری گئی ہے جس کی کار میں اسلحہ اور ٹرانسمٹر موجود ہیں" اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے میں نے غیر قانونی اشیا کے لئے دانستہ جمع کا صیغہ استعمال کیا تھا "اس کے ساتھی کسی بھی لمحے کار کو جائے واردات سے ہٹا کر لے جا سکتے ہیں۔ پولیس نے اس کار پر قبضہ نہ کیا تو اس قتل کی گتھی کبھی نہیں سلجھ سکے گی اور اس کے قتل کا الزام یہاں کے اہل کاروں پر آ جائے گا۔"

"کار کا ماڈل اور نمبر کیا ہے؟" دوسری طرف سے مشینی لہجے میں سوال کیا گیا۔

"ان باتوں میں وقت ضائع کئے بغیر ریڈیو پر اپنی گشتی گاڑیوں کو ہدایت نہ دیں تو تم صبح ہونے سے پہلے معزول کر دیئے جاؤ گے" میں نے کن انکھیوں سے سلطان شاہ کے ساتھ مصروف دکاندار کا جائزہ لیتے ہوئے غراتی ہوئی سرگوشی میں کہا "میں ایک ذمے دار آفیسر کی حیثیت سے تمہیں یہ اطلاع دے رہا ہوں۔"

اپنا پیغام مکمل کرتے ہی میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہاں سے واپس کار کی طرف لوٹتے ہوئے سلطان شاہ اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور پوچھ بیٹھا "تم نے میری تجویز کو مسترد کر دیا تھا تو پھر اب کسے فون کرنے آئے تھے؟"

"پولیس سینٹر ہی فون کیا تھا۔ تمہاری تجویز کی ایک دوسری افادیت میرے ذہن میں آ گئی تھی۔ ہمیں اب مدافعانہ کردار ترک کر کے ان لوگوں کے ساتھ جارحانہ رویّہ اپنانا ہو گا" میں نے کہا۔

اس کی حیران نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ "شاید تم بھول گئے ہو کہ ابھی غزالہ ملا سرکار کے قبضے میں ہے۔ شکست کی جھلاہٹ میں وہ غزالہ کو کوئی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"جب تک معاملہ میری ذات کا تھا میں سمجھوتا کرتا رہا لیکن غزالہ کی وجہ سے میں اپنے ملک کے مفادات پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ اس وقت ملّا سرکار کو چھوٹ دینے کا مطلب وطن سے غداری ہو گا۔ رہی غزالہ' تو وہ اپنا دفاع خود بھی کر سکتی ہے۔ ہم لوگ ہمیشہ اس کی صلاحیتوں کے بارے میں کم تر اندازے لگاتے آئے ہیں۔"

میرے سخت لب و لہجے نے اسے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے جو شہر کے باسیوں کو بری طرح چونکانے کے لئے کافی تھیں کیونکہ پچھلی رات کے اندھیرے نے انسانی لہو میں غسل کر کے اجالے کا روپ دھارا تھا۔

شانتی زخموں کی تاب نہ لا کر طبّی امداد سے پہلے ہی جہنم واصل ہو گئی تھی۔ اس کی کار پولیس نے اپنی تحویل میں لے لی تھی۔ کار کے ڈیش بورڈ میں پوشیدہ بے آواز پستول لائسنس یافتہ تھا لیکن وہ شانتی کی تحویل میں ہونا ضروری تھا۔ اسے جس طرح کار میں نصب کیا گیا تھا وہ طریقہ سراسر غیر قانونی تھا پھر اس سے منسلک سائلنسر نے معاملہ مزید الجھا دیا تھا کیونکہ پورے ملک میں آتشیں اسلحے کے ساتھ ایسے آلات کے استعمال پر کڑی پابندی تھی جو حفاظتِ خود اختیاری کے بجائے اسلحے کو پیشہ ور قاتلوں کے استعمال کی مہلک اور محفوظ اشیا میں تبدیل کر دیتے تھے۔

سفارت خانے نے اپنی ایک اہم خاتون عہدے دار کے بہیمانہ قتل پر حکومت پاکستان سے شدید احتجاج کیا تھا اور اس سازش کے ذمے داروں کو بے نقاب کر کے سزائے موت دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ان لوگوں کے دعوے کے مطابق شانتی اپنے معمول کے فرائض کی انجام دہی کے دوران بے رحمی سے ہلاک کی گئی تھی جس کا کوئی جواز نہیں تھا۔

دوسری طرف مقامی انتظامیہ سے لے کر مرکزی حکام تک' سب ہی نے اس معاملے پر چپ سادھ لی تھی لیکن اخباری ذرائع نے شانتی کی کار میں موجود میڈیم رینج کے غیر قانونی ٹرانسمٹر اور الیکٹرونک سوئچ سے چلنے والے بے آواز پستول کے حوالے سے شانتی کو سیکرٹ ایجنٹ قرار دیا تھا۔ اداریوں میں سخت احتجاج کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ کسی بھی سفارتی اہل کار کو ایک اجنبی ملک کی شہری حدود میں ایسی کار لئے پھرنے کی کیا ضرورت تھی؟

دلائل کے ذریعے نتائج اخذ کئے گئے تھے کہ شانتی اپنے ملک کے مفادات حاصل کرنے کے لئے دہشت گرد اور ناپسندیدہ لوگوں سے خفیہ رابطے استوار کئے ہوئے تھی اور اس کی کار میں نصب پستول کی نوعیت اور پوزیشن سے واضح ہوتا تھا کہ اس کی کار کی پسنجر سیٹ پر بٹھا کر بعض لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف ایک سے دوسرے مقام پر منتقل کیا جاتا تھا اور ایسے لوگ یقینی طور پر مغویان ہی ہو سکتے تھے جن کی

تعداد تشویشناک حد تک بڑھی ہوئی تھی۔
ایک اخبار نے ان سب امکانات کو ایک خصوصی فیچر میں یکجا کردیا تھا۔ اس کے مطابق شانتی اپنے سفارتخانے کے ناپسندیدہ افراد اور مقامی جرائم پیشہ لوگوں اور ایجنٹوں کے درمیان رابطے کا کام سرانجام دیتی تھی۔ وہ ایک خوبرو، جواں سال اور آزاد خیال عورت تھی جو شہر کے سوشل حلقوں میں بھی خاصی جانی پہچانی جاتی تھی۔ اس لئے اسے مجرمانہ سرگرمیوں کے سلسلے میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اس کے لئے کام کرنے والے دہشت گرد اور تخریب کار اس سے ملے بغیر "ٹرانسمٹر" کے ذریعے اس سے ہدایت لیتے تھے اور اسی پر اپنی کارکردگی کی رپورٹ دیتے تھے۔ شہر میں خوف و ہراس اور بے یقینی کی فضا پھیلانے کے لئے شانتی اپنے ایجنٹوں کی ذریعے مال دار اسامیوں کو اغوا کراتی تھی اور کامیابی کی خبر ملنے پر بدنصیب قیدیوں کو اپنی کار کی مہلک پسنجر سیٹ پر بٹھا کر نہایت اطمینان سے محفوظ ٹھکانوں پر منتقل کردیتی تھی۔ اپنے کارندوں کے ذریعے یرغمالی کے لواحقین سے تاوان کے مطالبے، اس پر گفت و شنید اور پھر رقم کی وصولی کے بعد یرغمالیوں کو رہا کرادیتی تھی۔ اس طرح وہ لوگ شانتی کے سفارتی بجٹ سے کوئی مدد لئے بغیر مقامی طور پر اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لئے خطیر قوم بٹور رہے تھے۔
اس کہانی کو اس امر سے تقویت ملتی تھی کہ شانتی کے قتل کے بعد ایک نامعلوم تیز رفتار کار سے شہر کے تین گنجان آباد علاقوں میں ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں طاقتور دستی بم پھینکے گئے جن سے کم از کم سات افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ لاکھوں کی املاک کی تباہی اس اندوہ ناک جانی نقصان کے علاوہ تھی۔
کہا گیا تھا کہ شانتی کے قتل کے فوراً بعد بموں کے وہ دھماکے کسی باہمی چپقلش کاشاخسانہ تھے۔ شاید شانتی سے کہیں کوئی لغزش ہوئی تھی اس لئے اس کے بڑوں نے اسے مقامی قانون کی بے رحم گرفت میں آنے سے پہلے راستے سے ہٹا دیا لیکن جو لوگ شانتی کے لئے کام کرتے تھے وہ اس کے قتل کو مقامی انتظامیہ کے کھاتے میں ڈال کر ہنستی کھیلتی بستیوں پر بم برسانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔
وہ کہانیاں ان لوگوں کے ذہنوں کی پیداوار تھیں جنہیں اندر کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا مگر میرے لئے بات بہت واضح تھی۔ سلطان شاہ کے ہاتھوں بدترین زک اٹھانے اور شانتی کے قتل کا یقین کرلینے کے بعد ملاّ سرکار کا شکست خوردہ ذہن انتقام کی راہ پر چل پڑا تھا۔ اس نے جہاں بھی ہم سے تصادم کیا وہیں ہم سے مار کھائی تھی۔ غزالہ کو اتفاقاً اپنا یرغمالی بنانے کے علاوہ اسے کہیں بھی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی
اس لئے اس درندے نے شہر کی گنجان بستیوں کو خاک و خون میں نہلا دیا تھا۔
ملاّ سرکار ایک جنونی شخص تھا جو برسوں سے اپنے پیاروں، عزیزوں گھر بار حتیٰ کہ وطن تک کو تج کر پرائی مٹی پر بیٹھا اسے لہو رنگ بنانے کے منصوبے پر انتھک محنت کر رہا تھا۔ اس نے چوروں، ڈاکوؤں اور رسّا گیروں کی مدد سے سندھ کے اندرونی اور سرحدی علاقوں میں جس تباہی کے خواب دیکھے تھے اس کی ایک ہلکی جھلک اس نے کراچی والوں کو دکھا دی تھی۔
میرے لئے صرف ایک ہی خیال باعثِ تسکین تھا کہ کسی بڑی اور ناقابلِ تصور بربادی کی راہ روکنے کے لئے سات انسانی جانوں کی قربانی قومی سطح پر کوئی بڑی قیمت نہیں تھی لیکن افسوس ان چھوٹی چھوٹی خبروں کو پڑھ کر ہوا جن میں مرنے والوں کو ان کے قومی منصب سے بہت نیچے دھکیل دیا گیا تھا۔
متعدد تنگ نظر اور متعصب لوگوں نے آناً فاناً میں مرنے والوں کے شجرے کھنگال ڈالے تھے اور صوبے، مذہب، ذات، برادری کے نام پر اس منظم دہشت گردی کو نسلی، لسانی، فرقہ وارانہ اور علاقائی تشدد قرار دیتے ہوئے اپنے حریفوں کا زن بچہ کولہو پلوادینے کے مطالبات پیش کردیئے تھے۔ میرے لئے وہ بڑے دکھ کی بات تھی کہ زیرِ زمین تیار ہونے والی ہوشربا سازشوں کے اس دور میں بھی بعض لوگ اپنی ناک سے آگے دیکھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہیں خبر نہیں تھی کہ وقتاً فوقتاً سر ابھارنے والی تشدد اور خونریزی کی ان لہروں کے پیچھے ایک ایسا بھیانک لاوا پک رہا تھا جو پھٹ پڑنے پر، کسی بھی تمیز اور تفریق کے بغیر اپنی راہ میں آنے والے ہر ذی روح کو جلا کر خاک کرسکتا تھا۔ اس لاوے کی تیاری کے لئے کچھ ایندھن سرحد پار سے لایا جارہا تھا اور کچھ عاقبت نااندیش لوگ اپنی تنگ نظری سے رضاکارانہ طور پر فراہم کر رہے تھے۔
ویرا نے اپنی رات جہانگیر کے گھر پر ہی بسر کی تھی اور شاید دیر سے سو کر اٹھی تھی۔ کیونکہ گیارہ بجے اس کا فون آیا۔ وہ میری اور شانتی کی مجوّزہ ملاقات سے باخبر تھی اس لئے اخبارات پڑھ کر اس کا بوکھلا جانا فطری امر تھا۔
"اخبارات کل رات کے بارے میں کیا کہانیاں سنا رہے ہیں؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔
"کہانیاں تو ہر لمحے جنم لیتی رہتی ہیں، یہ بتاؤ تمہاری رات کیسی گزری؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔
"اچھی ہی گزری" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا تھا "لیکن اخبار پڑھ کر قلق ہو رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ کیوں نہ ہوئی؟ تم تو خیریت سے ہو نا؟"
"تم سے دور رہ کر میں عموماً خیریت سے ہی رہتا ہوں۔ میرا

یال ہے کہ ملاّ سرکار آج غصے میں خود ہی اپنی بوٹیاں نوچ
ہا ہوگا۔ تمہارا دل بھر چکا ہو تو میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے گھر جا کر
ں کی کسی کال کا انتظار کرو۔ ویسے بھی آج شام اسے تم سے
ت کرنا ہے" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "بیک
یٹ ٹی یہاں ملاّ سرکار کے نام سے رہ رہا ہے۔"
"تو کیا وہ مقررہ وقت سے پہلے بھی مجھ سے رابطہ کرسکتا ہے؟"
"میرا یہی خیال ہے۔ پے درپے ناکامیوں نے شاید اس کا
ماغ الٹ دیا ہے۔ جب ہی اس نے شہر کے تین علاقوں میں بم
پھینکنے کی وارداتیں کی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ٹریفک کے ایک
ادثے میں وہ زخمی بھی ہوا ہوگا۔"
"ٹرانسمٹر تو میں مقررہ وقت پر ہی آن کروں گی" اس
ی آواز ابھری۔
"وہ آلات اس نے ہمیں مرعوب کرنے کے لئے نصب کئے تھے۔ وہ ہمیں یہ جتانا چاہتا تھا کہ ہمارا گھر بھی اس کی دسترس سے باہر نہیں ہے ورنہ وہ فون پر بھی رابطہ کرسکتا ہے۔"
"فون پر رازداری کا پورا یقین نہیں ہوتا" اس نے ہلکی سی آواز میں کہا تھا "ویسے میرا خیال ہے کہ اس کا دماغ اگر سنکا ہوا ہے تو پھر وہ میرا فون نمبر ضرور ٹرائی کر رہا ہوگا۔"
"اسی لئے میں تمہیں اپنے گھر جانے کا مشورہ دے رہا ہوں" میں نے کہا۔
"وہ غزالہ کو ایذائیں نہ دے رہا ہو" ویرا نے بھی میری دکھتی رگ چھیڑ دی۔
"دیتا رہے!" میں نے جھلا کر کہا "وہ میری دسترس سے باہر ہے۔ اگر اس کی زندگی باقی ہے تو وہ بچ ہی جائے گی۔ فی الحال میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔"
کہنے کو تو میں نے اس سے کہہ دیا لیکن اپنے ایک غیر جذباتی تجزیئے میں، میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس وقت غزالہ کو ملاّ سرکار کی ذات سے کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں تھا۔
اس کے اصل مشن کی کامیابی کا انحصار شانتی کی زندگی یا موت پر نہیں بلکہ ٹی سے مہلک اسلحے کی فراہمی پر تھا۔ وہ ویرا کو بتا چکا تھا کہ غزالہ اس کی قید میں تھی۔ ایسی صورت میں غزالہ کو کوئی نقصان پہنچتا تو اسے ٹی سے اسلحہ ملنے کے امکانات ختم ہوکر رہ جاتے۔ اصل صورتِ حال تو یہ تھی کہ اس وقت تک ویرا نے ملاّ سرکار کو اسلحہ فراہم کرنے کی سمت میں کوئی پیش رفت نہیں کی تھی لیکن ملاّ سرکار کو تاثر یہی دیا گیا تھا کہ انتظامات طے ہوتے ہی اسے اسلحہ مل سکتا تھا۔
ویرا پاکستان میں ٹی کی اکلوتی کلیدی شخصیت تھی اس لئے ملاّ سرکار اپنے مفاد کی خاطر اسے چھیڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہی اس کے اسلحے کے سودے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتی تھی مگر میری بات دوسری تھی۔ وہ میری اصلیت سے باخبر تھا اور ویرا کی لاعلمی میں مجھ پر ہاتھ ڈال کر میرا پتا صاف کرنا چاہ رہا تھا۔ اپنی کامیابی کی صورت میں وہ غزالہ کو ویرا کے حوالے کرکے اس سے اسلحے کی کم از کم پہلی کھیپ ضرور وصول کرسکتا تھا۔
وہ تو میرے ستارے یاور تھے کہ میں نہ صرف گردھاری لال کے مکان سے زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا بلکہ شانتی کے بھرپور وار سے بھی خود کو بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ ورنہ ملاّ سرکار نے مجھے ہر طرف سے گھیرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں اس کے ہاتھ لگ جاتا تو نہایت خاموشی کے ساتھ وہیں روانہ کردیا جاتا جہاں کرنل مہیش پال پہلے سے موجود تھا۔
ویرا اخبارات کے ذریعے واقعات کا خلاصہ تو سمجھ چکی تھی لیکن وہ اس کی تسلی کے لئے ناکافی تھا اس لئے میں نے اس کے سوالات کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے مختصر الفاظ میں پچھلی شام کے اہم واقعات سے آگاہ کرکے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ اس سے پہلے اس نے مجھ سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ تیار ہوکر فوراً ہی اپنے گھر منتقل ہوجائے گی۔
اسی لمحے دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس بار لائن پر سلطان شاہ تھا جسے میں نے صبح ہی ہندو پنچایت کے سربراہ کا سراغ لگانے کے لئے روانہ کردیا تھا۔
"اس کا نام موہن داس ولد کرم چند ہے" سلطان شاہ بتا رہا تھا۔ "وہ کیماڑی کے علاقے میں رہتا ہے اور بولٹن مارکیٹ کے علاقے میں اس کی آڑھت ہے۔"
"کیا اس کی ولدیت سے اس کی شناخت میں کوئی فرق پڑتا ہے؟"
"پڑنا تو نہیں چاہئے لیکن وہ اپنے نام کے ساتھ ولدیت ضرور لکھتا ہے۔ دکان کے بورڈ پر بھی اس نے یہی نام لکھا ہوا ہے۔" سلطان شاہ کے لہجے میں شگفتگی تھی "ہوسکتا ہے کہ اسے اپنی ولدیت بدل جانے کا ڈر رہتا ہو۔"
"تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔
"سٹی پوسٹ آفس کے پبلک کال آفس سے بول رہا ہوں۔ موہن داس ولد کرم چند اس وقت اپنی آڑھت پر براجمان ہے۔ بہت موٹا اور ڈرپوک سا آدمی ہے۔ میرا خیال ہے کہ دو چار ہی دھمکیوں میں روتا ہوا پیروں پر گر جائے گا۔"
"بدمعاشی کے سامنے سارے ہی شریف اور معزز آدمیوں کا یہی حال ہوتا ہے۔"
"پھر اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔
"اسے دکان ہی سے اٹھا لیا جائے تو بہتر رہے گا۔

ہوکہ ہمارے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ملاّ سرکار کو اس کا دھیان آجائے اور وہ اسے بھی ٹھکانے لگادے۔"

"کرین کے بغیر اسے اٹھانا دشوار ہوگا۔ ویسے ڈیڑھ بجے کے قریب وہ کھانا کھانے کے لئے گھر جاتا ہے" سلطان شاہ میں خوبی یہی تھی کہ جب وہ کوئی کام کرتا تھا تو اس کی تمام جزئیات پر بھی پوری طرح نظر رکھتا تھا۔

بولٹن مارکیٹ کا علاقہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا اور پھر مافیا کا ہیڈ کوارٹر بھی ٹریڈ لائن نامی دفتر کی آڑ میں وہیں قائم تھا۔ میں چاہتا تو میرے ایک اشارے پر سینڈو وہاں پہنچ سکتا تھا لیکن میں اس پورے معاملے کو بالکل ذاتی سطح پر نمٹانا چاہتا تھا۔ مافیا کو درمیان میں لانے سے یہ خدشہ تھا کہ کہیں میرے اور ویرا کے روابط کا راز فاش نہ ہوجائے۔

"اس موٹے پر نگاہ رکھو" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میں ٹھیک ایک بجے لکشمی بلڈنگ کے سامنے تاج ہوٹل میں ملوں گا۔ وہیں بات کریں گے۔"

"موہن داس ولد کرم چند کو گھیرنے کے لئے لکشمی بلڈنگ کے سامنے ملنے کا خیال بہت اچھا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم مقررہ وقت پر تاج ہوٹل میں نہیں پہنچ سکو گے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں وقت کی پابندی کا خیال رکھوں گا" میں نے کہا۔

"تم مجبور ہو جاؤ گے۔ یہاں پارکنگ کا بہت برا حال ہے۔"

مجھے ایک بار پھر اس کی محنت کی داد دینا پڑی۔ حالانکہ پارکنگ اس کا نہیں بلکہ میرا مسئلہ تھا۔ پھر بھی اس نے اس پہلو پر نگاہ رکھی تھی۔ دن کے اوقات میں اس علاقے میں گاڑی کھڑی کرنے کے لئے جگہ تلاش کرنے کا مسئلہ روز بہ روز واقعی سنگین صورت اختیار کرتا جارہا تھا جس کے سامنے حکام بے بس نظر آتے تھے۔

"پھر یوں کرو کہ تم باہر فٹ پاتھ پر ہی رہنا" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سوچتے ہوئے کہا "میں تمہیں اپنے ساتھ کار میں لے لوں گا۔ تمہاری کار اس وقت کہاں ہے؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔ اپنی کار میں نے کھارادر کے رہائشی علاقے میں پارک کی ہوئی ہے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر میں واپسی پر اپنی گاڑی لے لوں گا۔ لیکن تم نے موٹے کے لئے کیا سوچا ہے؟"

"اب سوچوں گا اور ملا... اس بارے میں بات ہوگی۔" میں نے کہا۔

اس نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا اور میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر کچن میں گھس گیا۔

بھاپ اڑاتی ہوئی تازہ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے، میرا ذہن موہن داس میں الجھا رہا۔ ویسے تو وہ ایک معزز اور کاروباری آدمی تھا۔ سلطان شاہ کی فراہم کی ہوئی تفصیلات کے مطابق وہ لڑائی جھگڑے سے دور بھاگنے والا ایک ڈرپوک آدمی تھا لیکن خرابی یہ تھی کہ وہ جس دھرتی کا باسی تھا، اس سے صدقِ دل سے وفادار نہیں تھا۔

گردھاری لال نے اپنی ناگہانی موت سے قبل مجھے بتایا تھا کہ ملاّ سرکار کو موہن داس ہی نے اس سے متعارف کرایا تھا اور وہ تینوں ہی بدقسمتی سے پاکستان میں رہ کر اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھا کرتے تھے۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ پاکستان میں رہنے والے سارے ہندو پاکستان کے مخالف رہے ہوں۔ میں خود ایسے بہتیرے ہندوؤں کے ناموں سے واقف تھا جو پاکستان کے اہم مرکزی اور صوبائی محکموں میں کلیدی عہدوں پر سرفراز تھے اور شاید دل و جان سے پاکستان کے وفادار بھی تھے لیکن میں پاکستان کے خلاف اس کے توسیع پسند پڑوسی کی سازش پر کام کررہا تھا۔ میرا ہدف بلیک کیٹ ٹی یا ملاّ سرکار تھا جو دراصل ایک جنونی ہندو تھا اس لئے اس مردود کے حوالے سے اس کے سچے ہمدردوں کے جو نام میرے سامنے آرہے تھے وہ سب ہی ہندوؤں اور ایسے ہندوؤں کے تھے جو پاکستان کے ذرا بھی مخلص نہیں تھے وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ اس ٹولے میں کسی وطن دوست کی توقع اسی طرح عبث تھی جیسے شیطان کے چیلوں میں کسی زاہد کی موجودگی کی امید۔

فرق صرف یہ تھا کہ ملاّ سرکار دل و جان سے پاکستان کی سلامتی کے خلاف کام کر رہا تھا اور گردھاری لال اور موہن داس جیسے ہندو بنیے مال و دولت سے اس کی مدد کر رہے تھے ان میں سے کوئی بھی کسی رعایت کا مستحق نہیں تھا لیکن میرا اپنا خیال تھا کہ اگر موہن داس آسانی کے ساتھ زبان کھولنے پر آمادہ ہوجاتا تو میں اسے زبان بند رکھنے کی ہدایت کے ساتھ اس کے حال پر چھوڑ دیتا۔ عین ممکن تھا کہ اپنی جان کے خوف سے وہ آئندہ کے لئے ملا سرکار کی حمایت سے تائب ہوجاتا۔

میں نے لباس تبدیل کر کے جلد ہی فلیٹ چھوڑ دیا تاکہ موہن داس کے دکان سے اٹھنے سے پہلے ایک بار اس دکان اور علاقے کا جائزہ لے کر اپنی راہِ عمل کا تعین کرسکوں۔

میں ایک بجنے سے کافی پہلے ڈینسو ہال کے علاقے سے گزرا تو میرا خیال تھا کہ مجھے سلطان شاہ کا انتظار کرنا ہوگا لیکن مقررہ مقام پر وہ مجھے دور ہی سے نظر آگیا۔

اس نے بھی میری کار پہچان لی تھی اس لئے میرے پہنچنے سے پہلے فٹ پاتھ سے نیچے اتر آیا۔ ...وں ہی میں نے کار روکی وہ بائیں طرف کا اگلا دروازہ کھول کر میرے برابر میں سوار ہو گیا۔

"آڑھتیوں کے علاقے میں ٹرکوں اور بار برداری کی دوسری سواریوں کا بہت زیادہ ہجوم ہے" سلطان شاہ نے داہنی طرف مڑنے پر آمادہ پاکر کہا "تم پیدل چل کر ہی اس دکان تک پہنچ سکو گے۔"

ایک جگہ میں نے کار سڑک کے کنارے روک دی اور سلطان شاہ سے کہا "تم ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے رہو تاکہ لفٹر سے کار نہ اٹھالی جائے۔ میں اس کا جائزہ لے کر واپس آتا ہوں۔"

وہ خاصی بڑی دکان تھی۔ اس پر لگے ہوئے بڑے سے بورڈ کے نیچے جلی حروف میں پروپرائٹر موہن داس ولد کرم چند لکھا ہوا تھا۔ دکان کے باہر خالی اور مال سے لدے ہوئے ٹرک کھڑے ہوئے تھے۔ دکان کے اندر کئی افراد موجود تھے۔ کچھ چل پھر رہے تھے، کچھ کرسیوں پر براجمان تھے لیکن ان سب میں نمایاں موٹی سی توند والا ایک پستہ قامت اور کوتاہ گردن شخص تھا جو بڑے آسودہ انداز میں بڑے سے تخت پر جمی ہوئی گدی پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہاں موجود سب ہی لوگ صورتوں اور اپنے اطوار سے سیدھے سادے نظر آرہے تھے۔ اس وقت مجھ پر نہ جانے کیا اضطراری کیفیت طاری ہوئی کہ میں رکے بغیر سیڑھیاں چڑھ کر دکان میں جاگھسا۔

موٹا شخص اس وقت اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بیوپاریوں سے پیاز کے کسی سودے کے بارے میں بات کررہا تھا۔ اس نے اپنی تیوری میں خفیف سے بل ڈال کر ناگواری سے میری طرف دیکھا اور میں نے اسی لمحے دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر اسے ہندوانی انداز میں پرنام کیا۔

مسلمانوں کے ملک اور شہر میں ایک اجنبی کا یہ انداز موٹے کے لئے چونکا دینے والا ثابت ہوا لیکن اس نے منہ سے کچھ کہنے کے بجائے اپنی ننھی سی بل دار گردن کو خفیف سی جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

میں آگے بڑھ کر خاموشی کے ساتھ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ موٹے کے سامنے بیٹھے ہوئے بیوپاری میری مداخلت کی وجہ سے خاموش ہو کر مجھے گھورنے لگے۔ موٹا بھی میری طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے میری موجودگی اس کی طبعِ نازک پر گراں گزر رہی ہو۔

"کیا بات ہے؟ کون ہو تم؟" آخر کار اس نے بھاری بلغمی آواز میں مجھ سے سوال کیا۔

"میں ستیش پال ہوں مہاراج!" میں نے اپنے ذہن میں سب سے پہلے آنے والا نام دہراتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "چند روز ہوئے دلی سے یہاں آیا ہوں۔ تم اپنی بات کرلو، میں اتنی دیر انتظار کرلوں گا۔"

دلی کے ذکر پر موہن داس کے چہرے پر ہلکا سا رنگ آکر گزر گیا۔ اور وہ پھر اپنے سامنے والوں سے مخاطب ہوگیا "میاں جی! میں ایک پیسہ بھی کم نہ کرتا لیکن یہ میرا مہمان آگیا ہے۔ نہ میرے پچاس نہ تمہارے چالیس۔ بس اب اڑتالیس پیسے پر بات ختم کرو۔ مجھے بھی کھانا کھانے جانا ہے۔"

"اڑتالیس سے تو بہتر ہے کہ تم اپنے پچاس پیسے ہی رکھو لیکن کاروبار میں اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی" ایک منحنی سے آدمی نے اپنے منہ میں پان کا گولا ایک داڑھ سے دوسری طرف گھماتے ہوئے کہا۔

میرا خیال تھا کہ اس آڑھت پر کروڑوں کا لین دین ہوتا ہوگا۔ صرف وہ جگہ ہی لاکھوں کی ملکیت تھی۔ اس لئے ان کے درمیان پانچ دس پیسوں پر ہونے والی حجت سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا لیکن میں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

ان میں تکرار جاری رہی، میں نے محسوس کرلیا تھا کہ موہن داس میرے بارے میں تجسس میں مبتلا ہوگیا تھا اور اس بحث کو جلد از جلد ختم کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کے ساتھ ایک پیسہ بھی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔

وہ لوگ روپوں کی کوئی بات نہیں کررہے تھے۔ سارا مسئلہ پیسوں پر اٹکا ہوا تھا۔ ان کے چند منٹ کے مکالموں کو سن کر مجھے معلوم ہوا کہ داموں میں ان پیسوں سے پہلے دو روپے بھی موجود تھے اور وہ سودا اتنا بڑا تھا کہ نرخ میں ایک پیسے کی کمی بیشی سے پورے بارہ ہزار کا فرق پڑ رہا تھا۔

پاکستان میں کرنسی کا اعشاری نظام رائج ہونے کے بعد پیسے سے چھوٹا کوئی سکہ باقی نہیں رہا تھا لیکن ان اسامیوں کے لئے پیسہ بہت بڑی رقم تھی اس لئے انہوں نے اس کے بھی ٹکڑے کئے ہوئے تھے اور آخر کار ان کا سودا پونے اڑتالیس پیسوں پر ختم ہوگیا۔ پان چبانے والے نے اپنی میلی قمیص کا دامن اٹھا کر نیچے پہنی ہوئی بنیان کی جیب سے ایک ہزار روپے والے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور موہن داس کی گود میں پھینک دی۔

"مال کل سے بھجوانا شروع کردو" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ان کے درمیان چند رسمی باتیں ہوئیں اور پھر وہ ٹولی وہاں سے روانہ ہوگئی۔

موہن داس نے ان کے جاتے ہی وہ گڈی گنے بغیر آہنی تجوری میں ڈال لی۔

میں نے دیکھا کہ موہن داس کو اپنی اندرونی جیب سے ایک لاکھ روپے دینے والا بظاہر بہت مفلوک الحال نظر آرہا تھا۔ اس کا رنگین لباس خاصا میلا تھا جس پر جابجا پیک کی چھوٹی اور بڑی چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ اپنے مدقوق چہرے کے ساتھ اگر وہ کسی مصروف فٹ پاتھ پر کچھ سوچنے کے لئے بھی رک جاتا تو بہتیرے خدا ترس لوگ اس پر رحم کھا کر اس کی جیبوں میں صدقے اور خیرات کی رقوم ڈالتے چلے جاتے۔

ایسے لوگوں کی دنیا بھی بڑی عجیب ہوتی ہے۔ وہ زندگی بھر لاکھوں کماتے ہیں اور ہر لمحے اپنی کمائی بڑھانے اور اسے جوڑنے کے عذاب میں مبتلا رہتے ہیں۔ خود سسک سسک کر زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں پیسے سے اتنی محبت ہوتی ہے

کہ اپنی کمائی اپنی ذات پر خرچ کرتے ہوئے بھی ان کا دل دکھتا ہے لیکن یہ اپنے تمام تر ذہنی، جسمانی اور روحانی امراض کے باوجود لمبی عمریں پاتے ہیں۔ ناگ بن کر اپنی تجوریوں پر بیٹھے رہتے ہیں جیسے انہیں عمر بھر اپنی مایا ہی کو سینا ہے اور پھر ایک دن وہ اچانک مر جاتے ہیں۔ زندگی بھر انہیں یہ یاد نہیں آتا کہ ایک روز انہیں سب کچھ اسی دنیا میں چھوڑ کر خالی ہاتھ دوسرے جہاں میں چلے جانا ہے۔

"ہاں جی! اب تم کہو کیسے آئے ہو؟" موہن داس کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے سنبھل کر اس کی طرف دیکھا اور رازدارانہ لہجے میں سوال کیا "اجازت ہو تو قریب آجاؤں؟"

"تم شودر تو نہیں ہو؟" اس نے اشتباہ آمیز نظروں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مہاراج!" میں نے پُر وثوق لہجے میں کہا "پکا برہمن ہوں برہمن!"

"خوب! تو پھر ادھر آجاؤ" اس نے تخت پر اپنے قریب ہاتھ مار کر دعوت دی۔

میں سعادت مندانہ انداز میں اس کے قریب جا بیٹھا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا "معاملہ اچانک ہی بہت گمبھیر ہوگیا ہے تمہیں تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

سلطان شاہ کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ وہ میرے لب و لہجے سے ہی گھبرا گیا اور اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ وہ بولا تو اس کی آواز میری آواز سے بھی زیادہ دھیمی تھی۔

"کیا ہوگیا؟ کہاں چلنا ہوگا؟ مجھ سے کھل کر بات کرو۔ میں دل کا مریض ہوں۔"

"گھبراؤ نہیں" میں نے جلدی سے اسے تسلی دی۔ "معاملہ کچھ ایسا خراب بھی نہیں ہوا ہے۔ تمہاری آنکھوں سے خوف جھلک رہا ہے۔ تمہارے آدمیوں کو ہماری باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"لعنت بھیجو ان مرداروں پر" وہ دانت پر دانت جما کر کراہا۔ "میرے پیٹ میں ہول اٹھ رہے ہیں۔ جلدی بتاؤ کہ تم کیا خبر لائے ہو؟ دلی سے کس نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے؟"

"دلی سے ہزاروں دیش سیوک، یاتری بن کر پاکستان میں داخل ہوچکے ہیں۔ سمندر میں ہمارے جہازوں نے کراچی کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے۔ ان کی توپوں کے گولے اس وقت بھی شہر پار کرسکتے ہیں" میں نے اپنے لہجے کو اور دھیما کرکے اسے اس قدر سنسنی میں مبتلا کردیا کہ اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح تیزی سے پھولنے اور پچکنے لگا۔

"سینا سرحد پر تیار ہے لیکن یہاں گردھاری لال کا ... ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ سے سارا معاملہ چوپٹ ہوتا نظر آرہا ہے۔ ملا سرکار کو اس وقت تم جیسے سیانوں کے مشورے کی ضرورت ہے۔"

"اس کا نام مت لو" وہ میرا ہاتھ دباتا ہوا گھگھیایا "میں کسی وقت اس سے مل لوں گا۔"

"لیکن اس نے تمہیں ابھی بلایا ہے۔ تم یہاں برادری کے سرپنچ ہو۔ وہ تمہاری رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ تم سے مشورے کے بعد ہی وہ اپنے اوپر والوں سے بات کرے گا۔"

"اس وقت تو میری گاڑی بھی بچوں کو اسکول سے لینے گئی ہوئی ہے۔"

اس کا لہجہ مایوسانہ تھا لیکن میرے لئے وہ بہت بڑی خوشخبری تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اضطرار کی حالت میں کی ہوئی میری پیش قدمی ستاروں کی کسی موافقانہ چال کا نتیجہ تھی جب ہی میرا شکار خود بخود میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر لحہ بہ لحہ بے بس ہوا جارہا تھا۔

میری زبان سے گردھاری لال اور ملا سرکار کے نام سن لینے کے بعد اسے وہم تک نہیں ہوسکا تھا کہ میں اس کا کوئی دشمن تھا۔ اس کی دانست میں ایسی اندر کی باتیں تو گھر کا کوئی بھیدی ہی جان سکتا تھا۔

"تم فکر نہ کرو مہاراج!" میں نے اسے دلاسا دیا "میرے ساتھ چلو۔ ملاقات کے بعد میں خود ہی تمہیں یہاں چھوڑ دوں گا۔ دیش اور دھرم کے معاملوں میں دیر سویر کو بھگوان کبھی معاف نہیں کرتا۔"

اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنی گدی سے اٹھنے کی کوشش کی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے اس شانے پر زمین نے اپنا محور منتقل کرنا شروع کردیا ہو۔ اس سے پیشتر میری قوت برداشت جواب دے جاتی، اس کا پہاڑ جیسا بوجھ میرے شانے سے اس کے اپنے قدموں پر منتقل ہوگیا۔

"کہاں چلے بابو؟" اسے اٹھتا دیکھ کر دکان کے کسی حصے سے کسی نے سوال کیا۔

"پھر وہی بابو" وہ سر جھٹک کر غصے سے بڑبڑایا "حرامی کو لاکھ بار سمجھایا ہے کہ میں اس کی ماں کا خصم نہیں ہوں پھر بھی بابو بابو کی رٹ لگائے چلا جاتا ہے" پھر اونچی آواز میں بولا "ابھی آتا ہوں۔ ذرا ضروری کام سے باہر جارہا ہوں۔ آج کا سودا ہو ہے کوئی بیوپاری آئے تو کل بلالینا۔"

مختصر قامت کے ساتھ موہن داس کا بے تحاشا پھیلا ہوا وجود، تخت پر مضحکہ خیز انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اپنے مرکز ثقل سے خطرناک حد تک باہر نکلی ہوئی توند دمنوں وزنی بوجھ کے ساتھ وہ چلتا کیسے ہوگا لیکن جب گوشت اور چربی کا وہ بے ہنگم انبار حرکت میں آیا تو میرا دل یکلخت اپنے پروردگار کی کبریائی کا قائل ہوگیا جو کسی کی ناتواں پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں لادتا۔

موہن داس میرے سہارے کھڑا ہوا تھا لیکن پھر خود ہی چلتا ہوا تخت سے نیچے آگیا۔

"گاڑی کہاں ہے؟" دکان سے فٹ پاتھ پر اترتے ہوئے اس نے سوال کیا تھا۔

"قریب ہی ہے مہاراج" میں نے جلدی سے کہا پھر اس کی توجہ بانٹنے کے لئے سوال کیا "وہ کون ہے جو بلاوجہ ہی تمہیں بابو کہہ کر پکارتا ہے؟"

"میرے منیم کا لڑکا ہے۔ میرے پاس کام کرتا ہے۔ منیم کی بیوی ایسی سوکھی سڑی اور دھان پان سی ہے کہ میں اس کا پتی ہوتا تو بیاہ ہوتے ہی اس کی ہتیا کرنے کے جرم میں سولی پر لٹکا دیا گیا ہوتا۔"

میں اخلاقاً دھیمے سے ہنس دیا "بابو تو احترام کا لقب ہے مہاراج! تم اس کی ماں کے بارے میں کیوں سوچنے لگتے ہو؟"

"پھر تم کیوں مجھے بابو کے بجائے مہاراج کہہ رہے ہو۔ اتنی عمر گزر گئی لیکن میری اپنی اولاد اور اس حرامی منیم کے بچے کے علاوہ کسی نے بھی مجھے بابو کہہ کر نہیں پکارا۔"

اس بار میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ اس جیسے بے ڈول، کریہہ اور بے ہنگم شخص کو کوئی احتراماً تو کیا ضرورتاً بھی باپ بنانے پر آمادہ نہ ہوتا۔ اس کے بچوں کی سعادت مندی تھی کہ وہ اسے دیکھ دیکھ کر بھی اپنی ولدیت سے منحرف نہیں ہوتے تھے اور منیم کے لڑکے نے تو خوشامد کی انتہا کی ہوئی تھی۔

شاید موہن داس کو وہ مٹاپا ورثے میں ملا تھا۔ مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس کا باپ یعنی کرم چند اس سے زیادہ مکروہ وجود کا حامل رہا ہوگا جب ہی موہن داس نے اپنی ذہنی بغاوت کے لئے اپنے باپ کے نام کو مستقل طور پر اپنے نام کا جزو بنالیا تھا تاکہ باپ کے حوالے سے اس کی برہمی برقرار رہ سکے۔

راستے میں وہ جلد ہی ہانپنے لگا۔ اس نے مجھ سے تین بار گاڑی کے بارے میں استفسار کیا اور میں ہر بار اسے غوطہ دے گیا۔ ہمارے آس پاس سے گزرنے والے گوشت کی اس تھلتھلاتی ہوئی پہاڑی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اور جو اس کے شناسا تھے وہ دور سے اس سے سلام دعا ضرور کر رہے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی بد باطنی کے باوجود علاقے میں اس کی عزت اور ساکھ قائم تھی۔ اس کے مذہب کی وجہ سے لوگوں نے اسے نظر انداز نہیں کیا ہوا تھا۔

ہم مین روڈ سے ذرا ہی دور تھے کہ سلطان شاہ نے ہمیں دیکھ لیا۔ میں موہن داس کے ساتھ وہیں رک گیا اور ہاتھ کے اشارے سے سلطان شاہ کو گاڑی وہیں لانے کی ہدایت کی۔

سلطان شاہ گاڑی لے کر آیا تو حیرت اور بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں موہن داس کو اتنی آسانی کے ساتھ اس کی دکان سے اٹھالاؤں گا۔ سلطان شاہ نے کسی فرماں بردار ڈرائیور کی طرح موہن داس کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور پوری احتیاط کے ساتھ اسے دروازے سے اندر گھسیڑ دیا۔ میں پیچھے بیٹھ گیا۔

"یہ ... یہ تمہارا ڈرائیور شودر تو نہیں ہے؟" اندر بیٹھنے کے بعد موہن داس نے چڑھتے ہوئے سانسوں کے درمیان مجھ سے سوال کیا۔ اس وقت تک سلطان شاہ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں پہنچا تھا۔

"مہاراج! تم تو یہاں مُسلوں کے ساتھ رہتے ہو جو ہمارے دھرم کو ہی جھوٹا افسانہ قرار دیتے ہیں۔ پھر تم شودروں سے اتنا کیوں گھبراتے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"مُسلوں سے دور دور ہی رہتا ہوں۔ میرے جاننے والے مجھ سے ہاتھ بھی نہیں ملاتے ..."

"وہ اپنا دھرم بھرشٹ ہونے سے بچاتے ہوں گے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں" وہ نرمی سے بولا "ان کا دھرم جیسا بھی ہو لیکن مُسلے میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ آنے جانے والوں کی چھوت چھات سے بچنے کے لئے ہی میں تخت پر بیٹھتا ہوں" سلطان شاہ نے کار آگے بڑھادی تھی۔

"اور ان سے لین دین بھی نہیں کرتے؟" میں نے اسے مصروف رکھنے کے لئے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"وہ تو مجبوری ہے" اس نے بے چارگی سے کہا "دھن آتا ہے تو لینا ہی پڑتا ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ جس دن آنے والے دھن کو ٹھکرایا تو لکشمی دیوی روٹھ جائے گی۔ ہم اپنے دیوی دیوتاؤں کو کیسے ناراض کرسکتے ہیں؟"

"وہ شودروں والی بات بیچ میں رہ گئی" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ تو رامائن میں لکھا ہے متمش پال کہ برہمن، کھتری اور ویش پوتر آتمائیں ہوتی ہیں انہوں نے بدن سے جنم لیا تھا اور شودر تو اس مٹی سے اٹھے ہیں جو دیوی دیوتا کے ملاپ کے وقت گندی ہوگئی تھی۔ مُسلوں کو تو ہم نام سے پہچان کر احتیاط کرلیتے ہیں لیکن شودروں سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ یہ کمینے اب نام بھی ہم جیسے رکھنے لگے ہیں۔"

"تو پہلے کب ان کے نام ہم سے الگ ہوتے تھے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں ہوتے تھے" اس نے قدرے توقف کے بعد شکست خوردہ لہجے میں اعتراف کیا "مگر وہ خود ہی ہم سے دور، زمین پر بیٹھتے تھے۔ اب یہ ننگ پنے پر اتر آئے ہیں۔ ہماری برابری کرنے لگے ہیں۔"

"اب کدھر چلنا ہے؟" سلطان شاہ نے ٹاور سے کار کو واپس چندریگر روڈ پر موڑتے ہوئے پوچھا۔

"ویرا دیوی کے گھر چلو۔ مہاراج کی وہیں خاطر کریں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

موہن داس بھونڈے انداز میں ہنس پڑا "ہم تو یہاں مرمر کر جی رہے ہیں۔ ایسے میں خاطرمدارات میں بھی لطف نہیں آتا۔ تہوار تو ہم اس دن منائیں گے جب یہاں کے گلی کوچوں میں بھی بندے ماترم گونجے گا اور ترنگا سب سے اوپر لہرائے گا .... یہ بتاؤ کہ جب ہم سمندر میں گھیرا ڈال چکے ہیں، سینا تیار ہے اور دیش سیوک یہاں آن گھسے ہیں تو اب نقارہ بجنے میں کیا دیر ہے؟ میں تو جس دن ملّا سرکار سے ملا تھا، میں نے اسی دن اپنی بلڈنگ کی چھت پر نکلے ہوئے گٹر کے پائپ میں ڈوری سمیت اونچا سا بانس پھنسوا دیا تھا۔ ترنگا باندھ کر بس ڈوری کو کھینچنا ہوگا اور میری بلڈنگ پر بھارت ماتا کا ترنگا جھنڈا جوبن دکھانے لگے گا۔"

"تم نے ذرا عجلت سے کام لیا مہاراج!" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ہمارے دھرم میں شگون اور بدشگونی کا بڑا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ تم کو ترنگا لگانے کے لئے گٹر کا پائپ ہی ملا تھا؟"

"بس جلدی میں میرے لڑکے کو وہی سب سے اونچی جگہ نظر آرہی تھی۔ لوہے کے کھلے پائپ میں بانس پھنسانا بھی آسان تھا ویسے تم صحیح کہہ رہے ہو۔ ہمارا جھنڈا گٹر لائن پر نہیں لہرانا چاہئے۔ آج گھر جاکر میں اس کے لئے کوئی اور صاف ستھری جگہ دیکھوں گا۔ آج کل کے بالک تو ان باریکیوں کو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور پھر اپنے ساتھ اپنے بڑوں کی عقل بھی چوپٹ کردیتے ہیں۔ مجھے بھی آج تک خیال نہیں آیا کہ بانس غلط جگہ پر لگا ہوا ہے۔"

سلطان شاہ پشتو میں کچھ غرایا۔ وہ الفاظ میرے لئے ناقابلِ فہم تھے۔ لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ موہن داس کے معصومانہ اعترافات پر غصے میں پھنک رہا تھا۔ اسے موٹے کے اغوا کے پس منظر کا علم نہیں تھا اس لئے اس کی برہمی بجا تھی لیکن میں اس معزز سرپنچ کو کرید کرید کر اس کے خلاف اپنی فردِ جرم مرتب کررہا تھا۔

پہلے میرا خیال تھا کہ باز پرس کے بعد ہم اس شریف آدمی کو رہا کردیں گے لیکن اس سے باتیں کرتے ہوئے مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ یہیں رہنے اور یہیں کا کھانے کمانے کے باوجود اس کی رگ رگ میں پاکستان کے خلاف زہر بھرا ہوا تھا۔ اس کے نادر خیالات سے آگاہی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ میری رائے تیزی کے ساتھ بدل رہی تھی اور میں زہر کی اس پوٹ پر نشتر زنی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہوگیا تھا جو اپنا زہر دوسروں تک پھیلا سکتی تھی۔

"تمہاری ماں زندہ ہے مہاراج؟" اچانک سلطان شاہ براہِ راست اس سے مخاطب ہوگیا۔ اس کے لہجے میں چھپی ہوئی غضب آلود تلخی سے میں بھی گھبرا گیا کہ کہیں وہ کھیل نہ بگاڑ دے۔

موہن داس اس وقت اپنے سنہرے سپنوں میں ڈوبا ہوا تھا اس لئے سلطان شاہ کے لہجے کی تلخی پر دھیان دیئے بغیر اپنی رَو میں لہک کر بولا "وہ بے چاری تو بھارت کی تقسیم کا داغ اپنے دل پر لئے برسوں پہلے سرگباش ہوگئی۔ بڑا صدمہ تھا اس بیچاری کو بٹوارے کا.... ہائے! وہ کیوں یاد آگئی تم کو؟"

"بس ایسے ہی" سلطان شاہ نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا "وہ زندہ ہوتی تو میں تمہیں بتاتا کہ ترنگے جھنڈے کے لئے بانس کہاں گاڑنا سب سے بہتر اور مناسب رہتا۔"

"میں سمجھا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" موہن داس کی تحیر زدہ آواز ابھری۔

وہ کچھ نہیں سمجھا تھا لیکن میں سب کچھ سمجھ چکا تھا اس لئے جلدی سے بولا "یہ ٹھیک کہہ رہا ہے مہاراج! گھر میں کوئی بڑا بوڑھا موجود ہو تو وہ بچوں کو بھی دھرم کے بارے میں سکھاتا رہتا ہے۔ تمہاری ماتا زندہ ہوتی تو تمہارا لڑکا کبھی گٹر کے پائپ میں بانس لگانے کی بدشگونی نہ کرتا۔ بڑوں کے ہونے یا نہ ہونے سے یہی تو فرق پڑتا ہے۔"

"لیکن وہ زندہ ہوتی تو تمہارا ڈرائیور کیا بتاتا؟ یہ تو ماں کی نہیں، اپنی بات کررہا تھا۔"

"ایک ہی بات ہے۔ یہ تمہیں مشورہ دیتا کہ جاکر اپنی ماں کی رائے لو جہاں وہ کہے وہیں بانس گاڑدو۔ ہوسکتا ہے کہ بانس کی جڑ میں ناریل بھی تڑوانے کا مشورہ دیتی۔"

"یہ تو تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو" اپنی مری ہوئی ماں کا ذکر آنے پر موٹا اداس ہوگیا۔

غنیمت یہ ہوا کہ سلطان شاہ نے زبان کھولتے ہی موقع کی نزاکت بھانپ لی اور دوبارہ کچھ نہ بولا اس لئے مجھے بات سنبھالنے کا موقع مل گیا ورنہ شاید اسی وقت کھیل خراب ہوجاتا۔

"تم ملّا سرکار کے گاؤں تو گئے ہوگے؟" چند لمحوں کے سکوت کے بعد میں نے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

"کبھی نہیں" اس نے سختی کے ساتھ انکار کردیا "میں اس کی مدد کرتا ہوں۔ میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ پر یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ بڑا بھیانک کھیل کھیل رہا ہے۔ کسی کو بھنک مل جائے تو وہ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاسکے گا۔ اس لئے میں نے کبھی اس سے میل جول بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود آتا ہے تو میں مل لیتا ہوں۔"

"مجھے بڑا شوق ہے دیہاتی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا۔ یہاں سے کتنی دیر کا سفر ہوگا اس کے گاؤں تک؟" میں نے سرسری لہجہ برقرار رکھتے ہوئے نئے زاویئے سے حملہ کیا۔

"میرا اندازہ ہی کہ کوٹ مندو پہنچنے میں دس بارہ گھنٹے ضرور لگیں گے" اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اس اچانک انکشاف پر خوشی سے میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

وہ راز جسے معلوم کرنے کے لئے ہم نے نہ جانے کتنے بیلے تھے، موہن داس نے نہایت آسانی کے ساتھ اگل دیا تھا۔ کوٹ مندو میرے لئے ایک نامانوس نام تھا لیکن پاکستان میں پھیلے ہوئے ہزاروں دیہات ایسے تھے جن کے نام لاکھوں شہریوں کو معلوم نہیں تھے مگر مجھے قوی امید تھی کہ میں ملّا سرکار کے اس گاؤں کے بارے میں جلد ہی معلومات اکٹھا کرسکتا تھا۔

وہاں تک موہن داس سے ساری گفتگو نپے تلے انداز میں چلی تھی تاکہ وہ کہیں بھڑک نہ جائے۔ اس کی آرزوئیں بے نقاب ہوچکی تھیں اور کوٹ مندو کا نام سامنے آگیا تھا اس لئے موہن داس کی افادیت ختم ہوچکی تھی۔ پھر بھی میں نے سفر کو پُرسکون رکھنے کے لئے اس کے ساتھ ہلکی پھلکی گفتگو جاری رکھی۔ اس دوران میں سلطان شاہ وقفے وقفے سے پشتو میں بڑبڑاتا رہا۔ صرف دو مرتبہ ایسا ہوا کہ اس کی دی ہوئی غلیظ گالیاں میری سمجھ میں آسکیں ورنہ ہر بار وہ نامانوس الفاظ بولتا رہا۔

"یہ بار بار کیا بڑبڑانے لگتا ہے؟" آخر کار موہن داس سے نہ رہا گیا اور وہ سوال کرہی بیٹھا۔

"یہ تمہاری ماں کے لئے اشلوکوں کا پشتو ترجمہ پڑھ رہا ہے۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"کیا رامائن کا پشتو میں بھی ترجمہ ہوچکا ہے؟" اس نے حیرت سے سوال کیا۔

اس بارے میں میری معلومات صفر سے بھی کم تھیں اس لئے میں نے گول مول سے جواب پر ہی اکتفا کیا "پوری نہ سہی، اس کے کچھ حصوں کا ضرور ترجمہ ہوا ہوگا ورنہ یہ خود تو اتنا عالم فاضل نہیں ہے۔"

"اس کے بجائے تم ہی بول رہے ہو۔ یہ خود کیوں نہیں بتاتا؟"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ اشلوک پڑھتے ہوئے کوئی اور بات نہیں کی جاتی۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری ماں کے ساتھ ساتھ تمہارے باپ کے لئے بھی کچھ پڑھ رہا ہو جو کسی وجہ سے نرگ میں تڑپتے اور کلپتے رہتے ہیں۔ انہیں ایسے اشلوکوں سے بہت شانتی ملتی ہے۔"

سفر جاری رہا۔ سکوت وقفے وقفے سے ٹوٹتا رہا لیکن سلطان شاہ مسلسل خاموش ہی رہا۔ اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اشلوکوں کے پشتو ترجمے کو داؤ پر لگادینے کے بعد میرے ترکش میں اس کے دفاع کے لئے کوئی تیر باقی نہیں رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ویرا ہدایت کے مطابق اس وقت تک جہانگیر کے گھر سے اپنے گھر پہنچ چکی ہوگی۔ اس کے گھر کے بند آہنی پھاٹک پر گھنٹی کے جواب میں انٹرکام پر ابھرنے والی اس کی آواز نے میرے خیال کی تائید کردی۔

میری آمد اس کے لئے اس قدر غیر متوقع تھی کہ اس نے حیرت کے ساتھ انٹرکام پر ہی مجھ سے ایک دو سوالات کر ڈالے اور پھر ہم لوگ کار سمیت اس کے پورچ میں داخل ہوگئے۔

الیکٹرونک لاک سے لیس پھاٹک کو بند کرکے میں برآمدے کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ بے پروائی کے ساتھ دور کھڑا ہوا موہن داس کی کار سے برآمد ہونے کی مضحکہ خیز کوششوں کا زہریلے انداز میں جائزہ لے رہا تھا اور ویرا بھی برآمدے میں کھڑی نہایت حیرت کے ساتھ گوشت کے اس پہاڑ کو گھورے جارہی تھی۔

"یہ کون ہے؟ اسے کہاں سے اٹھالائے؟" ویرا نے متحیر انداز میں مجھ سے انگریزی میں سوال کیا موہن داس کے حلئے اور وضع قطع سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ انگریزی سے نابلد رہا ہوگا اور خود میرا بھی یہی خیال تھا۔

"مادام! کسی کا ایسے مذاق اڑانا اچھا نہیں ہوتا" موہن داس نے کار کے حقیر سے دروازے سے اپنے عظیم الشان جثے کو گزارنے کی کوششیں ترک کرتے ہوئے انگریزی میں ہی مداخلت کرکے مجھے اور ویرا کو حیران کردیا "یہ تن و توش میں نے اپنی محنت سے نہیں بڑھایا ہے۔ تمہیں مجھ سے ہمدردی ہونا چاہئے۔"

"مجھے افسوس ہے مسٹر...." ویرا اضطراری طور پر برآمدے سے اتر کر اس کی سمت کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ اس کے الفاظ سے ندامت ظاہر ہورہی تھی لیکن اس کی آنکھیں حیرت سے پیشانی پر چڑھی ہوئی تھیں۔

ویرا مسٹر پر آکر جوں ہی رکی، موہن داس فوراً بول پڑا۔ "میں مسٹر موہن داس ولد مسٹر کرم چند ہوں۔ ذرا ہاتھ بڑھا کر مجھے سہارا دو تاکہ میں اس حقیر جاپانی کار سے باہر آسکوں۔"

ویرا نے بے تکلفی کے ساتھ اس کا باہر پھیلا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ موہن داس کی انگریزی سے واقفیت کے اظہار پر وہ ندامت سے پانی پانی ہوئی جارہی تھی۔ اس نے موہن داس کو مدد دیتے ہوئے کہا "معاف کرنا، میرا مقصد تمہارا مضحکہ اڑانا یا تمہاری دل آزاری کرنا نہیں تھا۔ میری اس سے ایسی ہی بے تکلفی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ میرے پاس اکیلا ہی آیا ہوگا۔"

"کوئی بات نہیں مادام!" اس نے فراخ دلی کے ساتھ کہا۔ "تم میں کم از کم اتنا اخلاق تو ہے کہ معذرت کرنے کے ساتھ ہی میری مدد بھی کررہی ہو۔ اس کا ڈرائیور تو بہت بدتمیز ہے۔ دیکھو سوّر کی طرح مُنہ پھلائے کس طرح سے دور کھڑا ہوا ہے حالانکہ مجھے کار میں اسی نے بٹھایا تھا اور یہ جانتا تھا کہ میں از خود باہر نہیں نکل سکوں گا۔"

اس بار موہن داس سے بھی بالکل وہی غلطی ہوئی جس کا ارتکاب ویرا کرچکی تھی۔ ویرا سے انگریزی میں مذاکرات کرتے ہوئے اس احمق نے یہ فرض کرلیا تھا کہ سلطان شاہ اس زبان سے نابلد ہوگا۔ اپنے بارے میں اس کا توہین آمیز تبصرہ سنتے ہی سلطان شاہ مشتعل ہوگیا اور اس نے بڑھ کر موہن داس کی کار سے برآمد ہوتی ہوئی پشت پر ٹھوکر رسید کردی۔

"سالا موٹا سور!" سلطان شاہ غصے میں بنکارا تھا" ہر ایک کو اپنی ہی نسل کا جانور سمجھتا ہے۔"

"ارے باپ رے!" پتا نہیں موہن داس لات پڑنے پر اچھلا تھا یا سلطان شاہ کے اشتعال نے اسے بوکھلا دیا تھا" یہاں تو ایک سرے سے سب ہی انگریز معلوم ہوتے ہیں۔"

پہلے سلطان شاہ اردو میں غرایا تھا پھر موہن داس نے اردو ہی میں اپنے اضطراری رد عمل کا اظہار کیا اور آخر ویرا بھی اردو پر آگئی "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آخر تم کیوں نہیں بتاتے کہ تم لوگوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟"

جھلاہٹ کے عالم میں وہ براہ راست مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"اوہ! اب مادام بھی اردو بول رہی ہے" موہن داس دردناک آواز میں کراہا تھا" پتا نہیں میں سالا یہاں آتے ہی کیوں گھن چکر بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لات کھانا بھی اپنے مقدر میں تھا" اس وقت تک وہ پوری طرح کار سے باہر آچکا تھا اور وہ جگہ سہلا رہا تھا جہاں سلطان شاہ کی لات پڑی تھی۔ اس کے جسم پر جلد اور گوشت کے درمیان چربی کی اتنی موٹی تہ حائل تھی کہ میرا خیال تھا اسے لات پڑنے سے بالکل ضرب نہیں آئی تھی۔ بس لات پڑنے کے احساس نے اسے نادم کیا ہوا تھا۔

"موہن داس ہمارا اپنا آدمی ہے اور ملاّ سرکار سے ملنے یہاں آیا ہے" میں نے ویرا کو آنکھ مار کر کہا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے مجھ سے بلیک کیٹ ٹی اور ملاّ سرکار کے بارے میں گفتگو کر چکی تھی۔ اس لئے فوراً ہی بات سمجھ گئی۔

"تو ہم باہر کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ اندر چلو نا!" ویرا نے مہمان داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

ہم تینوں برآمدے کی طرف چل دیئے۔ سلطان شاہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"کیا وہ باہر ہی کھڑا رہے گا؟" برآمدے میں پہنچ کر ویرا نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ آج کل بپھرا ہوا ہے۔"

"میں مانتا ہوں کہ میری غلطی تھی" موہن داس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات چھیڑ دی "مجھے اس کو سور نہیں کہنا تھا لیکن میں نے کہہ بھی دیا تھا تو اسے لات نہیں مارنی چاہئے تھی۔ میرا کوئی نوکر میرے مہمان کے ساتھ ایسی حرکت کرتا تو میں اس کی چمڑی گرا دیتا لیکن تم نے اسے بہت سر چڑھایا ہوا ہے۔ یہ سب زمانے کا قصور ہے۔ بٹوارے سے پہلے ہم شودروں کے ایک سے ایک کڑیل جوان کو جوتے مارا کرتے تھے اور وہ رو رو کر گھگیاتا ہوا پٹتا رہتا تھا۔ اس کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ ہمارے ہاتھ سے جوتی بھی چھین سکے۔ یہ نیچ لوگ اپنی اوقات اچھی طرح پہچانتے تھے لیکن اب تو بس کلجگ آن لگا ہے۔ [illegible] بھارت کے شہروں میں بھی اونچی ذات والا کوئی ہندو کسی شودر کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے تو شودر اس کو گریبان سے پکڑ لیتا۔"

"اب ذات پات کا زمانہ نہیں رہا مہاراج!" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا" عزت اور آبرو کے ساتھ جو دن گزر جائے اسے غنیمت جاننا چاہئے ورنہ لوگ گریبان کے بجائے گلا بھی پکڑ سکتے ہیں۔"

"یہ سارا انیائے جمہوریت کا لایا ہوا ہے" وہ ویرا کے ڈرائنگ روم کا ستائشی جائزہ لیتا ہوا بولا" لاکھوں کی بھیڑ میں ذات پات اور دھرم کا خیال رکھے بغیر لوگ کندھے سے کندھا ملا کر نیتاؤں کی تقریریں سنتے ہیں۔ اسمبلیوں میں چوڑے چمار اور شودر' برہمنوں کے ساتھ بیٹھتے اور بحث کرتے ہیں۔ یہ وہی زہر ہے جو ہر طرف پھیل رہا ہے۔"

"مہاراج کو اندر والی خالی خوابگاہ میں لے چلو" میں نے ویرا کو ڈرائنگ روم میں بیٹھنے پر آمادہ پا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔ اس خوابگاہ کے عقبی دروازے پر کار لگانی آسانی تھی اور ہم مہاراج کو زیادہ دور تک ڈھونے سے بچ سکتے تھے۔

"خالی خوابگاہ میں؟" اتنی دیر میں موہن داس پہلی بار قدرے چونکا تھا "کیا سرکار مہاراج یہاں نہیں ہیں؟"

"وہ خواب گاہ ملاّ سرکار ہی کی ہے۔ اسے وہاں آنے کی آزادی رہتی ہے۔ ہم وہیں بیٹھ کر اس کا انتظار کریں گے۔ دارو وارو پیتے ہو تو میم صاحب کے پاس اس کا بھی بندو بست ہے۔"

وہ بے ہنگم انداز میں ہنسنے لگا" ہولی دیوالی پر ڈٹ کر پیتا ہوں۔ عام دنوں میں ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

اسے باتوں میں لگا کر' بہلا پھسلا کر ہم عقبی خواب گاہ میں لے گئے جہاں فرش قالین سے محروم تھا۔

اس کمرے کی حالت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مدت سے کسی کے استعمال میں نہیں رہا تھا لہٰذا موہن داس اندر قدم رکھتے ہی متوحش نظر آنے لگا۔ گردن کے بغیر شانوں پر جڑی ہوئی اس کی کھوپڑی تیزی سے اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ شاید اس کے وجود میں کہیں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

"اب آواز اونچی نہ ہونے دینا موہن داس!" میں نے سلطان شاہ سے لیا ہوا پستول نکالتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ میری زبان سے مہاراج کے بجائے پہلی بار اپنا نام سن کر وہ بری طرح بھڑکا تھا اور میری طرف پلٹنے پر جب اس کی نظر ڈراؤنے پستول پر پڑی تو اس کی آنکھیں خوف سے کھلی ہو گئیں۔

"یہ.... یہ کیا ہو رہا ہے ستمش پال؟" وہ خوف زدہ لہجے میں ہکلایا تھا۔

"تم نے پوچھا تھا نا کہ ساری تیاری مکمل ہیں تو پھر نقارے پر چوٹ پڑنے میں کیا دیر ہے؟ سمجھ لو کہ نقارہ بجنے ہی والا ہے۔ اکھنڈ بھارت اتنی آسانی سے نہیں بن سکے گا۔ اس مقصد کے لئے اس کے سیوکوں کو بڑی بھینٹ دینا ہوگی۔ یہ بتاؤ کہ ملاّ سرکار کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو؟"

"تم بالکل بدلے بدلے لگ رہے ہو ستمش پال!" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا "سچ بتاؤ کہ تم کون ہو' تمہارے ہاتھ میں پستول کیوں آگیا ہے؟ تمہاری آنکھیں کسی خونی کی آنکھیں کیوں لگ رہی ہیں؟"

اس کی دہشت میں اضافہ کرنے کی نیت سے میں سفاکانہ انداز میں ہنسا اور بولا "یہ سب تمہارے اندر کا پاپ ہے جو تمہیں یہ تبدیلیاں دکھا رہا ہے۔ ورنہ سب کچھ وہی ہے جو چند منٹ پہلے تھا۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد وہ نہ رہے جو اب نظر آرہا ہے۔ اگر تمہاری نظر وہاں تک کام کرتی ہے تو میرے سوالات کے جوابات دیتے چلے جاؤ۔"

"ملاّ سرکار کے بارے میں' میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے" دہشت سے اس کا چہرہ تاریک پڑتا چلا جا رہا تھا" معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے بڑی بھاری بھول ہوئی ہے۔ تم ملاّ سرکار کے آدمی نہیں ہو۔"

"کیا اس کی کرنل سے ملاقات کرانے کا ارادہ ہے؟" ویرا حالات کی نہج سمجھ رہی تھی۔

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔ کرنل مہیش پال سے مل کر ہی لالا کو کچھ عقل آسکے گی۔"

ویرا میرے قریب آگئی اور میں نے سرگوشیوں میں اسے بتایا کہ موہن داس نے اپنے دل کی باتیں اگل کر' کس طرح خود ہی اپنی موت کو بلایا تھا میرا خیال تھا کہ اس سے مزید کچھ معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جو کچھ وہ جانتا تھا اس میں اہم ترین بات یہ تھی کہ ملاّ سرکار کا گاؤں کون سا تھا اور وہ میں اس سے اگلوا چکا تھا۔

اگر اسے زندہ رکھنا ہوتا تو اسے زندگی کے لئے ترسانا اور دہشت زدہ کرنا مناسب ہوتا تاکہ وہ دوسروں کے لئے عبرت کا ایک مثالی نمونہ بن سکے لیکن میں اسے زندگی کی رعایت دینے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔

اکھنڈ بھارت کے لئے اس کی امنگ اور آرزوؤں سے واقف ہونے کے بعد کوئی بے غیرت پاکستانی ہی اس موذی کو زندہ چھوڑنے کا فیصلہ کر سکتا تھا۔

معصوم' سادہ اور امن پرور ظاہر رکھنے والا موہن داس اس زمین کے لئے جس کا وہ کھاتا پیتا تھا' بہت زہریلا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن لوگوں نے برصغیر کی تقسیم کا پورا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن پھر بھی وہ اسے تسلیم کر لینے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہوں نے اس نظریاتی ملک کی جغرافیائی سرحدوں پر ایک کاری وار کر کے سنہرے ریشوں کے سانولے سلونے خطے میں ایک الگ دیش بنوا دیا تھا اور سمجھنے لگے تھے کہ ایسے ہی ایک آدھ وار میں وہ آخر کار اپنے من کی مرادیں پالیں گے لیکن یہ علم نہیں تھا کہ ان کے سیاسی آقاؤں نے اپنے گھناؤنے عزائم کی تکمیل کے لئے جن مجرموں سے رشتے استوار کئے تھے وہ ہیروئن اور ناجائز اسلحہ بیچنے والی... بے روح مشینیں نہیں تھیں بلکہ ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے مسخ کرداروں کے خاکستر میں کہیں کہیں ضمیر کی کوئی چنگاری دبی رہ گئی تھی جو بھڑک اٹھنے پر' خود ان ہی کے خرمن کو خاک کر سکتی تھی۔

منوں وزنی موہن داس وزنی ہی تھا۔ مزاحمت اس کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے میں نے آتشیں اسلحہ استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ویرا کی اس متروک خواب گاہ کا فرش بھی میری دھرتی کا ایک مقدس ٹکڑا تھا۔ اگر اسے موہن داس جیسے غلیظ اور غدار کے ناپاک لہو کے داغوں سے آلودہ ہونے سے بچایا جا سکتا تھا تو ایسا کرنا میرے فرائض میں شامل تھا۔

میں نے پستول اپنی جیب میں رکھ لیا اور موہن داس کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ فضا میں میری طرف ہاتھ لہراتا ہوا' الٹے قدموں پیچھے سرکنے لگا۔ دہشت سے اس کی آنکھیں اس حد تک پھٹ گئی تھیں جیسے ان کے ڈھیلے کسی بھی لمحے باہر ابل پڑیں گے۔ اس کے لبوں پر کپکپاہٹ طاری تھی لیکن موت کے بھیانک تصور سے اس کی آواز بند ہو چکی تھی پھر اچانک ہی اس کے قدموں میں خواب گاہ کا فرش گیلا اور گندہ ہونے لگا۔

"ٹھہر جاؤ!" سلطان شاہ کی پُرسکون اور تحکمانہ آواز نے مجھے چونکا دیا "اس حرامی نے مجھے سور کہا تھا' اب اس کا حساب میں ہی چکاؤں گا۔"

اس کے ہاتھ میں نائیلون کی ایک مضبوط ڈوری تھی جس کے ایک سرے پر وہ کھنچاؤ سے تنگ ہونے والا پھندا تیار کر رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر بھی موہن داس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کی پھٹی ہوئی آنکھیں خلا میں کسی نکتے پر مرکوز تھیں اور وہ فضا میں اپنے دونوں ہاتھ یوں لہرا رہا تھا جیسے کسی نظر نہ آنے والی مہیب بلا کو اپنے سینے پر حملہ آور ہونے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی حرکات دیکھ کر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موت کی دہشت نے اس کی سماعت' بصارت اور گویائی کی قوتیں سلب کر لی ہوں۔ اس کے نزدیک میری اور سلطان شاہ کی کوئی شناخت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ تو بس اپنی دیو مالا کے ان ہولناک عفریتوں اور بلاؤں کی ہوسناک سسکاریاں سن رہا تھا جو نرگ کے لپکتے ہوئے شعلوں میں گرنے والے وجود کی ہڈیوں اور بوٹیوں پر ہی پلتی تھیں۔

میں رک گیا۔ سلطان شاہ پھندا تیار کر کے تیزی سے موہن داس کے عقب میں پہنچا اور اس کریہہ وجود کی پھیلائی ہوئی غلاظت سے خود کو بچاتے ہوئے' اس نے دور ہی سے وہ پھندا اس کی کھوپڑی پر اچھال دیا۔

کشادہ پھندا اس کے شانوں پر رک کر' موت کی مالا کی طرح موہن داس کے سینے پر جھول گیا۔ سلطان شاہ نے اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے ڈوری کے سرے کو تیزی او [illegible]

کے ساتھ کھینچا اور وہ پھندا اس کے سینے سے سرکتا ہوا' ٹھوڑی کے نیچے سے گزر کر شہ رگ کے گرد کسنے لگا۔ موہن داس کے نرخرے سے ایک ڈراؤنی آواز برآمد ہوئی پھر وہ کسی دیوہیکل سانڈ کی طرح' پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر گر گیا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا اور سلطان شاہ نے پوری قوت سے ڈوری تانی ہوئی تھی۔

موہن داس کے آخری سانسوں پر' سلطان شاہ کو ڈوری کو تھامے رکھنا دشوار ہو گیا۔ گوشت اور ہڈیوں کے اس انبار میں پوشیدہ حیوانی قوتِ نمو' موت سے پنجہ آزمائی میں پورا زور دکھا رہی تھی اور پھر ایک جھٹکے میں ڈوری کا سرا سلطان شاہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ تیزی کے ساتھ آگے لپکا تھا مگر میں نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔

مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس وقت تک موہن داس کی پھانسی کا پھندا اس کی جلد اور چربی میں پیوست ہو کر اپنی جگہ بنا چکا تھا اس لئے پھندا ڈھیلا ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اس کے بدن کے شدید ترین جھٹکے' بجھنے والے چراغ کی لو بھڑکنے سے مشابہ تھے۔ اس کی بدروح بدن کا ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ برسوں کی آویزش کے بعد جسم و روح کا الگ الگ ہونا ذرا کم ہی آسان ہوتا ہے۔

اس کی موت کا منظر اس قدر ڈرامائی تھا کہ ہم تینوں وہیں کھڑے' اس کو دیکھتے رہے اور چند ثانیوں کے بعد موہن داس کا بدن بالکل ساکت اور بے جان ہو گیا۔

"اب اس کی گندی لاش کو ڈھونا بہت گراں گزرے گا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جانور ہوتا تو بھنگیوں سے اٹھوا کر کہیں پھنکوا دیتے۔ اسے یہیں دھو کر سکھانا ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بندوبست میں اپنے ذمے لئے لیتا ہوں" سلطان شاہ نے کہا۔

ویرا دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت تک ان دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"کیا اسے کندھے پر لاد کر لے جاؤ گے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کارپوریشن والے جس لمبی قینچی سے کتے پکڑتے ہیں' اس کا بندوبست کروں گا اور اسے گردن سے گھسیٹ کر کہیں بھی لے جاؤں گا" اس نے کہا "ہم کو اس کی لاش تو ٹھکانے لگانا ہی ہوگی۔"

"اور اگر یہ لاش اسی جگہ پڑی' سڑتی رہے تو کیسا رہے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"بڑا نادر خیال ہے لیکن تم اس کے ساتھ گزارہ کر لوگی؟" میں نے سوال کیا۔

"ملّا سرکار کے ساتھ معاملہ اب چھیڑ چھاڑ سے بہت آگے بڑھ چکا ہے" وہ موہن داس کے مقتل سے باہر نکلتے ہوئے بولی "خونریزیوں کے معاملے میں ابھی تک ہمارا پلّا بھاری رہا ہے مگر میں کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی۔ یہ مکان اس کی نظروں میں ہے۔ وہ میری لاعلمی میں اندر بھی آتا جاتا رہا ہے اس لئے میں یہ مکان چھوڑنے کا ارادہ کر چکی ہوں۔"

"سازوسامان سمیت!" میں نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے سوال کیا۔

وہ بولی "میں نے اسی حالت میں لیا تھا' ایسے ہی چھوڑ دوں گی۔ میرا کیا جائے گا؟"

اسی لمحے سلطان شاہ ہم دونوں سے کٹ کر کچن کی طرف ہو لیا۔ اسے جاتا دیکھ کر میں نے ہانک لگائی "کہاں بھاگ رہے ہو؟"

"گاؤں میں بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ کسی موذی کو مارنے کے بعد اچھی طرح ہاتھ دھو کر تین بار کلّی کر لینا چاہئے۔ بس کلّی کر کے ابھی آتا ہوں" اس نے مڑ کر کہا اور کچن میں غائب ہو گیا۔

"یہ بھی عجیب الخلقت آدمی ہے" ویرا سر جھٹک کر بولی۔ "خود شہروں میں رہتا ہے اور اس کی روح پہاڑوں میں ہی چکراتی رہتی ہے۔"

"اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم موہن داس کی لاش سمیت مکان چھوڑ دوگی تو مالک مکان کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"مالک مکان اپنی فیملی سمیت امریکا میں ہے" وہ مسکراتے ہوئے بولی "اس کے ایجنٹ نے بالا ہی بالا یہ مکان کسی کو کرائے پر دیا ہوا تھا اور میرے آنے سے پہلے یہاں شام جوا کھیلا جاتا تھا۔ وہ معراج دین کا آدمی تھا۔ میں نے مکان اسی سے لیا تھا۔ ایجنٹ کو چار ماہ کا پیشگی کرایہ ملا ہوا ہے اس لئے وہ اِدھر کا رخ ہی نہیں کرتا۔"

"لیکن معراج دین کے آدمی کو یہ لاش ٹھکانے لگانا ہوگی پھر اس کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی۔"

"یہ اس کا مسئلہ ہے" وہ بے پروائی سے شانے اچکا کر بولی "میں کیوں اس فکر میں دبلی ہوتی پھروں؟"

"یہ تو سراسر خود غرضی ہے کہ اپنی جان بچا کر تم اپنے کسی جاں نثار کو مشکل میں ڈال دوں۔"

"ارے بابا' ماجے کا وہ آدمی تمہاری کارروائی میں مر گیا تھا ایجنٹ کو اس کی موت کا علم نہیں ہے۔ مجھے تم ایسا خود غرض سمجھتے ہو کہ میں اپنے کسی ہمدرد کو اندھے کنوئیں میں دھکیل دوں گی۔"

"یعنی یہ لاش ایجنٹ کے گلے پڑے گی" میں نے اس خیال سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"پڑنا چاہئے کیونکہ اس نے مالک مکان سے نمک حرامی کر کے چار ماہ کے ساٹھ ہزار روپے پیدا کئے ہیں۔ لاش دیکھ کر ماجے کے آدمی کو تلاش کرے گا تب اسے تارے نظر آئیں گے۔ مجھ سے اس کا کبھی سامنا ہی نہیں ہوا۔ میں آرام سے کسی ایسی جگہ منتقل ہو جاؤں گی جدھر ملّا سرکار کا خیال ہی جا سکے گا۔"

"یہ مناسب ہے۔ چاہی چند روز بعد ہی لوٹانا تاکہ موہن داس کے قتل کا راز فی الحال دبا رہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں ہم کوٹ مندو پہنچ کر ملّا سرکار پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"وہ کراچی میں ہے تو تم کوٹ مندو میں کیا کرو گے؟ میں تو یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ دو ایک روز تک میرا سراغ نہ ملنے کے بعد جب وہ اپنے چور راستے سے اس گھر میں داخل ہوگا تو موہن داس کی لاش دیکھ کر اس کے فرشتے کوچ کر جائیں گے۔"

"اس نے ایک دیہاتی ملّا کا روپ اختیار کیا ہوا ہے۔ وہ زیادہ لمبے عرصے تک یہاں ٹھہرا تو کوٹ مندو میں اس کی پوزیشن مشکوک ہو جائے گی۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ اس نے آج تم سے رابطہ نہیں کیا!"

"ابھی تو پورا دن پڑا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی فون آ ہی جائے۔ ہمیں رات نو بجے تک تو انتظار کرنا ہی ہوگا ممکن ہے کہ اسے فون کا خیال ہی نہ آئے اور وہ ٹرانسمٹر پر بات کرنا پسند کرے۔"

اسی وقت سلطان شاہ اپنی آستین سے مُنہ صاف کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"اس سے پوچھو کہ اس قدر خطرناک صورتِ حال میں بھی یہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا؟" ویرا نے اس کے آتے ہی غیر متوقع طور پر وہ موضوع چھیڑ دیا جس سے میں گریز کر رہا تھا۔ میں ویرا کی طرف دیکھ کر بے بسی کے ساتھ اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

"اسے بتا دو کہ میں عورتوں کے مُنہ لگنا ہرگز پسند نہیں کرتا اس لئے یہ بھی مجھ سے الجھنے کی کوشش نہ کرے" سلطان شاہ نے مجھے مخاطب کر کے غصیلے لہجے میں کہا جیسے مجھ سے بھی ناراض ہو۔

"یہ تمہارا گہرا دوست ہے اس لئے میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ اس کے دماغ میں ضرورت سے زیادہ گرمی چڑھی ہوئی ہے" ویرا مجھ سے کہہ رہی تھی "اسے مشورہ دو کہ یہ اپنی کھوپڑی ہر وقت روغن کدو میں تر رکھا کرے اور ہر روز' شام کے وقت تھوڑی سی بھنگ ملا کر ٹھنڈائی کے دو گلاس ضرور پیا کرے ورنہ یہ کسی دن اپنی گرمی سے خود ہی چٹخ جائے گا۔"

"اللہ نے چاہا تو یہ خود جگہ جگہ سے چٹخے گی" سلطان شاہ میرا شانہ جھنجھوڑ کر بھناتے ہوئے لہجے میں بولا "میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تو یہ بلاوجہ میرے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہے!"

"اس کی بددعا سے پہلے ہی مجھ میں دراڑیں پڑ چکی ہیں" ویرا کا انداز بھی سلگانے والا تھا "اسے کیا معلوم کہ دراڑوں کے بغیر عورت کا وجود ہی مکمل نہیں ہوتا۔ عورت تو قدرت کی ایک نازک اور حساس مخلوق ہے کہ دوسروں کے دکھ پر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔"

"بس!" میں دونوں ہتھیلیاں اپنے کانوں پر رکھ کر زور سے بولا "اگر تم دونوں نے میری مٹی پلید کرنے کا سلسلہ ختم نہ کیا تو میں اسی وقت یہاں سے باہر چلا جاؤں گا۔ یہ کِل کِل میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔"

"یہاں سے کہاں جاؤ گے؟" ویرا مجھ پر آنکھیں نکالتے ہوئے بولی "ابھی تو تمہیں ملّا سرکار کے فون کا انتظار کرنا ہے"؟

"بہتر یہ ہوگا کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی سہیلی کو موہن داس کی لاش کے پاس بھیج دو۔ یہ وہاں اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لے گی۔ وہ ذرا سا بھی احتجاج کئے بغیر اس کی ساری بپتا سنتا رہے گا" سلطان شاہ نے مجھے مشورہ دیا۔

میں نے باری باری ان دونوں کو خشمناک نگاہوں سے گھورا پھر کہا "آپس کے جھگڑے میں تم دونوں میری زندگی اجیرن بنا دوگے۔ میں زیادہ دیر تک یہ خرافات برداشت نہیں کر سکتا۔ دونوں اٹھو اور اسی وقت ایک دوسرے سے دوستی کرو۔"

"مجھے تو اٹھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ میری کسی سے بھی لڑائی نہیں ہے" ویرا تنک کر بولی۔

"حالانکہ تمہاری غیر موجودگی میں پہل اسی نے کی تھی" سلطان شاہ نے کہا۔

"کیا پہل کی تھی؟ کھل کر بات کرو نا!" ویرا جارحانہ لہجے میں براہِ راست اسی سے مخاطب ہو گئی۔

سلطان شاہ چند ثانیوں تک غصے اور بے بسی کے عالم میں ویرا کو گھورتا رہا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ گھڑی کی چوتھائی میں اس کا تیاپانچا کرنے پر تلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ویرا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چیلنج کرنے والے انداز میں مسکرائے جا رہی تھی۔ پھر سلطان شاہ کا چہرہ سرخ ہونے لگا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

اس واقعے کے بارے میں تجسس مجھے بھی تھا اور اس وقت لوہا بھی گرم تھا اس لئے میں نے سلطان شاہ سے کہا "یہ ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔ تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟ جب تک کچھ بتاؤ گے نہیں' میں کیا فیصلہ کر سکوں گا؟"

"تم بتاؤ ورنہ میں پوری تفصیل بتاتی ہوں" ویرا نے براہِ راست اسے دھمکی دی۔

"میں خود پرانی باتوں پر مٹی ڈالنا چاہتا ہوں لیکن جب تک تم وعدہ نہیں کرو گی کہ آئندہ میرے ساتھ ایسی زیادتی نہیں کرو گی' ہماری دوستی نہیں ہو سکے گی" ویرا کے جارحانہ انداز کے سامنے سلطان شاہ واضح طور پر شکست خوردہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کے رویّے سے مجھے خاصی مایوسی ہوئی کیونکہ ان دونوں کا وہ راز ایک بار پھر طشت ازبام ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

"آخر تم اس زیادتی کی وضاحت کیوں نہیں کرتے؟" میں نے سلطان شاہ کو مشتعل کرنا چاہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا" ویرا نے مصالحت کے لئے سلطان شاہ کی عائد کی ہوئی شرط پوری

کرکے میری امیدوں پر بری طرح اوس ڈال دی۔
اس بار وہ دونوں میرے کہے بغیر اپنی جگہوں سے بیک وقت اٹھے تھے اور ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے کے بعد دوبارہ اپنی جگہوں پر واپس آگئے۔میں خود کو اپنی جگہ پر اوّل درجے کا احمق محسوس کررہا تھا جسے ان دونوں نے اپنی مرضی کے مطابق آلۂ کار بناکر آخر کار اپنی مصالحت کی ایک باعزت اور پُراسرار راہ نکال لی تھی۔
میرے ذہن میں سلطان شاہ کی وہ زہرافشانیاں گونجنے لگیں جو وہ پچھلے دو دن سے ویرا کے بارے میں کرتا رہا تھا۔اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ اپنے قریب ویرا کا سایہ تک برداشت نہیں کرسکے گا اور میں فکرمند ہوگیا تھا کہ اختلافات کی اتنی وسیع خلیج کے ساتھ وہ دونوں میرے ساتھ کتنے دن چل سکیں گے؟ وہ جمود ختم نہ ہوتا تو لامحالہ مجھے اپنی گاڑی چلانے کے لئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا جو میرے لئے بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا۔
لیکن عورت کی ذات اپنی تمام تر خامیوں اور عیبوں کے باوجود مرد پر حاوی ہی رہتی ہے۔ویرا کے پیچھے سلطان شاہ اس کی ذات میں دنیا جہان کے کیڑے نکالتا رہا لیکن اس کا سامنا ہوا تو دس منٹ بھی اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور صلح پر اتر آیا۔عورت ہر حال میں عورت ہی ہوتی ہے۔
میرا اپنا تجسس اپنی جگہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا جس پر مجھے خاصی مایوسی ہوئی تھی لیکن دوسری طرف اس بات کی خوشی بھی تھی کہ ان کے اختلافات خوش اسلوبی کے ساتھ خود بخود دور ہوگئے تھے۔
"میرا خیال ہے، تم دونوں کی صلح کی خوشی میں ایک ایک پیگ ہوجانا چاہئے" میں نے ویرا کو تجویز پیش کی۔
"ہرگز نہیں" سلطان شاہ نے فوراً ہی اعتراض کرڈالا "تم دونوں ہی پینے لگتے ہو تو میں کسی احمق کی طرح تمہارا منہ دیکھتا رہتا ہوں۔کوئی ایسی تجویز پیش کرتے جس میں میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتا۔"
وہ بات آئی گئی ہوگئی اور ویرا نے موہن داس کے بارے میں سوال کرنے شروع کردیئے جن میں سے بعض شاید سلطان شاہ کے ذہن میں بھی پرورش پارہے تھے۔خاص طور پر یہ بات اس کے لئے یکسر ناقابلِ فہم تھی کہ میں زبردستی یا تشدد کے بغیر موہن داس کو اس کی دکان سے نکال لانے میں کیونکر کامیاب ہوسکا تھا۔
میں ان دونوں کی جرح کا جواب دیتا رہا لیکن میرا ذہن ملّا سرکار کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔اس کے اگلے اقدام کا اندازہ لگانے کے لئے اس کا ردِ عمل سامنے آنا بہت ضروری تھا۔میں اسی روشنی میں کراچی میں رکے رہنے یا کوٹ مندو کا سفر کرنے کے بارے میں کوئی پروگرام طے کرسکتا تھا بصورت دیگر ـــ پر جمود طاری ہوسکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو معاً میرا ذہن ملا سرکار کی طرف گیا اور فوراً خیال آیا کہ اس سے بات کرنے کے لئے ڈرائنگ روم کے بجائے ویرا کی خوابگاہ زیادہ بہتر تھی جہاں اسپیکر فون موجود تھا۔اس کو اپنی سہولت کے مطابق عام فون کی طرح بھی استعمال کیا جاسکتا تھا اور اگر ضرورت پیش آتی تو محض ایک بٹن دباکر انسٹرومنٹ کا وہ نظام حرکت میں لایا جاسکتا تھا جس کے ذریعے کمرے میں موجود تمام افراد نہ صرف دوسری طرف ہونے والی گفتگو سن سکتے تھے بلکہ بوقت ضرورت خود بھی گفتگو میں شریک ہوکر اپنی آواز فون کرنے والے تک پہنچاسکتے تھے۔
ویرا نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کرکے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میں نے سختی سے اسے روک دیا "یہاں سے نہیں، اپنی خوابگاہ کے اسپیکر فون سے بات کرو، میں بھی وہیں آرہا ہوں۔"
ٹیلی فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے ویرا نے اپنی خوابگاہ کی طرف دوڑ لگادی۔
"تم بھی ڈرائنگ روم کا دروازہ اندر سے بولٹ کرکے وہیں آجاؤ" میں بھی سلطان شاہ کو ہدایت دیتا ہوا تیزی کے ساتھ ویرا کے پیچھے ہولیا جو اتنی دیر میں اپنی خوابگاہ میں کال ریسیو کرچکی تھی کیونکہ فون کی تیسری گھنٹی درمیان ہی میں موقوف ہوگئی تھی۔
"تم کو ڈینی کو لگام دینا ہوگی" میں ویرا کی خوابگاہ میں داخل ہوا تو اسپیکر فون پر ملّا سرکار کی غصیلی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "وہ اپنی حد سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔"
"کیا ہوا؟ اس سے یک بیک تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے؟" ویرا نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے پوچھا۔
"اس نے میرے ایک آدمی کو ہلاک کیا ہے۔وہاں وہ میرے مقابلے پر بھی آگیا تھا" ملا سرکار کی آواز میں شکست کی تلخی نمایاں تھی "پھر کل شام اس نے میرے سفارت خانے کی ایک افسر کو ہلاک کردیا۔"
"اوہ! تو شانتی کو اس نے مارا ہے؟" ویرا نے متحیر ہونے کی صداکاری کرتے ہوئے کہا "وہ خبر میں نے اخبار میں پڑھی تھی لیکن سفارت خانے والوں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ وہ تو ابھی تک تمہاری ضمانت کا بھی بندوبست نہیں کراسکے ہیں۔"
"شانتی اسی بارے میں ڈینی سے ملی تھی اور اس نے شانتی کو مارڈالا۔میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسی مخاصمانہ حرکتوں سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟"
"اس کا جواب تو وہی دے سکے گا لیکن ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ تصادم کا آغاز تمہاری طرف سے ہی ہوا ہے۔تم میرا اور ڈینی کا تعاقب کرکے ہم پر بے آواز فائر کرنے سے پہلے اس کے انجام کے بارے میں سوچنا چاہئے تھا۔"
"یہ واقعہ میرے علم میں آچکا ہے۔ڈینی بلاوجہ میری

ـے تمہیں بدظن کرنے کی کوشش کررہا ہے۔وہ میں ـلکہ میرا ایک آدمی تھا۔اسے اس کی حماقت کی سزا مل چکی ـا۔"
"تم ہو یا تمہارا آدمی، ہمارے لئے ایک ہی بات ہے" ویرا ـنے اس کی بات کاٹ دی۔
"میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ ڈینی ہمیں شی سے محاذ ـی کی راہ پر ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کررہا ہے۔ہوسکتا ہے اس نے میرے خلاف تم سے بہت کچھ کہا ہو لیکن میں ـبتائے دے رہا ہوں کہ یہ سب اس کا فراڈ ہوگا۔"
"تمہیں ان قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں" ویرا نے ـے اس کی بات مسترد کردی "ڈینی میرا ماتحت نہیں ہے جو ـ کارکردگی کی رپورٹ دینے کا پابند ہو۔وہ اپنے فیصلے خود ـہے اور ان پر عمل کرگزرتا ہے۔ہم دونوں بالکل آزاد اور ـار حیثیت میں کام کرتے ہیں اس لئے میں اس کی کوئی ـنا پسند نہیں کرتی۔"
"اب سے پہلے تمہاری یہ بات درست تھی لیکن اب ـ اس معاملے میں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا کیونکہ مجھے تم سے لینا ہے اور تم کو میری تحویل سے غزالہ کو حاصل کرنا ہے۔ ـرے مابین "غضب ان پروان چڑھتی رہیں تو ہم دونوں کو ہی ـخمیازہ بھگتنا ہوگا۔"
"اگر حالات کو بگڑنا ہی ہے تو میں کچھ نہیں کرسکتی۔غزالہ ـارے میں ہم کچھ اور سوچیں گے۔اس بارے میں تم کو ـے بات کرکے اپنے اختلافات ختم کرنے کی کوشش کرنا ـ۔میں اس سے بہتر کوئی اور مشورہ نہیں دے سکتی۔"
"لیکن وہ کہاں ملے گا؟ میں تو خود اس کے چکر میں ہوں۔"
"اس کے چکر میں رہو گے تو چکر ہی کھاتے رہو گے۔" ـنے اسے منہ توڑ جواب دیا "ملنا چاہو تو ہر وقت مل سکتے ہو۔"
"میرے پاس کسی سے ملنے کا وقت نہیں ہوتا۔اس سے ـماں ہوسکتی ہے؟"
"ابھی بات کرسکتے ہو۔وہ یہیں موجود ہے" ویرا نے ـ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"اوہ...!" ملّا سرکار کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم نے پہلے ـبتایا۔"
"تم نے پوچھا ہی کب تھا جو تمہیں کچھ بتاتی، وہ بھی تم ـھ خوش نہیں ہے۔"
"ریسیور اسے دے دو، میں اسی سے بات کرتا ہوں" اس ـیر آواز ابھری۔
ویرا نے آنکھ مار کر مجھے اشارہ کیا اور میں نے لمحے بھر کے بعد سوال کیا "کہو تمہارے مزاج کیسے ہیں؟"
"چبا چبا کر باتیں نہ کرو" اس کی غراتی ہوئی آواز گونجی۔ ـے مخاطب ہوتے ہی اس کا لب و لہجہ یک لخت تبدیل تھا "میرا داؤ چل گیا تو میں تمہیں پیس کر رکھ دوں گا۔کل

شام تمہارے ستارے اچھے تھے ورنہ شانتی کی جگہ کسی کوڑا گھر پر کتے تمہاری لاش کو چاٹ رہے ہوتے اور ویرا تمہیں شہر میں تلاش کرتی رہ جاتی۔"
میں نے ویرا کو اور اس نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا ملا سرکار کے لب و لہجے کی اچانک تبدیلی نے اسے پہلی بار احساس دلایا کہ میرا حریف مجھ سے مار کھا رہا تھا۔
"مرچیں چبا رہے ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ کار کے حادثے میں تمہارے دماغ پر چوٹ آئی ہے" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "جو کچھ تم میرے بارے میں کہہ رہے ہو وہی سب تمہارے بارے میں میرے دل میں موجود ہے۔کیونکہ تم ہم سے بدترین عہد شکنی کے مرتکب ہوئے ہو۔"
"دونوں بار تم خوش قسمتی سے بچ گئے۔پہلا ٹکراؤ میرے نشانے کی غلطی کی وجہ سے بے سود رہا اور دوسری بار گردھاری لال کی بزدلی نے تمہیں موقع فراہم کردیا، تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا ہوتا تو شاید اسلحے کے بارے میں اب تک ویرا سے میری بات بن گئی ہوتی۔میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میرا پیچھا چھوڑ دو ورنہ تم زبردست خسارے میں رہو گے۔"
"دو مقابلوں کی بات تو تم نے بتادی، کل والے قصے کا ذکر کرتے ہوئے کیوں شرما رہے ہو؟"
اس نے بھنائے ہوئے لہجے میں ایک غلیظ سی گالی دی اور بولا "وہ بھی تمہارے کسی کمال کے بجائے میری بے پروائی تھی۔مجھے دھیان ہی نہیں رہا کہ تمہارا کوئی تیسرا آدمی بھی پیچھے لگا ہوا ہوگا۔بزدلوں کی طرح محافظوں کی بھیڑ کے ساتھ باہر نکلنے کے بجائے مردوں کی طرح اکیلے سامنے آؤ تو میں تمہیں بتاؤں کہ مردانگی کیا ہوتی ہے۔"
"گردھاری لال کے گھر پر میں اکیلا تھا تو تم وہاں سے بھی لنگڑاتے ہوئے بھاگ نکلے تھے۔یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیوں بات کرنا چاہ رہے تھے؟ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جو کھیل کھیل رہے ہیں اس سے خوب واقف ہیں۔تمہیں موقع ملا تو تم مجھے معاف نہیں کرو گے اور میرا داؤ چل گیا تو میں تمہاری لاش چیل کوّوں کو کھلا دوں گا۔"
"کان کھول کر سن لو کہ تم ویرا کو بیوقوف بناسکتے ہو مگر مجھے نہیں" اس کی تلخ آواز ابھری "میں تمہارے بارے میں اب بہت کچھ جان چکا ہوں، میری نگاہ میں ویرا کے علاوہ شی کا کوئی نمائندہ قابل قبول نہیں۔تم اس کے ساتھ میرے معاملات طے ہوجانے دو۔اس میں رخنہ اندازی کی کوئی بھی کوشش تمہیں مہنگی پڑ سکتی ہے۔"
"میری نمائندہ حیثیت کے بارے میں ویرا ہی تمہیں بتائے گی۔اگر تم اڑیل ٹٹو کی طرح حرکتیں نہ کرتے تو شاید مجھے گردھاری لال تک پہنچنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔تم اب بھی اپنا رویّہ درست کرلو تو ہمارے درمیان مفاہمت ہوسکتی ہے۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم آسانی کے ساتھ راہِ راست پر نہیں آؤ گے" اس کی آواز خوفناک اور زہریلی ہوگئی "اس لئے میں تھوڑی دیر پہلے ہی کوریئر سروس سے ویرا کے پتے پر ایک ننھا سا پیکٹ روانہ کرچکا ہوں جو خاص طور پر تمہارے لئے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسے کھولنے کے بعد تمہارے ہوش اپنے ٹھکانے پر آجائیں گے۔ وہ پیکٹ شام تک تمہیں مل جانا چاہئے۔ جس کے بارے میں، میں رات کو نو بجے اپرٹمنٹ پر تم سے بات کروں گا۔ مجھے توقع ہے کہ اس وقت ہم کسی سمجھوتے پر پہنچ جائیں گے۔"

اس کی بدخوئی کی وجہ سے میرے لئے یہ تجویز خطرے کی گھنٹی تھی۔ وہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نو بجے ویرا کے گھر میں موجود رہوں گا ایسی صورت میں وہ ویرا کے گھر پر دھاوا بھی بول سکتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی یہ تجویز فوراً ہی مسترد کردی۔

"بے سود بات ہے" میں نو بجے تک یہاں نہیں رکوں گا۔ اس پیکٹ میں میرے لئے تم نے کون سی ایسی خاص چیز بھیجی ہے؟"

"پیکٹ ملے گا تو تمہیں خود پتا چل جائے گا۔ میں تم پر رکنے کے لئے زور نہیں دیتا۔ پیکٹ کھول لینے کے بعد بات کرنا چاہو تو ویرا کے گھر آجانا میں تو ہر حالت میں نو بجے اس سے بات کروں گا۔"

"میں تمہیں ایک مرتبہ پھر بتادوں کہ غزالہ تمہاری تحویل میں ہے۔ اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں پاتال تک تمہارا پیچھا کروں گا" میں نے اسے کسی امکانی خدشے کے پیش نظر تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا۔ اس وقت مجھے ہر طرح اس پر برتری حاصل تھی۔ اگر میری کوئی کمزوری تھی تو بس یہی تھی کہ وہ غزالہ کو پکڑے بیٹھا تھا اور اسی کے حوالے سے مجھ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرسکتا تھا۔

اس کی زہریلی ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری "اس بارے میں تمہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں، عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ مجھے تم دونوں کے بارے میں ہر بات معلوم ہوچکی ہے اور مجھے حیرت ہے کہ ویرا تمہاری محبوبہ کی واپسی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کے قریب، اپنے علاوہ کسی اور عورت کا سایہ تک برداشت نہیں کرتی لیکن تمہیں وہ از خود غزالہ کی گود میں ڈالنے پر آمادہ نظر آتی ہے۔"

"تم میں خرابی یہی ہے کہ تم غیر متعلقہ باتوں کے بارے میں اپنا بہت زیادہ وقت برباد کرتے ہو۔ تمہیں ہم لوگوں کے ذاتی معاملات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے" میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا مشن پورا ہوجائے تو پھر میں تمہاری نصیحتوں پر غور کرنے کے بارے میں سوچوں گا، فی الحال ریسیور ویرا کو دے دو۔ مجھے اس سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں" اس کے لہجے میں قدرے نرمی پیدا ہوگئی۔

"یہ ڈینی کن دو مقابلوں کی بات کررہا تھا؟" ویرا نے لمحوں کے سکوت کے بعد تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا "ایسا لگ رہا ہے جیسے تم دونوں بے لگام سانڈوں کی طرح دوسرے سے لڑتے پھررہے ہو۔"

"ابھی میں بھی اسے یہی سمجھانا چاہ رہا تھا کہ ا[...] توانائیاں مجھ پر ضائع نہیں کرنا چاہئیں" اس کی آواز ح[...] طور پر نرم اور شریفانہ ہوچکی تھی جس میں معصوم[...] ہوئی تھی "لیکن وہ غزالہ کے فراق میں پاگل ہوا جارہا[...] نے سن ہی لیا ہوگا کہ اس نے میرے آدمیوں کو [...] شروع کردیا ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈی[...] کی کون سی ادا پسند ہے، تم یقین کرو کہ میں نے اپنی پو[...] میں اس جیسی سفاک اور سنگ دل عورت نہیں د[...] کپڑا نچوڑتے ہوئے سوچتی ہوگی کہ کہیں کپڑا سسک[...] لیکن غزالہ نے بھوکی شیرنی کی طرح بے رحمی [...] سائیں مراد کا نرخرا دبوچا ہوا تھا۔ مجھے تو اس کی صورت[...] اس سے کراہیت ہونے لگتی ہے۔ بھلا وہ عورت [...] سکتی ہے جس کے دل میں نرمی اور محبت نہ ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تو تم دونوں کے دل [...] دوسرے کی طرف سے صاف ہوگئے ہوں گے۔"

"میرا تو دل صاف ہے" ملا سرکار کی معصومانہ آوا[...] "غزالہ اس کا نجی معاملہ ہے۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہ[...] اسلحے کی پہلی کھیپ ملنے پر وہ خود بخود اسے واپس مل ج[...] وہ میرا پیچھا کرنا چھوڑ دے تو میں اسے اپنا بھائی سمجھنے [...] تیار ہوں۔"

چلو، میں مانے لیتی ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ رام دیا[...] کب پورا ہوگا؟"

"وہ نکھٹو ہے، مجھے امید نہیں کہ وہ میرے لئے کام کرسکے گا۔"

"یعنی تمہیں اسلحے کی ضرورت باقی نہیں رہی" [...] نے حیرت سے سوال کیا۔

"ضرورت تو پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی [...] خوشامدانہ لہجے میں بول رہا تھا" تم پہلی کھیپ دو گی [...] ساتھ ہی غزالہ بھی تمہیں مل جائے گی۔ آگے کا [...] سیدھا سیدھا چلے گا۔"

"اس کے لئے مجھے اپنے بڑوں سے منظوری لی[...] میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتی۔"

"بڑا کہاں، یہ تو اب بہت معمولی سا سودا رہ گیا[...] مال کو چھوٹی چھوٹی کھیپوں میں بانٹ دو۔ ہر کھیپ [...] تمہیں رقم ملتی رہے گی میں جب بھی بدنیتی کا مظاہرہ [...] اگلا مال روک لینا۔ اس طرح تمہارے نقطۂ نظر سے [...] لئے بس ایک چھوٹی کھیپ کا رسک رہے گا۔ یہ فیصلہ [...] بھی کرسکتی ہو" وہ اسے شیشے میں اتارنے کی پوری کو[...]

[...]میں رات کو نو بجے اپرٹمنٹ پر تم سے بات کروں گا۔ تمہیں [...]وقت تک فیصلہ کرلینا چاہئے۔"

"[...]میں سوچوں گی" ویرا نے پُر تشویش لہجے میں کہا "تم مجھے [...]امتحان میں ڈال رہے ہو۔"

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ کرنل کہیں غائب ہوگیا ورنہ یہ سیدھا سادہ معاملہ تھا۔"

"وہ میرے لئے آسان تھا۔ تمہارا مال باہر سے آتا ہے [...]کھیپ ہوتی تو ایک ہی دفعہ میں پوری لانچ آسکتی تھی۔ مجھے [...]ہیں کہ باہر والے چھوٹی موٹی متعدد کھیپیں بھیجنے پر آمادہ ہوں گے یا نہیں" ویرا کے چہرے پر کسی لومڑی جیسی [...]ٹپک رہی تھی "اپنے کام کے بارے میں ان لوگوں کی [...]ی ترجیحات ہوتی ہیں۔ جن کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"میرے لئے یہ اب یا کبھی نہیں والا مسئلہ ہے۔ میرے [...]بے میں تمہارے تعاون کو کلیدی اہمیت حاصل تھی۔" [...]لہجہ اس قدر ڈھیلا اور خوشامدانہ تھا کہ ویرا نے اسے مجھ [...]بات کرتے ہوئے نہ سنا ہوتا تو اسے یقین ہی نہیں آسکتا [...]وہ میرے لہو کا پیاسا ہورہا ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کے [...]ک ایک وقت میں صرف ایک ہی مخاطب سن رہا تھا۔ [...]لئے وہ پوری بے فکری کے ساتھ اپنے عزائم کو بے نقاب [...]بارہا تھا۔

"اور فیصلہ تم خود ہی کرنا" وہ کہہ رہا تھا "ڈینی متعصب اور [...]نظر ہے۔ اس سے بات کروگی تو وہ تمہیں بہکائے گا۔ [...]پنی ساری نیک نیتی کے باوجود اس کے ارادے خطرناک [...]تے ہیں۔ اسے جب بھی موقع ملا وہ مجھ پر وار کرنے [...]یں چوکے گا۔"

"تم نے جو کچھ کہا ہے، میں اس کا بھی خیال رکھنے کی [...] کروں گی۔"

"اور ہاں! میں نے تمہارے پتے پر ڈینی کے لئے ایک [...]سا پیکٹ بھیجا ہے۔ وہ شام تک تمہیں مل جائے گا۔ وہ [...]م نہ کھولنا بلکہ اسی طرح ڈینی کے حوالے کر دینا۔"

"کیا اس میں کوئی بم وغیرہ بھیج رہے ہو؟" ویرا نے چونک [...]ل کیا تھا۔

"بم نہیں، بس ایک شعبدہ ہے" اس کی آواز میں ایسی [...]ت آمیز شوخی عود کر آئی جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کو اپنی کسی [...]شرارت کے بارے میں بتا رہا ہو "میں ڈینی کو ایک ذہنی [...]نا چاہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری کوشش بار آور ثابت [...]وہ میرے بارے میں حقیقت پسندانہ رویّہ اپنانے پر آمادہ [...]ے۔"

[...]ہرا دل چاہا کہ درمیان میں دخل دے کر اسے بتاؤں کہ وہ [...]در جھوٹا تھا۔ وہ جو کچھ کرنے والا تھا یا کرچکا تھا اس کے [...]میں ویرا کو بہلانے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن مصلحت [...]رمیں خود پر ضبط کئے، خاموش بیٹھا رہا۔

"ٹھیک ہے، میں نو بجے اپرٹمنٹ آن رکھوں گی" ویرا اس کی گفتگو سے متاثر ہونے کی کامیاب اداکاری کررہی تھی۔

"گڈ بائی ہنی!" ملا سرکار کی آواز ممنونیت کے جذبات سے لبریز تھی۔

اس کی طرف سے فون کا سلسلہ منقطع ہونے کی کلک کی آواز سنائی دی اور ویرا نے بھی بٹن دبا کر اپنا اسپیکر فون آف کردیا "یہ بالکل بھی بھروسے کے قابل نہیں ہے" سلطان شاہ نے غصیلی آواز میں کہا "اور بیک وقت تم دونوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کررہا ہے۔ اسے تو اب گھیر کر مار ہی دینا چاہئے۔"

"وہ اتنی آسانی کے ساتھ نہیں گھیرا جاسکے گا برخوردار!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "مجھے تشویش لاحق ہوگئی ہے کہ اس نے پیکٹ میں میرے لئے کیا بھیجا ہوگا۔"

"اس قدر دوغلے اور کمینے آدمی کم ہی پائے جاتے ہیں۔" ویرا نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا "تمہارے بارے میں تو وہ مرتے دم تک بھی کوئی نیک خیال اپنے دل میں نہیں لاسکتا۔ خدا کی پناہ! کس قدر نفرت تھی اس کے لہجے میں تمہارے لئے .... اور مجھ سے وہ ایسا بن رہا تھا جیسے تمہارا سب سے بڑا بہی خواہ ہو۔"

"غزالہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس نے تمہارے رقیبانہ جذبات کو بھی بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

"وہ نفرت، بے بسی اور انتقام کی اس منزل پر پہنچا ہوا ہے جہاں وہ تمہارے خلاف اپنا ہر کارڈ کھیل جانے پر تُل گیا ہے۔ اگر اسے یقین ہو کہ اس کے، سر کے بل کھڑا ہونے سے تمہیں کوئی قابل ذکر نقصان پہنچ سکتا ہے تو وہ یہ احمقانہ حرکت بھی کر گزرے گا۔ یہ بالکل جنون اور دیوانگی کی سی منزل ہے جہاں انسان کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔"

"لیکن اس کی عقل ابھی تک پردے سے باہر ہے" میں عالم تصور میں ملا سرکار کے چیتھڑے اڑاتے ہوئے کہا۔ "پچھلی رات اس نے مجھے پھانسنے کا بے داغ منصوبہ بنایا تھا۔ اگر راستے میں سلطان شاہ نے اس کی کار سے اپنی کار لڑا کر اسے رکنے پر مجبور نہ کردیا ہوتا تو شانتی کے بوکھلا کر بھاگ نکلنے پر وہ خود سامنے آکر مجھے بے بس کرلیتا۔"

"میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے اس بات کی امید کیوں پیدا ہوئی کہ میں تمہارے مقابلے میں اس کی ہم نوا بن سکتی ہوں۔ اس کا سارا زور اسی ایک بات پر تھا کہ میں تمہیں نظر انداز کرکے اس کا ساتھ دوں۔"

"اس نے بڑے لطیف پیرائے میں تمہیں بھی بلیک میل کرنے کا اشارہ دیا ہے" میں نے کہا "اسے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ میں شی سے باغی ہوچکا ہوں اور تم ذاتی دوستی کی بنا پر میرا ساتھ دے رہی ہو۔ وہ تمہاری کسی بات کی مخالفت کرنے کی حماقت نہیں کرسکتا لیکن اس نے مجھ سے صاف کہہ [...]

وہ تمہارے علاوہ کسی کو شی کا نمائندہ تسلیم نہیں کرتا۔ میرے بہکانے کا حوالہ دے کر اس نے تمہیں یہ یاد دلایا ہے کہ تم نے شی کے مفاد کے خلاف کوئی فیصلہ کیا تو وہ تمہارے اوپر والوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"وہ مر کر بھی ان میں سے کسی تک نہیں پہنچ سکتا۔ تمہارے بارے میں تلخ ترین تجربات سے دوچار ہونے کے بعد وہ لوگ ایشیائیوں سے بہت ڈرنے لگے ہیں۔ ملاّ سرکار نے ان تک پہنچنے کی کوشش کی تو ان کے محافظ اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔"

"تم نے اسے یہ کیوں نہیں بتا دیا کہ کرنل مہیش پال خود کشی کر چکا ہے اور موہن داس کو ہم نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اپنے بڑے حمایتیوں کی موت کی خبر پا کر اس کے حوصلے پست ہو جاتے" سلطان شاہ بولا۔

میں نے لمحہ بھر کے لئے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر نرمی سے کہا "ابھی تک ہم اس سے کھلا ہوا بگاڑ پیدا کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ کرنل کے بارے میں زبان کھول کر ہم اس کے دعوے کی تصدیق کر دیتے کہ ہم خود ہی اس کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں اور موہن داس کی موت تو بہت زیادہ اہم ہے۔ اسے اپنی مقامی بیوی اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ وہ فوراً ہی کوٹ مندو کا رخ نہ کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے پھر ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟ ہم نے اس کے گرد گھیرا زیادہ تنگ کیا تو وہ عارضی طور پر سرحد پار چلا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مایوسی اور بددلی کے عالم میں وہ انتقاماً غزالہ ہی کو مار ڈالے۔"

"تم جب اتنی مدلل باتیں کرتے ہو تو مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگتا ہے کہ اتنی سیدھی اور سامنے کی باتیں میرے دماغ میں کیوں نہیں آتیں؟" سلطان شاہ نے جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"اسی لئے میں نے کہا ہے کہ اپنی کھوپڑی روغن کدو میں تر رکھا کرو۔ دماغ ٹھنڈا رہے تو آدمی کو اندھیرے میں بھی بڑی دور دور کی سوجھتی ہے۔" ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا اور وہ خلاف توقع مسکرا دیا۔

ملا سرکار سے ہونے والی اس بے باکانہ گفتگو کے بعد کسی خوش فہمی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ میری اور ملا سرکار کی باقاعدہ ٹھنی ہوئی تھی۔ ابھی تک اس سے جتنی بھی جھڑپیں ہوئی تھیں ان میں اسی کو منہ کی کھانی پڑی تھی۔ وہ ان کینہ پرور لوگوں میں سے تھا جو اپنی شکست کو کبھی بھی خندہ پیشانی سے قبول نہیں کرتے بلکہ اپنی ہار کا بدلا چکانے کے لئے ہر وقت اپنے حریف کی گھات میں لگے رہتے ہیں اور موقع ملنے پر گھٹیا وار کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اسے اس وقت یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں ویرا کے گھر موجود تھا۔ اپنی مقدر آزمائی کے لئے وہ فوری طور پر بھی

اِدھر کا رخ کر سکتا تھا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے ... کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا سراغ لگانے کے ... پاس ایک ہی پیمانہ تھا۔ پورچ میں ویرا کی کار کے ... کار دیکھ کر وہ فوری طور پر کسی مہم جوئی کا فیصلہ ...

میں نے اصولی طور پر سلطان شاہ کو اپنی کار ... واپس فلیٹ بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ میری مجبوری یہ ... سرکار کی طرف سے بھیجے گئے پیکٹ کے بارے میں ... اور میں وہیں رک کر اس کا انتظار کرنا چاہ رہا تھا۔ ویرا ... یہ تھی کہ وہ نہ صرف میری میزبان اور اہل خانہ ... بھی نو بجے ملاّ سرکار سے بات کرنے کے لئے گھر پر ... تھا جب کہ سلطان شاہ کے لئے ایسی کوئی مجبوری ... درپیش نہیں تھی۔

لیکن خرابی یہ تھی کہ میں کچھ بتائے بغیر اسے ... لے جانے کی ہدایت دیتا تو اسے پہلا اور اٹل خیال ... ویرا کے ساتھ یکجا ہوتے ہی میرے دماغ میں خناس ... اور میں اسے وہاں سے ٹال کر ویرا کے ساتھ آزادانہ ... محفلِ طرب و نشاط سجانے کا منصوبہ بنا رہا تھا لہٰذا میں ... تمہید کے ساتھ اسے پس منظر سے آگاہ کر کے ... طلب کی اور جب اس نے میرے تجزیے سے ... انظہار کیا تو میں نے رسانیت سے اس کو کار وہاں ... ہدایت کی اور وہ بے چون و چرا وہاں سے اٹھ کر ...

"کہیں بھٹکنے کے بجائے تم فلیٹ ہی میں رہ... میرے مذاکرات ختم ہونے پر اس سے کہا "ضرور ... ہم فون پر تم سے رابطہ کر لیں گے۔ کسی بڑے ... گاڑی میں اسلحہ وغیرہ تیار کر لینا۔"

"کیوں؟" میں نے حیرت سے ویرا کی طرف ... پوچھا" مجھے تو ایسی معرکہ آرائی کا کوئی امکان نظر ... یہاں گھس بھی آیا تو سلطان شاہ کو فون کرنے ... ہی قصہ نمٹا چکے ہوں گے۔"

"میں فضا میں کسی گمبھیر خطرے کی بو سونگھ ... ویرا کی سنجیدگی نے مجھے چونکا دیا "اسلحہ ... بجائے کار میں پڑا رہے تو کیا ہرج ہے۔ کم از کم ... نہیں ہوگا کہ ہم تیار نہیں تھے۔"

"ایسی بات ہے تو تم یہ بھی رکھ لو" سلطان ... جاتے، اپنی جیب سے بیم گن نکال کر مجھے تھما...

"تمہاری بیم گن کہاں ہے؟" میں نے ...

"میرا خیال ہے کہ میں نے یورپ میں ایک بیم گن ... فراہم کی تھی۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ تم نے نہ صرف ... تھی بلکہ دو سلور آئیز بھی مجھے دی تھیں" اس ... آلود لہجے میں اعتراف کیا "لیکن میں نے اپنے ... کے موقع پر جذبات کی رو میں آکر خیر سگالی کے ...

... لوٹا دی تھیں۔"

... سلطان شاہ ہماری گفتگو سننے کے لئے وہاں رکا نہیں تھا ... سیدھا بڑھتا چلا گیا تھا۔

"تمہاری اس خیر سگالی کے جواب میں وہ سیٹلائیٹ ... فون سے تمہاری سرگرمیوں کی خیر خبر رکھ رہا تھا" میں ... لہجے میں کہا "تم بھی کس قدر بھولی ہو ویرا کہ ابھی ... لائیڈ کو نہیں سمجھ سکی ہو۔ اس نے تم سے صرف ... لئے صلح کی تھی کہ تمہیں پاکستان بھیج کر، تمہارے ... میرا پتا صاف کروا سکے۔"

"یہ بات تو اب میری بھی سمجھ میں آچکی ہے۔ اُس وقت ... لگانا محال تھا۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ آج کے بارے میں تم کون سا ... سونگھ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ میری چھٹی حس مجھے کسی بہت ... خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے طوفان ... نے سے پہلے بعض پرندے مضطرب ہو کر شور مچانے لگتے ... تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ میلوں دور بننے اور ... نے والی موسمیاتی لہروں کا پرندوں کے نظام پر کوئی اثر نہیں ... ان کی حیوانی جبلت انہیں شور کرنے پر اکساتی ہے۔"

"سلطان شاہ جا چکا ہے۔ اب حیوانی جبلت کا ذکر نہ چھیڑو ...." میں نے اسے چھیڑا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی!" اس نے پریشان لہجے میں ... بات کاٹ دی "آؤ ہم بھی اپنے ہتھیار درست کر لیں۔"

ساڑھے چار بجے ڈور بیل بجی تھی۔ ویرا نے انٹر کام پر ... ال کیا تو معلوم ہوا کہ قاصد آیا تھا۔ میں اضطراری طور پر خود ... پھاٹک پر جانا چاہ رہا تھا لیکن ویرا نے مجھے روک دیا۔ پھر مجھے ... یاد آیا کہ میں اس مکان میں اپنی موجودگی کو صیغۂ راز میں ... نا چاہ رہا تھا اس لئے میرا پھاٹک پر جانا مناسب نہیں تھا۔

ویرا باہر گئی اور ذرا سی دیر میں ایک ننھا سا خوبصورت سا ... ٹ لے کر اندر آگئی۔ بڑی لپ اسٹک کے ڈبے کے برابر وہ ... ٹ سرخ کاغذ میں لپٹا ہوا تھا اور اس پر سنہری ڈوری بندھی ... تھی۔

"پیکٹ بہت چھوٹا اور ہلکا ہے، اس میں بم وغیرہ تو نہیں ... سکتا" ویرا نے وہ پیکٹ اسی طرح میری طرف بڑھاتے ... ئے کہا "دیکھنا چاہئے کہ اس بار ملاّ سرکار کی شیطانی کھوپڑی ... کیا گل کھلایا ہے۔"

پیکٹ واقعی بہت ہلکا تھا۔ اس کا وزن بس اتنا ہی تھا جتنا ... ی بڑی لپ اسٹک کا ہو سکتا تھا۔ اس پیکٹ پر ایک طرف ... رے نام سے ساتھ ویرا کے گھر کا پتا لکھا ہوا تھا۔ بھیجنے والے کا ... ایل سی ٹی درج تھا جو بلیک کیٹ ٹی کا مخفف تھا۔ اس کے نیچے ... پتا درج تھا اس کے بارے میں یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ ... ی رہا ہوگا۔

وہ میرے لئے میرے کسی دوست کا نہیں بلکہ دشمن کا تحفہ تھا اس لئے میں نے ڈوری کھول کر احتیاط سے پیکنگ اتارنے کے بجائے ایک طرف سے انگلی پھنسا کر گتے کا وہ ڈبا پھاڑ دیا اور پیکٹ کو دوسری ہتھیلی پر الٹ دیا۔ موٹے سرخ کاغذ میں لپٹی ہوئی کوئی لمبی اور قدرے لجلجی سی چیز ڈبے میں سے میری ہتھیلی پر پھسل آئی اور میں بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گیا۔

اندر والے کاغذ پر ایک چٹ لگی ہوئی تھی جس پر ایک مختصری تحریر تھی "خیر خواہ کی طرف سے اپنے بدخواہ کے لئے۔"

سرخ کاغذ میں موجود شے کی ماہیت کچھ عجیب سی تھی۔ وہ نرم بھی تھی اور اس میں سختی بھی تھی۔ ایک سرے پر کاغذ کچھ زیادہ ہی پھولا ہوا تھا جہاں کسی دھات کی موجودگی محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے اندر والی پیکنگ کو نہ ٹٹولا اور نہ اس بارے میں زیادہ تجسس کیا لیکن میں نے جو کچھ محسوس کیا وہ میرا فوری ردِ عمل تھا اور پھر میں نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وہ سرخ کاغذ پھاڑ دیا۔

زندگی سے محروم، اس زرد مخروطی انگلی پر نگاہ پڑتے ہی میرا سر چکرا گیا اور پھر مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا پھیلتا ہوا محسوس ہونے لگا کیونکہ زنانہ انگلی کی خون آلود جڑ میں ہیرے کی وہ انگوٹھی پھنسی ہوئی تھی جو میں نے بہت چاہت اور پیار کے ساتھ اپنی غزالہ کو تحفے میں دی تھی۔ وہ انگلی ہتھیلی کے جوڑ سے اتنی مہارت سے کاٹی گئی تھی کہ جوڑ کی انگلی والی ہڈی اپنی جگہ پر سالم تھی۔ اس پر جمے ہوئے خون کے سرخ لوتھڑے زیادہ سے زیادہ چند گھنٹے پرانے تھے۔ اس انگلی کو اس کے بدنصیب بدن سے الگ کرنے کے بعد اتنا وقت دیا گیا تھا کہ خون جم کر خشک لوتھڑوں میں بدل جائے اور پیکنگ خون سے داغ دار نہ ہو۔ ہیرے کی طلائی انگوٹھی ان ہی لوتھڑوں میں جوڑ کی ہڈی سے اوپر پھنسی ہوئی تھی۔ انگلی کا ناخن سلیقے سے ترشا ہوا تھا اور نیل پالش سے بے نیاز تھا۔

وہ زرد اور بے جان انگلی چند گھنٹوں پہلے گداز، مخروطی اور سرخ و سفید رہی ہوگی لیکن اس کی رگِ حیات کاٹ دیئے جانے کے بعد اس کا سارا حسن موت کے سکوت نے نگل لیا تھا۔ میں غزالہ کے وجود کو بہت اچھی طرح پہچانتا تھا لیکن اس کے ہاتھ سے کٹی ہوئی انگلی کو شناخت کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ میں زندہ غزالہ کو پہچانتا تھا اور زندگی عناصر کے ظہور ترتیب کا نام ہوتا ہے۔ جب یہ عناصر بکھر جائیں تو موت ان پر پردہ ڈال لیتی ہے اور ان کی کوئی شناخت باقی نہیں رہتی۔

میرے ذہن کو پہلا اور شدید ترین جھٹکا وہی لگا۔ کیا غزالہ زندہ تھی اور ملاّ سرکار نے اپنے بھیانک عزائم کا اشارہ دینے کے لئے اس کے زندہ وجود سے اس کی انگوٹھی والی انگلی کاٹ کر مجھے بھیجی تھی یا اس نے غزالہ کی لاش سے اس کی وہ نشانی ...

کی تھی؟

غزالہ اس قدر حسین تھی کہ اسے کبھی میک اپ وغیرہ کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ وہ نہ ناخن بڑھاتی تھی اور نہ نیل پالش لگا کر ان کی قدرتی جلا کو تباہ کرنے کی شوقین تھی۔ ملا سرکار کی بھیجی ہوئی انگلی میں وہ ساری نشانیاں موجود تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری دی ہوئی انگوٹھی اس بدنصیب انگلی میں پھنسی ہوئی تھی۔

میں تیورا کر صوفے پر بیٹھتا چلا گیا۔ ویرا نے پھرتی سے سہارا دے کر مجھے گرنے سے بچایا تھا۔

اس زنانہ انگلی کو بھیجنے والا ملا سرکار جیسا وحشی تھا۔ غزالہ اس کے قبضے میں تھی اور پھر میرا ردِ عمل اس کے سامنے تھا اس لئے ویرا کو اس کو شناخت کے لئے کسی سوال کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے ناخن کے قریب سے پکڑ کر وہ انگلی اپنی چٹکی میں دبالی اور متاسفانہ لہجے میں بولی "میں اس شقی القلب حرامزادے کے کان چاقو سے نہیں بلکہ قینچی سے کاٹوں گی۔"

"پتا نہیں غزالہ زندہ بھی ہے یا اس نے اس کی لاش سے انگلی کاٹی ہے؟" میری آواز بہت کمزور تھی۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمنوں کے نرخرے کاٹتا رہا تھا۔ اس وقت بھی موہن داس کی غلیظ اور آلودہ لاش پچھلی خوابگاہ کے فرش پر پڑی ہوئی تھی لیکن اپنی عزیز ترین شخصیت کے جسم سے ایک انگلی کے کاٹے جانے پر میری حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔

"لاشوں سے خون نہیں بہا کرتا" ویرا نے مضبوط اور پُراعتماد لہجے میں کہا "اس کے پاس غزالہ ہی تو ایک کارڈ ہے جس کے ذریعے وہ ہم سے اسلحہ لے سکتا ہے۔ اسے مار کر وہ اپنی بازی خراب نہیں کرے گا۔ تم یقین کرو وہ زندہ ہوگی' ہاں اس بھیڑیئے نے اسے اذیت پہنچا کر یہ انگلی کھرچ کھرچ کر ہتھیلی کے جوڑ سے نکالی گئی ہوگی اور میں اس کا بدلہ لوں گی۔"

"میری وجہ سے اس کی زندگی تو تباہ ہو ہی گئی ہے' اب اس کی اعضا تراشی کی بھی نوبت آگئی ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو زیادہ عذاب میں ہوگی آج اس نے غزالہ کی ایک انگلی بھیجی ہے کل دوسری اور پھر تیسری بھی آسکتی ہے۔ وہ بڑے کرب میں ہوگی۔ میں اپنی ہار مانتا ہوں۔ میں اس خونی درندے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"تم بالکل اسی ردِ عمل کا مظاہرہ کر رہے ہو جو وہ چاہتا تھا" ویرا نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "انگلی کیا لوگ تو پورے پورے ہاتھ کٹوا کر بھی بڑے حوصلے سے زندگی گزارتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کا ٹرانسمٹر محدود حیطۂ عمل میں کام کرتا ہے۔ وہ اس مکان کے آس پاس ہی کسی گلی میں اپنی کار روک کر ہم سے بات کرتا ہے۔ نو بجے میں اسے باتوں میں الجھاؤں گی۔ تم سلطان شاہ کے ساتھ اسے ڈھونڈ کر پکڑ لینا۔ اس کی تو منصوبہ بندی ہی یہی ہے کہ تم دل شکستہ ہو کر ہتھیار ڈال دو۔ اگر اس سے سامنا ہو یا بات کرنے کی نوبت آجائے تو تمہیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ مجھے معلوم اپنے پیاروں کی تکلیف پر صبر کرنا بہت دشوار کام تمہیں اپنے سینے پر پتھر رکھ کر اسے یقین دلانا ہوگا کہ تم ہوئی انگلی سے کوئی اثر نہیں لیا۔"

"وہ کھل کر سامنے آگیا ہے۔ اس کے بھیانک ع وجہ سے چوہے اور بلی کا یہ کھیل زیادہ دیر تک نہیں چل میں نے سنبھالا لے کر کہا "اسے جلد از جلد ختم کرنا ہوگا اسے اور وہ مجھ کو سمجھ چکا ہے۔ آج رات وہ بھی تیار ساتھ آئے گا۔ ہم نے اس پر اوچھا وار کیا تو کل پھر ہمیں ا انگلیاں موصول ہو سکتی ہیں۔ اس کے لئے تو سوچ سمجھ قدم اٹھانا ہوگا۔"

چند ثانیوں تک ڈرائنگ روم کی فضا پر گمبھیر سکوت رہا پھر ویرا پُر خیال انداز میں بولی "کراچی انسانوں کا سمند جب تک وہ یہاں رہے گا اس تک پہنچنا دشوار رہے گا خیال ہے کہ آج رات اس سے بات ہوگی تو میں اسے ا وصولی کا انتظام کرنے کے لئے کہوں گی اور اسے لامحالہ ا سندھ جا کر اپنے حواریوں سے مشورے کرنا ہوں گے مندو میں وہ خود کو روپوش نہیں رکھ سکے گا۔ تمہیں اس ک تباہ کرنا ہوگا۔"

"میں تو کوٹ مندو جانے کے لئے تلا بیٹھا ہوں نے کہا "وہ یہاں سے ہلے تو میں بھی چل پڑوں گا۔ وہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس نے سادہ لوح دیہاتیوں کو کم بیوقوف بنایا ہوا ہے۔"

سات بجے کے قریب سلطان شاہ کا فون آیا۔ وہ جا چلا گیا تھا لیکن اس کا دھیان بھی ملا سرکار کے بھیجے پیکٹ میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے کٹی ہوئی انگلی کا قصہ اسے ملال کے ساتھ ہی بہت طیش بھی آیا لیکن اس سب بے سود تھا۔ ان باتوں سے کٹی ہوئی انگلی جڑ سکتی نہ ملا سرکار کے فتنے کا سدِباب ہو سکتا تھا۔

اس نے بتایا کہ جہانگیر ہم لوگوں کی تلاش میں بار با پر فون کر رہا تھا لیکن سلطان شاہ ہمارے بارے میں لاعل تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ جہانگیر کو بھی ا لے لوں لیکن وہ طویل انتظار کے بعد باپ بننے کی مس روشناس ہوا تھا۔ میری دانست میں یہ مناسب نہیں تھ خوشی کے موقعے پر میں اسے قتل و غارت گری کے ا کھیل میں گھسیٹ لیتا۔ اس وقت ہم چاروں میں ایک تھا جو اپنی دنیا میں خوش اور مگن تھا بقیہ تینوں مسائل اور مشکلات کے عفریت اپنے ہولناک دہانے کھڑے تھے جن سے بچ کر گزرنا ممکن نظر نہیں آ رہا

"گاڑی تیار ہے؟" میں نے ذو معنی لہجے میں سل سے سوال کیا۔

"پوری طرح" اس کا لہجہ پُراعتماد تھا "کچھ گیندیں بھی گاڑی ہی میں ہیں۔"

"وہ نو بجے کال کرے گا تم آٹھ بجے یہاں پہنچ جانا" میں نے اسے ہدایت کی "تمہیں دور رہ کر مکان کی نگرانی کرنا ہے۔ اگر کوئی پھاٹک کھلوائے بغیر کسی اور طریقے سے اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہوا نظر آئے تو بے دریغ اسے بھون ڈالنا۔"

"کیا ایسا کوئی امکان نظر آ رہا تھا؟" اس نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔

"وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ میرا اس سے بات کرنے کا ارادہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مکان میں میری موجودگی کا علم ہوتے ہی وہ اپنے آدمیوں کو گھر میں گھسنے کا سگنل دے دے۔ اس یلغار کو تمہیں اکیلا سنبھالنا ہوگا۔"

"کہو تو کچھ اور آدمی بھی اکٹھا کر لوں۔ تمہارا سینڈو بھی تو اس موقع پر کام دکھا سکتا ہے۔"

"سینڈو اور ویرا بیک وقت کسی ایک فریق کی حمایت میں جمع نہیں ہو سکتے" میں نے مافیا میں سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کا ذکر کئے بغیر کہا "تم کہاں سے بھروسے کے آدمی لاؤ گے؟"

"تم کو بار بار یاد دلانا پڑتا ہے کہ کراچی میں میرے قبیلے برادری کے کافی لوگ موجود ہیں۔ سرحد میں جو اسلحہ ان سورماؤں کا زیور ہوتا ہے' کراچی میں آتے ہی وہ جرم بن جاتا ہے لیکن وہ گھروں میں اسلحہ ضرور رکھتے ہیں۔ ان ہی میں سے دو چار کو لے آؤں گا۔"

"لے آؤ!" میں نے بلا توقف اسے اجازت دے دی۔ "لیکن یہ خیال رکھنا کہ بلا ضرورت کوئی گولی نہ چلے۔ جوش اور ہیجان میں کوئی قبل از وقت فائر کر بیٹھا تو ہم سر پیٹتے رہ جائیں گے۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو۔ میرے آدمی پیشہ ور جنگجو ہوں گے۔ قبائلی جھگڑوں میں ہمارا بچہ بچہ گوریلا سپاہی ثابت ہوتا ہے۔" اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا پھر سوال کیا "اگر اتفاقاً وہ خود بھی نظر آجائے تو کیا کرنا ہوگا؟"

"تم اسے کیسے پہچانو گے؟" میں نے حیرت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

"کٹی ہوئی انگلی نے شاید تم کو بہت پریشان کر دیا ہے۔ کل رات ہی کو میں نے اس کی کار سے اپنی کار لڑائی تھی۔ تم نے خود کہا تھا کہ داڑھی والا ملّا سرکار ہی ہے۔ اسے تو میں ہزاروں کی بھیڑ میں بھی پہچان لوں گا۔"

"وہی ہمارا اصل ٹارگٹ ہے۔ وہ نظر آجائے تو بچ کر نہ نکلنے پائے۔ زندہ یا مردہ' ہر دو صورتوں میں وہ ہمارے ہاتھ آنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے بہت عرصے بعد کھلی چھوٹ دی ہے۔ اب تم باہر سے بے پروا ہو کر اندر کی منصوبہ بندی کرو۔ میں اپنی تیاریوں کے لئے روانہ ہو رہا ہوں۔ میدان صاف ہونے پر وہیں ملاقات ہوگی" اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"اب شاید تمہاری چھٹی حس بھی کچھ بول رہی ہے۔" ویرا نے کہا "اس نے اسپیکر فون پر میرے اور سلطان شاہ کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو نہایت انہماک سے سنی تھی۔

"میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج کی رات کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ یہ درست ہے کہ ملا سرکار غزالہ کو ہلاک کر کے اپنا کھیل خراب نہیں کرے گا لیکن اس کی کٹی ہوئی انگلی تمہیں بھیج کر اس نے بہت بڑی جسارت کی ہے۔ اسے یہ خوف بھی نہیں رہا کہ اس گھنیا تشدد پر میں اس سے اپنے تعلقات بگاڑ سکتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ کچھ تم نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی ہے" میں نے دبے لفظوں میں کہا "تمہاری گفتگو سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہوگا کہ تم مجھے چھوڑ کر اس کی طرف جھک رہی ہو۔"

"یہ نہ بھولو کہ ہم کو فون کرنے سے پہلے وہ پیکٹ روانہ کر چکا تھا" وہ تیکھے لہجے میں بولی اور میں خاموش ہو گیا۔

ہم دونوں نے آخری بار پورے گھر کا چکر لگا کر نیچے کے تمام بولٹ لگا دیئے۔ موہن داس کی لاش بدستور اسی خوابگاہ کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ وہاں پیدا ہونے والے تعفن سے

شبہ ہوا کہ اس کی لاش پھول کر سڑنا شروع ہو گئی تھی لیکن ایسا نہیں تھا۔ لاش زیادہ پرانی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا تن و توش ہی ایسا تھا کہ اس پر ورم ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔

ٹھیک نو بجے ڈرائنگ روم میں پوشیدہ ریسیور پر ملّا سرکار کی آواز ابھری تھی جس کا ویرا نے سرد لہجے میں فوراً ہی جواب دیا تھا۔

"کیا بات ہے؟ کچھ برہم اور ناراض معلوم ہو رہی ہو؟" ملّا سرکار ویرا کے لہجے کی خشکی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں نے تمہیں غزالہ کے بارے میں خاص ہدایت کی تھی مگر تم نے پھر بھی اس کی کٹی ہوئی انگلی بھیجنے کی حماقت کی ہے۔"

"غزالہ سے مجھے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ میں تو اس کے حوالے سے ڈینی کو اذیت پہنچانا چاہ رہا تھا" اس نے اپنی حرکت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا "انگلی دیکھ کر اس کا ردعمل کیا رہا؟"

"وہ چلا گیا تھا۔ آئے گا تو دیکھے گا۔ فی الحال تو وہ انگلی میرے ہی پاس ہے۔"

"میں نے تمہیں پیکٹ کھولنے سے منع کیا تھا" اس کی آواز سے شکوہ ٹپک رہا تھا پھر اس نے اچانک ہی پوچھا تھا۔ "لیکن تم نے کیسے پہچانا کہ وہ انگلی غزالہ ہی کی ہے؟"

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو" ویرا تلخ لہجے میں بولی۔ آہستہ آہستہ وہ اس پر حاوی ہوتی جا رہی تھی "اسے پہچاننے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پیکٹ تمہاری طرف سے ڈینی کے نام آیا تھا اور پھر تم نے اس میں غزالہ کی انگوٹھی بھی پھنسا دی تھی۔ جو ڈینی نے میرے ساتھ ہی خرید کر تحفے میں اس کو دی تھی" پھر اچانک موضوع بدل دیا "تم اپنے مال کی کھیپ بنا کر فہرست دے دو اور آج سے پانچویں دن پہلی کھیپ کی وصولی اور رقم کی ادائیگی کا بندوبست کر لو۔ روزانہ ایک کھیپ آئے گی اور یہ سلسلہ پندرہ دن تک جاری رہے گا۔"

"اوہ!" ملّا سرکار کی تحیر زدہ آواز ابھری "تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔ اس کا مطلب ہوا کہ پندرہ کھیپ بنانی ہوں گی .... اور یہ فہرست تمہیں کب مل جانی چاہئے؟"

"زیادہ سے زیادہ کل شام تک" ویرا نے سختی سے کہا۔ "کل رات سے پہلے میں فہرست انہیں فیکس نہ کر سکی تو یہ سارا بندوبست منسوخ ہو جائے گا۔ ڈلیوری کراچی کی جنوب مغربی ساحلی کھاڑیوں میں کسی گھاٹ پر ہوگی۔"

"لیکن یہ تو چھوٹی کھیپ ہوں گی؟" اس کا لہجہ استعجابیہ تھا "ان کے لئے پورا اسٹیمر آیا کرے گا؟"

"پھر بھی ٹنوں وزنی کریٹ ہوں گے۔ چھوٹی لانچیں اتھلے پانیوں میں اندر تک جا سکیں گی۔"

"تم مال کی اندرون سندھ تک ترسیل کا بندوبست نہیں کرا سکتیں؟"

"آدمی دے سکتی ہوں۔ ان سے تمہیں اپنی ذمے... پر کام لینا ہوگا۔ ویسے اندرونِ سندھ میں منزل کیا ہوگی؟" ...نے میری طرف دیکھتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ ...بالکل صحیح لائن پر لے جا رہی تھی۔

"صحیح ٹھکانوں کی نشاندہی کے لئے تو مجھے اپنے ...سے آدمی ساتھ لانے ہوں گے۔ یوں سمجھو کہ تھر... سانگھڑ اور خیرپور میں ہمارے بارہ خفیہ ٹھکانے ہیں۔ ...وہیں اترے گا۔ وہاں سے اسے آگے پھیلایا جائے گا۔"

"میں آدمی تلاش کرتی ہوں۔ تم مجھے فہرست د... گاؤں سے آدمی لے آؤ۔ یاد رکھنا کہ اس بندوبست میں بھی کوئی خلل پڑا تو شی اپنے نقصانات کا تاوان وصول کر... طرح جانتی ہے۔ یہ تمہارے اور ڈینی کے جھگڑے کی... نہیں ہوگا کہ میں اپنی آنکھیں بند کئے رہوں۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو" ملّا سرکار کی آواز سے خوشی کا... ہو رہا تھا "میرا خیال ہے کہ ڈینی سے تمہاری جھڑپ ہو... جب ہی تم نے اتنی جلدی اتنے بڑے فیصلے کر ڈالے ہ... کٹی ہوئی انگلی وصول کرنے کے بعد وہ اور پاگل ہو جا...

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں اس سے کوئی سر... ہونا چاہئے!" ویرا نے سرد لہجے میں اسے خاموش کر...

"میں نے اس لئے پوچھا کہ میں اس سے اپنا حساب... چاہتا ہوں" قدرے توقف کے بعد ملّا سرکار کی تردد آ... ابھری۔

"وہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں روکوں گی نہ ا... گی۔ میں تم کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ وہ میری طرح آ... خود مختار ہے لیکن اتنا بتا دوں کہ غزالہ کی واپسی سے اس... تعلق نہیں ہے۔ پانچویں دن پہلی کھیپ لینے سے پ... اسے میرے حوالے کرنا ہوگا" ویرا کے لہجے میں کمال... مہری اُمڈ آئی تھی۔

"سب کچھ تمہاری مرضی اور میرے وعدوں... مطابق ہوگا" وہ ویرا کی گفتگو سے بہت محظوظ ہو رہا...

ویرا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک فضا کسی را... گرج دار آواز سے لرز اٹھی اور اسی کے ساتھ رات... میں ایک ہولناک انسانی چیخ گونج اٹھی۔

...نہ فائر کی کوئی شناخت تھی اور نہ چیخ پہچانی جا سکی... اس لئے اندازہ نہیں ہو سکا کہ پہل کس کی طرف... تھی۔ رائفل کی گونج معدوم ہونے تک فضا پر سناٹا چھا... اچانک بے تحاشا گولیاں چلنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا... رائفل کا سگنل ملتے ہی دو مسلح اور خونخوار گروہ ایک دو... نیست و نابود کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑے۔

"...پہلا فائر رائفل کا ہوا تھا" ویرا پرتشویش لہجے میں ...تے ہوئے بولی۔

...میں خاموش رہا۔ اس کے بولنے سے پہلے، خود میرے ذہن ...ہی وہی خیال آیا تھا۔ فلیٹ پر ہمارے پاس مہلک آتشیں ...کا خاصا معقول ذخیرہ موجود تھا لیکن مجھے اچھی طرح معلوم تھا ...ن میں کوئی رائفل نہیں تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بار ...بلیک کیٹ ٹی کی طرف سے ہوئی تھی۔

...میرے لئے یہ صورت حال خاصی پریشان کن تھی۔ میں ...سلطان شاہ کو ویرا کے مکان کی حفاظت پر مامور کیا تھا اور ...ہدایت کی تھی کہ وہ ویرا کے مکان میں کسی کی ناجائز ...ت کے آثار دیکھتے ہی فائر کھول دے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا ...نی مرضی کا محاذ کھولنے سے پہلے ہی وہ یا اس کے آدمی بلیک ...ٹی یا اس کے آدمیوں کی نگاہ میں آ گئے تھے اور انہوں نے ...ن شاہ کی پارٹی کو باڑھ پر لینے کی کوشش کر ڈالی تھی۔

...اس صورت حال سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ ...فل کے فائر کے جواب میں ابھرنے والی چیخ لامحالہ ہمارے ہی ...آدمی کی تھی جو اپنی بدبختی کی وجہ سے دشمنوں کی نگاہ میں ...تھا۔

"لیکن میرا اندیشہ غلط بھی ہو سکتا ہے" چند ثانیوں کے ...کے بعد ویرا دوبارہ بولی۔

باہر سے آنے والی فائرنگ کی دھواں دھار آوازوں میں اس ...پُرامید تبصرے نے مجھے چونکا دیا اور میں استفسار طلب ...ہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"سلطان شاہ نے کراچی میں موجود اپنے ان دوستوں کا ذکر ...تھا جو اپنی روایات کے تحت اپنے پاس اسلحہ ضرور رکھتے ہیں۔ ...وہ انہیں بھی ساتھ لایا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ان ہی میں سے کسی ...پاس رائفل بھی موجود رہی ہو" ویرا نے اپنی رائے کی ...احت کرتے ہوئے پُرامید لہجے میں کہا۔

"اس وقت تو میں دعا ہی کر سکتا ہوں کہ تمہارا خیال درست ...ت ہو۔"

ویرا کی وہ بات اس وقت واقعی میرے دل کو لگی تھی۔

"اور ہاں!" ویرا نے چونکتے ہوئے کہا "جب تم فون پر ...طان شاہ سے باتیں کر رہے تھے تو اس نے کسی سینڈو کا ذکر بھی ...با تھا۔ یہ کون سی بلا ہے؟ آخر وہ میرے ساتھ تمہاری حمایت ...وں نہیں کر سکتا؟"

تشویش اور پریشانی کے ان لمحات میں ویرا کا وہ سوال میرے ...ئے بہت ٹیڑھا ثابت ہوا۔ مجھے یاد آیا کہ مجھ سے اسپیکر فون پر ...ت کرتے ہوئے سلطان شاہ نے نفری کی فراہمی کے سلسلے میں ...سینڈو کا ذکر بھی کیا تھا جسے ٹالنے کے لئے میں روانی میں ایک بے تکا ...تبصرہ کر بیٹھا تھا جو ویرا نے بھی سن لیا تھا۔

ویرا کراچی میں بے سروسامان ضرور ہو گئی تھی لیکن مجھ سے ٹکرانے سے قبل وہ اس قدر بے بس اور مجبور نہیں تھی۔ معراج دین عرف ماجے کی مسلح اور بارسوخ غنڈوں کی فوج ظفر موج اس کے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار رہتی تھی اور یہ امر ناممکن نظر آتا تھا کہ ویرا شہر میں مافیا اور اس کے حوالے سے سینڈو کی سرگرمیوں سے بالکل ہی بے خبر رہی ہو۔ ان نازک لمحات میں اس کے سوال نے مجھے احساس دلا دیا تھا کہ وہ میری زبان سے سینڈو کا ذکر سن کر کھٹک گئی تھی اور اس معاملے میں میری ذرا سی لغزش بھی اس کی برہمی کا سبب بن سکتی تھی۔

سینڈو اور مافیا کے بارے میں میں ویرا پر کھل کر اعتماد نہیں کر سکتا تھا مگر پھر بھی میں نے اس سے تھوڑا بہت سچ بولنے کا ایک اضطراری فیصلہ کر ہی لیا۔

"سلطان شاہ احمق اور سادہ لوح ہے" میں نے کہا "وہ ہر کسی پر بہت جلد بھروسا کر لیتا ہے۔ دراصل سینڈو مقامی مافیا کا کوئی اہم کارندہ ہے۔ اس نے فون پر کئی بار مجھے مافیا کے لئے کام کرنے کی پیشکش کی تھی۔ اس کے بدلے میں اس نے مجھے بھاری معاوضے اور مافیا کی بھرپور پشت پناہی کی یقین دہانی بھی کرائی تھی مگر میں نے ہر بار سختی کے ساتھ اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔ میرے لئے تو سینڈو ایک قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔"

"لیکن تم نے آج تک یہ بات مجھے نہیں بتائی تھی" ویرا کی آواز میں شکوہ اُمڈ آیا۔

"بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی" میں نے باہر ہونے والی فائرنگ کی شدت پر دھیان دیتے ہوئے کہا "یہ ان دنوں کی بات ہے جب میری تم سے ٹھنی ہوئی تھی" پھر میں نے اپنے لہجے میں دانستہ بیزاری پیدا کر لی "اس وقت تم یہ قصہ کہاں نکال بیٹھیں؟ ہمیں اپنی سلامتی کی فکر کرنا چاہئے۔ باہر برسنے والی بارودی آگ کسی بھی لمحے ان در و دیوار کے اندر تک پہنچ سکتی ہے۔ زندہ رہے تو یہ تمام شکوے شکایتیں بعد میں بھی کر سکتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میرے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ تم کو میرے علاوہ کن لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان سے واقف ہوئے بغیر میں تمہارے لئے کوئی مثبت رول ادا نہیں کر سکتی" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اب تو میں نے تمہیں بتا دیا کہ سینڈو کون ہے.... اس کے بعد تمہارے لئے کون سی بات رہ جاتی ہے جو تمہیں میرا ساتھ دینے سے روک سکے؟" میں نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

میرے لہجے کی تلخی پر وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ اس وقت اس کی ہنسی میں مجھے عجیب سی درندگی کی جھلک محسوس ہوئی۔ اسی کے ساتھ وہ بولی "خواہش کے باوجود کبھی کبھار تم پر اعتماد کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں اپنی ہر بات تمہیں بتا دیتی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ تم اپنے کارڈز چھپا کر رکھتے ہو...."

"شش" میں نے اچانک ہی اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

جس وقت باہر سے رائفل کا پہلا فائر ہوا تو ویرا انٹر کام پر ملا سرکار کی بات سن رہی تھی۔ ہماری سمت کا سسٹم آن تھا اور اس لئے میں نے محسوس کیا کہ ملا سرکار والا ایریئس بھی آن تھا کیونکہ باہر سے آنے والی آوازیں ڈرائنگ روم میں موجود اسپیکر پر بھی گونج رہی تھیں اور اگر باہر برپا ہونے والی قیامت میں ملا سرکار کے اوسان سلامت رہے تھے تو وہ اس وقت بھی اپنے ایریئس پر ہماری گفتگو سن سکتا تھا۔

ویرا نے فوراً ہی میرا اشارہ سمجھ لیا اور خاموش ہوگئی۔ چند ثانیوں کے مکمل سکوت کے باوجود دوسری سمت سے ملا سرکار کی آواز نہ سنائی دی تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس افراتفری میں وہ ایریئس ملا سرکار کے ہاتھ سے نہ گر گیا ہو لیکن مزید چند لمحات گزرنے کے بعد ملا سرکار کی بپھری ہوئی آواز نے میری وہ غلط فہمی رفع کردی۔

وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا "تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ اب تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا" اس کی بات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایریئس بدستور اس کی تحویل میں تھا اور وہ اچانک فائرنگ ہونے کی وجہ سے فوری طور پر جوابی کارروائی میں منہمک ہوکر اس کی طرف سے غافل ہوگیا تھا۔

"ہوش میں رہ کر بات کرو' بلیک کیٹ!" ویرا نے غصیلی آواز میں کہا "میں ایسا گھٹیا لب ولہجہ سننے کی عادی نہیں ہوں۔ میں اپنے گھر میں موجود ہوں۔ باہر کیا ہو رہا ہے؟ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔ تمہاری ڈینی سے ٹھنی ہوئی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تم رات کے نو بجے مجھ سے رابطہ کروگے۔ ہوسکتا ہے کہ وہی اپنے آدمیوں کے ساتھ تمہاری گھات میں لگا ہوا ہو۔ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کرو۔"

"لیکن میں نے تو ٹرانسمیٹر پر بات کرنے کے لئے کہا تھا پھر اس نے یہاں گھیرا کیسے ڈال رکھا ہے؟" بلیک کیٹ ٹی کے لہجے سے اشتعال اور برہمی مترشح تھی۔ ویرا کی بات پر اس کی طرف سے کوئی اعتراض نہ ہونے پر میں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ اس نے بوکھلاہٹ یا مصروفیت کی بنا پر' اپنے ایریئس پر میری آواز نہیں سنی تھی۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو" ویرا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "ڈینی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ اسے پہلے سے شبہ ہے کہ رازداری برقرار رکھنے کے لئے تم محدود حیطۂ عمل میں کام کرنے والا آلہ استعمال کرتے ہو اور اس سسٹم پر مجھ سے بات کرتے ہوئے میرے گھر کے آس پاس ہی موجود ہوتے ہو۔ ویسے فائرنگ کی ابتدا کس نے کی ہے؟"

"اسی حرامی نے سلسلہ چھیڑا ہے لیکن میں بھی آج اسے بچ کر نہیں جانے دوں گا۔ میرے آدمی اسے گھیرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں" اس کے لہجے میں شکست کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"پھر اسے کیوں الزام دے رہے ہو؟ مجھ سے بات کے لئے تمہیں آدمی ساتھ لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آدمی لانے کا مطلب ہے کہ تمہارے ارادے بھی نیک نہ تھے۔ تم نے سوچا ہوگا کہ وہ میرے گھر میں موجود ہوتا تو اسے باتوں میں الجھا کر اپنے آدمیوں کو اندر گھسنے کا موقع دو اور اسے پکڑ لوگے۔ وہ شاید اسی لئے واپس نہیں لوٹا۔ اسے تمہارے بھیجے ہوئے پیکٹ کے بارے میں خاصا تجسس تھا۔ اب وہ پروگرام بنائے بغیر اچانک ہی یہاں پہنچے گا۔"

"تم اپنا پھاٹک کھول دو' میں تھوڑی دیر کے لئے اندر آنا چاہتا ہوں۔"

"میں اس دھواں دھار فائرنگ میں باہر نکلنے کا کوئی مول نہیں لے سکتی۔"

"لیکن تمہارے پھاٹک پر تو ریموٹ کنٹرول الیکٹرانک لاک ہے۔ تم اسے اندر ہی سے کھول سکتی ہو" اسے ویرا کے گھر کے بارے میں پوری معلومات حاصل تھیں۔

"وہ قفل مسلسل نہیں کھلا رہ سکتا۔ چالیس سیکنڈ میں داخل نہ ہوا جائے تو وہ دوبارہ مقفل ہوجاتا ہے۔ تم گیٹ پر انٹر کام پر جوں ہی آواز دوگے' میں پھاٹک کھول دوں گی" ویرا کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"میں ادھر آیا اور رکا رہا تو بے موت مارا جاؤں گا۔ لوگوں نے تمہارے مکان پر کڑی نظر رکھی ہوئی ہے۔"

"ایسا تو نہیں کہ تمہارے کسی آدمی نے دیوار پھاند کر کودنے کی کوشش کی ہو اور ڈینی کے آدمیوں نے اس پر رائفل سے فائر کردیا ہو؟" ویرا نے چونک کر سوال کیا۔

"رائفل سے میرا جو آدمی زخمی ہوا ہے' اس نے بلا ہدایت کے بغیر ضرور حماقت کی ہوگی۔ کھلے نشانے پر آئے بغیر آدمی اتنی بری طرح زخمی نہیں ہوسکتا" اس نے تبسم سا جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے' تو اب تم اپنے آدمیوں سے اپنی ہدایات تحت حماقتیں کراتے رہو' میں ایریئس آف کرکے اپنی خواب گاہ میں جارہی ہوں' میرا سونے کا وقت ہوگیا ہے۔"

"خدا کی پناہ" بلیک کیٹ ٹی کی تحیر زدہ آواز ابھری "فائرنگ کے اس خوفناک شور میں تمہیں نیند آجائے گی؟"

"لاشوں کے بستر پر بھی مجھے نیند آجاتی ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ میں کون ہوں اور کیا کرتی ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے اپنے مکان میں داخل نہیں ہونے دوگی؟"

"میں ساری رات تو تمہارا انتظار نہیں کرسکتی۔ تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟ ایسا تو نہیں کہ تم اندر آکر بذات خود اس بات کا یقین کرنا چاہتے ہو کہ ڈینی اندر نہیں ہے؟"

"تم نے بہت شکی مزاج پایا ہے" بلیک کیٹ ٹی کے ایک ... سانس کے بعد اس کی آواز ابھری "ٹھیک ہے' تم آرام ... میری جنگ ہے اسے میں خود ہی لڑتا رہوں گا۔"

"یہ یاد رکھنا کہ کل شام تک مجھے فہرستیں نہ ملیں تو سودا ... کی ذمے داری مجھ پر نہ ہوگی۔"

"فہرستیں مل جائیں گی اور شاید اسی کے ساتھ ڈینی کا فتنہ ختم ہوجائے گا۔ تمہاری طرف سے کھلی چھوٹ مل جانے کے ... میں اسے بہت آسانی کے ساتھ گھیر لوں گا۔"

"لیکن یہ یاد رہے کہ غزالہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کی ... متی کی پوری ذمے داری تم پر ہے۔"

"ٹھیک ہے" اس کی الجھن آمیز آواز ابھری "لیکن میں یہ ... سے قاصر ہوں کہ ڈینی کی موت کے بعد تم اس کی محبوبہ کے ... میں کیا کروگی۔ جانوا بھی اسے حاصل کرکے خوش ... جائے گا۔"

"نہیں!" ویرا نے سختی کے ساتھ کہا "جو طے ہوچکا ہے' ... سے سرمو بھی انحراف نہ ہونا چاہئے۔"

"تم ضد پر اڑی ہوئی ہو تو اس شرط کا بھی خیال رکھا جائے" اس کا لہجہ مایوسانہ تھا "اوور اینڈ آل" کہہ کر اس نے اپنا ... یئس آف کردیا کیونکہ ڈرائنگ روم کے اسپیکر سے ابھرنے والا ... رنگ کا شور یک لخت معدوم ہوگیا البتہ باہر نہایت تسلسل اور ... تر کے ساتھ گولیاں چل رہی تھیں۔

اپنی سمت کا' آواز کی لاسلکی ترسیل والا آلہ بند کرتے ہوئے ... براز بن باہر ہونے والی بے مقصد فائرنگ میں الجھا ہوا تھا۔ پہلی ... سانی چیخ کے بعد صرف فائرنگ ہو رہی تھی۔ اس شور میں کوئی ... مدوز انسانی آواز سنائی نہیں دی تھی جس کی بنا پر ایسا معلوم ہو رہا ... تھا کہ دونوں فریق اپنا وافر میگزین پھونک کر اپنے مخالف کو خوفزدہ ... کرنے کی کوشش میں مصروف تھے لیکن پھر سلطان شاہ اور اس کے آدمیوں کی حد تک بات میری سمجھ میں آگئی۔

اسے معلوم تھا کہ میں ویرا کے مکان میں محصور تھا اور باہر ملا سرکار کے خونی درندے پھیلے ہوئے تھے اور اگر وہ ایک بار ویرا کے مکان میں داخل ہونے میں کامیاب ہوجاتے تو نہ صرف میری سلامتی کے لئے سنگین خطرات پیدا ہوجاتے بلکہ ایک امکان یہ بھی پیدا ہوجاتا کہ ملا سرکار گھر کی عقبی خواب گاہ تک رسائی حاصل کرکے ہندو پنچایت کے مقامی سربراہ موہن داس کی لاش دیکھ لیتا اور پھر اسی لمحے ہمارا سارا کھیل بگڑ جاتا۔ ملا سرکار سمجھ لیتا کہ ہم نے اس کے بارے میں موہن داس سے معلومات حاصل کرکے اسے ٹھکانے لگادیا اور ویرا اس کو خیر سگالی کے ماحول میں الجھا کر بے وقوف بنا رہی ہے تاکہ اس کے اہم ترین ٹھکانے تک پہنچنے کا وقت حاصل کرسکے۔ اس خطرے کے پیش نظر ملا سرکار کا اس چار دیواری سے دور روکا جانا بہت ضروری ہوگیا تھا۔

ہم نے مکان کو اندر سے اچھی طرح مقفل کرلیا تھا۔ کسی بھی کھڑکی' دروازے یا روشن دان سے پرشور زور آزمائی کے بغیر گزر کر کسی کا اندر گھسنا محال تھا۔ اس لئے ہم دونوں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے جو اپنے محل وقوع کے اعتبار سے اس مکان کے تقریباً وسط میں واقع تھا اور وہاں رہ کر ہم پورے مکان کے کسی بھی حصے میں پیدا ہونے والی آہٹ سن سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فائرنگ کے شور میں ایک اور اندوہناک انسانی چیخ سنائی دی۔ ہم دونوں نے خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ بولے کیونکہ اس چیخ کی کوئی شناخت نہیں تھی۔ وہ ہمارا دشمن بھی ہوسکتا تھا اور ہمدرد بھی۔ ہر دو صورتوں میں وہ واقعہ مقابلے کے سمٹنے میں اہم رول ادا کرسکتا تھا۔

اس چیخ کے بعد فائرنگ کی شدت میں نمایاں کمی ہوگئی۔ چند ہی منٹ میں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک فریق نے اپنی مدافعت میں اکا دکا فائر کرکے' اس کی آڑ میں باہر نکلنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ چند سیکنڈ تک صرف تین مختلف اقسام کے اسلحے چلتے رہے پھر وہ آوازیں بھی یکلخت معدوم ہوگئیں۔

دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہ سناٹا بہت مہیب اور وحشت ناک محسوس ہو رہا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ دونوں میں سے کون پسپا ہوا ہوگا؟" ویرا نے سوال کیا۔

"اصولاً تو ملا سرکار کو مار پڑنا چاہئے تھی" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کس اصول کے حوالے سے یہ دعویٰ کررہے ہو؟" ویرا میرے جواب پر چڑ کر بولی۔

"اصول استعداد کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ پہل کرنے والے کو شروع میں ہی ایک حریف کو مار لینے کا فائدہ حاصل ہوگیا تھا جس کا اعتراف ملا سرکار نے خود تم سے کیا تھا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ اس کے باوجود کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ دوسری چیخ بھی اسی کے کسی ساتھی کی تھی۔ اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دوچار ہی آدمی رہے ہوں گے۔ ان میں سے دو کے معذور ہونے یا مرجانے کے بعد اس کے قدم اکھڑ گئے ہوں گے۔"

"خدا کرے کہ تمہاری یہ خوش فہمی درست ثابت ہو۔ وہ بھی اتنا کمزور نظر نہیں آتا۔"

"تھوڑی دیر میں سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اگر وہ میدان میں ڈٹا رہا تو اب میدان صاف ہوجانے پر وہ ضرور تمہارے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور بولی "باہر اندھیرا ہے اور ہم اندر چراغاں کئے بیٹھے ہیں۔

ہمیں تمام بتیاں گل کر دینا چاہئیں۔"

اس کی وہ تجویز معقول تھی اس لئے میں بھی اٹھ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تک باہر پولیس آچکی ہوگی" گھر میں مکمل اندھیرا کر دینے کے بعد ویرا تشویش زدہ انداز میں بڑبڑائی۔ "معلومات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ہمارا دروازہ آزمایا تو کیا ہوگا؟ یہاں تو ایک لاش بھی پڑی ہوئی ہے۔"

"اگر ماجے کا آدمی اس مکان میں واقعی جوئے کا اڈا چلا رہا تھا تو پھر پولیس کو ہمیں نہیں چھیڑنا چاہئے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" وہ تنک کر بولی "تم ہر بات پر یوں ہی فتوے صادر کر دیتے ہو۔"

"سامنے کی بات ہے ویرا خانم!" میں نے نرمی سے کہا۔ "جوئے خانوں میں لوگوں کی غیر معمولی آمد و رفت رہتی ہے۔ کسی رہائشی علاقے میں پولیس کی ملی بھگت کے بغیر ایسے اڈے نہیں چلائے جاسکتے۔ وہ تھانے والوں کو معقول بھتا بھی دیتا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی ذاتی حیثیت میں کوئی افسر بعد میں آکر رسمی پوچھ گچھ کر لے لیکن اس وقت وہ اپنی دودھ دینے والی بکری کو نہیں چھیڑیں گے۔ علاقے سے سارے مجرم' بدمعاش اور لٹیرے نکال دیئے جائیں تو ان بے چارے پولیس والوں کے بھاری خرچے کہاں سے پورے ہوں گے؟ بدعنوان افسروں کا بس چلے تو سونے کا انڈا دینے والی ایسی تمام تگڑی مرغیوں کو اپنے اپنے باڑوں میں ہی ہانک لائیں۔"

"تمہارے یہاں شاید اسی لئے تھانوں کی بولیاں لگانے کا رواج ہے" ویرا کی آواز زہریلی ہوگئی "جس تھانے کی حدود میں سونے کا انڈا دینے والی مرغیوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی' اس کا بھاؤ بھی اسی قدر اونچا جاتا ہوگا۔"

"تم تو خود ہی خاصی عقل مند ہو" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "ساری باتیں جانتی ہو لیکن خرابی یہ ہے کہ اپنی کھوپڑی پر زیادہ زور دینے کی عادی نہیں رہی ہو۔"

"شی میں سوچنے کا کام جمی لائیڈ یا اس کے بڑے کرتے ہیں" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ کہا "ہم لوگ تو حکم کے بندے ہیں۔ جو کچھ بتا دیا جاتا ہے اسے پورا کر گزرتے ہیں۔ میں تم سے ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم دوبارہ شی میں آجاؤ تو بہت فائدے میں رہو گے۔ پیسے کے ساتھ ساتھ عزت بھی ملے گی اور میری جان بھی سکھ سے رہے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آج پھر تمہارے دماغ کی کوئی رگ پھڑک گئی ہے جو تم یہ مسئلہ دوبارہ نکال بیٹھی ہو۔ اس موضوع کو تو ہم ہمیشہ کے لئے دفن کر چکے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف میری خاطر جمی لائیڈ اپنی شی کا مزاج اور طریق کار کیسے بدل سکتا ہے؟ وہ ہر قیمت پر مجھے اپنا اسیر بنا کر مارنا چاہتا ہے۔ دوسرے طریقوں سے کامیابی نہیں ہوئی تو اس نے تمہیں چارا بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ تم خود بتاؤ کہ شی میں آج تک کسی باغی کو زندہ چھو[ڑا] ہے؟"

"میں جانتی ہوں کہ باغی ہمیشہ اور ہر قیمت پر مارے [جاتے] رہے ہیں لیکن تمہارے لئے شاید اس کے دل میں کوئی نرم [گوشہ] پیدا ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری وجہ سے تمہیں رعایت [دینے] پر آمادہ ہو گیا ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں تھا کہ پاکستان افیون [کی کس] قدر زرخیز منڈی ہے۔ اگر کسی روک ٹوک کے بغیر ان وسائ[ل کو] بروئے کار لایا جائے تو ہیروئن کی مد سے اتنی آمدنی ہو سکتی [ہے جو] تمہارے ملک کے سالانہ بجٹ کے نصف سے بھی زیادہ ہو۔ پاکستان کی اسی اہمیت کی وجہ سے جمی لائیڈ یہاں سے اپنی ب[...] کا ازالہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے تمہارے تعاون کا خ[واہاں] ہے۔"

اس کی بات سن کر اس کی کم دماغی پر مجھے غصہ آگیا او[ر میں] نے ملامت بھرے لہجے میں کہا "تم اپنے بارے میں بار بار [غلط] فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہو۔ یہ خود فریبی کی انتہا ہے حالانکہ تم اپنے ہوٹل کے کمرے میں سیٹلائٹ مائکرو فون دیکھ چکی ہو [جس] کی مدد سے تمہارے باپ کے نمک خوار تمہارے سانسوں کی آوازیں سنتے رہتے تھے۔"

"مجھے اب شی یا اس کی سرگرمیوں سے کوئی خاص [دلچسپی] نہیں رہی ہے" اندھیرے کمرے میں ویرا کی پر خیال آواز [ابھری] "مجھے صرف ایک ہی بات کی حسرت تھی۔ میں نے کم [عمری میں] اپنی ماں کا سایہ ضرور دیکھا تھا۔ اسی کی گود میں ہوش س[نبھالنا] شروع کیا تھا لیکن میں نے اپنے باپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ماں نے مجھے بتایا تھا کہ جمی لائیڈ میرا باپ تھا لیکن میں نے بھی اس تک پہنچنے کی کوشش کی' کچھ نامعلوم لوگوں نے نہ[ایت] بے رحمی کے ساتھ مجھے اس سے بہت دور پہنچا دیا۔ اپنی ان کوششوں میں میں نے بڑی اذیت سہی۔ کئی بار بدترین [سلوک] برداشت کرنا پڑا۔ توہین اور تذلیل کا تو کوئی شمار ہی نہیں [تم] جانتے ہو کہ میں جب تم سے ملی تو اپنے باپ سے ملنے ک[ی دھن] میں مبتلا تھی۔ اب اس سے صلح ہو جانے کے بعد میں نے دیکھ لیا ہے۔ اس نے مجھے اپنی بیٹی تسلیم کر لیا ہے تو میں [باپ] کے نام کے سحر سے آزاد ہو چکی ہوں۔ اس سے زیادہ [...] تمہاری ذات میں ہے۔ میں تمہیں آزاد' زندہ اور سکھی [دیکھنا] چاہتی ہوں۔ تم غزالہ کے ساتھ خوش و خرم رہو گے تو میں کبھی کبھار تمہاری ذاتی مسرتوں کے کچھ لمحے چرا کر خوش [ہو لیا] کروں گی۔ اس سے زیادہ میری کوئی اور آرزو نہیں ہے۔"

اس کے خیالات بہت بے تکے اور مفسدانہ تھے لیک[ن وہ] اس وقت کچھ جذباتی ہو رہی تھی۔ اسی لئے میں نے اس کا [مذاق] اڑانے سے گریز کرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں کہا "ہم [نہ اپنی] مرضی سے پیدا ہوتے ہیں اور نہ اپنی خواہش کے تحت مر[تے ہیں۔] ہماری زندگی کے سروں پر یہ دونوں ہی اٹل ترین حقیقتیں [...] کوئی نہیں جھٹلا سکتا اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی [تمام جد]وجہد اور کوششوں کے باوجود ہم پوری زندگی کسی نادیدہ [قوت کے ہاتھوں کی] کٹھ پتلی بنے رہتے ہیں اس لئے ہمیں اپنی آرزوؤں کو [خود پر] کبھی حاوی نہیں ہونے دینا چاہئے۔ سمجھوتوں کے تحت [زندگی] گزارنے والے عموماً سکھی رہتے ہیں۔ اپنی آرزوؤں کے [دائرے] کو بہت زیادہ بڑھا لیا جائے تو ہوس کے جال میں ساری عمر [دوڑتے] دوڑتے رہنے کے باوجود آدمی آسودگی کے کسی لمحے [...]س تک نہیں ہو پاتا۔"

"تم مایوسانہ باتیں ..." بولتے بولتے وہ اچانک خاموش [ہو گئی] اور میں نے ایک دم اپنی نشست چھوڑ دی کیونکہ مکان کے [کسی] حصے سے کوئی نامانوس سی آہٹ سنائی دی تھی۔

اس گھر کی عقبی خوابگاہ کے ننگے فرش کے علاوہ کہیں بھی کوئی [حصہ] قالین سے خالی نہیں تھا۔ غسل خانوں تک میں فرش قالین [سے آ]راستہ تھا۔ باتھ ٹبوں اور شاور ٹریز کے گرد غیر جاذب حریری [پردے] لگا کر اور ان کے قریب نہایت جاذب اور دبیز سوتی [تولیے بچھا]ن ڈال کر ان مقامات کو خشک رکھنے کا پورا اہتمام کیا گیا تھا [اسی] لئے میں نے اپنے جوتے وہیں چھوڑ دیے تاکہ ان سے پیدا [ہونے] والی کوئی آواز کسی کو ہوشیار نہ کر سکے۔

[جب] میں چلا تو ویرا نے اضطراری طور پر میرا بازو تھام لیا اور [کپکپا]تی ہوئی آواز میں بولی "یہیں بیٹھے رہو۔ کھڑکیوں وغیرہ سے جنگلا اکھاڑے بغیر کوئی اندر نہیں آسکے گا۔"

"ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟" میں [نے سر]گوشیانہ لہجے میں مختصر سا جواب دیا حالانکہ بیرونی مداخلت [کے ا]س امکان نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

اکا دکا آہٹوں وغیرہ پر اندر سے کسی مداخلت کے آثار نہ پا کر [کوئی نام]علوم شخص شیر ہو سکتا تھا اور اسی زعم میں کسی کھڑکی کا شیشہ [...] توڑنے کا خطرہ بھی مول لے سکتا تھا۔ وہ مداخلت کار تھا اور [...]گھر میں گھسنے کی نیت سے آیا تھا۔ اس لئے اس کے پاس [...]ؤ وغیرہ کا ہونا لازمی تھا اگر وہ محض اتفاقاً ہی عقبی خوابگاہ کی [کسی] بیرونی کھڑکی کا شیشہ توڑنے میں کامیاب ہو جاتا تو ٹارچ کی [روشن]ی میں اندر' فرش پر پڑی ہوئی موہن داس کی لاش دیکھ سکتا [تھا۔] تھوڑی دیر پہلے تک باہر ہونے والی خون ریز فائرنگ کی [روش]نی میں یہ امر یقینی تھا کہ مداخلت کار ہمارا ہمدرد نہ تھا اور نہ [کوئی] عام سا چور اُچکا۔ وہ ملا سرکار یا اس کا کوئی ساتھی ہی [ہو س]کتا تھا اور وہ موہن داس کی لاش کا سراغ لگانے میں کامیاب [ہو جا]تا تو ہمارا بنایا ہوا پورا منصوبہ بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتا [تھا۔]

ہم دونوں دبے قدموں چلتے ہوئے عقبی راہداری کی طرف [بڑھے] تو دروازے پر ہی ہمارے قدم جم کر رہ گئے کیونکہ ایک کھڑکی [کے] تاریک شیشے کے پیچھے ایک انسانی ہیولا متحرک نظر آرہا تھا۔

اس سمت میں بیرونی دیوار پر ایک دوسرے سے متصل آٹھ دس کھڑکیوں کی قطار تھی جن کے گرد مضبوط آہنی گرل لگی ہوئی تھی۔ وہ سایہ اس وقت دروازے سے تیسری کھڑکی پر تھا۔ چند ثانیوں تک اس کھڑکی کے پٹوں پر ناکام زور آزمائی کرنے کے بعد وہ سایہ پھرتی سے چوتھی کھڑکی کے پیچھے چلا گیا۔

وہ کسی دوسری کارروائی سے پہلے باری باری ان تمام کھڑکیوں پر اپنا مقدر آزمانا چاہتا تھا اسی لئے تیزی کے ساتھ ایک سے دوسری کھڑکی پر جا رہا تھا۔ نازک شیشوں کی وہ کھڑکیاں اس کے لئے ترغیب آمیز ثابت ہو رہی تھیں۔ ان کی قطار ہونے کی وجہ سے وہ راہداری سے منسلک اس عقبی خواب گاہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا جس کے فرش پر موہن داس کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت مکان میں گھور اندھیرا تھا لیکن باہر کسی دور افتادہ بلب کی روشنی میں یا تاروں کی دھیمی روشنی کی وجہ سے اتنا گمبھیر اندھیرا نہیں تھا جس کی وجہ سے ہمیں شیشوں پر اجنبی کا دھندلایا ہوا سایہ نظر آرہا تھا لیکن وہ شیشہ توڑے بغیر اندر کے بارے میں کوئی قیاس لگانے سے قاصر تھا۔

اس کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ایک بار وہ ایسے رخ پر گھوما کہ مجھے اس کے تاریک سائے کے چہرے پر اسی وضع کی داڑھی کی موجودگی کا گمان گزرا جو میں ملا سرکار کے چہرے پر دیکھ چکا تھا۔

ویرا نے خاموشی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں موجود بے آواز پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے بالکل وہی سوچا تھا جو میرے ذہن میں آیا تھا۔ اس وقت ہمارے پاس اور کوئی دوسرا حل ہی نہیں تھا۔

گھر کی تمام کھڑکیاں اور دروازے ہم نے سرشام ہی اندر سے بند کر لئے تھے۔ اس لئے احاطے میں موجود شخص کو راہ ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ شاید پورے گھر کا طواف کر چکا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی پوری توجہ اسی حصے میں مرکوز کی ہوئی تھی۔ آخری کھڑکی کے جائزے سے مایوس ہو کر وہ سایہ دوبارہ دروازے سے متصل پہلی کھڑکی پر آیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ ادھر آتے ہی براہ راست کھڑکی کا شیشہ توڑے گا لیکن وہ بہت محتاط نظر آرہا تھا اور اندر والوں کو ہوشیار کئے بغیر گھر میں داخل ہونے کے چکر میں تھا۔

شیشے کے پیچھے وہ انسانی ہیولا چند ثانیوں تک تیز حرکات میں مصروف رہا پھر فضا میں کسی سخت سطح پر دوسری سخت چیز کھرچنے کی آواز آئی پھر ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ شیشے میں سے ایک چوکور ٹکڑا الگ ہو کر باہر غائب ہو گیا جو کسی چیز سے پہلے ہی چپکا لیا گیا تھا تاکہ نیچے گر کر ٹوٹنے نہ پائے۔

ہیرے کی کنی سے شیشہ کاٹ کر وہ اندر کوئی کارروائی کرنا چاہ رہا تھا۔ ہم اپنی جگہ پر خاموش اور مستعد کھڑے رہے۔ باہر سے شیشے پر بننے والے سائے کی پوزیشن سے جوں ہی میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کٹے ہوئے شیشے سے اندر کا جائزہ لینے کے لئے اس پر جھکا ہوا تھا' میں نے اپنا پستول سیدھا کر کے اس پر فائر کر دیا۔

گولی سوراخ کے بجائے سالم شیشے کو ایک چھناکے کے ساتھ توڑتی ہوئی گزری تھی اور باہر سے خلافِ توقع کسی چیخ کے بجائے ایک انسانی غراہٹ سن کر میری کھوپڑی گھوم گئی۔

میں نے اضطراری طور پر دوسرا بے آواز فائر بھی اسی سمت میں جھونک مارا۔

رہا سہا شیشہ بھی ٹوٹ کر کھڑکی کے فریم سے نیچے آرہا۔ یہ فائر بالکل ہی رائگاں گیا تھا اور پہلا فائر بھی زیادہ موثر ثابت نہیں ہوا تھا کیونکہ باہر کے پختہ فرش پر دوڑتے ہوئے انسانی قدموں کی دور ہوتی ہوئی دھمک واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ وہ ملا سرکار یا جو کوئی بھی تھا، میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ اپنے نشانے کی غلطی پر میں جھلا کر رہ گیا۔

اسی لمحے مکان کے اندرونی حصے میں گھنٹی بجی، ویرا تیزی کے ساتھ اپنی خوابگاہ کی طرف لپکی۔

گو کہ ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا لیکن مضبوط آہنی جنگلے کی وجہ سے ادھر سے کسی کے اندر آنے کا فوری خطرہ درپیش نہیں تھا اس لئے میں بھی ویرا کے پیچھے ہولیا۔

بجنے والی گھنٹی فون کی تھی۔ ویرا نے روشنی کئے بغیر اپنی خوابگاہ کے اسپیکر فون پر کال وصول کی تھی۔ بٹن دباتے ہی انسٹرومنٹ پر رابطہ ہونے کا ننھا سا سرخ بلب جل اٹھا۔

"میں سلطان شاہ بول رہا ہوں اور ادھر آنے کی اجازت چاہتا ہوں" اسپیکر فون پر سلطان شاہ کی ٹھہری ہوئی اور پرسکون آواز سے اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔

"مقابلے کا کیا رہا؟ اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟" ویرا نے سوال کیا۔

"میرے ساتھ تین آدمی تھے اور وہ بھی کل چار ہی تھے۔ ان میں سے ایک نے تمہاری دیوار پھاند کر اندر گھسنے کی کوشش کی تھی اور میں نے اسے زخمی کر کے باہر ہی ڈھیر ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ ان کا ایک اور آدمی زخمی ہوا تو وہ بھاگ نکلے، میرے تینوں ساتھی اس وقت بھی وہیں منڈلا رہے ہیں میں کچھ دور سے فون کر رہا ہوں۔"

"تمہارا کوئی آدمی پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے..." ویرا نے کہنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ تینوں بہت چالاک ہیں، پولیس کے آتے ہی ہوا میں تحلیل ہو جائیں گے۔" "لیکن یہاں بھی میدان صاف نہیں ہے۔ ابھی ابھی کسی نے ایک کھڑکی توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کی ہے۔"

"اس وقت تو وہ سب ہی بھاگ گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار کھسیا کر پلٹ پڑا ہو۔ ایسی حرکت کرنے کی ہمت وہی کر سکتا ہے۔ میں نے اسی لئے آنے سے پہلے فون کیا ہے۔"

تم آجاؤ، آج کی رات ہمارا یہاں رہنا مخدوش ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن دیکھ بھال کے آنا۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار ابھی تک یہیں کہیں موقع کی تلاش میں منڈلا رہا ہو" م... دیتے ہوئے کہا۔

"میں چند منٹ میں پہنچتا ہوں۔ میں گاڑی سے خطرہ مول نہیں لوں گا بلکہ دوبار ہارن بجاؤں گا۔ پھاٹک کھول دینا ورنہ میری کھوپڑی میں کوئی کھڑکی بھی طلوع...

"تم فکر نہ کرو۔ میں باہر نکل کر تمہارے بارے... کروں گا۔"

"تم باہر نہیں جاؤ گے" فون کا سلسلہ منقطع... ویرا نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اس نے تمہاری جھلک ب... بے دریغ تمہارے بدن کو چھلنی کر دے گا۔ مجھ سے ا... ہوا ہے۔ اس لئے وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکے گا۔"

ان تبدیلیوں کے بعد مکان میں اندھیرا رکھنا بے... لئے ہم نے مکان کے زیر استعمال حصوں میں روشنی کر... نے اپنے کمرے میں نصب گیٹ کے قفل کے ریمو... پینل کے سلیکٹر سوئچ کو مینول پوزیشن پر سرکایا اور... کے استقبال کے لئے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

میں کسی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے... کے دروازے کی اوٹ میں پستول سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ میرے لئے وہ صو... بہت غیر یقینی تھی۔ ملا سرکار جیسے وحشی درندوں کے... کچھ گمان نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ وہیں بھٹک رہا ہو گا یا... گیا ہو گا۔ باہر سڑک پر پولیس کی گشتی گاڑیاں بھی مو... تھیں جو سلطان شاہ کے پیچھے اس مکان تک پہنچ سکتی تھ...

کئی منٹ سکون اور سکوت کے عالم میں گزر گئے... سلطان شاہ کی گاڑی کے دو ہارن سنائی دئے۔ اسی کے... آہنی پھاٹک کے کھلنے کی جھنکار سنائی دی اور قدرے... بعد ویرا سلطان شاہ کو اپنے ہمراہ بحفاظت اندر لے آ...

ہمارے لئے وہاں مزید کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ مجھے... کہ عقبی کھڑکی کے راستے نقب لگانے میں بدترین ناکا... ملا سرکار اس رات دوبارہ ویرا کے مکان کا رخ کر... نہیں کر سکے گا۔

وہ اس کے مقدر کی خوبی سے زیادہ میرے اعصا... تھی کہ شیشے کی ایک پتلی سی چادر اور اندھیرے کی... درمیان میں حائل ہونے پر بھی میں ملا سرکار کے... پگھلا ہوا سیسہ اتارنے میں ناکام رہا تھا۔

○☆○

اگلے دن کے اخبار میں ہمارے بارے میں کئی... لیکن امن وامان کی بگڑی ہوئی صورت حال میں کوئی... ان کڑیوں کو یکجا کر کے ایک اہم خبر بنانے میں کام... ہو سکا تھا۔ ہر خبر ایک دوسرے سے الگ اور انفرادی... ہوئے تھی لیکن ہم تینوں کے لئے ان میں ربط تلاش...

...تھا۔ ...سب سے اہم مگر حاشیے والی چھوٹی سی خبر یہ تھی کہ پچھلے دن ...شہ فین مزاج شخص بازارِ حسن سے ایک لڑکی کو منتخب کر کے ...معاوضے پر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے راستے میں ...کے دلال کو سگریٹ اور پان خریدنے کے بہانے کار سے ...ا اور جوں ہی وہ نیچے اترا مذکورہ شخص اس طوائف کو لے کر ...ہو گیا۔ اس کے شور مچانے پر اس نے راستے ہی میں کچھ ...ھا کر طوائف کو بے ہوش کر دیا۔ وہ دوبارہ ہوش میں آئی تو ...کالونی کے عقبی راستے پر ندی کی نمناک ریت پر پڑی ہوئی ...اور اس کے بائیں ہاتھ میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ...مات کے مطابق نامعلوم مجرم نے بے ہوشی کے دوران میں ...کے ہاتھ کی چھوٹی کے برابر والی انگلی جڑ سے کاٹ کر الگ ...ی تھی اور زخم پر اچھی طرح مرہم پٹی کر کے اسے ویران ندی ...ڈال دیا تھا۔

کسی زندہ انسان کے بدن سے کوئی عضو کاٹ کر نکال لینا ...وحشیانہ بلکہ گھناؤنا جرم تھا لیکن اس انوکھی واردات کی خبر ...کر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ حرکت ملا سرکار کی ہی ہو سکتی ہے۔

اس خبر میں میرے لئے خوشی کا یہ پہلو تھا کہ کٹی ہوئی جس ...کو میں انگوٹھی کی وجہ سے غزالہ کی سمجھ رہا تھا وہ اس کی نہیں ...۔ اس خبر سے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ محض ویرا کی ...نودی کے حصول کی خاطر ملا سرکار غزالہ کو کسی قسم کا کوئی ...سان پہنچانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے ذہنی جھٹکا دینے کے ...اس نے بازارِ حسن سے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا تھا ...کی انگلیاں غزالہ سے مشابہ رہی ہوں گی۔ اپنے ڈرامے کو ...قت سے قریب تر لانے کے لئے اس نے کٹی ہوئی انگلی میں ...لہ کی انگوٹھی پھنسا دی اور اس طرح مجھے کئی گھنٹوں کے لئے ...اذیت میں مبتلا رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔

دوسری خبر دیگر مغویان کے ساتھ موہن داس کے بارے ...تھی۔ جرائم کے روز افزوں ترقی کے دور میں پچھلے روز شہر ...تین مالدار اسامیوں کو اغوا کیا گیا تھا۔ دو کو نامعلوم اغوا کنندہ ...ٹ کے بل پر زبردستی اپنے ساتھ لے گئے تھے لیکن موہن داس ...بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ دہلی سے آئے ہوئے اپنے کسی ...سا کے ساتھ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹا تھا۔ معاشی اعتبار ...وہ انتہائی خوشحال لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا اس لئے اس ...ر کے بارے میں بھی فرض کر لیا گیا تھا کہ اسے کسی نے تاوان ...لئے اغوا کیا ہو گا۔ اس کے ورثا اغوا کنندگان کی طرف سے ...تاوان کے مطالبے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

تیسری خبر کا تعلق نامعلوم افراد کے گروہوں میں اندھا دھند ...رنگ کے تبادلے سے تھا۔ جائے واردات سے چلی ہوئی گولیوں ...کے متعدد خول ملے تھے لیکن پولیس کے ذرائع کے مطابق تصادم ...بے ضرر رہا تھا۔ شہر میں آئے دن ہونے والی فائرنگ کی وارداتوں میں اس واقعے کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

چوتھی خبر نہایت دلچسپ اور جاندار تھی کیونکہ اس کا تعلق شانتی کے قتل سے تھا۔

مقامی حکام نے نہایت پھرتی کے ساتھ شانتی کی کار پر قبضہ کیا تھا۔ شاید اس کارروائی کا محرک میری گمنام فون کال ہی بنی تھی جو میں نے ایک اہم افسر کے روپ میں پولیس کے ہنگامی امدادی مرکز میں کی تھی۔ کار سے خود کار اور خفیہ پستول کے ساتھ ٹرا... کی برآمدگی کی خبریں پہلے ہی شائع ہو چکی تھیں لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ شانتی کے سفارت خانے نے اپنے ابتدائی اعترافات کے بعد اپنا موقف ایک دم بدل لیا تھا اور شانتی کی کار سے ان اشیا کی برآمدگی کو مقامی انتظامیہ کا اسکینڈل قرار دے ڈالا تھا۔ وہ مصر تھے کہ ان کے سفارت خانے کی ایک اہم، ایماندار اور محنتی افسر کو بے رحمی سے قتل کیا گیا تھا اور انتظامیہ مجرموں پر ہاتھ ڈالنے کے بجائے ان سے چشم پوشی برت کر شانتی کو ہی ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

شانتی کی کار سے اس کی ایک ڈائری بھی برآمد ہوئی تھی جس میں بہت سے اہم اور حساس اداروں کے ذمے دار افسران کے نام، پتے اور فون نمبر درج تھے۔ اسی کے ساتھ ہر نام کے آگے اس شخص کے اخلاق اور کردار کی کمزوریوں کے بارے میں مختصر اور ذومعنی فقرے درج تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شانتی اپنے بعد آنے والوں کے لئے اپنے مشاہدات کا خلاصہ اس ڈائری میں درج کرتی رہتی تھی تاکہ متعلقہ اہلکاروں کو گھیرنے کے لئے زن اور زر کو مناسب ترین مواقع پر موثر ترین مقداروں میں داؤ پر لگانے کی شرح آنے والوں کو معلوم ہوتی رہے۔ ان خلاصوں کی روشنی میں بہت سے لوگ شامل تفتیش کر لئے گئے تھے۔ لیکن بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ شانتی کی موت کے اگلے ہی دن جوابی کارروائی کے طور پر شانتی کے ملک کے دارالحکومت میں پاکستانی سفارت خانے کے ایک سینئر افسر کی بیوی پر سوقت نامعلوم لوگوں نے تشدد کیا جب وہ بچے کو اسکول سے لے کر اپنی کار میں گھر واپس آرہی تھی۔

وہ بدیہی طور پر سرکاری سطح کی ایک انتقامی کارروائی تھی جس میں ایک شریف اور خانہ دار عورت کو اس کے بچے سمیت نشانہ بنایا گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس واقعے پر اعتراض، احتجاج اور مراسلے بازی کا ایک سلسلہ چلے گا اور پھر وہ قصہ داخل دفتر ہو جائے گا۔ سرکاری غنڈوں کے ہاتھوں پٹنے اور بے آبرو ہونے والی کو کبھی انصاف نہیں مل سکے گا۔

ویرا ہم دونوں کے بیدار ہونے سے پہلے ہی تیار ہو کر فلیٹ سے اپنے گھر جا چکی تھی کیونکہ وہاں اسے دوہری ذمے داری سنبھالنا تھی۔ سب سے پہلا کام تو یہ تھا کہ وہ وہاں پڑی ہوئی موہن داس کی لاش کو کسی کی نظروں میں نہ آنے دے۔ دوم یہ کہ ملا سرکار شام ہونے تک اسے اسلحے کی فہ...

فراہم کرنے کا پابند تھا۔ اگر وہ مقررہ وقت کے اندر اندر معلومات فراہم نہ کرتا تو ویرا اسے اسلحہ فراہم کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں آزاد ہو جاتی۔

وہ ساری کتھا صرف ملا سرکار کو فریب دینے کے لئے بنائی گئی تھی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اسلحے کے اس سودے کے بارے میں ویرا نے ذرا بھی پیش رفت نہیں کی تھی۔ وہ اپنی کوششوں سے ملا سرکار کو رفتہ رفتہ اس مقام کی طرف لے جانا چاہ رہی تھی جہاں وہ اپنے قابل اعتماد ساتھیوں اور محفوظ ٹھکانوں کے کوائف ویرا کو بتانے پر مجبور ہو جاتا تاکہ ہم اسے گھیر کر آسانی کے ساتھ جہنم واصل کر دیتے۔

موہن داس سے ملنے والی معلومات نے ہمارا کام آسان کر دیا تھا لیکن ہماری کامیابی کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ملا سرکار کراچی کو خیرباد کہہ کر کوٹ مندو کی راہ اختیار کرے۔ اسے کوٹ مندو کے چوہے دان میں پھانسنے کے لئے ویرا کو اس پر وقت برباد کرنا پڑ رہا تھا تاکہ وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر ویرا کے اشاروں پر چلتا رہے۔

اس خبیث اور بے ضمیر شخص کو موہن داس کے حقیقی انجام یا کوٹ مندو سے میری واقفیت کا ذرا بھی علم ہو جاتا تو وہ کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اپنی مقامی بیوی اور بچوں پر لعنت بھیج کر ہمیشہ کے لئے کوٹ مندو کو خیرباد کہہ دیتا اور ہمارے لئے اس تک رسائی کا خواب ہمیشہ کے لئے تشنۂ تعبیر رہ جاتا۔

منہ ہاتھ دھو کر میں کسل مندانہ انداز میں دوبارہ اپنے بستر میں دبک گیا تھا کیونکہ ان دنوں فضا میں چبھنے والی خنکی کا رچاؤ خاصا بڑھتا جا رہا تھا۔ میں پیروں سے اپنے سینے تک لحاف تان کر اطمینان کے ساتھ اخبار کے تفصیلی مطالعے میں منہمک تھا کہ سلطان شاہ میرے لئے چائے بنا کر لے آیا۔

"اب بستر سے نکل آؤ۔ میں بھاپ اڑاتی ہوئی تازہ چائے بنا کر لایا ہوں۔"

"میں پہلے ہی بستر سے نکل چکا تھا' ہاتھ منہ دھو کر دوبارہ لیٹا ہوں" میں نے اسے آگاہ کیا۔

"پھر ٹیبل پر ہی آجاؤ۔ ناشتا کئے لیتے ہیں" وہ چائے کی پیالی واپس لے گیا۔

ناشتے کے دوران میں ہم دونوں اخباری اطلاعات پر تبصرہ کرتے رہے۔

"حسرت تو اس غنچے پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گیا" شانتی کا ذکر آنے پر سلطان شاہ نے ایک گہرا سانس لے کر ایک مصرعے کی ریڑھ لگاتے ہوئے کہا۔

"وہ مسز شانتی نرائن تھی' مس نہیں تھی۔ تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ وہ کھل کر کافی عرصے سے ... سماجی اور سیاسی حلقوں میں بہار دکھا رہی تھی۔"

"وہ سب بہاریں دوسروں کے لئے تھیں' تمہا... آئی تو بے چاری کے مرجھانے کی باری آگئی" اس... چڑانے والے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"تم دن بدن سُور ہوتے جا رہے ہو" میں... گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایسے گندے ناموں سے یاد نہ کیا کرو... شریر لہجے میں احتجاج کیا "تمہاری وجہ سے دوسروں... ملتی ہے۔ موہن داس نے بھی مجھے یہی مثال دی تھ... خون کھول اٹھا تھا۔"

"تمہارا خون تو ہر وقت ہی کھولتا رہتا ہے اس... کسی مثال کا دیا جانا ضروری نہیں ہے۔"

"تم مانو یا نا مانو لیکن میرا دل کہتا ہے کہ... حسین اور دل پھینک عورت تھی جو تم سے شیر و شکر... ہی براہِ راست دشمنی کے منصب پر فائز ہو کر م... خوبصورت عورتوں کے بارے میں تم نے اپنا ایک... طریقہ بنایا ہوا ہے۔ حسین دشمنوں کو بھی پہلے اپ... دوستی کی مار سے نڈھال کرتے ہو پھر انہیں تڑپنے کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہو لیکن شانتی... مشقتوں سے گزرے بغیر ہی شانت ہو گئی۔"

"خوب! تو اب تم بھی بولنے لگے ہو۔ میرا خیا... ویرا نے تمہاری کوئی ایسی رگ دبائی ہے کہ تمہار... دماغ کے ساتھ ہی تمہاری زبان بھی چلنے لگی ہے۔"

وہ فوری طور سے میرے تبصرے کی گہرائی تک... سکا اور روانی میں بولا "میں تمہاری وجہ سے ا... کرتا ہوں ورنہ اب تک اس کا بھی کریا کرم کر چکا ہو..."

"اور میرا اندازہ ہے کہ اس فلیٹ کی تنہا... تمہارے غرور کا کریا کرم کر چکی ہے۔ کل اس نے اس بارے میں بھانڈا پھوڑنے کی دھمکی دی' تم مصالحت پر اتر آئے تھے۔"

اس کے کانوں کی لویں اور پھر اس کا چہرہ... نظریں نیچی ہوئیں اور اس نے جلدی سے چائے کی... دہانے سے لگا لی۔ اس لئے کہ وہ موضوع کچھ ایسا سج... ہوا تھا کہ وہ اس بارے میں میرے سامنے زبان... ہرگز آمادہ نہ ہوتا تھا۔ وہ اس بارے میں جس قدر... اختیار کرتا تھا' اپنے واضح قیاسات کے باوجود میر... اس کی کہانی اسی کی زبانی سننے کا تجسس بڑھتا چلا جاتا...

اس نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی میز پر ر... نے اسے پھر پکڑ لیا "شرماتے کیوں ہو؟ کھل کر بتا... کے ہاتھوں تم پر کیا گزری تھی کہ تم اس کے سامنے بھڑکنے لگے تھے اور اب پھر اس سے دوستی کا دم بھ... ہو؟ وہ بہت گھاگ اور کھلاڑی عورت ہے اور تمہا...

پہچان گئی ہے۔ جب چاہے گی تمہارے سر پر سوار ہو جائے گی۔"

اس کے بشرے سے زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی اور وہاں گمبھیر سنجیدگی نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ وہ بولا تو اس کے لہجے میں آزردگی جھلک رہی تھی "مجھے اسی دن سے معلوم تھا کہ وہ سب تمہاری شرارت تھی۔ تم نے مجھے نیچا دکھانے کے لئے ویرا کے ساتھ ملی بھگت کی تھی۔ وہ واقعی بہت بدمعاش عورت ہے لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بات بڑھ جانے کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔ اس لئے میرا مضحکہ اڑانا تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

اس میں خرابی یہی تھی کہ وہ مرد اور میرا دوست ہوتے ہوئے بھی میرے ساتھ محبوبانہ رویہ اختیار کئے رہتا تھا۔ میری جانب سے ہر وقت اور ہر حال میں فراخ دلی کی توقع رکھتا تھا لیکن میری ذرا سی لغزش پر بھی فوراً ہی روٹھ جایا کرتا تھا۔

"میں تمہارا مضحکہ نہیں اڑا رہا' میں تمہاری کہانی سننا چاہ رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا جلد یا بدیر اس سلسلے میں میرے سامنے تقریر کرنا شروع کر دے گی۔ اگر مجھے تم کچھ نہیں بتاؤ گے تو مجھے بے چون و چرا۔۔۔ اس کی کہانی کو مان کر اس کی ہاں میں ہاں ملانا پڑے گی۔ تم جانتے ہی ہو کہ وہ حد سے زیادہ خود پرستی اور خود نمائی کی عادی ہے۔ اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے چکر میں اگر اسے دنیا کی ساری غلاظت اپنے چہرے پر مل کر بھڑکتے ہوئے جہنم میں چھلانگ لگانا پڑے تو وہ اس سے بھی گریز نہیں کرے گی۔"

"کمال ہے کہ تم اسے اتنا قریب سے جانتے ہو اور پھر بھی اسے ایک ڈھول کی طرح اپنے گلے میں لٹکائے پھرتے ہو۔" اس بار اس کا لہجہ تحیر آمیز لیکن طنز سے عاری تھا۔

"میری مجبوری سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ کچھ دن پہلے ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو چکے تھے۔ دونوں ہی کے ستارے اچھے تھے کہ ہم میں سے کوئی نہیں مارا گیا۔ وہ اب بھی بڑے ناز سے میرے بدن پر میری گولی سے آنے والا زخم کھا کر میری سنگ دلی کا شکوہ کرتی رہتی ہے۔ جہانگیر کے مکان پر حملے کے وقت آنے والا وہ زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوا ہے۔"

"وہ بہت مکار اور لعنتی عورت ہے۔ مردوں کو رجھانے اور پھانسنے کے ہر حربے سے واقف ہے۔ اس کے بارے میں باتیں کرتے رہے تو ہم اپنا پورا دن برباد کر لیں گے۔ اب اس پر لعنت بھیجو اور کام کی بات کرو۔"

"جانو ماچھی جس قدر تیزی سے ابھر کر سامنے آیا تھا' اسی طرح اب بالکل پس منظر میں چلا گیا ہے۔ اس کے بارے میں میرے دل میں گہری خلش پرورش پا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے غزالہ کو حوالات سے نکال کر ملا سرکار کی تحویل میں دینا ہی اس کے ذمے تھا۔ اب وہ وادی کے جنگلات میں غائب ہو چکا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس سے میرا کبھی سامنا نہیں ہو سکے گا۔ میرے لئے وہ شخص [illegible] نام ہی بنا رہے گا۔"

"ابھی ایک امکان باقی ہے" سلطان شاہ بولا "ملا سرکار اسلحے کی وصولیابی کے اڈوں تک رہنمائی کے لئے اپنے [illegible] آدمیوں کو لائے گا۔ ان میں ملا سرکار بھی شامل ہو سکتا ہے۔"

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ دیکھا جائے تو وہ ایک طرح سے غزالہ کا محسن بھی ثابت ہوا ہے۔ حوالات سے فرار کے بعد غزالہ کو اپنے آدمیوں کے حوالے کرتے ہوئے اگر وہ غزالہ کے لئے اپنی خاص پسندیدگی کا اظہار نہ کرتا تو کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ بھیڑیئے اپنی تحویل میں آئی ہوئی غزالہ کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ دیکھا جائے تو جانو ماچھی نے غزالہ کو حوالات سے زبردستی نکال کر اس کے ساتھ جو زیادتی کی تھی' اس نے خود ہی اس کا ازالہ بھی کر دیا تھا۔"

چند ثانیوں تک فلیٹ میں خاموشی رہی پھر سلطان شاہ چونک کر بولا "تم نے شانتی کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی اس میں اس کی کار میں موجود اشیا کا کوئی ذکر نہیں تھا؟"

"اتنی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔" میں نے ابتدائی جھوٹ برقرار رکھتے ہوئے کہا "وہ تو بہانے سے مجھے اپنے کاؤنسلیٹ میں لے جانا چاہ رہی تھی۔ اسی بات پر بگڑی اور آناً فاناً میں کھیل ختم ہو گیا۔"

"تمہیں شبہ بھی نہیں ہو سکا ہو گا کہ اس کے برابر والی نشست پر تم کسی خود کار پستول کے نشانے پر بیٹھے ہو؟" سلطان شاہ نے کریدنے کی نیت سے سوال کیا۔

"وہ بات تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔" مجھے اپنا ایک جھوٹ نبھانے کے لئے تسلسل کے ساتھ جھوٹ بولنا پڑ رہے تھے جن کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

"لیکن حیرت اس بات کی ہے کہ جب تم نے مزاحمت کی ابتدا کی تو اس نے تمہیں پستول کی دھمکی کیوں نہیں دی؟ اپنی کار سے بے سروسامانی کے عالم میں بھاگنے کے بجائے وہ چاہتی تو تم پر بے آواز فائر بھی کر سکتی تھی۔ تم بے خبری میں بہت آسانی کے ساتھ مارے جا سکتے تھے۔ کسی کو کانوں کان پتا بھی نہ چلتا کہ چلتی ہوئی کار میں کیا ہوا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک مجھے مارنا ان کے پروگرام میں شامل نہ رہا ہو۔"

"لیکن وہ دھمکی تو دے ہی سکتی تھی۔ اخبارات نے لکھا ہے کہ پولیس کی تحویل میں لئے جانے کے وقت پستول کا میگزین بھرا ہوا تھا اور وہ ایک اشارے پر چلایا جا سکتا تھا۔"

"یہی کہا جا سکتا ہے کہ میری ہاتھا پائی سے وہ ایک دم بدحواس ہو گئی ہو گی۔"

"اور اب تو ملا سرکار بھی تمہارے لہو کا پیاسا ہو چکا ہے۔"

"وہ شانتی کے مشن کی ناکامی کے بعد کی بات ہے۔ اس سے پہلے تو ملا سرکار مجھے زندہ پکڑ کر اپنا قیدی بنانا چاہ رہا تھا تاکہ غزالہ کے ساتھ مجھے بھی ویرا پر دباؤ ڈالنے کے لئے استعمال کر سکے۔"

"لیکن اب بازی الٹ چکی ہے۔ وہ آگے ہے اور تم اس کے پیچھے لگے ہوئے ہو" وہ پرخیال لہجے میں بولا "کٹی ہوئی انگلی کے ڈرامے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ اتنا بے فکر نہیں ہے جتنا خود کو ظاہر کرتا ہے۔"

"وہ تو اس کی کمینگی کی انتہا تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس دور میں ترشے ہوئے ناخنوں والی طوائف اس نے کہاں سے تلاش کر لی؟ اس ناخن پر نیل پالش تک نہیں تھی۔"

"نیل پالش محلول سے اتاری جا سکتی ہے۔ اسی طرح ناخن بھی بعد میں کاٹا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس انگلی میں غزالہ کی انگوٹھی دیکھنے کے بعد تم نے کسی اور چیز پر توجہ ہی نہیں دی ہو گی۔"

"تمہارا خیال درست ہے" میں نے اعتراف کیا۔ "انگوٹھی پہچانتے ہی میری حالت غیر ہو گئی تھی۔ کسی کا گلا کاٹ کر اسے ہلاک کر دینا تو معمول کی ایک کارروائی ہوتی ہے لیکن ایک زندہ آدمی کی اعضا بریدگی تو درندگی کی انتہا ہی کہی جا سکتی ہے۔ ویرا نے عہد کیا ہے کہ موقع ملا تو وہ ملا سرکار کے دونوں کان قینچی سے کاٹے گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں' اب تو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غزالہ کی انگلی نہیں تھی۔"

"نہیں تھی لیکن وہ ایک زندہ عورت کے ہاتھ سے ہی کاٹی گئی تھی۔ ملا سرکار کو مرنے سے قبل اس اذیت سے بھی گزرنا چاہئے ورنہ وہ اپنی زندگی کے ایک نادر تجربے سے محروم رہ جائے گا۔"

"ظلم ہوتا تو ظلم ہی ہے لیکن اگر وہ اپنے یا اپنے کسی محبوب کے ساتھ ہو تو اس کی شدت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ شہر میں آئے دن اس سے زیادہ درندگی سے بھرپور واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے دل پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ اس طوائف سے تمہیں اس لئے ہمدردی ہو گئی ہے کہ اس کی انگلی چند گھنٹوں تک غزالہ سے منسوب رہی ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے لیکن تم نے کام کی ایک ہی بات کی ہے۔ ملا سرکار ڈینگیں زیادہ مارتا ہے لیکن اس کا دل چھوٹا ہے۔ اندر سے وہ ویرا کی ناراضی سے خائف تھا اگر وہ کٹی ہوئی انگلی کے بارے میں اپنی برہمی کا اظہار کرتی تو شاید وہ اسی لمحے اس سے اپنی چال بازی کا اعتراف کر لیتا۔"

"ویرا نے اسے بہت کم وقت دیا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ویرا کو اسلحے کی فہرستیں فراہم کرتے ہی وہ آج کوٹ مندو کے لئے روانہ ہو جائے گا۔ وہ اندرون سندھ کا ایک دور افتادہ سرحدی علاقہ جہاں جیپ کے علاوہ کسی اور ذریعے سے رسائی ناممکن ہو گی۔ مقامی لوگ اپنی سواری کے لئے اونٹوں اور گدھوں پر ہی انحصار کرتے ہوں گے۔"

"میں نے بھی اس بارے میں غور کیا ہے۔ پورا سفر اتنا دشوار نہیں ہے۔ محراب پور تک ٹرین سے سفر کے بعد ہی جیپ کا بندوبست کرنا ہو گا۔ اس بارے میں جہانگیر سے بھی بات کروں گا۔ چھوٹے گاؤں میں گاڑی والے مہمان عجوبے کی طرح ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے ہیں اگر ہمیں ان اطراف کے کسی میر' پیر' وڈیرے یا زمیندار کے نام تعارفی خط مل جائے تو ہم اس کے مہمان بن کر آسانی سے اپنا کام کر سکیں گے ورنہ ملا سرکار فوراً ہی ہماری آمد سے واقف ہو جائے گا۔"

"تم بالکل صحیح خطوط پر سوچ رہے ہو۔ جانو ماچھی بھی پہلے جہانگیر کے کسی دوست کا ہاری تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمینداروں وغیرہ سے اس کے اچھے مراسم ہیں۔ کم از کم اسے آگاہ تو کر دو تاکہ وہ اپنے جاننے والوں پر نظر دوڑا سکے۔"

جہانگیر کی حساس طبیعت سے میں واقف تھا۔ ایک نومولود بیٹے کا باپ بننا' اس کے لئے زندگی کا اہم ترین سنگ میل تھا۔ اس نے زچہ اور بچہ کو ہسپتال میں چھوڑ کر جب اپنے گھر پر اس ولادت کا جشن منانا چاہا تو میں نے چند وجوہ کی بنا پر اس کا اور ویرا کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور ان دونوں کو مے نوشی میں مصروف چھوڑ کر اپنے فلیٹ پر چلا آیا تھا۔

جہانگیر کو میری گوناگوں مصروفیات اور مجبوریوں کا اچھی طرح علم تھا لیکن اس نے میری اس سرد مہری بلکہ خود غرضی کا خاصا برا منایا تھا۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کے بعد میرا اس کے گھر جانا نہیں ہوا تھا اور میں نے فون پر ہی اس کے گلے شکوے سن لئے تھے۔ اس موقع پر اسے فون کرنا' اسے چڑانے کے مترادف ہوتا اس لئے میں نے فوراً ہی تیار ہو کر اس کے گھر جانے کا ارادہ کر لیا۔

میرا اندازہ تھا کہ اس وقت تک سلمیٰ بھی نومولود کے ساتھ ہسپتال سے گھر آ چکی ہو گی اس لئے میں اس کے گھر جا کر ایک پنتھ سے دو کاج کرتے ہوئے اپنی مقصد آوری کے ساتھ سلمیٰ کو بھی مبارکباد دے سکتا تھا۔

یہ خیال آتے ہی میں تیزی کے ساتھ تیار ہوا اور سلطان شاہ کو فلیٹ ہی میں رکا رہنے کی ہدایت کر کے جہانگیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان دونوں کی ذہنی کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے راستے میں سے مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں کے علاوہ پھولوں کے ہار بھی لے لئے۔ دنیا کے ہر ملک' شہر' قصبے اور محلے میں ہر روز لوگ ماں اور باپ بننے کے فطری

اور ارتقائی عمل سے گزرتے ہیں اور اسے اپنا کوئی کارنامہ تصور نہیں کرتا لیکن جہانگیر اور سلمٰی کا معاملہ ان عام لوگوں سے بہت مختلف تھا۔

جہانگیر گھر پر ہی موجود تھا اور اس شان سے موجود تھا کہ اس کے وسیع و عریض پورچ میں میری گاڑی کے لئے جگہ نہیں تھی بلکہ دو کاریں پھاٹک سے باہر فٹ پاتھ کے کنارے بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ میں اپنی گاڑی باہر ہی لاک کر کے اندر داخل ہوا تو جہانگیر کے دربان کا چہرہ مسرت سے یوں کھلا پڑ رہا تھا۔ جیسے بچے کی ولادت میں اس کا بھی قابل ذکر حصہ رہا ہو۔

"یہ اتنی گاڑیاں کیسے جمع ہیں؟" میں نے روا روی میں دربان سے سوال کیا۔

"صاحب لوگوں کے ملنے والے اور رشتے دار آئے ہوئے ہیں۔" اس نے باچھیں پھیلا کر جواب دیا۔

"کیا آج بچے کی ختنہ ہو رہی ہے؟" میرے لئے جہانگیر کے گھر میں اتنے لوگوں کی موجودگی حیران کن تھی کیونکہ میں اس کے بہت زیادہ دوستوں اور رشتے داروں سے واقف نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ سلمٰی کے بعد اس کی کل کائنات میرے اور ویرا کے گرد ہی گھومتی تھی ورنہ سماجی طور پر وہ دونوں ہی تنہائی کا شکار تھے۔

"ختنہ تو ہسپتال ہی میں ہو گئی تھی صاحب" وہ کھی کھی کر کے ہنستا ہوا بولا۔ "دراصل بیگم صاحبہ کل شام ہی ہسپتال سے گھر آئی ہیں اس لئے صبح سے مبارکباد دینے کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔"

"گاڑی میں سے مٹھائی کے ٹوکرے نکلوا کر اندر لے آؤ۔" میں نے کار کی چابی اسے دیتے ہوئے کہا۔ پھولوں کی تھیلی میں اپنے ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔

اندر سے ملی جلی مردانہ اور زنانہ آوازوں کے درمیان بلند آہنگ قہقہے بھی سنائی دے رہے تھے۔ میں اس گھر کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اس لئے سیدھا ڈرائنگ روم میں گھستا چلا گیا۔ جہاں جہانگیر متعدد جوڑوں کے درمیان گھرا ہوا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ خوبصورت عورتوں کے سامنے دل کھول کر چہکنا اس کا پرانا مرض تھا اور اس وقت تو سلمٰی بھی وہاں موجود نہیں تھی۔ اس لئے جہانگیر کا دماغ کچھ اونچا ہی اڑ رہا تھا۔ ان ہی لوگوں کے درمیان میں نے اس کی شوخ اور خوبصورت سیلونی اسٹینو کو بھی براجمان پایا۔ جسے رسم، موقع اور دستور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہانگیر نے فیکٹری کے بجائے اپنے گھر پر بلالیا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ بڑے پرتپاک انداز میں چہکتا ہوا میری طرف لپکا تھا۔ میں ڈرائنگ روم کے دروازے پر رک کر اس کے لئے تھیلی میں سے گلاب کا وزنی ہار نکال رہا تھا۔ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ وہاں پھل اور مٹھائی کے ڈبے وغیرہ تو موجود تھے لیکن پھولوں کے نام پر دور دور تک کوئی پنکھڑی بھی نہیں تھی۔ اس روایتی خوشی کے موقع پر ہاروں کا غیر روایتی تحفہ لانے کی حماقت صرف مجھ سے ہی سرزد ہوئی تھی۔

میں نے ہار کے ڈورے میں پھنسا ہوا کاغذ تھام کر ہار کی لڑیاں الگ کی ہی تھیں کہ جہانگیر نے والہانہ انداز میں لپک کر اپنی کھوپڑی اس ہار کے درمیان داخل کر دی اور پھر گردن کے زور سے ہار کو میری گرفت سے اچکتا ہوا سیدھا ہو گیا۔ اسی لمحے میری گاڑی سے اتارے جانے والے دونوں ٹوکرے بھی وہاں آگئے۔

"واہ وا! تم نے میرا دل خوش کر دیا" جہانگیر میرا بازو مسلتا ہوا بولا۔ "اس تھیلی میں شاید دوسرا ہار ہوگا؟"

میں بے بسی کے ساتھ اثبات میں سرہلا کر رہ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ڈرائنگ روم میں موجود جملہ خواتین و حضرات کے چہروں سے خوشی کا عنصر رخصت ہو چکا تھا اور وہ سب میری طرف متوجہ تھے۔ بعض کے چہرے بند ٹیلی ویژن کی اسکرین کی طرح سپاٹ ہو گئے تھے لیکن چند افراد خشمناک اور رقیبانہ نظروں سے مجھے گھور رہے تھے۔

"تو پھر جاؤ، یہ ہار خود اپنی بھابی کو پہنا آؤ! وہ اپنی خوابگاہ میں آرام کر رہی ہے۔" جہانگیر نے بازو کے سہارے مجھے عملاً اندرونی دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "تمہیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوگی۔"

میں دل ہی دل میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس کی سانسوں سے آنے والی الکحل کی بو نے اس کے موڈ کا راز فاش کر دیا تھا۔ شاید اس نے بستر چھوڑتے ہی وہسکی کی چسکیاں لینی شروع کر دی تھیں۔ جو اس پر ہلکا سا سرور طاری کر رہی تھیں۔

"یہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہیں" میں نے اپنا غصہ ضبط کر کے کھسیائی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ان سے دعا سلام اور تعارف تو ہو جانے دو۔ یہ ہار میں واپس نہیں لے جاؤں گا۔"

دو خواتین کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ جہانگیر بھی احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

سیلونی اسٹینو اور سلمٰی کے ایک کزن کے علاوہ باقی لوگ جہانگیر کے کاروباری دوست تھے۔ قریب جا کر میں نے دیکھا کہ جہانگیر ان سب کی بھی جن اور ٹانک واٹر سے خاطر مدارات کر رہا تھا۔ خواتین کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا محال تھا کیونکہ ان کے سفید گلاسوں میں بے رنگ سیال کوئی کولڈ ڈرنک بھی ہو سکتا تھا اور میں ان میں سے کسی کے دہانے سے خطرناک حد تک قریب ہو کر سانسوں کو سونگھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

تعارف کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ وہ باقاعدہ پینے پلانے کی پارٹی نہیں تھی بلکہ جن رسمی طور پر پلائی جا رہی تھی۔ ہائے یا کافی نہ سہی بادہ نوشوں کے لئے ایک گلاس ہی کافی تھا گلاس خالی ہو جانے کے بعد وہ لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ اسی اثنا میں اندر سے بھی دو خواتین برآمد ہوئیں اور اپنے شوہروں کے ساتھ چلی گئیں۔ وہ شاید سلمٰی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان عورتوں میں سے معلوم ہوتی تھیں جو اپنے شوہروں کی ہر خامی کو خندہ پیشانی سے قبول کر لیتی ہیں لیکن بالفعل ان کی کسی بے اعتدالی میں براہ راست شریک بننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتیں۔

میدان صاف ہو جانے کے بعد میں سیلونی اسٹینو، جولیا اور سلمٰی کے کزن منصور کے ساتھ ڈرائنگ روم میں رہ گیا۔ جہانگیر آخری دو جوڑوں کو باہر الوداع کہہ رہا تھا۔

"تم تو مسٹر ڈینی ہوتا تھا نا؟" جولیا نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ کر مسکراتے ہوئے سوال کیا اور اس کے تیور دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ میں نے گھبرا کر منصور کی طرف دیکھا تو وہ ہم دونوں سے بے پروا، اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے خالی گلاس میں گورڈن کی دیوہیکل بوتل سے مزید جن انڈیل رہا تھا۔

"ابھی بھی میں وہی ہوں۔" میں نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

"لیکن صاب نے تو تم کو تنویر علی بولا تھا۔" اس پر دوسری نگاہ ڈال کر مجھے قدرت کی ان فیاضیوں کا تہ دل سے اعتراف کرنا پڑا جو اس سنہری لڑکی کی تخلیق کے وقت بروئے کار لائی گئی تھیں۔ اس وقت وہ دفتر والی جولیا سے بہت مختلف نظر آرہی تھی۔

"ڈینی میرا گھریلو نام یا عرفیت ہے۔" میں نے وضاحت کی۔ اسی وقت جہانگیر ڈرائنگ روم میں دوبارہ داخل ہوا۔ وہ اپنے گلے میں لٹکے ہوئے وزنی ہار کے ساتھ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ پھولوں کو اپنی داہنی مٹھی میں دہانے کے قریب لے جا کر کسی زکام زدہ سانڈ کی طرح گہرے گہرے سانسوں میں نچوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کے نتھنوں سے خارج ہونے والی تیز آوازیں سن کر منصور نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور گلاس میں ٹانک واٹر ملا کر ایک ہی سانس میں آدھا گلاس غٹاغٹ اپنے حلق سے اتار لیا۔ اس نے گلاس رکھا تو اس سرعت کا نتیجہ آنسوؤں کی صورت میں اس کی آنکھوں میں ڈبڈبانے لگا تھا۔

"آج واقعی تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔" جہانگیر نے قریب آ کر پھر سے مصرعہ طرح اٹھایا۔ "سب سالے سوکھی سڑی مٹھائی کے ڈبے اٹھائے چلے آئے تھے۔ تم نے سب ہی کو شرمندہ کر دیا۔"

"میں نے بھی ہار لینے کا ارادہ کیا تھا۔" منصور نے کھنکھار کر بھرائی ہوئی آواز میں اپنی صفائی پیش کی۔ "لیکن راستے میں کہیں بھی تازہ پھول نظر نہیں آئے..."

"ارے یار تیری نہیں، دوستوں کی بات ہو رہی ہے۔" جہانگیر نے بے پروائی سے کہا۔ وہ اپنی اور منصور کی عمر کے فرق کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ "تو تو اپنا رشتے دار ہے۔ ماموں بننے کی خوشی میں کون سالا ہار لاتا ہے؟"

منصور نے خفت مٹانے کے لئے دوبارہ گلاس اٹھالیا۔

"یہ تھیلی ابھی تک یہیں ہے؟" پھولوں کی تھیلی پر نگاہ پڑتے ہی جہانگیر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "جاؤ! سلمٰی کو اپنے ہاتھوں سے یہ ہار پہنا کر آؤ، اسے گلاب اور موتیا، دونوں ہی بہت پسند ہیں۔"

"تم ہی لے جاؤ یا منصور کو دے دو۔ ابھی اسے آرام کی ضرورت ہے۔ میری وجہ سے وہ بے آرام ہوگی۔"

"تم میں اور منصور میں عمر کے علاوہ کیا فرق ہے؟ میں کہتا ہوں، جاؤ!"

مجھے مجبوراً اپنی جگہ چھوڑنا پڑ گئی بصورت دیگر وہ مجھ سے الجھنے پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

سلمٰی کی خوابگاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ولادت کے عمل سے تازہ تازہ گزری ہوئی کسی خاتون کا قرب کبھی بھی خوشگوار ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے اس وقت مجھے اخلاقی اقدار کا پورا پورا خیال تھا۔ میں نے دیوار کی اوٹ میں رہتے ہوئے آہستہ سے سلمٰی کو آواز دی تو اس نے میری آواز پہچان کر فوراً ہی مجھے اندر بلالیا۔

وہ مسہری پر چادر اوڑھے ہوئے دراز تھی۔ چہرے پر نمودار ہونے والی ہلکی سی نقاہت نے اس کی دلکشی کو چار چاند لگا دیئے تھے لیکن وہ چاروں چاند بھی اس خسارے کو پورا نہیں کر سکتے تھے جو میرے اعصاب پر بری طرح مسلّط تھا۔

اس نے مسکرا کر میرا استقبال کیا تو اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک ابھر آئی جیسے مجھ سے اپنے کسی کارنامے پر داد کی خواہاں ہو۔ میں نے پھرتی کے ساتھ تھیلی سے ہار نکالا اور بڑھ کر اس کے سرہانے رکھ دیا۔

اس ملاقات کو مختصر ترین کرنے کے لئے میں نے اسی ہلّے میں اس کے پہلو میں چادر کا کونہ سرکا کر، سوئے ہوئے نومولود کو دیکھا اور اس کے آرام کے بہانے فوراً ہی چادر کا کونہ چھوڑ دیا اور سلمٰی کو بیٹے کی ولادت کی لفظی مبارکباد دیتا ہوا، الٹے قدموں پسپا ہونے لگا۔

"ہسپتال میں تم ایک دن بھی مجھے دیکھنے نہیں آئے؟" سلمٰی نے محبت آمیز لہجے میں شکوہ کیا۔ اس طرح اس نے میری پسپائی کی راہ روکنے کی لطیف سی کوشش کی تھی۔

"میں شرمندہ ہوں لیکن میں مجبور تھا۔" میں نے نظریں جھکا کر ادب سے کہا۔ "میٹرنٹی ہوم میں قدم رکھتے ہوئے مجھے

قے ہونے لگتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میری پیدائش کے زمانے میں یہ شعبہ دائی سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتا تھا اور کسی بچے کو عجیب و غریب ادویات کی تیز بو کی ہوا بھی نہیں لگنے پاتی تھی۔"

"چلو غنیمت ہے کہ تم یہاں ہی آ گئے۔" اس کی آواز سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ "لیکن یہ ہار تم نے میرے سرہانے کیوں رکھ دیا؟ اپنے ہاتھوں سے مجھے نہیں پہناؤ گے؟"

"تم مسلسل بستر پر دراز ہو، ہار پہن کر تمہیں الجھن ہو گی۔ یہ پھول تو تم ویسے بھی سونگھ سکتی ہو۔ ان علامتی پھولوں کا گلے میں پہنایا جانا اس قدر ضروری تو نہیں ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ تمہاری غزالہ کا کیا بنا؟" اچانک ہی وہ سوال کر بیٹھی۔

"ابھی تک اس کا کوئی پتا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی تلاش میں مجھے اندرون سندھ جانا پڑ جائے۔"

"اللہ اس پر اپنا رحم کرے، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے چاری کو اس کے کون سے ناکردہ گناہوں کی سزا مل رہی ہے!" اس کے لہجے سے دلی رنج اور افسوس کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اس کے تو کیا، یہ میرے ہی گناہ ہو سکتے ہیں جو اس کے گلے پڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اس کی ذات کی خوبی یہ ہے کہ بدترین حالات میں بھی اس کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ وہ کھٹن میں سے بال کی طرح ہر بار صاف نکل آتی ہے لیکن ہر بار میری دسترس سے باہر ہوتی ہے۔"

اس کے کریدنے پر میں نے اسے مختصراً ان حالات سے آگاہ کیا جو اس کی غیر حاضری میں رونما ہو چکے تھے۔ وہ تفصیلات سن کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"ڈرائنگ روم میں جہانگیر کے پاس کون کون ہے؟" میرے خاموش ہونے پر اس نے سوال کیا تھا۔

"تمہارا کوئی کزن، منصور بیٹھا ہوا ہے" میں نے جولیا کا ذکر دانستہ گول کر دیا۔

"باقی سب لوگ چلے گئے؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا اور میں نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

"جولیا بھی چلی گئی؟" اس کے لہجے میں بے اعتباری کی حیرت نمایاں تھی۔

"وہ موجود ہے" میں نے آہستگی سے اعتراف کیا "وہیں بیٹھی ہوئی ہے۔"

"لیکن تم نے اس کا ذکر نہیں کیا؟" وہ شکایتی لہجے میں بولی۔

"میں اسے ملاقاتیوں میں شمار نہیں کرتا، دفتری ملازمین صرف ملازم ہوتے ہیں۔"

"لیکن جولیا ان کی خاص ملازمہ ہے۔ ان کا بہت خیا[ل] رکھتی ہے۔"

"ضرور رکھتی ہو گی اس بارے میں وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔"

"چلو اچھا ہے، کہ وہ بیٹھی ہوئی ہے، میرے صحتیاب ہونے تک وہ ان کا دل بہلاتی رہے گی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آج کل تم اتنی فراخ دل ہو گئی ہو"

"فراخ دلی کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ تمہاری منصور سے ملاقات ہوئی ہے؟"

"تعارف ہوا ہے، وہ ندیدے پن کے ساتھ جن پر... ہوا ہے۔"

"وہ میرے رشتے کے ماموں کا لڑکا ہے، یہ لوگ را[نی] پور میں خاصی زرعی زمینوں کے مالک ہیں۔"

رانی پور کا نام سنتے ہی میرے کان کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ محراب پور کے قریب ہی خیر پور کا ایک مشہور شہر تھا اور نقشے کے مطابق کوٹ مندو سے زیادہ دور نہیں تھا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ لوگ میرے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"اندرون سندھ کا ذکر سن کر ہی لئے مجھے منصور کا خیال آیا تھا۔ تمہیں کہاں جانا ہے؟"

"خیر پور ہی کا ایک سرحدی گاؤں ہے۔ اسے تلاش کرنا ہو گا۔"

"جا کر اسے روکو، بلکہ یہیں بلا لاؤ، وہ نکل گیا تو پھر مشکل سے ہی ہاتھ آئے گا۔"

سلمٰی نے اس وقت میرا دل خوش کر دیا۔ میں اپنے دل میں جو خیال لے کر جہانگیر کے گھر پہنچا تھا، وہ میری کسی کوشش کے بغیر خود ہی پورا ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہاں کا رخ کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ سلمٰی کا کوئی ماموں کوٹ مندو سے اتنا قریب رہتا ہو گا۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کا ماموں زادہ بہ نفس نفیس وہاں موجود تھا۔

ڈرائنگ روم میں وہ تینوں اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح میں انہیں وہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ منصور کی آنکھوں میں چمک کے ساتھ ہی حیرانی سی لہرا رہی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے نظر آ رہا تھا جو الکحل پیتے ہوئے طبیعت کی شگفتگی کے مراحل سے گزرے بغیر ہی براہ راست جمود اور بے عملی کی انتہا کو چھونے لگتے ہیں۔

وہ جہانگیر کا سسرالی رشتے دار تھا لیکن جہانگیر اس کی موجودگی سے ذرا بھی مرعوب یا متاثر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے برعکس میں نے دیکھا کہ وہ منصور کو نظرانداز کر کے بے تکلفی کے ساتھ بیٹھا ریٹا سے گپ شپ لڑا رہا تھا۔ اس کے گلے میں ہار بدستور جھول رہا تھا۔ یوں نظر آ رہا تھا جیسے پھولوں کے مرجھانے سے پہلے اس ہار سے دست بردار نہیں ہو گا۔

"آؤ آؤ۔ دفتر کے ماحول سے نکل کر جولیا کا دماغ خوب چل رہا ہے۔ یہ ابھی ابھی بڑے اچھے چٹکلے سنا رہی تھی۔" جہانگیر نے اپنے برابر میں میرے لئے جگہ بناتے ہوئے کہا۔

"جولیا اچھی اور خوبصورت لڑکی ہے" میں نے جہانگیر کے موڈ سے شہ پا کر جولیا کی تعریف کرتے ہوئے کہا "لیکن میں اس کے فرائض منصبی میں مداخلت کرنا پسند نہیں کروں گا۔ میں منصور کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔"

"اوہ نو، ڈپٹی صاحب!" جولیا ہنستے ہوئے اپنے لچکیلے وجود کو لہرا کر بولی "میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔ یہ تو میری سوشل کال ہے۔ میں باس کی مسز کو گھر آنے پر مبارک باد دینے آئی ہوں۔"

"اور بچے کی مبارک باد؟" میں نے منصور کے قریب بیٹھتے ہوئے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ تو میں اسپتال میں ہی دے آئی تھی" اس کی ہنسی رکتے رکتے پھر تیز ہو گئی۔ وہ بھی ان عورتوں میں سے تھی جو اپنی ذات میں دلچسپی لینے والے کسی بھی مرد کو مایوس کرنا معیوب خیال کرتی ہیں اور ان کو حسب توفیق اپنے وجود کے ثمرات سے بہرہ ور کر کے حقوق العباد ادا کرنے کی مسرت سے سرشار رہتی ہیں۔ ایسے جمالی پیکر کو بس گل اور ثمر ہی برسانے کی عادت ہوتی ہے۔ کسی کی بدخلقی کی وجہ سے پتھر اٹھانے کی نوبت آ جائے تو اس کے لمس ہی سے ان کی انگلیاں فگار ہو جاتی ہیں۔

"منصور کو اکیلا چھوڑ دو اور یہیں واپس آ جاؤ" جہانگیر نے اپنے صوفے کے کشن پر ہاتھ مار کر اپنا فرمان دہرایا۔

"یار، اس بے چارے کو بھی تو کمپنی کی ضرورت ہے" میں نے بے تکلفی کے ساتھ منصور کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "تم جولیا سے باتیں کرتے رہو۔ میں منصور سے پنجہ آزمائی کئے لیتا ہوں۔"

"آپ جہانگیر بھائی کی بات سن لیں۔ مجھے تنہائی سے کوئی فرق نہیں پڑتا" منصور نے خشک لہجے میں کہا اور اپنے بارے میں میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

"منصور اپنی ذات کے خول میں مست رہتا ہے۔ اسے خاموشی کے ساتھ پینے دو۔ منظور ماموں کے سائے میں بے چارے کا خون خشک ہوتا رہتا ہے۔ رانی پور سے یہاں آتا ہے تو دل بھر کر پیتا ہے۔ واپس جائے گا تو پھر مہینوں بوند بوند کو ترس جائے گا۔ وہاں بیٹھ کر تم اس کے ساتھ کوئی بھلائی کرنے کے بجائے اس کے سرور میں خلل ڈالو گے" جہانگیر نے ہنستے ہوئے کہا "میرے لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ منظور ماموں، منصور کے باپ رہے ہوں گے۔"

"لیکن یہ شخص صرف شراب پی کر کیا کرتا ہے؟ سرور میں آنے کے بعد تو بڑی شدت سے کسی نرم و نازک ساتھی کی ضرورت سر ابھارنے لگتی ہے۔ کوئی اور نہ ملے تو مجبوری کے عالم میں آدمی کسی گدھی کے گلے میں ہی بانہیں ڈال کر شاعری شروع کر دیتا ہے" میں نے جہانگیر کے برابر میں جگہ سنبھالتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

جولیا اردو بہت اچھی طرح سمجھ اور بول لیتی تھی لیکن بولنے کے معاملے میں تذکیر و تانیث اور الفاظ کے استعمال کے بارے میں دلچسپ غلطیاں کرتی رہتی تھی۔ میری بات سن کر اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

"یہ صاحب شراب پی کر اور کچھ نہیں کرتا" جہانگیر نے مجھے آگاہ کیا۔

"نشے میں آ کر کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی ہو گا۔ ورنہ نشے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟"

"نشہ مقصد بھلانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ گھر پر رہتا ہے تو اس کے والد اپنی سخت گیری کی وجہ سے اسے سب کچھ بھلائے رہتے ہیں۔ ان کی زد سے باہر نکل آتا ہے تو اپنی خالی الذہنی برقرار رکھنے کے لئے بوتل کی گردن ناپنا شروع کر دیتا ہے۔ جب نشہ بہت گہرا ہو جاتا ہے تو یہ ٹھنڈی ٹھنڈی نیند سو جاتا ہے۔"

"یعنی یہ صرف سونے کے لئے شراب پیتا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک لحاظ سے تمہارا یہ خیال بھی سو فیصدی درست ہے" اس نے مجھ سے اتفاق کیا۔

"پھر تو یہ بہت مہنگا شوق ہے۔ سونے کے لئے تو ایک آدھ روپے کی کوئی خواب آور گولی بھی لی جا سکتی ہے۔ جب تک ہلا گلا نہ کیا جائے، شراب نوشی کا لطف ہی نہیں آ سکتا۔"

"تم اس کی ذات میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تخلیے میں بتا سکوں گا" میں نے جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تمہیں معلوم نہیں کہ یہ میری کانفیڈنشل سیکرٹری بھی ہے۔ تم اس کے سامنے کھل کر بات کر سکتے ہو" جہانگیر نے کہا لیکن جولیا عقل مند عورت تھی اور میری بات سنتے ہی اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔

"تم لوگ اپنی بات کرلو، میں مادام کے پاس جارہی ہوں" وہ کولہے مٹکاتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

"تم نے اس بے چاری کا دل توڑ دیا" جہانگیر نے متاسفانہ لہجے میں کہا "وہ اس وقت خود کو بہت چھوٹا محسوس کررہی ہوگی۔ آج کل کے دور میں ایسی مخلص اور ہمدرد لڑکیاں مشکل ہی سے ملتی ہیں۔ میں کبھی اسے احساس نہیں ہونے دیتا کہ یہ میری تنخواہ دار ملازمہ ہے اور وہ میری اسی عادت پر جان چھڑکتی ہے۔"

"یہ تمہاری ہی نہیں دنیا کے ہر مرد کی عادت ہوتی ہے۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "دنیا کی ہر خوبصورت لڑکی اور عورت کو اپنی بیوی کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اپنا سمجھنا مردوں کی ایک آفاقی بیماری ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ لوگ اپنی اس کمزوری کا کھل کر اعتراف کرتے رہتے ہیں اور جو گھنے ہوتے ہیں وہ اپنی بے لگام آرزوؤں کو پارسائی کے لبادے میں لپیٹے لئے پھرتے ہیں۔"

"تخلیے میں تم کیا بتانا چاہ رہے تھے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے پوچھا "تم چاہو تو میں منصور کو بھی اس کی بہن کے کمرے میں بھیج دوں۔ ویسے وہ اب کسی بھی لمحے تنگ ہونے والا ہے۔"

"میرا اصل کام اسی سے ہے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ منصور کا باپ خیرپور کا زمیندار ہے۔ مجھے پتا چلا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی بھی خیرپور ہی کے کسی گاؤں میں رہتا ہے" میں نے بلیک کیٹ ٹی اور اس کے گاؤں کے اصل نام ظاہر کئے بغیر کہا۔ "اگر ہمیں منصور کے گھر میں پیر لٹکانے کا سہارا مل جائے تو ہم آسانی کے ساتھ اس کا کھوج لگا سکتے ہیں۔"

"منظور ماموں میرے دوستوں کی مہمان داری کرکے بہت خوش ہوں گے" اس نے کہا "انہیں تو یہی شکوہ رہتا ہے کہ کراچی جانے والے کبھی ان سے ملنے نہیں آتے لیکن سلمیٰ کی وجہ سے میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔"

"میں تمہیں نہیں لے جانا چاہتا۔ میں تم سے کسی کے نام پر کوئی تعارفی خط لینے آیا تھا لیکن یہاں خوش قسمتی سے منصور خود موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس سے میرا تفصیلی تعارف کرادو تو میں اسی کے ساتھ رانی پور چلا جاؤں گا۔ یہ کب تک واپس جارہا ہے؟"

"یہاں آکر یہ مشکل سے ہی واپس جانے کا نام لیتا ہے۔ تم اپنا پروگرام بتاؤ تو میں اسے کسی بھی وقت چلتا کردوں گا" وہ منصور پر اپنی بالادستی کے بارے میں بہت خوش فہمی میں مبتلا تھا۔

"میں تو آج ہی رات جانا چاہوں گا۔ میرے ساتھ سلطان شاہ بھی ہوگا۔ حالات نے اجازت دی تو شاید ویرا بھی اس مہم میں میرے ساتھ ہی روانہ ہوجائے گا۔ وہ اتنے مہمانوں کا بوجھ اٹھالیں گے؟"

"منظور ماموں بہت بڑی اسامی ہیں۔ ان زمینداروں کی بڑائی کا سب سے نمایاں اظہار اسی بات سے ہوتا ہے کہ ان کے دسترخوان پر کتنے... مہمان ہوتے ہیں۔ بس تمہیں ویرا کے بارے میں ذرا محتاط رہنا ہوگا۔ اولاد کے حق میں سخت گیری بلکہ جلاد ہونے کے باوجود منظور ماموں عورتوں کے معاملے میں بہت ندیدے ہیں۔ ویرا کو دیکھتے ہی ان کی رال ٹپکنے لگے گی۔"

"تو یوں کہو کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است، تمہارے رشتے دار بھی تم سے کم تو نہیں ہوسکتے۔ ایسے معاملات میں ویرا خود مختار رہنا پسند کرتی ہے۔ منظور ماموں اس کے معیار پر پورے اترے تو ان کی چاندنی ہوجائے گی ورنہ ویرا خود ہی انہیں دھتا بتائے گی۔ مجھے یا تمہیں اس کے بارے میں فکرمند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں" اس وقت تک ہم دھیمی آواز میں گفتگو کررہے تھے۔

"منصور!" جہانگیر نے اونچی آواز میں ہانک لگائی اور وہ اپنی جگہ پر سنبھل کر سیدھا ہوگیا "یہ میرے جگری دوست تنویر علی ہیں اور کراچی ہی میں رہتے ہیں۔"

"جی! مجھے معلوم ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر پہلے ہی بتایا تھا" منصور نے سپاٹ مگر سعادت مندانہ لہجے میں آگاہ کیا

"میں اسے پیار سے ڈینی کہتا ہوں" جہانگیر نے دوسرا انکشاف کیا۔

"جی ہاں! میں نے مس جولیا کی زبان سے یہ بھی سن لیا تھا۔"

"جب تمہیں سب کچھ ہی معلوم ہے تو میں الّو کا پٹھہ تمہیں کیا بتارہا ہوں؟" اس کے سپاٹ لہجے اور رسمی لہجے پر یک بیک جہانگیر کا پارہ چڑھ گیا کیونکہ وہ بھی قدرے جھونک میں تھا۔

"پتا نہیں" منصور نے غیر ارادی طور پر جواب دیا اور جہانگیر بھنا کر رہ گیا۔

"دیکھ لیا تم نے؟" جہانگیر مجھ سے مخاطب ہوکر غصیلے لہجے میں بولا "ابا جان کی دسترس سے باہر ہونے کا یقین ہوتے ہی صاحبزادے اپنی یہ درگت بنالیتے ہیں۔ یہ خود یہاں بیٹھا ہوا ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت اس کا ذہن خدا کے ان جانے جہانوں کی سیر کررہا ہوگا۔"

"الزام نہ لگایئے جہانگیر بھائی!" اس نے کمزور سے لہجے میں احتجاج کیا "مجھے معلوم ہے کہ یہ کراچی میں رہنے والے آپ کے دوست تنویر علی عرف ڈینی ہیں، اس سے آگے آپ کچھ بتائیں گے تب ہی مجھے معلوم ہوگا۔ آپ بلاوجہ مجھے نہ جانے کہاں کہاں پہنچارہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کا کتنا لحاظ کرتا ہوں۔"

"بدمزگی کی ضرورت نہیں" میں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فوراً ہی مصالحانہ کردار اپنالیا اور منصور سے بولا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں نے جہانگیر سے رانی پور دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

"ضرور ضرور!" منصور کی آواز میں پہلی بار زندگی اور گرمجوشی کی ہلکی سی رمق پیدا ہوگئی "مجھے یقین ہے کہ ابا جان آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔ وہ جہانگیر بھائی کے دوستوں کی بھی بہت عزت کرتے ہیں آپ تو خیر ان کے جگری دوست ہیں۔"

اس کی زبان سے وہ بے محل مثال سن کر میرے منہ کا ذائقہ تلخ ہوگیا لیکن میں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اس نے کسی ارادے کے بغیر اپنی پنک میں وہ ناشائستہ مثال دے ڈالی تھی۔

"ان کے ساتھ ایک دو اور لوگ بھی ہوں گے۔ چند روز تک سیر و تفریح کرنے اور شکار کھیلنے کے بعد یہ واپس آجائیں گے۔ تم انہیں ساتھ لے کر کب تک یہاں سے روانہ ہوسکتے ہو؟"

"جب آپ حکم دیں، جہانگیر بھائی!" اس کا لہجہ اتنا ادب آمیز تھا جیسے وہ اپنے ابا جان کے کسی نائب سے مخاطب ہو "میں یہاں ابا جان کی طرف سے مبارک باد کا پیغام لے کر آیا تھا کسی بھی وقت واپس جاسکتا ہوں۔"

"شاباش!" جہانگیر کی پھڑکتی ہوئی انا کو اس جواب سے قرار مل گیا۔

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟" میں نے منصور سے مخاطب ہوکر نرم لہجے میں پوچھا۔ اس وقت تک وہ مجھے یک بیک قابلِ رحم اور مظلوم نظر آنے لگا تھا۔

"ہوٹل میں ہوں لیکن سلمیٰ باجی نے یہیں روک لیا تھا۔"

"میں اپنا پروگرام طے کرکے فون کردوں گا۔ میرا خیال ہے کہ رات کو سفر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس لئے ہم شاید کل صبح رانی پور کے لئے روانہ ہوجائیں گے۔ میں کسی جیپ کا بندوبست کرلوں گا۔"

"سفر لمبا اور راستے خراب ہیں۔ تکان ہوجائے گی۔" منصور معقول باتیں کرنے لگا تھا "رانی پور تک ٹرین کا سفر ہی بہتر رہے گا۔ وہاں ہمارے پاس کئی گاڑیاں ہیں۔ آپ کو جیپ بھی مل جائے گی۔"

"رانی پور سے کوٹ مندو کا فاصلہ کتنا ہوگا؟" میں نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"کوٹ مندو؟" اس نے چونک کر دہرایا پھر سر جھکا کر بولا "سارا ہی کچا راستہ ہے، جیپ کے ذریعے تین چار گھنٹے کا راستہ ہوگا۔ وہاں کیا کام ہے آپ کو؟"

"کچھ بھی نہیں... سنا ہے کہ وہ ایک خوبصورت سرحدی گاؤں ہے۔"

اس نے یوں میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو پھر خوابیدہ لہجے میں بولا "اندرونِ سندھ آپ کو صرف بھوک، غربت اور افلاس کے سائے لہراتے ہوئے ملیں گے۔ آپ میلوں میل چلتے چلے جائیں، ریت اور ریت میں اٹی ہوئی بے نور جھاڑیوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا، چیتھڑوں میں ملبوس بچے بھیک ملنے کی امید میں سراپا سوال بنے نظر آتے ہیں اور کہیں کائی زدہ کچے جوہڑوں پر کتے اور انسان ایک ساتھ نہاتے ہوئے ملتے ہیں۔ برسات میں بھر جانے والے یہی جوہڑ سال بھر علاقے کے جانوروں اور انسانوں کی آبی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ یہی پانی وہ پیتے ہیں اور اسی میں نہاتے ہیں۔ زندگی کے ان مظاہر میں خوبصورتی تلاش کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ کوٹ مندو تو سال بھر ریتیلی آندھیوں کی زد میں آیا رہتا ہے۔ وہاں ملّا سرکار نہ ہوتا تو لوگ نہ جانے کتنا عرصہ پہلے وہ گاؤں چھوڑ کر سرحد سے پیچھے کسی بہتر علاقے میں خیمہ زن ہوگئے ہوتے!"

اس کی تقریر سن کر میں حیران رہ گیا۔ وہ نرا شرابی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اندر ایک حساس انسان بھی موجود تھا جسے شاید اس کے باپ کی سختیوں نے بے رحمی سے کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر حیرت کی بات یہ تھی کہ کوٹ مندو کے حوالے سے وہ ملا سرکار کے وجود سے بھی باخبر تھا جس کا مطلب تھا کہ طویل ناکامیوں اور محرومیوں کے بعد آخرکار قدرت نے مجھے بالکل صحیح راہ پر ڈال دیا تھا اور میں بہت جلد ملّا سرکار کے گریبان پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔

"یہ کوٹ مندو تمہیں کیسے یاد آگیا؟" جہانگیر نے مشتبہ لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

میں نے منصور کی نظر بچا کر جہانگیر کو آنکھ ماری اور منصور سے پوچھا "یہ ملّا سرکار کون ہے؟"

"کوٹ مندو کا بہت بڑا برگزیدہ اور خدا ترس انسان ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ خود بھوکا رہ کر اپنے گاؤں کے بھوکے کتوں اور بلیوں کو اپنا کھانا کھلا دیتا ہے۔ وہ شروع سے ہی کوٹ مندو میں مقیم ہے اور اپنی جھونپڑی سے کہیں اور جانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ پورے علاقے میں اس کے ہزاروں معتقد ہیں جن کا سلسلہ سرحد پار تک پھیلا ہوا ہے۔ آنے والے اس کے لئے نذرانے لاتے ہیں جو وہ گاؤں والوں میں تقسیم کردیتا ہے اور خود مسجد کی امامت کے صلے میں ملنے والے صدقہ اور خیرات کے کھانے پینے پر گزارہ کرتا ہے۔ اس کی ذات کی ان برکتوں سے کوٹ مندو کے باسی علاقے کے دوسرے لوگوں سے کہیں زیادہ خوشحال ہیں۔"

"مسجد کی امامت کے ساتھ وہ پیری فقیری بھی کرتا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"لوگ اسے کسی پیر ہی کی طرح پوجتے ہیں لیکن ملّا

سرکار کسی کو اپنا مرید نہیں بناتا۔ شاید وہ علاقے کے طاقت ور پیروں سے خائف رہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ جس دن بھی اس کی سرگرمیاں علاقے کی گدیوں کے لئے خطرہ بنیں اسے بیک بنی و دو گوش کوٹ مندو سے اٹھا کر کہیں اور پھینک دیا جائے گا' جب کہ اسے اپنی دھرتی کے اسی ٹکڑے سے پیار ہے جہاں وہ برسوں سے رہتا چلا آرہا ہے۔ اسے مذہبی پاپائیت سے کوئی دلچسپی نہیں' وہ لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور کئے جارہا ہے۔"

ملا سرکار کی کہانی میں اس کی زبانی تو سن ہی چکا تھا لیکن منصور اس کی ریاضت' عبادت اور مقبولیت کی جو کہانی سنا رہا تھا' وہ میرے لئے طلسم ہوشربا سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

بیسویں صدی کے اس ترقی یافتہ دور میں جب انسان خلا کے دور دراز سیاروں کے خبریں لا رہا تھا' یہ بات قابل یقین نظر نہیں آرہی تھی کہ ایک غیر ملکی ایجنٹ اور تخریب کار اپنے پڑوسی ملک میں ایسا روپ دھار کر بیٹھ گیا ہو کہ اس کے ارد گرد رہنے والے اس کی ذات کے سحر میں گرفتار ہو کر اندھے اور بہرے ہو گئے ہوں۔

ملا سرکار میری نگاہوں میں غدار' خونی' سازشی اور مکار تھا۔ کوئی جرم ایسا نہیں تھا جو اس کے کھاتے میں شامل نہ رہا ہو اور اب وہ غیر قانونی اسلحے' مقامی ڈاکوؤں اور سرحد پار سے آئے ہوئے دہشت گردوں کی مدد سے اس پورے علاقے کو خاک و خون میں نہلا دینے کے منصوبے بنا رہا تھا جہاں وہ ایک مدت سے امن و اخوت اور بھائی چارگی کی تبلیغ کرتا چلا آرہا تھا۔

"تم نے میرے دل میں اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا کردیا ہے" میں نے کہا۔

"وہ اپنے لوگوں میں مگن رہتا ہے۔ اجنبیوں کو مشکل ہی سے اس کے سامنے شرف باریابی ملتا ہے۔ عقیدت مندوں کی بھیڑ بھاڑ سے تنگ آکر اس نے کئی برس سے امامت بھی چھوڑی ہوئی ہے۔ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے موقع پر دوسرے شہروں میں جہاں کی آبادی زیادہ ہے' آتا ہے اور عام مقتدی کی طرح نمازیں پڑھ کر واپس لوٹ جاتا ہے۔"

"امامت چھوڑی ہے لیکن باجماعت نماز تو پڑھتا ہی ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"پتا نہیں... سننے میں آیا ہے کہ اس کے گاؤں والے اس کی پسند اور ناپسند کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اب ملا سرکار کی خصوصی اجازت کے بغیر اجنبیوں کو کوٹ مندو میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ وہ کہتا ہے کہ اس طرح اس کے اعتکاف' مراقبے اور مجاہدے میں خلل پڑتا ہے۔ اب وہ دنیا داری سے بہت دور ہوگیا ہے۔"

"شادی بھی نہیں کی ہوگی؟" میں نے اس سے سوال کرتے ہوئے اس کے قریب صوفہ سنبھال لیا۔ میرے اور اس کے سوال و جواب کی نوعیت سے جہانگیر نے بھی کچھ اندازہ لگالیا تھا اس لئے گفتگو میں دخل نہیں دے رہا تھا۔

"کوٹ مندو کی ہی ایک عورت سے شادی کی ہے جس سے اس کے دو بچے ہیں۔"

"بیوی بچوں کی وجہ سے اس کی عبادت اور ریاضت میں خلل نہیں پڑتا؟"

"عبادت کے لئے اس نے بیوی بچوں سے الگ اپنی کٹیا بنائی ہوئی ہے۔"

"تم اس سے مل چکے ہو؟" میں نے اس کے خالی گلاس میں جن اور پھر ٹانک واٹر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں" اس نے صاف دلی سے اقرار کیا "لیکن ابا جان اس سے مل کر بہت متاثر ہوئے تھے۔"

"سرحد پار رہنے والے اس کے معتقد ہوگئے؟" میرے ذہن میں سوالات کا جوالہ مکھی ابل رہا تھا۔

"نیک لوگوں کی شہرت سرحدوں کی پابند نہیں ہوتی بلکہ خود نئی سرحدیں بناتی ہے" اس کی زبان سے وہ دور رس اور ذو معنی تبصرہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

"ملا سرکار کبھی کبھار ان سے ملنے بھی جاتا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ کہیں نہیں جاتا۔ سرحد پار سے اس کے معتقد لمبی لمبی گاڑیوں میں اس سے ملنے آتے ہیں اور اس کی قدم بوسی کرکے واپس چلے جاتے ہیں۔ زیادہ نذرانے وہی لوگ دیتے ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ ان میں ہندو بھی ہوتے ہیں۔"

"لیکن ادھر کی سرحدیں برسوں سے بند پڑی ہوئی ہیں؟ وہ کوٹ مندو کیسے آتے ہیں؟"

"کوٹ مندو سرحد سے دو سو میل دور ہے۔ رینجرز کو بھی ملا سرکار کے عقیدت مندوں کا علم ہے۔ دور دراز سے آنے والوں کی والہانہ عقیدت اور ان سے ملنے والے پیسوں سے متاثر ہو کر انہیں چند گھنٹوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عقیدت کے مارے بے ضرر لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی نظروں کی پیاس بجھا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کی مقامی آبادی سے کبھی کوئی تنازع نہیں ہوا' نہ ہی وہ سیاست پر کسی سے کوئی بات کرتے ہیں۔"

میرا بنایا ہوا گلاس خالی کرتے ہوئے منصور کے اعصاب پر سستی طاری ہونے لگی اور بار بار آنکھیں پھاڑ کر نیند کو دور بھگانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسی حالت میں اسے اپنے ذہن پر زور دینے پر مجبور کرنا' ظلم ہوتا اس لئے میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کے پاس سے اٹھ کر جہانگیر کے پاس آگیا۔

منصور سے ہونے والی گفتگو نے میرے ذہن پر پڑے ہوئے بہت سے پردے ہٹادیئے تھے۔ جدید زمانے کے سیکرٹ ایجنٹ عموماً عیاشیوں کے دلدادہ اور آرام طلب پائے جاتے تھے جن کی قدرے مبالغہ آمیز کردار نگاری جیمز بانڈ کی فلموں میں عام طور پر نظر آتی ہے۔ جدید وسائل سے بھرپور استفادے کے لئے عام طور پر بڑے شہر ہی ان کی کارروائیوں کا مرکز بنتے ہیں لیکن ملا سرکار کا طریقۂ کار ان سب سے مختلف اور غیر روایتی نظر آرہا تھا۔

عیاشیاں کرنے کے بجائے وہ نفس کشی سے کام لے کر اپنے ملک کی خدمت کررہا تھا۔ شہروں کے جدید محلات کے بجائے کوٹ مندو کے ایک جھونپڑے میں موسم کی سختیاں جھیلنے کے ساتھ خاک پھانک رہا تھا اور حقیقی عقیدت مندوں کے حلقے میں شامل اپنے کارندوں کو ڈنکے کی چوٹ پر کنٹرول کر رہا تھا۔

شاید اس نے کوٹ مندو کے اپنے نام نہاد آستانے کے ذریعے ہی علاقے کے ڈاکوؤں' رسا گیروں اور دہشت گردوں سے اپنے گرگوں کے مراسم قائم کرائے تھے اور خود ہر قسم کے شکوک و شبہات سے بالاتر رہ کر مہاتما بنا بیٹھا تھا۔ اس کے خاص آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ یہ بات ہر قسم کے شبے سے بالا اور بالکل یقینی تھی کہ ملا سرکار کوٹ مندو میں بیٹھ کر صرف ٹرانسمٹر کے ذریعے ہی اپنے ان کارندوں سے رابطہ کرسکتا تھا جو صوبے کے دور دراز علاقوں میں اور سرحد پار پھیلے ہوئے تھے۔ زبانی پیغام رسانی کے علاوہ جب اسے سرحد پار سے کوئی چیز لانی یا لے جانی ہوتی تھی تو اس کے آدمی سرحد پار کے عقیدت مندوں کا روپ دھار کر اس سے ملنے آجاتے تھے اور مطلوبہ لین دین کرکے خاموشی کے ساتھ واپس لوٹ جاتے تھے۔

میری نگاہ میں وہ تمام کڑیاں ایک ہی لڑی کا سلسلہ تھیں لیکن کسی خفیہ ادارے کے اعلیٰ اہل کاروں کو اپنی اس سنسنی خیز کہانی کا یقین دلانا میرے لئے محال تھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا تھا اس کے بارے میں میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ ان دنوں جب ملا سرکار کراچی آکر اپنی سازشوں کو پروان چڑھا رہا تھا تو عین ممکن تھا کہ کوٹ مندو والے سادہ لوح لوگ اسے اپنی کٹیا میں چلہ کش سمجھ رہے ہوں اور اس کے اعتماد کے چند افراد اس کی خالی کٹیا کے باہر پورے ادب اور احترام سے اس کی حفاظت کررہے ہوں تاکہ کوئی اچانک اندر گھس کر ملا سرکار کے گاؤں سے غائب ہونے کا راز فاش نہ کرسکے۔ ان حالات میں کوٹ مندو کے مکین حلفیہ بیان دے سکتے تھے کہ ملا سرکار نے ایک لمحے کے لئے بھی گاؤں نہیں چھوڑا تھا۔

ملا سرکار... ایک مسلمہ سیکرٹ ایجنٹ تھا لیکن قانون کے مروجہ طریقوں سے اس پر ہاتھ ڈالنا ناممکنات میں سے تھا۔

اگر ایک بار بھی اس سے چھیڑ چھاڑ کرکے اسے اگلے کسی موقع پر رنگے ہاتھوں گرفتاری کے لئے چھوڑ دیا جاتا تو وہ ہر ایک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ہمیشہ کے لئے سرحد پار کرکے روپوش ہوسکتا تھا۔

اس فتنے کا سر کچلنے کی واحد حکمت عملی یہی تھی کہ ملا سرکار کو اس کی اپنی کچھار میں بے فکر رہنے دیا جاتا اور بالا ہی بالا تیاریاں مکمل کرکے پہلے ہی وار میں اسے جہنم واصل کردیا جاتا لیکن منصور کی سنائی ہوئی کہانیوں نے میرے دل میں غزالہ کے بارے میں تردد پیدا کردیا تھا۔ منصور سے بات ہونے سے پہلے تک میرا یہ خیال تھا کہ ملا سرکار کوٹ مندو میں کسی عالیشان حویلی میں محافظوں کی فوج ظفر موج کے حصار میں رہتا ہوگا اور اپنے ساتھ غزالہ کو بھی وہیں لے جاکر حویلی کے کسی کمرے میں قید کردے گا اور جب میں اسے گھیر کر اس کا تیا پانچا کروں گا تو غزالہ خود بخود میری تحویل میں آجائے گی لیکن منصور کے بیان کے مطابق ملا سرکار نے کوٹ مندو میں بالکل سادہ اور درویشانہ انداز رہائش اختیار کیا ہوا تھا جس میں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف قید میں رکھنا محال تھا۔

گھاس پھوس کے جھونپڑے کسی بھی آبادی میں کسی کا نجی قید خانہ نہیں بن سکتے۔ اگر ملا سرکار غزالہ کو رات کے اندھیرے میں کسی سواری میں وہاں لے جانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو غزالہ کی چیخ و پکار کسی بھی وقت ملا سرکار کے لئے ایک سنگین مسئلہ کھڑا کرسکتی تھی اور گاؤں میں اس کی نیک نامی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

غزالہ کو اس ویران گاؤں میں قید رکھنے کی ایک ہی صورت تھی کہ ملا سرکار اسے مستقل بے ہوشی کی حالت میں اس کٹیا میں ڈال دیتا جہاں دوسروں کو داخلے کی اجازت نہیں تھی اور وہ خود اندر بند ہو کر عبادت و ریاضت کا ڈھونگ رچانے میں مصروف ہوجاتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت میری نگاہ میں نہیں آتی تھی۔

کوٹ مندو میں ملا سرکار کے کھلے کھاتے کی روشنی میں یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اس سفر میں اپنے ساتھ لے جانے کے بجائے کراچی میں ہی اپنے کسی آدمی کی تحویل میں چھوڑ دیتا تاکہ اسلحے کی پہلی کھیپ لیتے ہوئے غزالہ کو وہیں کے وہیں ویرا کے حوالے کردیا جاتا لیکن بدقسمتی سے کراچی میں ملا سرکار کا کوئی ایسا آدمی میرے علم میں نہیں تھا جس پر انحصار کرتے ہوئے میں اس کا پیچھا کرنے کا ارادہ ملتوی کردیتا اور شہر میں رہ کر ہی غزالہ تک رسائی حاصل کرلیتا۔

"شاید اب تم اس کی راہ پر لگ گئے ہو" جہانگیر مجھ سے کہہ رہا تھا "کیا بلیک کیٹ ٹی ملا سرکار کا بنا ہوا ہے؟"

"یہ بات ثابت ہوچکی ہے ورنہ مجھے اتنی لمبی دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری معرکہ کوٹ مندو میں ہی ہوگا؟"

"آثار سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے۔ اس سے آگے مقدر کی بات آجاتی ہے۔"

"وہ ہاتھ آگیا تو غزالہ بھی خود بخود آزاد ہو جائے گی؟" اس کا لہجہ پُرامید تھا۔

"بس یہی ایک الجھن کھڑی ہو گئی ہے۔ اس پر کچھ غور کرنا پڑے گا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور جہانگیر نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

"اوہ! ویرا، تم کہاں سے بول رہی ہو؟" دوسری طرف سے آواز سن کر وہ چہکا تھا۔

اس کی گرم جوشی کے جواب میں جو کچھ کہا گیا، وہ شاید کچھ خوشگوار نہیں تھا کیونکہ اس نے برا سا منہ بنا کر مجھے اطلاع دی کہ ویرا کی وہ فون کال میرے لئے تھی۔

"میں اپنے کام سے فارغ ہو گئی ہوں اور اب فلیٹ واپس جا رہی ہوں" میری آواز سن کر اس نے بلا تمہید کہا۔ اس کی آواز میں کوئی ایسی خاص بات تھی جس نے مجھے چونکا دیا۔

"اس نے فہرستیں دے دی ہیں؟" میں نے محتاط لہجے میں پہلا سوال کیا۔

"وہ پھاٹک پر لگے ہوئے لیٹر بکس میں لفافہ ڈال گیا تھا۔ فون پر اس کا پیغام ملنے پر میں نے وہ لفافہ نکال لیا۔ اس میں تمام فہرستیں موجود ہیں۔ آج وہ چند روز کے لئے باہر جا رہا ہے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"یہ باتیں وہ مجھے کیوں بتانے لگا؟" فون پر اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"اس سے نمٹ کر تمہیں فلیٹ ہی جانا تھا تو تم نے یہاں فون کیوں کیا ہے؟"

"کیوں؟ کیا میرے فون کرنے پر کوئی پابندی ہے؟" اس وقت وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری اس فون کال کا مقصد کیا ہے؟ تم معمول سے ہٹ کر بلاوجہ ہی کوئی کام کرنے کی عادی نہیں ہو اس لئے میں الجھن میں ہوں۔"

"پہلے میں نے فلیٹ پر فون کیا تھا۔ سلطان شاہ نے بتایا کہ تم یہاں ہو تو میں نے یہاں فون کرلیا۔ میں فون پر ساری باتیں نہیں کرسکتی۔ تم بھی جلد از جلد فلیٹ پر پہنچنے کی کوشش کرو۔"

"کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو ہمیں کراچی میں رکنا پڑے؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا تھا۔

"تو پھر یہ بات ذہن میں رکھنا کہ صبح ہم کو ٹرین سے رانی پور روانہ ہونا ہے۔"

"یہ رانی پور کیا بلا ہے؟" پاکستان سے خاصی حد تک واقف ہونے کے باوجود وہ نام اس کے لئے نیا تھا۔

"اس گاؤں کے نزدیک ایک شہر ہے۔ وہاں جہانگیر کا ایک رشتے دار رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم اپنا پرگرام طے کرلو۔ میں صبح تیار رہوں گی۔"

"کیا بات تھی؟" میں فون کا سلسلہ منقطع کر کے پلٹا تھا کہ جہانگیر نے سوال داغ دیا۔

"وہ روانگی کا پروگرام جاننا چاہ رہی تھی" میں نے اسے ٹال دیا۔

اس وقت تک منصور صوفے پر بیٹھے ہی بیٹھے اونگھنے لگا ہو چکا تھا۔

"اسے ہوٹل سے فارغ کر کے یہاں بلالو۔ ہم لوگ ہی آجائیں گے اور اسے ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن جائیں گے" میں نے جہانگیر سے کہا "ہماری کار تمہارا ڈرائیور واپس لے جائے گا۔"

"میں منظور ماموں کو فون کئے دیتا ہوں کہ تم لوگ وہاں پہنچ رہے ہو۔ وہ اسٹیشن پر گاڑی بھجوادیں گے۔ ٹرین کا وقت صبح فون کر کے کنفرم کردوں گا۔"

میرا وہاں آنے کا مقصد بحسن و خوبی پورا ہو چکا تھا دوسری طرف ویرا نے میرا ذہن الجھا دیا تھا اس لئے میں لوگوں سے رخصت ہو کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ راستے بھر سرکار کے پراسرار اور پیچیدہ کردار پر غور کرتا رہا جو جنون کی حد تک اپنے وطن کا وفادار تھا اور ہر لمحے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا ہوا تھا۔

میں سست رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا رہا اس لئے فلیٹ میں داخل ہوا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں موجود تھی اس کا چہرہ بہت گمبھیر نظر آرہا تھا۔ اس وقت تک اس سلطان شاہ سے بھی کوئی بات نہیں تھی اس لئے وہ بھی مضطرب اور بے آرام سا نظر آرہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے، ملا سرکار نے اپنی گفتگو سے تمہیں پریشانی پر ڈال دیا ہے" میں نے اپنی نشست سنبھال کر سگریٹ سلگاتے ہوئے ویرا سے کہا۔ وہ اپنا سر اثبات میں ہلا کر رہ گئی۔

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔ معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے" اسے خاموش پاکر سلطان شاہ نے تبصرہ کیا۔

"تم سنو گے تو تم بھی پریشان ہو جاؤ گے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ سینڈو کون ہے؟" ویرا بولی۔

"سینڈو!" میں چونک پڑا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ مافیا کا کوئی رکن ہے اور دو مرتبہ مجھے فون کر کے مافیا میں شامل ہونے کی ترغیب دے چکا ہے جسے میں نے ٹھکرا دیا تھا۔"

سلطان شاہ کے سامنے وہ بات پہلی مرتبہ آئی تھی اس لئے ویرا کی زبان سے سینڈو کا نام سن کر وہ بھی چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک مرتبہ فون پر سینڈو کا ذکر کر کے اسی نے اس جھمیلے کا آغاز کیا تھا۔

"تو پھر کان کھول کر سن لو کہ اب حالات ہمیں مافیا سے مقابلے کی راہ پر لے جا رہے ہیں" اس نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا "ملاّ سرکار کو اب سینڈو کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہے۔"

"یہ تم کس بنا پر کہہ رہی ہو؟" اس کے انکشاف نے مجھے ششدر کردیا۔

"ملاّ سرکار نے مجھے خود بتایا ہے۔ مال کی ڈلیوری وغیرہ کے سلسلے میں کوئی شخص سینڈو کے نام سے مجھ سے رابطہ کرے گا۔ مال اس کے حوالے کر کے ہمیں اس سے رقم لینا ہوگی۔"

"لیکن تم سینڈو کو کیسے پہچانو گی؟" میں نے اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

"لفظ سینڈو ہی اس کا کوڈ ہوگا" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر تو یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ مافیا والا سینڈو ہی ہو۔ ملاّ سرکار نے اتفاقاً کسی بھی آدمی کو وہ کوڈ دے دیا ہوگا۔ ہم مافیا سے اس کے ڈانڈے کیسے ملا سکتے ہیں؟"

"دنیا ابھی اتنی مختصر نہیں ہوئی کہ سارے جرائم کا ٹھیکا ٹی اور مافیا کے نام چھوٹ جائے" سلطان شاہ نے میرے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا "ملا سرکار اور اس جیسے دوسرے مجرموں کو بھی زندہ رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔"

"تمہاری دلیل وزنی ہے" ویرا نے اعتراف کیا "میں تو سینڈو کا نام سنتے ہی یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ اب ملاّ سرکار ہمیں مافیا سے لڑوانے کے کسی منصوبے پر کام کر رہا ہے۔"

"یہ لڑائی بھڑائی تو اس وقت ہوگی جب تم واقعی اسلحہ فراہم کر کے رقم وصول کرنے کا ارادہ کرلو گی۔ جب تک سینڈو تمہارے سامنے آئے گا، تم ملا سرکار سے فارغ ہو چکی ہوگی۔ خاموشی سے سینڈو کو بھی ٹھکانے لگا دینا۔ منظم جرائم کی دنیا میں سب سے بڑا نام ہونے کے باوجود ہر سال دوسرے گروہوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ آدمی مافیا کے ہی مرتے ہیں۔ ان مرنے والوں میں ایک نام سینڈو کا بھی شامل ہو جائے گا۔ اس وقت تمہارے مفروضے بے بنیاد ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے پرس میں سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری گود میں ڈال دیا۔

ٹائپ کئے ہوئے ان کاغذوں پر اسلحے اور گولہ بارود کی ان کھیپوں اور مقدار کی نوعیت درج تھی جو ملا سرکار ٹی سے حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ اسلحہ اس قدر جدید، مہلک اور وافر مقدار میں تھا کہ اس کی مدد سے باقاعدہ فوج کے کئی ڈویژن مسلح کئے جاسکتے تھے۔ شانوں اور جیپ جیسی ہلکی گاڑیوں سے فائر کئے جانے والے میزائیلوں نے تباہ کاری کا متوقع دائرہ بہت وسیع کردیا تھا۔

فہرستوں کے علاوہ ایک کاغذ پر ان ٹھکانوں کی نیم خفیہ نشاندہی بھی کی گئی تھی جہاں وہ اسلحہ اور گولہ بارود ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ مقامات کے نام فرضی تھے لیکن اضلاع کے اصل نام درج تھے جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ لوگ سب سے زیادہ زور خیرپور کے ضلع پر دے رہے تھے جہاں ان کے چھ اسلحہ ڈپو تھے۔ سانگھڑ میں چار اور تھرپارکر میں صرف دو خفیہ ڈپو تھے۔

"اور یہاں مال کیسے پہنچے گا؟" میں نے وہ کاغذات لفافے میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ساحلی علاقے میں سینڈو مال وصول کر کے ٹرکوں میں لدوائے گا۔ وہاں سے سینڈو ہی کے مسلح دستوں کی حفاظت میں مال مقررہ ٹھکانوں کی طرف بھیجا جائے گا۔ ان ٹھکانوں تک رہنمائی کرنے کے لئے ملا سرکار اپنے آدمی دے گا۔ دراصل وہ ان ہی لوگوں کا بندوبست کرنے کے لئے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہوا ہے۔"

"یہ تو تم نے بتادیا کہ رقم سینڈو ہی دے گا لیکن غزالہ کو کون تمہارے حوالے کرے گا؟"

"ملا سرکار نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وقت آنے پر وہ اس بندوبست سے بھی مجھے آگاہ کردے گا۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ پہلی کھیپ کی وصولی کے وقت وہ خود بھی موجود ہوگا۔"

"پہلی کھیپ!" سلطان شاہ زور سے ہنس پڑا۔ "تم تو یوں بات کر رہی ہو جیسے سب کچھ اسی طرح ہونے کی تیاریاں کرلی گئی ہوں۔ کون سی کھیپ اور کہاں کی کھیپ؟ اب تو ہمیں کوٹ مندو ہی چلنا چاہیے۔"

"کوٹ مندو کی کہانیاں حیرت ناک اور ناقابل یقین ہیں۔" میں نے کہا۔ "ملا سرکار کو اس علاقے میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ عام لوگوں کو اس کے خلاف کسی کارروائی کی بھنک بھی مل گئی تو وہ سینہ تان کر اسے اپنے حصار میں لے لیں گے۔ وہ واقعی ان سادہ لوح دیہاتیوں کا پوپ بن کر ان پر حکمرانی کر رہا ہے۔"

ان دونوں کے لئے وہ اطلاعات سنسنی خیز تھیں اس لئے

میں نے منظور ماموں اور منصور کے غائبانہ تعارف کے ساتھ ان کو اپنی معلومات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

میں نے سینڈو والے معاملے میں ویرا کو ضرور ٹال دیا تھا لیکن میرے ذہن میں ایک نقش بار بار سر ابھار رہی تھی کیونکہ سینڈو بہت حریص اور مکار شخص تھا۔ اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ اس نے اپنی بالائی آمدنی کی خاطر مافیا کی جانب سے سرکار سے کوئی معاہدہ کرلیا ہو' جب تک سیٹھ حبیب جیوانی روپوش رہنے پر مجبور تھا اور اس کی جگہ مافیا کی سربراہی کررہا تھا' سینڈو کی دال کہیں بھی نہیں گل سکی تھی اور اس کی کئی بد معاملگیوں سے واقف ہونے کے بعد میں نے پوری طرح اسے نکیل ڈال دی تھی لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کے ساتھ ہی میں نے چند روز کی چھٹی لے لی تھی اور سینڈو سیٹھ کا منہ چڑھا آدمی تھا اس لئے اس کے بے لگام ہونے کا امکان بعید از قیاس نہیں تھا۔

اگر سینڈو اور ملا سرکار کا کوئی گٹھ جوڑ ہو چکا تھا تو یہ ماننا پڑتا تھا کہ سارے جرائم کے ڈانڈے سمٹ کر آخر کار اپنی اصل ہی میں آملتے ہیں اور جرائم کی مہیب دنیا سمٹ کر ایک مختصر سی برادری تک محدود رہ جاتی ہے۔

ان دونوں کو ایک موقع پر آپس میں الجھا کر مجھے فون استعمال کرنے کا موقع مل ہی گیا اور میں نے فوری طور پر ٹریڈ لائن کے دفتر کا وہ نمبر ملایا جو تعطیلات میں اور دفتری اوقات کے بعد سوئچ بورڈ سے رہائشی علاقے میں منتقل ہوجاتا تھا۔

وہ چھٹی کا دن تھا اس لئے دوسری طرف سے سینڈو ہی لائن پر آیا تھا۔

"ڈینی بول رہا ہوں" اس کی غراہٹ کے جواب میں' میں نے درشت لہجے میں کہا۔

اس کے حواس فوراً ہی ٹھکانے پر آگئے اور وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا "ارے باس! تم کہاں ہو۔ تمہیں دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ دفتر نہیں آتے تو کبھی کبھار فون ہی کرلیا کرو۔"

"اتنی خوشامد نہ کرو۔ چیف یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ اس کے ہوتے ہوئے تم دوسروں کو اتنا مکھن لگاؤ' ویسے بھی تم میرے مزاج سے واقف ہو ہی چکے ہو۔"

"تم یقین کرو کہ یہ مکھن بازی نہیں ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتا ہوں" وہ گڑگڑایا۔

"یہ اسلحے والا کیا قصہ ہے؟" میں نے اسے سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر سوال کیا۔

"کون سا قصہ باس؟" اس کی تحیر زدہ آواز میں مجھے بناوٹ محسوس نہ ہوسکی۔

"کسی سے وصول کرکے اسلحہ کہاں پہنچاتا ہے؟" میں نے اپنا جارحانہ لہجہ برقرار رکھا۔

"میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ تم کس معاملے کا ذکر کررہے ہو۔"

"مجھے توقع تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔ آج کل اپنی آنکھیں کھلی رکھا کرو۔"

"مجھے کچھ تو بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟ آج کل تو حالات سازگار ہیں اور میدان بالکل صاف ہے۔ ماجے کی تباہی کے بعد ویرا بھی غائب ہوگئی ہے اور اب منڈی پوری طرح ہمارے ہاتھ میں آگئی ہے۔"

"اس پر بغلیں بجانے کی ضرورت نہیں۔ شہر میں کچھ لوگ تمہیں بدنام کرنے پر تل گئے ہیں۔ تم ان سے غافل رہے تو بے خبری میں کسی بھی وقت مارلئے جاؤ گے" میں نے اس پر رعب جھاڑتے ہوئے۔

"اس خبرگیری پر میں تمہارا احسان مند ہوں لیکن مجھے کچھ تو بتادو تاکہ میں ان لوگوں پر نگاہ رکھ سکوں۔"

"نہیں!" میں نے سختی کے ساتھ کہا "اس وقت بس اتنا ہی کافی ہے۔"

"ہوسکے تو چیف سے بات کرلینا" اس نے جلدی سے کہا۔ شاید اسے ڈر تھا کہ کہیں میں اچانک ہی فون بند نہ کردوں "تمہارے لئے روم سے کوئی اہم پیغام آیا ہوا ہے۔"

میرے دل میں اس پیغام کی نوعیت کے بارے میں تجسس بیدار ہوا لیکن میں نے فوراً ہی فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ میں جانتا تھا کہ جلد یا بدیر سیرڈان مجھے یورپ کی کسی پرفضا وادی میں بلانا چاہتا تھا تاکہ مجھے قربانی کا بکرا بنا کر شی کے سربراہ جی لائیڈ سے اپنے تنازعات کو حل کرسکے اور میں اس وقت ملک سے باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس وقت غزالہ کی سلامتی اور بازیابی میرے لئے اپنی زندگی سب سے اہم سوال بنی ہوئی تھی۔

میں فون سے نمٹ کر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو رانی پور کے سفر کی پیکنگ کے سلسلے میں ویرا سلطان شاہ سے بری طرح الجھ رہی تھی۔ وہ بہت کم سامان ساتھ لے جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور ویرا بے سرو سامانی کے عالم میں کسی کے گھر میں مہمان بننے کے لئے آمادہ نہیں تھی۔

○☆○

منظور ماموں بہت ہی باغ و بہار شخصیت ثابت ہوئے۔ جوش مہمان داری میں گاڑی لے کر وہ مقررہ وقت سے پہلے ہی اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے۔ ہمارے ساتھ منصور موجود تھا اس لئے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کی شناخت میں کسی کٹھن مرحلے سے نہیں گزرنا پڑا اور ہم ایک ہی کشادہ گاڑی میں پھنس کر منظور ماموں کی مضافاتی حویلی میں پہنچ گئے۔

ان کی حویلی رانی پور کے مضافات میں کئی ایکڑ کے رقبے پر پھیلے ہوئے سرسبز و آباد باغ کے وسط میں واقع تھی باغ کو آوارہ چوپایوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے گرد گارے اور پتھروں کی ایک دیوار سی بنی ہوئی تھی لیکن اندر بل کھاتی ہوئی کچی سڑک سے گزرتے ہوئے ہم نے جابجا پالتو مویشیوں کے ریوڑ دیکھے جو ستانے' جگالی کرنے یا چرنے میں مصروف تھے۔ اس باغ میں کئی اقسام کے ہزاروں پھل دار درخت تاحد نظر پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان خالی قطعات پر کہیں پھل پھول نظر آرہے تھے اور کہیں صرف گھاس اگی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں سبزیاں بھی نظر آرہی تھیں۔

منظور ماموں کی بیوی انہیں عین عالم شباب میں داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ وہ آدمی وضع دار تھے اس لئے کبھی دوسری شادی کے بارے میں نہیں سوچا' دوسری ہیرا پھیریوں کا اندازہ جہانگیر کی اس وارننگ سے ہوگیا تھا جو اس نے ویرا کے بارے میں دی تھی۔

وہ ایک عدد جوان بیٹی اور جوان بیٹوں کے اکلوتے باپ تھے۔ منصور سب سے چھوٹا تھا۔ کوثر اس سے بڑی تھی اور محمود سب سے بڑا لڑکا تھا۔ وہ راستے بھر ہم سے باتیں کرتے اور راستے میں آنے والے تاریخی اور غیر تاریخی مقامات پر رنگ کنٹری دیتے آئے تھے۔ وہ عادتاً بہت خوش باش تھے۔ ان کے کسی طور طریقے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اپنی اولاد کے حق میں وہ جلاد رہے ہوں گے۔

ویرا کے ساتھ ان کا رویہ بہت باوقار اور رسمی رہا تھا۔ جس میں لگاوٹ نام کو بھی نہ تھی اس لئے مجھے یہ سمجھ لینا پڑا کہ جہانگیر نے اس بارے میں مجھ سے مذاق کیا تھا یا پھر منظور ماموں زمانے کے سرد و گرم کو دیکھے ہوئے بہت کائیاں آدمی تھے اور منصور کی موجودگی میں کوئی ندیدی حرکت کرکے اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتے تھے۔

حویلی میں کوثر نے ملازمین کی مدد سے ہمارے استقبال کا بھرپور انتظام کیا ہوا تھا۔ منظور ماموں کی ہدایت پر سارے افراد اور ملازمین ڈیوڑھی میں موجود تھے جن سے تعارف کے بعد ہمارے کمرے دکھائے گئے جن سے ملحقہ غسل خانوں میں گرم اور ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی بڑی بڑی بالٹیاں پہلے سے تیار تھیں۔

اس پر شکوہ حویلی میں بجلی موجود تھی لیکن گیس شاید بالا ہی بالا وہاں سے گزر رہی تھی اس لئے منظور ماموں گیزر کی نعمت سے محروم تھے اور بالٹیوں میں حسب منشا پانی ملا کر نہانے کے عادی تھے۔

ہمارے کمرے بہت وسیع اور چھتیں اونچی تھیں۔ ہر کمرے میں بیک وقت پوری بارات رہ سکتی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے منظور ماموں نے ہمیں فی کس ایک کمرا دے کر شہری اونٹوں کو پہاڑ تلے لانے کی شعوری کوشش کی تھی۔ وہ کمرے بھی صرف کمرے ہی نہیں تھے بلکہ بود و باش کے لئے اپنی اپنی جگہ پر آراستہ اور مکمل رہائشی یونٹ تھے۔

سفر کی تکان اتار پھینکنے کے لئے انہوں نے مہمان داری کی ابتدا اسی ایک نکتے سے کی تھی۔ میں تازہ دم ہونے کے بعد غسل خانے سے کمرے میں آیا تو ویرا کے ساتھ ہی سلطان شاہ بھی وہاں براجمان تھا۔ وہ دونوں ہی مجھ سے پہلے فارغ ہوگئے تھے۔

"مکان کیا' یہ تو پورا محل ہے" ویرا نے در و دیوار کا جائزہ لیتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا "انہوں نے ہمیں بلا وجہ ہی الگ الگ کمروں میں ڈال دیا ہے حالانکہ دیوان' صوفے اور پلنگ ملا کر اسی ایک کمرے میں چھ سات قد آدم بستر موجود ہیں۔ انہیں بتادینا کہ ہم ایک ہی کمرے میں گزارہ کرلیں گے۔"

"سچی بات یہ ہے کہ اسے ان کمروں سے ڈر لگ رہا ہے" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ہر کمرے میں اتنا ساز و سامان ہے کہ آنکھ بچا کر کوئی بھی کسی کونے کھانچے میں دبک سکتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ ہم یہاں پکنک منانے نہیں' ملا سرکار کو پکڑنے کے لئے آئے ہیں۔ اکٹھے رہ کر ہم ہر وقت تبادلۂ خیال کرسکتے ہیں۔ الگ الگ رہے تو تبادلۂ خیال کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

"مجھے تو ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے ٹرین سے اترتے ہی ہماری کایا پلٹ ہوگئی ہو۔ ماحول اور آب و ہوا مزاج پر حاوی ہوئی جارہی ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اسی وقت باہر سے منظور ماموں نے آواز لگائی اور سب لوگ لگی لگائی وسیع میز کے گرد کرسیاں سنبھالنے لگے۔ چائے کے ساتھ ساتھ وہاں ہلکے پھلکے لوازمات بھی تھے لیکن ان سے زیادہ دلچسپ منظور ماموں کی باتیں تھیں۔ منصور اور محمود میز پر ادب سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے لیکن کوثر ویرا کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔

چائے کے بعد سب لوگ مردانہ بیٹھک میں آگئے۔ ہر اعتبار سے وہ کمرا ایک پرشکوہ ڈرائنگ روم تھا جہاں ایک دیوار پر منظور ماموں کے دادا کی قد آدم قلمی تصویر آویزاں تھی۔ دیوار پر جابجا شکار کی ٹرافیاں بھی آویزاں تھیں جن کے درمیان شیشے کے پٹوں والی نازک نازک سی الماریاں دنیا بھر کے لوازمات سے سجی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر تک وہاں حاضری لگوانے کے بعد محمود اور منصور خاموشی سے کہیں کھسک گئے۔ منظور ماموں خشک میوے اور حقے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنے عہد رفتہ کی کہانیاں سنانے میں ایسے منہمک تھے کہ انہیں دونوں کی غیر حاضری کا احساس تک نہ ہوا اور پھر مجھ سے اشارہ پا کر ویرا بھی کوثر کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئی۔

منظور ماموں عہد رفتہ کی یادوں سے ذرا باہر آئے تو ایک وقفہ میسر آتے ہی میں نے ملا سرکار کا ذکر چھیڑ دیا۔ میرے

زبان سے اس کا نام سنتے ہی وہ سرتاپا عقیدت کے پیکر میں ڈھل گئے۔

" اس کی کیا بات ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا درویش صفت آدمی نہیں دیکھا۔ لوگ اسے ملا سرکار کہہ کر اس کی توہین کرتے ہیں لیکن وہ اس میں خوش رہتا ہے جیسے اسے کسی بات کی پروا ہی نہ ہو۔ اس سے ملوگے تو تمہاری طبیعت ہی خوش ہوجائے گی۔ میں نے اسے کوٹ مندو چھوڑ کر اسی حویلی کے کسی بھی حصے میں رہنے کی پیش کش کی تھی لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی کٹیا چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا۔"

" اس کے دشمنوں نے اس کے بارے میں کچھ افواہیں بھی پھیلا رکھی ہیں "میں نے اندھیرے میں تیر چھوڑا۔

" ہاں! کئی برس پہلے غلغلہ اٹھا تھا کہ وہ کوئی جاسوس ہے جو بھیس بدل کر وہاں چھپا ہوا ہے لیکن اب وہ باتیں پرانی ہوگئیں۔ لوگ ان قصوں کو بالکل بھول چکے ہیں " میرا تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔

" موقع ملا تو ہم لوگ کل اُدھر کا چکر لگائیں گے " میں نے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

" کل کچہری میں میری ایک پیشی ہے۔ کسی دن میرے ساتھ چلنا ' وہ مجھے پہچانتا ہے۔ اکیلے گئے تو شاید اس سے ملاقات کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکوگے " منظور ماموں نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔

" بعد میں آپ کے ساتھ بھی چلے جائیں گے " سلطان شاہ نے معصومانہ لہجے میں کہا " سارا دن یہاں پڑے پڑے اکتا جائیں گے۔ ہمیں کرنا ہی کیا ہے۔ جیپ مل گئی تو ادھر ہو آئیں گے۔"

منظور ماموں نے ایک جاندار قہقہ لگایا اور بولے " بھلے مانس ' یہ حجرے اور حویلیاں تو اللہ نے سونے اور آرام کرنے کو دی ہیں۔ تمہارے دو تین دن تو باغ دیکھنے میں ہی صرف ہوجائیں گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں روک رہا ہوں۔ جب چاہو جیپ نکلوا سکتے ہو۔ اگر ضرورت سمجھو تو ڈرائیور اور ایک آدھ ملازم کو بھی ساتھ لے لینا۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔ گھر سے باہر بھی تم لوگوں کو متواضع اور مہمان نواز پاؤ گے۔ ہاں ' اتنا دھیان رہے کہ سورج ڈوبنے سے پہلے گھر لوٹ آنا۔"

" اجازت ہو تو ہم تینوں کسی ایک ہی کمرے میں منتقل ہوجائیں۔ ان بڑے بڑے کمروں میں رات کو ہول آنے لگیں گے " انہیں فیاضی پر آمادہ پاکر میں نے دوسرا مطالبہ پیش کردیا۔

وہ پھر زور سے ہنسے اور بولے " ہاں بھئی ' شہر کے کابکوں میں بستر پر لیٹتے ہی چاروں دیواریں نظر آنے لگتی ہیں۔ اندھیرے میں تم لوگوں کو یہاں خوف آئے گا " پھر وہ ایک دم ہی چونک کر مجھے گھورتے ہوئے سنجیدگی سے غرائے " تینوں سے تمہارا کیا مطلب ہے ؟ کیا وہ لڑکی بھی تمہارے ساتھ سوئے گی ؟ "

" بب ... بالکل ساتھ نہیں " میں ان کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا " وہ ہمارے کمرے میں بالکل الگ بستر پر سوئے گی۔"

" اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے ؟ " ان کی بڑی بڑی آنکھیں مسلسل میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

" کچھ بھی نہیں ' وہ ہماری دوست ہے " میں نے جلدی سے جواب دیا۔

ان کے نتھنوں سے ایک گہرا سانس یوں خارج ہوا جیسے میرا اعتراف سن کر ان کے ذہن سے کوئی بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ پھر وہ بولے " جہانگیر نے بھی یہی بتایا تھا۔ تم دونوں ایک کمرے میں سوسکتے ہو لیکن میں اس کو تمہارے ساتھ شب بسری کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس سے کوثر کے ذہن پر برا اثر پڑے گا۔ وہ چاہے تو کوثر کے ساتھ سوسکتی ہے۔"

" جیسی آپ کی مرضی " میں نے سعادت مندی کے ساتھ اپنا سر جھکا دیا۔

" اس لڑکی سے تمہاری دوستی کب اور کیسے ہوئی ؟ " انہوں نے حقہ گڑگڑا کر ' پہلو بدلتے ہوئے سوال کیا اور میں نے اسی وقت اندازہ لگالیا کہ منظور ماموں کے وجود میں چھپا ہوا اندیدا مرد بیدار ہورہا تھا۔

" وہ انگلینڈ میں سات برس تک میری ہم جماعت رہ چکی ہے " میں نے جھوٹ بولا۔

" اچھی لڑکی ہے " وہ سرہلا کر بولے " صورت سے باکردار معلوم ہوتی ہے۔"

میرا دل چاہا کہ ان کے انکشاف پر زور دار قہقہہ لگاؤں لیکن اس وقت منظور ماموں کی رضا ہماری اپنی خواہش پر مقدم تھی اس لئے میں نے اطاعت کے انداز میں سرہلانے پر اکتفا کیا۔

" اردو بھی بہت اچھی بولتی ہے " منظور ماموں ویرا کے بارے میں باتیں کرتے رہنا چاہ رہے تھے۔ ساتھ ہی حقے کی نے پر ان کے پھیپھڑوں کی قوت میں بھی بتدریج اضافہ ہو جارہا تھا۔

" اس نے ڈیڈی ہی سے اردو بولنا سیکھی ہے " سلطان شاہ نے کہا۔

" اسے پینے پلانے کا شوق ہے یا نہیں ؟ " ان کا لہجہ بہت پُراشتیاق ہوگیا تھا۔

" پیتی ہے لیکن پاکستان آکر سب بھولی رہتی ہے " میں نے جواب دیا لیکن میں ان سے یہ پوچھنے کی جرات نہیں کرسکا کہ وہ پارسائی کے دعوے دار تھے یا رند کہلوانا پسند کرتے تھے۔

ہمارے نزدیک منظور ماموں کا اس سے زیادہ کوئی ...نہیں تھا کہ ہمیں ان کا گھر جملہ سہولتوں کے ساتھ ...ل کرتا تھا۔ ان سے ہمیں جو باتیں معلوم ہوسکتی تھیں وہ ...انے پہلے ہی بتادی تھیں۔ اس لئے ہم آرام کرنے کے ...ے وہاں سے اٹھ گئے۔ وہ بھی ڈرائنگ روم سے نکل کر ...ی زبان میں کسی نادیدہ ملازم کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے ...دروازے میں غائب ہوگئے۔

ہم دونوں نے وہیں رک کر گردو پیش کا جائزہ لیا لیکن ...ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ منظور ماموں کی اولادوں کے ...ی ویرا بھی نہ جانے کہاں غائب تھی۔ حویلی اس قدر ...د عریض تھی کہ اس میں سے کسی کو ڈھونڈنا ایک نووارد ...لئے آسان نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے کمرے میں چلا ...

" ہمیں ویرا پر نگاہ رکھنی ہوگی " کمرے میں پہنچ کر ...ن شاہ نے کہا " بڈھا اس کے ذکر میں بہت دلچسپی لے رہا ...یہاں تو کوئی ہماری مدد کو بھی نہیں آسکے گا۔"

" تم بالکل احمق ہو۔ ویرا کی فکر کو اپنے ذہن سے بالکل ...نک دو۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی اسے ہاتھ بھی نہیں ...لگا۔ البتہ جسے وہ پسند کرنے لگے اسے ہر قیمت پر اپنے ...ں میں جھکا لیتی ہے۔"

آخری فقرہ کسی حد تک چسپاں ہورہا تھا اس لئے وہ ...کرکے فوراً ہی باتھ روم کی طرف کھسک لیا۔

سات بجے کے قریب ویرا آئی تو پلنگ پر گر کر گہرے ...ے سانس لینے لگی جیسے کوئی مہم سر کرکے آئی ہو۔

" تم کہاں غائب تھیں ؟ سلطان شاہ تمہاری طرف سے ...ند ہورہا تھا۔"

" میں ڈرائنگ روم سے کوثر کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ...ں سے محمود باغ کی سیر کرانے کے بہانے مجھے حویلی سے ...لے گیا۔ ان لوگوں کا باغ بہت خوبصورت ہے لیکن محمود ...یرے دماغ کی چولیں تک ہلادیں۔"

" تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ ابھی تک نوجوان بھی ...ی ذات میں دلچسپی لیتے ہیں۔"

" وہ سارا وقت سفید فاموں کی تعریف میں رطب ...ان رہا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ براہِ راست ...تعریف کرتا۔ ابھی چند منٹ پہلے اس نے اپنی ساری ...مجتمع کرکے اپنی پسند کا اظہار کرتے ہی میرا ہاتھ تھام لیا ...آنکھیں موند کر عشق و محبت میں لتھڑے ہوئے وہ سارے ...گ دہراتا چلا گیا جو اس نے فلموں سے یاد کئے ہوں گے۔"

" پھر کیا ہوا ؟ " میں نے متوقع انجام کے بارے میں ...تے ہوئے ہنس کر سوال کیا۔

" وہی جو ہونا تھا " وہ بے پروائی سے بولی " ایک لات پڑتے ہی وہ اڑتا ہوا دور جاگرا۔ پانی کی نالی کی کیچڑ سے اس کا لباس بھی خراب ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اب کافی عرصے تک اس کے دماغ میں عشق کے کیڑے نہیں کلبلائیں گے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ چند پھول اور پرندے دکھا کر اس نے مجھے رام کرلیا ہے۔"

" دیکھ لیا ! " میں نے سلطان شاہ سے کہا " ویرا سے زبردستی کے عشق کا یہ انجام ہوتا ہے۔"

" سب سے زیادہ مضحکہ خیز صورتحال اس کے بعد رونما ہوئی تھی " ویرا بتارہی تھی " میں غصے سے وہاں حویلی کی طرف روانہ ہوئی تو وہ اپنی توہین اور چوٹ بھول بھال کر اسی گندی حالت میں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہوگیا کہ میں اسے معاف کردوں اور اس کے اظہار عشق کے بارے میں بڑے میاں سے شکایت نہ کروں۔ میں نے بھی اس سے اس وقت تک وعدہ نہیں کیا جب تک اس سے زمین پر ناک سے لکیریں نہ نکلوالیں۔"

" بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے ایک کو سدھا لیا " میں نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا " اب وہ ہمارے بہت کام آئے گا۔ تمہیں اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنا ہوگا۔"

" وہ ڈفر تمہارے کس کام آئے گا ؟ " ویرا کے لہجے میں اس کے لئے حقارت تھی۔

" تمہیں اندازہ نہیں کہ آج تم نے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ ہم اس علاقے میں اجنبی ہیں اور اسی کے ساتھ اپنا مشن بھی خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں ہم جس کسی کو اپنا رازدار بنانے کی کوشش کرتے ' وہ ہمارا سارا کچا چٹھا منظور ماموں کو سنادیتا آج کے واقعے کے بعد تم محمود کو ڈٹ کر بلیک میل کرسکو گی۔ وہ ہمارا گائیڈ بھی بنا رہے گا اور وقت پڑنے پر مدد بھی کرے گا اور کسی کو کچھ نہیں بتائے گا۔ کل کے لئے تم نے میری بہت بڑی الجھن دور کردی ہے۔"

" تم ٹھیک کہہ رہے ہو " میرے بتانے پر سلطان شاہ کو بھی دھیان آگیا " ہم سارا دن جھنکنے کے بعد بھی کوٹ مندو پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔ ویرا کو تو ویسے ہی حویلی میں چھوڑنا ہوگا۔"

" کیوں میں یہاں پڑی رہ کر کیا کروں گی ؟ " اس نے سلطان شاہ پر آنکھیں نکالیں۔

" ملا سرکار کوٹ مندو کے راستے پر کسی سفید فام عورت کی موجودگی کی خبر پاتے ہی خطرہ بھانپ لے گا اور کہیں غائب ہوجائے گا۔ ویسے تمہارے لئے ایک اطلاع اور بھی ہے کہ تم اپنے کمرے میں اکیلی نہ سونا چاہو تو کوثر کی خواب گاہ میں سوسکتی ہو۔ منظور ماموں نے رات کے وقت اس کمرے کو تمہارے لئے ممنوع قرار دیا ہے۔"

" منظور ماموں کی اور تمہاری ایسی کی تیسی " ...

غصہ آگیا "میں اسی کمرے میں رات گزاروں گی اور کل بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ محمود میرے لئے مردانہ لباس کا بندوبست کرے گا۔"

"ناک رگڑ وا کر اب اسی پر ... کر رہی ہو" سلطان شاہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

وہ ویرا کو مزید چڑاتا لیکن میں نے فوراً ہی بات سنبھال لی۔

"محمود کے رام ہو جانے کے بعد تمہارے ساتھ چلنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن شب بسری کے معاملے میں تمہیں مشرقی روایات کا خیال رکھنا ہوگا۔ اسی چھت کے نیچے منظور ماموں کی جوان اور کنواری بیٹی بھی رہتی ہے۔ ہم لوگوں کا آزادانہ اختلاط اس کے ذہن پر برا اثر ڈالے گا۔"

"پتا نہیں، تم لوگ عورت کو کانچ کی گڑیا کیوں سمجھ لیتے ہو" میری وضاحت پر اس کا غصہ ضرور سرد ہو گیا لیکن چڑچڑا پن ختم نہیں ہو سکا "تم لوگوں کا بس چلے تو لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی ممی بنا کر کسی طاق پر سجا دو۔ اپنی دن رات کی نزاکت کی تکرار سے تم اپنی عورتوں کو ہوش سنبھالنے تک اتنا ناکارہ بنا دیتے ہو کہ وہ محمود جیسے مردوں کو لات مارنے کے بجائے گھٹنوں میں منہ دے کر رونا شروع کر دیتی ہیں اور فتح کر لی جاتی ہیں۔"

"صبر سے کام لو ویرا ڈارلنگ!" میں نے اسے پچکارا۔ "بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ہم پورے خلوص کے ساتھ ناروا سمجھتے ہیں لیکن مصلحتاً انہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ آج رات تمہیں کوثر کے کمرے میں سونا ہوگا۔ شاید کل تک میں اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"میں اپنا مسئلہ خود حل کر لوں گی" اس نے اعلان کر دیا۔

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ... میری وجہ سے کوئی بدمزگی نہیں ہوگی لیکن اسی کے ساتھ تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ میرے معاملات میں دخل نہیں دو گے۔"

"... تجویز ہے" میں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

آٹھ بجے کھانے کا اعلان ہو گیا۔ شام والی ترتیب کے مطابق منظور ماموں صدر نشین تھے۔ باقی لوگ بھی اپنی اپنی جگہوں پر تھے لیکن ویرا نے پھرتی دکھا کر منظور ماموں کی داہنی جانب والی میری کرسی سنبھال لی تھی۔ ویرا شام کو کوثر کے برابر میں بیٹھی تھی۔ میرے لئے وہ جگہ لینا مناسب نہیں تھا اس لئے میں منصور کے برابر میں بیٹھ گیا۔

کھانے کے دوران میں منظور ماموں نہایت باوقار اور مساویانہ طریقے سے سب کی مہمان داری کرتے رہے۔ میری نظریں مسلسل ان کے چہرے کا طواف کرتی رہیں اور میں نے ا... بار ان کے چہرے پر سرخی سی آ کر گزرتے دیکھی۔ میں

نے ویرا کو اس کی ذات میں منظور ماموں کی دلچسپی... میں نہیں بتایا تھا اسی لئے میں حیران تھا کہ ویرا نے ... پر ان کے برابر والی نشست پر بیٹھنا کیوں ضروری سمجھا...

کھانا ختم ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں محفل... چائے کا دور شروع ہو گیا۔ وہاں بھی ویرا منظور ما... قریب بیٹھی تھی لیکن وہ اپنی بیٹی اور بیٹوں کے سا... سے ذرا بھی متاثر نظر نہیں آ رہے تھے۔ ویرا کے سا... طرز گفتگو بزرگانہ تھا۔ اگر چہرے پر انسان کے دل... آ جاتی ہے تو اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ ویرا کے با... منظور ماموں کا دل صاف تھا۔

وہاں سے پہلے محمود اٹھا۔ اسی کے ساتھ میں... ہو گیا۔ منظور ماموں سے معذرت کر کے میں ڈرا... سے نکلا اور دوستانہ انداز میں محمود کو اپنے کمرے... دعوت دی تو اس کا چہرہ خوف سے دھواں ہو گیا۔

ڈرائنگ روم میں ویرا اس کے ابا جان سے... میں مصروف تھی اور میں اسے اپنے کمرے میں مد... اسی لئے اس بے چارے کو یہی خیال آ سکا ہوگا... ناک سے لکیریں نکالنا رائیگاں گیا تھا اور ابا جان جو تا سنبھال کر کسی بھی لمحے اس پر حملہ آور ہو سکتے...

"بیٹھو!" میں نے اندر جا کر بزرگانہ انداز پیشکش کی۔ وہ جھجکتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تو میں... تسلی کی خاطر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ویرا... فرینڈ ہے۔ تم جانتے ہی ہو گے کہ بیوی اور اس... رشتے میں موہوم سا فرق ہوتا ہے۔ اس نے مجھے ... بتا دی۔ جو کچھ ہوا، ہم اسے بھلانے کی کوشش کریں... اس کے ساتھ ہم تم سے بھی تھوڑی سی مدد کی توقع... مجھے امید ہے کہ تم میری توقعات پر پورا اترو گے۔"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا" وہ تھوک... بولا۔

"کل صبح ہمارا شکار پر جانے کا ارادہ ہے۔... کرا کر اس میں کھانے پینے کا سامان، رائفلیں کارتوسوں کے ڈبے اور دوسرا سامان لدوا لینا۔... چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم سرحدی ریگستان کی ط... جائیں۔ ویرا کے لے مردانہ سفاری سوٹ اور شکا... ٹوپی کا بندوبست کر لینا۔ ہماری جیپ تم ہی چلاؤ گے..." اپنے پروگرام کی تفصیل بتاتے ہوئے کوٹ مندو کا... نہیں لیا تھا تاکہ وہ آسانی سے دام میں آ جائے۔ باقی... راستے میں طے کئے جا سکتے تھے۔

"سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا"... سعادت مندانہ لہجے میں کہا "ابا جان پہلے ہی ہدایت... ہیں کہ سب لوگوں کو مہمانوں کی مرضی اور آرام کا...

...کہیں کیمپ لگانے کا ارادہ ہو تو دو چھولداری اور ...لدوا دوں۔ انہیں نصب کرنے اور اکھاڑنے میں زیادہ ...نہیں لگتا۔"

...کوٹ مندو کے قریب اپنا شکاری کیمپ لگانے کا خیال ...چھوا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً ہی اس کا مشورہ قبول ..."لیکن یہ یاد رکھنا کہ جیپ میں ہم تینوں کے ساتھ ...تم ہی جاؤ گے۔ ہمیں وہی کچھ ساتھ لینا چاہئے جسے ہم ...سکیں۔ ملازموں کے ساتھ ایسے پروگرام کا مزہ کرکرا ...ہے۔"

...تم چاہو تو ملازم دوسری گاڑی سے ہمارے پیچھے آ سکتے ...اس نے کہا۔

...نہیں ملازم ہرگز نہیں جائیں گے" میں نے سختی کے ...اس کی بات کاٹ دی۔

...ٹھیک ہے" اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے "ہمیں ...منہ اندھیرے ہی نکلنا ہوگا۔"

...تم وقت بتا دو، ہم تینوں تیار رہیں گے" میں نے وہ ...ری بھی اس پر ڈال دی۔

...اسی وقت سلطان شاہ بھی کمرے میں آ گیا۔ ہم تینوں نے ...سویرے سے پانچ بجے کا وقت مقرر کیا اور محمود گرمجوشی ...سے ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

...ویرا بڈھے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔" میدان صاف ...ہی سلطان شاہ نے مجھے مطلع کیا۔ "اپنے بچوں سے ...بڈھے کے رویے میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔"

...ویرا کی شراب نوشی سے واقف ہو کر اس نے بہت ...انداز میں اپنی کھوپڑی گھمائی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ ...طریقۂ واردات کیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی بچوں ...چھپ کر اپنے کمرے میں شراب پیتا ہے۔ وہ ویرا کو مے ...دعوت دے کر اپنے کمرے میں لے جانے کی کوشش ...گا۔ میری آرزو ہے کہ ویرا اس سے انکار کر دے۔ ...کہیں بڈھے کو بھی لات مار دی تو ہم کھڑے کھڑے ...ہونے سے محروم ہو جائیں گے۔"

...کافی دیر تک ویرا کی واپسی کا انتظار کرنے کے بعد دس ...کے قریب میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو وہ ویران پڑا ہوا ...بتیاں اسی طرح جل رہی تھیں۔ پھر میں نے باری باری ...دونوں خواب گاہ کا بھی جائزہ لے لیا۔ وہاں کسی ذی ...نام و نشان نہیں تھا۔ بڈھا ویرا کو لے کر کہیں غائب ...۔

...ویرا کوثر کے کمرے میں نہ چلی گئی ہو" کمرے میں ...آتے ہی مجھے سلطان شاہ کی احمقانہ رائے سننا پڑی۔ ...وہ وہاں جانے سے پہلے ہم سے ضرور ملتی۔ میرا خیال ...بڈھے کے ہی ساتھ ہے۔"

ہم دونوں اپنے بستروں پر دراز ہو کر اگلے دن کے پروگرام پر تفصیلی تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ کراچی سے ہم اپنے ساتھ صرف بیم گن اور ایک پستول لائے تھے جس کے فاضل میگزین ہمارا زیادہ ساتھ نہیں دے سکتے تھے کیونکہ ہمارا فائر پاور ایک گولی سے زیادہ نہیں تھا۔ شکار کے بہانے منظور ماموں کے اسلحہ خانے سے رائفلیں سمیٹ کر ہم اپنی پوزیشن بہت زیادہ مستحکم کر سکتے تھے۔

گیارہ بجے کے بعد ویرا شراب کے بھبکے اڑاتی ہوئی خواب گاہ میں آئی تو بہت مضمحل تھی۔

"رات کہاں گزارنے کا ارادہ ہے؟" سلطان شاہ نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہیں تمہارے سینے پر مونگ دلوں گی۔ میں نے کہا تھا کہ میں اپنا بندوبست خود کر لوں گی اور دیکھ لو کہ میں تمہارے بڈھے ماموں سے تمہارے ساتھ رہنے کی اجازت لے آئی ہوں" اس کا لہجہ بے حد زہریلا تھا۔

"اور اس کا کیا معاوضہ دے آئی ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں بلکہ اس نے مفت میں شیواز ریگال کے تین گلاس بھی پلائے ہیں" اس نے فاتحانہ لہجے میں کہا پھر فوراً ہی تلخ ہو گئی "اب بتاؤ کہ کوثر اور تمہاری مشرقی اقدار کہاں ہیں؟ کوئی خوبصورت عورت ذرا سا منہ لگا لے تو

مردوں کا دین دھرم تک متزلزل ہوجاتا ہے اور وہ اپنی اصلیت پر اتر آتا ہے۔ اپنی اولادوں کے سامنے بڈھا واعظ بنا ہوا تھا۔ موقع پاتے ہی گھٹیا پن پر اتر آیا۔ اس کی تجوریوں میں شراب کی بوتلوں کا پورا کریٹ بھرا ہوا ہے جس سے اس کے بچے بے خبر ہیں۔۔ شام کو صاحبزادے مجھ سے عشق لڑانا چاہ رہے تھے اور پہلا گلاس معدے میں اتار کر ابا جان اظہارِ محبت پر تل گئے۔ میں نے بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پایا اور اسے دوسرا گلاس پلا کر باہر آگئی۔"

"وہ نشے میں باہر آکر اودھم مچانا شروع نہ کردے" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ بے سدھ ہو کر سوچکا ہے" اس نے برا سامُنہ بنا کر کہا۔

"تو یوں کہو کہ تم نے نشے کی حالت میں اس سے اجازت لی ہے" سلطان شاہ نے اسے چڑکا لگانے کی کوشش کی۔

"اجازت ڈرائنگ روم میں ہی مل گئی تھی۔ میں نے مے نوشی کی دعوت اس کا دل رکھنے کے لئے قبول کی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ بڈھا بھی اپنے بیٹے کی طرح رنگین مزاج اور دل پھینک ہوگا۔"

"چلو اب منصور رہ گیا ہے۔ کل اس کو بھی آزمالینا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے کہا "پورا گھرانا ہی تم سے محبت کرنے پر تل گیا تو شاید تم ہمارے ساتھ جانے سے ہی انکار کرو دو گی۔"

ویرا مکاّ تان کر اس پر جھپٹی تھی لیکن میں نے درمیان میں پڑھ کر معاملہ رفع دفع کرادیا۔

وہ رات کسی اور واقعے کے بغیر خیر و عافیت سے گزر گئی۔ ہم تینوں ٹرین کے سفر سے تھکے ہوئے تھے اس لئے باہمی مسائل سے نجات پانے کے بعد گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے اور اس وقت بیدار ہوئے جب محمود نے تقریباً جھنجوڑ کر ہمیں بیدار کیا۔

وہ بے چارہ ساڑھے چار بجے سے شکاری لباس میں ملبوس ہو کر ہمارا انتظار کر رہا تھا جب کہ اس وقت ساڑھے پانچ بھی بج چکے تھے اور سوئیوں کا سفر آگے کی طرف جاری تھا۔

ہم لوگ منہ ہاتھ دھو کر نکلے تو میز پر گرم گرم ناشتا تیار تھا۔ اپنا مختصر سفری تھیلا لے کر محمود کے ہمراہ حویلی سے باہر آئے تو صبح صادق کی دھندلاہٹوں میں سامان سے لدی پھندی جیپ سفر کے لئے تیار تھی اور کئی ملازمین ساز و سامان کی آخری دیکھ بھال میں مصروف تھے۔ شاید ان کے لئے ایسی مہارت معمول بن چکی تھی۔

محمود نے جیپ کی ٹنکی بھروانے کے ساتھ ہی دو فاضل آہنی کین بھی پٹرول سے بھروا کر جیپ کی عقبی ریلنگ پر بندھوادیئے تھے۔ کسی ناگہانی صورتحال کے لئے فاضل ٹائروں کی تعداد بھی تین تھی۔

ان بھرپور تیاریوں کے ساتھ صبح سویرے کی ٹھ... میں ہم اپنے سفر پر روانہ ہوگئے۔

اس دیہاتی فضا میں عجیب سی بھینی بھینی خوشبو... سحر خیز پرندوں کی پرشور چہکار اور پالتو مویشیوں... آوازوں نے ایک ایسا سماں باندھا ہوا تھا جن کا... مصروف اور صنعتی شہر میں تصور بھی محال تھا۔

محمود ڈرائیونگ سیٹ پر جما ہوا تھا۔ میں اس کے... ویرا سلطان شاہ کے ساتھ عقبی نشست پر تھی۔

"سب کچھ تو ہے مگر رائفلیں کہاں ہیں؟" میں... محمود سے سوال کیا۔

"رائفلیں اور میگزین پچھلی سیٹ کے نیچے ہ... تحمل سے جواب دیا۔

"باغ کے احاطے سے باہر نکل کر گاڑی روک... سب خود کو مسلح کرلیں۔ ویرا بھی کسی اوٹ میں سفاری... کر مردانہ روپ میں آجائے گی" میں نے سگریٹ سلگا...

"اوہ مجھ سے غلطی ہوگئی" وہ متاسفانہ لہجے میں... اندر ہی لادیتا تو اسے کھلی فضا میں لباس نہ بدلنا پڑتا۔"

غلطی اس کی نہیں بلکہ ہم سب کی تھی۔ سفید فا... وجہ سے ویرا اندر سے بھی سفاری سوٹ پہن کر برآ... کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ بالوں کو چھپانے کے لئے... پہنی جاسکتی تھی۔

محمود نے جیپ واپس لے جانے کی پیشکش کی... خود ہی اسے سختی سے منع کردیا۔ احاطے سے باہر ج... ویرا کپڑے لے کر دیوار کے عقب میں چلی گئی ا... رائفلوں کا جائزہ لینے لگے۔

زمینداری شکار کھیلے بغیر مکمل نہیں ہوتی اس... پکا شکاری تھا۔ وہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ہمیں ان... ساخت اور کارکردگی کے بارے میں بتاتا رہا۔ م... تفصیلات غیر ضروری تھیں۔ میرے لئے بس یہ اندا... وہ چاروں ہی بیش قیمت شکاری رائفلیں تھیں جن... خطا ہوتا ہے۔

ویرا مردانہ لباس میں سر پر ٹوپی اوڑھے... ساتھ واپس آئی تو محمود اسے کن انکھیوں سے دیکھ... اور میں اس قبیلے کے بارے میں سوچنے لگا جو گالیاں... بے مزہ نہیں ہوتا۔ محمود اس قبیلے سے بھی دو ہاتھ... وہ گالیوں کے ساتھ ہی ویرا کی ایک نازک مگر بھ... کھا چکا تھا۔

"کہیں قریب ہی شکار کھیلنا ہے یا لمبی ڈرائیو... محمود نے جیپ کو دوبارہ حرکت میں لاتے ہوئے پوچھا۔

"کوٹ مندو کی طرف چلو" میں نے اسے ہدایت کی "ادھر ...راستہ کیسا ہے؟"

"راستہ کچا لیکن جیپ کے قابل ہے مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے ...دن بہت اوپر آجائے گا اور شکار نہیں مل سکے گا۔ تیتروں کا ...شکار دھندلکے میں کھیلا جاتا ہے" وہ لمحہ بھر کے لئے جھجکا ...پھر بولا "اور ان اطراف میں شکار بھی زیادہ نہیں ملتا۔"

"فکر نہ کرو' اپنا شکار ہم خود ڈھونڈ لیں گے" میں نے بے ...پروایانہ لہجے میں کہا۔

"منصور بتا رہا تھا کہ تم کو ملا سرکار سے بھی ملنے کا شوق ہے؟"

"ضرور ہے لیکن واپسی پر تم کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ ہم ادھر ...گئے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم شکار سے زیادہ کسی اور چیز میں دلچسپی ...لے رہے ہو۔ اگر تم مجھ سے کھل کر بات کرو تو میں تمہیں مفید ...اور بہتر مشورے بھی دے سکتا ہوں۔ یہ یقین رکھو کہ تمہاری ہر ...بات میرے سینے ہی میں دفن رہے گی۔"

"ملا سرکار کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے ...چند ثانیوں تک خاموش رہ کر سوچنے کے بعد وہ سوال کر ہی ڈالا۔

"مجھے وہ کوئی بہت بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے" اس کے جواب ...نے میرا دل خوش کردیا "ابا جان کے ساتھ میں ایک بار اس سے ...مل چکا ہوں۔ یہ درست ہے کہ وہ پچھلے پچیس تیس سال سے ...کوٹ مندو میں رہ رہا ہے' اس نے شادی بھی وہیں کی ہے لیکن ...عقیدت کے اندھوں میں سے کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اس کا ماضی ...گمنام ہے۔ وہ کہاں سے آیا ہے؟ اس کے باپ دادا کون تھے؟ ...کسی معمولی سی نوکری کے لئے درخواست دینے والوں سے یہ سب ...پوچھا جانے لگا ہے لیکن ہزاروں عقیدت مندوں کی پیشوائی ...کرنے والے کے بارے میں یہ سوال کوئی پسند نہیں کرتا۔ خود ابا ...جان نے مجھے ڈانٹ دیا تھا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے بارے ...میں ایسے ٹیڑھے اور بے ہودہ سوال سوچنا کفر ہے۔"

"لیکن تم نے اپنے طور پر بھی تو کچھ نہ کچھ پتا چلایا ہوگا؟"

"کچھ نہیں' اس علاقے میں ملاّ سرکار کا سب سے بڑا مخالف ...مٹھن شاہ تھا جو کوٹ مندو کے نواح میں ایک مزار کا مجاور بنا بیٹھا ...تھا۔ جب سے ملا سرکار نے اپنا چکر شروع کیا ہے' لوگوں نے ...مٹھن شاہ کی درگاہ پر نذر نیاز دینا اور چڑھاوے چڑھانا بند کردیا ...ہے۔ اس مفلسی سے تنگ آکر مٹھن شاہ کوٹ مندو گیا تھا تاکہ ملاّ ...سرکار سے' اس کی آمدنی میں اپنا حصہ طلب کرے یا وہاں سے ...اپنی تنخواہ مقرر کرائے لیکن ملا سرکار کے آدمیوں نے مار پیٹ کر ...اسے وہاں سے بھگادیا۔ مٹھن شاہ کہتا تھا کہ ملا سرکار سندھ کے ...چوروں' ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کا سب سے بڑا سرغنہ ہے وہ سب ...اس کے ڈیرے پر آکر اس سے ہدایات لیتے ہیں۔ مزے کی بات ...یہ ہے کہ ملا سرکار ان الزامات سے انکاری نہیں ہے۔ وہ مانتا ہے کہ بہتیرے مشہور مجرم ہدایت لینے اس کے ڈیرے پر آتے ہیں لیکن یہ ہدایات مادی نہیں بلکہ روحانی مسائل کے بارے میں ہوتی ہیں۔"

"تم لوگ تو یہاں خاصے بارسوخ ہو۔ کسی سے تفتیش بھی کرا سکتے ہو۔"

"ابا جان کو علم ہوگیا تو مار مار کر کھال ادھیڑ دیں گے۔ ایک بار ایک ایس پی سے بات کرنا چاہی تو اس نے ہنس کر موضوع ہی ٹال دیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ ایس پی صاحب سیاسی اور ڈی آئی جی جرائم کا سراغ لگانے یا چوریوں کا مال برآمد کرانے کے لئے خود کوٹ مندو میں حاضریاں دیتے رہتے ہیں اور اکثر سرخرو رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مٹھن شاہ درست ہی کہتا تھا۔ ایس پی کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے ملا سرکار خود ہی چوریوں کا مال واپس کروادیتا ہوگا۔"

"تم مٹھن شاہ کے بارے میں مسلسل ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کررہے ہو؟"

"اس لئے کہ اب وہ زندہ نہیں ہے۔ ملا سرکار اسے کھلم کھلا تو نہ مروا سکا لیکن ایک روز مٹھن شاہ کی لاش جنگل سے ملی۔ اس کے سر پر ایک وزنی شاخ ٹوٹ کر گری ہوئی تھی جس سے اس کا بھیجا باہر آگیا تھا۔ لوگوں نے مٹھن شاہ کی دردناک موت کو بھی ملاّ سرکار کی دل آزاری کا نتیجہ قرار دے ڈالا تھا۔"

"مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم ملا سرکار کے بارے میں ہمارے اتنے ہم خیال ہو تو میں تم سے نرم رویّہ اختیار کرتی۔ بہرحال اب میں اپنی زیادتیوں پر تم سے معذرت خواہ ہوں" پچھلی نشست سے ویرا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں' وہ بھی میرے لئے ایک اہم سبق تھا۔" ویرا کو جواب دے کر وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "اگر تم واقعی ملا سرکار کے خلاف کسی مشن پر نکلے ہو تو ہمارا براہِ راست کوٹ مندو جانا مناسب نہیں رہے گا۔"

"اس تمام بھاگ دوڑ کا واحد مقصد یہی ہے کہ ملا سرکار کا سر کچلا جائے۔ پرسوں شام تک وہ کراچی میں تھا اور ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں سے ملتے دیکھا ہے جو پکے ملک دشمن ہیں۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ وہ برسوں سے عید' بقرعید اور جمعے کی نمازیں پڑھنے کے علاوہ کسی اور مقصد سے کہیں نہیں گیا۔ اسی سے اس کا جھوٹ سامنے آجاتا ہے۔"

"پھر تمہاری کیا رائے ہے؟" میری نظروں میں اس کی توقیر یک بیک بڑھ چکی تھی۔

"اس کی فکر میں اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے ہمیں تھوڑا سا شکار کھیل کر واپس لوٹ جانا چاہئے۔ تفصیلی منصوبہ بندی کے بعد ہی کوئی قدم اٹھانا مناسب ہوگا ورنہ ہم ملا سرکار کو

کھودیں گے۔"

اس کی بات میری سمجھ میں آرہی تھی۔ شہروں اور بڑے قصبات کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کی دنیا ہی مختلف ہوتی ہے۔ عام گزرگاہوں سے الگ تھلگ، دس بیس یا پچاس خاندان اکٹھے رہتے ہیں اور سب لوگ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ کسی واضح جواز، حوالے یا رشتے داری کے بغیر ایک اجنبی کا ان دیہاتوں میں پھٹکنا بھی مشکل ہوتا ہے اور اگر کوئی شامت کا مارا بھٹک کر آبادی میں جانکلے تو نہ صرف مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی اسے گھیر لیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ان کی جرح کا تسلی بخش جواب دئے بغیر وہ شخص اس گھیراؤ سے صحیح سلامت نہیں نکل سکتا۔

چھوٹے اور دور افتادہ گاؤں میں میرا اس رازداری کی وجہ سے ملا سرکار نے کوٹ مندو کا انتخاب کیا ہوا تھا۔ وہ ایسی عملی دشواریاں تھیں جن کا کراچی میں بیٹھ کر ادراک کرنا ممکن نہیں تھا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حماقت تھی کہ اتنی دور آکر ہم بے نیل و مرام ہی واپس لوٹ جاتے اس لئے میں نے کوٹ مندو کی طرف سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

پتھریلے اور ریتیلے راستے بہت ناہموار تھے جن پر جیپ اچھلتی کودتی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔ محمود نے بتایا کہ رانی پور سے براہ راست کوئی راستہ کوٹ مندو نہیں جاتا تھا مگر وہ وقت بچانے کے لئے خود اپنا راستہ بنارہا تھا۔ اگر وہ رانی پور سے محراب پور واپس جاتا تو کافی دور تک پختہ سڑک مل سکتی تھی اس سے آگے بھی کچا راستہ نسبتاً ہموار اور آرام دہ تھا۔

تقریباً دو گھنٹے تک سفر اسی طرح جاری رہا پھر اچانک ہی محمود کو جیپ کے بریک استعمال کرنا پڑگئے کیونکہ داہنی سمت کی جھاڑیوں میں سے ایک نوجوان عورت تار تار لباس کے ساتھ بری طرح چیختی چلاتی ہوئی جیپ کے سامنے آگئی تھی۔

میں جیپ کے پوری طرح رکنے سے قبل ہی اچھل کر نیچے اتر گیا، اس وقت تک مظلوم نظر آنے والی وہ عورت چیختی چلاتی ہوئی جیپ کے سامنے گر کر بے ہوش ہوگئی تھی۔

"یہ ٹریپ معلوم ہوتا ہے، واپس آجاؤ" ویرا جیپ میں سے ہذیانی آواز میں چلائی تھی۔

اس وقت تک میرے دل میں اس نوجوان عورت کے لئے ہمدردی کے بے پناہ جذبات موجزن تھے۔ ویرا کی للکار سنتے ہی مجھے خیال آیا کہ لباس تار تار ہونے کے باوجود بے ہوش عورت کے بدن پر کوئی خراش تک نہیں تھی اور وہ واقعی کسی قسم کا ٹریپ ہوسکتا تھا۔ میں پھرتی سے واپس پلٹا لیکن مجھے دیر ہوچکی تھی۔ قرب وجوار کی جھاڑیوں سے بیک وقت چھ مسلح افراد باہر آئے تھے، ان سب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف، گنیں یا پستول موجود تھے اور ان کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے

میں اپنی رائفل اٹھانے بھی نہ پایا تھا کہ ان میں سے ا
شخص نے پیچھے سے حملہ آور ہوکر میری مشکیں جکڑلیں
تینوں افراد جیپ کی آہنی باڈی کے کشادہ حصار میں محفوظ تھے
میں کھلے میدان میں تھا۔ میں نے سر کو پیچھے جھٹک کر ا
مدمقابل کے چہرے پر ضرب لگانے کی کوشش کی ای لمحے
میں سے کسی نے بے آواز پستول چلادیا۔

میں اپنے حریف کے ساتھ جیپ سے بہت قریب تھا
گولی نہایت آسانی کے ساتھ اس کی کھوپڑی میں اتری تھی ا
ایک دلدوز چیخ مار کر نیچے گرتا چلا گیا۔

یہ واقعات اتنی سرعت کے ساتھ رونما ہوئے ک
آوروں کا ایک ساتھی ہی اپنی کلاشنکوف چلا سکا لیکن
کے برسٹ سے بچ کر جیپ میں گھسنے میں کامیاب ہوگیا
حملہ آور سے جدوجہد ہونے کے باوجود رائفل میری گرفت
نہیں نکلی تھی۔ اس نازک صورتِ حال میں وہی اب
بری صورتِ حال سے محفوظ رکھ سکتی تھی۔

محمود کی رائفل چلی اور ان میں سے ایک اور ڈھیر ہو
بقیہ چاروں کلاشنکوفیں چلاتے ہوئے خود رو جھاڑ
گھس گئے تھے۔ ان کی گولیاں اولوں کی طرح تڑاتڑ جیپ
باڈی سے ٹکرارہی تھیں۔

مظلومیت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے بے ہو
والی عورت بھی زمین سے اٹھ کر تیزی سے جھاڑیوں میں
ہوگئی تھی۔ میں چاہتا تو اسے مار گرا سکتا تھا لیکن میں۔
اپنی رائفل کی نال ادھر گھمائی جدھر حملہ آور فرار ہوئے
سلطان شاہ، محمود اور ویرا نے رائفلوں کو پو
مصروف رکھا ہوا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل
کلاشنکوف بے حساب گولیاں برسانے کے لئے بے
تھا لیکن رائفلوں کی ہلاکت خیزی ان پر حاوی تھی۔ دو ڈ
تھے۔ بقیہ چار حملہ آور اور ان کی ساتھی عورت جنگل م
ان میں سے کوئی اور ہماری رائفل کا نشانہ بنا۔ ا
چیخ کے ساتھ ہی ان کے پیر اکھڑ گئے اور ان کے ہتھیا
ہوگئے۔

"فائر کرتے رہو" اپنے ساتھیوں کو ست ہوتا د
نے تیزی سے کہا "اب وہ اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر
ہماری گولیاں آسانی کے ساتھ انہیں چاٹ لیں گی۔"

میری وہ حکمت عملی کامیاب رہی۔ ہم نے حملہ
پناہ گاہوں کی سمت میں زمین کے متوازی فائرنگ جار
حملہ آوروں کی طرف سے خاموشی ہوتے ہی محمود جیپ
آگیا تھا اور رائفل لوڈ کرکے فائر کئے جارہا تھا۔

جھاڑیوں میں سے مزید دو چیخیں ابھریں اور ہم

اپنی رائفلیں سنبھال کر جھاڑیوں میں گھس پڑے۔

خشک اور گرد آلود جھاڑیاں خاردار نہیں تھیں اس لئے ہمیں پیش قدمی جاری رکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ مجھے اپنی راہ میں ایک لاش نظر آئی۔ رائفل کی گولی نے پشت سے داخل ہوکر اس کا پورا سینہ پھاڑ ڈالا تھا۔ مرے ہوئے حریف ہمارے لئے بیکار ہوچکے تھے اس لئے میں نے اس سمت میں دوڑ لگادی جدھر ایک حملہ آور تیزی سے دوڑتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"رک جاؤ' ورنہ گولی ماردوں گا" میں نے دوڑتے دوڑتے اسے للکارا لیکن وہ پوری قوت سے دوڑتا رہا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے موت کے خوف نے اس کی سماعت ماؤف کرکے رکھ دی ہو۔

اس وقت وہ میری رینج میں تھا اور ہم دونوں کے درمیان نرم اور خود رو جھاڑیوں کے علاوہ کوئی اور رکاوٹ حائل نہیں تھی اس لئے میں نے رک کر اس کی ٹانگوں پر فائر کردیا۔

وہ بھاگتے بھاگتے' چیختا ہوا آگے کی طرف اچھلا اور زمین پر گر گیا۔

میں اس کی طرف دوڑتا رہا۔ اس کا دھڑ زمین سے کئی کئی فٹ اوپر اچھل کر بار بار نیچے گر رہا تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے وہ بری طرح زخمی ہوجانے کے باوجود اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی کوشش کررہا ہو۔

وہ مضبوط جسم والا ایک دراز قامت شخص تھا۔ قریب پہنچنے پر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بری طرح زخمی ہوجانے کے باوجود اس کی کلاشنکوف اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔

اس نے فوراً ہی میرے اوپر فائر کرنا چاہا۔ درد واذیت سے تڑپنے کی وجہ سے وہ مجھے اپنے نشانے پر نہیں لے سکا۔ کلاشنکوف سے پے در پے آٹھ دس گولیاں چلیں اور پھر میگزین خالی ہوگیا لیکن اس شخص کی آنکھوں میں میرے لئے بدترین نفرت موجود تھی۔

اس کے چہرے پر ڈھاٹے کی صورت میں بندھا ہوا بڑا سا رومال کھل کر دور گر گیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کلاشنکوف لینا چاہی تو اس نے زمین پر پڑے پڑے وہ آہنی ہتھیار لاٹھی کی طرح میری پنڈلیوں پر رسید کرنا چاہا۔ اگر میں پھرتی سے اچھل کر دور نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس نے میری کوئی پنڈلی توڑ دی ہوتی۔

میں نے دور ہٹ کر رائفل لوڈ کی اور اس کی نال اس کے سینے کی طرف تان لی "کلاشنکوف دور پھینک دو' ورنہ میں فائر کردوں گا" میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔

"فائر کرد" اس نے اپنا سینہ زمین سے اٹھا کر حقارت سے کہا "میں نے ہتھیار ڈالنا نہیں سیکھا۔"

اس کی دونوں ٹانگیں چھلنی ہوگئی تھیں' زخموں سے بے

تحاشا خون بہہ چکا تھا' مزید خون بہہ رہا تھا لیکن اس کی حوصلے میں کوئی فرق نظر نہیں آرہا تھا۔

اسی اثناء میں سلطان شاہ محمود کے ساتھ وہیں آگیا نے بتایا کہ ہماری رائفلوں کا نشانہ بننے والے پانچوں حریف تھے' چھٹا میرے سامنے زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔

عورت زندہ تھی جسے ویرا نے اپنے قابو میں کرلیا تھا۔

"تم کس کے آدمی ہو؟" اپنے زخمی حریف کی نظر رکھتے ہوئے میں نے اس سے قدرے نرم لہجے میں لیکن اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے تھوک دیا۔

میں اس سے دور تھا' اس کا تھوکا ہوا' خود اسی گیا لیکن اپنے عمل سے اس نے اپنی ضدی طبیعت کا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ضد میں آجانے پر اپنی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

"مارو... سوچ رہا ہو تو گولی مارو۔ میں موت سے والا نہیں ہوں" اس نے نفرت اور غصے سے مجھے للکارا۔

اسی وقت ویرا اس خستہ حال عورت کو بالوں تقریباً گھسیٹتی ہوئی وہاں لے آئی۔

زمین پر پڑے ہوئے زخمی پر نظر پڑتے ہی اس عو دہشت اور خوف سے پھیل گیا۔ اس کے جسم میں نہ سی طاقت سمٹ آئی کہ وہ ایک ہی جھٹکے میں اپنے با گرفت سے چھڑا کر "ہائے میرا جانو ماچھی" کہہ کر ز سے لپٹ گئی۔ زخمی نے اپنے ہاتھ سے کلاشنکوف چھو عورت کو سختی کے ساتھ اپنی بانہوں میں بھینچ لیا او چہرے کی سختی یکلخت محبت آمیز طمانیت اور سکون میں گئی۔

"آج میرا وقت آگیا ہے رانی!" جانو ماچھی کے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "مجھے حیرت ہورہی ہے لیکن جس دن ہتھیار اٹھائے تھے' مجھے اسی دن اپنا انجام وقت آتا ہی آتا ہے' بس دیر سویر کی بات ہوتی ہے۔"

میں سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر کھڑا ان دونوں تھا۔ عورت کی زبان سے جانو ماچھی کا نام سن کر مجھے ہوا تھا جیسے بے خبری میں کسی نے میرے سر پر لٹھ دے میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میں غزالہ عذاب میں مبتلا کرنے والے' جانو ماچھی سے اپنا ا سکوں گا لیکن قدرت کے حسابات اٹل ہوتے ہیں چکانے کے لئے اجل خود ہی اسے کوٹ مندو کے را لائی تھی۔

جانو ماچھی کی دونوں پنڈلیاں میری فائرنگ سے ٹوٹ چکی اس کے زخموں سے خون کی دھاریں بہہ کر خاک کو رنگین نہیں اور وہ اپنی رانی کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اسے دل کی ڈوبتی ہوئی دھڑکنیں سنا رہا تھا' اپنے دل کی دھڑکنوں الفاظ کا روپ دے کر اسے اپنے انجام سے آگاہ کررہا تھا۔

طرف میں تھا' مجھے ہر قدم پر اپنے دشمنوں پر کسی نہ کسی برتری حاصل ہوتی رہتی تھی۔ میں اپنے لہو کی بو پر لگے سفاک بھیڑیوں کے تنگ ترین نرغوں سے بھی زندہ و نکل آتا تھا۔ جمی لائیڈ مجھے زیر کرنے کی آرزو میں اپنے چاٹ رہا تھا' دلدار آغا میرے لئے بچھائے ہوئے جال میں کر خود ہی جہنم واصل ہوچکا تھا' ویرا میرے خون کی پیاسی کے بعد دوبارہ میری بے دام کنیز بن گئی تھی' کوئی معذوری یا میری پیش قدمیوں کی راہ میں حائل نہیں تھی مگر پھر بھی رانی' میری غزالہ مجھ سے دور تھی۔

غزالہ کو مجھ سے دور دھکیل دینے والا مغلوب ومعذور' جانو اس وقت یک بیک میری انا کے لئے ایک چیلنج بن گیا۔ کی طرف سے میری آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔ ...ت! سیدھی کھڑی ہوجا۔"

"اسے میرے پاس رہنے دو" جانو ماچھی نے نرم اور نادمانہ لہجے میں کہا "تم جو کوئی بھی ہو' مجھ پر غالب آچکے ہو' جانتا ہوں کہ میں مررہا ہوں۔ میرے زخموں سے خون بہہ رہا ...۔ رانی کو بھینچنے سے جریانِ خون اور تیز ہورہا ہے۔ میں زندگی قانون سے بھاگتا رہا اور مرتے دم تک اس کے چنگل سے ...ادر رہنا چاہتا ہوں۔ یہ میری مٹی اور میری زمین ہے' مجھے اسی ...ان جنگل سے پیار ہے' تم مجھے سکون کے ساتھ اسی ویرانے ... مرجانے دو' میں تمہارا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گا' رانی ...رے پاس رہی تو میں جلد ہی اور سکون سے مرجاؤں گا۔"

اس کے لہجے کے سکون اور اعتماد نے مجھے حیران کردیا۔ وہ ...دلیری اور بے خوفی سے اپنی موت کا ذکر کررہا تھا وہ معمولی ...گردے والے کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔ وہ مرد تھا اور کسی مرد کی طرح بول رہا تھا لیکن اس کی رانی' اس کی چوڑی چکلی چھاتی ...منہ چھپائے کسی عام عورت کی طرح بلک بلک کر رورہی تھی۔ صورتِ حال کچھ اتنی گمبھیر اور اثر انگیز ہوگئی کہ میں نے ...ہدایت پر اصرار نہیں کیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟ اس کے سینے پر فائر کرو اور اس کا قصہ ...م کرو" محمود نے مجھے متذبذب دیکھ کر تیز لہجے میں کہا "اگر یہ سچ ...رہا ہے اور جانو ماچھی ہی ہے تو اس کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر ...وست کی طرف سے دو لاکھ روپے کا انعام مقرر ہے۔ اس کی ...کت پر تم سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔"

"نہیں سائیں!" اس نے اپنا کلاشنکوف والا ہاتھ فضا میں بلند کرکے اضطراری لہجے میں کہا پھر فوراً ہی وہ ہاتھ دوبارہ اپنی رانی کی پشت پر یوں جمالیا جیسے اسے یہ ڈر ہو کہ ہم میں سے کوئی رانی کو گھسیٹ کر اس کے سینے پر سے الگ ہونے پر مجبور نہ کردے۔

"یہ ظلم نہ کرو ...... مجھے معلوم ہے کہ میں مررہا ہوں" جانو ماچھی کہہ رہا تھا "تمہارا انعام کہیں نہیں جاتا۔ وہ تمہیں مل جائے گا مگر مجھے اپنی آخری خواہش ضرور پوری کرنے دو' رانی کی بانہوں میں آخری لمحے گزارنا میری ہمیشہ کی آرزو رہی ہے۔ اس کے پورا ہونے سے تمہارا کیا نقصان ہوگا؟"

رانی کی آمد اور مداخلت سے پہلے جانو ماچھی' زخمی ہونے کے باوجود وحشی درندہ بنا ہوا تھا' مجھ پر غضبناک تیوروں کے ساتھ تھوک رہا تھا' اپنی کلاشنکوف کے کندے سے مجھے زخمی کرنا چاہ رہا تھا اور جب میں نے اسے فائر کرنے کی دھمکی دی تو اس نے میرے حکم کی تعمیل کرنے کے بجائے اپنا سینہ تان کر میرے آگے کردیا تھا اور خود مجھے گولی چلانے کی دعوت دے بیٹھا تھا لیکن رانی کا نرم ومہربان وجود میسر آتے ہی اسے اپنی سسکتی ہوئی زندگی کے ایک ایک لمحے سے یک بیک بے انتہا پیار ہوگیا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھی' میں نے اندازہ لگایا کہ جانو ماچھی کو اسی طرح عزیز تھی جس طرح مجھے اپنی غزالہ پیاری تھی۔

اس نے غزالہ کو مجھ سے دور کیا تھا۔ اس کی مداخلت کی وجہ سے وہ ملا سرکار کی حیوانی تحویل میں پہنچی تھی مگر وہ سب اس وقت کے قصے تھے جب جانو ماچھی شہ زور اور بے لگام تھا لیکن اس وقت صورتِ حال یکسر بدل چکی تھی۔ غزالہ اس کی تحویل اور دسترس سے بہت دور تھی۔ وہ چاہتا بھی تو غزالہ کو مجھ سے ملانے کے لئے کچھ نہیں کرسکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قریب المرگ تھا اس لئے میں نے کم ظرفی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس کی آخری خواہش قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ٹھیک ہے' ہم تمہاری خواہش کے مطابق یہ تماشا بھی دیکھ لیں گے" میں نے اپنی رائفل کی نال جھکاتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا "لیکن یہ تو بتاؤ کہ رانی تمہاری کون ہے؟"

جانو ماچھی کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں میرے لئے ممنونیت کے جذبات امڈ آئے۔ اس نے خالی کلاشنکوف چھوڑ دی اور پھر رانی کی پشت پر دونوں ہاتھ جوڑ کر میرا شکریہ ادا کرتا ہوا عجیب سے لہجے میں بولا "سائیں! یہ میری رانی ہے' میری بیوی ہے۔ اس نے مجھے بڑا پیار اور حوصلہ دیا ہے۔ اس نے مجھے بہت سمجھایا کہ میں قتل اور ڈکیتی چھوڑ دوں۔ جس دن اس نے سمجھ لیا کہ یہ عمر بھر مجھے نہیں سمجھا سکے گی تو یہ بھی میرے ساتھ ایک دم ڈاکو بن گئی۔ کبھی یہ میرے ساتھ رائفل چلاتی ہے اور کبھی تم جیسے بھٹکے ہوئے' مال دار لوگوں کو ویرانوں میں روک کر میرے جال میں پھنسا دیتی ہے" شدید زخموں کی اذیت' بہت زیادہ خون

بہہ جانے کی نقاہت اور رانی کے قرب کے جذباتی ہیجان کے باوجود جانو ماچھی کی آواز حیرت ناک حد تک ہموار اور پُرسکون تھی۔

"تم نے اپنا اور رانی کا تعارف کرادیا تو اب یہ بھی سن لو کہ میں کون ہوں" میں نے سرد آواز میں کہا "میں اس لڑکی کا ہونے والا شوہر ہوں جسے تم نے فرار ہوتے وقت کراچی کی ایک حوالات سے اغوا کیا تھا۔"

اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی اُمڈ آئی "کیا میں واقعی یہ مان لوں کہ اب دنیا اتنی سکڑ گئی ہے؟ چند دن پہلے میں نے تمہاری عورت کے ساتھ ظلم کیا اور آج تم نے کچھ نہ جانتے ہوئے بھی، اس ویران جنگل میں مجھے مار گرایا۔ نہیں سائیں، نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا، تم مجھ سے مذاق کررہے ہو۔"

"مذاق نہیں، یہ مکافاتِ عمل ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم ہم پر حملہ آور نہ ہوئے ہوتے تو ہم خاموشی کے ساتھ یہاں سے گزرتے چلے جاتے لیکن یہ نہیں ہوسکتا تھا۔ قدرت کے اپنے اٹل اصول ہوتے ہیں۔ جسے ہم اپنا عزم اور ارادہ سمجھتے ہیں وہ دراصل قدرت کی ڈور ہوتی ہے جس کے دوسرے سرے پر ہم کٹھ پتلیوں کی طرح اچھلتے کودتے اور ناچتے گاتے ہیں۔ قدرت تمہیں میرے انتقام کے الاؤ میں دھکیل رہی تھی۔ تم نے ہمیں لوٹنے کے لئے حملہ کیا تھا لیکن دیکھ لو کہ اپنے پانچ ساتھی آناً فاناً میں گنوا دینے کے بعد تم ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ ہم چاہیں تو تمہاری زندگی اور موت کے درمیان حائل چند سانسوں کے دوران میں بھی تمہیں محرومی کی تڑپ کا تماشا دکھا سکتے ہیں لیکن میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں اس لئے وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔"

"کاش... کاش، تم نے مجھ پر گولیاں نہ چلائی ہوتیں۔"

میرے خاموش ہوتے ہی وہ حسرت آمیز لہجے میں بول پڑا "تو میں تمہاری عورت تم کو واپس دلوانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرسکتا تھا۔"

میں تلخ انداز میں ہنس دیا "چند منٹ پہلے تم نفرت اور حقارت سے میرے اوپر تھوک رہے تھے اور شاید میں بھی مشتعل ہوکر تمہارے سینے میں گولی اتار دیتا لیکن رانی درمیان میں آگئی۔ تمہاری التجا اور پھر میری رضامندی کے بعد یہ نوبت آئی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں دوستانہ انداز میں سوچ رہے ہیں۔ اس لئے یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ تمہارے معذور اور زخمی ہوئے بغیر بھی یہ سب ہوسکتا تھا۔ میرے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ اب تم اپنے کئے پر کسی حد تک پشیمان ہو اور طاقت و ہمت نہ ہونے کے باوجود اس کا ازالہ کرنے کی خواہش رکھتے ہو... اگر تم میرے ساتھ مخلص ہو تو صرف اتنا بتادو کہ غزالہ کہاں اور کس کے پاس ہے؟" اس کی حسرت زدہ آرزو نے میرے دل میں یک بیک امید کے نئے دیے روشن کردئے تھے۔

"کرسکتا تھا، کہہ نہیں سکتا" اس کا لہجہ کھرا اور دوٹوک تھا۔

"میرا پیر بہت پہنچا ہوا بزرگ ہے لیکن ہمیں غیروں سے اپنے پیر سرکار کا نام لینے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ ہماری ہر پریشانی کا حل نکال لیتا ہے۔"

"نام نہ لو لیکن تصدیق یا تردید ہی کردو" میں اٹھ کر اس کی طرف بڑھ کر بولا "تم ملا سرکار کی بات تو نہیں میری زبان سے ملا سرکار کا نام سن کر اس کے زلزلے جیسے آثار نمودار ہوئے اور اس کا سر زور زور میں ہلنے لگا "نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ نام تمہیں کس بہت بڑا روحانی بادشاہ ہے، ہم لوگ اس کے قدموں کی برابر بھی نہیں ہیں۔ میرا پیر بھی بہت پہنچا ہوا ہے لیکن سائیں سرکار کے قدموں کی دھول ہے۔"

سائیں سرکار کے الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے عقیدت نمودار ہوگئی تھی اور آواز بھی احترام آمیز ہو ان تبدیلیوں سے میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ ملا سرکار ہی مگر اپنے گرو کی ہدایت پر اپنے اور اس کے تعلق کو آشکار پر آمادہ نہیں تھا۔

"تم مرنے والے ہو، اس وقت جھوٹ نہ بولو، تم سے اگر غزالہ کی عزت اور جان بچ گئی تو ہوسکتا ہے کہ جہان میں اسی ایک سچ پر تمہاری مغفرت کے کچھ سا ہوجائیں" میں نے ان کڑے اور جذباتی لمحات سے بھ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے جانو ماچھی کو اعتراف اکسانا چاہا۔

اس کی کھوپڑی، گھڑی کے پنڈولم کی طرح ایک بار میں آگئی۔

میرا اصرار اور جانو ماچھی کا انکار جاری رہا۔ اس میں جسم سے زیادہ خون بہہ جانے کے باعث اس پر شد کا حملہ ہوا اور اس نے دردناک انداز میں اپنا نچلا ہونٹ میں دبا کر اپنی آنکھیں موند لیں۔

رانی اس کے سینے سے لپٹی ہوئی تھی اور اس کی بدلتی ہوئی کیفیت کو ہم سب سے زیادہ محسوس کررہی تھی اس کا گریہ زور پکڑنے لگا۔

"یہ تو ہمارے ہاتھوں سے گیا" ویرا نے انگریزی "چند ہی منٹ میں اس کی بیوی، بیوہ ہونے والی ہے۔ اب کی زبان سے کچھ اگلوانا پڑے گا۔"

"تھوڑی دیر کے لئے ان دونوں کو ان کے حال پر میں نے ترحم آمیز لہجے میں کہا "اس کا دم نکلنے پر شاید اپنے آپے میں نہیں رہے گی۔ اس کا جذباتی بحران گزر پہلے میں اسے چھیڑنا پسند نہیں کروں گا۔"

"تم واقعی بہت عظیم انسان ہو" ویرا جل کر بولی "تم مُردے کو دفن کرنے کی خوشی میں تیسرے، دسویں اور چ

بھی کرتے ہو، وہ سب بھگتانے کے بعد اس عورت سے باز پرس کرنا، اس وقت تک کے لئے ہم ان بکھری ہوئی لاشوں کے درمیان ہی کہیں خیمے گاڑ لیتے ہیں۔"

ویرا کے اس لب و لہجے پر محمود نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ زبان سے کچھ نہیں بولا۔

"سلگنے کی ضرورت نہیں، ہم اسے قیدی بنا کر اپنے ساتھ بھی لے جاسکتے ہیں۔ محمود اسے اپنے وسیع و عریض باغ کی کسی کوٹھری میں بند کرادے گا..."

محمود نے وہ تجویز سنتے ہی تشویش آمیز لہجے میں میری بات کاٹ دی "یہ نہیں ہوسکے گا... ہرگز نہیں ہوسکے گا۔ ابا جان کو بھنک بھی مل گئی کہ ہم نے کسی لڑکی کو باغ میں قید کیا ہوا ہے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میں اسے بری نیت سے کہیں سے اٹھا لایا ہوں اور پھر مجھ سے کچھ پوچھے بغیر میری چمڑی ادھیڑ ڈالیں گے۔"

"اور اگر میں اسے لے جاکر انہی کی تحویل میں دے دوں؟" میں نے ویرا کو آنکھ مارتے ہوئے محمود سے پوچھا۔

"یہ مناسب رہے گا" اس کا لہجہ پرسکون ہوگیا "اس صورت میں تمہیں ان کو بھی پوری کہانی سنانا پڑے گی۔ تم نے کوئی فرضی قصہ تراش لیا تو یہ عورت ہی سب کچھ اگل دے گی اور ابا جان چاہیں گے کہ تمہیں اس عورت سے جو کچھ پوچھنا ہے وہ انہی کے سامنے پوچھا جائے۔ اس طرح تم اپنے راز کو پوشیدہ نہیں رکھ سکو گے۔"

وہ بے چارہ اس باز پرس سے لاعلم تھا جو اس کے ابا جان تخلیہ میسر آتے ہی خود شروع کردیتے۔

جانو ماچھی نے چند ہی منٹ بعد زمین پر سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ رانی کے بین نے زمین و آسمان کو ایک کرنا شروع کردیا۔ ہم میں کسی کو جانو ماچھی سے ذرا بھی ہمدردی نہیں تھی لیکن رانی کا بین اس قدر دلدوز اور بے ساختہ تھا کہ میں اندر سے کانپ اٹھا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اپنے مرد کو ٹوٹ کر چاہتی تھی اور اس کے مرجانے پر خود کو بالکل بے آسرا اور تنہا محسوس کررہی تھی۔ ویرا جو چند ثانئے پہلے مجھ پر تنقید کررہی تھی، میرے کچھ کہے بغیر، خود ہی بڑھ کر رانی کو دلاسا دینے میں مصروف ہوگئی تھی۔

اس دشوار گزار اور ویران جنگل میں ڈاکو موجود تھے تو یہ بھی یقینی امر تھا کہ پولیس والے ان اطراف میں آتے رہتے ہوں گے۔ فرض شناس اہل کاروں کو ڈاکوؤں اور تخریب کاروں کی تلاش ہوتی ہوگی تو فرض ناشناس اور راشی عمّال لوٹ مار کے مال میں سے اپنا حصۂ رسدی وصول کرنے آتے ہوں گے اس لئے مجھے لاشوں کے بارے میں کوئی فکر نہ تھی۔ کوئی نہ کوئی انہیں دریافت کرکے ان کی تدفین کا بندوبست کراسکتا تھا۔

اس خونی ڈرامے میں جو کچھ ہوا، وہ رانی سے پوشیدہ نہیں تھا۔ اس نے خود ہی اس ڈرامے میں افتتاحی اور بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کے نرغے میں گھری ہوئی تھی اس لئے سہاگن سے بیوہ ہونے کے صدمے سے اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔

"تم نے میری مانگ اجاڑ دی، اب مجھے کیوں گھیرے ہوئے ہو؟ جاؤ، اور مجھے میرے جانو کے پاس اکیلا چھوڑ دو" اس نے اپنی سرخ اور ویران آنکھوں سے باری باری ہم چاروں کو گھورتے ہوئے، رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"جانو ماچھی پر دو لاکھ کا انعام مقرر تھا، اس کی لاش ہم اپنے ساتھ لے جارہے ہیں" محمود نے اسے آگاہ کیا۔

وہ دو فقرے سنتے ہی رانی بری طرح مچل گئی "جانو کی لاش میں ہرگز نہ لے جانے دوں گی۔"

اس کا ردِعمل ظاہر ہوتے ہی میرے ذہن میں خود بخود ایک نئی راہ متعین ہوگئی۔ میں نے اسے راہ پر لانے کے لئے گفتگو کا فرض خود سنبھال لیا "ہم تعداد میں چار اور ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ تم نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی گولی ماردیں گے کیونکہ تم بھی انہی کی ساتھی ہو۔"

وہ کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح چند ثانیوں تک اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی پھر بولی "تم زبردستی پر اتر آؤ تو جو چاہو، وہ کرسکتے ہو لیکن یہ سوچ لو کہ انعام کے نام پر تم پولیس والوں کو پیسے کے عوض ایک لاش بیچو گے اور یہ رقم بھی تم کو مدتوں تک دھکے کھلا کر بڑی مشکل سے دی جائے گی۔"

"تم جو چاہو کہہ لو مگر انعام، انعام ہی ہوتا ہے۔ ہم علاقے کے معزز لوگ ہیں۔ حکومت سے اپنا حق وصول کرنا اچھی طرح جانتے ہیں" میں نے اس بار بھی سخت لہجہ اپنایا تھا۔

"تم لوگ سنگدل نہیں ہو" وہ فوراً ہی مصالحت پر اتر آئی۔ "تم نے جانو ماچھی کی آخری خواہش پوری کی ہے تو مجھے بھی اپنے سہاگ کے کفن دفن کا بندوبست کرنے دو۔ جانو ماچھی ڈاکو ہوتا تو میں ابھی تم کو دو لاکھ روپے دینے کا وعدہ کرلیتی لیکن تم یقین کرو کہ وہ فرشتہ تھا، لوٹ کا سارا مال اپنے ساتھیوں اور گاؤں گوٹھ کے غریبوں میں بانٹ دیتا تھا۔ ہماری جمع پونجی چند اچھے ہتھیاروں اور دس بیس ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ چند ثانیوں کے لئے خاموش ہوئی اور ہم میں سے کسی کے بولنے سے پہلے ہی دوبارہ بولنے لگی "جانو مرگیا، تم اس کی لاش پولیس کے حوالے کردوگے تو وہ لوگ اس کے گھر اور گاؤں والوں کو کئی دن تک تھانے میں خوب ذلیل کریں گے۔ پھر سرکاری اسپتال والے لاش کو چیر پھاڑ کر اس میں برف بھردیں گے۔ اسے اس کی سزا مل چکی ہے، جب تم نے اس کی زندگی میں اس پر رحم کیا ہے تو اس کے مرنے کے بعد اپنے اس رحم کو واپس نہ لو۔"

"یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تم ہمیں جانو ماچھی کے

پیر کے بارے میں بتاؤ۔"

"ہم پیر سے حلف لیتے ہیں کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ ہمارے لئے اوپر خدا ہے تو نیچے بس پیر ہی پیر ہے۔ ہم مر تو سکتے ہیں مگر اپنا حلف نہیں توڑ سکتے۔"

"کچھ نہ بتاؤ' ہاں یا نہ میں میرے سوال کا جواب دے دو کہ کیا ملا سرکار ہی تمہارا پیر ہے؟"

وہ مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز رہیں اور میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے وجود میں گومگو کی کیفیت برپا ہو چکی تھی۔

"تم وعدہ کرتے ہو کہ پھر جانو کی لاش کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے؟" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد اس نے پوچھا۔

"یہ ہم سب کا وعدہ ہے کہ جواب مل جانے پر یہ لاش تمہاری ہو جائے گی۔"

اس کا سر زور زور سے اثبات میں ہلنے لگا پھر وہ زور سے بولی۔

"جاؤ' اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

محمود' رانی کے ساتھ میرے ہمدردانہ رویّے پر ناراض نظر آرہا تھا۔ وہ برا سا مُنہ بنا کر بولا "تم بلاوجہ اس عورت پر ترس کھا رہے ہو' اسے جانو ماچھی اس لئے فرشتہ نظر آرہا ہے کہ وہ اس کا شوہر تھا اور یہ خود بھی اس فرشتے کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ جانو ماچھی کی حقیقت تمہیں ان لوگوں سے معلوم کرنا چاہئے جو اس کے ہاتھوں دکھ اٹھانے کے بعد بھی زندہ ہیں' جو لوگ مارے گئے' ان کا تو ذکر ہی بے کار ہے۔"

رانی نے اپنی گردن جھٹک کر محمود کو خونخوار نظروں سے گھورا اور پھر درشت لہجے میں بولی "تم چپ رہو' جانو ماچھی کبھی بھی سیدھے سادے اور بے گناہ لوگوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا۔ وہ ان سیٹھوں کے خون کا پیاسا تھا جو غریبوں کا خون چوس کر دن رات اپنی تجوریاں بھرتے رہتے تھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ملا سرکار ہندوؤں سے میل جول رکھتا ہے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے رانی کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے سوال کیا۔

رانی کے چہرے پر غصے کی سرخی پھیل گئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت مشکل سے اپنے غصے کو ضبط کر رہی تھی۔ وہ بولی تو اس کی آواز غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی "تم اپنے وعدے سے پھر رہے ہو' تم نے ایک سوال کا جواب ملنے پر یہاں سے چلے جانے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک یہیں موجود ہو۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں میں اپنے پیر کی کتنی عزت ہے۔ اپنے پیر کے خلاف کوئی بات سننے کے ہم عادی نہیں ہیں اگر میں بے بس' مجبور اور نہتی نہ ہوتی تو ابھی تمہیں تمہاری زبان درازی کا مزہ چکھا دیتی۔ تم زیادہ سے زیادہ مجھے مار سکتے ہو لیکن یاد رکھو کہ اب میں اپنے مقدس پیر کے بارے میں تمہاری زبان سے کوئی لفظ برداشت نہیں کروں گی۔"

"چلو' پھر یہ قصہ ختم ہی سمجھو" میں اسے باتوں میں لگا کر اس سے مزید کچھ باتیں اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"قصہ ختم' تو پھر جاؤ اور مجھے میرے جانو کے پاس تنہا چھوڑ دو۔"

"جانو ایک تندرست و توانا مرد تھا۔ تم اس کی وزنی لاش کا کیا کرو گی۔ ہمارے ساتھ گاڑی پر آجاؤ' ہم تمہیں جانو کی لاش کے ساتھ تمہارے گاؤں تک پہنچا دیں گے۔"

اس کے حلق سے ایک تلخ اور ہذیانی قہقہہ ابل پڑا "تم جاؤ' تم جانو کے قاتل ہو۔ میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتی۔ جانو ان علاقوں کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اسے ان جنگلوں اور ویرانوں میں دنیا کی ہر نعمت میسر تھی' تم چلے جاؤ گے تو یہاں سب کچھ آجائے گا۔ میں چاہوں تو اپنے سرتاج کی لاش توپ پر سجا کر گاؤں لے جا سکتی ہوں۔ مگر تم چلے جاؤ' خدا کے لئے' اپنے وعدے کا پاس کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

اس نے جنون کے عالم میں آگے بڑھ کر میری جیکٹ کا گریبان دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا اور پوری قوت کے ساتھ پیچھے کی طرف دھکّے دینے لگی۔

ویرا اس دل شکستہ عورت کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھی اس لئے اس نے رانی کی جسارت پر کوئی تعرض نہیں کیا لیکن محمود اس سے بہت زیادہ بدظن تھا اور اسے ذرا بھی رعایت دینے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ بہت تیزی کے ساتھ رانی پر لپکا لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

رانی اشتعال بلکہ جنون کے عالم میں مجھ سے لپٹی جا رہی تھی۔ میرے گریبان کو بری طرح جھٹکے دے رہی تھی لیکن میرا ذہن ایک عجیب اور لطیف سی دُھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ عملاً میں نے خود کو رانی کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

قدرت کے کھیل نیارے اور انسان کے تخیل سے ماورا ہوتے ہیں۔

ملا سرکار کی تلاش میں کراچی سے ان اطراف کا سفر کرتے ہوئے جانو ماچھی کا نام میرے ذہن کے نہاں خانوں میں بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ اس نے غزالہ کو حوالات سے اغوا کر کے میرے کھیل کی بساط الٹ دی تھی مگر اسی کے ساتھ وہ خود یوں غائب ہو گیا تھا جیسے میری کہانی میں اس کی شمولیت اسی ایک واقعے کے لئے ہوئی تھی لیکن مکافاتِ عمل نے اسے اس ویرانے میں میرے سامنے لا کر اسے اس کے انجام کو پہنچا دیا تھا اور وہ پوری طرح میری کہانی کا ایک بھرپور کردار بن گیا تھا۔

[illegible] عجیب بات تھی کہ کچھ روز قبل جانو ماچھی نے غزالہ [illegible] کو حوالات سے اٹھایا تھا۔ یہ امر یقینی تھا کہ اغوا کی اس واردات میں جانو ماچھی نے غزالہ کی مزاحمت پر اس سے

[illegible] بھی ضرور کی ہوگی۔ اس نے دھونس' دھاندلی اور تشدد [illegible] غزالہ کو اغوا ضرور کیا تھا مگر اس نے غزالہ کی حرمت [illegible] بد نظر نہیں ڈالی تھی اور یہ قدرت کا اپنا انتظام تھا کہ جانو [illegible] کی بیوی' بیوہ ہونے کے بعد مجھ سے الجھ رہی تھی' لڑ رہی تھی [illegible] نرم و نازک وجود کی مار سے بالکل اسی طرح مجھے زیر کرنا [illegible] تھی جس طرح غزالہ نے اپنے اغوا کی واردات کو ناکام [illegible] کی کوشش کی ہوگی۔

[illegible] وقت اور حالات کے بھیانک گرداب میں پھنس کر اس [illegible] میری سوچ عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ بے بس اور مجبور رانی [illegible] ساتھ نبرد آزما پا کر مجھے آسودگی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ [illegible] کی بیوی اور اس کی شریک کار تھی لیکن ساتھ ہی ایک خوب [illegible] اور خوش بدن عورت بھی تھی۔ اس کے شوہر نے میری [illegible] کو اس کی مرضی کے خلاف چھوا تھا اور رانی خود ہی وہ [illegible] بے باق کر رہی تھی۔

میں اپنے خیالات کی رَو سے اس وقت چونکا جب میری [illegible] اچانک جیپ کی آہنی باڈی سے جا لگی۔

"جاؤ... تم یہاں سے چلے جاؤ... مجھے میرے جانو کے پاس [illegible] دو" رانی ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر انہی فقروں کی تکرار [illegible] رہی تھی۔

میری پسپائی کا سلسلہ منقطع ہوتے ہی اس نے میری چھاتی پر [illegible] برسانا شروع کر دئے۔

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے گھورا پھر [illegible] قوت سے اس کی کلائیاں دبوچ لیں۔ میری بے رحمانہ [illegible] کا احساس ہوتے ہی اس کی دیوانگی کا دورہ یکلخت موقوف [illegible] اور وہ اپنا تنا ہوا بدن ڈھیلا چھوڑ کر' بلک [illegible]۔

"آؤ" میں نے سلطان شاہ کو اشارہ کرتے ہوئے رانی کی [illegible] کلائیاں چھوڑ دیں اور وہ وہیں ریت پر اکڑوں بیٹھ کر رونے اور [illegible] کرنے لگی۔

"جانو ماچھی کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر واقعی دو لاکھ روپے کا [illegible] مقرر ہے" جیپ میں سوار ہوتے ہوئے محمود نے سرگوشیانہ [illegible] میں مجھے لالچ دلانا چاہا۔

"ہوا کرے" میں نے بے پروائی سے کہا "ہم مردہ فروشی نہیں [illegible] گے۔ وہ زندہ ہاتھ آجاتا تو میں کسی بھی قیمت پر اسے جیل [illegible] سلاخوں سے باہر نہ رہنے دیتا مگر اب بات مختلف ہو گئی ہے۔"

"تم واقعی گریٹ ہو" ویرا گہرا سانس لے کر بولی "میں تو ڈر [illegible] تھی کہ کہیں تم رانی سے ہی انتقام لینے پر نہ تُل جاؤ۔ جھلّایا [illegible] مرد اپنے حریف کی عورتوں کے حق میں وحشی درندہ ثابت ہوتا [illegible] ہے"

میں اسے کوئی جواب دئے بغیر محمود سے مخاطب ہو گیا۔

[illegible] واپس موڑ لو۔"

"کیوں؟" اس نے جیپ کو آگے بڑھاتے ہوئے حیرت سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

"اس الو کی پٹھی نے طبیعت بدمزہ کر دی ہے۔ کسی کو قتل کرنا آسان سی بات ہے لیکن رانی جیسی حسّاس عورت کو بیوہ کرنے کا احساس بہت بوجھل ہو گیا ہے۔"

"ہم آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکے ہیں" محمود تحیّر آمیز لہجے میں بولا "تم گھر سے لڑنے بھڑنے کا ارادہ لے کر نکلے ہو تو ایسے واقعات پیش آتے ہی رہیں گے۔ اس علاقے میں آج کل ڈاکوؤں نے بہت سر اٹھایا ہوا ہے۔ وہ تو تمہارا مقدر یاور تھا کہ تم نے ان سب کو مار لیا۔ ہم لوگوں سے ذرا بھی چوک ہوتی تو کل پولیس والے یہاں ہماری لاشوں کی تصاویر بنوا رہے ہوتے۔ ان لوگوں کو بڑھ کر نہیں مارو گے تو خود مار لیے جاؤ گے۔"

"یہ سب مجھے معلوم ہے لیکن اب میرا ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ خبر ملنے پر جانو ماچھی کے حمایتی واپسی پر ہمیں گھیرنے کی کوشش کریں" سلطان شاہ نے خیال ظاہر کیا۔ "رانی نے دیکھ لیا ہے کہ ہم آگے جا رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا" محمود نے دھیمی آواز میں کہا "اس علاقے کے نامور ڈاکو بھی قول کے پکے اور سدا احسان ماننے والے ہوتے ہیں' تم نے دیکھا نہیں کہ رانی نے کسی قیمت پر ملا سرکار کا نام نہیں لیا تھا۔"

"تم نے اپنے خیال کی وجہ نہیں بتائی" سلطان شاہ نے اسے ٹوکا۔

"یہ آمنے سامنے کا مقابلہ تھا" محمود کہنے لگا "وہ غالب آجاتے تو ہمیں لوٹ مار کر فرار ہو جاتے۔ ہم نے انہیں مار لیا اور جیت گئے۔ رانی اگر واقعی پکی ڈاکو ہے تو وہ ہمیں جانو ماچھی کے قتل کا مجرم نہیں سمجھے گی۔ اس نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے کہ تم نے اس کے مرتے ہوئے شوہر کی آخری خواہش بڑی رحم دلی کے ساتھ پوری کی ہے۔ اس کے علاوہ تم نے دو لاکھ روپے کے انعام کی پروا کئے بغیر جانو ماچھی کی لاش رانی کے حوالے کر دی۔ وہ تمہارے یہ احسانات فراموش نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں لوٹ کر ہماری نشاندہی تک نہیں کرے گی۔"

"اگر اس نے اپنے شوہر کے مشن کو جاری رکھا اور کسی موقع پر دوبارہ ہمیں گھیرنے میں کامیاب ہو گئی؟" ویرا کے لئے گفتگو کا وہ موڑ دلچسپ ثابت ہوا تھا۔

"پھر وہ ذرا بھی رُو رعایت سے کام نہیں لے گی اور شاید سب ہی کو اڑا دے گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ اس وقت اسے ہمارے احسانات یاد نہیں آئیں گے؟"

"وہ ایک اتفاقی اور کھلا مقابلہ ہوگا۔ اتفاقاً تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ انتقاماً ہمارا پیچھا نہیں کرے گی۔ اس لئے ہمیں اس خطرے کو بھول جانا چاہیے" محمود نے وضاحت کی۔

ہمارے عزائم سے واقف ہونے کے بعد محمود نے ابتدا میں ہمیں کسی واضح منصوبہ بندی کے بغیر کوٹ مندو کا رخ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وار او چھا پڑنے کی صورت میں ملا سرکار وہاں سے غائب ہوسکتا تھا لیکن میرے اصرار پر اس نے سفر جاری رکھا تھا اور اب میں واپسی پر آمادہ تھا لیکن وہ سفر جاری رکھنے پر مصر تھا۔

"ہماری واپسی تمہارے ابتدائی مشوروں کے مطابق ہوگی پھر تم سفر جاری رکھنے پر کیوں اصرار کررہے ہو؟" قدرے توقف کے بعد میں نے الجھن آمیز لہجے میں اس سے سوال کیا۔

"اس وقت بھی میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم براہ راست کوٹ مندو پر دھاوا بول دیں۔ ہم ملا سرکار کے گاؤں کے قرب و جوار میں شکار کھیل کر اندھیرا ہونے سے پہلے بہ آسانی واپس لوٹ سکتے ہیں۔ ابھی بہت لمبا دن پڑا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران ہمیں کوئی کام کی بات بھی معلوم ہوجائے۔"

میں خاموش ہوگیا اور جیپ ناہموار راستوں پر اچھلتی کودتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔

کافی دیر تک ہم چاروں ہی خاموش رہے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے آنے والے لمحات کے بارے میں اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک فکر مندی کا شکار ہوگیا ہو۔ دورانِ سفر جانو ماچھی اور اس کے ساتھیوں کو مارلینا ہر اعتبار سے ایک نیک شگون تھا لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اگلے کسی معرکے کا انجام کیا ہوگا۔

راستے میں ہم ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب سے گزرے۔ جیپ کے انجن کی آواز اور اس کے پیچھے اُڑتے ہوئے گرد و غبار کو دیکھ کر گاؤں کے بہت سے میلے کچیلے 'خستہ حال اور نیم برہنہ بچے دوڑتے ہوئے گاؤں سے باہر آگئے تھے۔ ان میں سے خاصے بچے بالکل ننگ دھڑنگ تھے جنہیں دیکھ کر میں اندر ہی اندر لرز اٹھا۔ چیختے چلاتے ہوئے بچوں نے اپنی ننھی ننھی مٹھیوں میں پتھر یا ریت بھر کر' جیپ کی طرف اچھال کر اپنے جوش و خروش کا اظہار کیا۔ وہ جیپ سے اتنی دور تھے کہ ان کا پھینکا ہوا کنکر بھی جیپ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"ان بچوں اور جانوروں کی زندگی میں کیا فرق ہے؟" پیچھے سے ویرانے عبرت انگیز لہجے میں تبصرہ کیا "بعض بچوں کی پسلیاں تک یہاں سے صاف نظر آرہی ہیں۔"

"خشک' بنجر اور دور افتادہ دیہاتوں میں انسانی زندگی اس سے بھی زیادہ عبرت ناک ہوتی ہے" محمود نے ٹکڑا لگایا "کہیں کہیں تو میلوں میل تک آوارہ چوپائے تک نظر نہیں آتے لیکن وہاں بھی انسان ملتے ہیں جو پچھلی برسات سے بھرے ہوئے جوہڑ... جراثیم زدہ پانی اور خود رو جھاڑیوں پر اپنا گزارہ کرتے ہیں۔"

"جیپ روک لو!" میں نے اسے ہدایت کی۔ انسان... بچوں کو دیکھ کر میرا رواں رواں کانپ اٹھا تھا۔ وہ بھی... زمین پر اشرف المخلوقات تھے لیکن ان کی زندگیاں جانور... بدتر بسر ہورہی تھیں۔ نہ پینے کو صاف پانی میسر تھا نہ تن... کو صاف اور سالم کپڑا' مگر وہ پھر بھی پیدا ہوتے تھے اور ا... پناہ قوتِ نمو کے زور پر حیرت ناک طور پر زندہ رہتے تھے... سے بہت بہتر حالات میں رہنے والوں پر چیختے چلاتے اور اُچھالتے تھے۔ آسائشیں تو دور کی بات تھیں' انہیں زن... کے بنیادی لوازم تک میسر نہیں تھے۔ غریب عوام' ہار... مزدوروں کی فلاح و بہبود کے زبانی نعرے لگانے والے... کتنے حکمران پاکستان کی بساطِ اقتدار پر نمودار ہوکر روپوش... تھے لیکن صاف نظر آرہا تھا کہ کوٹ مندو کے مضافات م... والے ان آدمیوں اور آدم زادوں کے لئے کسی نے کچھ... تھا۔

وہ بھوک' پیاس' عسرت اور افلاس کے الاؤ میں پیدا... تھے اور محرومیوں کے اسی جہنم میں 'وباؤں سے لڑ کر جوان... تھے۔ زندگی کے بارے میں ان لوگوں کے تلخ ترین نظری... جذبات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا جو شہروں... قدم پر بکھری ہوئی ہزاروں سہولتوں اور آسائشوں کے سا... سے محروم رکھے جاتے تھے۔ اس ماحول میں پلنے بڑھنے... جوان صحیح تربیت اور ماحول نہ ملنے کی وجہ سے باغی اور... ہوسکتے تھے۔ شہروں کی روشنیاں دیکھ کر ان کے وجود م... دوغلے معاشرے سے نفرت کی آگ بھڑک سکتی تھی اور ا... میں سے کسی کو ہتھیاروں کا سہارا مل سکتا تو وہ جانو ماچھی... چور' ڈاکو یا پھریانی بن سکتا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آتی جا... کہ ملا سرکار بلاوجہ ہی کوٹ مندو میں نہیں پڑا ہوا تھا۔ لو... اندھی عقیدت' گنی چنی آبادی میں مکمل ترین تحفظ اور قو... کی بھرپور آزادی کے ساتھ ہی اس کے عزائم کے لئے وہ... بہت زرخیز تھے۔ وہ محنت کے بغیر یا ذرا سی محنت کر کے ان... ذہنوں کو بہت آسانی کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف بھڑکا... جو ایئرکنڈیشنڈ محلوں میں رہ کر ان پر حکومت کرتے تھے ا... کے دسترخوان سے ہر وقت دنیا کی بہترین نعمتیں اتنی مقد... بچتی اور پھینکی جاتی تھیں کہ اس پر پورے پورے گاؤں کا... ہوسکتا تھا۔

پاکستان کے شہری اور دیہی معاشروں کے تضاد پر... بہت سی تقریریں سنی تھیں' کئی مضامین بھی پڑھے تھے لیکن... افتادہ مقامات پر رہنے والوں کے حقیقی مصائب کا اندازہ... درمیان پہنچے بغیر کیا ہی نہیں جاسکتا۔

...جیپ رکتے ہی بیشتر بچے خوف زدہ آوازوں میں شور مچاتے ...ہوئے واپس بھاگ پڑے تھے۔ ان میں سے قدرے بڑی عمر کے ...دو بچے اعتماد سے اپنی جگہ پر کھڑے ہمارا تماشا دیکھتے رہے۔ میں نے جیپ سے اتر کر اشارے سے ان دونوں بچوں کو ...اپنی طرف بلایا لیکن وہ وہیں کھڑے رہے۔ بھاگنے والے بچے اپنی ...دانست میں ایک محفوظ فاصلے پر پہنچ کر رک گئے تھے اور وہیں سے ...شور مچا کر شاید ہمیں شکست دینے کی کوششیں کررہے تھے۔ ان ...کے رویے سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ انہوں نے ہمیں دوست کے ...بجائے اپنا حریف تصور کرلیا تھا۔

"قریب آؤ' ہم تمہارے دوست اور ہمدرد ہیں" محمود نے ...انہیں مخاطب کر کے سندھی میں کہا۔ میرے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ ...میں سندھی اچھی طرح سمجھ سکتا تھا لیکن روانی سے بولنا میرے ...بس سے باہر تھا۔

"دوست ہو تو تم ہمارے پاس آؤ' ہمیں وہاں کیوں بلا رہے ہو؟" ...ان میں سے ایک لڑکے نے تلخ انداز میں کہا "اس کے لہجے ...میں مفاہمت کے بجائے منفی سوچ جھلک رہی تھی۔

محمود نے جیپ میں سے خورونوش کے سامان کی ایک ٹوکری ...اٹھائی اور ان کی طرف بڑھ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ ...میرے لئے وہ ایک نیا تجربہ تھا۔

"تمہارے گاؤں کا کیا نام ہے؟" محمود نے درمیانی فاصلہ ...طے کرتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ جب تک یہاں کے جوہڑوں میں پانی ہے' یہ ...ہمارا گاؤں ہے۔ پانی سوکھ جائے گا تو ہم یہاں سے کہیں اور چلے ...جائیں گے۔ خانہ بدوشوں کی آبادیوں کا کوئی نام نہیں ہوتا" ...بولنے والا دس بارہ سال کا بچہ تھا لیکن اس کے لب و لہجے میں ان تجربات کا رچاؤ نمایاں تھا جن سے وہ اس کم سنی میں ہی گزر چکا ...تھا۔

"یہ لو!" محمود نے خورونوش کے سامان سے بھری ہوئی ...ٹوکری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ہماری طرف سے ...تمہارے لئے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ اس میں کھانے پینے کا ...سامان ہے۔"

اس بچے نے احسان مندی کا کوئی مظاہرہ کئے بغیر محمود سے ...ٹوکری لے لی۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہورہا تھا جیسے وہ ہمیں ...اپنا مقروض تصور کررہا ہو اور توقع سے کم مقدار میں قرض کی ...واپسی پر غیر مطمئن ہو۔

"سگریٹ ہے تمہارے پاس؟" دوسرے لڑکے نے حریصانہ ...لہجے میں محمود سے پوچھا۔

"اتنی چھوٹی عمر میں تم سگریٹ پیتے ہو؟" محمود نے ملامت ...بھرے لہجے میں پوچھا "اس ویران علاقے میں تمہیں اپنا شوق ...پورا کرنے کے لئے سگریٹ کہاں سے میسر آتی ہے؟"

"ہم جھاڑیاں اور ان کی جڑیں ابال کر کھاتے ہیں۔ ہمیں سگریٹ کہاں سے ملے گی؟" اس نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا تھا "میرا باپ کسی عجیب بیماری میں مبتلا ہے۔ سگریٹ پینے سے اسے آرام ملتا ہے۔ کبھی کبھار کوئی گاؤں سے سگریٹ لے آتا ہے یا ہم شکاریوں سے مانگ لیتے ہیں۔ پچھلے کئی ہفتوں سے اس کی سگریٹیں ختم ہوچکی ہیں۔"

میں نے اپنی جیب میں موجود تین پیکٹ' ماچسوں سمیت اس کے حوالے کردیئے اور ٹوٹی پھوٹی سندھی میں اس سے سوال کیا۔ "تم لوگ یہاں اتنی مصیبت کی زندگی گزارنے کے بجائے کسی آباد گاؤں میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں دال' آٹا' چاول' گوشت سب کچھ ہی ملتا ہے' سگریٹیں بھی ملتی ہیں۔"

"وہاں یہ سب چیزیں پیسے سے ملتی ہیں۔ ہم پیسہ کہاں سے لائیں گے؟"

"محنت مزدوری کر کے اتنا تو کما ہی سکتے ہو کہ اپنا پیٹ بھر سکو۔"

"کوئی زمیندار ہمیں مزدوری نہیں دیتا۔ وہ ہمیں خریدنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تم لوگ کہیں آباد ہونے کی کوشش کرچکے ہو؟" محمود نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنی خوشی سے یہاں نہیں رہتے" اس بچے کا لہجہ کسی بڑے آدمی سے زیادہ زہریلا تھا "کتا بھی بھوک سے بلبلاتا ہے تو ویرانہ چھوڑ کر کسی بستی کی طرف بھاگتا ہے جہاں اسے جھوٹی ہڈیاں ملنے کی امید ہو۔ ہمارے بڑے بتاتے ہیں کہ وہ کئی بار بستیوں کی طرف گئے تھے اور ہر بار اپنی کئی عورتیں گنوا کر واپس لوٹنے پر مجبور ہوگئے۔ خود میری ماں بھی پتا نہیں کہاں ہوگی؟"

اس کی باتیں بھیانک تھیں لیکن اس کے سپاٹ لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ عورتیں گنوانے کے ہولناک مفہوم سے یکسر نابلد تھا۔ اس کے معصوم الفاظ میں مجھے ڈراؤنی کہانیاں پوشیدہ نظر آرہی تھیں۔

"ہمارے بڑے اب بستیوں سے خوف کھانے لگے ہیں" وہ اپنی رَو میں بولے جارہا تھا "سفر کرتے ہوئے' دن میں کسی بستی کے آثار یا رات میں روشنی نظر آجائے تو وہ راستہ کاٹ کر دور سے گزر جاتے ہیں یا ویرانوں میں ڈیرے لگوادیتے ہیں۔ ان کی نظریں بچا کر ہم میں سے کچھ بڑے بچے آبادیوں سے کچھ چُرا لاتے ہیں۔ کوئی پکڑا جائے تو ہمارے بڑے رو پیٹ کر اور گاؤں والوں سے معافیاں مانگ کر اسے چھڑا لیتے ہیں۔ وہ آبادیوں سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے وہاں بھوت پریت اور بدروحیں رہتی ہوں۔"

وہ اپنی زندگی کی سنگین حقیقتیں بڑے سادہ اور ایک حد تک معصومانہ الفاظ میں بتا رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں اسی قدر تلخی تھی جتنا وہ سمجھ سکتا تھا۔ اپنی عقل' سمجھ اور تجربے سے ماورا باتیں اس کے لئے سپاٹ تھیں۔ انسان نما بھیڑیوں کی حویلیوں یا

جاگیروں میں چند عورتوں کا گم ہوجانا اس کے لئے اسی طرح افسوس ناک تھا جس طرح میلے کی بھیڑ میں کسی بچی کا گم ہوجانا۔ اس سے آگے نہ اسے کچھ بتایا گیا تھا اور نہ وہ خود سمجھ سکتا تھا۔

"آبادیوں میں سب لوگ برے نہیں ہوتے" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا "تم چاہو تو ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔ پڑھ لکھ کر تم کسی قابل ہوجاؤ گے تو اپنے زورِ بازو سے بہت کچھ کماسکوگے۔ آج کے چند بچے' کچھ دن بعد اپنے پورے قبیلے کی قسمت بدل سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ہمت کرکے کسی نہ کسی کو کوئی بڑا فیصلہ کرنا ہوگا۔"

"ہم ایسے دھوکوں میں آنے والے لوگ نہیں ہیں" اس بچے کے وجود میں چھپا ہوا کچے ذہن کا مرد بول رہا تھا "انسان کسی کی قسمت نہیں بدل سکتا۔ قسمتیں تو آسمان پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ ہماری برادری میں سرکش بچے پیدا نہیں ہوتے۔ کئی تھے جو اچھی زندگی کی آرزو میں گھروں سے بھاگ گئے اور اب ان کا کوئی پتا نہیں ہے' وہ مرکھپ گئے ہیں' بڑے آدمی بن گئے ہیں یا کسی وڈیرے کی غلامی میں زندگی بسر کررہے ہیں' ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ ہم بنجارے ہیں' اپنے دانہ پانی کی تلاش میں چلتے رہتے ہیں۔ اس غول سے کوئی بچھڑ جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جاتا ہے۔ ہم تمہارے ساتھ جاکر کسی قابل ہو بھی گئے تو اپنے قبیلے' اپنے باپ اور اپنے رشتے داروں کو کہاں ڈھونڈیں گے؟ یہاں سے جانے کا مطلب ان سب سے ہمیشہ کے لئے اپنا رشتہ توڑنا ہوگا۔ ہم خود انہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں تو بڑھاپے کے بُرے دنوں میں کون ان کی دیکھ بھال کرے گا؟ کون انہیں قبروں میں اُتارے گا؟"

ہم نے ان کے سامنے اپنی جیبیں خالی کردیں اور بوجھل دلوں سے واپس ہولئے۔

"کیا تمہیں یہ سب پتا نہیں تھا جو ان بچوں کو اس طرح ٹٹول رہے تھے؟ جیپ کا سفر دوبارہ شروع ہوجانے پر میں نے محمود سے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں کیا' اس علاقے کا رہنے والا ہر شخص ان بدنصیبوں کی کہانیوں اور مجبوریوں سے اچھی طرح واقف ہے لیکن میں تمہیں ان بچوں کی زبان سے ان کی کہانی سنوانا چاہتا تھا۔"

خانہ بدوشوں کے وہ بچے اردو زبان سے نابلد تھے جب کہ ویرا اور سلطان شاہ کے لئے سندھی زبان ناقابلِ فہم تھی اس لئے میں ان کو اپنے الفاظ میں بچوں کی کتھا سنانے لگا۔

"ملا سرکار کے بارے میں ان بچوں کا کیا خیال تھا؟" میری گفتگو ختم ہونے پر ویرا نے سوال کیا۔

"میں نے ان سے ملا سرکار کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا" میں نے ایمانداری سے اعتراف کرتے ہوئے کہا "ان کی باتیں اتنی سادہ اور پُراثر تھیں کہ اس وقت میں ملا سرکار کو بھول ہی گیا تھا۔"

"حالانکہ ان سے تم کو بہترین معلومات حاصل ہوسکتی" ویرا نے متاسفانہ لہجے میں کہا "یہ گھومنے پھرنے والے ہوتے ہیں۔ انہیں بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم ہوجاتی دوسروں کے علم میں نہیں آسکتیں۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی لیکن اس کے لئے یہ سمجھنا دشوار کہ دلگیر کردینے والے تذکروں میں مطلب کی کوئی بات رکھنا محال ہوجاتا ہے۔ سوچی سمجھی باتیں دھری کی دھری ہیں اور گفتگو خود اپنا رخ بنالیتی ہے۔

کچھ دیر بعد محمود نے بتایا کہ کوٹ مندو کی نواحی حدود شروع ہونے والی تھیں اس لئے ہمیں شکار کے لئے فائرنگ کا آغاز کردینا چاہئے تھا۔ دور سے اُبھرنے والی فائرنگ کی آوازیں آنے پر کوٹ مندو والے شاید اتنا نہ چونکتے جتنا یک بیک قریب فائرنگ سن کر ہوشیار ہوجاتے۔

ہم نے جیپ وہیں رکوالی۔ دن زیادہ نہیں گزرا تھا' سورج کو نصف النہار پر آنے میں بھی خاصی دیر تھی لیکن منہ اندھیرے ناشتا کرکے نکلنے اور پھر طویل سفر کے باعث کم از کم میری بھوک چمک اٹھی تھی۔

میں نے کھانا کھالینے کی تجویز پیش کی تو سب ہی نے یک زبان ہوکر میری تائید کی اور ویرا نے مردانہ لباس میں ہونے کے باوجود رضاکارانہ طور پر میزبانی کا زنانہ شعبہ سنبھال لیا۔

جیپ کے عقبی حصے میں گیس سے بھرا ہوا سلنڈر' رگو اور چولہا موجود تھا لیکن ویرا ان میں سے کسی چیز کو چھونے پر تیار نہیں تھی' اس کا خیال تھا کہ گھر سے باہر بھی دسترخوان پر اُڑاتے ہوئے' گرم گرم کھانے موجود ہوں تو پکنک کا لطف آتا۔ اس کے نزدیک ہماری وہ مہم پکنک کی طرح تھی اور وہ اسی طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

قیمے' کباب اور پراٹھوں سے کھڑے کھڑے ہی انصاف کیا گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ہم گھر سے خورونوش کا زیادہ سامان لے کر چلے تھے جس میں سے ایک ٹوکری خانہ بدوش بچوں کو دے دینے کے بعد بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ کھانے کے بعد پھلوں کی باری آئی۔ تھرماس سے چائے کی پیالیاں بھر کر جیپ میں اپنی نشستوں پر بیٹھنے پر مجبور ہوگئے کیونکہ بسیار خوری کے سبب سب پر سُستی سوار ہونے لگی تھی۔

میں سخاوت کے جوش میں اپنی تمام سگریٹوں سے ہوچکا تھا۔ کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد تمباکو کی طلب نے شدّت سے سر ابھارا تو مجھے افسوس ہوا کہ میں نے سگریٹیں کیوں نہ روک لیں۔ یہ میرا اصل روپ تھا۔ بدوش بچوں کے سامنے میں جو کچھ کررہا تھا وہ ایک جذباتی نتیجہ تھا۔ ایسے جذباتی ابال دنیا کے بُرے سے بُرے انسانوں کی برائیوں کو بھی اپنے جھاگوں میں چھپالیتے ہیں اور یہ جھاگ بیٹھ جانے کے بعد جو کچھ سامنے آتا ہے وہ انسان کا اصل روپ ہوتا ہے۔ اصل روپ میں آنے کے بعد انسان کو عموماً اپنے ان فیصلوں پر افسوس ہوتا ہے جو وہ جذباتی ابال میں آکر کرگزرتا ہے۔

میری محرومی خاصی ناپائیدار ثابت ہوئی۔ ویرا نے اپنے لئے سگریٹ سلگائی تو مجھے یاد آگیا کہ وہ بھی تمباکو نوشی کی عادی تھی اور اس کے کوٹے میں حصے دار بن کر میں اپنا وقت آسانی سے گزار سکتا تھا۔

وہاں سے روانگی کا آغاز ہم نے اپنی رائفلوں کی گونج میں کیا۔ اس وقت تیتروں کا شکار تلاش کرنا آسان نہیں تھا لیکن ہمارا مقصد شکار کھیلنے سے زیادہ' اس علاقے میں اپنی موجودگی کا جواز پیدا کرنا تھا جس کے بغیر کوٹ مندو کے جعلی آستانے کے محافظ ہماری طرف سے شکوک وشبہات میں مبتلا ہوکر ہمارے خون کے پیاسے بن سکتے تھے۔

رائفلوں کی بے مقصد چاند ماری میں کارتوسوں کا ایک پورا پیکٹ ضائع کرنے کے بعد ہمیں کل تین تیتر حاصل ہوئے جن میں سے ایک پہلے سے زخمی ہونے کے سبب پرواز کرنے سے قاصر تھا۔ اس کے داہنے پَر کے پرانے زخم پر جمے ہوئے خون سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پہلے ہی کسی شکاری کی گولی کھاچکا تھا۔ بقیہ دونوں پرندے صحت یاب اور تروتازہ تھے۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم کوٹ مندو سے بہت قریب آچکے ہیں" محمود دھیمی اور تشویش آمیز آواز میں کہہ رہا تھا "یہاں سے بائیں طرف مڑ کر ہم کسی بھی لمحے کوٹ مندو پہنچ سکتے ہیں۔"

"جیپ روک لو!" میں نے اسے مشورہ دیا "ہم یہیں جیپ سے اتر کر کچھ دیر تک چاند ماری کی مشق کرتے ہیں۔ کچھ نہ ہوا تو تھوڑی دیر بعد واپسی کا سفر شروع کردیں گے۔"

"یہاں دور دور تک شکار کا پتا نہیں ہے۔ یہاں کارتوس ضائع کرکے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہ رہے ہو؟" میری حکمتِ عملی سے ویرا پوری طرح مطمئن نہیں تھی۔

اس مرحلے پر میرے لئے یہ بتانا محال تھا کہ میں کیا سوچ رہا تھا کیونکہ میرے ذہن میں جو بھی مفروضات موجود تھے وہ سب ہی مبہم اور غیرواضح تھے اس لئے میں نے ویرا سے کہا "میں جو کچھ سوچ رہا ہوں' وہ کرتی چلی جاؤ یا پھر میں دستبردار ہوجاتا ہوں جو تم چاہو گی وہی کیا جائے گا۔"

اپنی مرضی سے مختلف سمتوں میں نکلنا ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ یہی تھا کہ ہم ایک دوسرے کے ہاتھوں زخمی ہوسکتے تھے اس لئے ہم نے گھنے جنگل میں گھسنے کے بجائے جیپ کے چاروں طرف اپنی سمتیں متعین کیں اور وقفے وقفے سے فائر کرنے میں مصروف ہوگئے۔

پرندوں کے معاملے میں وہ علاقہ بالکل ہی یتیم نہیں تھا۔ تقریباً نصف گھنٹے میں ہم وہاں سے کئی تیتروں کے علاوہ دوسرے پرندے بھی مار لینے میں کامیاب ہوگئے لیکن ہم جتنی مقدار میں اپنے کارتوس ضائع کررہے تھے اس کے اعتبار سے اسرنا کام جارہے تھے اور اس وقت تک شکار کے علاوہ کوئی دوسری کامیابی بھی سامنے نہیں آئی تھی جو ہماری اشک شوئی کا بہانہ بن سکتی۔

پھر اچانک ہی فضا میں ایک نئی آواز گونجی جس نے ہم سب کو چونکا دیا۔ وہ کسی سب مشین گن کی ریٹ ٹریٹ کی آوازیں تھیں جو وقفے وقفے سے تین بار ابھریں اور آخری راؤنڈ کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی فضا میں ایک کرخت انسانی آواز گونجی اور ویرا دوڑتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی۔

"یہ کون ہے؟ کیا کہہ رہا ہے؟" اس نے ہانپتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"اسی کے انتظار میں' میں یہاں کارتوس برباد کررہا تھا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "وہ ہمیں اپنی زبان میں فائرنگ روک دینے کا حکم دے رہا ہے۔"

آہستہ آہستہ ہم چاروں جیپ کے قریب یکجا ہوگئے جہاں شکار کئے ہوئے پرندے موجود تھے۔

اسی وقت سب مشین گن کا برسٹ دوبارہ گونجا۔ آواز اس مرتبہ قدرے قریب آچکی تھی اور فائر آسمان کی سمت میں کئے گئے تھے کیونکہ کوئی گولی درختوں کے درمیان سے سرسراتی ہوئی نہیں گزری تھی۔

"تم کون ہو؟ سامنے آکر بات کرو! ہم نے فائرنگ روک دی ہے" میرا اشارہ پاکر محمود نے چیختے ہوئے کہا تاکہ اپنا پیغام نادیدہ حریف تک پہنچاسکے۔

"جہاں ہو' وہیں ٹھہرے رہو' ہم آرہے ہیں" دوسری طرف سے فوراً ہی پیغام کا جواب دے دیا گیا۔

"یہ کون ہوسکتے ہیں؟" ویرا مکالمات نہ سمجھنے کی وجہ سے صورتِ حال کے بارے میں الجھن کا شکار ہورہی تھی۔

"یہاں ملاّ سرکار کے آدمیوں کو ہی اتنی بالادستی حاصل ہوسکتی ہے۔ چند ثانیوں بعد پوری صورتِ حال واضح ہوجائے گی۔ ہمیں فائرنگ روکنے کا حکم دے کر وہ اسی طرف آرہے ہیں۔"

"اگر انہوں نے ہمیں اپنا قیدی بنانے کی کوشش کی تو کیا ہوگا؟" ویرا نے پوچھا۔

"انہیں پتا چل جائے گا کہ چارے کے طور پر ہم ایک عورت کو بھی اپنے ساتھ لئے پھر رہے ہیں۔ ہمیں چھوڑ کر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے اور تم کو اپنی حرکتوں سے ملاّ سرکار کی خانگی زندگی برباد کرنے کا سنہرا موقع مل جائے گا۔" طویل وقفے کے بعد سلطان شاہ کو ویرا کو سلگانے کا موقع مل ہی گیا۔

ویرا بھڑک کر اسے غصیلی نظروں سے گھورنے لگی "یہ مسخریوں کا وقت نہیں ہے" وہ غرائی۔

"تم نے سوال ہی ایسا کیا تھا کہ یہاں خر ہوتے تو وہ بھی مست ہوجاتے" سلطان شاہ اپنی رائفل کی نال میں جھانکتا ہوا' بے پروائی سے بولا "آخر وہ تمہیں کیوں پکڑیں گے؟"

"میں اپنی نہیں' ہم سب کی بات کررہی ہوں" ویرا غصیلے لہجے میں بولی۔

"اوہ! میں سمجھا کہ تم صرف اپنے بارے میں فکر مند ہورہی ہو۔"

میں نے قہربار نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے اسے پھٹکارا "اپنی چونچ بند رکھو۔ آنے والے ہمارے لئے پھولوں کے ہار لے کر نہیں آرہے ہیں۔ اس وقت ہمیں ساری توجہ ان پر مرکوز رکھنا چاہئے۔"

وہ سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا کر ویرا سے دو قدم دور چلا گیا۔

چند منٹ بعد سامنے کی جھاڑیوں اور درختوں میں سے ہیبت ناک چہروں والے دو لمبے تڑنگے افراد نمودار ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں موجود تھیں جن کے میگزین چڑھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی درشتگی سے ظاہر ہورہا تھا کہ اپنی مرضی کے خلاف کوئی بھی واقعہ رونما ہونے پر وہ خوں ریزی سے ذرا بھی دریغ نہیں کریں گے۔

ہم سب نے اپنی طرف سے امن و صلح کے جذبات کے اظہار میں پہلے ہی اپنی رائفلوں کے کندے زمین پر ٹکائے ہوئے تھے لیکن کسی بری صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے بھی تیار تھے۔

"تم لوگ کون ہو؟" آنے والوں نے ہم سے کچھ فاصلے پر رک کر سرد لہجے میں سوال کیا۔

"شکاری ہیں' لیکن تم کون ہو اور ہماری تفریح میں کیوں خلل انداز ہورہے ہو؟" محمود نے تیز لہجے میں سوال کیا۔ اس کا لہجہ بالکل اس شکاری کا سا تھا جسے زبردستی اس کے شوق سے روک دیا گیا ہو۔

"یہ ہمارا علاقہ ہے' ہماری اجازت کے بغیر کوئی یہاں شکار نہیں کھیل سکتا" بولنے والے نے اپنی کلاشنکوف کی نال ہماری طرف لہراتے ہوئے کہا "اگر تم صرف شکار ہی کھیلنے کے لئے آئے ہو تو تمہاری دوربینیں کہاں ہیں؟"

"تیتروں کا شکار کھیلنے کے لئے کون سی دوربینوں کی ضرورت ہوتی ہے؟" محمود نے سوال کرنے والے کے طنز کو سمجھے بغیر قدرے حیرت سے سوال کیا۔

"دوربینوں کے بغیر تم یہاں تیتر کیسے تلاش کررہے ہو؟" اس نے براہِ راست سوال کیا۔

"دوربینوں کے بغیر ہی ہم نے ان کا ڈھیر لگا لیا ہے" محمود نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے بے جان پرندوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "شکار اور شکاریوں پر کنٹرول کرنا صرف گیم

وارڈن اور اس کے عملے کا کام ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھ کلاشنکوف نہیں دی جاتی۔ تم لوگ کون ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم شکار کھیلنے کہاں سے آئے ہو؟" اسی شخص نے سوال کیا۔

"ہم رانی پور سے آئے ہیں" محمود کے اس جواب پر م نے بے آرامی محسوس کی لیکن اس وقت اس کی تصحیح کر یا اسے لقمہ دینے کا کوئی موقع نہیں تھا اس لئے میں خاموش رہا۔

"تم پر شبہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ تم رانی پور سے یہاں آئے ہو۔ یہاں بھولا بھٹکا شکار ملتا ہے جب کہ رانی پور آس پاس کے بہتیرے علاقے شکار سے بھرے ہوئے ہیں۔"

"شکار کھیلنے کے ساتھ ساتھ ہم اندرونِ سندھ کی سیر بھ کرنا چاہتے تھے" اس نازک مرحلے پر مجھے بات سنبھالنا پڑ گئی "راستے میں ہم نے کئی ایسے گاؤں دیکھے ہیں جہاں خوراک تک کوئی سہولت نہ ہونے کے باوجود لوگ رہ رہے ہیں اور حیرت بات ہے کہ زندہ بھی ہیں۔ شہروں میں رہ کر ہم ایسی زندگی کا تص بھی نہیں کرسکتے۔"

"تم کس شہر سے آئے ہو؟" اس نے مجھ سے اردو میں سوال کیا۔ اس کے لہجے میں یک بیک دلچسپی عود کر آئی تھی۔

"ہم سب لاہور سے آئے ہیں۔ ہمارا ادھر آنے کا کو خاص ارادہ نہیں تھا۔ یہ ہمارا میزبان ہے اور ہماری فرمائش جیپ آگے بڑھاتا چلا آیا۔ ہماری آمد سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو تو ہم ابھی اور اسی وقت واپس جانے کے لئے تیار ہیں چاہو تو ہم شکار کئے ہوئے پرندوں سے بھی دستبردار ہوئے جا ہیں۔"

میری مصالحانہ گفتگو نے ان دونوں پر ہی خوش گوار اثر اور وہ اپنی رائفلوں کی نالیں نیچے جھکا کر ہمارے قریب آگئے۔ میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا "رانی پور میں تم کس کے مہ ہو؟"

"منظور علی نیازی ہمارے میزبان ہیں۔ یہ انہی کا بڑا محمود علی نیازی ہے۔ یہ ادھر کا رہنے والا ہے اس لئے تمہا باتوں پر بگڑ گیا تھا لیکن ہم کوئی بدمزگی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ ہوتا ہے کہ تم یہیں کہیں رہتے ہو۔"

"تم لوگ اس وقت کوٹ مندو کے قریب ہو۔ یہ ملّا سرکار کی جاگیر سمجھا جاتا ہے" اس نے عقیدت آمیز لہجے کہا "جاننے والے یہاں کبھی گولی نہیں چلاتے' فائرنگ سے ملا سرکار کی عبادت اور مراقبے میں خلل پڑتا ہے۔ تم کافی دور سے فائرنگ کرتے چلے آرہے ہو؟"

"ہاں' ہم سارے راستے رائفلیں چلاتے ہوئے آ

...یں نے مجرمانہ انداز میں اعتراف کیا۔

"کیا تمہیں بھی ملّا سرکار کے حضور میں آنے کے آداب معلوم نہیں ہیں؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں محمود سے سوال کیا۔

"میرے ابا جان' ملّا سرکار کے معتقد ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کوٹ مندو کی طرف نکل آیا ہوں۔ پہلی دفعہ ان اطراف میں آیا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ملّا سرکار فائرنگ کے شور کو ناپسند کرتے ہیں" میرے مصالحانہ رویے کو بھانپ کر محمود نے بھی نرم لب و لہجہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھی تھی۔

فائرنگ کے شور سے بے زاری کا اظہار' ملّا سرکار کا ایک نیا ڈھکوسلا تھا جس کا مقصد صرف یہی نظر آتا تھا کہ مسلح افراد کو اس کی کمین گاہ سے دور رکھا جائے۔ اپنے لوگوں میں احترام اور عقیدت کا روگ پیدا کرنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے حفاظتی حصار کو بھی ہر ممکن حد تک محفوظ کیا ہوا تھا۔

"تم لوگ یہاں تک آگئے ہو تو ملا سرکار کی زیارت بھی ضرور کرنا چاہو گے؟" اسی شخص نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا ...ں میں مکاری کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا۔

وہ بہت ٹیڑھا سوال تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لئے جملہ ...کانات پر غور کیا اور بلا توقف کہا "اس سے بڑی سعادت اور کیا ...سکتی ہے؟ لیکن ڈر ہے کہ ہم سے ان کی شان میں کوئی گستاخی نہ ...ہو جائے۔"

"ملّا سرکار ہرایرے غیرے سے نہیں ملتے" اس نے ...رے ترش روئی سے جواب دیا "تمہیں کوٹ مندو کی مسجد میں ...ٹھہرنا ہوگا۔ ملا سرکار کی اجازت کے بغیر کوئی ان کے حجرے میں ...داخل نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے ملنے سے انکار کردیا تو تمہیں بے ...نیل و مرام واپس لوٹنا پڑے گا۔ ہم صرف کوشش کرسکتے ہیں۔"

"کوشش کرلینے میں کیا حرج ہے؟" میں نے بے خوفی کے ...ساتھ کہا۔ میں اس بدمعاش سے دو دو ہاتھ کرنے کا ہاتھ آیا ہوا ...موقع ضائع کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس جسارت میں بہت سے ...پوشیدہ اور مہلک خطرات بھی پوشیدہ تھے لیکن ہم لوگ پوری طرح ...سے مسلح تھے۔ مجھے امید تھی کہ کوئی برا وقت آیا تو ہم لڑ بھڑ کر ...وہاں سے نکلنے میں ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔

ہم نے شکار کئے ہوئے پرندوں کو ٹوکری میں ڈال لیا اور وہ ...دونوں بھی ہمارے ساتھ جیپ ہی میں لد گئے۔ افشائے راز کے ڈر ...سے میں نے ویرا کو محمود کے برابر والی نشست پر بٹھادیا تھا اور خود ...ان دونوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ گیا تھا۔

"ہم کوٹ مندو کے قریب ہیں تو سرحد بھی یہاں سے قریب ...ہی ہوگی؟" راستے میں میں نے ان سے پوچھا۔

"کوٹ مندو سے سرحد صرف پونے دو میل دور ہے" زیادہ ...بولنے والے نے جواب دیا "لیکن سائیں سرکار کے مرید سرحد پار بھی پھیلے ہوئے ہیں۔"

"تو کیا ملّا سرکار مرید بھی بناتے ہیں؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"وہ مرید نہیں بناتے لیکن جو بھی ان پر اعتقاد رکھتا ہے' ہم لوگ اسے' ان کا مرید ہی سمجھتے ہیں۔ سائیں سرکار بہت بڑی سرکار ہیں' وہ زبانی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔ وہ تو لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں۔"

"لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ملا سرکار فائر کی آواز سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے مرید کلاشنکوف لئے پھرتے ہیں" میں نے حوصلہ کرکے وہ ٹیڑھا سوال کر ہی ڈالا۔ اوّل تو ان سے گفتگو کرنے کے بعد میرا حوصلہ بہت بڑھ چکا تھا۔ دوم میرا خیال تھا کہ میں ان سے وہ منطقی سوال نہ کرتا تو وہ ہماری طرف سے مشکوک ہوسکتے تھے۔

"تم نے یہ سوال بہت دیر سے کیا ہے" وہ زور سے ہنسا تھا۔ "ڈر رہا تھا کہ کہیں تم سوال سنتے ہی مجھ پر گولی نہ چلادو۔"

"سائیں سرکار کو ان سب باتوں کا علم نہیں ہے" وہ یکلخت سنجیدہ ہوگیا "یہ رائفلیں ہم نے دھونس کے لئے رکھی ہوئی ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ ہم نہتی حالت میں تمہیں للکارتے تو تم ہم سے کیا سلوک کرتے؟ ہماری بات سننے کے بجائے دو چار ہوائی فائر کرکے ہمیں وہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیتے۔"

"لیکن تم نے تو ہمیں للکارنے سے پہلے فائر بھی کئے تھے؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ وہ ہماری مجبوری تھی' فائر کئے بغیر ہم تمہیں ڈرا نہیں سکتے تھے۔"

جنگل میں سے گزرتا ہوا وہ پیچیدہ راستہ خاصا طویل ثابت ہوا۔ آخر کار جنگل سے نکلتے ہی ہمیں کچھ فاصلے پر آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔ مٹی کے بنے ہوئے مکانوں پر مشتمل اس آبادی میں مسجد کا قدرے بلند مینار دور ہی سے نظر آرہا تھا۔

جیپ کو گاؤں کی طرف آتا ہوا دیکھ کر وہاں ہلچل سی مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہماری جیپ کی سیدھ میں کوٹ مندو کے چند معمر افراد دو مسلح آدمیوں کے ساتھ جم کریوں کھڑے ہوگئے جیسے جیپ کو وہیں روک لینے کا تہیہ کرچکے ہوں۔

معمر افراد غصے میں ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں رک جانے کا اشارہ کررہے تھے۔ مسلح نوجوانوں نے اپنی رائفلیں ہماری گاڑی کی طرف تان لی تھیں۔ ملّا سرکار لحظہ بہ لحظہ ٹیڑھی کھیر بنتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس قدر مضبوط اور بھرپور حفاظتی انتظامات کی موجودگی میں اس تک رسائی واقعی آسان نظر نہیں آتی تھی۔

اپنے سامنے مشتعل قافلے کو صف آرا دیکھ کر محمود گھبرا گیا اور اس نے ایک جھٹکے سے جیپ روک لی۔

"چلتے رہو" ملّا سرکار کے آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

"ان کے قریب پہنچ کر جیپ کی رفتار کم کرلینا۔ ہمیں دیکھ کر وہ تم تو کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم لوگ اپنے گاؤں کو اجنبیوں کی دستبرد سے بچانے کے لئے ہروقت چوکنا رہتے ہیں۔"

محمود جیپ ان کے قریب تک لے گیا اور وہاں رفتار کم کرلی۔

ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص نے ان لوگوں کو مخاطب کرکے راستہ دینے کی ہدایت کی جس پر ایک مسلح شخص نے اپنا سر کھڑکی سے اندر ڈال کر انہیں دیکھا اور ہمیں کوٹ مندو کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ان لوگوں کی مستعدی دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا تھا کہ کسی اور طریقے سے اس گاؤں میں داخل ہونا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ اس وقت بھی ہم صرف اس لئے محفوظ و مامون تھے کہ ہمارا ملاّ سرکار سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہم تینوں سے باری باری ٹکرا چکا تھا اور ہماری ایک جھلک دیکھتے ہی ہمیں پہچان سکتا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا' یہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا لیکن اس سے فیصلہ کن مقابلے میں مرنے یا مارنے کے جذبے کے ساتھ میں نے وہ فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

ملاّ سرکار اور اسی کے ساتھ' امکانی طور پر غزالہ سے سامنا ہونے کی توقع میرے لئے بہت زیادہ سنسنی خیز تھی۔ کوٹ مندو کوئی بہت بڑی آبادی نہیں تھی۔ وہاں مٹی کے تیس چالیس صاف ستھرے مکانات کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ بچے صاف ستھرے' صحت مند اور خوش حال نظر آرہے تھے۔ گاؤں کی حالت سے بھی آسودگی ظاہر ہورہی تھی۔ یہ سب وہ نعمتیں تھیں جن کے لئے کوٹ مندو کے باسی ملاّ سرکار کی ذات کی برکات کے احسان مند تھے۔

ہمارے ساتھ والوں میں سے ایک نے محمود کو جیپ مسجد کی طرف لے جانے کی ہدایت کی تھی۔ محمود صورت حال سے خائف نظر آرہا تھا اس لئے گاؤں میں اس نے جیپ کی رفتار ست رکھی تھی۔ گاؤں کے باہر ہمارا استقبال کرنے والے دونوں مسلح نوجوان جیپ کے پہلوؤں سے لگے ہوئے مسجد کی طرف دوڑ رہے تھے۔ معمر افراد کا قافلہ جیپ کے پیچھے چلا آرہا تھا۔

مسجد کے سامنے ہم جیپ سے اترے تو یوں محسوس ہوا جیسے ہمیں محاصرے میں لے لیا گیا ہو۔ گاؤں والوں سے خیر سگالی کے اظہار میں ہم نے اپنی رائفلیں جیپ ہی میں چھوڑ دی تھیں۔ ہمارے اتر جانے کے بعد ایک مسلح نوجوان نے جیپ سے رائفلیں نکالنا شروع کیں تو میں نے اس کارروائی پر احتجاج کرتے ہوئے پہلی بار اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی سنسناہٹ محسوس کی۔

ہمارے ساتھ آنے والے افراد میں سے بسیار گو شخص نے' جس کا نام یا عرفیت قلندر تھی' کہا "کوٹ مندو میں آنے والے مسلح اجنبیوں کو دشمن سمجھا جاتا ہے۔ تمہیں صرف اس لئے غیر مسلح کیا جارہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ دوستوں اور مہمانوں جیسا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ جب تم واپس جاؤ گے تو رائفلیں تمہیں لوٹادی جائیں گی۔"

"ہم تو ویسے ہی غیر مسلح ہیں' ہماری رائفلیں جیپ ہی میں رہنے دو۔ جیپ تمہاری نگرانی میں رہے گی" میں نے کہا۔

"ہم مجبور ہیں' ملاّ سرکار کے گاؤں میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے۔"

"اس دوران میں معمر افراد بھی وہاں پہنچ گئے' ہمارے گرد گاؤں کے بچے جمع ہونے لگے تھے۔ قلندر ان کی بھیڑ کو کاٹتا ہوا معمر افراد کے گروہ تک پہنچا اور وہ سب ہم سے دور رک کر دبی دبی رازدارانہ آوازوں میں باتیں کرنے لگے۔

چند ثانیوں بعد گاؤں کے معمر اور شاید معزز افراد کا وہ گروہ ہم تک آئے بغیر وہیں سے منتشر ہوگیا۔ بچوں کو قلندر کے ایک ساتھی نے ڈانٹ کر بھگادیا اور وہ گاؤں کے وسطی میدان میں جمع ہوکر تماشا دیکھنے لگے۔

جو کچھ ہورہا تھا اس پر ہمارا کوئی اختیار نہیں تھا لیکن یہ دیکھ کر مجھے یک گونہ اطمینان ہوا کہ ہماری جیپ میں موجود سامان کو مالِ غنیمت نہیں سمجھا گیا تھا۔ مسلح نوجوان نے چاروں رائفلوں پر قابض ہونے کے بعد جیپ کے دروازے بند کردیئے تھے۔

قلندر کی رہنمائی میں جوتے اتار کر ہم مسجد میں داخل ہونے لگے تو قلندر نے اپنی کلاشنکوف شانے سے اتار کر مسجد کی سیڑھیوں پر رکھ دی' اس کے تینوں مسلح ساتھی وہیں رکے رہے۔

وہ نہایت عجیب و غریب صورتِ حال تھی کہ ایک جعلی مولوی یا پیر کے ایما پر' اسی کے غنڈے ہمیں خانۂ خدا میں قید کرنے لے جارہے تھے اور ہم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی مہر بہ لب رہنے پر مجبور تھے۔

"تم نے اپنی کلاشنکوف سیڑھیوں پر کیوں چھوڑ دی؟" میں نے مسجد میں داخل ہوکر قلندر سے پوچھا "اگر ہم چاروں تم سے لپٹ پڑیں تو تم ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔"

"تین باتیں ہیں" وہ مسکراتے ہوئے بولا "میں نماز نہیں پڑھتا مگر اللہ کے گھر کا پورا پورا احترام کرتا ہوں اس لئے اسلحہ اندر نہیں لایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم سب میرے مہمان اور مسلمان ہو' مسلمان خانۂ خدا میں کبھی فساد نہیں کرتا' تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ باہر میرے تین مسلح ساتھی موجود ہیں اگر تم میرے ساتھ کوئی شرارت کرنے کی کوشش کروگے تو وہ آناً فاناً میں اندر آکر تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے۔"

"ہم میں سے کوئی ہندو بھی ہوسکتا ہے" میں نے ملاّ سرکار سے اس کے تعلق کی گہرائی کا اندازہ لگانے کے لئے شوشا چھوڑا۔

"اصل بات تیسری ہی ہے کہ ہم تمہارے مہمان نہیں بلکہ مسلح نگرانوں کے قیدی ہیں۔"

"جو چاہو' سمجھ لو۔ میں تمہیں مہمان ہی کہتا رہوں گا۔"

میرے تبصرے پر اس نے کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ بھی ملاّ سرکار کی مذہبی اصلیت سے بے خبر تھا۔

"ہمیں مسجد میں کب تک رہنا ہوگا؟" میں نے واحد کشادہ کمرے پر مشتمل اس خانۂ خدا کا جائزہ لیتے ہوئے سوال کیا جس کے فرش پر کھجور کی چٹائیوں کے بجائے دریاں بچھی ہوئی تھیں۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو' میں سائیں سرکار کی قدم بوسی کرکے آتا ہوں۔ حکم ہوگیا تو ابھی تمہاری ملاقات کرادی جائے گی ورنہ انتظار کرنا ہوگا" اپنی بات پوری کرکے وہ مسجد سے واپس چلا گیا۔

ہم چاروں دریوں پر بیٹھ گئے۔ مسجد سے نکاسی کا وہی ایک راستہ تھا جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے۔ روشنی اور ہوا کے لئے قبلے کی سمت والی دیوار میں دو کھڑکیاں تھیں جن پر رکاوٹ کے لئے جالیاں منڈھی ہوئی تھیں۔ مجبوری کے عالم میں ان جالیوں کو پھاڑ کر یا اکھاڑ کر' کھڑکیوں سے بھی فرار کی راہ اختیار کی جاسکتی تھی۔

"یہاں آکر تم نے بہت برا کیا" تخلیہ ہوتے ہی محمود مجھ پر برس پڑا "تمہیں ملاّ سرکار کی زیارت کا اتنا شوق کیوں ہوگیا کہ ہمیں یہاں لاکر مروادیا؟ انہوں نے مکاری کے ساتھ ہمیں غیر مسلح کرکے قیدی بنالیا ہے۔ اب دیکھو کہ یہاں سے کب جان چھوٹتی ہے۔ مجھے تو یہ سارا معاملہ ہی بہت پیچیدہ اور گڑبڑ نظر آرہا ہے۔"

"ملاّ سرکار سے سامنا ہونے کے بعد جو کچھ ہوگا' وہ تم اچھی طرح جانتے ہو" دیرا بولی "وہ مجھے بھی پہچان لے گا۔"

"ہائیں!" حیرت سے محمود کی آنکھیں اس کی پیشانی پر چڑھ گئیں "تو کیا وہ تمہیں پہلے سے جانتا ہے؟"

"ہم اسے اور وہ ہم سب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی لئے تو ہم کراچی سے اس بدمعاش کی بو سونگھتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ ورنہ ہمیں منظور ماموں کو زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مروادیا" وہ کربناک آواز میں کراہا "اگر تمہاری اس سے پرانی دشمنی چل رہی ہے تو تمہیں آنکھیں بند کرکے اس اندھے کنویں میں چھلانگ نہیں لگانا چاہئے تھی۔ انہوں نے ہمیں نہتا کردیا ہے۔ اب وہ ہمارے ساتھ من مانا سلوک کرے گا۔ مجھے تو ڈر ہے کہ وہ کھلے میدان میں ہی ہم کو گولیوں سے چھلنی کرادے گا۔"

"تم مان لو کہ تم سے غلطی ہوئی ہے" دیرا بھی اس صورتِ حال پر خاصی فکرمند نظر آرہی تھی "دشمن کو مارنے کے لئے ہوشیاری اور مکاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ تم تو اس طرح نادیدہ زنجیروں سے بندھے ہوئے یہاں چلے آئے ہو جیسے ملاّ سرکار کو کوٹ مندو میں دیکھ لینا ہی تمہارا سب سے بڑا مقصد ہے۔"

"ہتھیاروں کے بغیر ہم ان سنگدل بدمعاشوں کا مقابلہ کیسے کرسکیں گے؟" محمود اپنی مجبوری اور بے چارگی کے احساس سے نڈھال ہوا جارہا تھا۔

میرے لئے ان لوگوں کی کسی بات کا جواب دینا ممکن نہیں تھا۔

کوٹ مندو پہنچ کر میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ملاّ سرکار کی کمین گاہ پر چوری چھپے حملہ آور ہونا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے کسی بڑے لشکر کے ساتھ کوٹ مندو کی رازدارانہ ناکہ بندی ضروری تھی یا پھر ان لوگوں کے درمیان میں پہنچ کر صورتِ حال کے مطابق کوئی راہ نکالی جاسکتی تھی۔

ملاّ سرکار نے کوٹ مندو میں جو ڈھونگ رچایا ہوا تھا' اس کی روشنی میں مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مشتعل ہوکر گاؤں میں ہی ہمارے قتلِ عام کا کوئی خطرہ مول لے گا۔ اس کے مسلح جاں نثاروں میں ایک آدھ کو اس کے اصل عزائم کا اندازہ ہوسکتا تھا لیکن دوسرے تمام لوگوں کے لئے وہ ایک راست باز اور پارسا آدمی بنا ہوا تھا جو دنیا داری کے بکھیڑوں سے قطعاً بے نیاز تھا۔ ایسی صورت میں اگر وہ کھلے بندوں ہم سے اپنی پرانی دشمنی کا اعتراف کرتا تو اس کی برسوں کی بنی بنائی ساکھ چند لمحوں میں تباہ ہوسکتی تھی۔ اس کے کسی بھی ظالمانہ فعل پر کوٹ مندو کے سادہ لوح اور معصوم دیہاتی اس کی طرف سے بدظن ہوسکتے تھے اس لئے میں محمود کے خدشات سے ذرا بھی متفق نہیں تھا۔

مجھے ڈر یہ تھا کہ ملاّ سرکار ہمیں پہچان کر ہمارا اسلحہ ضبط کرکے ہمیں کوٹ مندو سے فوراً نکل جانے کا حکم دے سکتا تھا۔ اس طرح اس کے پیروکار اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتے تھے کہ ان کے پیر نے اپنی روحانی قوت کے زور سے اجنبی مہمانوں کے گندے باطن کا سراغ لگا کر پھٹکار دیا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے مسلح آدمیوں کو ہمارے پیچھے لگادیتا۔ وہ لوگ کوٹ مندو سے دور' کسی ویرانے میں گھیر کر ہمیں آسانی سے ٹھکانے لگا سکتے تھے۔

ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم بالکل ہی غیر مسلح ہوچکے تھے لیکن میرے پاس بیم گن موجود تھی جو ضرورت پیش آنے پر کھیل کا پانسہ میرے حق میں پلٹ سکتی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ اس کی رینج بہت کم تھی۔ اس سے میں کسی دست بدست مقابلے میں ہی کام لے سکتا تھا' اس سے آگے بیم گن کی وقعت لوہے کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہیں تھی۔

"ابھی ہمیں صبر اور سکون کے ساتھ حالات کا جائزہ لینا چاہئے" میں نے ان سے کہا "آنے والا وقت ہی بتاسکے گا کہ ہم سے کسی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے یا ہم صحیح راہ پر ہیں۔"

"اس قدر مخدوش حالات میں ہم کیسے پُرسکون رہ سکتے ہیں؟" محمود وحشت زدہ لہجے میں بولا۔

"تم لیٹ کر آرام کرو' میرا خیال ہے کہ طویل ڈرائیونگ نے تمہارے اعصاب پر برا اثر ڈالا ہے" میں نے خشک لہجے میں

کہا "جو کچھ ہونا ہے وہ ہم سب کے ساتھ ہوگا۔ اس کشتی میں تم اکیلے نہیں ہو۔"

میں نے ویرا سے ایک سگریٹ لی اور ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر جائزہ لینے کے لئے مسجد سے نکاسی کے راستے کی طرف ہولیا جہاں مسلح محافظوں کی موجودگی کا امکان تھا۔

گاؤں میں ملنے والے دونوں نوجوان ہماری جیپ سے ٹیک لگائے دروازے ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی ان میں سے ایک لپک کر میری طرف آیا تھا۔

"تم اندر ہی ٹھہرو! تمہیں باہر آنے کی اجازت نہیں ہے" اس نے درشت لہجے میں کہا۔

"یہ بتاؤ کہ ہم یہاں مہمان ہیں یا قیدی بنا لئے گئے ہیں؟"

میں نے قدرے برہمی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا "ہم بے وضو لوگوں کو تم نے خانۂ خدا میں ڈال دیا ہے۔ اندر تو ہم سگریٹ تک نہیں پی سکتے۔ اس کے لئے ہمیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے باہر آنا ہی ہوگا" یہ کہتے ہوئے میں نے ہاتھ میں موجود سگریٹ ہونٹوں میں دبالی۔

اس لڑکے کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہوگئے۔ میں نے بے پروائی سے سگریٹ سلگالی۔

"سگریٹ پی لو" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں کچھ نہیں کہہ سکتا، تمہارے سوالات کے جواب قلندر ہی دے سکے گا لیکن میرا خیال ہے کہ باہر آکر سگریٹ پینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ مُلاّ سرکار کو آتشیں اسلحے بلکہ گولیوں کی آواز تک سے نفرت ہے لیکن تم لوگ گاؤں میں کھلے بندوں اسلحہ لئے پھر رہے ہو۔ اس پر تم سے کوئی بازپرس نہیں کی جاتی؟" میں نے سگریٹ کے چند گہرے کش لے کر قدرے دوستانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔ اس کا دوسرا ساتھی ٹہلتا ہوا چند قدم دور چلا گیا تھا۔

"ہمیں اسلحے کی سرِعام نمائش کی اجازت نہیں ہے۔ آج ہم نے مجبوری کے عالم میں اپنی گنیں شانوں سے لٹکائی ہیں کیونکہ کوٹ مندو کو اجنبیوں کی یلغار سے بچانا ہمارا پہلا فرض ہے۔"

"یعنی تم اپنا اسلحہ چھپا کر رکھتے ہو؟" میں نے قدرے حیرت کے ساتھ سوال کیا۔

"ہم چاروں اس گاؤں کے محافظ ہیں" اس نے مجھے سمجھانے کی نیّت سے کہا "سرحد پار سے آنے والے ڈاکو، آس پاس کے دیہاتوں میں آئے دن لوٹ مار مچاتے رہتے ہیں۔ ان سے بچاؤ کے لئے ہمیں اسلحہ رکھنا پڑتا ہے لیکن مُلاّ سرکار کی برکت سے ہمیں آج تک اس کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مُلاّ سرکار انسان تو کیا، بے زبان جانوروں اور پرندوں تک کا خون بہانے کے خلاف ہیں لیکن اسی کے ساتھ انہیں اپنے گاؤں کے لوگ بھی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔"

"اس دور افتادہ گاؤں میں یہ جدید شہری اسلحہ کہاں سے آیا ہے؟" میں اس سے دوستی گانٹھ کر زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"یہاں ہمیں دنیا کی ساری نعمتیں مل جاتی ہیں۔ مُلاّ سرکار کے عقیدت مند دور دور سے آتے ہیں اور نذرانوں میں اناج، کپڑے سے خشک بیڑیوں تک ہر چیز لاتے ہیں۔ کوٹ مندو میں تمہیں بیٹری سے چلنے والے ریڈیو بھی ملیں گے۔ مُلاّ سرکار نذرانے میں ملنے والی ہر چیز اپنے لوگوں میں بانٹ دیتے ہیں۔"

"مُلاّ سرکار کا حجرہ کہاں ہے؟" میں نے نتھنوں سے سگریٹ کا دھواں خارج کرتے ہوئے پُر اشتیاق لہجے میں سوال کیا۔ میں بھی اس مقدس ہستی کی زیارت کے شوق میں مرا جا رہا تھا۔

"وہ ہے" اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ بھی مٹی کا بنا ہوا ایک مکان تھا جس کے باہر گیروے لباس میں چند موٹے موٹے فقیر منڈلا رہے تھے اور اسی طرف سے قلندر ہماری طرف چلا آرہا تھا۔

"مُلاّ سرکار ہر وقت اسی حجرے میں رہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ اس گاؤں کے عام لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں۔ خاص عبادتوں اور چلّہ کشی کے لئے اپنے حجرے میں جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی ان کے حجرے میں داخل نہیں ہوتا۔"

"تو کیا وہ آج بھی اپنے حجرے میں ہیں؟" قلندر کے آنے سے پہلے میں اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"وہ حجرے میں ہی رہتے ہیں، اعتکاف اور چلے کے دوران اپنے خدمت گاروں کو ہدایت دے دیتے ہیں۔ اس وقت ان کی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہوتا۔"

میں اس سے چند قدم دور چلا گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ قلندر اس کے ساتھ میری گفتگو سے آگاہ ہوسکے۔

"تم باہر کیا کررہے ہو؟" قلندر نے آتے ہی مجھ سے تند لہجے میں سوال کیا تھا۔

"یہ سگریٹ پینے کے لئے مسجد سے باہر آیا ہے" مجھ سے پہلے ہی محافظ بول پڑا۔

"مسجد میں ہمیں کتنی دیر رہنا ہوگا؟" میں نے بے زاری کے ساتھ سوال کیا "یہاں ہمیں اپنے معمولات کے سلسلے میں کافی احتیاط کرنا پڑ رہی ہے۔"

"تمہیں آج کی رات یہیں بسر کرنا ہوگی۔ مُلاّ سرکار مراقبے میں چلے گئے ہیں۔ ان کے حجرے سے کوئی جواب نہیں ملا۔" قلندر نے مجھے آگاہ کیا "تمہارے کھانے پینے کا انتظام ہمارے ذمے ہوگا۔"

"مشکل یہ ہے کہ ہم یہاں نہیں رک سکتے" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا "اگر ہم اندھیرا پھیلنے سے قبل گھر واپس نہ لوٹے تو ہمارے میزبان فکرمند ہوجائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پولیس کو ہماری گم شدگی سے آگاہ کردیں۔ ہمیں واپس جانا ہوگا، مُلاّ سرکار کی زیارت کے لئے ہم ایک آدھ روز بعد آجائیں گے۔"

میری تجویز پر قلندر کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے سے فکرمندی کے آثار ہویدا تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ مُلاّ سرکار کے سامنے ہماری پیشی کرائے بغیر ہمیں چھٹی دینے پر آمادہ نہیں تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کے پاس کوئی ایسا جواز نہیں تھا جس کی مدد سے وہ ہمیں خوش اسلوبی کے ساتھ وہیں رکنے پر مجبور کرسکے۔

سگریٹ ختم ہونے پر میں مسجد میں داخل ہوا تو قلندر میرے ساتھ تھا۔

"جیپ کی چابی مجھے دے دو۔ میں سوچتا ہوں کہ تمہارے لئے کیا بہتر رہے گا" اندر پہنچ کر اس نے ایک نیا مطالبہ پیش کردیا جو خطرے کی گھنٹی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ پہلے مرحلے میں انہوں نے رائفلوں پر قبضہ کرکے ہمیں غیر مسلح کیا تھا اور اب جیپ کی چابی لے کر ہمارے فرار کی راہ بھی مسدود کی جارہی تھی۔

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی محمود نے اپنی جیب سے چابی نکال کر قلندر کو پیش کردی اور میں اسے قہربار نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"جیپ سے شکار کئے ہوئے پرندوں کی ٹوکری نکال کر انہیں صاف کروالو۔ باقی کسی چیز کو نہ چھیڑا جائے۔ ہماری جیپ ہماری نظروں کے سامنے رہنی چاہئے" محمود نے چابی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تم فکر نہ کرو" چابی قبضے میں لے کر قلندر مطمئن ہوگیا تھا۔ "جیپ یہیں رہے گی اور کھلی رہے گی تاکہ تم اس میں سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکال سکو۔ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ ہوتے ہی چابی واپس دے دی جائے گی۔"

ہمیں طفل تسلیاں دے کر قلندر واپس چلا گیا اور میں محمود پر برس پڑا۔ میری دانست میں چابی سے ہاتھ دھو کر اس نے ایک سنگین حماقت کا ارتکاب کیا تھا اور ہماری گلوخلاصی کی رہی سہی امید بھی خاک میں ملادی تھی۔

"فکر نہ کرو، میرے پاس دوسری چابی بھی موجود ہے۔" اس نے یہ انکشاف کرکے مجھے حیران کردیا "ایسی تفریحات میں چابی اندر بھول کر گاڑی لاک کردینا معمولات میں شامل ہوتا ہے اسی لئے میں ڈپلی کیٹ چابی بھی لے آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ قلندر کے مطمئن ہوجانے کے بعد ہماری مشکل آسان ہوگئی ہے۔ تم جب چاہو، جیپ لے کر نکل سکتے ہو۔"

کوٹ مندو کی صورت حال میرے لئے بہت زیادہ پریشان کن اور تشویش ناک تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مُلاّ سرکار مراقبے کا سوانگ رچا کر اپنے حجرے سے کہیں غائب ہوچکا تھا۔ ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہمارے گاؤں میں لائے جانے تک مُلاّ سرکار مراقبے میں نہیں گیا تھا اس لئے مجھے شبہ ہونے لگا کہ اس نے اپنے حجرے کے کسی جھروکے سے ہمیں دیکھ کر پہچان لیا تھا اور کوٹ مندو میں ہمارا سامنا کرنے کے بجائے خفیہ طور پر کہیں غائب ہوگیا تھا۔

کوٹ مندو میں اس بدطینت ہندو نے ایک متقی اور پرہیزگار مسلمان کا روپ دھار کر لوگوں میں اپنی ساکھ بنائی ہوئی تھی اور کسی خوں ریز معرکے میں ان سادہ لوح مقامیوں کی مدد لے کر وہ اپنا بھرم نہیں کھونا چاہتا تھا اس لئے قوی امکان یہی تھا کہ کوٹ مندو سے غائب ہو کر اس نے سرحد پار سے اپنے ایجنٹوں کی کمک طلب کرنے کی کوشش کی ہوگی تاکہ مقامیوں کو ملوث کرکے ہمارا قصہ تمام کرسکے۔ اس کے غیر ملکی ساتھی کوٹ مندو کی مسجد پر بھی حملہ آور ہوسکتے تھے۔ بعد میں مُلاّ سرکار اس منظم سازش کو معصومانہ انداز میں سرحد پار کے ڈاکوؤں کا حملہ قرار دے کر اپنی گردن اور ساکھ بچا سکتا تھا۔

اگر میرے وہ قیاسات درست تھے تو ہمارے لئے وقت کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ہمیں جو کچھ کرنا تھا، مُلاّ سرکار کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے کر گزرنا تھا تاکہ اسے ہمارا راستہ کاٹنے کی مہلت نہ مل سکے۔

جیپ کی دوسری چابی بے شک ہماری تحویل میں تھی لیکن ہماری رائفلیں قلندر کے قبضے میں تھیں جنہیں واپس لینا ناممکنات میں سے تھا۔ لمبی رینج کے اسلحے کے مقابلے میں ہیم گن کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔ اس لئے فرار ہوتے ہوئے ہم لازمی طور پر غیر مسلح ہوتے۔ اگر مُلاّ سرکار کے مسلح ایجنٹ ہمیں روکنے میں کامیاب ہوجاتے تو ہم ان کے سامنے بالکل بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ظہر کی نماز ہوچکی تھی۔ دن ڈھل رہا تھا اور عصر کے وقت مسجد دوبارہ آباد ہونے والی تھی اس لئے میں نے کچھ دیر تک غور و فکر کے بعد کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں سگریٹ نوشی کے بہانے باہر ہو آیا تھا۔ میرے بار بار باہر جانے پر محافظ چوکنا ہوسکتے تھے۔ ویرا مردانہ لباس میں چھپی ہوئی عورت تھی اس لئے میں اسے پس منظر میں رکھنا چاہتا تھا۔ سلطان شاہ اور محمود تمباکو نوشی سے بالکل پرہیز کرتے تھے۔ اس وقت مجبوری درپیش تھی اس لئے میں نے سگریٹ دے کر سلطان

شاہ کو اپنی حکمتِ عملی سمجھائی اور وہ سرہلاتا ہوا باہر چل دیا۔

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟" ویرا میری پُراسرار سرگرمیوں پر زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکی۔

"ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس مسجد میں بیٹھے رہے تو ہندوستانی ڈاکو شب خون مار کر ہمیں ہلاک کردیں گے یا پکڑ کر لے جائیں گے اس لئے ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل بھاگنا چاہئے۔" میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا "مُلاّ سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کا اچانک غائب ہونا خالی از علت نہیں ہے۔"

"وہ ایک بہت بڑے منصوبے پر کام کررہا ہے۔ یہاں بے سروسامانی کے عالم میں تو نہیں بیٹھا ہوا ہوگا۔ اس کے پاس جدید مواصلاتی سہولتیں موجود ہیں۔ وہ ٹرانسمٹر پر بھی اپنے آدمیوں سے بات کرسکتا تھا۔"

"میں نے کب کہا کہ وہ دوڑتا ہوا سرحد پار چلا جائے گا؟ وہ اس علاقے کا کیڑا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے سرحدی ویرانے میں اپنا کوئی مواصلاتی مرکز بنایا ہوا ہو جہاں بلیک کیٹس کے ایجنٹ رہتے ہوں۔ خفیہ پیغام رسانی کے لئے وہ اپنے اسی اڈے کو استعمال کرتا ہوگا' ہوسکتا ہے کہ غزالہ کو بھی وہیں رکھا گیا ہو۔"

"تمہارا نظریہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن ہم بالکل نہتے ہوچکے ہیں' مسلح محافظوں پر اوچھا ہاتھ پڑا تو وہ شور مچاکر آناً فاناً پورے گاؤں کو جمع کرلیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بیم گن میرے پاس ہے' کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ محافظوں پر کیا گزری ہے۔ ان کی کلاشنکوف رائفلیں ہاتھ آجانے کے بعد شاید ہم مُلاّ سرکار کے حجرے پر بھی ہلّا بول سکیں گے۔"

"ارے باپ رے!" ہماری گفتگو سن کر محمود بوکھلا گیا "تم لوگ کشت وخون کے منصوبے بنارہے ہو۔ پتا نہیں وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میں نے تمہارے ساتھ آنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔"

"تم نے ویرا سے اظہارِ عشق کرکے اس کی لات نہ کھائی ہوتی تو اس وقت اپنے ابا جان کے ساتھ آرام کررہے ہوتے۔ اب عورتوں کی طرح رینکنا بند کرو اور ہمیں پروگرام طے کرنے دو۔"

"تم نے قلندر اور اس کے ساتھی کو یہ بھی بتادیا تھا کہ تم ابا جان کے مہمان ہو" محمود رندھی ہوئی آواز میں بولا "تم تو یہاں قتل وخوں ریزی کرکے چلے جاؤ گے مگر مُلاّ سرکار ہماری زندگیاں اجیرن بنادے گا۔ ابا جان کو پتا چل گیا کہ اس کھیل میں میں بھی تمہارے ساتھ تھا تو وہ کھڑے کھڑے مجھے شوٹ کردیں گے۔"

"شوٹ کردیں گے تو تم کراچی چلے آنا' تمہارا نان نفقہ ہم اپنے ذمے لے لیں گے۔"

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں گا؟ کہاں جاؤں گا؟" آنے والے بھیانک لمحات کا تصور کرکے اس کے اعصاب ناکارہ ہوئے جارہے تھے۔

"فی الحال ممیانے کے بجائے خاموش بیٹھے رہو۔ ہم لوگ یہاں سے زندہ وسلامت نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ باتیں راستے میں بھی طے کی جاسکتی ہیں۔ مُلاّ سرکار سے ہمارے مراسم جو بھی رہے ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ ہم کامیاب ہوگئے تو یہ علاقہ ہمیشہ کے لئے اس درندے کے شر سے آزاد ہوجائے گا۔"

چند منٹ بعد سلطان شاہ کھانستا اور بُرے بُرے منہ بناتا ہوا واپس آگیا۔

"سگریٹ پینے سے تو بہتر ہے کہ نیم کی چھال چبالی جائے" اس نے آتے ہی کہا تھا۔

"مجبوری میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ باہر کی کیا خبریں ہیں؟"

"باہر ڈیوٹی بدل چکی ہے۔ دونوں لڑکے کھانا کھانے گئے ہیں۔ قلندر جیپ میں بیٹھا چرس پی رہا ہے۔ اس کا ساتھی مسجد کی دیوار کے سائے میں پڑا سورہا ہے۔"

میرے لئے وہ بہت بڑی خبر تھی۔ دونوں لڑکوں کے مقابلے میں قلندر اور اس کا ساتھی میرے لئے زیادہ اہم تھے کیونکہ انہیں ہمارے اور منظور ماموں کے تعلق کا علم ہوچکا تھا۔ مجھے امید تھی کہ ان دونوں نے وہ بات بستی میں کسی اور کو بتانا ضروری نہ سمجھی ہوگی اور اگر انہیں ماردیا جاتا تو وہ راز ہمیشہ کے لئے ان کے سینوں میں دفن ہوجاتا۔

میں نے بیم گن اندرونی جیب سے نکال کر اپنی جیکٹ کی بیرونی جیب میں ڈالی اور پھر ویرا کو ساتھ لے کر مسجد سے باہر چلا دیا جہاں قلندر شاید اپنی موت کا انتظار کررہا تھا۔

"اگر اس نے تمہیں اپنے قریب نہ آنے دیا تو کیا کروگے" ویرا نے پوچھا۔

"یہ کام تمہیں کرنا ہوگا" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "کسی طرح اسے شک میں ڈال دو کہ تم مرد نہیں بلکہ عورت ہو۔ وہ تجسس میں مبتلا ہوکر تمہارے پیچھے لگ جائے گا اور میں اپنا کام کرلوں گا۔"

مسجد سے باہر نکلتے ہوئے ویرا نے اپنی جیکٹ کے بٹن کھول لئے۔ قلندر جیپ میں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ باہر آکر میں نے دیا سلائی سے اپنی اور ویرا کی سگریٹ روشن کی تو وہ ہماری خوری کے مقصد سے مطمئن ہوگیا۔

اسی لمحے ہوا سے ویرا کی جیکٹ پھڑپھڑائی اور قلندر کے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ جیپ سے اتر کر تیر کی طرح ویرا کی طرف لپکا تھا "تت... تم عورت ہو؟" اس نے ویرا کا ہاتھ تھام کر حیرت سے پوچھا تھا۔

ویرا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں مسکرانے لگی اور چرس کے نشے میں مخمور' قلندر کی کھوپڑی میں یک بیک آسمانوں میں پرواز کرنے لگی "تم مجھے کیا سمجھ رہے تھے؟" ویرا نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوئی کوشش کئے بغیر اٹھلاتے ہوئے سوال کیا۔

اس وقت میدان میں چند بچے کھیل رہے تھے' باقی ہر طرف سناٹا تھا۔

قلندر نے کچھ بدبداتے ہوئے ویرا کے قریب ہونے کی کوشش کی اور اسی اثنا میں' میں اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ بیم گن کی نال اس کی پشت سے بمشکل ایک انچ کے فاصلے پر رکھ کر میں نے اس کے دل کے مقام پر فائر کردیا۔ بیم گن کے باریک دہانے سے نیلگوں شعاع کی ایک دھار نکلی اور قلندر کے وجود میں معدوم ہوگئی۔

وہ ایک خفیف سی ہچکی لے کر ویرا پر گرا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنا سر ویرا کے شانے پر ٹکا کر کھڑا ہوا ہو۔ ویرا نے بہت مضبوطی کے ساتھ قدم جماکے قلندر کے بھاری وجود کی جھونک سنبھالی تھی۔

میں نے ادھر اُدھر نظریں دوڑا کر پھرتی کے ساتھ قلندر کے شانے سے جھولتی ہوئی کلاشنکوف پر قبضہ کیا اور ویرا کی مدد سے اسے زمین پر ڈال دیا۔ ایک خوبرو عورت سے قریب ہونے کی تحیّر آمیز خوشی قلندر کے چہرے پر امر ہوگئی تھی۔

ویرا اس کی جیبوں کی تلاشی لے کر فاضل گولیوں پر قبضہ کرنے لگی اور میں پنجوں کے بل اس بدنصیب کی طرف بڑھ گیا جو مسجد کی دیوار کے سائے میں اپنے انجام سے بے خبر گہری نیند سورہا تھا۔

بیم گن کی مہلک دھار نے اس کے سینے سے دل میں اتر کر اتنی تیزی کے ساتھ اپنا کام دکھایا کہ اسے بیدار ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور وہ سوتے سوتے ہی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔

وہ مرحلہ میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی اور آسانی کے ساتھ سر ہوگیا تھا۔ دو کلاشنکوف رائفلیں اور ان کے کافی فاضل راؤنڈز ہاتھ آجانے کے بعد ہماری پوزیشن بہت بہتر ہوگئی تھی۔ اگر اس گاؤں میں کل چار مسلح محافظ تھے تو اس وقت مقابلہ برابر کا ہوگیا تھا۔

ویرا نے ہولے سے سلطان شاہ کو آواز دی۔ وہ ہماری طرف سے اشارے کا منتظر تھا۔ فوراً ہی محمود کے ساتھ مسجد سے باہر آگیا۔ محمود نے زمین پر پڑی ہوئی دونوں لاشوں کو خوف زدہ نظروں سے دیکھا تھا لیکن زبان سے کچھ کہے بغیر جلدی سے جیپ میں سوار ہوگیا۔ اس بار جیپ کی چابی میں نے اپنے قبضے میں لے لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ محمود صحیح طور پر ڈرائیونگ نہیں کرسکے گا۔

ویرا ایک کلاشنکوف لے کر میرے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔ دوسری کلاشنکوف سلطان شاہ کے قبضے میں تھی۔ جیپ حرکت میں آتے ہی مُلاّ سرکار کے حجرے کی طرف کئی گیروے لبادے فضا میں پھڑپھڑائے تھے۔ شاید قلندر نے انہیں بھی جیپ پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کی ہوئی تھی' جب ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔

انہوں نے مسجد بلکہ جیپ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ میں نے اسٹیئرنگ کاٹ کر جیپ مُلاّ سرکار کے حجرے کی طرف گھمائی۔ گیروے لبادوں والے ملنگ شاید چیختے چلاّتے ہوئے ہماری طرف آرہے تھے کیونکہ گاؤں کے بیشتر مکانات سے مرد' عورتیں اور بچے باہر آنے جانے لگے تھے۔ ان سب کی نگاہیں ہماری جیپ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

وہ بہت خطرناک صورتِ حال تھی۔ اگر گاؤں کے معصوم اور بے گناہ باشندے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک بار کھلے میدان میں نکل آتے تو ہمارا کام بہت پیچیدہ ہوسکتا تھا۔ کوٹ مندو کے عام باسیوں سے ہمیں کوئی پرخاش نہیں تھی۔ نہ ہم ان امن پسند لوگوں کا خون بہانا چاہتے تھے لیکن ان کی پھیلائی ہوئی افراتفری

کی آڑ لے کر باقی رہ جانے والے دو مسلح افراد ہمارے لئے مشکلات پیدا کرسکتے تھے۔

"ہوائی فائر کرو" میں نے جیپ کی رفتار بڑھاتے ہوئے ویرا سے کہا۔

اس نے کلاشنکوف کی نال کھڑکی سے نکال کر تین فائر کئے اور خوف زدہ دیہاتی جتنی تیزی سے نمودار ہوئے تھے اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے گھروں میں غائب ہوگئے۔

گیروے لبادوں والے مسٹنڈے ملنگ فائرنگ کا شور سنتے ہی پلٹ کر مکانوں کی طرف بھاگے تھے۔ اپنے حد سے بڑھے ہوئے وزن کی وجہ سے ان کے لئے بھاگنا دشوار ہورہا تھا۔ وہ بار بار گر کر اٹھ رہے تھے۔ ایک ملنگ ان جاں گسل کوششوں میں اپنے لبادے سے محروم ہوکر اپنے فطری لباس میں بھاگا جارہا تھا۔ ہمارا ان سے بھی کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن اپنے جعلی پیر کی طرح انہیں بھی ہمارے دلوں کا حال معلوم نہیں تھا اس لئے وہ اپنی دانست میں دشمن سے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔

اس دوران میں دونوں محافظ لڑکے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر مکانوں کے درمیان پوزیشن لے چکے تھے اور ہماری جیپ کی طرف گولیاں چلارہے تھے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث ان کی گولیاں رائیگاں جارہی تھیں۔

ُملاّ سرکار کے حجرے کے قریب ایک تناور درخت کی چھاؤں میں کھجور کے بان کی کئی بڑی بڑی چارپائیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ وہیں بھنگ اور پستہ بادام گھوٹنے کے دیسی آلات پڑے ہوئے تھے لیکن وہاں کسی ذی روح کا نام ونشان تک نہیں تھا جو ہماری راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتا۔

"تم باہر ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت دیتے ہوئے ویرا کو ساتھ لیا اور حجرے میں گھس پڑا۔

دروازے کے بعد کھلا صحن تھا جس سے آگے پوری چوڑائی میں ایک دیوار تھی۔ دیوار کے وسط میں داخلے کا راستہ تھا جس پر ایک دبیز پردہ لٹکا ہوا تھا۔

پردہ ہٹا کر ہم اندر داخل ہوئے تو چند فٹ کے فاصلے پر تیسری دیوار تھی جس میں لگا ہوا مضبوط چوبی دروازہ بند تھا۔ ان دو دیواروں کے درمیان ایک تخت بچھا ہوا تھا جس پر شاید ُملاّ سرکار کا کوئی خاص خادم براجمان رہتا تھا تخت کے ایک طرف حقہ اور دوسری طرف ہماری چاروں رائفلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار میں نصب چربی کی مشعل ٹمٹمارہی تھی۔

"یہ رائفلیں جیپ میں لے جاؤ، میں اندر دیکھتا ہوں" میں نے ویرا کے ہاتھ سے بھری ہوئی کلاشنکوف لے لی۔

رائفلوں کا یوں بازیاب ہونا میرے لئے خوشی اور حیرت کا باعث تھا لیکن اس وقت سب سے اہم مسئلہ ُملاّ سرکار کی ذات تھی۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جو غزالہ کے بارے میں کوئی کارآمد بات بتا سکتا تھا۔

چوبی دروازہ اندر سے بند تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ ُملاّ سرکار اپنے حجرے کے اسی تیسرے دروازے کے پیچھے، مراقبے اور چلے کی آڑ میں روپوشی اختیار کرتا تھا اور باہر آراستہ تخت پر بیٹھا ہوا، اس کا خادم خاص اس کی خلوت کی حفاظت کرتا رہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس حجرے سے باہر نکلنے کے لئے کوئی خفیہ راستہ بھی رہا ہوگا جہاں سے ُملاّ سرکار غائب ہوجاتا تھا اور اس کے پیروکار یہی سمجھتے رہتے تھے کہ وہ حجرے میں عبادت کررہا ہے۔

میں نے دو تین لاتیں مار کر دروازے کی مضبوطی کا اندازہ کیا، چوبی پٹ مضبوط تھے لیکن بنیادی بات یہ تھی کہ وہ دروازہ مٹی کی دیوار میں نصب تھا میں نے کئی قدم پیچھے ہٹ کر دوڑتے ہوئے اپنے شانے سے پہلی ضرب لگائی تو دروازہ چوکھٹ سمیت اُکھڑ کر اندر جارہا۔

میں اپنی جھونک سے سنبھل کر اٹھا تو ُملاّ سرکار کے اس حجرے کی زیبائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اس کمرے کے فرش پر بیش قیمت اور دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دو موی شمعوں کی روشنی میں ساری دیواریں سیاہ مخملی پردوں سے ڈھکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ان پردوں پر، چھت سے ایک ڈیڑھ فٹ نیچے تک ریشم یا اسی طرح کے کسی اور کپڑے کی جھالر لٹک رہی تھی۔ اس طرح کہیں بھی مٹی کی دیوار کا کوئی حصہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کمرے میں کہیں بھی کوئی چیز نہیں سلگ رہی تھی لیکن کمرے کی نیم روشن فضا میں عنبر اور لوبان کی پُراسرار اور سحر انگیز خوشبو رچی ہوئی تھی، جیسے وہ آگ کچھ ہی دیر پہلے سرد ہوئی ہو۔ رنگین کامدار قالین پر تین طرف سیاہ مخمل اور سنہری ڈوریوں والے گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ ایک طرف پوری دیوار کی چوڑائی میں اونچا سا تخت تھا۔ تخت کی آرائش مبہوت کردینے کی حد تک شاندار تھی۔ تخت کا ایک حصہ دیوار سے ملا ہوا تھا۔ بقیہ تین سمتوں میں قالین تک جھالر لٹکی ہوئی تھی۔ اس حجرے میں داخل ہوکر یہ تصور کرنا بھی محال تھا کہ وہ مٹی سے بنا ہوا کوئی کچا کمرا رہا ہوگا۔

میں جھالر اٹھا کر تخت کے نیچے جھانک رہا تھا کہ اسی وقت ویرا اپنے کام سے فارغ ہوکر وہاں آپہنچی۔ اس کی تحیّر زدہ آواز سن کر میں نے جھالر تخت پر ڈالی اور کلاشنکوف قالین پر چھوڑ کر تخت کے نیچے گھس گیا۔

دیواروں پر چھت سے قالین تک لٹکے ہوئے وسیع وعریض پردوں کی وجہ سے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ ُملاّ سرکار حجرے سے غائب ہونے کے لئے کوئی کھڑکی استعمال کرنے کا خطرہ مول نہیں لیتا ہوگا اور نہ ہی ان دیواروں میں کسی کھڑکی کی موجودگی کا کوئی امکان نظر آتا تھا۔ کمرا خالی تھا اس لئے وہاں کسی خفیہ راستے کی موجودگی بھی یقینی تھی۔

تخت کے نیچے موی شمعوں کی روشنی نہیں پہنچ رہی تھی اس
لئے ناکافی انعکاس میں تخت کے نیچے پھیلے ہوئے قالین میں کسی
ز کا پتا چلانا آسان نہیں تھا۔
ہاتھ سے قالین کو تھپتھپاتے ہوئے ایک جگہ مجھے کھوکھلی
واز سنائی دی تو میں نے اسی حصے پر اپنی توجہ مرکوز کردی۔ مجھے
ازہ تھا کہ ہمارے پاس وقت کم تھا لیکن اسی کے ساتھ میرے
ن پر غزالہ کی فکر بھی سوار تھی۔ کوٹ مندو میں ُملاّ سرکار کا
کا نیست ونابود کرنے کے بعد غزالہ کو اس کی تحویل میں
وڑنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔
جگہ تبدیل کرتے ہوئے ایک بار میرا سر تخت کے نیچے لگی
ئی کسی گھنڈی سے ٹکرایا اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ فرش
ں سے دو فٹ لمبا اور اسی قدر چوڑا ایک حصہ یوں اندر لٹک گیا
جیسے ایک طرف سے اسے قبضوں سے جوڑا گیا ہو۔ لطف کی
ت یہ تھی کہ وہ خلا تاریک نہیں تھا بلکہ اندر سے دودھیا روشنی
ابھر رہی تھی۔
ویرا متجسس انداز میں تخت کے نیچے آئی تو زیرِ زمین سرنگ کا
ہانہ دیکھتے ہی اس کے دہانے سے تحیر زدہ سیٹی کی آواز ابھری تھی
ر وہ مجھ سے پہلے اپنے گھٹنے قالین پر ٹکا کر اس خلا میں جھک گئی۔
"نیچے تو بہت کچھ نظر آرہا ہے" چند ثانیوں بعد وہ سیدھی
ہوتے ہوئے حیرت سے بولی۔
"میں سرنگ میں اتر رہا ہوں۔ کسی وجہ سے اس کا دہانہ بند
ہوجائے تو اس لیور سے اسے کھول لینا" میں نے تخت کے نیچے
مب گھنڈی کے استعمال کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ فرشی
لا اسی گھنڈی کی ایک جنبش سے نمودار ہوتا تھا اور دوسری
نبش پر معدوم ہوجاتا تھا۔
اس خلا میں دیوار کے ساتھ ہی سیدھی آہنی سیڑھی بنی ہوئی
ی جیسی عام طور پر جہاز کی چمنیوں وغیرہ پر چڑھنے کے لئے بنی
ئی ہوتی ہے۔ میں کلاشنکوف اپنے کندھے پر لٹکا کر تیزی سے
نیچے اترتا چلا گیا۔
نیچے دس فٹ چوڑا اور بہت لمبا ایک کمرا موجود تھا اور
ڑھی اس کے ایک کونے میں موجود تھی۔ اس کمرے کا فرش
ھلان کی صورت میں آگے اترتا چلا گیا تھا۔ دس پندرہ فٹ کے
ند کمرے کی چوڑائی اور اونچائی نے کم ہوکر ایک سرنگ کی
ورت اختیار کرلی تھی لیکن میرے لئے دلچسپی کی اشیاء کچھ اور
تھیں۔
اس تہ خانے میں ایک الماری میں بھانت بھانت کی شرابوں
کی بوتلیں موجود تھیں۔ ان کے قریب ایک ریک میں رائفلیں،
ہتھ دستی بم، ڈیٹونیٹر اور دوسری دھماکا خیز اشیاء موجود تھیں۔ ان
کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی لیکن ان میں بہت زیادہ تنوع موجود
تھا جو ُملاّ سرکار کے مجرمانہ عزائم کی بھرپور عکاسی کرتا تھا۔

میں نے اسکاچ کی ایک بوتل سے اپنا حلق تر کرتے ہوئے یہ بات حیرت سے نوٹ کی کہ وہاں ٹیوب لائٹ جل رہی تھی۔ پھر مجھے شمسی توانائی سے چارج ہونے والی تین وزنی بیٹریاں بھی نظر آگئیں جن میں سے ایک، دیوار میں غائب ہونے والے کسی سرکٹ سے منسلک تھی۔

ُملاّ سرکار کے لئے ان شمسی بیٹریوں کو کوٹ مندو میں ہی چارج کرنا دشوار نہیں تھا لیکن وہ بہت محتاط آدمی تھا۔ مجھے تہ خانے کے فرش پر ٹائروں کے متعدد نشانات بھی نظر آئے جس کا مطلب تھا کہ بلیک کیٹ ٹی یا ملا سرکار اس تہ خانے سے سرنگ کے دوسرے دہانے تک آمدورفت کے لئے کسی قسم کی گاڑی استعمال کرتا تھا۔

نہ فرش پر چکنائی کے دھبے تھے اور نہ سرنگ کی فضا میں کسی انجن سے خارج ہونے والے دھوئیں کی ناگوار بو رچی ہوئی تھی اس لئے مجھے یہ فرض کرلینا پڑا کہ ُملاّ سرکار کی سواری سولر یا شمسی بیٹری سے چلنے والی ہوگی اور ان بیٹریوں کی چارجنگ کا بندوبست سرنگ کے اختتام پر واقع کسی محفوظ ٹھکانے پر ہوگا۔ سرنگ کے فرش کی ڈھلان سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ کافی طویل رہی ہوگی اسی وجہ سے ُملاّ سرکار کو اس میں سفر کے لئے گاڑی کی ضرورت پیش آتی تھی۔

ابتدا سے ہی میرے لئے یہ بات قدرے حیرت کا سبب بنتی رہی تھی کہ ُملاّ سرکار کوٹ مندو جیسی دور افتادہ اور پسماندہ بستی میں کیوں رہ رہا تھا؟ پھر منظور ماموں نے بتایا تھا کہ وہ ملا سرکار کو اپنی حویلی میں قیام کی پیش کش کرچکے تھے جسے اس نے مسترد کردیا تھا لیکن اس کے حجرے کے نیچے سرنگ کی موجودگی سے مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

سرنگ کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ مدتوں پرانی تھی اور ملا سرکار بھی برسہا برس سے کوٹ مندو میں رہ رہا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ سرنگ ملا سرکار کے حجرے سے شروع کی گئی ہو۔ وہ گاؤں سرحد سے ڈیڑھ دو میل دور تھا۔ اس مختصر سی مسافت کے بعد ملا سرکار کے آقاؤں کا دیس شروع ہوجاتا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہی تھا کہ اس سرنگ کے ذریعے ملا سرکار کے حجرے کو سرحد پار سے ملادیا گیا تھا۔ سرنگ کی تعمیر کا آغاز بھی سرحد کی دوسری جانب سے کیا گیا ہوگا۔ پھر اندر ہی اندر تعمیراتی کام کرکے ملبہ اور ریت دوسرے دہانے سے باہر نکالتے ہوئے اس سرنگ کو ایسی خاموشی کے ساتھ ملا سرکار کے حجرے سے ملایا گیا کہ کوٹ مندو کے باسیوں کو کانوں کان بھی اس زیرِ زمین تبدیلی کی ہوا نہ لگ سکی۔

ُملاّ سرکار اس سرنگ کے ذریعے کسی کی نظروں میں آئے بغیر سرحد پار آنے جانے کے لئے آزاد تھا۔ اسی طرح اس سے ملنے والے بھی اس سرنگ کو استعمال کرسکتے تھے۔ جن کاموں کے

لئے سرنگ سود مند نہ ہوتی' سرحد پار کے ایجنٹ ملّا سرکار کے معتقدین کے روپ میں اس کے آستانے پر آجاتے تھے۔

کوٹ مندو والوں کے نزدیک ملّا سرکار مدت دراز سے کہیں باہر نہیں گیا تھا جب کہ ہم کئی دن تک اسے مسلسل کراچی میں دیکھتے رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ ملّا سرکار ایسے ہر موقع پر اپنے حجرے سے غائب ہو کر دوبارہ وہیں سے نمودار ہوتا تھا اور اپنی بیرونی سرگرمیوں کے لئے اس مستقر کو استعمال کرتا تھا جو سرحد پار واقع تھا۔

اگر وہ کراچی سے غزالہ کو اپنے ساتھ لایا تھا تو اس نے اسے یقیناً سرحد پار ہی چھوڑا تھا۔ غزالہ کو اپنے آدمیوں کی تحویل میں دے کر اس نے سرنگ میں سفر کیا ہوگا اور اپنے حجرے کا دروازہ کھول کر مراقبہ ختم ہونے کا اعلان کرتا ہوا باہر آگیا ہوگا۔ حساس اور مخدوش سرحدی علاقے میں زیرِ زمین نقل و حرکت کی اور بات تھی لیکن زمین پر وہ سفر کبھی بھی محفوظ تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں ملّا سرکار یہ خطرہ مول لینے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بے ہوش یا مقید غزالہ کو بھی ساتھ لے کر سرحد عبور کرتا۔ میں نے اس امکان پر جتنا غور کیا' اسی قدر مجھے اپنا پہلا خیال باطل نظر آنے لگا اور یہ یقین ہونے لگا کہ غزالہ کوٹ مندو میں یا سرحد پار قید نہیں ہے بلکہ ملّا سرکار نے اسے کراچی ہی میں کہیں قید کیا ہوا ہے۔

ہمارے پاس ملا سرکار کے انتظار کرنے کا وقت نہیں تھا۔ دوسری طرف سرنگ میں پیش قدمی بھی ناگہانی خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی تھی۔ اس کے دوسرے سرے پر باہر نکلنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا۔ اس لئے میں نے وقت ضائع کئے بغیر وہاں موجود اسلحے کے ذخیرے میں ایک حسّاس ٹائم بم تلاش کرکے اس کے ٹائمر کو بیس منٹ کی مدت پر سیٹ کیا اور دوسرے بارودی اسلحے کے ساتھ اس ٹائم بم کو اس حصے میں رکھ دیا جہاں کمرے نے تنگ سرنگ کی صورت اختیار کرلی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس دھماکے کے نتیجے میں زیرِ زمین سرنگ کا بڑا حصہ منہدم ہوجائے گا اور ملا سرکار اس راستے سے کبھی کوٹ مندو نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر اس کا مقدر زیادہ ہی خراب ہوتا تو وہ اپنی بیٹری والی گاڑی میں کوٹ مندو کی حدود میں پہنچ کر دھماکوں کی زد میں آسکتا تھا۔

یہ کارروائی مکمل کرکے میں نے ملا سرکار کے ذخیرے میں سے عمدہ وھسکی کی دو بوتلیں اپنی جیبوں میں منتقل کیں اور دیوار گیر سیڑھیوں کو طے کرتا ہوا اوپر پہنچ گیا جہاں ویرا میری منتظر تھی۔

اس نے فوراً ہی وھسکی کی ایک بوتل کھول کر اس میں سے دو گھونٹ لئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی "یہ ملا وھسکی بھی اپنی نسل کا اکلوتا جانور معلوم ہوتا ہے۔ حجرے میں بند ہو کر رند اور باہر پارسا بن جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ آج بھی لوگ ایسے بہروپیوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یہ سرنگ کہاں تک جارہی ہے؟"

"وہ سرنگ میں سفر کرنے کے لئے بیٹری سے چلنے والی گاڑی استعمال کرتا ہے۔ شمسی بیٹریاں بھی موجود ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سرنگ سرحد پار نکلتی ہوگی" میں نے اس کے ہمراہ حجرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

باہر سناٹا تھا' رائفلیں واپس مل جانے پر محمود کی بن آئی تھی۔ اس نے صحیح نشانے بازی کرکے ایک مسلح لڑکے کو زخمی کردیا تھا اور دوسرا خود ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ گاؤں والے اپنے گھروں میں دبکے ہوئے غیب سے ظہور میں آنے والی ان خبروں کے منتظر تھے جو ملا سرکار کے حجرے کی بے حرمتی کے نتیجے میں جنم لے سکتی تھیں۔

میرا ارادہ گاؤں کے بزرگوں کو جمع کرکے ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی کے موضوع پر ایک مختصر مگر اثر انگیز تقریر کرنے کا تھا لیکن آبادی کے قریب جانے میں کسی کو نے کھانچے سے وار ہونے کا ڈر تھا اس لئے ہم آہستہ آہستہ کوٹ مندو سے باہر نکل گئے۔ جنگل میں پہنچتے ہی ہم نے کوٹ مندو میں ایک کہرام برپا ہوتے سنا۔ شاید میدان صاف ہوتے ہی وہ سب ملا سرکار سے اپنی بے پناہ عقیدت کے اظہار میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

میں نے اضطراری طور پر اپنی جیپ کا رخ گھما کر اسے دوبارہ کوٹ مندو کی طرف موڑ لیا۔

"واپس کیوں جارہے ہو؟" ویرا پریشان ہوگئی "اگر مذہبی جنون میں ان کا دماغ پھر گیا تو وہ گولیاں کھا کر گرنے کے باوجود ہماری بوٹیاں نوچ کر رکھ دیں گے۔"

"میرا ان سے مقابلے کا کوئی ارادہ نہیں ہے" میں نے اسے اطمینان دلایا "میں انہیں ان کے گھروں میں لوٹانا چاہتا ہوں۔ وہ عقیدت میں حجرے کے گرد پھیل گئے تو سرنگ میں ہونے والے دھماکوں کے ساتھ بیسیوں افراد کے چیتھڑے اُڑ جائیں گے۔"

میرا اندیشہ سو فی صد درست نکلا۔ عمر اور جنس کے کسی امتیاز کے بغیر شاید کوٹ مندو کی ساری آبادی اپنے گھر دار کو چھوڑ کر میدان میں نکل آئی تھی۔ وہ لوگ بین کرتے ہوئے حجرے کے پاس جمع ہورہے تھے۔

کئی منٹ گزر چکے تھے۔ وقت کم رہ گیا تھا اس لئے میں نے اپنی جیپ آبادی کے سرے پر روک کر انجن کو ریس دیتے ہوئے ہارن بجانا شروع کردیا۔ لوگوں نے پلٹ کر ہمیں دیکھا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس بار ایک عجیب بات ہوئی کہ سب لوگ تو گھروں کی طرف بھاگ رہے تھے لیکن تین سن رسیدہ اور باریش افراد ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے براہِ راست ہماری طرف آرہے تھے۔

میں انجن بند کرکے ان کے احترام میں جیپ سے نیچے اتر کر کھڑا ہوگیا۔

"سائیں سرکار کہاں ہیں؟ تم نے حجرے میں گھس کر ان کے ساتھ کیا کیا ہے؟" وہ تینوں الم زدہ آوازوں میں دور ہی سے چلّانے لگے "تم بھیڑئے ہو' تم نے ہمارے پیر کی بے حرمتی کی ہے۔"

"حجرہ خالی تھا" میں نے اونچی اور پاٹ دار آواز میں انہیں آگاہ کیا۔

"مولا! تیری شان!" دو بوڑھوں نے گڑگڑا کر دعائیہ انداز میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادئے "ہمیں معلوم تھا' ہمارے دل کہتے تھے کہ تم سائیں سرکار کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ مولا تمہیں اندھا کردے گا یا پیر سائیں کو آسمان پر اٹھالے گا۔ تم ہماری بستی میں اب واپس کیوں آئے ہو؟ ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

"ملا سرکار ایک بدمعاش ہندو جاسوس ہے جو برسوں سے تمہیں بے وقوف بنارہا ہے" میں نے دیکھا کہ میرے الفاظ پر ان کے بشروں پر زلزلے کے آثار پیدا ہوگئے۔ شاید وہ زیرِ لب مجھے کوس بھی رہے تھے۔

"اس حجرے میں ایک سرنگ ہے جس میں اتر کر وہ سرحد پار چلا جاتا تھا اور تم سمجھتے تھے کہ وہ مراقبے میں ہے۔ اس سرنگ میں منوں گولہ بارود اور ہتھیاروں کے ساتھ شراب بھی رکھی ہوئی ہے۔ ہم تمہیں حجرے سے دور رکھنے کے لئے آئے ہیں کیونکہ تھوڑی دیر میں سرنگ کے ساتھ حجرہ بھی ایک دھماکے سے اُڑنے والا ہے۔ تمہارا ملا سرکار سرحد پار اپنے آقاؤں کے ساتھ بیٹھا ہوا عیش کررہا ہوگا۔ وہ آئے تو تمہیں اس کا سر کچل دینا چاہئے۔"

"تم جھوٹے اور اس کے دشمن ہو" ایک بوڑھے نے خوف اور غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "ہمیں معلوم ہے کہ علاقے کے سارے میر اور پیر ملّا سرکار کے دشمن ہیں اور ان کی گدی پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم ان ہی میں سے کسی کے آدمی ہو لیکن یاد رکھو کہ تم مر کر بھی ہمارے دلوں میں سائیں سرکار کی عزت کم نہیں کرسکتے۔"

"وہ جاسوس تھا' تم دیکھ لینا کہ کل فوج یہاں ڈیرے ڈال لے گی اور سرنگ تو ابھی تمہارے سامنے ....." میرا فقرہ ادھورا رہ گیا کیونکہ ایک دھماکے سے زمین لرز اٹھی تھی۔ حجرے کے عقب میں زمین سے ریت کا غبار بلند ہوا اور پھر پے در پے متعدد دھماکوں نے پوری بستی کو ہلا کر رکھ دیا۔

فضا میں ہر طرف غبار اور ملبہ پھیل گیا تھا۔ ملّا سرکار کا پرشکوہ حجرہ اسی غبار میں ڈھیر ہوچکا تھا۔ پھر اس ملبے نے تیزی کے ساتھ آگ پکڑ لی۔ تینوں بوڑھوں کے شکن آلود چہروں پر دہشت کی سیاہی پھیل گئی۔ وہ گھوم کر اس عبرت ناک تباہی کا تماشا دیکھنے لگے جو ان کے لئے ناقابلِ یقین تھی۔

میری واپسی کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ دھماکے سے کوٹ مندو کے کسی باسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی روشنی میں اس ملبے کے شعلے مجھے بلیک کیٹ ٹی کی چتا سے بھڑکتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

میں نے خاموشی کے ساتھ جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ہماری واپسی کے سفر کا آغاز ہو گیا۔

○☆○

ہمارے شکار کئے ہوئے پرندے کوٹ مندو میں اتار لئے گئے تھے اس لئے واپسی میں ہم خالی ہاتھ تھے لیکن ہم جیسے ناکام شکاریوں کی دلجوئی کے لئے بعض مقامات پر تازہ تازہ شکار کئے ہوئے پرندے سرِعام فروخت کئے جاتے تھے۔ محمود کی رہنمائی میں ہم نے ایک جگہ سے کافی تیتر خرید کر جیپ میں ڈال لئے تاکہ منظور ماموں اور ان کے ملازمین کے سامنے سُبکی سے محفوظ رہ سکیں۔

واپسی پر ہمارا منظور ماموں سے فوری طور پر سامنا نہیں ہوا کیونکہ اس روز وہ بھی اپنی کسی پیشی پر کچہری گئے تھے اور واپسی پر نہا دھو کر اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔

محمود ملازموں کو رات کے کھانے کے لئے تیتر بھوننے کی ہدایات دے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کوثر نے مردانہ لباس میں ملبوس ویرا کا بہت حسرت کے ساتھ استقبال کیا تھا کیونکہ اپنے سخت گیر باپ کے سامنے وہ مغربی وضع کا لباس پہننے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ اسے نسوانی سج دھج کا یہ انداز بہت پسند آیا تھا۔

میں نہا دھو کر اپنے کمرے سے باہر نکلا تو منصور سے ٹکراؤ ہو گیا۔

"ملّا سرکار کی طرف گئے تھے نا؟" اس نے کھوئے کھوئے لیکن پُریقین لہجے میں سوال کیا۔

"گیا تھا، پھر تم میرا کیا بگاڑ لو گے؟" مجھے اس کے انداز پر بلاوجہ غصہ آ گیا۔

"کچھ بھی نہیں" وہ سادگی سے بولا "ابّا جان کو یہ جان کر بہت خوشی ہو گی۔"

"میں تمہارے ابّا جان کو خوش کرنے کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں" میں پھر چڑ گیا۔

"تو پھر واپس کب جا رہے ہو؟" اس نے برجستہ سوال کیا تھا۔

"جب دل چاہے گا، اب میں تمہارا نہیں، تمہارے باپ کا مہمان ہوں۔"

"ہوا کرو لیکن اتنا ضرور جان لو کہ ابّا جان کو ناخوش رکھنے والے اس چھت کے نیچے کبھی سکھی نہیں رہتے۔ تم جتنی جلدی چلے جاؤ اتنا ہی اچھا ہو گا" وہ پوری طرح سنجیدہ تھا۔

"میرے جانے سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟" میں نے زِ... ہو کر سوال کیا۔

"میں تمہیں چھوڑنے جاؤں گا، جہانگیر بھائی بہت مہما... نواز آدمی ہیں۔ وہاں جن پی کر بہت سرور آتا ہے۔"

اسی وقت منظور ماموں بھی کھنکھارتے ہوئے اپنے کمر... سے برآمد ہوئے اور منصور ہڑبڑا کر آگے بڑھ گیا۔

منظور ماموں نے مجھے دیکھتے ہی نہایت تپاک کے ساتھ چہک... شروع کر دیا اور پھر ہمارے شکار کا حال احوال پوچھتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ راستے میں خرید... ہوئے شکار کی مقدار کے پیشِ نظر میں انہیں نشانے بازی کے... شمار قصے سنانے کی پوزیشن میں تھا لیکن میں اس وقت سنجیدہ گفتگ... کے موڈ میں تھا اس لئے میں نے فوراً ہی بات اپنے مطلب ... موضوع کی طرف موڑ دی اور کہا "شکار کے ساتھ ہی ہم آ... کوٹ مندو کی طرف بھی گئے تھے۔"

انہوں نے تیز نظروں سے مجھے گھورا اور بولے "میں نے ... تھا کہ کوٹ مندو میرے ساتھ چلنا۔ ملا سرکار سے میری اچھ... خاصی آشنائی ہے۔ اس سے بھی تمہاری ملاقات کرا دیتا۔ ا... کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے مل کر انسان کے اپنے نفس ... تربیت ہوتی ہے۔"

میرا دل چاہا کہ انہیں ان کے نفس کی اس حیوانی تربیت ... اشارہ دوں جس سے مجبور ہو کر وہ اپنے بیٹے کے بعد ویرا ... اظہارِ عشق کر بیٹھے تھے لیکن میں کچھ کہے بغیر سر ہلا کر رہ گیا۔

"تم گاؤں میں گئے تھے؟" میری احمقانہ اور بے مقصد تا... پر انہیں پوچھنا ہی پڑ گیا۔

"گیا نہیں تھا بلکہ لے جایا گیا تھا" میں نے سر جھکا... عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے ... پوچھا۔

"ہم کوٹ مندو کے اطراف میں شکار کھیل رہے تھے کہ مسلح غنڈوں نے ہمیں گھیر لیا اور اسلحے کے زور پر مجبور کر... ہمیں گاؤں میں لے گئے جہاں ہمیں غیر مسلح کر کے مسجد میں ... کر دیا گیا۔"

"میاں، کیا بک رہے ہو؟ تم بھنگ تو نہیں پی گئے؟" غصیلے لہجے میں غرائے۔

"پہلے مجھے بھی یہی شبہ ہوا تھا لیکن بعد میں حقیقت سا... آ گئی۔ کوٹ مندو میں تو کھلی غنڈہ گردی کا راج تھا۔ اد... جانے والے اجنبیوں کو پکڑ کر ملا سرکار کے سامنے پیش کیا ج... ہے۔ وہی ان کی قسمت کا فیصلہ سناتا ہے۔"

"خیر خیر، تمہارے ساتھ ایک سفید فام لڑکی بھی تھی، انہ... غلط فہمی ہو گئی ہو گی" منظور ماموں یک طرفہ طور پر ملا سرکار ا...

...ں کے آدمیوں کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتے تھے۔

"لڑکی کو ہم لڑکا بنا کر لے گئے تھے" میں نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"تم لوگوں کو ایسی واہیات حرکت کی کیا ضرورت تھی؟" انہوں نے آنکھیں نکالیں پھر قدرے توقف کے بعد خود ہی بولے۔ "لیکن ملا سرکار نے تو تمہیں رہا کر دیا نا؟ وہ بہت نفیس اور درویش صفت آدمی ہے۔"

"اس سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ وہ مراقبے میں تحلیل ہو گیا تھا۔"

"تحلیل ہو گیا تھا!" وہ حیرت سے تقریباً چیخ اٹھے "تم کیا اول فول بک رہے ہو؟"

"ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ حجرے میں مراقبے میں ہے اور جب تک مراقبے سے باہر نہیں آئے گا، ہمیں کوٹ مندو کی مسجد میں قید رہنا ہو گا۔ ہم نے قید سے فرار ہو کر حجرے کا دروازہ توڑا تو ملّا سرکار وہاں نہیں تھا۔"

منظور ماموں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر ہولے ہولے کراہنے لگے۔ میرے تابڑتوڑ انکشافات نے ان کے ہلکے پھلکے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ وہ نحیف آواز میں بولے "تم نے وہاں مار دھاڑ بھی کی تھی؟"

"ہم مجبور کر دئے گئے تھے" میں نے بے چارگی سے کہا۔ "ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو اس وقت کوٹ مندو کی مسجد میں اونگھ رہے ہوتے، دراصل ملّا سرکار وہ نہیں ہے جو خود کو ظاہر کرتا ہے۔"

میری جسارت منظور ماموں کے لئے ناقابلِ برداشت تھی، وہ میز پر مکا مار کر بولے "بس! اب اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا، پتا نہیں آج کل کے لونڈوں میں دہریہ پن کیوں مقبول ہو رہا ہے؟ اللہ والوں کی توہین اور تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں اور میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ ملّا سرکار کے بارے میں تمہاری ہرزہ سرائی بالکل بکواس ہے، تمہیں اس کے بارے میں کوئی شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کاش! آج آپ میرے ساتھ ہوتے تو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیتے..."

انہوں نے برہمی کے ساتھ میری بات کاٹ دی اور بولے۔ "میں ثبوت کے بغیر کوئی بات تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"ثبوت تو اب بھی کوٹ مندو میں موجود ہے" میں نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا، پھر اچانک ہی مجھے منظور ماموں کی دُکھتی رگ کا خیال آیا "یہ صرف میرا بیان نہیں ہے، ویرا بھی اس کی تصدیق کر سکتی ہے۔"

منظور ماموں کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لئے حریصانہ چمک نمودار ہوئی مگر انہوں نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور بے پروایانہ لہجے میں بولے "بلاؤ، اسے بلاؤ! وہ سچ بتائے گی۔"

میں فوراً ہی ڈرائنگ روم سے اپنے کمرے میں پہنچا جہاں ویرا کسی بات پر سلطان شاہ سے الجھ رہی تھی۔

"جلدی چلو، بڈھا تمہیں یاد کر رہا ہے" میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"میں اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ اب یہ عمر کی ایسی منزل پر آ گئی ہے جہاں جوانوں کے ساتھ ساتھ بڈھے بھی اس میں دلچسپی لینے لگے ہیں" سلطان شاہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میں نے جلدی جلدی ویرا کو بتایا کہ منظور ماموں میری سنائی ہوئی باتوں پر بری طرح بدک رہے ہیں اور اسے جلد از جلد انہیں یقین دلانا ہے کہ ملّا سرکار واقعی بدمعاش ہے۔ اس کی کہی ہوئی ہر بات کو وہ توجہ سے سنتے اور انہیں اپنے دل پر پتھر رکھ کر اس کی کسی بات کی تردید کرنا پڑتی کیونکہ وہ اس کی خوشنودی کو عزیز رکھنے والوں میں شمار کئے جا سکتے تھے۔

منظور ماموں نے ولایتی آداب کے مطابق صوفے سے اٹھ کر ویرا کا استقبال کیا تھا جب کہ مجھے وہ شاید ناک چڑھا کر گھورتے رہ جاتے۔ ویرا کو دیکھ کر ان کے موڈ میں خاصی خوشگوار تبدیلی آئی تھی۔

"اب تم بتاؤ کہ کوٹ مندو کا کیا قصہ ہے؟" منظور ماموں نے ویرا سے کہا "ڈینی نے تو اپنی الٹی سیدھی باتوں سے میری کھوپڑی گھما کر رکھ دی ہے۔"

"کوٹ مندو کو ملّا سرکار نے اپنی جاگیر بنایا ہوا ہے جہاں مسجد عبادت گاہ کے ساتھ قید خانہ بھی ہے۔ وہ عبادت اور مراقبے کے بہانے اپنے کمرے میں بند ہو جاتا ہے اور پھر سرنگ میں اتر کر سرحد پار چلا جاتا ہے۔ اس کے معتقد یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا پیر اپنے حجرے میں بھوکا پیاسا رہ کر عبادت کر رہا ہے" ویرا نے کہا۔

"حجرے میں سُرنگ کہاں سے آ گئی؟ میں خود وہاں جا چکا ہوں۔"

"ہم نے بھی سرنگ کا دہانہ بہت مشکل سے تلاش کیا تھا۔ وہ ملّا سرکار کے عالی شان تخت کے عین نیچے واقع ہے۔ سرنگ، حجرے کے نیچے واقع تہ خانے سے شروع ہوتی ہے۔ اس تہ خانے میں شراب اور گولہ بارود کے ذخائر بھی موجود تھے۔ ملا سرکار اس لمبی سرنگ کو طے کرنے کے لئے سولر بیٹری سے چلنے والی گاڑی استعمال کرتا ہے۔"

"حیرت ناک باتیں کر رہی ہو تم!" میرے اندازے کے عین مطابق منظور ماموں کو ویرا سے اختلافِ رائے کرنے میں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا "ملّا سرکار ایک گاؤں کا سیدھا سادہ مولوی ہے، اسے کیا پتا کہ سولر بیٹری کیا ہوتی ہے۔"

"ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ سرنگ ملا سرکار کے حجرے کو سرحد پار کے کسی اڈے سے ملاتی ہے۔ مولوی کے روپ میں وہ ہندوؤں کا کوئی اہم ایجنٹ ہے جو اپنے ناپاک عزائم پورے کرنے کے لئے کوٹ مندو میں رہ رہا ہے۔"

"وہ واپس آئے گا تو اسے پتا چلے گا کہ اس کے راز فاش ہوچکے ہیں؟" منظور ماموں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"ڈیُنی نے تہ خانے میں موجود بارود کو تباہ کرکے سرنگ کا خاصا حصہ تباہ کردیا ہے۔ اب ملا سرکار اس سرنگ کے ذریعے واپس نہیں لوٹ سکتا۔ اس نے کوئی دوسری راہ اختیار کی تو کوٹ مندو کے لوگ اسے خوش آمدید نہیں کہیں گے۔ وہ سمجھ چکے ہیں کہ ملّا سرکار ایک لمبی مدت سے انہیں فریب دے رہا تھا۔"

"تم کہہ رہی ہو تو یقین کئے لیتا ہوں لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ ایسا ہوسکتا ہے" منظور ماموں اپنی نشست پر بے چینی کے ساتھ پہلو بدل کر رہ گئے۔ ویرا کے بجائے میں نے وہ باتیں ان کے گوش گزار کی ہوتیں تو وہ کافی دیر پہلے مجھے کمرے سے نکال چکے ہوتے۔

"اب آپ سے ایک بہت ضروری کام پیش آگیا ہے۔" انہیں حقائق کو ہضم کرنے کی معقول مہلت دینے کے بعد میں نے مودّب لہجے میں کہا "مجھے امید ہے کہ آپ ہم سے تعاون کریں گے۔"

"کیا کام ہے؟" وہ سنجیدگی کے ساتھ مجھے گھورتے ہوئے بولے۔

"ملّا سرکار کا قصہ تو ختم ہوگیا ہے لیکن حسّاس سرحدی علاقوں میں ایسی سرگرمیاں آسانی کے ساتھ نظرانداز نہیں کی جاسکتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ علاقے کے کسی فوجی کمانڈر کو کوٹ مندو کے حالات سے آگاہ کردیں تاکہ ملا سرکار کے حجرے سے سرحد پار جانے والی سرنگ پر تحقیق کی جاسکے۔ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے علاقے میں کہیں اور بھی ایسے زیرِزمین مواصلاتی جال پھیلائے ہوئے ہوں۔"

"کوٹ مندو رینجرز کا علاقہ ہے۔ شاید اس پر توجہ بھی نہیں دی جاتی ہوگی۔ تمہاری لائی ہوئی خبریں اگر درست ہیں تو ہم اپنی آنکھیں بند کرکے نہیں رہ سکتے۔ ایسی سازشیں قومی سلامتی کے حق میں سم قاتل ثابت ہوسکتی ہیں" منظور ماموں کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے خوشی ہوئی کہ منظور ماموں قومی جذبے سے بالکل عاری نہیں تھے۔

"ذاتی مجبوریوں کی وجہ سے میں سامنے نہیں آسکتا۔ اس لئے یہ کام آپ ہی کو کرنا ہوگا۔"

"میں ایریا کمانڈر سے بات کروں گا" ملّا سرکار کے بارے میں تلخ حقائق کی نشاندہی نے شاید منظور ماموں کی انا پسندی پر ضرب لگائی تھی اور وہ کچھ اداس نظر آنے لگے تھے۔

اس رات کھانے کی میز پر بھی خاموشی رہی۔ منظور ماموں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور ہم تینوں ا... کمرے میں آگئے۔ دن بھر کی تکان کے بعد بستروں کی نرم آغو... کا تصور بہت سہانا تھا لیکن اسی کے ساتھ ہمیں اپنا اگلا لائحہ ع... بھی طے کرنا تھا۔

کراچی سے ہم ملّا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کی تباہی اور غزال... بازیابی کا مشن لے کر رانی پور کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ کو... مندو میں رونما ہونے والے واقعات کے نتیجے میں یہ مشکل نظ... آتا تھا کہ ملّا سرکار کوٹ مندو میں دوبارہ اپنے قدم جماسکے... اندرون سندھ میں تخریب کاریوں کے لئے وہ گاؤں اس کا... سے مضبوط مواصلاتی مرکز تھا جہاں بیٹھ کر وہ اندرونی اور بیر... ایجنٹوں کو ہدایات دیتا رہتا تھا۔ اس کے ختم ہوجانے کے بعد ا... کی سرگرمیاں بری طرح متاثر ہوسکتی تھیں۔

سرحد پار سے آئے ہوئے پیشہ ور تخریب کاروں سے را... رکھنے کے لئے ملّا سرکار لاسلکی آلات استعمال کرسکتا تھا لیک... مقامی ایجنٹوں سے اس کے رابطے بکھر کر رہ جاتے اور شاید اس... ہتھیاروں کی خریداری کا معاملہ بھی التوا میں پڑ جاتا۔

میرا اپنا خیال تھا کہ ہماری اس مہم میں کسی کا کچھ نہیں... تھا مگر ملا سرکار کی مقامی بیوی اور اس کے بطن سے پیدا ہو... والے بچوں کا مستقبل تباہ ہوگیا تھا۔ وہ اس کہانی کے معص... ترین کردار تھے جن کا کوئی جرم نہیں تھا لیکن حالات کے ہاتھ... انہی کو سب سے کڑی سزا جھیلنا پڑ رہی تھی۔

ملا سرکار کے لئے وہ ایک جوا تھا۔ وہ خود کہہ چکا تھا کہ ا... دھرتی کی بھلائی کے لئے وہ اپنے بیوی بچوں کی بھی بھینٹ د... سکتا تھا اور وہ اس قدر خود غرض شخص تھا کہ اپنے دعوے کو ع... جامہ پہنا سکتا تھا۔

کوٹ مندو میں ہونے والے واقعات سے اسے جلد... آگاہی حاصل ہوسکتی تھی جس کے بعد وہ سندھ میں گڑبڑ اور... چینی پھیلانے کے کسی نئے منصوبے پر کام شروع کرسکتا تھا۔ کام آگے بڑھانے کے لئے ہتھیار اس کی سب سے بڑی ضرور... تھے جو اسے صرف اور صرف ویرا سے مل سکتے تھے اس لئے... اندازہ تھا کہ سرنگ میں واپسی پر راہ مسدود پاکر جوں ہی ا... بدلے ہوئے حالات کا اندازہ ہوتا تو وہ فوری طور پر سب کچھ چھ... چھاڑ کر کراچی روانہ ہوجاتا۔

وہ ویرا کے اصل ارادوں سے لاعلم تھا۔ اسے اتنا معلوم... کہ چند دن بعد اسلحے کی آمد شروع ہونے والی تھی۔ جب کہ کھ... بگڑ جانے کی وجہ سے وہ کوئی مال وصول کرنے کی پوزیشن میں نہ... رہا تھا۔

کراچی میں ویرا اپنی قیام گاہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کی عف... خواب گاہ کے ننگے فرش پر ہندو پنچایت کے مقامی سربراہ کی لا...

...دفن پڑی ہوئی تھی۔ کراچی پہنچنے کے بعد جب بلیک کیٹ ...ے رابطہ کرنے میں ناکام رہتا تو وہ فطری طور پر اس کے ...مکان کی طرف متوجہ ہوتا اور وہاں موہن داس کی لاش دیکھ ...ات کی کڑیاں یکجا کرلیتا۔

موہن داس وہ واحد آدمی تھا جو بلیک کیٹ ٹی کے گاؤں کوٹ ...کے نام سے واقف تھا۔ اس کی لاش دیکھتے ہی بلیک کیٹ ٹی ...بتا کہ ہم لوگوں نے موہن داس کی زبان کھلوانے کے بعد ...مندو پر دھاوا بولا تھا۔ ساری بات کھل جانے کے بعد وہ ...اعتبار نہیں کرسکتا تھا اور انتقامی کارروائی کے طور پر غزالہ ...اتھ بھی زیادتیوں کا مرتکب ہوسکتا تھا اس لئے ہمارا رانی

...ں رکے رہنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

حالات بہت تیزی سے بدلے تھے اور ان کا تقاضا تھا کہ ہم ...یٹ ٹی سے پہلے کراچی پہنچ کر موہن داس کی لاش کو ٹھکانے ...ا کہ بلیک کیٹ ٹی کو دھوکا دے کر غزالہ کو حاصل کرنے کی ...ہموار کی جاسکے۔

قلندر اپنے ساتھیوں سمیت مارا جاچکا تھا اس لئے کوٹ ...میں کوئی بھی ملّا سرکار کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس کے حجرے

...لہ آور ہونے والے کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ اگر ...ر ماموں اپنے رسوخ کو بروئے کار لاکر فوجی حکام کو کوٹ مندو ...طرف فوری طور پر متوجہ کرانے میں کامیاب ہوجاتے تو یہ بھی ...تھا کہ گرفتاری کے خوف سے ملا سرکار سرے سے ہی ادھر کا ...نہ کرتا اور کراچی چل دیتا۔

"ہمارے لئے ایک ایک منٹ قیمتی ہے، کھیل بگڑ گیا تو اس ...ب سے زیادہ نقصان غزالہ کو پہنچے گا" سلطان شاہ نے کہا۔ ...وقت موہن داس کی لاش کا غائب کیا جانا سب سے زیادہ ...ری ہے۔"

"یہاں سونے کے بجائے کسی کار میں روانہ ہوکر ہم صبح سے ...کراچی پہنچ سکتے ہیں" ویرا نے رائے دی۔

کراچی میں جہانگیر کو فون کرکے اسے ان معاملات کے ...ے میں اعتماد میں لیا جاسکتا تھا لیکن اس کے پاس ایسے ...ل نہیں تھے کہ وہ ویرا کی سابقہ رہائش گاہ سے موہن داس ...ش اٹھوانے کا بندوبست کرسکتا۔ میرے ذہن میں دوسرا نام ...د کا تھا لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کی واپسی کے بعد اسے ملوث ...ا خود ش ہوسکتا تھا۔ جیوانی کو بھنک بھی مل جاتی کہ میرے شی ...دوستانہ مراسم برقرار تھے تو میرے لئے مشکلات پیدا ہوسکتی ...ں۔ ان دنوں میری یورپ میں طلبی کا قصہ بھی چل رہا تھا جہاں ...لائیڈ اور سپرڈان میرے بارے میں کوئی مفاہمت کرنا چاہ رہے ...ے۔ ویرا کی ذات کے حوالے سے شی کی طرف میرے جھکاؤ کی

کوئی بھی افواہ یا خبر مافیا والوں سے میرے مراسم پر منفی انداز میں کام دکھا سکتی تھی۔ سپرڈان میری تیزی سے بدلتی ہوئی وفاداریوں سے بدظن ہوکر مجھے جمی لائیڈ کے حوالے کردیتا جو ابتدا ہی سے میرے لہو کا پیاسا تھا۔

ان دونوں کے خارج ازامکان ہوجانے کے بعد ایک ہی راہ باقی رہ جاتی تھی کہ ہم بلا تاخیر کراچی پہنچ کر اپنے مہرے درست کرلیں تاکہ بلیک کیٹ ٹی ہمارے چنگل سے نہ نکل سکے۔

اس رات منظور ماموں کا موڈ خوش گوار نہیں تھا اس لئے پہلے میں نے ویرا کو ثریا کے پاس بھیجا تاکہ وہ اپنے باپ کو ہماری ملاقات کی خواہش سے آگاہ کرسکے لیکن ویرا خبر لائی کہ منظور ماموں کو ان کی خواب گاہ میں کوئی نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ وہاں خلل انداز ہونے والے کو منظور ماموں کے عتاب کا نشانہ بننا پڑتا ان کا ایک خاص ملازم ہی خلوت میں جاسکتا تھا اور وہ بدقسمتی سے اس وقت ان کی خواب گاہ میں ہی تھا۔

پچھلی رات کے ویرا کے تجربے کی روشنی میں منظور ماموں کی وہ پابندیاں قابلِ فہم تھیں۔ اپنے بچوں کے لئے وہ اصول پرست اور پارسا آدمی تھے لیکن اپنی خواب گاہ میں ان سے چھپ

کر وہ شراب نوشی کرتے تھے اور اس راز کو ہر قیمت پر ایک سربستہ راز ہی رکھنا چاہتے تھے۔

ویرا ان کی مے نوشی میں شریک ہو چکی تھی اس لئے میں نے اسی کو حوصلہ دلا کر ان کی خواب گاہ کی طرف ہانک دیا۔

ویرا نے ان کی خواب گاہ کے بند دروازے پر دستک دی' اندر سے کچھ استفسار ہوا اور پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ ویرا کو اندر جاتا ہوا دیکھ کر میں بھی دروازے سے اپنے کمرے میں آگیا۔

ویرا تقریباً بیس منٹ بعد واپس آئی تو اس کا چہرہ مسّرت سے دمک رہا تھا۔

منظور ماموں اپنی خواب گاہ میں حسبِ معمول مے نوشی میں مصروف تھے اس لئے ہمارے پروگرام میں اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی سے وابستہ کوئی باریکی انہیں نہ سوجھ سکی۔ وہ ویرا کی دلربایانہ باتیں سنتے اور جھومتے رہے اور جب ویرا نے رانی پور سے فوری روانگی کے بارے میں اجازت طلب کی تو اسے فوراً پروانۂ راہداری مل گیا۔ اس بارے میں انہوں نے ویرا کو محمود سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جو ہماری روانگی کے انتظامات کرا سکتا تھا۔

محمود نے وہ خبر حیرت کے ساتھ سنی لیکن فوراً ہی کرائے کی کار کا بندوبست کرنے چلا گیا۔ وہ میری ہی تجویز تھی کیونکہ میں واپسی کے سفر میں ان کی کوئی گاڑی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہماری تیاریاں فوراً ہی مکمل ہو گئیں۔ محمود کرائے کی ٹویوٹا کراؤن لایا تو ہم کوثر کو الوداع کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ نشے کے عالم میں منظور ماموں کا باہر آنا خارج از امکان تھا' منصور حویلی کی بھول بھلیّوں میں لاپتا تھا۔

قومی شاہراہ پر ہمارا وہ سفر سنسنی کے اعتبار سے ایک نہ بھولنے والا تجربہ تھا۔ رات بھر رواں رہنے والے ٹریفک کی تیز روشنیوں میں سڑک کی خستہ حالی بعض مقامات پر ہمیں مقاماتِ آہ دفغاں سے بھی آگے لے گئی اور ہم نے یہ سوچ کر اپنی اپنی آنکھیں بھینچ لیں کہ بس اگلے ہی لمحے میں سامنے سے آنے والا دیو ہیکل ٹرک ہمیں گاڑی سمیت روندتا ہوا گزر جائے گا لیکن ڈرائیور کے لئے وہ راستہ اور اس کے مہلک نشیب و فراز دیکھے بھالے تھے۔ ہر بار ہم موت کے مُنہ میں جانے سے بال بال بچتے رہے۔ خدا کا شکر اور ڈرائیور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہمارا وہ سفر کسی نہ کسی طرح گزرتا ہی رہا۔

ہم علی الصباح بہادر آباد والے فلیٹ پر پہنچ گئے' اس وقت آسمان پر دھندلا سا اجالا نمودار ہوا تھا۔ شہر میں دودھ اور سبزی والوں کی گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہو چکی تھی ورنہ پورے شہر پر خواب ناک سکوت چھایا ہوا تھا۔

ہمیں فلیٹ پر نہیں رکنا تھا۔ میں نے سوئے ہوئے چوکیدار کو بیدار کر کے میزنائن فلور سے اپنی کار نکالی اور ہم اس میں ویرا

کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے جسے ویرا خیرباد کہنے کا فیصلہ تھی۔

راستے میں مجھے شبہ ہوا کہ آخری بار اس مکان پر فائر خاصا پُرشور تبادلہ ہوا تھا۔ پولیس اس طرف متوجہ ہو کر دریافت کر چکی ہوتی تو بھی ہمارا کھیل خراب ہو سکتا تھا لیکن پہنچ کر اندازہ ہوا کہ میرے تمام اندیشے بے بنیاد تھے مکان ویران پڑا ہوا تھا اور ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔

مکان میں بھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی لیکن جب نے عقبی خوابگاہ کا دروازہ کھولا تو تیز بدبو کے بھبکوں نے ہمارا شل کر کے رکھ دیا۔ موہن داس کی لاش بہت زیادہ پھول چکی اور سڑنا شروع ہو گئی تھی۔ میں نے فوراً ہی دروازہ بند کر مقفل کر دیا۔ فرش اور دروازے کی درمیانی خلا میں کپڑا ٹھ کر میں نے اپنی دانست میں موہن داس کی لاش اور اس پروان چڑھنے والے جراثیم کو اسی کمرے میں محدود کر دیا۔

ویرا سفید فام قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ لوگ غارت گری سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا جراثیم اور وباؤں دہشت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس نے گھر میں موجود جر کش ادویات کی ساری بوتلیں اور اسپرے اس حصے میں چھڑ خالی کر دئے۔

"اب کیا ہو گا؟ یہ لاش تو چھوئی بھی نہیں جا سکتی" ویر پُرتشویش لہجے میں سوال کیا تھا۔

"اسے بھول جاؤ' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس سرد میں لاش اتنی جلدی گل سڑ جائے گی۔"

"تو ہمیں اس لاش کے ساتھ ہی یہاں رہنا ہو گا؟ جراثیم کی امکانی یلغار سے خوف زدہ تھی۔

"مجبوری ہے' تمہارے ذہن میں اس کے علاوہ کوئی تج تو وہ بتا دو۔"

"یہ منحوس موٹا مر کر بھی ہمارے گلے پڑا ہوا ہے' بتا سکتی ہوں؟"

"ہندو اپنے مُردوں کی چتا جلاتے ہیں" سلطان شاہ بُ لہجے میں بولا "وہ کمرا خالی پڑا ہوا ہے۔ لاش پر پیٹرول چھڑ آگ لگا دی جائے تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔"

"گوشت اور ہڈیوں کے جلنے کی چراند پورے علا پھیل جائے گی" ویرا برا سا مُنہ بنا کر بولی۔

"اسے وہیں پڑا رہنے دو' ملّا سرکار اسی وقت یہاں کرے گا جب اس کی تم سے بات نہیں ہو سکے گی۔ اس گفتگو کے بعد ہی ہمیں آئندہ صورتِ حال کا اندازہ ہو سکے گ

ویرا خواب گاہ میں انتظام کرنے چلی گئی اور میں سلطان کے ہمراہ مکان کا چکر لگانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تاکہ با کھڑکیوں وغیرہ کی پوزیشن کا اندازہ لگا سکوں۔

اے کمرے کے علاوہ بھی اس مکان میں مزید دو خواب تھیں لیکن وہ زیرِ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے کچھ ابتر تھیں اس لئے ہم نے ایک ہی کمرے میں رہنے کا لیا۔ سلطان شاہ ڈرائنگ روم میں جانا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا۔ اس وقت حالات ایک سنگین موڑ چکے تھے۔ جب تک ہماری بلیک کیٹ ٹی سے گفتگو نہ ہمیں اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمیں کن خطرات کا سامنا

پہلا دن ہم نے کوٹ مندو کے سفر اور صعوبتوں میں گزارا رات بھر رانی پور سے واپسی کا سفر طے کرتے رہے تھے اس ہنیوں کا ہی جوڑ جوڑ ہلا ہوا تھا۔ گھر کے تمام دروازے مقفل کر کے ویرا نے خواب گاہ کی کھڑکیوں پر دبیز پردے اور دن میں رات کا سماں پیدا کر کے مسہری پر دراز ہو گئی۔ دونوں نے فرشی قالین پر چاندنیاں پھیلا کر اپنے بستر بنا لئے تھوڑی ہی دیر میں ویرا کے ساتھ سلطان شاہ بھی دنیا و مافیہا بے خبر ہو گیا۔

میرے اعصاب بھی بوجھل رہے تھے' رُواں رُواں ٹوٹ رہا نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں کروٹیں بدل بدل کر پھونکتا اور وقت گزارتا رہا۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا' میرے اعصابی دباؤ میں اضافہ رہا تھا۔ گیارہ بجے میں نے اپنا بستر چھوڑ دیا تاکہ فون پر سے بات کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکوں۔

میں نے خواب گاہ میں رکھے ہوئے اسپیکر فون کی لائن الگ تاکہ ڈائلنگ کے شور سے ان دونوں کی نیند میں خلل نہ اور خود ڈرائنگ روم میں آگیا۔

فون کا سلسلہ مل جانے پر دوسری طرف سے خود جہانگیر نے کال وصول کی تھی۔

"تم کہاں ہو؟ میں تو صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں" آواز پہچانتے ہی جہانگیر کی ہیجان آمیز آواز سنائی دی تھی۔ "رانی پور فون کیا تو پتا چلا کہ وہاں سے تم رات کو ہی نکل ہوئے تھے۔"

"میری تلاش کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے بوجھل سوال کیا۔

"آج صبح میرے پاس ایک گمنام فون آیا تھا' وہ سخت اور غصے کے عالم میں تمہارے بارے میں دریافت تھا۔ میرے بار بار پوچھنے پر بھی اس نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ بس تمہیں مغلّظات بکتا رہا۔ وہ دھمکیاں دے رہا جلد ہی تمہارا عبرت ناک حشر کرے گا اور تمہیں مار ڈالے

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کون ہو سکتا تھا؟" میرے لئے وہ اطلاع دلچسپ تھی۔

"وہ بلیک کیٹ ٹی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟ میں نے کہہ دیا کہ تم میرے پابند نہیں ہو جو اپنی نقل و حرکت سے مجھے باخبر رکھو۔ اس بات پر اس نے مجھے بھی کئی گالیاں سنائی تھیں۔"

"چلو' کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں سے بول رہا تھا؟"

"آواز بہت صاف تھی' بعض اوقات دوسرے شہروں کی کال بھی بہت صاف اور واضح سنائی دیتی ہے۔"

"تو کیا تم نے یہی بتانے کے لئے رانی پور فون کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے حیرت تھی کہ اس خبیث کو میرے فون نمبر کا علم کیسے ہو گیا؟"

"وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ اس وقت وہ پاگل کتّے کی طرح شہر کی سڑکوں پر بلبلاتا پھر رہا ہو گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا رانی پور کا سفر کامیاب رہا ہے؟"

"بہت زیادہ! میں نے کوٹ مندو سے اس کی بنیاد ہی اکھاڑ دی ہے۔ تمہارے منظور ماموں کے ساتھ ان کا بڑا لڑکا بھی بہت دل پھینک واقع ہوا ہے۔ وہ ویرا سے اظہارِ عشق کر بیٹھا تھا۔ اسے بلیک میل کر کے میں نے کل ہی کوٹ مندو کا سفر کیا تھا۔ منظور ماموں ساتھ ہوتے تو اپنی عقیدت میں ہمیں بھی مروا دیتے۔"

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی ہوشیار کر دیا تھا" اس کی جھینپی ہوئی آواز ابھری۔

"تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں' محمود وہ حرکت نہ کرتا تو ہمارا کام بہت مشکل اور پیچیدہ ہو جاتا۔ اس کے ابا جان تو ملّا سرکار کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔"

"اس وقت تم فلیٹ سے ہی بول رہے ہو نا؟" اس نے چونک کر سوال کیا تھا۔

"میں ویرا کے گھر پر ہوں' میرا خیال تھا کہ دم کٹ جانے کے بعد بلیک کیٹ ٹی ویرا سے ضرور رابطہ کرے گا۔ اس نے تمہیں فون کیا ہے تو کسی بھی وقت ویرا سے بھی ضرور بات کرے گا۔ کوٹ مندو کی کہانی سنو گے تو تم دنگ رہ جاؤ گے۔"

"منظور ماموں تمہاری طرف سے فکرمند تھے کیونکہ رات کا سفر عموماً بہت مخدوش ہوتا ہے۔"

"انہیں یہ تاکید کر دینا کہ میرے رانی پور آنے اور کوٹ مندو جانے کا قصہ اپنی ذات تک ہی محدود رکھیں۔ محمود وغیرہ کو بھی رازداری کی تاکید کر دیں۔ ایسا نہ ہو کہ میرا بدلہ لینے کے لئے بلیک کیٹ ٹی انہیں اپنا نشانہ بنا لے۔"

"وہ تو کہہ رہے تھے کہ تم کوٹ مندو کے بارے میں فوجی حکّام سے بات کرنے کا مشورہ دے کر آئے ہو؟" جہانگیر نے

حیرت کے ساتھ سوال کیا تھا "وہ ایریا کمانڈر کو کھانے پر مدعو کرچکے ہیں۔"

"وہاں جو کچھ ہوا' وہ تو سب کے سامنے ہے' میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ درمیان میں اپنا نام نہ آنے دیں۔ ایریا کمانڈر اپنی معلومات کے ذرائع ریکارڈ پر لائے بغیر بھی کارروائی کرسکتا ہے۔ یہ ان ہی کے حق میں بہتر ہوگا۔"

بات جہانگیر کی سمجھ میں آگئی اور رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

جہانگیر سے گفتگو ہونے کے بعد میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ وہ میرے لئے خوشی کی بات تھی کہ بلیک کیٹ ٹی زخم کھا کر بلبلایا ہوا پھر رہا تھا۔ میں نے خواب گاہ میں آکر اسپیکر فون دوبارہ لائن سے جوڑ دیا کیونکہ اسی کی مدد سے میں ویرا اور بلیک کیٹ ٹی کے دو طرفہ مذاکرات سن سکتا تھا۔

میں قالین پر دراز ہوا تو غنودگی کی لہر پر قابو نہ پاسکا۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں کہ مجھ پر وہ کیفیت کتنی دیر تک طاری رہی۔ آنکھ کھلی تو اسپیکر فون کا بزر بول رہا تھا اور ویرا کا بستر خالی پڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ بھی کمرے سے غائب تھا۔

آنکھ کھلتے ہی میں غیر ارادی طور پر فون کی طرف لپکا تھا لیکن بلیک کیٹ ٹی کا خیال آتے ہی اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔ میری اور ویرا کی مفاہمت سے اس کا آگاہ ہونا ہم دونوں ہی کے حق میں خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

اسی لمحے ویرا باتھ روم سے برآمد ہوئی اور اس نے لپک کر اسپیکر فون کا سوئچ آن کردیا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" لائن آن کرکے ویرا نے انگریزی میں سوال کیا تھا۔

"غنیمت ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی" بلیک کیٹ ٹی کی آواز ابھری "اتنی دیر سے گھنٹی بج رہی تھی۔ میں تو سمجھا کہ تم نے اپنا ٹھکانا بدل لیا ہے۔"

"باتھ روم میں تھی' اکیلا رہنے کے یہی نقصانات ہوتے ہیں" وہ مجھے آنکھ مار کر بولی۔

"تو کیا ڈینی اب تمہارے ساتھ نہیں رہتا؟" بلیک کیٹ ٹی نے اپنا لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے سوال سے ہی اس کی دلی کیفیت اور تجسس کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"جی چاہے گا تو ملنے کے لئے آجائے گا۔ دراصل تمہارے معاملے میں اس کے ساتھ میری کچھ بدمزگی ہوگئی ہے۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس سے میں متفق نہیں ہوں اسی لئے وہ تین دن سے غائب ہے۔"

"کیا کرنا چاہ رہا ہے وہ؟" اس بار بلیک کیٹ ٹی اپنا تجسس پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

"وہی قوم پرستی کی قدامت پرستانہ باتیں ہیں" ویرا بہت

بیزار سے لہجے میں بولی جیسے اس کے لئے وہ بات قطعی غیر "اس کا خیال ہے کہ ہم سے لینے والا اسلحہ تم پاکستان میں کھڑا کرنے کے لئے استعمال کروگے اس لئے مجھے یہ کرنا چاہئے جب کہ میں ٹی کے اصولوں کی پابند ہوں نفع کمانے کے لئے کام کرتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ میری مخالفت میں وہ حد تجاوز کررہا ہے۔ مقامی ہندو پنچایت کا سربراہ کئی دن سے اسے ایک اجنبی اس کی دکان سے اپنے ساتھ لے گیا کے بعد وہ دوبارہ نہیں دیکھا گیا۔ موہن داس میرا خاص اہم آدمی تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس پر ڈینی نے ہی ہاتھ

"مجھے کچھ علم نہیں" ویرا نے معصومیت سے کہا بار ڈینی سے بات ہوئی تو وہ تمہارے کسی ٹھکانے کا ذکر کر

"کس ٹھکانے کا ذکر کررہا تھا؟" بلیک کیٹ ٹی نے طور پر ویرا کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"کوٹ مندو یا شاید گوٹھ مندو کی بات کررہا تھا' پروایانہ انداز میں بولی۔

"الو کا پٹھا ہے وہ" بلیک کیٹ ٹی کی غراتی ہوئی آوا "یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈ سوتے جاگتے میرے ہی خواب آتے رہتے ہیں... تو کر مندو ہی کی طرف نکلا ہوا ہے؟"

"اس نے کہا تو یہی تھا۔ بعد میں ارادہ بدل گیا ہو نہیں سکتی۔ جب تمہارا اس ٹھکانے سے کوئی تعلق تمہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی کوئی ضرو دھکے کھا کر وہ خود لوٹ آئے گا۔"

"میں قطعی فکر مند نہیں ہوں" اس نے فوراً ہی پیش کی "وہ میرا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ مجھے تو بس ا کہ کہیں وہ میری فکر میں بے گناہ لوگوں کا خون بہانا کردے۔"

ویرا ہنس پڑی "میں تمہیں بھی تھوڑا بہت سمجھنے اب میرے سامنے تو بگلا بھگت بننے کی کوشش نہ کرو۔ بے گناہوں سے تمہیں اتنی ہی ہمدردی ہے تو مجھے وہ نو لئے دی ہیں؟"

"تم میری بات پکڑ رہی ہو' جنگ میں سب کچھ جا امن کے دنوں میں کسی غیر کو بھی پھانس چبھ جائے تو ہوتا ہے۔ کسی مقصد کے لئے لڑی جانے والی جنگ کا مقصد خوں ریزی سے نہیں کیا جاسکتا۔"

"ڈینی نے تمہاری سرکوبی کو اپنا مقصد بنایا مجھے یاد آیا کہ وہ کسی ملا سرکار کا بھی ذکر کررہا - وہ گوٹھ مندو میں وہی تمہارا بہروپ ہوتا ہے" ویرا نے بجائے دانستہ گوٹھ کا لفظ استعمال کیا تھا۔

"اس کی قیاس آرائیوں سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ وہ رکار کی سرکوبی کے لئے کوٹ مندو گیا ہوا ہے اور میں یہاں بان کے ساتھ تم سے باتیں کررہا ہوں۔ میرے لئے اتنا ہی ہے کہ ان حماقتوں میں اب تم اس کے ساتھ نہیں ہو ورنہ پنے ساتھ تمہیں بھی لے ڈوبنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔"

"مجھے اب ڈینی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے رات مجھے فون کیوں کیا ہے؟" ویرا نے اکتائے ہوئے انداز سوال کیا۔

"میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ تمہیں موہن داس کے ے میں تو کچھ علم نہیں ہے؟"

"اس کا جواب میں دے چکی ہوں" ویرا کا لہجہ سخت ہوگیا۔ تمہاری فہرستیں مل گئی تھیں جو میں نے آگے بڑھا دی تھیں۔ تیار ہے' بس اسے کھیپوں میں الگ کیا جارہا ہے' یہ بتاؤ کہ تم اس کی وصولی کا کیا بندوبست کیا ہے؟"

"میں اس کے بارے میں بھی تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اپنے شیڈول پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت پڑ گئی ہے" اس کا معذرت خواہانہ ہوگیا تھا۔

اس کی مایوسی اور بے بسی پر میں دل ہی دل میں خوش ہوکر رہ با۔ ایک طرف وہ کوٹ مندو سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کررہا تھا دوسری طرف شیڈول پر نظرِ ثانی کی بات کررہا تھا۔ صاف ہر تھا کہ کوٹ مندو کا ٹھکانا ختم ہونے کے بعد اس کی تخریب ری کا سارا منصوبہ درہم برہم ہوگیا تھا اور جب تک وہ اپنے یوں سے دوبارہ رابطے استوار نہ کرلیتا' وہ ویرا سے اسلحہ ول کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس موقع پر ویرا چاہتی تو سے بری طرح دبا سکتی تھی۔

"تم وعدہ خلافی کے مرتکب ہو رہے ہو" ویرا نے میری توقع کے عین مطابق گمبھیر لہجے میں کہا "تمہارے زبانی وعدوں پر ہم غیر معینہ مدت کے لئے اپنا خطیر سرمایہ نہیں پھنسا سکتے۔ اپنی کارکردگی کے لئے میں بھی اپنے بڑوں کو جواب دہ ہوں۔"

"زیادہ نہیں' میں صرف دو ہفتوں کی مہلت چاہتا ہوں" اس کی خوشامدانہ آواز ابھری۔

"دو ہفتے کیا' میں دو دن بھی نہیں دے سکتی۔ کسی ضمانت کے بغیر کئے جانے والے سودے میں ضرورت سے زیادہ رعایتوں کی توقع نہیں کرنا چاہئے۔ تم نے کرنل مہیش پال کی روپوشی سے پہلے ہی فائدہ اٹھالیا ہے۔"

"میں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا' غزالہ کی سلامتی کی صورت میں ضمانت اب بھی برقرار ہے" اس نے بلاتوقف جواب دیا تھا "اگر تم نے اپنے بڑوں کے علم میں لائے بغیر یہ شرط تسلیم کی ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں اور اگر غزالہ کی سلامتی کے معاملے میں ان لوگوں کی رضامندی شامل ہے تو میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ٹی کے لئے غزالہ کی کیا اہمیت ہے؟"

"تم بہتیری باتیں سمجھنے سے قاصر ہو" ویرا کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ "تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے ڈینی کی وجہ سے غزالہ والی شرط تسلیم کی ہے اور یہی تمہاری سب سے بڑی بھول ہے۔ ٹی جیسی تنظیم میں سارے کام لگے بندھے اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان میں میری یا کسی اور کی پسند یا ناپسند تبدیلی نہیں لاسکتی۔"

"ٹی کے بڑوں کے لئے غزالہ کی ذات کیوں اہم ہے؟ تم مجھے یہ بات آج تک نہیں سمجھا سکیں۔"

"اگر تم کچھ ذرائع رکھتے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ پہلے ڈینی ٹی کا آدمی تھا۔ آج کل وہ ٹی سے منحرف ہوچکا ہے۔ ٹی کے بڑے اس علاقے میں اپنے کاروباری مفادات کے لئے اس سے سمجھوتا کرنا چاہتے ہیں۔ ڈینی ایسی کسی بھی مصالحت سے بھاگ رہا ہے۔ میرے بڑوں کو معلوم ہے کہ ڈینی غزالہ کو دل و جان سے چاہتا ہے اس لئے وہ غزالہ کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں تاکہ ڈینی کو اپنے سامنے جھکا سکیں میں اسی نظریے کے تحت تم سے ڈیل کررہی ہوں۔ میرا کبھی بھی یہ ارادہ نہیں رہا کہ میں غزالہ کو تمہارے قبضے سے نکال کر طشتری میں رکھ کر ڈینی کو پیش کردوں گی۔"

"اب میں سمجھ گیا" اس کی آواز مسرت آمیز تھی "اسی لئے تم ڈینی کی موجودگی میں بھی غزالہ کی خیریت اور رہائی پر اصرار کرتی رہی ہو۔ وہ سمجھتا ہوگا کہ تم سب کچھ اس کے لئے کررہی ہو۔"

"غزالہ کی وجہ سے بھی تمہیں دو ہفتوں کی مہلت نہیں مل سکے گی۔ جب تمہارا بندوبست مکمل تھا تو پھر اب التوا کی ضرورت کیوں آپڑی ہے؟" ویرا سختی کے ساتھ اپنے موقف پر اڑی رہی۔

"غیر قانونی سودوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوتی ہی رہتی ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے" وہ مدافعانہ لہجے میں بولا۔

"لیکن اسباب بھی ہوتے ہیں۔ تمہاری کہی ہوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوسکتی۔ تمہیں اس کا جواز بھی دینا چاہئے۔ آخر پہلے ہی مرحلے پر تم اتنے بے بس کیوں ہوگئے ہو؟"

"اپنے مسائل کو میں خود سمجھتا ہوں۔ کوئی بڑی مجبوری نہ ہوتی تو میں خود اس معاملے کو آگے ٹالنے کی کوشش نہ کرتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ابتدا سے ہی عجلت میں تھا" وہ ویرا کو قائل کرنے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔

"تم ایک فرد ہو اور میں ایک تنظیم" ویرا سرد لہجے میں بولی۔ "تمہارے اعتراض پر میں نے غزالہ کے بارے میں ٹی کی پوزیشن کی کھل کر وضاحت کی ہے حالانکہ وہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے۔ تمہاری ایسی مجبوریاں جو باہمی معاملات پر اثر انداز ہوتی ہوں' ہمارے بھی علم میں آنا چاہئیں تاکہ ہم اپنے فیصلوں پر غور کرسکیں۔"

"ڈینی بہت بڑا اور پیدائشی حرامی ہے" بلیک کیٹ ٹی کی تلخ اور شکست خوردہ آواز ابھری۔

"یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس سے تمہارے پروگرام پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہئے" ویرا زیرِ لب مسکراتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"پورے شہر میں صرف موہن داس کو علم تھا کہ میں کوٹ مندو میں ملاّ سرکار کے روپ میں رہتا ہوں" بلیک کیٹ ٹی کی آواز میں شکست کی تلخی رچی ہوئی تھی "اور وہ کئی دن سے غائب ہے، مجھے یقین ہے کہ ڈینی نے اس کی زبان کھلوا کر اسے ماردیا ہوگا کیونکہ کل کوٹ مندو پر حملہ ہوا ہے اور اب میں اس گاؤں میں نہیں جاسکتا۔"

"لیکن تھوڑی دیر پہلے تو تم کہہ رہے تھے کہ کوٹ مندو کا نام تمہارے لئے اجنبی ہے" ویرا نے اس کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے، چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس وقت تک مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ڈینی سے اتنا دور جاچکی ہو۔"

"تم کوٹ مندو میں اس کا سدباب کیوں نہیں کرسکے؟ وہ تو اکیلا نہیں رہا ہوگا۔"

"مجھ سے ذرا سی چوک ہوگئی' میں نے جیپ میں ڈرائیور کے برابر والی نشست پر اسے پہچان لیا تھا۔ میں نے انتظار کئے بغیر حرکت میں آنے کا فیصلہ کرلیا۔ کوٹ مندو میں میری حیثیت مذہبی پیشوا کی تھی۔ اس روپ میں میں ڈینی کو ہلاک نہیں کرواسکتا تھا اس لئے میں اپنے خاص آدمیوں کو ہدایت دینے کے لئے ایک قریبی اڈے کی طرف چلا گیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں اسے غیر مسلح کرکے گاؤں سے بھگادوں گا اور راستے میں میرے آدمی اسے گھیر کر مارلیں گے مگر وہ میری توقع سے کہیں زیادہ چالاک اور پھرتیلا ثابت ہوا وہ میرے لوٹنے سے پہلے کوٹ مندو میں تباہی پھیلا کر اور لوگوں کو میرے خلاف بھڑکا کر فرار ہوگیا۔"

"اس مہم میں وہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہا تھا لیکن میں نے اس کی کسی بات پر توجہ نہیں دی تھی کیونکہ ٹی کے مفادات اس سے نہیں بلکہ تمہاری ذات سے وابستہ ہیں' دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھے اس پر یقین نہیں تھا۔"

"اس نے وہاں میرے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ گاؤں سے باہر میں دو آدمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن وہ میری صورت دیکھتے ہی بھڑک اٹھے۔ وہ لوگ اب مجھے غدار اور جاسوس سمجھ رہے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اب میں کوٹ مندو میں اپنی بیوی اور بچوں سے بھی رابطہ نہیں کرسکتا۔ پتا نہیں میرے بارے میں ان کے کیا خیالات ہیں۔"

"کوٹ مندو تمہارا ایک ٹھکانا تھا' اس کے ختم سے ساری سرگرمیاں معطل نہیں ہوسکتیں۔"

"وہ میرا ہیڈ کوارٹر تھا" اس کی متاسفانہ آواز سارے پروگرام وہیں سے جاری کئے جاتے تھے۔"

"میں تمہاری کہانی آگے بڑھادوں گی لیکن مجھے ا ہے کہ ٹی والے اس کی بنا پر اسلحے کی ترسیل کا پروگرا بڑھانے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ کرنل مہیش پال یا درجے کے کسی سفارت کار کی ضمانت کے بغیر تمہیں کو نہیں مل سکے گی۔ اس کے بغیر یہ سودا منسوخ ہوسکتا ہے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم تسلیم کرچکی ہو کہ غزالہ کی حیثیـ ضمانت کی سی ہے۔"

"وہ الگ بات ہے" ویرا نے معنی خیز نظروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بلیک کیٹ ٹی کی گفتگو میں پوشید پہلو کا قیاس کرکے میرے دل کی دھڑکنیں یک بیک تیز ہو "الگ بات نہیں ہے' تم چاہو تو اسے اہمیت دلوا

بلیک کیٹ ٹی بے بسی کے عالم میں ویرا کے ڈالے ہوئے پھنس رہا تھا "کرنل مہیش پال ابھی تک لاپتا ہے۔ ا روپوش ہونے سے میرے لئے ناقابلِ تصور دشواریاں پ ہیں۔ تم نے اس برے وقت میں مجھ سے تعاون کیا تو میں تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"تم مجھ سے کس قسم کے تعاون کی امید کررہے ہو نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"غزالہ میرے لئے بے مصرف ہے بلکہ تمہاری ہوئی شرائط کے نتیجے میں ایک ذمے داری بن گئی ہے۔ تمہاری تحویل میں دینے کے لئے تیار ہوں۔ اس طرح بڑوں کو میری نیک نیتی اور سودے کی مضبوطی کا یقین دلا

میرے لئے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی۔ بلیک کیٹ گرگ باراں دیدہ حالات کے دباؤ سے مجبور ہوکر خود ہی غ رہا کرنے کی ناقابلِ یقین پیشکش کررہا تھا۔ وہ ہماری حکمـ کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔

"اس کے بدلے میں تم کیا چاہو گے؟" ویرا نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سپاٹ لہجے میں پوچھا کیٹ ٹی کو منہ کے بل گرانے کے لئے وہی انداز سب سے

"اسلحے کی ترسیل میں صرف دو ہفتے کی تاخیر تاکہ انتظامات کو دوبارہ مستحکم کرسکوں" اس کی آواز عاجزانہ

"میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی 'ڈینی اور اس کے حوالے سے غزالہ شی کے بڑوں کے لئے اہم ضرور ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں کی کیا قیمت لگائے بیٹھے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ بر وقت سودا مکمل ہونے کے مقابلے میں ان کے لئے غزالہ بالکل ہی غیر اہم ہو اور وہ غزالہ کے بدلے تمہیں ذرا بھی رعایت نہ دیں۔"

"تم مفروضات پر بات کر رہی ہو 'کرنل میش پال نے مجھے بتادیا تھا کہ شی کی اعلیٰ ترین سطح پر بھی تمہاری سفارشات کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم کوشش کرو گی تو میرا کام بن جائے گا۔ اتنی قربانیاں دینے کے بعد میں اپنے منصوبے کو تباہی اور ناکامی سے دوچار ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتی" ویرا نے مجھے آنکھ مارتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اپنی فطرت کے اعتبار سے تم اب تک پکے بلیک میلر ثابت ہوتے آئے ہو۔ پہلے کرنل میش پال کی ضمانت سے بات شروع کی تھی پھر اپنے سفارت خانے کے ایک افسر کا نام درمیان میں لائے اور جوں ہی غزالہ تمہارے قبضے میں آئی تو تم نے ضمانتوں کو جھلا کر غزالہ پر سودے بازی شروع کردی۔ آج تم غزالہ کو میرے حوالے کرنے کی پیش کش کر رہے ہو۔ کیا پتا کہ کل ڈینی تمہارے قبضے میں آجائے اور تم پھر کوئی نئی قلابازی کھا جاؤ۔ میں تو اپنے اوپر والوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہوں گی۔"

"تمہیں اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لئے میں آج ہی غزالہ کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں...."

ویرا نے مکارانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی "نہیں 'یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں؟" ویرا کے غیر متوقع انکار پر بلیک کیٹ ٹی متحیر رہ گیا تھا۔

"تم ڈینی کی دسترس سے باہر ہو اس لئے غزالہ تمہارے پاس محفوظ ہے 'میں اسے کہاں چھپاؤں گی؟ ڈینی جب چاہتا ہے' منہ اٹھا کر میرے پاس چلا آتا ہے۔ اسے غزالہ کی بھنک بھی مل گئی تو وہ اسے زبردستی میری تحویل سے نکال لے جائے گا۔ میں خود کو اتنے بڑے امتحان میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں" ویرا بہت خوب صورتی کے ساتھ اسے راہ پر لا رہی تھی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟" بلیک کیٹ ٹی کی حیرت میں کمی نہیں آئی تھی "تم سے اچھے اچھے سورماؤں کا پتا پانی ہوتا ہے۔ تم کسی بات پر تل جاؤ تو ڈینی کے فرشتے بھی تمہیں زک نہیں پہنچا سکتے۔ پھر یہ ضروری تو نہیں کہ تم غزالہ کو اپنے گھر پر ہی رکھو۔ تمہارے بہتیرے وسائل ہیں۔ تم اسے کہیں بھی محفوظ رکھ سکتی ہو۔"

"تم بلاوجہ مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو' ویرا نے زچ آجانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا "تم میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ میں تمہارے لئے اتنا دردِ سر مول لوں۔"

"اسلحہ میری ناگزیر ضرورت ہے" وہ باقاعدہ گڑگڑا...

"یہ میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میرا پورا کیریئر... لگا ہوا ہے۔ تم نے اس وقت مجھ سے تعاون کیا تو میں زندگی... تمہارا احسان نہیں بھولوں گا۔ تم مجھے کسی کتے کی طرح اپنا وفا... پاؤ گی۔ تمہارے بڑے راضی نہ ہوں تو غزالہ کو مجھے لوٹا دینا..."

"تم مجبور کر رہے ہو تو پھر سات بجے غزالہ کو یہاں...

لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں سودے کی مدت میں توسیع کا کوئی... کر رہی ہوں" اپنی کامیابی پر ویرا کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا۔

"تمہیں کوئی بات دہرانے کی ضرورت نہیں 'مجھے سب... ہے" اس کا لہجہ ممنونیت سے لبریز تھا "تم مجھ پر مہربان ہو گئی... مجھے امید ہے کہ تمہارے بڑے بھی مہربان ہو جائیں گے۔"

"سات بجے کا وقت یاد رکھنا' نہ اس سے پہلے اور نہ...

ویرا نے تاکید کی۔

"تم فکر نہ کرو۔ وقت کی پابندی کی جائے گی" بلیک کیٹ... نے یقین دلایا اور فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

ویرا نے اسپیکر فون کا بٹن آف کیا ہی تھا کہ میں نے... سے بے قابو ہو کر والہانہ انداز میں اسے اپنی بانہوں میں...

"تم بہت عظیم ہو ویرا۔ تم نے جس خوب صورتی کے ساتھ ...... اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا ہے' وہ تمہارا ہی کام... آج غزالہ مجھے مل گئی تو میں سمجھوں گا کہ تم نے اس کے... اپنی ساری زیادتیوں کا کفارہ ادا کردیا ہے۔"

ویرا کے لئے میرا وہ اضطراری ردعمل بہت خوش... ثابت ہوا لیکن سلطان شاہ نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا... یہیں رکوں یا باہر چلا جاؤں؟" اس نے مضحکانہ لہجے میں... تھا۔ وہ نہ جانے کس وقت کمرے میں آموجود ہوا تھا۔

"جاؤ اور ہتھیار تیار کرو' آج بلیک کیٹ ٹی کا قصہ ہمیشہ... لئے ختم ہو جائے گا" میں نے خفت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹا۔

"مجھے معلوم ہے" اس نے آہستگی سے کہا "میں کا... سے یہاں کھڑا' ساری گفتگو سن رہا تھا۔"

حالات جس غیر متوقع انداز میں اچانک تبدیل... میرے لئے بڑی حد تک ناقابلِ یقین تھا... کوٹ مندو کی بربادی کے بعد بلیک کیٹ ٹی خود غزالہ کو... ہمارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ میرے لئے وہ... کی سب سے بڑی خوشی تھی اور میں اسے اسی انداز میں منا... ارادہ رکھتا تھا۔

ویرا کو وہیں چھوڑ کر میں سلطان شاہ کے ساتھ خوا... سے نکل گیا۔

...را کے گھر میں بہت زیادہ اسلحہ نہیں تھا لیکن جو کچھ تھا وہ ...ٹ کا استقبال کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ وہ ہماری طرح ...ام سا آدمی تھا اور اس کے دل میں پیوست ہونے والی ایک ہی گولی اسے موت کی نیند سلانے کے لئے کافی ہوتی۔ ...نزدیک وہ ایسی سہل موت کا مستحق نہیں تھا۔

...مکار' سازشی' خونی' قاتل اور غدار تھا۔ سب سے بڑھ کر ...جرم یہ تھا کہ وہ برسہا برس سے لوگوں کے مذہبی جذبات ...ل رہا تھا۔ وہ اپنی پیدائش اور عقیدے کے لحاظ سے کٹر ...لیکن کوٹ مندو کے سادہ لوح مسلمانوں کے درمیان ان کا ...پیر بن کر رہ رہا تھا۔ اس نے اپنی اقتدا میں ان لوگوں کی ...نمازیں برباد کرادی تھیں اور ان کی واضح حمایت سے ...ایسے عناصر کی سرپرستی کرتا رہا جو ان ہی کی بیخ کنی کی تیاریاں ...تھے۔

...سرکار کے لئے موت سب سے آسان سزا تھی۔ اس کی ...سزا یہ ہوتی کہ اسے ہر اعتبار سے عبرت کا ایک بے مثال ...بنا کر اس کی طبعی موت آنے تک زندہ رکھا جاتا۔ وہ اپنی ...صورت اور ہر شناخت سے محروم ہو کر شہر کی سڑکوں پر ...پھرتا' چیخ چیخ کر اپنی اصلیت کا اعتراف کرتا لیکن پرائے تو ...اس کے اپنے بھی اسے پہچاننے سے انکار کر دیتے۔ ملا ...کو اس حال میں پہنچانے کے لئے میرے ذہن میں ایک ...اور سفاکانہ منصوبہ پرورش پانے لگا تھا لیکن اس کی ...کا تمام تر انحصار اس بات پر تھا کہ حالات اسی طرح رونما ...جس کی میں توقع کر رہا تھا۔

...غزالہ اس کی قید میں ضرور تھی لیکن وہ بزدل نہیں تھی۔ ...را یقین تھا کہ ملا سرکار کو غزالہ پر اپنی بالادستی برقرار رکھنے ...کے بڑے پاپڑ بیلنا پڑ رہے ہوں گے۔ اس کے لئے یہ ممکن ...تھا کہ غزالہ کو اس کے ہوش و حواس میں رکھ کر' وہ اسے ...نام سے مقام پر قید رکھنے میں کامیاب ہو جاتا۔ غزالہ شورو ...کے اور اپنے قید خانے کے در و دیوار پر اپنی شہ زوری دکھا ...اس کے لئے ناقابلِ تصور دشواریاں کھڑی کر سکتی تھی۔ اس ...یقین تھا کہ ملا سرکار اسے بے دست و پا کرکے اور اس ...پر ٹیپ وغیرہ لگا کر اسے کڑی نگرانی میں اپنی محفوظ ترین ...سے باہر نکالے گا اور پھر ویرا کو اپنی نیک نیتی کا یقین ...کے لئے' بذاتِ خود اسے ویرا کے حوالے کرنے آئے گا۔ ...میرے لئے وہی میری زندگی کا سب سے بہتر موقع ہوتا اور ...پروا کرکے اسے اپنی تحویل میں لے سکتا تھا۔

...وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا اور ہم تینوں باہمی مشوروں کے ...کی بہترین حکمتِ عملی کو اختیار کرنے کے بارے میں اپنی ...شیں کرتے رہے۔ ہم تینوں کی متفقہ رائے تھی کہ اس وقت ...حالات کے گرداب میں پھنس کر اس قدر مجبور اور بے بس ہو چکا تھا کہ اس کے لئے کوئی نئی قلابازی کھانا ممکن نہیں رہا تھا۔ سارے آثار و قرائن یہی بتاتے تھے کہ مقررہ وقت پر وہ خود ویرا کے پاس آئے گا۔

دوسری طرف ویرا اسے اپنی تنہائی کی کہانی سنا چکی تھی۔ وہ ملا سرکار کو یہ باور کرانے میں پوری طرح کامیاب ہو گئی تھی کہ ان دنوں میرے اور ویرا کے مراسم میں کوئی گرم جوشی باقی نہیں رہی تھی اور ہمارے تعلقات میں پیدا ہو جانے والی سرد مہری کی وجہ سے ہمارے مفادات مشترک نہیں رہے تھے۔ ان حالات کی روشنی میں ہمیں ملا سرکار کو گھیرنے کے لئے بہت محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔

اگر ہم گھر سے باہر نکل کر اس کے استقبال کی تیاری کرتے تو یہ خطرہ پوری شدت کے ساتھ موجود رہتا کہ ہماری کسی اضطراری کارروائی سے ملا سرکار کو قبل از وقت اندازہ ہو جاتا کہ اس کا معاملہ صرف ویرا کی ذات سے نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے تو وہ آخری لمحات پر بھڑک کر غزالہ سمیت فرار ہو سکتا تھا۔ اس طرح اسے چوہے دان میں پھانسنے کا ہمارا منصوبہ بری طرح ناکام ہو سکتا تھا۔

ملا سرکار ایک پیشہ ور تخریب کار اور سیکرٹ ایجنٹ تھا' اس لئے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ محض ویرا کی لچھے دار باتوں میں آکر وہاں دوڑا چلا آتا۔ شام کے سات بجنے میں بہت وقت باقی تھا اس لئے ملا سرکار کے لئے پورا موقع تھا کہ وہ طے شدہ وقت سے پہلے اس علاقے کا چکر لگا کر ویرا کے گھر کی سن گن لینے کی کوشش کرتا۔ ایسے کسی پُرخطر امکان کے سدباب کے لئے ہم نے مکان کی تمام کھڑکیوں پر پردے کھینچ کر اندر مدھم روشنی برقرار رکھی ہوئی تھی تاکہ باہر سے پردوں وغیرہ پر ہمارا سایہ تک نہ دیکھا جا سکے۔

ویرا کے گھر میں اس کے ڈرائنگ روم کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ باہر سے آنے والے کسی بھی مہمان کے لئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے بغیر مکان کے اندرونی حصوں تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ مکینوں کی آمد و رفت کے لئے کچن کی بغلی راہداری سے ایک دروازہ احاطے میں کھلتا تھا اور نکاسی کا تیسرا راستہ اس عقبی خوابگاہ سے ملحق تھا جہاں موہن داس کی سڑی ہوئی لاش پڑی ہوئی تھی لیکن وہ دونوں راستے ایسے تھے جن پر کوئی بن بلائے مہمان یا چور' ڈاکو ہی طبع آزمائی کر سکتا تھا جب کہ ملا سرکار اپنے بیان کے مطابق ویرا کو اپنی خیرسگالی اور نیک نیتی کا یقین دلانے پر تلا ہوا تھا۔ اس لئے ہم نے کافی طویل بحث و تمحیص کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ملا سرکار سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے ویرا کا ڈرائنگ روم ہی سب سے زیادہ مناسب تھا۔ ویرا کا ڈرائنگ روم وزنی چوبی فرنیچر اور دیگر آرائشی اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ ہم نے صوفوں وغیرہ کی ترتیب میں...

تبدیلی کر کے دو مختلف مقامات پر اپنے لئے ایسی کمین گاہیں بنالیں جہاں چھپ کر ہم آنے والے کی نظروں سے محفوظ رہتے ہوئے بھی اس کو ہر لمحے اپنی زد پر رکھ سکتے تھے۔

ملاّ سرکار غزالہ کو ساتھ لے کر ایک بار اس ڈرائنگ روم میں آجاتا تو ہماری مرضی کے بغیر اسے وہاں سے واپس لوٹنا نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے آگے ہم اپنی من مانی کرنے کے لئے آزاد ہوتے۔

ویرا اس مکان میں اکیلی رہتی تھی لیکن اس نے ریفریجریٹر اور ڈیپ فریزر کو اشیائے خورد نوش سے اس طرح بھرا ہوا تھا کہ ہم تینوں کئی روز تک اس گھر سے باہر نکلے بغیر اپنی شکم پُری کا بندوبست کر سکتے تھے۔ ویرا نے چند ڈبوں کا انتخاب کر کے کچن کا رخ کیا اور میں سلطان شاہ کے ساتھ ملاّ سرکار کے استقبال کے انتظامات کو آخری شکل دینے میں مصروف ہو گیا۔

ملاّ سرکار آسمان سے اتری ہوئی کوئی مخلوق نہیں تھا بلکہ ہم جیسا ایک انسان تھا اور مزارِ قائد پر اس سے سامنا ہونے پر میں یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ وہ باریش شخص ہم سے کسی بھی طرح زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن اس کی پُراسراریت نے اس کی دہشت انگیز سرگرمیوں سے مل کر اسے ایک ہوّا بنا دیا تھا۔ اپنے نفرت انگیز کردار کے باوجود کوٹ مندو میں دجس طرح ہماری گرفت سے بال بال بچ نکلا تھا اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا تھا کہ ان دنوں اس کے ستارے اس کی یاوری کر رہے تھے لیکن اس بار میں ملاّ سرکار کے بارے میں کوئی موہوم سا خطرہ بھی مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم تینوں ویرا کی خوابگاہ میں کارڈز کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔

پہلے دو ہاتھ ویرا مسلسل ہارتی رہی اور دونوں بار اس کی نگاہیں کسی پیشہ ور جواری کی طرح میرے ہاتھوں پر جمی رہیں۔ پہلی بار میں نے ایمانداری کے ساتھ کارڈز بانٹے اور رواداری میں کھیلتا رہا۔ کارڈز کھلوائے گئے تو میرے پاس سیکوئنس موجود تھا۔ ویرا نے اپنے کارڈز دیکھ کر بہت برا سا منہ بنایا اور پتے ملا دئے۔ دوسری بار میں نے اسے چڑانے یا اپنی مہارت آزمانے کے لئے شاربنگ کا کمال دکھانا چاہا۔ وہ مُنہ سے کچھ نہ بولی لیکن اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیت سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میری حرکت بھانپ گئی تھی۔

وہ ہاتھ بھی میں جیت گیا۔ سلطان شاہ اس معاملے میں اناڑی تھا اس لئے وہ خاموشی سے ہارتا رہا لیکن ویرا کے تیور اچھے نہیں تھے۔ چوتھی بار ویرا نے کارڈز کاٹے۔ میں نے پھر ہاتھ کی صفائی دکھائی۔ ویرا نے پھر میری چوری کا اندازہ لگا لیا لیکن مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ بلائنڈ بازی بڑھنے لگی تو سلطان شاہ نے اپنے کارڈز اٹھائے اور خاموشی سے پیک ہو گیا۔ ویرا نے بلائنڈ میں اچانک سو روپے کی چال دی۔ وہ میری ڈیل تھی۔ مجھے معلوم

تھا کہ میرے پاس کون کون سے کارڈز موجود تھے اس لئے جسارت میرے لئے حیران کن تھی۔ اپنے پتے دیکھے بغیر یقین تھا کہ میرے پاس یکوں کی ٹریل تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ ہاتھوں سے گزر کر کلر سیکوئنس ویرا کے پاس پہنچ جاتا۔ میں چال دیتا رہا۔ ویرا رقم بڑھاتی رہی اور جب اس نے چال روپے تک بڑھادی تو رقم کی پروا نہ ہونے کے باوجود میری نم ہونے لگی۔ مجھے اپنی شاربنگ پر شبہ ہونے لگا۔ اعتماد ہوتے ہی میں نے اپنے کارڈز اٹھالئے۔ اوپر اکّا تھا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اوپر کا کارڈ آہستگی سے کھسکا دوسرا بھی اکّا تھا۔ تیسرا اکّا دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ ویرا کے دماغ پر چڑھ گئی تھی ورنہ وہ سنکیوں کے سے انداز کھیل آگے نہ بڑھاتی۔

میں کارڈز دیکھ چکا تھا اس لئے ڈبل چال دینے پر مجبور ویرا جن سے اپنے لبوں کو تر کر کے مسلسل بلائنڈ کھیلے جا رہی

اور ہر بار چال کی رقم میں اضافہ کرتی جا رہی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" آخر کار مجھے مضطربانہ انداز میں ہی پڑ گیا "مجھے معلوم ہے کہ تمہارے لئے رقم کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن اس طرح تم کھیل کا مزہ کرکرا کر رہی ہو۔"

"میں اسی طرح کھیلنے کی عادی ہوں۔" وہ بے پروایانہ میں بولی "ہارنے سے گھبرا رہے ہو تو چال دے کر شو کرالو!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں نشہ ہو گیا ہے" میں نے تینوں یکوں پر پیار بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ڈیل تمہاری تھی لیکن تم نے مجھے وہی کارڈز دیئے میں چاہتی تھی" وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہوئی پُراعتماد لہجے میں بولی "میں بلائنڈ کھیل رہی ہوں لیکن معلوم ہے کہ میرے کارڈز کیا کیا ہیں۔"

"لیکن یہ بھول رہی ہو کہ میرے ہاتھوں میں کیا ہے حقیقتاً مجھے مضطرب کئے دے رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم تین یکوں کے فراق میں تھے نے اس بار لگالئے ہیں۔ کہو تو ان کے نام بھی بتا دوں؟" لہجہ جارحانہ اور چڑانے والا ہو گیا۔

"کارڈز شو کرو!" میں نے چال دے کر جھنجھلاتے ہوئے میں کہا۔

"یہ ڈائمنڈز کی کلر سیکوئنس ہے" اس نے اپنے چھوتے ہوئے کہا اور پھر اٹھائے بغیر کارڈز سیدھے کر دئے۔

میں نے بے دلی سے تینوں یکے نیچے پھینک دئے گئی تھی۔

"اور اب میں شرط لگاتی ہوں کہ تم مسا ... تے ...

اس نے کارڈز سمیٹتے ہوئے کہا "تم کچے شارپر ہو۔ میں دیکھ رہی تھی کہ تم کیا کر رہے ہو لیکن تم مجھے پکڑ لو تو بتا دینا۔ یہ کرتب میں نے میلان میں ڈان مرسیانو سے سیکھے تھے۔ میری بولی لگانے کی خواہش ... اری جب چمکتی ہوئی حریص نظروں کے ساتھ میرے سامنے بیٹھتے تھے تو ان کی جیبیں تیزی کے ساتھ خالی ہونے لگتی تھیں۔ بہتیروں کے ساتھ تو یہ بھی ہوا کہ ان کی جیبوں میں میری فیس تو درکنار، کیسینو کے بار کا بل ادا کرنے کے پیسے بھی نہیں رہتے تھے۔ میلان میں میری شہرت تھی کہ جواری مجھے کبھی نہیں خرید سکتا۔ دوسرے لوگوں کے لئے میں بازار کی ایک جنس تھی۔"

"جب تم جواریوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر انہیں لوٹ سکتی تھیں تو تمہیں اپنا مول چکانے کی کیا ضرورت پیش آتی رہتی تھی؟" میں نے یہ زہریلا سوال کرتے ہوئے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ ویرا کے ماضی کے وہ حوالے اتنے کریہہ اور شرمناک تھے کہ میں ہمیشہ انہیں بھولا ہی رہنا چاہتا تھا۔ چشم تصور میں وہ پرچھائیاں نمودار ہوتے ہی ویرا کے مرمریں پیکر کا سارا سحر اور گداز یک بیک دھندلانے لگتا تھا۔

"ڈان مرسیانو بہت چالاک تھا۔ پہلے اس نے مجھے کال گرل بننے کی تربیت دی اور مجھے اس پیشے کے ایسے ایسے گُر سکھائے کہ روزی کمانے کے ساتھ ہی وہ میرا شوق بھی بن گیا۔ شاربنگ وغیرہ تو اس نے بہت بعد میں سکھائی تھی۔"

"تو یوں کہو کہ پہلے تمہیں شوقین بنایا گیا اس کے بعد شارپر بنانے کی باری آئی۔" میں نے طنز کیا۔ میری نظریں مسلسل ویرا کے ہاتھوں پر تھیں جو پتے پھینٹنے میں مصروف تھے۔

"تم اسے اب بھی ڈان مرسیانو کہتی ہو" سلطان شاہ حیرت سے بولا "حالانکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ وہ تمہارا حقیقی باپ جمی لائیڈ ہی تھا۔"

"خود فریبی کہہ لو!" وہ تلخ ہنسی کے ساتھ بولی "ڈان مرسیانو کو اپنا باپ تسلیم کرنے کو دل نہیں چاہتا جب کہ جمی لائیڈ تک پہنچنے کے لئے میں نے دنیا بھر میں نہ جانے کن کن خطوں کی خاک چھانی تھی۔"

کھیل چلا اور ویرا جیت گئی۔ ہم دونوں اس کے ہاتھوں پر کڑی نظریں رکھے ہوئے تھے لیکن اس کی انگلیاں بجلی کی طرح چل رہی تھیں۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اوپر کے کارڈز بانٹ رہی تھی یا ہر ایک کو اپنی مرضی کے پتے دے رہی تھی۔ محض اسے پکڑنے کی آرزو میں ہم مسلسل سات بار اس سے ہارے، آخر سلطان شاہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس سے جیتنا مشکل ہے۔ تم دونوں ایک دوسرے کے خلاف ضد میں آتے جا رہے ہو۔ یہ صورتِ حال جاری رہی تو ملاّ سرکار سر پر آجائے گا اور ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکے گا۔"

"صرف اپنی بات کرو! میرے فرشتے ہر وقت بہت باخبر رہتے ہیں" ویرا ہنسی۔

شاربنگ میں ویرا کا ناقابلِ گرفت کمال میرے اعصاب پر سوار ہوا جا رہا تھا اس لئے میں نے بھی سلطان شاہ کی تائید کرتے ہوئے ویرا سے کہا "کھیل ختم! لیکن تم ہمیں بتا کر کارڈز بانٹو تو میں تمہیں مان جاؤں گا۔"

ویرا کھلکھلا کر بے اختیار ہنس پڑی "تم مجھے رفتار کم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ سارا کمال اسی پھرتی کا ہے۔ اور اب تو سارے کارڈز اتنی مرتبہ میرے ہاتھوں سے گزر چکے ہیں کہ میری انگلیاں پورے باون پتے پہچان سکتی ہیں۔"

اس نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے دو مرتبہ کارڈز تقسیم کئے اور ہر بار اس نے دیکھے بغیر ہر ایک کے بالکل صحیح کارڈز بتا دیے۔ جو میرے لئے ایک حیرتناک تجربہ تھا۔ مجھے جوانی کے دنوں کے ساتھی، اقبال اور اعجاز یاد آئے جو اپنی چھوٹی چھوٹی سی چالاکیوں پر بہت ناز کیا کرتے تھے۔ وہ ویرا کی کارکردگی دیکھ لیتے تو

شاید حیرت سے سر کے بل کھڑے ہو جاتے۔

"بڑے کھیل میں تم کیا کرتی ہو؟" دل میں اس کی مہارت کا اعتراف کرلینے کے باوجود میں اس کی زبان سے اُس کی کسی کمزوری کا اعتراف سننا چاہ رہا تھا "لمبی بازیوں میں پیشہ ور جواری ہر ہاتھ میں نئی گڈی لیتے ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کسی جواری کی ساتھ لائی ہوئی مہر بند گڈی کو بھی دوسرے قبول نہیں کرتے۔ گڈیاں عموماً کیسینو کے کاؤنٹر وغیرہ سے ہی لی جاتی ہیں۔ جن کی اصل پیکنگ مہارت کے ساتھ کھول کر اپنے اپنے کوڈ کے مطابق اہم کارڈز کی مارکنگ کی جاتی ہے جس سے کلب یا کیسینو کے اہم ملازمین کے علاوہ کوئی واقف نہیں ہوتا۔ ایسی گڈیاں دوبارہ اصل حالت میں پیک کر کے کاؤنٹر پر پہنچا دی جاتی ہیں۔ ایسی گڈیاں صرف ان ہی میزوں پر دی جاتی ہیں جہاں کیسینو کے تنخواہ دار شارپر عام جواریوں کے روپ میں وہاں آنے والوں کو لوٹنے کے لئے مستعد بیٹھے ہوتے ہیں۔"

"تو کیا تم بھی کسی کیسینو میں ملازم تھیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈان مرسیانو کی سرپرستی میں، میں نے دنیا کا ہر ذلیل اور گھٹیا کام بہت شوق سے کیا تھا۔ اس کی محبت اور تربیت کچھ ایسی تھی کہ ذہن سے اچھائی اور برائی کا ہر امتیاز مٹ گیا تھا۔"

"پھر تو شارپنگ سے لوٹی ہوئی رقم کیسینو والوں کی جیب میں جاتی ہوگی؟" سلطان شاہ نے دیا سلائی کے سرے سے اپنے دانتوں میں خلال کرتے ہوئے سوال کیا۔

"اس میں میرا پانچ سے پندرہ فیصد تک کمیشن ہوتا تھا۔ جیتی ہوئی رقم میں اضافے کے ساتھ ہی کمیشن کی شرح بھی بڑھتی جاتی تھی جو زیادہ سے زیادہ پندرہ فیصد تھی۔"

"کیسینو کے مستقل گاہک تو ایسے جعلی جواریوں کو اچھی طرح پہچاننے لگتے ہوں گے پھر یہ گاڑی کیسے چلتی ہے؟" سلطان شاہ کو اس ذکر میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔

"پیشہ ور شارپر مستقل گاہکوں سے دور دور ہی رہتے ہیں۔ ویسے بھی اس قسم کی تفریح گاہوں کے مستقل مقامی گاہک بہت کم ہوتے ہیں۔ ان کی رونق بیرونی سیاحوں سے قائم رہتی ہے اور کھیل کے دھندے بھی ان ہی کے سہارے چلتے ہیں۔ اگر اتفاقاً کوئی مستقل گاہک ایسے کھیل میں ملوث ہو جائے تو اپنی ساکھ اور رازداری برقرار رکھنے کے لئے کیسینو والے مطالبہ کئے جانے پر اس کی ہاری ہوئی پوری رقم سروس چارجز کاٹ کر خاموشی سے لوٹا دیتے ہیں۔"

"بڑی عجیب اور ناقابلِ یقین باتیں بتا رہی ہو تم" سلطان شاہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"ٹیکسی ڈرائیور اور گائیڈ وغیرہ عام طور پر ایسی تفریح گاہوں کے ٹاؤٹ ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کی جانب سے انہیں فی شکار بیس ہزار تک دیئے جاتے تھے۔"

"اور اگر ایسا شکار سرے سے جوا ہی نہ کھیلے تو کیا ہوتا ہے؟"

"فکر نہ کرو، تم گئے تو وہ تمہارے کپڑے نہیں اتاریں گے" ویرا بے ساختہ ہنسی کے ساتھ بولی "بعض کنگال سیاح تو تصویریں لینے اور اپنے ملک واپس جاکر دوستوں پر رعب جھاڑنے کے لئے ایسی مہنگی نشاط گاہوں کا رخ کرتے ہیں اور کا صرف ایک مگ پی کر باہر آجاتے ہیں لیکن انتظامیہ انفرادی گاہکوں کے بجائے اوسط پر نظر رکھتی ہے۔ اسی بھیڑ میں دس پانچ ایسے گدڑی کے لعل نکل آتے ہیں جو سارے اخراجات کے علاوہ بھی لاکھوں لیرے دے جاتے ہیں۔ پہلے سے کسی سیاح کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوا ہوتا کہ وہ کن ارادوں کے ساتھ شہر کی خاک چھانتا پھر رہا ہے۔"

"بعض لوگ تو جوا صرف ہارنے کے لئے ہی کھیلتے ہیں" ... نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"بعض نہیں بلکہ ہر جواری صرف ہارنے کے لئے ہی کھیلتا ہے۔" ویرا نے میری تصحیح کرتے ہوئے کہا "جوئے میں جیتی رقم پر مالِ مفت دلِ بے رحم کی مثال صادق آتی ہے جسے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر عیش و نشاط میں اڑا دیتے ہیں ہاری ہوئی رقم ہمیشہ گرہ سے جاتی ہے، اسی لئے دنیا کا ہر جواری ساری عمر اپنے مقدر کی سیاہی کا رونا روتا رہتا ہے۔ مجھے آج تک کوئی ایسا جواری نہیں ملا جس نے جیت کی رقم سے اپنی زندگی سنواری ہو۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو" سلطان شاہ نے جلدی سے اس کی تائید کی "جواری ہر وقت روتے ہی رہتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ لائن میں نشے کے ساتھ جوئے کی لت بھی بہت عام ہے۔ میں نے دونوں خرابیوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ جیتنا ہمیشہ یاروں کا ہوتا ہے، ہارنے والا اکیلا رہ جاتا ہے۔"

"چند برس پہلے لاس ویگاس کے جوئے خانے میں ایک شہزادے نے دنیا کی سب سے بڑی رقم ہارنے کا ریکارڈ بھی قائم کیا تھا" ویرا ابھی سلطان شاہ کی معلومات میں اضافہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ "آدھی رات گزرنے کے بعد وہ ہارتے ہارتے بیزار ہونے لگا تو کسی نے اسے بتایا کہ ایک رات میں سب سے زیادہ رقم ہارنے کا نیا ریکارڈ قائم کرنے کے لئے بس چند لاکھ ڈالرز کی کمی رہ گئی ہے تو وہ ایک نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ دوبارہ ہارنے کے لئے ڈٹ گیا۔ صبح ہونے سے پہلے وہ اپنا نام ورلڈ ریکارڈ بک میں درج کرانے کا حق دار ہو چکا تھا۔"

"عربوں کو جانے آج کل کیا ہو گیا ہے؟" میں نے ... میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتی تھی کہ تمہارے خیالات ایسے ہوں گے۔ خود بتاؤ کہ ایک ریکارڈ قائم کرنے کے لئے ایک رات میں ... ڈالر ہارنے کا کیا جواز ہے؟ ہارنے والے کو کس قانون نے یہ اختیار دیا تھا؟"

"کسی نے نہیں" ویرا دوٹوک لہجے میں بولی "اُس کی رقم تھی، وہ کھیلا اور ہار گیا، تم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو؟ آزاد معاشرے میں کسی فرد پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔"

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ میرا دل چاہا کہ ویرا کو بے لگام شہزادوں کی آمدنی کے ذرائع پر ایک لیکچر دوں، اسے بتاؤں کہ وہ لوگ اپنی قوموں کی حق تلفی کر کے اپنی تجوریوں کی زینت بڑھاتے چلے جاتے ہیں لیکن میں ضبط کر کے خاموش ہی رہا۔ وہ بات نازک تھا، ویرا جیسی لادین عورت کے سامنے اس موضوع پر مزید گفتگو مناسب نہیں تھی کیونکہ اس کی نسل کے لوگ حقائق کو جانے بوجھے بغیر دنیا کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی صف میں شمار کرتے تھے۔ میری باتوں سے حوصلہ پاکر ویرا ذرا بھی آگے بڑھ جاتی تو معاملہ یک بیک سنگین ہو سکتا تھا۔

گفتگو کے دوران میں ویرا غیر ارادی طور پر دیر تک کارڈز پھینٹتی رہی۔ پھر سلطان شاہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اس سے گڈی کا مطالبہ کیا تو وہ گڈی پیکٹ میں ڈال کر وہاں سے اٹھ گئی۔

"عربوں کے معاملے میں ابھی تم کچھ جذباتی ہو گئے تھے؟" اس کے چلے جانے پر سلطان شاہ نے تادیبی لہجے میں کہا۔

"مجبوری ہے اس جذباتی وابستگی کو کسی بھی صورت میں ختم نہیں کیا جا سکتا۔ میں کیا، کوئی بھی سمجھدار آدمی جب ان کی نادر حماقتوں اور شرمناک کمزوریوں کا دفاع نہیں کر پاتا تو ضد میں ایسی ہی لایعنی باتوں پر اتر آتا ہے۔ کوئی تمہارے سگے بھائی کو بدمعاش کہے تو تمہارا کیا رویہ ہوگا؟"

"ویرا کے ساتھ تم نے بھی جن کے کئی گلاس پیے ہیں۔" سلطان شاہ میرا شانہ تھپکتا ہوا بولا "وقت تیزی کے ساتھ گزر رہا ہے۔ تم دونوں کچھ دیر کے لئے آرام کر کے اپنے اعصاب بحال کر لو تاکہ سات بجے تک ہم سب اپنی بہترین ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے ساتھ ملا سرکار کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہ سکیں۔"

غزالہ نے حیرت سے اسے گھورا اور کہا "اب تم بھی بہت شستہ اردو بولنے لگے ہو!"

"تمہارے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے" اس نے محبت سے لبریز لہجے میں کہا "اردو بہتر ہو گئی ہے، انگریزی بولنے لگا ہوں، باہر کی دنیا دیکھ لی ہے، روپے پیسے کی ریل پیل ہے۔ اب میری یہی آرزو ہے کہ تم غزالہ بھابی کے ساتھ اپنا گھر آباد کرو اور میں بھی سکھ چین کے ساتھ اپنا کوئی کونا کنارا کر لوں۔"

"خواب ہمیشہ آسان اور بہت سہانے ہوتے ہیں برخوردار!

میں نے ہنستے ہوئے کہا "غزالہ کی بازیابی اس وقت کا اہم ترین مسئلہ ضرور ہے لیکن آخری نہیں۔ یہ نہ بھولو کہ مافیا میری مجبوری بنی ہوئی ہے اور ڈشی اور مافیا کے بڑے کسی بھی وقت مجھے یورپ کے کسی مقام پر طلب کرسکتے ہیں۔ ان امور کو طے کئے بغیر پُرسکون گھریلو زندگی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا۔ شکاری کتے ہروقت ہمارے خون کی بو پر لگے رہیں گے۔"

"خاموشی کے ساتھ لاطینی یا جنوبی امریکا کے کسی ملک کی طرف فرار ہو کر وہاں رُوپوشی کی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

"میں اس بارے میں بہت سوچ چکا ہوں۔ اوّل تو وہ ممالک دنیا بھر کے بھگوڑوں اور اشتہاری مجرموں کے گڑھ ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے اِکا دکا مجرم اب بھی وہاں دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ ان وجوہ کی بنا پر دنیا بھر کی قابلِ ذکر خفیہ ایجنسیاں وہاں سرگرم عمل رہتی ہیں۔ امریکا میں منشیات کی سب سے بڑی اور زرخیز منڈی ہونے کی وجہ سے ان ممالک میں زیرِ زمین تنظیموں کی مضبوط شاخیں ہیں۔ کئی ممالک میں حکومتیں ڈرگ مافیا کے اشاروں پر بنتی اور ٹوٹتی ہیں' انتظامیہ کے ہزاروں اہم ارکان ان کے تنخواہ یافتہ ہوتے ہیں۔ وہاں رہ کر ڈشی اور مافیا سے بچے رہنے کا خیال حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

"حبیب جیوانی والا ڈراما بھی کامیاب ہوسکتا ہے" سلطان شاہ بولا۔

"وہ کیا؟" اس کی تجویز پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔

"جرمن پولیس کے ریکارڈ کے مطابق حبیب جیوانی ان کی قید میں مرچکا ہے لیکن وہ یہاں زندہ اور آزاد ہے" سلطان شاہ نے اپنی تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اب وہ حبیب جیوانی کے نام سے کبھی سامنے نہیں آسکتا۔ نام اور شناخت کھو کر زندہ رہنے سے تو بہتر ہے کہ آدمی بے جگری سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے پورے اعزاز کے ساتھ موت کو گلے لگالے۔"

ویرا کی خوابگاہ میں ہلکی پھلکی گپ شپ میں مصروف رہ کر ہم آنے والے لمحات کا انتظار کرتے رہے۔ سلطان شاہ کو چائے دینے کے بعد ویرا نے بستر پر دراز ہوکر آنکھیں موندلی تھیں۔

ساڑھے چھ بجے ہم دونوں مُنہ ہاتھ دھو کر تیار ہوگئے۔ ویرا غسل کے ارادے سے باتھ روم میں جاگھسی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کافی دیر میں فارغ ہوگی مگر وہ بھی چند ہی منٹ میں تیار ہو کر باہر آگئی اور ہم تینوں اپنے اسلحے سمیت خوابگاہ سے ڈرائنگ روم میں منتقل ہوگئے جہاں ہمارے مورچے تیار تھے۔

وقت دھیمے دھیمے سرکتا رہا۔ سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش تھے اور اعصابی تناؤ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ویرا مسلسل سگریٹیں پھونکے جارہی تھی۔

سات بجنے میں چند سیکنڈ باقی تھے کہ اچانک بجنے والی گھنٹی نے ہم تینوں کو چونکا دیا۔ ویرا یوں بری طرح اچھلی جیسے کسی نے اس کے کان میں قرنا بجادیا ہو۔

فون کی گھنٹی بجنے کا ادراک کرتے ہی وہ ڈرائنگ روم کی تپائی پر رکھے ہوئے فون کی طرف لپکی تھی لیکن میں نے ساتھ اس کی اضطراری کیفیت کو روک دیا۔

"یہاں نہیں' اپنی خواب گاہ میں جاکر اسپیکر فون پر کال وصول کرو۔"

وہ سب سے آگے لپکی تھی' اس کے پیچھے پیچھے ہم دونوں اس کی خوابگاہ میں پہنچ گئے۔

اس وقت تک ویرا اسپیکر فون کا بٹن آن کرچکی تھی اس کی ہیلو کے جواب میں ملاّ سرکار یا بلیک کیٹ کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"سات بجنے والے ہیں' میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا۔ تمہارے گھر سے اگلی گلی میں ایک ٹیکسی کی پچھلی نشست پر موجود ہے' تم وہاں سے اسے لاسکتی ہو۔"

"یہ کیا بک رہے ہو؟" ملاّ سرکار کی بات سنتے ہی وہ کھوپڑی چیخ گئی "تم نے اسے لاوارث کی طرح وہاں کیوں چھوڑا ہے؟ تمہیں اس کو میرے گھر پہنچانا تھا۔"

"میں اسے تمہارے گھر ہی بھیج دیتا لیکن مجھے قابلِ اعتماد آدمی نہیں مل سکا۔ میں خود ٹیکسی ڈرائیو کرکے اسے وہاں تک لایا ہوں" اس کا لہجہ نرم اور معذرت خواہانہ تھا۔

"تو کیا تم خود کو آدمی کے بجائے چوپایہ سمجھتے ہو؟" وہ غرا کر سوال کیا۔

"تمہیں میری مجبوری معلوم ہے" ملاّ سرکار کی آواز ابھر آیا "ڈینی کسی خونی بھیڑیئے کی طرح میرے پیچھے لگا ہے۔ اس وقت میں کہیں بھی سامنے آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

ویرا اس جواب پر مزید بھڑک گئی "تو کیا تمہارا خیال ہے کہ میں نے تم کو پکڑنے کے لئے ڈینی کو اپنے گھر میں چھپایا ہوا ہے؟" ویرا کا' اپنے دل کا چور تھا ورنہ میں بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ ملاّ سرکار کا وہ مقصد نہیں تھا۔

"میری بات کا غلط مفہوم نہ لو' میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو!" وہ مدافعانہ لہجے میں کراہا تھا "مجھے تمہاری نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن تم خود بتا چکی ہو کہ ڈینی ہے' اونٹ کی طرح مُنہ اٹھائے تمہارے پاس چلا آتا ہے اگر اس وقت آگیا تو کیا ہوگا؟"

"تمہاری طرح میرے بھی کچھ تحفظات ہوسکتے ہیں" اس کے لب و لہجے کا کوئی اثر لئے بغیر بولی "کیا پتا کہ تم اسی لئے مجھے میرے گھر سے باہر نکالنا چاہ رہے ہو اور تمہارے آدمی میری گھات میں ہوں۔ غزالہ تمہاری قید سے رہا

کرنے کے لئے تم مجھے بھی اغوا کرنے کی کوشش کرسکتے ہو۔"

"تو یہ مجھے اتنا گھٹیا انسان نہ سمجھو' میں ایسی گری ہوئی حرکت کبھی نہیں کرسکتا....."

"ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ کے لئے کسی انسانی جان یا اخلاق کی کوئی وقعت نہیں ہوتی" ویرا اس کی بات کاٹ کر سرد بے رحمانہ لہجے میں بولی "اس کی تربیت کا پہلا اصول' ہر قیمت پر اپنے مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ ڈینی نے تمہاری دُم میں نمدہ دبا دیا ہے اس لئے تم اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن بحال کرنے کے لئے کچھ بھی کرسکتے ہو۔"

"اگر میں اسے لے آؤں تو تم مجھے میری سلامتی کی ضمانت دو گی؟" ملاّ سرکار نے جھکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ہرگز نہیں" ویرا اس کی دم توڑتی ہوئی قوتِ مزاحمت کا اندازہ کرکے دوٹوک لہجے میں بولی "ہم دونوں کا ایک ہی پیشہ ہے۔ پہلے میں جو کچھ تمہارے بارے میں کہہ رہی تھی' وہی مجھ پر بھی صادق آتا ہے۔ تمہاری ضمانت تسلیم کروں گی اور نہ تمہیں کوئی ضمانت دوں گی۔ غزالہ کو لانا ہے تو خود میرے گھر لاؤ ورنہ اسے واپس لے جاؤ....."

"اتنی تیزی سے فیصلے نہ کرو' مجھے سوچنے کی مہلت دو۔ اور میری التوا کی درخواست کا کیا بنا؟"

"کچھ بھی نہیں۔ اب اسے بھول جاؤ۔ تم پہلے مرحلے میں ہی بدعہدی کے مرتکب ہوئے ہو۔ غزالہ کو لانے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوسکتی۔"

"نہیں نہیں' ایسا نہیں کہو" اسپیکر فون پر اس کی گڑگڑاتی آواز ابھری تھی "وہ خود تمہارے پاس پہنچتی ہے یا میں اسے ساتھ لے کر آتا ہوں۔"

"وہ خود کیسے آئے گی؟" اس بار ویرا اپنے اضطراری تحیر پر کسی طرح قابو نہیں پاسکی تھی۔ لیکن ملاّ سرکار شاید ویرا کے لہجے میں رونما ہونے والی تبدیلی کو محسوس نہیں کرسکا اور روانی سے بولا "میں اسے بے ہوش کرکے لایا تھا' وہ کسی مریضہ کی طرح کمبل میں لپٹی ہوئی' کار کی پچھلی سیٹ پر سو رہی ہے۔ میں اسے ہوش میں لاکر تمہارے گھر کا راستہ سمجھادوں گا....."

"یعنی تم خود نہیں آؤ گے؟" ویرا کو ایک مرتبہ پھر غصہ آگیا۔ "اگر وہ فوری طور پر ہوش میں نہ آئی تو مجھ ہی کو آنا پڑے گا۔ تم خوف کی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ انسان پر جب برا وقت آتا ہے تو وہ اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔"

"تم جیسے ڈراؤنے ایجنٹ کی زبان سے یہ لطیفہ عجیب سا لگ رہا ہے۔ میں تمہیں خبردار کر رہی ہوں کہ مجھے غزالہ کی آڑ میں کسی ردِعمل کا شبہ بھی ہوگیا تو میں غزالہ کو بھی گولی مارنے سے دریغ نہیں کروں گی۔"

"تم واقعی بہت منظیم ہو مادام" ملاّ سرکار کی تشکر آمیز آواز ابھری "اس کا مطلب ہے کہ تم نے میری دونوں تجاویز منظور کرلی ہیں۔ مجھے ڈر صرف اتنا ہے کہ وہ خونخوار لڑکی ہوش میں آتے ہی مجھ پر حملہ نہ کردے۔"

"مجھے خوشامد سے نفرت ہے' جو کچھ کرسکتے ہو' وہ سوا سات بجے تک کرلو۔ اگلی گلی سے میرے گھر تک کا فاصلہ چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں ہے" ویرا کا لہجہ یک بیک درشت ہوگیا۔

"بہت بہت شکریہ' مادام" پھنکار سن کر دوسری طرف سے کہا گیا اور لائن کٹ گئی۔

"اعصابی جنگ میں تم سے جیتنا بہت مشکل کام ہے۔" سلطان شاہ نے تعریفی لہجے میں کہا "مخاطب سے بات کرتے ہوئے اس کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے میں صرف ڈینی ہی تمہارا ہمسر ہے۔ تمہاری سنگ دلانہ گفتگو سے لمحہ بھر کے لئے مجھے بھی شبہ ہونے لگا تھا کہ تم واقعی غزالہ کی دشمن ہوگئی ہو۔"

"وہ کسی بھی لمحے یہاں آسکتا ہے" میں نے ان دونوں کو خوابگاہ سے باہر دھکیلتے ہوئے جلدی سے کہا "گھر کی تمام روشنیاں گل کرکے کھڑکیوں سے پردے ہٹا دو تاکہ ہم لوگ باہر ہونے والی نقل و حرکت پر نگاہ رکھ سکیں۔"

"اور اگر اس نے خود یہاں آنے کے بجائے غزالہ کو پتا سمجھا کر ادھر ہانک دیا تو کیا ہوگا؟" سلطان شاہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے سوال کیا۔

"وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔ "ہمارا مقصد آم کھانے سے ہے' پیڑ گننے سے نہیں۔ ایک بار غزالہ ہماری تحویل میں آگئی تو ملا سرکار کا مقابلہ کرنا زیادہ دشوار نہیں رہے گا۔ ہم سب پوری یکسوئی کے ساتھ اس کی حرکتوں کا سدِباب کرکے اسے گھیر سکیں گے۔"

اس اثنا میں ویرا نے ڈرائنگ روم کی تمام روشنیاں گل کر کے کھڑکیوں پر سے پردے ہٹانے شروع کردیئے تھے۔ جب کہ احاطے کے لیمپ پہلے سے روشن تھے۔ اس وجہ سے ہم اندھیرے میں رہتے ہوئے باہر رونما ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھ سکتے تھے لیکن باہر سے ہمارا دیکھ لیا جانا ممکن نہیں تھا۔

"ملاّ سرکار کے بارے میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اپنے کام سے فارغ ہو کر ویرا نے سوال کیا۔

"ہائیں!" سلطان شاہ حیرت سے بولا "ساری رات یوسف زلیخا سن کر اب پوچھ رہی ہو کہ زلیخا مرد تھا یا عورت تھی؟ تمہیں ابھی تک پتا نہیں چل سکا کہ ہم اس کا کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"اپنی چونچ بند رکھو۔" ویرا ناگواری کے ساتھ بولی "ڈینی میرے سوال کو سمجھ رہا ہے۔ ایسے معاملات میں تم اپنی ننھی سی کھوپڑی پر زیادہ زور نہ دیا کرو۔ کسی روز وہ چٹخ بھی سکتی ہے۔"

"میری کوشش ہوگی کہ اسے زندہ پکڑا جائے" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حالات قابو سے باہر ہو جانے کی صورت میں ہم اسے زندہ نکل جانے دیں گے۔"

ڈرائنگ روم کے دو اطراف میں کھڑکیاں تھیں۔ بغلی کھڑکی کے مقابل سلطان شاہ جم گیا۔ دوسری کھڑکی سے میں نے پھاٹک کی نگرانی شروع کردی۔ ویرا میرے قریب ہی موجود تھی۔

پچھلی بار کے مقابلے میں دونوں طرف سے بارودی اسلحہ استعمال کیا گیا تھا اور اس کی پُرشور آوازوں نے پورے علاقے کی فضا مکدّر کردی تھی۔ وہ تو ہمارے ستارے اچھے تھے یا علاقہ پولیس کی نااہلی کہ کوئی ویرا کے مکان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا لیکن اس بار ہم نے ملا سرکار کے استقبال کے لئے بہتر تیاریاں کی ہوئی تھیں۔

ہمارے پاس بڑے بور کے دو بے آواز پستول اور سائلنسر لگی ہوئی ایک بیش قیمت رائفل موجود تھی۔ جس کی مدد سے یہ قصہ خاموشی کے ساتھ نمٹایا جا سکتا تھا۔ بگڑی ہوئی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے دو عدد کلاشنکوف بھی موجود تھیں۔ مجھے امید تھی کہ ان تمام انتظامات کے سبب وہ ملا سرکار کی آزاد اور خود مختار زندگی کی آخری رات ثابت ہونے والی تھی۔

ویرا کے مکان سے اگلی گلی کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اور میرا خیال تھا کہ جو کچھ بھی ہونا تھا وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں رونما ہو سکتا تھا۔

جب ہمیں انتظار کرتے ہوئے تقریباً نصف گھنٹا گزر گیا تو میرے اعصاب پر بے چینی سوار ہونے لگی۔

طویل ہوتے ہوئے صبر آزما لمحات ویرا کے لئے بھی ذہنی بے آرامی کا سبب بن رہے تھے اس لئے سب سے پہلے اسی نے اپنے دل میں پیدا ہونے والے خدشات کا اظہار کیا۔ "اس تاخیر پر مجھے تشویش ہونے لگی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ملا سرکار خود یہاں آنے سے گریز کر رہا ہے۔ وہ غزالہ کو ہی ہوش میں لا کر ادھر روانہ کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غزالہ پر بے ہوشی کی دوا کے اثرات دور کرنے میں ناکام رہا ہو۔" میں نے کہا۔

"غزالہ اس کی قیدی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس نے ہوش میں آتے ہی ملا سرکار کی کوئی بات سنے بغیر اس پر حملہ کر دیا ہو اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلنے پر مجبور ہو گیا ہو" ویرا نے پُرتشویش لہجے میں کہا "یہ صورتِ حال ہمارے لئے بہت زیادہ خطرناک ہوگی۔ نہ غزالہ یہ جان سکی ہوگی کہ وہ ہم سے اس قدر نزدیک موجود ہے اور نہ ہی ملا سرکار غزالہ کے بغیر ادھر کا رخ کرنے کی ہمت کر سکے گا۔ ایک بار غزالہ اس کی گرفت سے نکل گئی تو سمجھو کہ ہم ملا سرکار سے بھی گئے۔"

بظاہر ویرا کی بات میں وزن تھا۔ ان دنوں غزالہ جن حالات سے گزر رہی تھی ان سے دوچار ہو کر کوئی بھی حوصلہ[illegible] لڑکی جارح اور خونخوار بن سکتی تھی اور غزالہ برے وقت[illegible] اپنی حیوانی جبلتوں کو پوری طرح روبہ کار لانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت [illegible] مکمل بے ہوشی سے ہوش میں آتے ہی انسان فوری طور [illegible] چست و چالاک نہیں ہو جاتا کہ کسی پر حملہ آور ہو سکے۔ [illegible] بے ہوشی اور کامل ہوش مندی کے درمیان ایک ایسا طو[illegible] بھی حائل ہوتا ہے جب انسان سب کچھ دیکھنے اور سننے [illegible] فوری اور اضطراری ردعمل کی طاقت سے یکسر محروم رہتا [illegible] اس کے اعصاب اور قویٰ بہت آہستہ آہستہ بے ہوشی [illegible] اثرات کی گرفت سے نکلتے ہیں۔

میری دانست میں غزالہ کے ہوش میں آنے اور پوری چونچال ہونے کے درمیان ملا سرکار کو بہ آسانی اتنا وقفہ [illegible] تھا کہ وہ غزالہ کو اپنی بات سنا اور سمجھا سکے۔ یہ اور بات [illegible] ویرا کے گھر کا پتا ٹھکانا سمجھ لینے کے بعد غزالہ کے بدن میں [illegible] طاقت بحال ہو گئی ہو کہ اس نے ملا سرکار کو مار بھگایا ہو۔

اور بفرضِ محال غزالہ نے اپنی غیر معمولی قوت ارادی [illegible] سہارے ملا سرکار پر کوئی فوری وار کر ہی دیا تھا تو ملا سرکار [illegible] نہ کہیں سے فون کر کے ویرا کو اصل صورت حال سے آ[illegible] چاہئے تھا۔

اس محاذ پر مکمل اور طویل ہوتی ہوئی خاموشی میرے [illegible] اعتبار سے تشویش انگیز تھی۔

"کیوں نہ میں باہر جا کر دیکھ لوں کہ وہاں کیا ہو رہا [illegible]" سلطان شاہ نے کہا۔

"تم دونوں تو اس وقت باہر نکل ہی نہیں سکتے۔" [illegible] سختی کے ساتھ کہا "میں ملا سرکار کو بتا چکی ہوں کہ میں تم[illegible] انتظار کر رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ دیر کر کے وہ ہمارے [illegible] مضبوطی کا اندازہ لگانے کے ساتھ ہی آس پاس منڈلا رہا [illegible] نے تمہارا سایہ بھی دیکھ لیا تو وہ میرے منہ آنے لگے گا [illegible] اس پر جو بالادستی حاصل ہو گئی ہے' وہ پل بھر میں ختم ہو[illegible] ہاں' یہ ممکن ہے کہ میں باہر نکل کر گلی کا جائزہ لے آؤں [illegible]

"اس کی میں اجازت نہیں دوں گا۔" میں نے فوراً [illegible] کا خیال مسترد کر دیا "عام حالات کی بات اور ہوتی [illegible] واسطہ ملا سرکار جیسے پدرالحرام سے پڑا ہوا ہے۔ وہ [illegible] اور تخریبی سوچ کا مالک ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب [illegible] گزرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غزالہ کو سرے سے ساتھ [illegible] ہو اور کسی تدبیر سے تمہیں باہر نکلنے پر مجبور کر کے تم [illegible] ڈالنا چاہ رہا ہو۔ اس وقت ہم کوئی خطرہ مول نہیں لے [illegible]

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم دونوں' ایک دو[illegible] لئے اپنے دلوں میں اتنے ہمدردانہ خیالات رکھتے ہو۔ [illegible] [illegible]میان میں 'میں ایک یتیم پھنس گیا ہوں....'"

"بکواس مت کرو' [illegible] تم دونوں کے باہر نکلنے کے خلاف [illegible]" میں نے اس کی بات کاٹ کر غراتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ ملا سرکار یا اس کا کوئی آدمی سامنے [illegible]ہی مکان کی نگرانی [illegible] رہا ہوگا۔ میں عقبی حصے سے باہر پھاند کر [illegible]زہ لینے کے لئے جا سکتا ہوں۔" وہ میری بات سنی ان سنی کر [illegible] بولا۔

"اور دیوار پھاندتے ہوئے' کوئی نادیدہ گولی تمہاری کھوپڑی [illegible] گئی تو کیا ہوگا؟"

"موت آئے گی تو اس مکان پر کوئی جہاز بھی گر سکتا ہے۔ [illegible]ر کے لکھے کو پورا کرانے کے لئے انسان نے اپنی ترقیوں سے [illegible] ایسی نادر سہولتیں پیدا کر لی ہیں کہ وقت آ جانے پر وہ نہ [illegible]ان میں محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ زمین کے اندر۔ سمندر تو ویسے [illegible]مدا سے غیر محفوظ سمجھا جاتا ہے۔ طوفانی لہریں جب چاہتی ہیں' [illegible]تے ہوئے شہروں کو پل بھر میں اوندھا کر دیتی ہیں۔" وہ خوش دلی [illegible] ساتھ بولا۔ کھلی ہوئی کھڑکیوں سے آنے والی تازہ ہوا اس کی [illegible]ل پر خوشگوار اثرات مرتّب کر رہی تھی۔

"جا رہے ہو تو دیکھ بھال کر جانا" ویرا قدرے توقف کے بعد [illegible] "ویسے مجھے ایک اور بھی شبہ ہو رہا ہے۔"

"میرے جانے سے پہلے وہ بھی سنا دو تو مجھے تسلی رہے گی۔"

"ملا سرکار کا فون نہ آنے کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ [illegible]الہ نے ہوش میں آتے ہی اسے بے ہوش کر دیا ہو اور ٹیکسی [illegible]اسے اپنے ساتھ لے کر فرار ہو گئی ہو" ویرا بولی۔

"یہ امکان بھی قرین قیاس ہے لیکن باہر نکلے بغیر یقین سے [illegible] نہیں کہا جا سکتا" میں نے کہا۔

"جانے سے پہلے میں اپنا تازہ ترین خیال بھی پیش کر دوں" [illegible]یک طویل عرصے کے بعد سلطان شاہ اس وقت موج میں آیا [illegible] تھوڑی دیر پہلے تم نے آسمان سے مہلک کنکر برسانے والی [illegible]یلوں کا ذکر کیا تھا۔ اسے ایک استعارہ سمجھو تو آج کل کے [illegible] ہوائی جہاز بھی اڑنے اور شور مچانے والی ابابیلیں ہیں جو [illegible]پیٹ' پروں اور چونچ سے ہزاروں پاؤنڈ وزنی بارودی [illegible]یاں گرا کر بڑی سے بڑی فوج یا آبادی کو نیست و نابود کر سکتی ہیں۔"

"اس وقت اس بے تکے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے [illegible] لہجے میں پوچھا۔

"اچھی بات جب بھی سوجھ جائے' کہہ ڈالنی چاہئے۔ اسے [illegible]ب موقع کے لئے روکے رکھنے سے آدمی کو دانش وری کا [illegible] مرض لاحق ہو جاتا ہے.... اچھا میں چلا" وہ فوراً ہی تاریک [illegible]ن کے اندرونی حصے کی طرف ہو لیا۔

"بنیادی طور پر یہ بہت خاموش طبع ہے لیکن کبھی کبھی بہت زیادہ بولنے لگتا ہے" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے دوسری کھڑکی کے سامنے جگہ لیتے ہوئے کہا۔

"جب سے تم نے اس کے ساتھ کوئی خفیہ زیادتی کی ہے' اس کی زبان کھل گئی ہے لیکن تم دیکھتی ہو کہ ہر موقع پر مجھے پیچھے رکھ کر بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار رہتا ہے۔"

"کافی دیر ہو گئی اب سگریٹ کی خواہش ستا رہی ہے" وہ بڑبڑائی۔

"بیڈ روم میں جا کر دو سگریٹیں سلگا لاؤ۔ سگریٹ ہتھیلی میں چھپا کر کھڑکی سے نیچے جھک کر اکا دکا کش لگاتے رہیں گے تو باہر سے کسی کو پتا نہیں چلے گا۔"

میں ان دونوں سے باتیں کرتا رہا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ملا سرکار کی آخری فون کال کے بعد بڑھتا ہوا وقفہ نیشِ عقرب کی طرح میرے ذہن میں چبھ رہا تھا۔ مکان میں پھیلی ہوئی تاریکی اور آنے والے غیر یقینی لمحات کے دباؤ کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ طاری تھا اور حواسِ خمسہ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہو رہے تھے۔

کھڑکی سے باہر' روشن احاطے میں پودوں وغیرہ پر منڈلاتے ہوئے مچھروں کے غول پُرہول آسیبی ہیولوں کی طرح پھیلتے اور سمٹتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ زیادہ ارتکاز کے نتیجے میں جب ان ہیولوں میں خدوخال بھی ابھرتے ہوئے محسوس ہونے لگے تو میں نے دل ہی دل میں ملا سرکار پر لعنت بھیج کر پھاٹک پر نگاہیں مرکوز کر لیں۔

ویرا کے آنے سے قبل مجھے مکان کے کسی حصے میں دھمک کی آواز آئی جیسے کوئی احتیاط سے کہیں کودا ہو۔ میں نے اپنے سامنے پھیلے ہوئے احاطے کا دونوں کھڑکیوں سے جائزہ لے ڈالا لیکن وہاں ہر چیز جوں کی توں موجود تھی۔ ویرا سگریٹیں لے کر آئی تو میں نے اس سے بھی دھمک کے بارے میں استفسار کیا۔ اس نے نہ کوئی دھمک سنی تھی اور نہ ہی باتھ روم وغیرہ کا کوئی دروازہ اس طرح بند کیا تھا کہ اس سے دھمک جیسی کوئی آواز پیدا ہوتی۔

"ٹینشن کی وجہ سے اس وقت تم ذکی الحس ہو گئے ہو۔ پھر بھی میں احتیاطاً مکان کا ایک چکر لگائے لیتی ہوں۔" اس نے غیر ارادی طور پر سرگوشیانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"مکان میں چل کر داخل ہوا جاتا ہے کودنے کی آواز باہر سے آئی تھی...."

اس نے میری بات کاٹ دی۔ "کودنے والا بھی اندر آنے کی نیت سے ہی کودا ہوگا۔ پھر سلطان شاہ بھی باہر گیا ہے۔ اس کے پاس عقبی راستے کی چابی تھی' ہو سکتا ہے کہ وہ ا[illegible] مقفل کرنا بھول گیا ہو۔ لگے ہاتھوں میں وہ دروازہ [illegible] چیک کرا دوں گی لیکن اب تک وہاں بہت زیادہ تعفن پھیل چکا ہوگا۔"

”دعا کرو کہ اس مکان میں یہ ہماری آخری رات ثابت ہو۔ موہن داس کی لاش اب اتنی گل چکی ہے کہ اس سے مواد بہنا شروع ہوگیا ہوگا۔“ میں نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

”متعدی جراثیم سے مجھے دہشت آتی ہے۔“ اس کی کمزور آواز ابھری۔ ”میں یہاں رکتی ہوں۔ تم مکان کا چکر لگا لو۔ وہ ہماری بے خبری میں عقب سے اندر آگیا تو پوری بازی الٹ جائے گی۔“

تاریک مکان میں ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھتے ہوئے میں پوری توجہ سے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے رہا تھا۔ فرش پر قالین موجود ہونے کے باوجود میں اپنے بدن کا زیادہ بوجھ پنجوں پر سہار کر پیش قدمی کر رہا تھا۔ میں وسطی لابی میں تھا کہ ایک بار پھر دھمک کی آواز سنائی دی۔ وہ اس قدر واضح تھی کہ سنسنی سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں جہاں تھا وہیں رک گیا کیونکہ اس بار دھمک باہر نہیں بلکہ چھت پر پیدا ہوئی تھی۔

میں کئی ثانیوں تک اپنی جگہ پر یوں ہی منجمد کھڑا رہا لیکن پھر مجھے اپنی تیز سانسوں کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سنائی دی۔ چھت تک جانے والے زینے اسی وسطی لابی میں اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے مگر مجھے معلوم تھا کہ اوپر ان کے اختتام پر ایک مضبوط چوبی دروازہ دہرے قفل سے محفوظ رہتا تھا۔

بدمعاش ملا سرکار اگر کسی تدبیر سے مکان کی چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا تو اس وقت سب سے زیادہ اہمیت زینے والے دروازے کی تھی۔ دوسری فکر مجھے سلطان شاہ کے بارے میں لاحق ہوگئی۔

اسے گئے ہوئے اتنی دیر ہوگئی تھی کہ مجھے یقین تھا کہ وہ مکان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہوگا لیکن واپسی پر اس کی سلامتی کو بدترین خطرات لاحق تھے۔ اگر ملا سرکار مکان کی چھت پر موجود تھا تو وہ سلطان شاہ کو احاطے کی دیوار پر دیکھ کر نہایت آسانی کے ساتھ گولی مار سکتا تھا۔ وہ ایک ایسا لرزہ خیز امکان تھا جس کے بارے میں، میں صرف سوچ ہی سکتا تھا، فوری طور پر اس کا سدباب کرنا میرے بس سے باہر تھا۔

زینے پر پائیدان یا قالین نہیں تھا اس لئے میں نے پھونک پھونک کر پنجوں کے بل زینے طے کئے اور غیر معمولی احتیاط کے ساتھ اس کے دونوں قفل چیک کئے۔ مجھے اطمینان ہوا کہ دروازہ مقفل تھا۔

میں چند ثانیوں تک آخری زینے پر دروازے کے قریب رکا رہا۔ دوسری طرف موت کا سا بھیانک سکوت طاری تھا لیکن میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی تھی کہ وزنی چوبی پٹ کے اس پار بھی مجھ جیسا کوئی جیتا جاگتا وجود تاروں بھرے آسمان کے نیچے موجود تھا۔ بڑی شدت کے ساتھ میرا دل چاہا کہ اپنے اعشاریہ تین دو کے پستول کا دہانہ لکڑی پر رکھ کر میں دروازے کے پار فائر کر دوں۔ اس حدِ فاصل کے اس پار جو کوئی بھی کھڑا ہوا تھا، میری گولی سے مرتا یا نہ مرتا لیکن زخمی ضرور ہو سکتا تھا۔

بدقسمتی سے اس وقت ان تالوں کی چابیاں میرے پاس موجود نہیں تھیں اور میں فوری طور پر دروازہ کھول کر کھلی ہوئی چھت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں مقفل دروازے سے گولی چلا کر اپنے نادیدہ حریف کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو میں اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ جتنی دیر میں، میں نیچے سے چابیاں لے کر پلٹتا، میرے زخمی حریف کو چھت پر سے کود کر کہیں بھی فرار ہونے کے لئے کافی مہلت مل سکتی تھی۔

آخری سیڑھی پر وہ چند لمحے صدیوں سے زیادہ طویل ہوگئے پھر اچانک ایک بہت موہوم سی آواز ابھری۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دھات کی بنی ہوئی کوئی چیز ہولے سے کسی دھات سے مَس ہوئی ہو۔ وہ آواز اتنی مدھم تھی کہ اس کی حقیقت کے بارے میں خود میں بھی شبے میں پڑ گیا۔ ایسے جاں گسل لمحات میں تصور کی کرشمہ سازیاں بھی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہیں۔

اگر کوئی بند تالے پر طبع آزمائی کر رہا تھا تو دوبارہ کوئی آواز، کوئی کھنک یا کوئی کھٹکا سنائی دینا چاہئے تھا لیکن وہاں گہرا اور لامتناہی سکوت چھایا رہا جیسے حریری لبادوں میں سرسرانے والی پُر اسرار روحیں یک بیک عالمِ لاہوت کی طرف پرواز کر گئی ہوں اور اپنے پیچھے بیکراں سناٹا چھوڑ گئی ہوں۔

میں پنجوں کے بل سیڑھیوں سے نیچے آگیا۔ عقبی دروازے پر پہنچ کر مجھے خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ ان اعصاب شکن لمحات میں بھی اپنے پیچھے دروازہ مقفل کرنا نہیں بھولا تھا۔

واپسی پر میں نے وسطی راہداری میں رک کر ایک بار پھر اوپر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گمبھیر سناٹا تھا۔ شاید ملا سرکار مقفل دروازے پر طبع آزمائی کا ارادہ ترک کر کے مکان میں گھسنے کی کوئی دوسری راہ تلاش کرنے کی فکر میں تھا۔

میں واپس پہنچا تو ویرا رائفل شانے پر لٹکائے اور کلاشنکوف ہاتھ میں لئے، کسی گوریلے کی طرح اپنی جگہ پر مستعد تھی۔

”تم نے وہ آواز سنی تھی؟“ میری آواز سنتے ہی اس نے سوال کیا تھا۔

”کون سی آواز؟“ اس کے مشاہدے کو آزمانے کے لئے میں انجان بن گیا۔

”کسی کے کودنے کی آواز... شاید چھت پر سے آئی تھی۔“ اس کا لہجہ پُرسکون تھا۔

”غنیمت ہے کہ اس بار تمہارے کان بھی کام کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ملا سرکار یا اس کا کوئی آدمی ہماری چھت پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ وہاں سے مکان میں داخل ہونے کے

لئے زینے کے علاوہ تو کوئی اور راستہ نہیں ہے؟“

”نہیں، تالے توڑے بغیر کوئی اندر نہیں آسکتا۔ اب ہمیں ادھر کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔“ وہ پُر تشویش لہجے میں بولی ”یہ سلطان شاہ کے حق میں بہت برا ہوا۔ اگر اوپر والے نے اسے دیکھ لیا تو تیتر کی طرح مار لے گا۔“

فکرمند میں خود بھی تھا مگر میں نے پُرامید لہجے میں کہا ”فکر نہ کرو۔ سب سے اوپر والا اس کی حفاظت کرے گا۔ سلطان شاہ لوٹ آئے تو ہمیں اپنی حکمتِ عملی بدلنا ہوگی۔“

ہم دونوں وقفے وقفے سے وسطی راہداری کے زینے کا جائزہ بھی لیتے رہے لیکن ہماری پوری توجہ ڈرائنگ روم کی سمت والے محاذ پر ہی مرکوز تھی۔ اگر ملا سرکار کے ساتھ زیادہ نفری تھی تو ہمیں ایک سمت میں الجھا کر وہ دوسری سمت سے بہ آسانی وار کر سکتا تھا۔ چھت پر قابض ہونے کے بعد اسے ہم پر قدرے برتری حاصل ہو چکی تھی جسے ہم اپنی مستعدی اور مناسب منصوبہ بندی سے ختم کر سکتے تھے۔ شرط صرف اتنی تھی کہ سلطان شاہ زندہ و سلامت واپس لوٹ آتا۔

آخر کار کچھ دیر بعد سلطان شاہ بھی واپس آگیا۔ اس کا کسی سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔

اس نے یہ عجیب خبر سنائی کہ ویرا کے مکان سے آگے والی گلی میں ایک غیر مقفل ٹیکسی موجود تھی جس کے تمام شیشے چڑھے ہوئے تھے لیکن اس میں کوئی موجود نہیں تھا۔

ٹیکسی سے غزالہ اور ملا سرکار، دونوں ہی کا غائب ہونا اور ویرا کے مکان تک نہ پہنچنا ایک ہی حقیقت کا غماز تھا کہ ملا سرکار ابتدا سے ہی بدنیت تھا اور غزالہ کو اپنے ساتھ نہیں لایا تھا۔ اس نے فون پر ٹیکسی کی نشاندہی کر کے حیلے بہانے سے ویرا کو مجبور کرنا چاہا تھا کہ وہ گھر سے نکل کر خالی ٹیکسی کی طرف جائے۔ اگر وہ اس حماقت پر آمادہ ہو جاتی تو ملا سرکار اسے ٹیکسی ہی میں اغوا کر کے فرار ہو جاتا۔

ویرا کی ثابت قدمی سے مایوس ہو کر ملا سرکار اس کے مکان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ سلطان شاہ کی خوش قسمتی تھی کہ واپسی پر اسے نہیں دیکھا گیا تھا اور وہ ہلاک یا زخمی ہونے سے بال بال بچ گیا تھا۔

”پردے کھینچ دو!“ سلطان شاہ کی کہانی سننے کے بعد میں نے ویرا کو ہدایت کی ”اور مکان کے اندرونی حصوں کی روشنیاں جلا دو۔ اب ہم اندر ہی رہیں گے۔“

ویرا کھڑکیوں کے پردے برابر کرنے لگی اور میں سلطان شاہ کے ہمراہ اندر چلا گیا۔

اندر کی بتیاں روشن کرتا ہوا جب میں ویرا کی خوابگاہ میں جانے کے بجائے وسطی راہداری کی طرف بڑھا تو سلطان شاہ کچھ حیران ضرور ہوا لیکن اس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔

”تم نے بتایا نہیں کہ غزالہ ملا سرکار کے ساتھ کہاں غائب ہوگئی؟“ میرے مسلسل سکوت پر آخر کار سلطان شاہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ سوال کر ہی بیٹھا۔

جواب میں، میں نے اسے اپنی بنائی ہوئی کہانی کا تانا بانا سنا دیا۔

”اس کے علاوہ کچھ اور ہونا ممکن ہی نہیں۔“ سلطان شاہ کے تیور یک بیک بدل گئے۔ ”اگر وہ ہمارے ساتھ کمینگی پر اتر آیا ہے تو ہمیں بھی اسے ویسا ہی جواب دینا چاہئے۔“

”جواب تو اس وقت دیا جائے گا جب وہ سامنے آئے گا۔ فی الحال آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے ہم لوگوں کی یہاں موجودگی کا شبہ ہوگیا ہے ورنہ اب تک وہ اندر آچکا ہوتا۔“

”اندر محصور رہ کر انتظار کرنے کے بجائے ہم بڑھ کر وار کیوں نہ کریں؟“ سلطان شاہ پر خون سوار ہونے لگا تھا۔ ”اوپر کا دروازہ کھول کر اگر میں اندھا دھند گولیاں برساتا ہوا چھت پر نکل جاؤں تو کوئی بھی میرے سامنے آنے کی جرات نہیں کر سکے گا...“

”لیکن کسی اوٹ سے آنے والی ایک ہی گولی تمہارا کام تمام کر دے گی“ میں نے اس کی بات کاٹ کر تیز لہجے میں کہا ”دوسری بات یہ کہ غزالہ اس کے قبضے میں ہے۔ اگر اسے یہ پتا چل گیا کہ ویرا یہاں اکیلی نہیں ہے تو وہ فرار ہو جائے گا اور بعد میں اپنی بدنیتی تسلیم کرنے کے بجائے سارا الزام ویرا پر ڈال دے گا۔“

”ہاں! وہ کہہ سکتا ہے کہ اسے ویرا کے پروگرام کا پہلے ہی علم ہوگیا تھا اس لئے وہ غزالہ کو ساتھ نہیں لایا لیکن ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بھی نہیں بیٹھ سکتے، اس جمود سے دم گھٹ رہا ہے۔“

وقت گزرتا رہا۔ رات کے دس بج گئے لیکن کہیں سے کوئی کھٹکا نہیں سنائی دیا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مداخلت کرنے والے کوئی راہ نہ پا کر واپس لوٹ گئے ہوں۔

”میرا خیال ہے کہ میدان صاف ہوگیا ہے ہمیں سونے کی تیاری کرنا چاہئے“ ویرا نے تجویز پیش کی۔

اس نکتے پر ہم تینوں ہی متفق تھے لیکن سلطان شاہ سونے سے پہلے احاطے اور چھت کا ایک چکر لگانے پر مصر تھا۔ میری دانست میں رات کے وقت یہ کوشش خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی اس لئے ہم آخری بار مکان کا جائزہ لے کر اپنے تمام اسلحے سمیت ویرا ہی کی خوابگاہ میں آگئے۔

ان غیر یقینی حالات میں ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہمارے حق میں مضر ثابت ہو سکتا تھا۔ ویرا کو لاکھ انکار کے باوجود بستر سنبھالنا پڑا اور ہم دونوں قالین پر دراز ہوگئے اور نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ کھلی تو خوابگاہ میں گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ میرے خوابیدہ ذہن میں

موجود تھا کہ میری آنکھ بلا سبب نہیں کھلی تھی۔ میرے لاشعور میں خطرے کا امکان جاگزین تھا اس لئے کوئی آہٹ یا کھٹکا ہی میری نیند میں خلل انداز ہو سکتا تھا۔

میں نے پوری طرح آنکھیں کھول کر اپنے جسم کو زیادہ حرکت دیئے بغیر تاریک خوابگاہ کا جائزہ لیا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ غنودگی کی دھند میرے ذہن سے یکسر غائب ہو چکی تھی۔ میں نے اپنے سرہانے رکھے ہوئے پستول پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ' باہر نکل کر گھر کا ایک چکر لگانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ خوابگاہ کے کھلے ہوئے دروازے سے تاریکی میں ایک شعلہ لپکا اور وہ بے آواز گولی میرے اوپر سے گزرتی ہوئی سنگھارمیز میں پیوست ہو گئی۔

"خبردار جو کوئی حرکت کی" باہر سے بھرائی ہوئی مردانہ آواز ابھری "میں اندھیرے میں بھی تم سب کو بھون سکتا ہوں۔ اس وقت تم سب میرے نشانے پر ہو۔"

فضا میں پھیلی ہوئی بارود کی بو نے آخر کار میرے بدترین خدشات پر تصدیق کی مہر ثبت کردی تھی۔ اس وقت تک فائر کے گھٹے ہوئے کھٹکے سے ویرا کے علاوہ سلطان شاہ بھی بیدار ہو چکا تھا

"جو جہاں ہے ' وہیں پڑا رہے" باہر سے دوبارہ غراہٹ ابھری۔ شاید اس نے ویرا اور سلطان شاہ کو بیدار ہوتا ہوا دیکھ ' کر اپنی ہدایت دہرانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

خوابگاہ کی کھڑکیوں پر پردے تنے ہوئے تھے اور وہاں گہری تاریکی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ نامعلوم دشمن اس تاریکی میں بھی خاصی حد تک دیکھ لینے میں کامیاب تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ویرا نے کسی کو خاص طور پر مخاطب کئے بغیر نیند سے بوجھل اور تشویش زدہ آواز میں سوال کیا۔

اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا ' باہر سے دوسرا بے آواز فائر ہوا اور اس بار گولی چھت میں پیوست ہو گئی۔

"میری ہدایت سے انحراف کی صورت میں ایسی ہی گولیاں تمہارے جسموں میں بھی اتر سکتی ہیں۔ کوئی بھی اپنے قدموں پر اٹھنے کی کوئی کوشش کرے گا تو بے موت مارا جائے گا۔" باہر والے نے لمحہ بھر کے لئے توقف کیا پھر اسی بھرائی ہوئی آواز میں بولا "قریب ترین سوئچ استعمال کر کے روشنی کرو۔"

ویرا کے بستر سے چٹ کی ہلکی سی آواز آئی اور روشنی نے اندھیرے کو نگل لیا۔

کھلے ہوئے دروازے کے سامنے مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ روشنی ہونے سے پہلے ہی نامعلوم حریف دیوار کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم ویرا ہو" اس بار باہر والا شخص براہِ راست ویرا سے مخاطب ہوا تھا "تمہارے ساتھ باقی دو آدمی کون کون ہیں؟"

"مسلح ہو کر بھی اس قدر بزدل ہو" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہمت ہے تو سامنے آ کر خود دیکھ لو!"

وہ چند لمحات میری زندگی کے سب سے زیادہ سنسنی خیز اور قیمتی لمحات تھے۔

اس کے سوال سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایک پوزیشن میں تھا جہاں سے مجھے نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے میں پستول سنبھال کر پھرتی کے ساتھ قالین پر کھڑا ہو گیا تھا اسے باتوں میں الجھا کر میں دیوار کے سہارے کھلے ہوئے دروازے تک پہنچ سکتا تھا اور پھر کسی بھی لمحے اسے اپنی گرفت میں لے سکتا تھا۔

لیکن میرے بولتے ہی ایک ڈرامائی ردِ عمل سامنے آیا جس نے میرے وجود میں دورانِ خون تیز کر دیا۔

"ڈینی!" میری آواز پر باہر سے ایک نسوانی سسکی سنائی دی جس میں محبت اور محرومی کا کرب رچا ہوا تھا۔ وہ سو فیصد میری غزالہ کی آواز تھی۔ میں نے سوچا کہ غزالہ شاید اجنبی کی تحویل میں تھی لیکن اپنے ردِ عمل کے بارے میں کوئی غور کرنے سے پہلے ہی میری آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔

کھلے ہوئے دروازے سے ایک نسوانی ہیولا دوڑتا ہوا اندر آیا۔ گلابی لباس میں وہ غزالہ تھی۔ وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان والہانہ انداز میں دوڑتی ہوئی اندر آئی اور پوری قوت کے ساتھ مجھ سے لپٹ گئی۔

جلا وطنی ' طویل قید و بند ' مظالم ' تشدد اور دیگر صعوبتوں کے ہولناک تسلسل سے گزرنے کے بعد اسے یوں غیر متوقع طور پر میرے کڑیل وجود کا طربناک سہارا میسر آیا تو اس کے صبر و ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بلک بلک کر رو پڑی۔ میری بانہوں میں اس کا نرم و نازک وجود آندھی کی زد میں آئے ہوئے کسی ننھے سے پودے کی طرح لرز رہا تھا۔

غزالہ کو یوں غیر ارادی طور پر اپنی بانہوں میں پا کر میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

غزالہ کی جھلک دیکھتے ہی سلطان شاہ کلاشنکوف اٹھا کر باہر لپکا تھا۔ ویرا نے بھی پستول سنبھال کر بستر سے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی تھی اور باہر سے ایسی آوازیں آنے لگی تھیں جیسے بدمست گھوڑوں نے اچانک وہاں دوڑنا شروع کر دیا ہو۔ خود میرا ذہن بھی اس شخص میں الجھا ہوا تھا جس کے ساتھ غزالہ وہاں تک پہنچی تھی۔

"میں مر مر کر جیتی رہی ہوں ڈینی!" غزالہ میرے سینے میں منہ چھپائے سسک سسک کر کہہ رہی تھی "اکیلی عورت اپنی زندگی میں کبھی سکھی نہیں رہ سکتی۔ درد اور کرب کی لہریں اس کا مقدر بن جاتی ہیں .... مجھ سے وعدہ کرو کہ اب مجھے اپنی بانہوں سے جدا نہیں کرو گے ' کبھی جدا نہیں کرو گے۔ اپنی ڈھنائی کے سہارے میں اب تک زندہ رہی ہوں لیکن اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے۔ اب کے بچھڑے تو پھر ہم شاید اگلے جہانوں میں ہی

مل سکیں گے۔"

"تم خود مجھ سے دور بھاگتی رہی ہو" میں نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے دل گرفتہ آواز میں کہا "تم تو ایک سراب کی طرح ہو جو دھوپ چھاؤں کے کھیل میں کبھی سامنے آجاتا ہے اور کبھی ایک دم غائب ہو جاتا ہے۔"

"دلدار آغا میری زندگی کا سب سے بھیانک خواب تھا۔ وہ میری سب سے بڑی بھول تھی ' مجھے معاف کر دو ڈینی!" وہ یک لخت میری بانہوں سے پھسل کر میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ "تمہاری امانت میں خیانت کرنے کے بعد میں اب تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں۔ جب میں دلدار کے ساتھ رہ رہی تھی تو یہ احساسِ جرم مجھے ہر وقت ڈستا رہتا تھا کہ میں تم سے سرد مہری اور بے اعتنائی برت رہی تھی .... لل ... لیکن ڈینی ' تم جانتے ہو کہ شادی محبت سے زیادہ اہم اور مقدس ہوتی ہے۔ بے وفا بیویوں کو ان کے اندر کی آگ ' عمر بھر دھیمے دھیمے جلاتی رہتی ہے۔ ان کی تنہائیاں فرصت کے لمحات میں زہریلے ناگوں کی طرح ان کے ذہن میں سرسراتی ہیں اور جب وہ قبر میں اتاری جاتی ہیں تو مردہ خور حشرات الارض بھی ان کے گھناؤنے بدن سے گھن کھاتے ہیں۔ دلدار سے بے وفائی کر کے میں اپنا حشر خراب کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ کر ہر بار تمہاری حوصلہ شکنی کرتی رہی مگر تقدیر نے آج پھر مجھے آزاد کر کے اپنی ان زیادتیوں کے ازالے کا موقع دیا ہے جو میں جان بوجھ کر تمہارے ساتھ کرتی رہی ہوں۔ اب یہ تمہارا حق اور تمہاری مرضی ہے کہ مجھے اٹھا کر اپنے سر کا تاج بنا لو یا مجھے اپنے قدموں کی خاک سمجھتے رہو ' تم جو چاہو ' کر سکتے ہو۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہو گا۔"

روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں ' اس کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔

عام حالات میں ' میں انسانوں کو اپنے قدموں پر جھکانا نسانیت کی تذلیل سمجھتا ہوں لیکن اس وقت غزالہ کا لمس اپنے قدموں میں محسوس کر کے نہ جانے میرے کس جذبے کو تسکین مل رہی تھی کہ میں نے اسے اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور پتھر کی چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جما کھڑا رہا۔

"دلدار مر چکا تھا ' تم اپنی ماں کے گھر میں روپوش تھیں۔ میک اپ میں ہونے کی وجہ سے سلطان شاہ تمہیں نہیں پہچان سکا لیکن تم نے اس سے اجنبی بن کر لفٹ لی تھی ' تم کو جہانگیر کا گھر بھی معلوم تھا۔ تم وہاں آ سکتی تھیں لیکن تم دیدہ و دانستہ مجھ سے بھاگتی رہیں۔ تمہارے اس رویئے کا کیا جواز تھا؟ تم کیا کرنا چاہ رہی تھیں..." غزالہ کے سامنے آجانے پر میرے شکووں کو زبان مل گئی تھی۔ گزرے ہوئے دنوں کی ہر کسک یوں تازہ ہو گئی تھی جیسے وہ کل ہی کی بات ہو۔

"میں نئی نئی بیوہ تھی ڈینی!" وہ میری بات کاٹ کر بلکتی ہوئی بولی "میں جانتی تھی کہ تم سے سامنا ہو گا تو مجھے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہے گا۔ میں وہ سب کر گزروں گی جس سے تازہ بیواؤں کو روکا گیا ہے۔ وہ دوسرا جبر تھا جو میں نے اپنے اوپر مسلط کیا تھا۔ اپنا کوئی پتا اور نشان چھوڑے بغیر میں تم سے دور بھاگتی رہی۔ میں نامحرموں سے بچنے کی فکر میں تم سے دور بھاگ رہی تھی لیکن وہ سب میری خوش فہمی تھی۔ تقدیر ہمیں بہت بے رحمی سے بھگاتی ' دوڑاتی اور مقدور بھر تھکاتی ہے اور آخر کار وہی ہو کر رہتا ہے جس سے ہم بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ مجھے تھانے اور حوالات کا منہ دیکھنا پڑا ' وہاں سے جانو ماچھی نے بڑی بے رحمی سے مجھے اغوا کر لیا۔ اس نے مجھے سائیں مراد کی قید میں دے دیا اور عین اس وقت جب میں مراد کا گلا گھونٹ کر وہاں سے آزاد ہونے کی راہ استوار کر چکی تھی تو ایک داڑھی والا وہاں آگیا۔ آج تک میں اسی موذی کی قید میں تھی۔ میں پہلے دن سے تہیہ کر چکی تھی کہ ان میں سے کسی نے بھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو میں اسے مار دوں گی یا خود کو ختم کر لوں گی لیکن خدا کا شکر ہے کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر ان میں سے کسی نے مجھ پر بری نظر نہیں ڈالی اور میں آبرو مندانہ طور پر اپنے مستقبل کا فیصلہ سننے کے لئے تمہارے قدموں میں موجود ہوں۔"

میں نے جھک کر اسے اپنے قدموں سے اٹھا لیا اور وہ ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کی بے قراری دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنے روبرو میری موجودگی کا یقین نہ آ رہا ہو اور وہ بار بار مجھے چھو کر اس حقیقت کا یقین کرنا چاہ رہی ہو۔

باہر سے آنے والی دھما چوکڑی کی آوازیں عروج پر تھیں۔ اس دوران میں متعدد بے آواز فائر بھی ہوئے لیکن جواب میں کہیں سے کوئی انسانی چیخ نہیں ابھری جس کا مطلب تھا کہ وہ ساری بھاگ دوڑ اس وقت تک رائیگاں گئی تھی۔

غزالہ کے ساتھ میری ملاقات کا وہ موقع اس قدر غیر متوقع اور جذبات انگیز تھا کہ اس کی نیک نیتی کا یقین ہو جانے کے بعد میں بھی اسی احمقانہ دھارے میں شامل ہو گیا جو غزالہ کے وجود کو کسی بے وزن تنکے کی طرح بہائے لئے جا رہا تھا۔

وہ تسلسل اس وقت ٹوٹا جب سلطان شاہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان میں بولا۔ "سالے کے ستارے اچھے تھے کہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"وہ چھت ہی کے راستے گیا ہے کیونکہ وہی ایک راستہ کھلا ہوا تھا" ویرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گرہ لگائی۔ اس کی حالت بھی سلطان شاہ سے مختلف نہیں تھی۔

غزالہ مجھ سے الگ ہو کر شرمسار انداز میں سکڑی ہوئی ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی جن سے بہنے والی لڑیوں نے اس کا پورا چہرہ تر کر دیا تھا۔

"مجھے معاف کردینا غزالہ!" ویرا نے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا "میری تم سے کبھی بھی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ میں نے ڈینی پر دباؤ ڈالنے کے لئے جو کھیل شروع کیا تھا، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہیں اس کی اتنی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ میں سچے دل کے ساتھ تم سے شرمندہ ہوں۔ ڈینی گواہ ہے کہ میں نے اپنی اس سنگین غلطی کے ازالے کے لئے وہ سب کیا ہے جو میرے بس میں تھا اور اسی کے نتیجے میں آج ہم سب کو خوشی کے یہ لمحات نصیب ہوئے ہیں۔"

"انسان آپس میں لڑ سکتے ہیں لیکن تقدیر سے لڑنا کسی کے بس کی بات نہیں" غزالہ کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر گئی۔ "میرے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ ہر حال میں ہو کر رہنا تھا۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

وقت اور تجربے نے غزالہ کو نوجوانی ہی میں گھاگ اور پختہ کار بنا دیا تھا۔

"میں نے بھی اپنی کوششوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" سلطان شاہ ماحول کے بوجھل پن کو ختم کرتے ہوئے مضحکانہ لہجے میں بولا "یہ گواہی ڈینی بھی دے سکتا ہے۔"

"تم سے تو مجھے معافی مانگنا چاہئے۔ ایک بار میں نے تمہیں دھوکا دیا تھا لیکن وہ میری مجبوری تھی۔ امی کے مکان کے قریب ایک بوڑھی عورت کے روپ میں میں نے تم سے لفٹ لی تھی۔"

"ہائیں!" سلطان شاہ بوکھلا کر میری طرف دیکھنے لگا "تو کیا واقعی وہ تم تھیں؟"

"برخوردار! میرے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا

"خیر، اب اپنے اندازوں کی بات رہنے دو، اتفاقاً ہماری آنکھ نہ کھل جاتی تو اس وقت ملا سرکار کا ساتھی ہم سب کو سوتے میں ہلاک کر کے چلا گیا ہوتا۔ میں نے اندھیرے میں سیڑھیوں تک اس کا تعاقب کیا تھا۔"

"یہ ملا سرکار کون ہے اور اس کے کس ساتھی کا ذکر ہو رہا ہے؟" غزالہ نے اپنی رندھی ہوئی آواز کو سنبھالتے ہوئے پوچھا ہم لوگوں کے درمیان آکر اس کے چہرے پر بحالی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"لمبی کہانی ہے۔ مختصراً یہ سمجھ لو کہ ملا سرکار اسی داڑھی والے کا نام ہے جس نے آج تک تمہیں قید کیا ہوا تھا۔ یہ دونوں اسی کے ساتھی کے تعاقب میں گئے تھے۔" میں نے اسے بتایا۔

"اس کا ساتھی یہاں کہاں آگیا؟" غزالہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہی جو تمہیں لے کر آیا تھا۔" سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں کہا "وہ کھلے ہوئے دروازے سے چھت پر نہ نکل گیا ہوتا تو میں نے آسانی کے ساتھ اسے مار لیا ہوتا۔"

"لیکن میرے ساتھ تو کوئی بھی نہیں تھا۔" غزالہ نے معصومانہ حیرت سے کہا۔

ویرا اور سلطان شاہ سٹپٹا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر ویرا کے حلق سے تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "کوئی نہیں تھا تو وہ مردانہ آواز کس کی تھی؟"

"میری!" غزالہ نے آواز بدل کر کہا "مجھے معلوم تھا کہ زنانہ آواز کے ساتھ کسی کو خوفزدہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔"

اس کے حلق سے وہی مردانہ آواز سن کر میں اپنے بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ پا سکا۔

"تم لوگ اندھیرے میں کس کے پیچھے بھاگتے پھر رہے تھے" میں نے ان دونوں سے پوچھا۔

"اب بتاؤ!" ویرا نے غصیلے لہجے میں سلطان شاہ کو پھٹکار "پہلے تم ہی نے اس کا ہیولا دیکھ کر "وہ گیا" کا نعرہ لگایا تھا۔"

"ہوسکتا ہے کہ نیند کی جھونک میں مجھے دھوکا ہوا ہو لیکن تم نے تو اس پر باقاعدہ فائرنگ بھی کی تھی۔" سلطان شاہ نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا "دیواروں میں پیوست گولیاں تمہاری حماقت کی گواہی دیں گی۔"

غزالہ اس عجیب و غریب چویشن پر منہ دبائے بری طرح ہنس رہی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اندھیرے میں ہوا سے لڑتے پھر رہے تھے" ویرا خفت آمیز اور مایوسانہ لہجے میں بڑبڑائی "اس دھماچوکڑی میں سارا گھر ہی تلپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔"

اسی لمحے میرا ذہن غزالہ سے ملاقات کے سحر سے آزاد ہوا اور مجھے یاد آیا کہ ہم ملا سرکار کو بالکل فراموش کر بیٹھے تھے سلطان شاہ رات کو خالی ٹیکسی کی موجودگی کی خبر لایا تھا۔ غزالہ سے آملی تھی، آخر ملا سرکار کہاں تھا؟

"تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو؟ مردانہ آواز والے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی اور ملا سرکار کہاں ہے؟" وہ خیال آتے ہی میں نے ایک سانس میں غزالہ سے کئی سوال کر ڈالے۔

غزالہ چند ثانیوں تک پرخیال انداز میں خاموش رہی جیسے اپنے خیالات کو یکجا کر رہی ہو۔ پھر چونک کر بولی "باقی باتیں تو بعد میں بھی کی جاسکتی ہیں فی الحال میرے خیال میں ملا سرکار ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔ ہمیں وقت ضائع کئے بغیر اس کی خبر لینا چاہئے۔ وہ ایک بار نکل گیا تو اس تک پہنچنا دشوار ہو جائے گا۔"

"لیکن وہ ہے کہاں؟" سلطان شاہ نے اپنی جھینپ مٹانے کے لئے پوچھا غزالہ کے خیالی ساتھی کے معاملے میں اس نے اور ویرا نے بہت بری طرح مار کھائی تھی اور دونوں ہی اس کے ازالے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے۔

"اسے میں نے بے ہوش کر کے اور ہاتھ پیر باندھ کر ٹیکسی کی ڈکی میں بند کر دیا تھا" غزالہ نے سادگی سے کہا "یہ سات ... آس پاس کا واقعہ ہے اور اب تین بج رہے ہیں۔"

ہم چاروں ہی بیک وقت تیار ہوئے تھے لیکن ہم چاروں کا ... ہی محاذ پر روانہ ہونا مناسب نہیں تھا اس لئے سلطان شاہ ... غزالہ کو وہیں چھوڑ کر میں ویرا کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔

اس گلی تک ہم پیدل بھی جاسکتے تھے لیکن اتنی صبح وہاں ... دیتے ہوئے ہم کسی چوکیدار یا گشتی سپاہی کی نظروں میں بھی ... لیتے تھے اس لئے ہم نے گاڑی نکال لی۔

جس مقام کی سلطان شاہ نے نشان دہی کی تھی وہاں دور دور ... کسی ٹیکسی کا پتا نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ہوش میں آکر وہ بندشوں سے نجات ... حاصل کر کے ڈکی سے باہر آنے میں کامیاب ہوگیا ہوگا۔" ویرا نے قیاس آرائی کی "اگر ہم رات ہی کو اچھی طرح چھان بین ... لیتے تو اسے آسانی سے پکڑا جاسکتا تھا۔"

غالب امکان وہی تھا جو ویرا نے ظاہر کیا تھا لیکن ایک ... موہوم سا دوسرا امکان بھی موجود تھا کہ اس کھلی ہوئی ٹیکسی کو ... کوئی چور اچکا ملا سرکار سمیت لے بھاگا ہو۔

ہم ایک بار گھر سے باہر نکل آئے تھے اس لئے ہم نے اس ... وہس گلی کے علاوہ بھی قرب و جوار کا سارا علاقہ چھان مارا ... وہ تو کیا، کوئی دوسری ٹیکسی دریافت کرنے میں بھی کامیاب ... نہ ہو سکے اور بے نیل و مرام گھر لوٹ آئے۔

غزالہ منہ ہاتھ دھو کر ... اور نکھر آئی تھی اور سلطان شاہ کے ساتھ کچن میں گھسی چائے کی ٹرے تیار کر رہی تھی۔ سلطان نہایت انہماک سے ٹوسٹ سینکنے میں مصروف تھا۔

چائے پیتے ہوئے، میرے استفسار پر غزالہ نے اپنی کہانی ... دی۔

"ملا سرکار نے مجھے ایک عمارت کے کسی تہ خانے میں قید ... ہوا تھا۔ کچن میں اشیائے ضرورت سے بھرا ہوا فریج موجود ... مجھے اپنا کھانا وغیرہ بنانے کے لئے اس نے مجھے گیس کا چولہا ... چند ضروری برتن بھی دیئے ہوئے تھے۔ وہ میرے پاس بہت کم ... تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھ سے نفرت کرتا ہو یا پھر خوف ... ہو۔ آج شام اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے رہا کرنے کا ارادہ ... چکا تھا۔ میں نے اس کی فرمائش پر چائے تیار کی اور اس نے ... بار میرے ساتھ چائے پی۔ چائے ختم کرنے کے ساتھ ہی ... سر بھاری ہونے لگا اور مجھے شبہ ہوا کہ اس نے میری نظر بچا ... چائے میں کوئی خواب آور دوا ملا دی تھی۔ اس سے پہلے کہ ... کچھ کرتی، مجھے بے ہوشی نے آلیا۔

"دوبارہ ہوش آیا تو مجھ میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہیں ... میں کسی کار کی عقبی سیٹ پر دراز تھی اور اندھیرے میں ملا سرکار مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آزادی کی نوید دیتے ہوئے ... مکان کا محل وقوع سمجھایا اور کہا کہ یہاں میرے دوست اور ہمدرد میرے منتظر ہوں گے۔ میں ٹیکسی سے نکل کر بے خوف و خطر یہاں آسکتی تھی لیکن میرے لئے اس پر بھروسا کرنا مشکل تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے کسی نئے جال میں پھانسنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میری کھوئی ہوئی طاقت تیزی کے ساتھ بحال ہو رہی تھی لیکن میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں شدید نقاہت میں مبتلا ہونے کی اداکاری کرتی رہی۔ جوں ہی مجھے پہلا موقع میسر آیا، میں نے اچھل کر ملا سرکار کو گردن سے دبوچ لیا اور شدید زور آزمائی کے بعد آخر کار اس کا سر ٹیکسی کے میٹر سے مار مار کر اسے اتنا زخمی کر دیا کہ وہ تقریباً بے ہوش ہوگیا۔ رہی سہی کسر اسکرو ڈرائیور کے وزنی دستے کی کنپٹی پر پڑنے والی ضرب نے پوری کر دی۔ وہ اسکرو ڈرائیور مجھے ڈرائیونگ سیٹ کے پہلو میں سے ملا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد میں نے ڈسٹر اور ملا سرکار کی قمیص سے دھجیاں پھاڑ کر اس کے ہاتھ پیر باندھے اور اس گلی کی ویرانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے ڈکی میں مقفل کر دیا۔ میرا ارادہ تو اسے مارنے کا ہی تھا لیکن میں نے محض اس خیال سے اسے معاف کر دیا کہ قید کے دوران میں، اس نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی اور پھر مجھے آزاد بھی کر رہا تھا، اگر آزادی کی آڑ میں مجھے کوئی واضح خطرہ نظر آجاتا تو میں لوٹ کر اسے ہلاک کر دیتی۔

"اس مکان کا طواف کیا تو یہاں مجھے بظاہر کوئی خراب علامت نظر نہیں آئی لیکن مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ یہاں میرا کن لوگوں سے واسطہ پڑے گا اور وہ مجھ سے کیا سلوک کریں گے اس لئے میں نے داخلی دروازے پر آنے کے بجائے عقبی دیوار پھاندی اور یہ دیکھ کر کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوگئی کہ احاطہ روشن، مگر مکان اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ مکان کے اگلے حصے میں آئے بغیر میں گرل اور پائپوں کی مدد سے چھت پر پہنچ گئی۔ ملا سرکار کی جیب سے ملنے والا بھرا ہوا، بے آواز پستول میرے پاس تھا۔ میں نے چھت کا دروازہ چیک کیا تو وہ مقفل تھا، پھر کچھ دیر بعد میں نے احاطے کی عقبی دیوار سے کسی کو اندر کودتے دیکھا۔ میں چاہتی تو اسے مار سکتی تھی لیکن اس طرح میری چھت پر موجودگی کا راز فاش ہو جاتا۔ میں نے اس وقت خاموشی سے چھت کے کسی گوشے میں آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"پیچھے سے اندر آنے والا آدمی جب ایک گھنٹے تک واپس نہیں لوٹا اور نہ ہی مکان میں کوئی ہلچل نظر آئی تو مجھے یقین ہوگیا کہ اس بار بھی میرا پالا برے لوگوں سے پڑنے والا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ دس، بارہ بجے تک سارے مکین تھک ہار کر سو جائیں گے اور جب وہ گدھے گھوڑے بیچ کر خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوں گے تو میں تالے کھول کر خاموشی کے ساتھ گھر میں اتر جاؤں گی۔ اس بارے میں میرے سارے اندازے درست

ثابت ہوئے۔ جب میں نے مردانہ آواز میں تم لوگوں کو للکارا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میرے سامنے کون لوگ ہیں۔ روشنی ہونے پر ویرا کی ایک جھلک دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی اور جب تم بولے تو تمہاری آواز پہچان کر میرے سارے وسوسے دور ہو گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ملا سرکار مجھے تمہارے پاس بھیج رہا ہوگا۔"

"اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ یہاں تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے گی تو وہ تمہیں راستے سے ہی واپس لے جاتا۔" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے آسودہ لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے اور ڈینی کو دو الگ پارٹیاں سمجھ رہا ہے" غزالہ کی الجھن کو بھانپ کر ویرا کہنے لگی "وہ تمہیں میرے پاس بھیج رہا تھا کیونکہ مجھ سے اس کا ایک کام اٹکا ہوا ہے۔"

"اس کھیل میں ملا سرکار کی کیا حیثیت ہے؟ تھانے میں' میں نے سنا تھا کہ جانو ماچھی ایک بدنام قاتل اور ڈاکو ہے۔ مجھے اسی نے سائیں مراد کے حوالے کیا تھا۔ ان لوگوں سے ملا سرکار کا کیا تعلق ہے؟"

"ملا سرکار غیر ملکی ایجنٹ اور دہشت گرد ہے۔ ان ڈاکوؤں کو جدید اسلحہ فراہم کر کے وہ اندرون سندھ میں امن و امان کو تباہ کر کے شورش جیسی صورت حال پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہم سے اسلحہ لینا چاہتا ہے جب کہ ہم اسے پکڑنے کی فکر میں ہیں۔"

میری باتیں سن کر غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اپنی صورت اور وضع قطع سے تو وہ کوئی مذہبی آدمی نظر آتا ہے" غزالہ بولی۔

"وہ ایک قصبے میں پیش امام بلکہ پیر بنا بیٹھا تھا جب کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے" میں نے اسے آگاہ کیا۔ وہ حیرت اور بے اعتباری کے ساتھ میری باتیں سن رہی تھی۔ "ہم نے کل ہی اس کا وہ اہم ترین دیسی اڈا تباہ کیا ہے... آج وہ ہم سے بچ کر نکل گیا لیکن ہم اس کے گرد اپنا حلقہ دن بدن تنگ کرتے جا رہے ہیں۔"

"کاش' مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ ایسا موذی شخص ہے تو اسے زندہ ہی نہ چھوڑتی۔ اب اگر وہ دہشت گردی کی کوئی بڑی کارروائی کر گزرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔"

"فی الحال وہ اپنے مسائل اور مصائب میں مبتلا ہے۔ اپنے اڈے کی بربادی کے نتیجے میں اس کے سارے رابطے ٹوٹ کر رہ گئے ہیں۔ وہ گھوڑے کھول کر بھی کئی ہفتوں سے پہلے اپنے وسائل یکجا نہیں کر سکے گا۔"

"کن گھوڑوں کا ذکر کر رہے ہو؟ اور یہ کہاں سے کھولے جا سکتے ہیں؟" سلطان شاہ نے مجھ سے شرارت آمیز لہجے میں [illegible]۔ غزالہ کو دیکھ کر وہ بہت زیادہ مگن نظر آ رہا تھا۔

میں اسے گھور کر رہ گیا لیکن ویرا خاموش نہ رہ سکی "محاورے کے گھوڑے ہیں جو کسی بھی تھان سے کھولے جا سکتے ہیں۔ تم چاہو تو ملا سرکار کو تمہاری طرف بھی بھیجا جا سکتا ہے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم اس مقام کی نشان دہی کر سکتی ہو جہاں تمہیں قید رکھا گیا تھا؟" میں نے اس نوک جھوک کو نظر انداز کرتے ہوئے' براہ راست غزالہ سے سوال کیا۔

"ناممکن ہے" وہ مایوسانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "جب مجھے وہاں لے جایا گیا تو میں بے دست و پا تھی۔ میری آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی تھی اور آج مجھے بے ہوشی کی حالت میں وہاں سے نکالا گیا تھا۔ اس ساری مدت میں' میں اس تہ خانے تک محدود رہی جہاں کوئی روشندان وغیرہ بھی نہیں تھا۔"

"تم نے بہت مصائب برداشت کئے ہیں۔ اس وقت نہا دھو کر لباس تبدیل کرو اور یہاں آرام کرو۔" ویرا مسہری صاف کرتے ہوئے بولی "ہم دوسری خوابگاہ میں محفل جما لیں گے۔ یہ باتیں صبح بھی ہو سکتی ہیں۔"

غزالہ نے لاکھ انکار کیا لیکن ویرا نے اس کی ایک نہ مانی۔

جب میں بھی ان کے ساتھ خواب گاہ سے باہر آنے لگا تو ویرا میرے بدن سے لگ کر کان میں منمنائی تھی "کیا تم اس کے ساتھ نہیں ٹھہرو گے؟ تمہارے بغیر وہ اداس رہے گی۔"

"ہمارے یہاں محبت اور دوستی کا مفہوم مغرب سے مختلف ہے۔" میں نے کہا۔

"انسانوں کے جذبات یکساں ہوتے ہیں۔ یہ کہو کہ تم نے ان پر بند باندھ لئے ہیں۔"

"یہی بند کھول دیئے جائیں تو انسان حیوان کی سطح پر آ جاتا ہے۔"

"تو کیا تم مغرب کو حیوانی معاشرہ سمجھتے ہو؟" اس نے طنز کے ساتھ پوچھا تھا۔

"صرف گھربار اور لباس کا فرق رہ جاتا ہے۔ کہیں کہیں تو اسے بھی مٹا دیا جاتا ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا "مخصوص ساحلوں پر انسان ننگے گھومتے ہیں اور بعض گھروں میں پالتو جانوروں کو باقاعدہ موسمی لباس پہنائے جاتے ہیں۔"

"میں اکیلی نہیں سو سکوں گی۔ تم میرے ساتھ ٹھہرو" غزالہ نے ویرا کو پکار کر وہ بحث ختم کرا دی۔

"یہ تمہارے لئے بالواسطہ دعوت ہے" ویرا بائیں آنکھ دبا کر مسکرائی۔

"لعنت ہو تم پر" میں دانت پیس کر غرایا "وہ تمہاری طرح رنگین مزاج نہیں ہے۔"

"تم نہا دھو لو' میں ان کا بندوبست کر کے واپس آتی ہوں" ویرا نے پلٹ کر غزالہ سے کہا "چاہو تو میں اپنے بجائے ڈینی بھی بھیج سکتی ہوں۔"

"وہ آئے تو بستر کے بجائے صوفے پر سوئیں گے۔ میں انہیں بے آرام کرنا نہیں چاہتی" ویرا وہ جواب سن کر ہونٹ چباتی رہ گئی۔

"ایک دوسرے سے اتنا قریب رہ کر بھی اپنے خیالات کی آگ میں سلگنے کے بجائے تم دونوں کو صبح سویرے ہی شادی کر لینا چاہئے' منہ کی کھانے کے باوجود ویرا کی زبان میں خارش برقرار تھی۔ "اس بارے میں پہل تم ہی کو کرنا ہوگی۔ تم نے اس معاملے کو زیادہ دیر تک ٹالا تو وہ سمجھے گی کہ تم نے اسے مسترد کر دیا ہے۔"

"تم خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ڈینی اپنے ذاتی معاملات کو اچھی طرح جانتا ہے۔" سلطان شاہ نے تلخ لہجے میں دخل انداز ہوتے ہوئے کہا "اسے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ' چاہو تو میں تم سے شادی کر سکتی ہوں لیکن شرط یہ ہوگی کہ میں مسز ویرا شاہ کے بجائے ویرا لائیڈ ہی رہوں گی' تم کو اپنا نام بدل کر مسٹر سلطان لائیڈ کرنا ہوگا۔"

سلطان شاہ نے چبھتا ہوا قہقہہ لگایا تھا۔ "اپنی ڈھکی چھپی آرزوؤں کو مذاق کا رخ نہ دو۔ ابھی تم ایسی گئی گزری نہیں ہو۔ رانی پور چلی جاؤ تو منظور ماموں یا ان کے لڑکوں میں سے کسی نہ کسی کو شیشے میں اتار ہی لو گی۔"

"میں اس بڈھے اور اس کے لڑکوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔" ویرا اس حوالے پر بری طرح چڑ گئی۔

"بڈھے سے شادی کر لو گی تو مفت میں دو پلے پلائے جوان بیٹوں کی مالک بن جاؤ گی" اس کے ردعمل پر سلطان شاہ کو اسے مزید سلگانے کا موقع مل گیا۔ "دونوں بیٹے دل و جان کی گہرائیوں سے تمہیں ممی ڈارلنگ کہا کریں گے۔"

ویرا مکا تان کر اس کی طرف جھپٹی تھی لیکن وہ دوڑ کر آگے نکل گیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں وقت گزارنے کے بجائے اسی وقت کوچ کر دینا چاہئے۔" دوسری خوابگاہ میں پہنچ کر سلطان شاہ نے رائے دی۔

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا تھا۔ موہن داس کی گلتی ہوئی اور متعفن لاش کے ساتھ ہم چاروں کا اس مکان میں رکنا ہر لحاظ سے خطرناک تھا۔ وہاں آنے کا مطلب صرف اتنا تھا کہ ملا سرکار کو موہن داس کی لاش سے دور رکھا جائے تاکہ وہ غزالہ کو اپنے انتقامی تشدد کا نشانہ نہ بنا سکے۔ ہم نے اپنے اس مقصد میں توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل کر لی تھی۔ نہ صرف یہ کہ ملا سرکار' موہن داس کی لاش کے بارے میں اندھیرے میں تھا بلکہ ہم نے نہایت کامیابی کے ساتھ غزالہ کو اس کے قبضے سے بھی نکال لیا تھا۔

غزالہ نے ملا سرکار کی جو درگت بنائی تھی اس کی وجہ سے وہ تذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ورنہ غزالہ کو بھیجنے کے بعد اسے اصولاً ویرا کو فون کر کے اپنی کارکردگی سے آگاہ کرنا چاہئے تھا۔ شاید اسے شبہ تھا کہ غزالہ نے اسے زخمی کر کے ویرا کے گھر کا رخ نہیں کیا ہوگا۔ ایسی صورت میں اسے فون پر ویرا کی طرف سے جھاڑ پڑنے کا خوف ہو سکتا تھا۔

سب سے بہتر یہی تھا کہ اس معاملے کو صاف کئے بغیر ہم وہاں سے نکل جاتے۔ دن طلوع ہونے کے بعد ملا سرکار فون پر کوئی جواب نہ پا کر ویرا کے مکان کا رخ کرتا تو موہن داس کی لاش دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آ سکتے تھے۔

"ہم سب یہاں سے اسی وقت روانہ ہو رہے ہیں" کافی غور و خوض کے بعد میں نے اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ غزالہ بھی ہماری خوابگاہ دیکھنے کے شوق میں ہمارے پیچھے وہیں آ گئی تھی۔

"کیوں؟ یہاں کیا خرابی ہے؟" غزالہ نے پوچھا کیونکہ اسے پورے پس منظر کا کوئی علم نہیں تھا۔

"یہ مکان ملا سرکار کی نظروں میں آیا ہوا ہے اور پھر یہاں ایک لاش بھی موجود ہے۔" میں نے کہا۔

"لاش!" غزالہ میرے اس انکشاف پر بری طرح چونکی تھی۔ "لاش اس کمرے میں تو نہیں جو عقبی حصے میں پورے مکان سے تقریباً الگ تھلگ بنا ہوا ہے؟"

"اسی کمرے میں ہے۔ ملا سرکار کے دیسی ٹھکانے کا پتا اسی مقتول نے بتایا تھا۔"

"لاش شاید کئی دن سے وہاں پڑی ہوئی ہے۔ تم لوگوں کے کمرے کی طرف آنے سے پہلے میں ادھر بھی گئی تھی۔ بدبو سے میرا دماغ پھٹنے لگا تھا اور میں زیادہ دیکھ بھال کئے بغیر فوراً لوٹ آئی تھی۔"

"کیوں نہ جہانگیر کے گھر دھاوا بولا جائے؟" غزالہ کے قائل ہو جانے پر ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یوں بے وقت کسی کو ستانا مناسب نہیں" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا' پھر مڑ کر غزالہ سے مخاطب ہو گیا "پچھلے ہفتے سلمیٰ ایک بچے کی ماں بن گئی ہے۔"

"تم تو اس طرح بتا رہے ہو جیسے اس معاملے سے جہانگیر کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو" ویرا منہ بنا کر بولی۔

"تم بہت منہ پھٹ ہو گئی ہو" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "سلمیٰ اگر ماں بنی ہے تو جہانگیر کا باپ بننا ہر شک و شبے سے بالا ہے۔ وہ دونوں میاں بیوی کے رشتے میں منسلک ہیں۔"

"عابد و زاہد بننے والی بعض عورتیں اپنی گودوں میں دوسروں کے بچے پال کر بہت خوش ہوتی ہیں اور کبھی کبھار اپنے شوہروں کو سلگانے کے لئے ان پر ایسے رازوں کا انکشاف بھی کرتی دیتی ہیں۔ میرا خیال....."

غزالہ نے وہیں ویرا کی بات کاٹ دی "تم جہنمی عورتوں کی

بات کر رہی ہو۔ ڈینی کا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔ سلمٰی بہت وفا شعار اور شوہر پرست بیوی ہے۔ آپس داری میں ہمیں ایسے غیر ذمے دارانہ تبصروں سے گریز کرنا چاہئے۔"

"ڈینی میرے ساتھ اسی طرح بال کی کھال نکالتا رہتا ہے۔ میرا مقصد سلمٰی پر کوئی تہمت لگانا نہیں تھا" ویرا نے بلاتردد غزالہ سے اپنی بدکلامی پر معذرت کرلی اور وہ موضوع وہیں ختم ہوگیا۔

☆○☆

اول تو فلیٹ ویسے ہی خالص مردانہ رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا تھا جسے کسی خاتون کے جمالیاتی ذوق کا سایہ بھی نصیب نہیں تھا۔ ویرا چند بار وہاں آئی لیکن اپنی بے پروائیوں کے باعث وہ دس مردوں کی ایک مرد کہی جاسکتی تھی۔ وہ جب بھی وہاں آتی تھی، صفائی اور قرینے کے مسائل کے حل میں کوئی مدد دینے کے بجائے ان میں اضافہ کرجاتی تھی۔ فلیٹ کے سب سے بہتر دن وہ تھے جب پڑوس میں رہنے والی ائیر ہوسٹس سے میرے دوستانہ مراسم تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے گھر سے زیادہ میرے فلیٹ کی صفائی ستھرائی کے بارے میں فکرمند رہتی تھی۔

ان دنوں ویسے بھی فلیٹ کئی ہفتوں سے غیر آباد پڑا ہوا تھا۔ کبھی کبھار چکر لگانے میں ہمیں اس کی حالت سدھارنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا اس لئے غزالہ وہاں پہنچتے ہی دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر رہ گئی۔

"تم لوگ اب تک اس کباڑ خانے میں رہتے آئے ہو؟" وہ سلطان شاہ سے مخاطب ہو کر حیرت سے بولی۔

"ڈینی نے عہد کیا ہوا تھا کہ تمہارے ملنے تک وہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اب تم آگئی ہو تو اس فلیٹ کے دن بھی بدل جائیں گے" وہ قلقاری مار کر بولا۔

"گلے میں چوسنی لٹکا لو تو ایسی بچگانہ قلقاریاں اور اچھی لگیں گی" ویرا نے جل کر کہا۔

"تم جیسی چوسنیاں منہ کڑوا کردیتی ہیں" سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ ایک بھرپور قہقہہ پڑا اور مجھے دل ہی دل میں تسلیم کرنا پڑا کہ وہ سلطان شاہ کا دن تھا۔ وہ مسلسل حاضر جوابی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور اس سے جیتنا ممکن نہیں تھا۔

غزالہ نے چائے کے بڑے بڑے مگ تیار کرکے مجھے اور سلطان شاہ کو ڈرائنگ روم میں محدود کردیا اور ویرا کے ساتھ فلیٹ کی صفائی میں مصروف ہوگئی۔

جس وقت ہم فلیٹ میں پہنچے تو آسمان پر سحر کا اجالا پھیل چلا تھا۔ پھر تیزی کے ساتھ دن طلوع ہوتا چلا گیا۔ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو سات بج چکے تھے۔

مجھے علم تھا کہ جہانگیر سدا سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ سلمٰی کے لئے بھی، شیر خوار بچے کے ساتھ زیادہ دیر تک سونا ممکن نہیں تھا اس لئے میں نے فون اٹھا کر اس کا نمبر گھما ڈالا۔

"تم کہاں غائب ہو یار؟ میں نے کل شام سے رات تک شاید دس مرتبہ فلیٹ فون کیا ہوگا مگر ہر بار گھنٹی بجتی رہی، کوئی جواب نہیں ملا" میری آواز سنتے ہی اس نے شکوہ شروع کردیا۔

"صحیح اندازہ لگالوگے تو انعام دوں گا" میں نے اسے تجسس میں مبتلا کرنے کی نیت سے کہا۔

"ویرا کے ساتھ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں وقت گزارا ہوگا" اس کے لہجے سے بیزاری عیاں تھی۔

"تمہاری سوچ بہت متعصب اور گھٹیا ہے" میں نے ملامت آمیز لہجے میں کہا "دوسری کوشش کروگے یا ہار مانتے ہو؟"

"ہار مانے لیتا ہوں، جلدی بتاؤ کہ کیا کر رہے تھے؟ مجھے دوسری بات بھی کرنی ہے۔"

"غزالہ اس وقت میرے ساتھ فلیٹ میں موجود ہے" میں نے آہستہ سے کہا۔

میری زبان سے وہ خوش خبری سنتے ہی جہانگیر خوشی سے گویا باؤلا ہوگیا۔ دلی مبارک باد دینے کے بعد اس نے مجھ سے تابڑتوڑ اتنے سوالات کیے کہ میں بوکھلا کر رہ گیا۔ مجھ سے گفتگو کے دوران میں ہی اس نے چیخ کر سلمٰی کو بھی وہ خبر سنادی اور سلمٰی فوراً ہی فون پر آگئی۔ مجھ سے مبارک سلامت کے بعد اس نے غزالہ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور مجھے اس کو بلانا پڑ گیا۔

"فون بند نہ کرنا، مجھے جہانگیر سے بات کرنا ہے" میں نے ریسیور اسے دیتے ہوئے کہا۔

ان دونوں کے مذاکرات خاصے طویل ثابت ہوئے۔ چائے کا مگ خالی ہوگیا۔ دو سگریٹیں سلگ سلگ کر راکھ ہوگئیں تب کہیں ریسیور میرے ہاتھ میں آنے کی باری آئی۔

"تو اس کا مطلب ہوا کہ تم نے ملا سرکار کو ٹھکانے لگادیا" جہانگیر کی چہکتی ہوئی آواز ابھری۔

"یار، اس پر لعنت بھیجو اور یہ بتاؤ کہ وہ تمہاری دوسری بات کیا تھی؟"

"اوہ! وہ تو میں بھول ہی گیا" اس کی بوکھلائی ہوئی آواز ابھری "منظور ماموں ایریا کمانڈر سے بات کرکے مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ انہوں نے خود کو الگ تھلگ رکھتے ہوئے اسے کوٹ مندو کی خیر خبر لینے کا اشارہ دیا تھا لیکن وہ بہت گھاگ انسان تھا۔ اس نے اپنے پے درپے سوالات سے منظور ماموں کو پریشان کردیا اور وہ کچھ ایسی باتیں اگل بیٹھے جن سے کسی ا... فریق کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اب کمانڈر ہر قیمت پر تم سے ... چاہتا ہے۔ وہ منظور ماموں کا گہرا دوست ہے لیکن اس نے انہیں صاف صاف بتادیا ہے کہ قومی سلامتی کے لیے یہ معاملہ انتہائی اہم ہے کہ انہوں نے تعاون نہ کیا تو وہ انہیں آئی ایس آئی کے حوالے کردے گا"۔

...سے مل کر وہ کیا جاننا چاہتا ہے؟" میں نے الجھن آمیز ...تھا۔

"...کچھ پتا نہیں۔ وہ بار بار ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہیں ...یں رانی پور بھیج دوں۔"

"...کو بلانے کے لئے بہانے بازی تو نہیں کر رہے وہ؟" ...خیز لہجے میں پوچھا۔

"...ضعدار آدمی ہیں۔ ایسی باتوں میں اپنے بھانجے داماد کو ...کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

"...پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" میں نے قدرے توقف ...ل کیا۔

"...ی طور پر رانی پور کے لئے روانہ ہو جاؤ تاکہ میری گلو ...سکے"۔

"...میں بتا چکا ہوں کہ غزالہ طویل مدت کے بعد کل ہی ...آئی ہے"۔

"...سے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہ اس کی بہت مدارات ..."۔

"...ہیں جہانگیر! خود کو دھوکا نہ دو" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "...جتنے اجلے نظر آتے ہیں، اندر سے اسی قدر کالے ہیں۔ ...لہ کو ان کی چھت کے نیچے نہیں لے جاسکتا۔ ان سے ...سرکار ہے جس نے غزالہ کو کئی روز تک اپنی قید میں ...باوجود ایک بار بھی اس پر نگاہ بد نہیں ڈالی۔"

"انہیں اتنا گرا ہوا نہ سمجھو۔ ڈال سے گرے ہوئے بیر پر ہر ایک جھپٹتا ہے۔ ویرا کی بات اور تھی۔ تم غزالہ کے بارے میں فکر نہ کرو۔ سلمٰی انہیں بتادے گی کہ وہ تمہاری منگیتر ہے۔ وہ بھی ایک جوان بیٹی کے باپ ہیں۔"

"ابھی تم نے بتایا ہے۔ میں اس بارے میں غزالہ سے مشورہ کروں گا۔ اس کے بعد کوئی پروگرام بنا سکوں گا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر خشک لہجے میں کہا۔

"وہ تمہارا فون نمبر وغیرہ پوچھ رہے تھے۔ اب ان کی کال آئی تو میں انہیں فلیٹ کا نمبر دے دوں گا۔"

"یہ بہتر رہے گا۔ تم بیچ میں سے نکل جاؤ تو میں انہیں اچھی طرح سنبھال لوں گا۔"

جہانگیر سے بات کرکے میں نے ایک اور مصیبت مول لے لی تھی۔ اگر وہ منظور ماموں کی کوئی ذہنی اپج تھی تو میں بخوبی ان کے کیڑے جھاڑ سکتا تھا لیکن اگر ایریا کمانڈر ملا سرکار کے معاملے میں واقعی دلچسپی لے رہا تھا تو یہ میرے لئے خوشی کا مقام تھا کہ ملک کی سلامتی کے ذمے دار ہر وقت مستعد اور تیار رہتے تھے۔

فلیٹ میں یوں تو بہت کام تھا لیکن کمروں کو معقولیت کی سطح تک لانے کے بعد ویرا تھکے ہارے انداز میں ایک بستر پر گر گئی۔ غزالہ نے دوسری خواب گاہ سنبھال لی۔ تیسرا کمرا میرے اور سلطان شاہ کے لئے صاف کردیا گیا تھا۔

سلطان شاہ کا خیال تھا کہ جہانگیر کی خواہش پر رانی پور کی

طرف دوڑ لگانے کے بجائے مجھے وہیں رک کر منظور ماموں کے فون کا انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ ان سے براہِ راست بات کر کے ہی میں معاملے کی تہ تک پہنچ سکتا تھا۔

میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا پتا نہیں تھا۔ سلطان شاہ نیچے جا کر وقت گزاری کے لئے کئی اخبارات لے آیا تھا اس لئے میں ان ہی کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اخبار میں جا بجا ایسی کئی خبریں موجود تھیں جو صوبہ سندھ میں ملا سرکار کے بھیانک مشن سے میل کھاتی تھیں۔ ان میں مسلح ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے اور ہلاک و زخمی ہونے والے ان دیہاتیوں کی خبریں زیادہ سنگین تھیں جو خود بھی فرزند زمین تھے۔ ان کارروائیوں میں کوئی نسلی، علاقائی یا لسانی رنگ نہیں تھا۔ جو گاؤں لٹے اور جلائے گئے ان کے باسی کسی بھی طرح مال دار یا ذی حیثیت نہیں کہے جا سکتے تھے۔ دور افتادہ اور گمنام علاقوں میں لوٹ مار کے علاوہ کئی خبریں اغوا کی وارداتوں کی بھی تھیں جو شہری اور دیہی علاقوں میں یکساں انداز میں رونما ہو رہی تھیں۔ باحیثیت افراد یا ان کے اہل خانہ کو اغوا کر کے ان کے لواحقین سے بھاری زر تاوان کے مطالبات کیے گئے تھے۔ اپنی اپنی جگہ، ان میں سے ہر واردات غیر اہم اور معاشرے میں پھیلی ہوئی عمومی بے اطمینانی کی عکاس نظر آتی تھی لیکن انہیں یکجا کر کے مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ ملا سرکار کے حواری صوبے اور خصوصاً اس کے اندرونی حصوں میں بے امنی، شورش اور عدم تحفظ کی فضا پیدا کرنے کے منصوبے کو بروئے کار لانے میں مصروف ہو چکے تھے۔

نو بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو سلطان شاہ نے دوسری طرف کی آواز سن کر ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"میں ڈینی بول رہا ہوں۔" میں نے ریسیور لے کر نرم لہجے میں کہا۔

"ارے بھئی، میں منظور عسلی بول رہا ہوں۔ تم کل سے کہاں غائب ہو؟" منظور ماموں کی بارعب لیکن بے تکلفانہ آواز نے میرے کان کے پردے ہلا کر رکھ دیئے "مجھے جہانگیر نے ابھی تمہارا فون نمبر دیا ہے۔"

"بس یہیں ہوں۔ مجھے ابھی ابھی پیغام ملا ہے کہ آپ ہم لوگوں کو دوبارہ شرفِ باریابی بخشنا چاہتے ہیں" میں نے گمبھیر اور قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر تم آج کس وقت یہاں پہنچ رہے ہو؟" انہوں نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے اکیلا آنا ہے یا ویرا وغیرہ کو بھی ساتھ لانا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارا آنا ضروری ہے۔ کسی اور کو لانا یا نہ لانا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

ان کے جواب سے یہ واضح ہو گیا کہ میری طلبی ان کے ا[illegible] ذہن کی پیداوار نہیں تھی۔

"میں ایک دو روز بعد کوئی جواب دے سکوں گا" میں نے رسانیت سے کہا "فی الحال میں ایک بہت اہم کام میں الجھا ہوا ہوں۔ اسے ادھورا چھوڑا تو بڑا نقصان ہو جائے گا۔"

"تمہارا نقصان میں پورا کر دوں گا۔" وہ ایک دم غصے میں آ گئے تھے "بریگیڈیر نیازی اس وقت بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر تم خود نہ آئے تو یہ تمہیں پکڑ کر بلوالیں گے۔ تمہاری یہاں موجودگی ناگزیر ہے۔"

"کیا میں ان سے بات کر سکتا ہوں؟" میں نے ان کی برہمی کے باوجود اپنا لہجہ دھیما ہی رکھا۔

"ضرور کرو۔ بلکہ وہ خود بھی تم سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"میں نیازی بول رہا ہوں" چند ثانیوں کے بعد ریسیور میں ایک بھاری بھرکم مگر دھیمی آواز سرسرائی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ کو کسی معاملے میں میری ضرورت پیش آ گئی ہے۔"

"ہم کافی دنوں سے ایک خفیہ پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ پرسوں کوٹ مندو میں جو واقعات پیش آئے ہیں، ان کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ تم ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں" میں نے سراپا انکسار بن کر کہا۔

"میں جلد از جلد تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ہماری کوئی مدد کر سکے تو یہ بہت بڑی قومی خدمت ہو گی۔ میں نے کوٹ مندو میں جو کچھ دیکھا ہے اس نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"دراصل میں کراچی میں بھی ان ہی کڑیوں پر کام کر رہا ہوں منظور ماموں میری مجبوری کو سمجھے بغیر مجھ پر گرم ہو گئے۔ اگر اس کے باوجود حکم ہو گا تو میں اسی وقت کراچی چھوڑ دوں گا۔"

"کیسی کڑیوں پر کام کر رہے ہو؟ مجھ سے کھل کر بات کرو! میں منظور ماموں نہیں، ایک ذمے دار فوجی افسر ہوں" بولنے والے کے لہجے میں اضطراب اور تجسس اُمڈ آیا تھا۔

"بلیک کیٹس کا معاملہ ہے اور....." میں نے بتانا چاہا لیکن دوسری طرف سے اضطراری طور پر میری بات کاٹ دی گئی۔

"بس بس، تم کو رانی پور آنے کی ضرورت نہیں، تم جہاں ہو، وہیں ٹھہرو! کسی اہم ترین ضرورت کے بغیر باہر نہ جانا۔ باہر جانا ہو تو اپنا پروگرام بتا کر جانا۔ میرا آدمی کسی بھی وقت تم سے رابطہ کر سکتا ہے۔"

"لیکن میں اسے کیسے پہچان سکوں گا؟" میں نے رانی پور کی پیشی سے گلو خلاصی ہو جانے پر دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔

"تمہارا کوڈ فاکس اور اس کا ہاک ہو گا اور یہی تمہاری با[illegible]ت ہو گی۔ تم اس سے کھل کر بات کر سکو گے۔ اس سے [illegible]ہیں جو کچھ معلوم ہو گا وہ متوقع نتائج حاصل ہونے تک راز ہی [illegible]نا چاہیئے۔"

"میں پوری احتیاط برتوں گا" میں نے پورے خلوص کے [illegible]تھ اقرار کیا۔

"شاید تمہیں علم نہ ہو کہ تم نادانستگی میں کس راہ پر چل [illegible]ے ہو۔ اگر تمہارے حریف تمہارے وجود سے واقف ہیں تو یہ [illegible]رکھنا کہ تم کو بدترین خطرات لاحق ہیں۔ وہ لوگ اپنی راہ میں [illegible]ل ہونے والوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ ذبح کرتے چلے [illegible]ہے ہیں۔ ضروری ہوا تو میرا آدمی تمہیں بھرپور تحفظ بھی فراہم [illegible]ے گا۔"

"میں کافی دنوں سے ان لوگوں کے پیچھے لگا ہوا ہوں اور [illegible]ی تک اپنی حفاظت کرنے میں کامیاب رہا ہوں۔ ضرورت [illegible]وس ہوئی تو میں خود مدد طلب کر لوں گا۔"

"تمہارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟" بریگیڈیر نے اچانک ہی د[illegible] [illegible]ک سوال کر ڈالا۔

میری اپنی پلاسٹک فیکٹری جمی لائیڈ کی انتقامی کارروائیوں [illegible]ے تباہ ہو کر قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ میری زندگی کا کل اثاثہ ان [illegible]ملاکھ ڈالرز پر مشتمل تھا جو میں نے ٹی والوں کی گن بوٹ [illegible]وخت کر کے کمائے تھے اور جو ان دنوں سلمی کی تحویل میں [illegible]کھے ہوئے تھے۔ میں اس افسر کو اپنی آمدنی کے بارے میں کچھ [illegible]یں بتا سکتا تھا اس لیے میں نے اس سے جھوٹ بولنے کا فوری [illegible]ملہ کرتے ہوئے کہا "میں ایک فیکٹری میں حصے دار ہوں۔"

وہ جھوٹ بولتے ہوئے میرے ذہن میں جہانگیر کی ایس جے [illegible]ارمنٹ فیکٹری تھی۔ میرا خیال تھا کہ ضرورت پڑنے پر جہانگیر [illegible]برے دعوے کی تائید کرنے میں تامل نہیں کرے گا۔

"اوکے بوائے! وش یو گڈ لک!" دوسری طرف سے بزرگانہ لہجے میں اختتامی کلمات سنائی دئے اور فون بے جان ہو گیا۔

سلطان شاہ کسی خبر کی امید میں میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر دونوں انگوٹھے کانوں پر [illegible]کائے اور ہتھیلیوں کو لہراتا ہوا بولا "بیٹھے بٹھائے میں ایک دم [illegible]سے فاکس بنا دیا گیا ہوں۔"

"کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے اشتباہ آمیز لہجے [illegible]میں سوال کیا۔

"ایک بریگیڈیر سے" میں نے کہا "قانون شکنی کی طویل [illegible]زندگی میں آج پہلی بار امن و قانون کے کسی اعلیٰ محافظ نے مجھ [illegible]سے عزت کے ساتھ بات کی ہے۔"

"اور یہ کون سی فیکٹری ہے جس میں تمہاری حصے داری ہے؟" [illegible]سلطان شاہ نے پوچھا۔

"خلا میں بن رہی ہے" میں نے آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا "اسے کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی تھا۔"

"پھر اب رانی پور کب جا رہے ہو؟" سلطان شاہ صورتحال سے مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔

"وہ قصہ ختم ہو گیا۔ بریگیڈیر کی باتیں سن کر منظور ماموں کا دم آدھا رہ گیا ہو گا۔ مجھ سے ملنے کے لئے اس کا کوئی آدمی میرے پاس آنے والا ہے۔ اب قصۂ زمین برسرِ زمین ہی رہے گا۔"

چند منٹ بعد ایک بار پھر فون کی گھنٹی نے ہماری باتوں کا تسلسل توڑ دیا۔

ریسیور اٹھاتے ہی مجھے منظور ماموں کی محبت آمیز آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنا معاملہ خود ہی خوش اسلوبی سے سنبھال لیا" ان کی محبت آمیز آواز ابھری "یہ میرے ہی قبیلے کا افسر ہے لیکن سرکاری معاملات میں ذرا بھی لحاظ نہیں کرتا۔ مجھے بند کرانے کی دھمکیاں دے رہا تھا لیکن تم سے بات کرتے ہی ایسا موم ہوا کہ میری کھوپڑی خلا میں معلق ہو گئی۔"

"دراصل وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا" میں نے انہیں مرعوب کرنے کے لئے بے پروائی سے کہا "اسی لئے آپ کو دھونس دے رہا تھا۔ مجھ سے بات ہوئی تو سارا معاملہ صاف ہو گیا۔"

"تو کیا تم بھی کوئی فوجی افسر ہو؟" منظور ماموں کی آواز میں حیرت کے ساتھ ہی خوف بھی رچا ہوا تھا۔

"میرا کام کچھ ایسی نوعیت کا ہے کہ میں زبان نہیں کھول سکتا" میں نے مبہم سا جواب دیا۔

"نادانستگی میں مجھ سے ہوئی لغزش ہوئی ہو تو مجھے معاف کر دینا بیٹا!" ان کی آواز کا سارا دبدبہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا "میں دل کا برا نہیں ہوں۔"

"مجھے تو خیر کوئی تکلیف نہیں پہنچی لیکن ویرا کئی بار مجھے کچھ بتانے کی کوشش کر چکی ہے۔ موقع ملا تو اس سے پوچھوں گا کہ رانی پور کے لوگوں کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟"

میرے ان فقروں نے منظور ماموں کا دم ہی نکال دیا اور ریسیور پر ان کی مردہ سی آواز ابھری "میرے لئے وہ ثریا کی طرح ہے۔ میں نے بزرگانہ پیار میں اس سے کچھ چھیڑ چھاڑ کی تھی۔ ہو سکتا ہے [illegible] نے غلط مفہوم پہنا رہی ہو۔"

"مغربی قوموں میں تو بہت آزاد خیالی پائی جاتی ہے۔ لوگ بڑی خوشی کے ساتھ ایک دوسرے کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ ناچتے ہیں۔ ویرا کو ایسی کسی بات کا برا نہیں منانا چاہئے تھا؟"

"یہ صرف قیاس ہے" وہ بلدی سے بولے "میں نے تمہیں پہلے سے بتا دیا ہے۔ اگر وہ ایسی کوئی بات کرے تو میری طرف سے اس کا دل صاف کر دینا۔ لڑکوں نے کوئی بدتمیزی کی ہو تو مجھے بتانا۔ میں ان کی کھال گرا دوں گا۔"

میں منظور ماموں کی ذہنی حالت پر دل ہی دل میں

گیا۔ اپنے کردار کی تمام تر سیاہی سے قطع نظر وہ اپنے نوجوان بچوں کی معمولی لغزشیں تلاش کرنے کی فکر میں تھے۔

"میں اسے سمجھا دوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ شراب کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہی تھی" منظور ماموں کی زبان سے بزرگانہ بیدہ کا اعتراف سن لینے کے بعد میں نے دوسرا وار کردیا۔

"دشٹ!" ان کی اضطراری شتکاری گونجی "جہانگیر وغیرہ کو نہ بتا دینا" وہ رو دینے والے انداز میں کراہے تھے "کاش مجھے علم ہوتا کہ وہ باہر جا کر سب کچھ بک دے گی تو اسے اپنی خوابگاہ میں ہی نہ لے جاتا۔ میں دوا کے طور پر وسکی لیتا ہوں ۔ میرے بچوں تک کو یہ بات معلوم نہیں لیکن میرا ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں وسکی کے سہارے چل رہا ہوں۔ میری بوتل میں سے اس نے بھی کافی پی تھی لیکن میں نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔"

"تم فکر نہ کرو منظور ماما!" ان کے اعترافات سن کر میں فوراً ہی بے تکلفی پر اتر آیا "یہ راز میرے سینے میں دفن رہیں گے یہ صرف تمہارا نہیں' اس دور کے ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ اندر ہم خون آشام تمنائیں اور وحشیانہ آرزوئیں لیے پھرتے ہیں لیکن بظاہر ستھرے' شائستہ اور امن پسند بنے پھرتے ہیں۔ جوں ہی موقع میسر آتا ہے' ہمارے اندر چھپا ہوا وحشی درندہ لپک کر باہر آتا ہے۔ اپنے نکیلے دانتوں سے جسموں' جذبوں اور جیبوں کو چیرتا پھاڑتا ہے اور پھر اسی مسکن میں جا چھپتا ہے جو باہر سے بہت شائستہ نظر آتا ہے۔ تم فکر نہ کرو' جہانگیر کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

"تت.... تم عجیب آدمی ہو۔ کیسی ڈراؤنی باتیں کرتے ہو۔" ڈری ڈری ہنسی کے ساتھ منظور ماموں کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔ "تم شاید مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ اچھا' خدا حافظ!"

انہوں نے بوکھلا کر فون بند کردیا اور میں نے سوچا کہ بیشتر انسان اپنے اندر کے شر اور بدی سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا اپنی بدنامی سے ڈرتے ہیں۔

"ویرا شاید سوئی ہوئی ہے۔ اگر ماں تاتی کی موجودگی میں وہ بیدار ہو جائے تو اسے ادھر نہ آنے دینا۔ سفید فام ہونے کی وجہ سے وہ ان کی نظروں میں آگئی تو وہ اس کا پورا شجرہ کھنگال ڈالیں گے۔"

"جب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اس وقت تک ویرا کو یہاں سے ہٹا دینا ہی مناسب ہوگا۔"

"میں پہلے سے یہی بات سوچے بیٹھا تھا۔ ویرا اور غزالہ کو جہانگیر کے گھر منتقل کرنا بہتر رہے گا۔ آج میں اس موضوع پر جہانگیر سے بات بھی کرلوں گا۔"

گیارہ بجے ڈور بیل بجی تو میں خود اٹھ کر دروازے پر گیا تھا۔ میرے سامنے سادہ لباس میں ' عقابی آنکھوں والا ایک ... ان کھڑا ہوا تھا۔ وہ منہ سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر استفسار طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا اور میں بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔

"ہاک!" آخر کار اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ... برآمد ہوئی۔

"فاکس" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس کے اندر آنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔

"سر! میں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکوں گا" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کرخت فوجی لہجے میں کہا "آپ کو اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"کہاں جانا ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ایک ذمے دار سرکاری اہل کار کی زبان سے اپنے لئے سر کا لفظ سن کر میری انا کو یک بیک پھریری سی آگئی تھی۔

اس اثنا میں آنے والا ڈرائنگ روم میں پہنچ چکا تھا۔ سلطان شاہ کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹکا اور میرے سوال کا جواب دیتے دیتے رک گیا۔ سامنے کی بات تھی کہ گفتگو کرنے کے لئے اسے تخلیہ درکار تھا۔

"تم اندر جاؤ!" میں نے سلطان شاہ کو ہدایت کی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

"سوری سر! میں منزل کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" تخلیہ ہوتے ہی اس نے میرے سوال کا جواب دے دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اسے آزمانے کی نیت سے پوچھا۔

"ہاک" اس نے سپاٹ لہجے میں اپنا کوڈ دہرایا "آپ کا انتظار کیا جارہا ہے سر! آپ کو باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوری روانگی کی تیاری کرنا چاہئے۔"

میرے لئے اس انداز میں گفتگو سننے کا وہ پہلا موقع تھا جب مجھے سر کہہ کر بار بار اپنی بے بضاعتی کا احساس دلایا جارہا تھا۔ ہاک کا تکلم فدویانہ' لہجہ تحکمانہ اور متن رازدارانہ تھا۔ عجز و انا کا وہ حسین شاہکار تخلیق کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں تھا۔ اس موضوع پر وہی لوگ طبع آزمائی کرسکتے تھے جو اپنے مستقبل کے ماتحتوں کے اشارۂ ابرو پر پیٹ اور کہنیوں کے بل' تپتے ہوئے سنگریزوں پر رینگنے کے اعضا شکن مراحل سے خندہ پیشانی کے ساتھ گزر چکے ہوں۔

"بیٹھو! میں جوتے پہن کر آتا ہوں" اس سے مذاکرات کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کی آپ جناب کے جواب میں میری بالادستی کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ میں اسے تم کہہ کر مخاطب کرنے کے لئے آزاد تھا۔ اس سے زیادہ کی آرزو میں وہ سنگلاخ شخص مجھے شرمندگی کے سوا کچھ اور دینے کا اہل ہی نہیں تھا۔

"کہاں جارہا ہوں اور کب آؤں گا' اس بارے میں میں خود لاعلم ہوں" سلطان شاہ کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی میں نے اسے ... کردیا۔ "موقع دیا گیا تو کہیں سے فون پر بات کرلوں گا۔"

میں ڈرائنگ روم میں واپس آیا تو میرے ہاتھ میں کی چین ... کر ہاک نے مجھے پھر ٹوک دیا "میرے پاس گاڑی موجود ہے' ... پ کو اسی سے چلنا ہوگا۔"

"یہ میرے فلیٹ کی چابی ہے" میں نے جل کر کہا حالانکہ وہ ... رہی کی چابی تھی۔

"چابی کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا سر!" وہ سر جھکا ... صوفے سے اٹھ گیا۔

سلطان شاہ دروازہ بند کرنے آیا تو میں نے ہاک کی آنکھ بچا ... کار کی چابی اس کے حوالے کردی۔

نیچے سیاہ رنگ کی ایک عام سی سیلون کار موجود تھی جس کی ... پلیٹ بھی غیر فوجی اور غیر سرکاری تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ والا ... پنے چہرے مہرے کی فوجی ساخت کے باوجود سادہ لباس میں ... وس تھا۔

ڈرائیور نے ہاک کے لئے پھرتی سے کار کا عقبی دروازہ کھولا۔ اس نے پہلے مجھے اندر بٹھایا پھر میرے پہلو میں براجمان ہوگیا ... ر کار سبک رفتاری کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئی۔

ہاک نے کار کی پسنجر سیٹ سے ایک عینک اٹھا کر مجھے تھمادی۔ اس کے عدسے کے چاروں طرف چرمی شیلڈ لگی ہوئی تھی جو ... وٹر سائیکل سواروں کی آنکھوں کو تیز ہوا سے محفوظ رکھنے کے لئے جلد پر چپک کر آنکھوں کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ ... س عینک کے عدسے کچھ عجیب اور تاریک سے تھے۔

"یہ لگالیں اور میری ہدایت کے بغیر ہرگز نہ اتاریں" ہاک نے مجھے ہدایت کی۔

میں نے چشمہ لگایا اور فی الفور بوکھلا گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا ... یسے میری بصارت یکلخت مفقود ہوگئی ہو۔ عدسوں کا اندھیرا میری ... دونوں آنکھوں کے گرد پھیل گیا تھا۔

"اسے آنکھوں پر ہی رہنے دیں' سر!" ہاک کی سرد آواز ابھری۔ اس نے نہایت نرمی کے ساتھ میرا داہنا ہاتھ عینک کی کمانی سے ہٹا دیا تھا "آپ کے اپنے تحفظ کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

"لیکن یہ تو بلائنڈ فولڈ ہے" میں نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔

"یس سر! آپ کا قیاس بالکل درست ہے۔ کیا پہلے بھی آپ کا ایسے آلے سے واسطہ پڑ چکا ہے؟" ہاک کی تحسین آمیز پھر ندرے تحیر زدہ آواز ابھری۔

"اس بیش قیمت آلے کو کسی تجربے کے بغیر بھی آسانی کے ساتھ پہچانا جاسکتا ہے۔" میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا "کچھ نظر نہ آنے کی وجہ سے مجھے سخت الجھن ہو رہی ہے۔"

"میں معذرت خواہ ہوں' سر! لیکن میرے لئے یہی حکم تھا۔ یہ زحمت تھوڑی دیر بعد ختم ہو جائے گی۔ ویسے بھی یہ شہر تو آپ کا دیکھا بھالا ہی ہوگا؟"

قصور ہاک کا بھی نہیں تھا۔ وہ سخت ترین ڈسپلن میں پروان چڑھنے والا انسان تھا۔ اس سے جو کچھ کہہ دیا گیا تھا' وہ اس سے سرمو بھی انحراف نہیں کرسکتا تھا۔ کار کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور ائرکنڈیشنر چل رہا تھا اس لئے ٹریفک کے شور و غل سے بھی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ ہم کن راستوں سے گزر رہے تھے۔

کار کی ہموار رفتار سے یہ بات ضرور سمجھ میں آرہی تھی کہ ہم کسی پُر ہجوم سڑک پر نہیں نکلے تھے۔

کچھ دیر کے سفر کے بعد کار رکی لیکن اس کا انجن چلتا رہا۔ آوازوں سے پتا چلا کہ وہ کوئی سیکیورٹی پوسٹ تھی۔ جہاں شناختی کارڈ وغیرہ دیکھے گئے اور کار پھر حرکت میں آگئی۔

"کار سے اتر کر بھی آپ عینک نہیں اتاریں گے" ہاک نے کہا "میں ہاتھ تھام کر آپ کو اندر لے جاؤں گا' کانفرنس روم میں آپ یہ عینک اتار سکیں گے۔"

آثار بتا رہے تھے کہ وہ سفر جلد ہی ختم ہونے والا تھا۔ آخر کار گاڑی رک گئی۔ اس کا انجن بھی بند کر دیا گیا۔ ہاک کی رہنمائی کے باوجود میں کسی نابینا کی طرح سیٹ پر سرک کر' ٹٹولتا ہوا کار سے اترا اور ہاک میرا داہنا بازو تھام کر مجھے ایک طرف لے چلا۔

راستے میں مجھے جابجا وزنی فوجی جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ لوگ ہمارے قریب سے آجا رہے تھے لیکن ہمیں دیکھ کر کسی کی چال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور نہ ہی کوئی ہاک سے مخاطب ہوا

تھا۔
ایک لمبی راہداری میں داہنی سمت کے دروازے میں داخل ہو کر ہاک نے اچانک میرا بازو چھوڑ دیا اور بولا "اب آپ چاہیں تو عینک اتار سکتے ہیں، سر!"

میں نے فوراً ہی عینک اتار دی۔ وہاں پہنچ کر میرا ارادہ احتجاج کرنے کا تھا لیکن اس وسیع و عریض ہال میں بیٹھے ہوئے سینئر فوجی افسران پر نگاہ پڑتے ہی مجھے سنجیدہ ہونا پڑ گیا۔

ہاک کے علاوہ وہاں ایک کرنل اور دو میجر براجمان تھے۔ تینوں نے ہی نہایت گرمجوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ وہ تینوں میرے نام سے واقف تھے لیکن ان کے سینوں پر سے نام کی پٹیاں غائب تھیں۔

میرے بیٹھ جانے کے بعد ہاک نے قالین پر دھول اڑا کر مجھے پر شور فوجی سیلوٹ کیا اور کانفرنس ہال سے باہر چلا گیا۔ تینوں افسر خاموشی کے ساتھ اس کے باہر جانے کا انتظار کرتے رہے۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر ڈینی، کہ یہاں لائے جانے کے دوران تمہیں ضابطے کی کچھ ناگوار کارروائیوں سے گزرنا پڑا ہوگا لیکن ہم اپنے اصولوں سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں کرسکتے" کرنل کے عہدے والے افسر نے اس قدر نرم اور شیریں انداز میں معذرت کی ابتدا کی کہ میرا جی چاہا کہ اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے دوبارہ وہ عینک اپنی آنکھوں پر چڑھا لوں۔

وہ بے چارہ کئی منٹ تک معذرت اور پھر میری دلجوئی کرتا رہا۔ اس دوران میں اپنی کہانی کو دوبارہ مجتمع کرتا رہا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں راستے بھر اس بارے میں سوچتا آیا تھا اگر میں ان لوگوں کے سامنے کوئی بھی غیر محتاط لفظ استعمال کر بیٹھتا تو میرے لئے اسے نباہنا دشوار ہو سکتا تھا۔ مجھے کھل کر سامنے آنا پڑ گیا تھا اس لئے میں نے شی یا اسلحے کی خریداری کا ذکر درمیان میں لائے بغیر اپنی کہانی غزالہ کے اغوا تک ہی محدود رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"سب سے پہلے میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے کوٹ مندو میں صرف دو غنڈوں کو ہلاک کر کے ایک ایسی بڑی سازش بے نقاب کی ہے جس پر کافی دنوں سے کام کرنے کے باوجود ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔" رسمی گفتگو کے اختتام پر کرنل نے کام کی بات شروع کر دی "ملا سرکار ایک مدت سے مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل تھا لیکن ہمیں اس کے حجرے کے نیچے سے شروع ہونے والی سرنگ کا علم نہیں تھا ہم ایک مدت سے کوٹ مندو سے جانے والے تمام راستوں کو خفیہ اور کڑی نگرانی کرا رہے ہیں۔ ہمارے ریکارڈ کے مطابق وہ پچھلے گیارہ ماہ سے ایک بار بھی کوٹ مندو سے باہر نہیں گیا تھا۔ دوسری طرف اس پر اندھا اعتقاد رکھنے والے ہزاروں معتقدین کا مسئلہ تھا لیکن تم نے یہ کام بہت خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کیا ہے۔ ملا سرکار کے حجرے کی تباہی اور سرنگ کی دریافت نے علاقے کے لوگوں کی آنکھیں کھول دی ہیں اور اب وہ پورا علاقہ فوج کے محاصرے میں ہے۔"

"اجازت ہو تو ایک چبھتا ہوا سوال پوچھ لوں!" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ضرور! تعمیری ارادے رکھنے والوں پر ہم کوئی پابندی عائد نہیں کرتے۔"

"اس قدر حساس سرحدی علاقے میں اتنی لمبی سرنگ کیسے وجود میں آگئی۔ کیا یہ ہمارے نظام کی کسی خامی کی نشاندہی نہیں کرتی؟" میں نے نپے تلے الفاظ میں سوال کیا۔

"اپنے مشن کی کامیابی کے لئے فوج نے کوٹ مندو کی خبروں کا بلیک آؤٹ کیا ہوا ہے اس لئے تم تفصیلات سے لاعلم ہو۔" ایک میجر نے جواب دیتے ہوئے کہا "فوج کی ایک ٹیم نے تباہ شدہ ملبے سے آگے سرنگ کے محفوظ حصے کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ وہ سرنگ کم از کم دو سو سال پرانی ہے جسے صاف کر کے قابل استعمال بنایا گیا ہے۔ سرحد پار، اس سرنگ کے دوسرے سرے پر کالی دیوی کے ایک مندر کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ تاریخ سے پتا چلا ہے کہ کوٹ مندو میں بھی کسی زمانے میں کالی کا ایک مندر ہوا کرتا تھا اور یہ زیر زمین سرنگ دونوں مندروں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھی کوٹ مندو والا مندر مٹی کا تھا جو امتداد زمانہ سے نیست و نابود ہوگیا مگر سرنگ اپنی جگہ پر قائم رہی۔ ملا سرکار نے کوٹ مندو میں سرنگ کے دہانے کا سراغ لگا کر اس پر اپنا تخت اور پھر حجرہ تعمیر کرالیا اور صرف اسی سرنگ کی وجہ سے وہ کوٹ مندو میں رہ رہا تھا۔ اب اس امر میں کسی شبے کی گنجائش نہیں رہی کہ وہ سرحد پار کی بلیک کیٹس تنظیم کے لئے کام کر رہا تھا۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تمہاری معلومات کے کیا ذرائع ہیں اور تم ان لوگوں سے کیسے ٹکرا گئے؟"

"جہاں تک ذرائع کا تعلق ہے تو میں چاہوں گا کہ انہیں نہ کریدا جائے۔ بہت سی باتیں مجھے چوروں اور ڈاکوؤں سے معلوم ہوئی ہیں۔ جو ملا سرکار کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان ذرائع سے جو کچھ اگلوانا ممکن تھا، وہ میں معلوم کرچکا ہوں۔ انہیں چھیڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"پوری کہانی مل جائے تو اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کوٹ مندو آپریشن میں تمہارا کردار اس قدر مثالی رہا ہے کہ ہم تمہاری کسی خواہش کو آسانی کے ساتھ مسترد نہیں کرسکیں گے۔" میجر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جانو ماچھی نامی ایک بدنام ڈاکو نے میری منگیتر کو اغوا کر لیا تھا" میں نے پُرخیال انداز میں اپنی کہانی چھیڑ دی "کراچی سے بدنام علاقوں کی خاک چھاننے کے بعد مجھے علم ہوا کہ جانو ماچھی فوج کے تعاقب سے خوف زدہ تھا۔ اس لئے میری منگیتر کو کسی ... کے کر کے پہاڑوں کی طرف فرار ہوگیا ہے۔ دوسرے ... نام سائیں مراد تھا۔ میں ڈھونڈتا ہوا سائیں مراد تک ... معلوم ہوا کہ میری منگیتر اس کے قبضے سے نکل چکی تھی ... سرکار نامی کسی شخص کی تحویل میں تھی۔ سائیں مراد ملا ... کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے ہندو پنچایت ... راہ موہن داس کے بارے میں بتایا۔ اس سے مجھے پتا چلا ... سرکار کوٹ مندو کی مسجد میں پیش امام بنا ہوا تھا لیکن ... اکھنڈ بھارت کے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ اسے غدار ... کے علاوہ سرحد پار کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ دراصل ... بلیک کیٹ ٹی کے نام سے یہاں اپنے مشن کا سربراہ ہے۔"

... میرے ان الفاظ پر تینوں افسران کے منہ سے تحیر زدہ ... برآمد ہوئی تھیں۔

"بلیک کیٹ ٹی؟" ایک میجر اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل کی ... ورق گردانی کرتا ہوا بولا "وہی پورے آپریشن کا سربراہ ہے۔ ... تخریب کاری اور دہشت گردی کا ایک مخصوص مشن سونپا ... جس میں مافیا اور شی جیسی زیر زمین عالمی تنظیموں سے ... خریداری بھی شامل ہے۔"

... میجر کی زبان سے مافیا اور شی کا ذکر سن کر میرے رونگٹے ... کھڑے ہوگئے۔ اگر وہ لوگ اتنی معلومات رکھتے تھے تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ مجھ سے بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہوں اور آخر کار مجھے ایسی جگہ لا کر مارنا چاہتے ہوں جہاں میں پانی بھی نہ مانگ سکوں۔ شی کے حوالے سے میرا اور ویرا کا نام تک ان کے ریکارڈ پر ہو سکتا تھا۔

"مافیا کے بارے میں تو میں اکثر سنتا رہا ہوں لیکن یہ شی کیا ہے؟" میں نے اپنا دل کڑا کر کے وہ نازک سوال کر ہی ڈالا جس کے جواب سے میں ان کی رسائی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

"یہ بھی مافیا کی طرح بلکہ اس سے زیادہ مضبوط تنظیم ہے جو صرف ہیروئن اور اسلحے کی عالمی اسمگلنگ کرتی ہے لیکن اس کا کردار آج تک پوری طرح متعین نہیں کیا جاسکا...."

"میرا خیال ہے کہ ہم اپنے موضوع سے ہٹ رہے ہیں۔" دوسرے میجر نے ٹوکا۔ وہ چھریرے بدن والا ایک دراز قامت شخص تھا جس کی سرد آنکھوں کا سامنا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

"تم اپنی بات جاری رکھو" کرنل نے اپنی فائل پر کچھ نوٹ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"موہن داس سے وہ اطلاعات ملتے ہی میں کوٹ مندو کے لئے روانہ ہوگیا۔ وہاں جو کچھ ہوا وہ آپ لوگوں کے علم میں آچکا ہے۔ ملا سرکار وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔"

"موہن داس کہاں ہے؟" بھاری بدن والے میجر نے



سوال کیا۔

"ایک غیر آباد مکان میں اس پر تشدد کرنے کے بعد میں نے اسے ہلاک کر دیا تھا" میں نے ایمانداری کے ساتھ تیسرے قتل کا بھی اعتراف کر لیا۔ سائیں مراد کے انجام کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

"اس نے تمہیں اور کیا بتایا تھا؟" اسی میجر نے اگلا سوال پوچھا۔

"ملا سرکار کو مالدار مقامی ہندوؤں سے بھاری مالی مدد ملتی ہے۔ وہ انہیں سنہرے خواب دکھاتا رہتا ہے کہ اس کے ملک کی بحریہ کسی بھی وقت کراچی کا محاصرہ کر کے دور تک اپنے فوجی اتار سکتی ہے۔ تخریب کاریاں آچکے ہیں۔ سرحدوں پر فوجیں تیار کھڑی ہیں۔ ان خبروں پر وہ ہر بار لاکھوں روپے سمیٹ کر لے جاتا ہے۔"

"ملا سرکار اپنے آدمیوں سے رابطہ کس طرح رکھتا ہے؟" اسی میجر نے پوچھا۔ وہ مجھ سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ فائل پر نوٹ بھی لیتا جا رہا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ پر ان تینوں کی ہیبت طاری ہونے لگی تھی۔

"مجھے علم نہیں لیکن سنا گیا ہے کہ سارے تخریب کار اسی سے ہدایات لینے کے لئے کوٹ مندو ہی جاتے تھے۔ علاقے کے لوگ سمجھتے تھے کہ ڈاکو ملا سرکار کی تعلیمات سے متاثر ہو کر وہاں آتے ہیں۔"

ان تینوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر کرنل نے پینسل کے سرے سے پیشانی کھجاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا "تمہاری منگیتر کا کیا رہا؟"

"یہ قسمت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ میں اسے تلاش کرتا رہا۔ اس کی جستجو میں کوٹ مندو تک گیا لیکن وہ کہیں نہ مل سکی لیکن پچھلی رات وہ خود بخود گھر لوٹ آئی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے" دراز قامت میجر نے حیرت سے کہا۔

"ملا سرکار نے اسے قید خانے میں بے ہوش کیا تھا وہ دوبارہ ہوش میں آئی تو ایک ویرانہ میں پڑی ہوئی تھی۔ خود کو سنبھال کر وہ بڑی مشکلوں سے کل رات گھر لوٹی ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملا سرکار تمہارے انتقام سے خوف زدہ ہو گیا ہے؟" فریہ اندام میجر نے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے ایسی خوش فہمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملا سرکار نے میرے فلیٹ تک اس کا تعاقب کر کے میرا سراغ لگانے کی کوشش کی ہو" میں نے گمبھیر لہجے میں کہا "جب تک اس کو ٹھکانے نہ لگا دیا جائے مجھ کو ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"اس خطرے کا سدباب کرنے کے لئے تم نے کیا بندوبست کیا ہے؟"

"وہ پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ ہے تو اپنے اصل مقصد میرے پیچھے زیادہ وقت برباد نہیں کرے گا۔ نہ میرے مقابلے پر آئے گا کیونکہ وہ ایک مرتبہ اپنا اصل کام جاری نہیں رکھ سکے گا۔ وہ مجھ پر کر سکتا ہے اور اس کے لئے میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

"تمہاری باتیں بہت خیال انگیز ہوتی ہیں" کرنل

"ملا سرکار سے پہلے تمہارا کتنے سیکرٹ ایجنٹوں سے واسطہ

"کسی سے نہیں" میرے پاس جواب حاضر تھا۔ پر فلمیں دیکھ کر بچے بھی بہت سی باتیں سیکھ گئے ہیں۔"

"ملا سرکار کو موہن داس کی موت کا علم ہے؟" قامت میجر نے پوچھا۔

"نہیں اسے شبہ ضرور ہو سکتا ہے کیونکہ موہن کئی دن سے غائب ہے۔ اس کی لاش کہیں سے برآمد ہو آجاتی تو قصہ ختم ہو جاتا۔"

چند ثانیوں تک وہ تینوں سر جوڑ کر سرگوشیوں مشورے کرتے رہے پھر کرنل بولا "تمہاری کوٹ گزاری کے بارے میں ہم نے اپنی رائے کا اظہار وہاں تم نے دو آدمیوں کو ہلاک کیا تھا۔ تمہارے ہاتھوں موہن داس کا ہوا۔ رانی پور سے خبر ملی ہے کہ کوٹ ہوئے تم نے جانو ماچھی اور اس کے ساتھیوں کو لگایا تھا۔ ڈاکوؤں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر انعام تین بھی اچھے لوگ نہیں تھے لیکن قانون کی نظر میں کہ انصاف اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ تمہاری صلے میں فی الحال تمہیں رعایت دی جا رہی ہے۔ کیٹ ٹی کو تلاش کرو اگر تم نے فرار یا روپوشی کوشش کی تو تم مصائب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"لیکن میں اس کے بارے میں صرف کر سکتا ہوں" میں نے کہا۔

"مخلصانہ کوشش کرتے رہو اسے پکڑنا ہمارا ہے۔ اسے گھیرا تنگ ہو جانے کے بعد وہ زیادہ دور نہیں رہ سکتا۔ تم نے اپنی کہانی مکمل ضرور کر لی ہے جگہ جھول ہیں۔ ہم ان تفصیلات کو کریدنا نہیں خبریں مل رہی ہیں کہ اسلحہ کسی بھی وقت آنے والا پہلے ہم ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کو اپنی تحویل میں لے یہ سازش ناکام ہونی چاہئے" کرنل کا لہجہ سخت اور

"اسلحہ نہیں آئے گا" میرے اس پُر اعتماد تینوں کو چونکا دیا "بلیک کیٹ ٹی جس کے دعدوں ہے وہ میرا کھڑا کیا ہوا مفروضہ ہے۔ اس سے لیکن یہ یقین رکھیں کہ وقت آنے پر اسے ایک سکے گی اب بات صرف اسے پکڑنے کی ہے۔"

اسلحے کے سوداگروں سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" فریہ نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں" میں نے مضبوط لہجے میں کہا "یہ ایسا ہی ہے آپ کسی کے سامنے مجھے جرنیل بنا دیں حالانکہ میں دس سیدھا نہیں چل سکتا۔ ملا سرکار کو میں نے اپنے لئے سمجھ لیا ہے اسی لئے میں ہر محاذ پر اس سے لڑ رہا ہوں۔ سراغ نہ ہونے کے باوجود مقدر یا میرا وجدان میری رہا ہے۔"

تمہارے دعوؤں کی بنیاد پر ہم اپنا کام نہیں روک سکتے۔ علوم ہے کہ ساحلی کھاڑیوں میں کشتیاں کہاں تک جا سکتی صورت پیش آنے پر وہاں ہر طرف تباہی کا راج ہوگا۔"

مجھے چند آدمی مل جائیں تو میں ایک چوہے دان تیار ہوں" ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے ایک بار پھر حوصلہ ملنے بازپرس کے دوران مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے کی کوششیں کر رہے ہوں۔

مکمل کر دو کہ کیا کرنا چاہتے ہو؟" کرنل نے تجسس آمیز کہا۔

"اس مکان میں موہن داس کی لاش سڑ رہی ہے وہ کبھی میرے زیر استعمال رہا ہے۔ یہ بات بلیک کیٹ ٹی کے علم ہے۔ اسے میرے فلیٹ کا علم ہو بھی جائے تو وہ یہ جانتا فلیٹ میں کسی کو قید رکھنا ناممکن ہے۔ موہن داس کی سادہ کسی بھی وقت اس مکان کا رخ کر سکتا ہے۔ کوٹ میری کارروائی کے بعد اسے یقین ہو چکا ہوگا کہ موہن کے ہاتھ لگ چکا ہے۔ اس مکان کی نگرانی کرائی جائے تو ہاتھ آ سکتا ہے۔"

نگرانی کے ساتھ ہی میں اپنے آدمیوں کو چار دن کا راشن اندر رکھ سکتا ہوں" کرنل نے کہا "کامیابی کی امید نظر نہیں بھی کارروائی کی جا سکتی ہے لیکن اندھیرے میں تیر جا سکتے۔"

اس مکان کا پتا بتا دو۔ ہم چار دن کے لئے اس کی مکمل کرائیں گے" فریہ اندام میجر نے کہا۔

دیرا کے مکان کا نمبر وغیرہ تو معلوم نہیں تھا اسی لئے میں انہیں محل وقوع سمجھانے میں مصروف ہو گیا۔

جاکر یونٹ فور کو روانہ کر دو" کرنل نے میرے فارغ فریہ اندام میجر سے کہا اور وہ یس سر کہہ کر فوراً ہی ہال سے چلا گیا۔

کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس وقت میں فوج کے کس ہوں؟"

سوال سن کر کرنل دل کھول کر خوب ہنسا اور خاصی دیر تک ہنسنے کے بعد بولا "ہمارا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہماری وردیاں فوجی نہیں بلکہ فوج جیسی ہیں۔ ان سے دھوکا مت کھاؤ۔ تمہارے اطمینان کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ تم وطن دوست قوتوں کے ساتھ ہو۔ ہمارے بارے میں زیادہ تجسس میں مبتلا ہو کر تم خود کو پریشان کر لو گے۔"

"آپ لوگوں سے میرے رابطے کی کیا صورت رہے گی؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ ہمارا کوئی نہ کوئی آدمی ہر وقت تمہارے قریب رہے گا۔"

"اور آپ لوگوں کے نام؟" میں ان کے مقابلے میں خود کو بہت کمتر محسوس کر رہا تھا۔

"بچوں جیسے سوال نہ کرو مسٹر ڈینی!" کرنل نے مشفقانہ انداز میں کہا "نام بتانا ہوتے تو تعارف کے وقت ہی بتا دیئے جاتے۔ بس یہ یاد رکھو کہ تم فاکس ہو اور تم سے ہاک کے حوالے سے ملنے والا ہر آدمی ہمارا کارکن ہوگا۔"

اسی وقت دیگر لوازم کے ساتھ چائے آگئی۔ فریہ اندام میجر مسلسل لا پتا تھا۔ میں نے ان دونوں کے ساتھ چائے پی تو مجھے یقین نہیں تھا کہ وہاں سے آسانی کے ساتھ میری گلو خلاصی ہو سکے گی۔

اس ملاقات میں میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ جب سے میں نے کوٹ مندو میں ملا سرکار کے حجرے کے نیچے سرنگ دیکھی تھی' یہ خیال مجھے بار بار ڈس رہا تھا کہ سرحد کے قریب' حساس ترین علاقے میں ایک کئی میل لمبی پختہ سرنگ تیار ہو گئی تھی اور ہمارے لوگوں کو کانوں کان بھی اس کا پتا نہیں چلا سکا تھا۔ میجر کی وضاحت نے مجھے اس ندامت آمیز احساس سے نجات دلا دی تھی۔

چائے ختم ہونے کے بعد دراز قد میجر نے انٹر کام پر کسی کو ہدایات دیں اور چند ہی ثانیوں میں مجھے وہاں تک لانے والا شخص دوبارہ وہاں آموجود ہوا۔

"اچھا مسٹر ڈینی! امید ہے کہ اب کسی اچھی خبر کے ساتھ ہماری ملاقات ہوگی" کرنل نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

ان دونوں سے فارغ ہوتے ہی ہاک نے میری آنکھوں پر دوبارہ اندھی عینک منڈھ دی۔

"آئندہ کے لئے اس عینک سے نجات مل سکے تو میں شکر گزار ہوں گا" دروازے سے نکلنے سے پہلے میں نے کہا۔

"مشکل ہے" کرنل کی آواز ابھری "بعض مجبوریوں کو با دلِ ناخواستہ بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔"

میں ہاک کے ساتھ کانفرنس ہال کے دروازے سے نکل کر پختہ راہداری میں گھوم گیا۔

واپسی کا سفر صرف اس اعتبار سے مختلف تھا کہ راستے بھر ہم دونوں خاموش رہے۔ مجھے ہاک کے اختیارات کا اند

تھا اس لئے اس سے کوئی شکوہ کرنا ہی بے سود تھا۔

فلیٹ پہنچنے سے چند منٹ پہلے ہاک نے اندھی عینک میری آنکھوں سے اتار کر اگلی سیٹ پر ڈال دی اور پورے ادب و احترام کے ساتھ مجھے فلیٹ کے قریب اتار کر واپس لوٹ گیا۔

فلیٹ میں خاصی رونق تھی بلکہ جشن کا سا سماں برپا تھا کیونکہ جہانگیر دوپہر کے کھانے کے لئے دنیا جہان کے لوازمات خرید کر لایا تھا اور وہ سب شدت کے ساتھ میرا انتظار کر رہے تھے۔

"کہاں چلے گئے تھے غزالہ کو چھوڑ کر؟" مجھے دیکھتے ہی جہانگیر نے چیخ کر سوال کیا۔

"آخاہ! ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں تمہارا ہی دلہا بھائی ہونے والا ہوں" میں نے جہانگیر کی ٹھوڑی کو چھو کر مصنوعی لہجے میں کہا۔ میرے تبصرے پر سب ہی ہنس پڑے اور جہانگیر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

"آخر کس کام سے گئے تھے؟" میری خوش گفتاری اس موضوع کو وہیں ختم نہ کرا سکی اور ویرا مجھ سے الجھ گئی "غزالہ کی واپسی کے موقع پر تم کن خرافات میں الجھے ہوئے ہو؟"

اس کے تیور سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ میری غیر حاضری کے بارے میں سلطان شاہ سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملنے پر چراغ پا ہو رہی تھی اور مجھ پر اپنی دھونس جمانا چاہ رہی تھی۔

"غزالہ کہیں بھاگی نہیں جا رہی ہے جو میں دن رات اس کے چرنوں میں بیٹھا مالا جپتا رہوں" میں نے ویرا کو خاموش کرانے کے لئے تلخ لہجے میں کہا "لاہور سے میرا ایک رشتے دار آگیا تھا۔ میں اسے یہاں سے ٹال کر باہر لے گیا تھا۔"

"لیکن سلطان شاہ تو کچھ اور بتا رہا تھا" ویرا آسانی سے قابو میں آنے والی نہیں تھی۔

"یہ اسی سے پوچھو۔ میں اس کے کسی جھوٹ کا ذمے دار نہیں ہوں۔"

"میں نے یہی تو کہا تھا کہ کسی کے ساتھ گئے ہیں'... آئیں گے۔"

"اور میرا خیال ہے میں اپنی توقع سے کہیں پہلے اسے ٹالنے میں کامیاب ہو گیا۔"

تکرار ختم کرنے کے لئے میں باتھ روم تک گیا تھا کہ سلطان شاہ بھی لپک کر میرے ساتھ خواب گاہ میں آگیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا "سینڈو کا تین بار فون آچکا ہے۔"

"اسے کیا تکلیف ہے" میں نے اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ اسی سے پوچھ لینا دو مرتبہ ویرا نے فون اٹھایا تو سینڈو نے نسوانی آواز سن کر کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔ تیسری بار میں نے فون اٹھایا تو اس سے بات ہوئی تھی۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" میں نے باتھ روم کے دروازے پر رک کر سوال کیا۔

"کسی بہت ضروری مسئلے پر تم سے فوراً بات کرنا ...

"ٹھیک ہے میں اسے دیکھ لوں گا" میں ... جواب ... باتھ روم میں داخل ہو ہی رہا تھا کہ ویرا وہاں بھی نازل ہو ...

"اب یہاں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟" کولہے ... رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے تو بدگمانی کی انتہا کر دی ہے' ویرا۔ کیا مجھے ... کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے؟"

"کیا اب سلطان شاہ کے بغیر تمہارا پیشاب بھی نہ ... سکتا؟"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا "... گھٹیا زبان ہے تمہاری۔"

"باہر جا کر غزالہ کے ساتھ میز لگواؤ!" ویرا نے ... نکال کر سلطان شاہ سے کہا پھر نسبتاً دھیمی آواز میں مجھ سے "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم نے کوئی اور چکر بھی چلایا ہوا ہے"

"تمہارے وہم کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے" ... زچ ہو کر کہا۔

"تمہارے پیچھے دو پُراسرار فون کالز بھی آئی تھیں ... مرتبہ میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے لائن کاٹ دی ... مجھے سچ سچ بتاؤ کہ یہاں کیا کھیل ہو رہا ہے ورنہ میں ... تمہارے پیچھے لگا دوں گی۔"

میں اسے گھورتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا جبکہ ... جانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

کھانے کی میز پر ایک مرتبہ پھر سب خوشگوار موڈ میں ...

"یہ بتاؤ کہ تم دونوں شادی کا ڈنر کب دے رہے ہو ...؟" ... نے کھانوں سے انصاف کرتے ہوئے سوال کیا۔

میرے نزدیک وہ مرحلہ کسی وقت بھی طے ہو سکتا ... جہانگیر نے بزرگانہ انداز میں مداخلت کر کے میری خوشی ... کردی "ابھی نہیں اس مبارک موقع کے لئے ہمیں ... کرنا ہوگا۔"

"کیوں؟ کیا تم کوئی شبھ گھڑی نکال کر آئے ہو؟ یہ ... کب سے ہو گئے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دلدار آغا کی موت کو ابھی ایک سو تیس دن ... ہیں" جہانگیر نے بتایا۔

"دلدار کی موت سے ڈینی کا کیا تعلق؟" ویرا ... شرط ناقابلِ فہم ثابت ہوئی۔

"لڑکی وہی ہے نا! ہمارے یہاں پہلے شوہر کی ہڈیاں ... پہلے بیوائیں دوسری شادی نہیں کرتیں۔"

"ہڈیاں گلنے کی شرط ہے تو میں آج ہی اس کی قبر ... بھر دوں گی۔"

... ایک مذہبی نکتہ ہے تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتا" میں ... کو خاموش کرا دیا۔

... کھانے کے بعد کافی کے ساتھ گپ شپ کا دور چلتا رہا۔ ... چلا گیا تو ویرا بھی اٹھ گئی "میں غزالہ کو لے کر تھوڑی ... لئے بازار جا رہی ہوں۔ اس کے لئے کپڑے وغیرہ ... ہیں۔"

"میں بھی ساتھ چلتا ہوں' چند روز تک ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔"

"نہیں!" ویرا چڑ گئی "میں اکیلی جاؤں گی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ... اب میرے جیتے جی غزالہ کو آنچ بھی نہیں آسکے گی۔ ... کے بعد تم اپنے شوق پورے کر لینا۔"

... بحث اور تکرار کے بعد مجھے ہتھیار ڈالنا پڑ گئے۔ میں نے ... کو دس ہزار روپے دیئے جو اس نے ویرا کے پرس میں ... دیئے کیونکہ اس کے پاس تو تن کے تین کپڑوں کے سوا کچھ ... نہیں تھا۔

میں نے سلطان شاہ کے ساتھ میزنائن فلور تک آکر انہیں ... رخصت کیا پھر ہم دونوں اوپر لوٹ آئے۔ سلطان شاہ نے ... راستے ہی میں میری طلبی کے بارے میں سوالات پوچھنا ... شروع کر دیئے جن کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ حقیقت یہ ... ہاک والا سلسلہ اس وقت تک میرے ذہن میں جم نہیں ...

... اس وقت میرے لئے زیادہ اہمیت سینڈو کی فون کالز کی تھی ... لئے میں نے فلیٹ میں پہنچتے ہی ٹریڈ لائن کا نمبر ملایا۔ اس ... شام کے پانچ بج چکے تھے۔ اسی لئے میری توقع کے عین ... سینڈو نے ہی کال وصول کی۔

"دفتر میں کیا ہو رہا ہے سینڈو؟" میں نے اپنی بے فکری ظاہر ... کے لئے بے پروایانہ لہجے میں سوال کیا۔

"دفتر میں تو چھٹی ہو گئی ہے لیکن تم کہاں ہو' باس؟ چیف ... بار تمہارے بارے میں معلوم کر چکا ہے لیکن ایسا محسوس ... ہے جیسے اسے تمہارے لاپتا ہو جانے سے کوئی پریشانی نہ ہو۔"

"میں نے چیف ہی سے چھٹی لی ہوئی تھی" میں نے حیرت ... کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیا بتاؤں۔ مجھ پر ... تمہارے اتنے احسانات ہیں کہ میں تم سے بے وفائی نہیں کر سکتا" ... کی آواز سے پریشانی کے ساتھ ہی فکرمندی بھی جھلک رہی ...

"گھبرانے یا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' جو کچھ بتانا ... ہے اطمینان سے بتاتے چلے جاؤ۔"

"پچھلے ہفتے کی کلب پر چھاپا پڑ گیا۔ پولیس نے مس پارسن ... ساتھ ساتوں لڑکیوں اور چوکیدار کو بھی لاک اپ میں رکھا ہوا ... کی سفارش کام نہیں آرہی۔ سنا ہے کہ شوچان نے نشے کی

حالت میں کسی بہت بڑے وی آئی پی کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ ادھر مال کی آمد و رفت بند ہے۔ چیف کو ان سب تباہیوں کی ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ پرسوں سے سپرڈان روز فون کر رہا ہے۔ وہ تمہارے بارے میں بھی پوچھتا ہے' چیف نے ہر بار یہی کہا ہے کہ تم لاپتا ہو۔ اس نے سپرڈان سے تمہاری چھٹی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ حالات کو کسی خاص رخ پر لے جانا چاہ رہا ہے۔"

"جو محسوس کر رہے ہو وہ بے دھڑک ہو کر بتا ڈالو!" میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"دیکھو یہ میری اور تمہاری ذاتی بات ہے' کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔"

"تم بے فکر رہو تمہارا نام کبھی بھی درمیان میں نہیں آنے پائے گا۔"

"وہ سپرڈان کو ایسا تاثر دے رہا ہے جیسے تم ہی روپوش ہو کر ہم پر یہ تباہیاں لا رہے ہو۔ اس نے سپرڈان کو کی کلب سیل ہونے کی خبر تو دے دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کارروائی شوچان کی بدتمیزی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ مجھ سے بھی تمہارے بارے میں رسمی سے سوال کرتا ہے۔ جب سے جرمن پولیس کے ریکارڈ میں اس کی موت کا مصدقہ اندراج ہوا ہے، اس کے تیور بدل گئے ہیں اور شاید وہ تم کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھنے لگا ہے۔"

"اگر حالات یوں ہی چلتے رہے تو کیا ہوگا؟" میں نے بے پروائی سے سوال کیا۔

"کیا تمہیں واقعی اندازہ نہیں کہ کیا ہوگا؟" سینڈو کی آواز خوف اور حیرت سے کانپ رہی تھی۔

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں" اس بار میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"مافیا کے غداروں کی سزا موت ہے اور وہ اپنی زبان سے تم پر کوئی براہ راست الزام عائد کئے بغیر تمہیں غدار قرار دلوانا چاہتا ہے تاکہ تمہارا کانٹا ہمیشہ کے لئے اس کی راہ سے دور ہو جائے۔"

"اس طرح تو مجھے ہوشیار کر کے تم بھی غداری کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں' اس لئے میں نے تم سے رازداری کا وعدہ لیا تھا۔"

"لیکن یہ فیصلہ چیف تو نہیں کر سکے گا" میں نے پروثوق لہجے میں کہا۔

"کم از کم تمہارے بارے میں اسے ایسا کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ایک بار چیف بن جانے کے بعد تم بھی اس کے درجے میں شامل ہو گئے ہو۔ تمہارا فیصلہ سپرڈان ہی کر سکے گا۔"

"فکر نہ کرو' سپرڈان آئے گا تو دیکھ لیا جائے گا" میں نے کہا۔

"میں تمہیں یہی تو بتانا چاہ رہا تھا کہ سپرڈان کل شام کراچی آ رہا ہے۔ اس موقع پر اگر تم نے اس سے مل کر اپنی صفائی پیش نہ کی تو وہ تمہارے مقدر پر مہر لگا کر چلا جائے گا اور چیف کے حکم پر مجھے بھی تم پر ہتھیار اٹھانا پڑیں گے۔"

"اوہ! تو اسی لئے تم اتنے مضطرب تھے" سینڈو کے انکشاف نے مجھے واقعی پریشان کر دیا۔

"عام حالات میں میں ہرگز بھی تمہارے نمبر پر فون نہ کرتا مجھے آج صبح ہی سپرڈان کی آمد کی اطلاع ملی ہے۔ تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔ تم نے اس خطرے کا توڑ نہ کیا تو چیف سپرڈان کی اجازت حاصل کر کے شہر کے سارے قاتلوں کو تمہارے پیچھے لگا دے گا۔ تم زیادہ دنوں تک اس یلغار کے سامنے نہیں ٹک سکو گے۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں سینڈو! اگر میں اس بار سیٹھ جیوانی کا وار سہنے میں کامیاب ہو گیا تو میں بھی تمہیں نہال کر دوں گا۔ میں آج ہی اس کا کوئی بندوبست کرتا ہوں۔"

سیٹھ حبیب جیوانی کے عزائم کے بارے میں وہ اطلاع میرے لئے بہت سنسنی خیز اور بروقت تھی۔

سلطان شاہ نے جاننا چاہا کہ فون پر سیٹھ حبیب جیوانی کے بارے میں سینڈو سے میری کیا بات ہوئی تھی لیکن میں کوئی تفصیل بتانے کے بجائے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ میری طویل غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ میں اپنی جانب سے ایسی کوئی رعایت یا ڈھیل دینے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔

میرے پاس سیٹھ حبیب جیوانی کے گھر کا نمبر موجود تھا اس نے روپوشی اختیار کرنے سے قبل مجھے دیا تھا۔ اس وقت سخت [illegible] میں آیا ہوا تھا اور میرے ساتھ اس کے مراسم اچھے تھے۔ اس لئے اس نے مجھے فون نمبر دینے کے ساتھ ہی کوڈ بھی بتا دیا تھا جسے دہرانے پر اس کی بیوی اسے فون پر بلاتی تھی۔

گو مجھے وہ کوڈ یاد نہیں رہا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں اس سے بات کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

دوسری طرف سے پہلی ہی گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا اور میں نے سیٹھ حبیب جیوانی کی آواز پہچان لی۔

"ہیلو چیف! میں ڈینی بول رہا ہوں" میں نے نقاہت آواز میں کہا۔

"اوہ! کیسے ہو تم؟" حبیب کا لہجہ رسمی تھا۔ اس میں وہ گرم جوشی مفقود تھی جو میں نے اس سے چھٹی کی اجازت لیتے محسوس کی تھی۔ "چھٹی کیسے گزر رہی ہے تمہاری؟"

اگر میری طرف سے اس کا دل صاف ہوتا اور اس کے ارادے نیک ہوتے تو اسے میری آواز سنتے ہی مضطرب ہو جانا چاہئے تھا۔ ان دنوں مافیا جس عذاب سے گزر رہی تھی"

ذکر کرنا چاہئے تھا۔ جس طرح سینڈو میری آواز سنتے ہی پھٹ پڑا تھا۔ میں نے اسی لمحے بھانپ لیا کہ اس کے عزائم کے بارے میں سینڈو کے خدشات سو فیصد درست تھے۔ وہ مجھے غافل اور بے خبر سمجھ کر اپنی کوئی خطرناک چال چلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"بس زندہ ہوں اور بستر پر پڑا ہوں اپنی حیثیوں کی بربادی کا ماتم کر رہا ہوں" میں نے اسی مکارانہ اور کمزور آواز میں کہا۔ "میری بدنصیبی یہ ہے کہ اس وقت میں شہر سے بھی دور ہوں۔ ڈاکٹروں نے سفر سے منع کیا ہوا ہے ورنہ میں کبھی کا کراچی لوٹ چکا ہوتا۔ اپنے شہر اور اپنے لوگوں میں ہونے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"تو تم شہر سے باہر ہو؟" اس کے لہجے میں پوشیدہ تحیر آمیز حسرت مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکی "کہاں ہو؟ ایسی کون سی خطرناک بیماری ہوگئی ہے تمہیں کہ سفر کرنے سے بھی معذور ہوگئے ہو؟"

"میں حویلیاں میں اپنے چچا کے گھر پر ہوں۔ وہ پچھلے تین ماہ سے قریب المرگ ہیں مگر پھر بھی زندہ ہیں۔ میرا خیال تھا کہ کہیں ان کی جان مجھ میں نہ اٹکی ہوئی ہو اس لئے میں ان کی عیادت کے لئے یہاں آگیا تھا لیکن یہاں آتے ہی ٹائیفائڈ میں مبتلا ہوگیا۔ میرے بیمار پڑتے ہی میرے چچا حیرت ناک طور پر صحت یاب ہوگئے ہیں اور اتنی مستعدی سے میری دیکھ بھال کر رہے ہیں کہ مجھے بستر سے نیچے قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس وقت بڑی مشکل سے انہیں غچا دے کر پبلک کال آفس تک آنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

میں نے ایک ہی سانس میں اپنی ان تمام کمزوریوں سے آگاہ کردیا جو اس کے کسی بھی شرمناک منصوبے کی تکمیل کے لئے حوصلہ افزا ثابت ہوسکتی تھیں۔

"اوہو، بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔ تم فکر نہ کرو۔ پوری طرح آرام کرو۔ یہاں کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ پوری طرح صحت یاب ہو کر ہی واپس لوٹنا تاکہ تندہی سے میرا ہاتھ بٹا سکو۔"

"کی کلب کیسا چل رہا ہے؟" میں نے نپے تلے انداز میں اسے کسوٹی پر رگڑنا شروع کردیا۔

"ٹھیک ہی ہے۔ تم اخبار تو دیکھتے رہتے ہو گے؟" اس نے محتاط لہجے میں جواب دے کر سوال کیا۔

"اخبار!" میں تضحیک آمیز انداز میں ہنسا "چچا کا خیال ہے کہ ٹائیفائیڈ کی حالت میں، میں نے اپنی آنکھوں پر ذرا سا بھی زور دیا تو عمر بھر کے لئے میری بینائی جاتی رہے گی۔"

"کی کلب زوروں پر ہے" اخبار بینی سے میری محرومی کی خبر پاتے ہی اس کے لہجے میں اعتماد پیدا ہوگیا۔ "مس پارسن تمہیں اکثر یاد کرتی رہتی ہے۔"

"دھندا کیسا جارہا ہے؟" میں نے تجسس آمیز لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"زبردست!" اس کی فاتحانہ آواز ابھری۔ "معلوم ہوتا ہے کہ شی والے میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اب پوری مارکیٹ پر رفتہ رفتہ ہمارے آدمی چھاتے جارہے ہیں۔"

"مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ خوشحالی اور روز افزوں ترقی کے دور میں میں بسترِ علالت پر پڑا ہوا ہوں" میں نے دکھی لہجے میں پھر اچانک ہی سوال کیا "یہ بتاؤ کہ سپرڈان کی کیا خیر خبر ہے؟"

"تمہیں اچانک ہی اس کا خیال کیسے آگیا؟" اس کی تیز آواز سنائی دی۔

"تم ہی نے بتایا تھا کہ سپرڈان اور جمی لائیڈ میں کچھ چپقلش چل رہی تھی جس کے نتیجے میں مجھے یورپ کے کسی شہر طلب کیا جانا تھا۔ میری بیماری کے دوران بلاوا آگیا تو کیا ہوگا؟"

"سپرڈان کو بزنس سے غرض ہے، ہمارا مقامی بیورو دن رات ترقی کر رہا ہے اس لئے وہ ہماری طرف سے بے فکر ہے۔ تمہارا بلاوا آیا تو میں اسے تمہاری واپسی تک ٹال دوں گا۔ تم کو اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم عظیم آدمی ہو چیف" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں تمہیں اتنا ضرور بتا دوں کہ میں حقیقت میں اتنا بیمار نہیں ہوں جتنا مجھے چچا جان نے بنا دیا ہے۔ پہلا موقع ملتے ہی یہاں سے فرار ہو کر کراچی پہنچ جاؤں گا۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا" حبیب کی سخت آواز ابھری "وہ تمہارے دشمن نہیں بلکہ سچے ہمدرد ہیں۔ تم انہیں دھوکا دے کر بھاگ آئے تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری طویل غیر حاضری کو نظر انداز کرنے پر آمادہ ہو؟"

"نظر انداز نہیں کر رہا بلکہ یہ میری ہدایت ہے کہ صحت یاب ہونے سے پہلے حویلیاں سے باہر نہ نکلنا۔"

"چیف یو آر گریٹ" میں نے احسان مندانہ لہجے میں کہہ کر فون بند کردیا۔

"یہ کیا ڈراما ہو رہا تھا؟" میرے فارغ ہوتے ہی سلطان شاہ نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں، اب تیاری کرلو۔ میں حبیب جیوانی کے بیٹے کو اغوا کروں گا" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اغوا!" حیرت سے سلطان شاہ کا چہرہ بگڑ گیا "مگر تم تو اسے دنیا کا بدترین اور سب سے گھناؤنا جرم سمجھتے تھے!"

"وہ ماضی کی بات تھی" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "سیٹھ حبیب جیوانی سے بات کرنے کے بعد میرے نزدیک اب سب کی قدریں بدل گئی ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ اب ہم دونوں میں سے کون باقی رہتا ہے۔"

بات پوری کرتے ہوئے میں نے فیصلہ کن انداز میں جگہ چھوڑ دی۔

یہاں تک میرا اور سیٹھ حبیب جیوانی کا تعلق تھا، طبل جنگ بج چکا تھا۔

اس سے گفتگو کرنے کے بعد میرے ذہن میں اس کی طرف سے ذرا سی بھی خوش فہمی باقی نہیں رہی تھی۔ سینڈو کے اندازوں کے مطابق وہ واقعی مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کا ایک سفاکانہ منصوبہ بنا چکا تھا۔

میں آسانی کے ساتھ ہار ماننے کا سرے سے قائل ہی نہیں تھا۔

مافیا میں رہتا یا نہ رہتا، وہ میرا آزادانہ فیصلہ ہوتا۔ سیٹھ جیوانی کو یہ حق یا اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنی سہولت کے لئے مجھے دودھ میں پڑی ہوئی مکھی کی طرح باہر نکال پھینکتا۔ وہ مجھ سے مصنوعی ہمدردی جتا کر مجھے پوری طرح صحت یاب ہونے تک حویلیاں ہی میں رکا رہنے کا مشورہ دے رہا تھا تاکہ میری غیر حاضری میں میری طرف سے سپرڈان کے کان بھر کر اسے میرے خلاف کوئی بڑا اور مہلک فیصلہ کرنے پر اکسا سکے لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ میں کراچی ہی میں، اس سے قریب موجود تھا اور اپنی کسی شعوری کوشش کے بغیر سینڈو کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

سینڈو نے مجھے اپنے جن خدشات سے آگاہ کیا تھا وہ حرف بحرف صحیح نظر آرہے تھے اور یہ بھی یقینی تھا کہ سپرڈان اگلے دن کراچی پہنچنے والا تھا۔ سیٹھ حبیب نے اس کی آمد کے بارے میں مجھے ادنیٰ موہوم ترین اشارہ بھی نہیں دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ میری مداخلت کے بغیر سپرڈان سے ملنا اور اسے میری طرف سے بدظن کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی لمحے میری کھوپڑی میں ایک چھناکا سا ہوا۔ سپرڈان مافیا کا اہم ترین عہدے دار تھا اور نچلی سطح کے معاملات میں اس کا دخل انداز ہونا قرین قیاس نہیں تھا۔ مافیا میں اس کی وہی حیثیت تھی جو شی میں جمی لائیڈ کی تھی بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔ میرے لئے یہ سمجھنا ممکن نہیں تھا کہ کراچی میں کی کلب کے بند ہوجانے اور کاروبار ٹھپ ہوجانے سے سپرڈان اس قدر گھبرا گیا ہو کہ اس نے کراچی کی طرف دوڑ لگانے کا فیصلہ کرلیا ہو۔ مافیا میں سپرڈان کا اپنا مقام تھا۔ حقیقی معنوں میں وہ مدر مافیا کا سربراہ تھا جو اپنے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھ کر عالمی جرائم کی ڈوریں ہلاتا رہتا تھا۔ ہر مقامی مافیا اپنے معاملات میں خود مختار ہوتی تھی مگر مدر مافیا سے الحاق کی صورت میں اسے اپنی سالانہ آمدنی کا ایک مقررہ حصہ سپرڈان کے حوالے کرنا پڑتا تھا جس کے جواب میں مدر مافیا کے مقامی نمائندوں کی مختصر اور خفیہ ٹولی اپنے وسائل سے مقامی مافیا کو تحفظ فراہم کرتی تھی۔ ایسے مقامی نمائندے بھی اپنے اختیارات کے استعمال کے لئے براہِ راست سپرڈان کو جواب دہ نہیں ہوتے تھے بلکہ پاکستان کی حد تک ان کی رسائی ڈان تھری تک تھی۔ اس سے اوپر کے معاملات ڈان تھری خود ہی سپرڈان سے طے کرتا تھا۔

اس لئے سپرڈان کی آمد کا معاملہ مشکوک نظر آنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ جوش و جذبات کی وجہ سے، اس بارے میں سینڈو کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔ اگر اگلے روز مافیا کا کوئی بڑا آنے ہی والا تھا تو وہ میری دانست میں صرف اور صرف ڈان تھری ہوسکتا تھا جس نے بذاتِ خود مجھے مافیا میں شمولیت پر آمادہ کیا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ سپرڈان ہی کراچی آرہا ہو۔" سلطان شاہ نے میری رائے سے اختلاف کیا تھا۔

"یہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے چیونٹی کو مارنے کے لئے ہاتھی کو باہر نکالا جائے۔"

"لیکن تم چیونٹی تو نہیں ہو۔ تمہارے بارے میں شی کے ساتھ ہی مافیا والے بھی فکر مند رہنے لگے ہیں۔"

میں چونک پڑا اور بولا "تمہارا مطلب ہے کہ سپرڈان میری وجہ سے آرہا ہے؟"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ تمہیں یورپ میں طلب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

سلطان شاہ کا وہ نکتہ خیال آفریں تھا "تم درست کہہ رہے ہو۔ مگر میری طلبی کا تعلق شی اور مافیا کے درمیان صلح سے تھا۔ یورپ میں سپرڈان، جمی لائیڈ سے ملاقات کے موقع پر مجھے طلب کرنا چاہتا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجھ سے ملنے کے لئے یہاں دوڑا چلا آئے۔ نہیں، یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"

"اس معاملے پر دوسرے زاویے سے غور کرو گے تو بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی" وہ ہار ماننے پر آمادہ نہیں تھا "سپرڈان تم کو یورپ بلانا چاہتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے جمی لائیڈ سے ملاقات کا کوئی پروگرام طے کرلیا ہو۔ تم خود ہی اعتراف کرچکے ہو کہ شی سے اپنے اختلافات ختم کرنے کے لئے سپرڈان تم کو قربانی کا بکرا بنا سکتا ہے۔ اس نے تمہاری طلبی کے لئے کراچی بیورو سے رابطہ کیا تو یہاں سے تمہاری گمشدگی کی خبر سنائی گئی۔ وہ بار بار رابطہ کرتا رہا اور حبیب جیوانی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلسل ایک ہی کہانی دہراتا رہا۔ سپرڈان شی کے سربراہ جمی لائیڈ سے ملاقات کے موقع پر تمہاری بھینٹ دینے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ اس لئے ملاقات کا وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بڑھتی چلی گئی۔ دوسری طرف جیوانی نے ہر بار لازماً یہی کہا ہوگا کہ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے کے باوجود تمہارا سراغ لگانے میں ناکام رہا ہے۔ اس لئے آخری چارۂ کار کے طور پر وہ خود یہاں آنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ جیوانی کی حکمتِ عملی کی وجہ سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے۔ وہ یہاں آئے گا اور جیوانی کی فرضی کہانیاں سن کر تمہارے خلاف فیصلہ صادر کردے گا۔ وہ تمہیں زندہ یا مردہ، ہر حالت میں اپنی تحویل

میں دیکھنا چاہے گا۔ سیٹھ حبیب جیوانی نے تمہیں مروا بھی دیا تو جمی لائیڈ سے ملاقات کے موقع پر سپرڈان یہ دعویٰ کر سکے گا کہ شی سے خیر سگالی کے اظہار میں اس نے خود تمہارا فتنہ جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے....“

میں نے بے تابانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی ”بس! تم جو کچھ کہنا چاہ رہے ہو وہ میری سمجھ میں آگیا ہے۔ اندر کے حالات سے ناواقف ہونے کی بنا پر ہم اس وقت کوئی صحیح اندازہ قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ ہماری حالت ریل میں سفر کرتے ہوئے اس تنہا مسافر کی سی ہے جو رات کے اندھیرے میں ریل کے آہنی پہیوں کی سپاٹ آواز پر کان جماتا ہے تو اسے چھکا چھک کی آواز سے ہر بار ایک نیا ’مترنم آہنگ ابھرتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔ سپرڈان آئے یا ڈان تھری آئے‘ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں اس سے مل کر اپنی پوزیشن کی وضاحت ضرور کروں گا۔“

”ان دونوں میں سے کسی سے بھی ملتے ہوئے تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جب تم سپرڈان یا ان ... تک پہنچنے میں کامیاب ہو اس وقت تک جیوانی اس کے ذہن میں کتنا زہر پھیلا چکا ہوگا۔“

”اسی لئے میں سب سے پہلے حبیب جیوانی کی زہر کی پوٹلی نکال دینا چاہتا ہوں۔“

سلطان شاہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں میرا چہرہ تکنے لگا۔

”سیٹھ حبیب جیوانی کو اپنی بیوی اور بیٹے سے بہت زیادہ پیار ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اغوا کر لیا جائے تو وہ وقتی طور پر اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں کھو بیٹھے گا۔“

”اوہ! میں سمجھ رہا تھا کہ تم اغوا برائے تاوان کے چکر میں پڑ گئے ہو۔“

”ہم تاوان لے کر کیا کریں گے؟ سلمیٰ کے پاس ہمارے لاکھوں ڈالرز پڑے ہوئے سڑ رہے ہیں۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ مافیا کے کسی بڑے کی موجودگی میں سیٹھ حبیب جیوانی اپنے سازشی ذہن سے کام نہ لے سکے۔“

سیٹھ حبیب جیوانی اپنی روپوشی کے دنوں میں بھی اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اپنی موجودگی کا راز قانون کی نظروں سے چھپائے رکھنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے کو ہاسٹل میں داخل کرا دیا تھا۔ اگر وہ اپنے معصوم بیٹے پر اپنی اصلیت کا راز فاش نہ کرتا تو وہ بچہ اپنی ماں کو ایک اجنبی کے ساتھ بے تکلفانہ انداز میں زندگی گزارتا دیکھ کر اس کے کردار کے بارے میں بدترین شبہات میں مبتلا ہو سکتا تھا اور اگر سیٹھ حبیب جیوانی اسے اپنی اصلیت سے آگاہ کر دیتا تو تا سمجھی میں وہ بچہ اپنے باپ کی موجودگی کا راز قانون تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکتا تھا۔ جس کے نتیجے میں سیٹھ حبیب جیوانی کو کراچی سے گرفتار کر کے جرمن حکام کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔

وہ سب مجھے معلوم تھا لیکن میں نہ بچے کے نام سے واقف تھا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ ملک کے کس تعلیمی ادارے میں قیام پذیر تھا۔ ویسے بھی میرے ضمیر کو یہ گوارا نہیں تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی سے اُس کی کسی مجرمانہ سازش کا انتقام لینے کے لئے اس کے بچے کو کسی ایسے ذہنی صدمے یا دھچکے سے دوچار کیا جائے کہ وہ زندگی بھر اس کے اثرات سے سنبھلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ایسی صورت میں میرے سامنے حبیب جیوانی کی بیوی رہ جاتی تھی جو اپنے کردار کے لحاظ سے مہرو وفا اور خلوص و محبت کا ایک مثالی ’مشرقی شاہکار تھی۔

اس کا شوہر جرمنی کی جیل سے بھاگا ہوا ایک سزا یافتہ مجرم تھا جو قانون کو مطلوب تھا۔ جب تک جرمنی میں اس کے ہم شکل کی موت کے بعد تمام دستاویزات میں سیٹھ حبیب جیوانی کو مردہ قرار نہیں دیا گیا اس وقت تک ہر لمحے اس کی گرفتاری اور رسوائی کا دھڑکا موجود تھا۔ ان بدترین ایام میں اس عورت نے تمام تر خطرات اور رسوائی مول لیتے ہوئے اپنے شوہر کو آن اپنی مخلصانہ رفاقت مہیا کی تھی۔

جرمنی میں سیٹھ حبیب جیوانی کی گرفتاری اور سزایابی کے بعد وہ ایک خانہ دار عورت کی طرح صبر و شکر کے ساتھ اپنے سسرالی عزیزوں کے ساتھ رہتی تھی۔ حبیب جیوانی نے مافیا والوں کی مدد سے جرمنی کی جیل سے فرار ہونے کے بعد ’پاکستان پہنچ کر صرف اپنی بیوی ہی سے رابطہ کیا تھا۔ قانون کے خوف سے اس نے اپنے ماں باپ تک کو اپنی آمد کی ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان بدترین حالات میں صرف اس کی بیوی ہی اسے تحفظ فراہم کر سکتی تھی۔

اپنے شوہر کی ضروریات کا اندازہ لگاتے ہی اس عورت نے ایک دم اپنی کینچلی بدل لی۔ ایک منصوبے کے تحت اپنے بیٹے کو ہاسٹل میں داخل کرایا اور اپنے سسرال والوں سے مفت کا جھگڑا کھڑا کر کے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب اس نے بھرا گھر چھوڑ کر تنہا ایک فلیٹ میں رہنا شروع کیا تو اس کے خلاف الزامات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اپنے پرائے ’سب اس خیال پر متفق تھے کہ وہ اپنے شوہر کی سزایابی سے مایوس اور بددل ہو کر اپنے نفس کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھی تھی اور اپنے کسی آشنا کے اشارے پر سب سے الگ ہونے پر تل گئی تھی۔

اپنے شوہر کی مدد اور تحفظ کی خاطر اس نے وہ تمام الزامات خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لئے۔ بدترین طعن و تشنیع بھی اس کے ارادوں کو نہ بدل سکے۔ پھر جب حبیب جیوانی نے حلیہ بدل کر فلیٹ میں اپنی بیوی کے ساتھ رہنا شروع کیا تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ سسرال والے تو درکنار ’خود اس کے بھائیوں نے اس کے منہ پر تھوکنے سے بھی انکار کر دیا اور وہ

خاندان والی وہ عورت چند ہی دنوں میں سنگین سوشل بائیکاٹ کا شکار ہو گئی۔

ایسے نامساعد حالات کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا لیکن شوہر کی محبت میں اس نے کسی مشکل کی پروا نہیں کی بلکہ وہ خوش تھی کہ اس کے رشتے داروں نے اس کی کسی منت کے بغیر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ یوں وہ ساری دنیا کو ٹھکرا کر اپنے شوہر کی خدمت میں لگی رہی۔ ظاہر ہے کہ ایسی عورت حبیب جیوانی کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہونا چاہئے تھی۔ اس کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم تھا اس میں میرے کسی کمال کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ سب مجھے حبیب جیوانی نے خود ہی بتایا تھا۔ مگر وہ ان دنوں کی بات تھی جب اس کے لہو کے پیاسے اس کے خون کی بو پر لگے ہوئے تھے اور اسے اپنی سلامتی کے لئے میرے سہارے کی اشد ضرورت تھی اور اب صورت حال یکسر بدل چکی تھی۔

جرمنی میں اپنی موت کی طبی اور قانونی تصدیق کے بعد حبیب جیوانی ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر ایسی پوزیشن میں آچکا تھا کہ وہ کسی چوراہے پر کھڑا ہو کر اپنی اصلیت کا اعتراف کرتا تو دنیا کا کوئی قانون اسے حبیب جیوانی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوتا۔ اس کی بیوی اسے جانتی تھی ’اس کے والدین اپنے خون کی بو پہچان سکتے تھے یا پھر مجھے مافیا کے اس سازشی گرگے کی اصلیت سے آگاہی حاصل تھی۔ میرا خیال تھا کہ اسے راہ پر لانے کے لئے اس کی بیوی کا اغوا ناگزیر ہو چکا تھا۔

”میں جا رہا ہوں“ میں نے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سلطان شاہ سے کہا ”تم یہیں فلیٹ میں ٹھہر کر میری فون کال کا انتظار کرو گے۔ میدان صاف دیکھ کر میں تمہیں فون کروں گا۔ میرا اشارہ پاتے ہی تمہیں حبیب جیوانی کو فون کرنا ہوگا۔ تم گھبرائی ہوئی آواز میں اسے صرف اتنا بتاؤ گے کہ ڈان کی کلب پر پولیس کے نرغے میں آگیا ہے۔ یہ خبر دے کر تم مزید کچھ کہے یا سنے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کر دو گے اور میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔“

”کم از کم مجھے تو بتا دو کہ تمہارے ذہن میں کیا پروگرام بن رہا ہے؟“

”اس کو سپرڈان یا ڈان تھری کا انتظار ہے۔ تمہارا مبہم پیغام صرف ڈان کے بارے میں ہوگا۔ یہ اطلاع اسے اپنے فلیٹ سے نکلنے پر مجبور کر دے گی۔ وہ سمجھے گا کہ مدر مافیا کے کسی رکن نے اسے اطلاع دی ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس کی بیوی کو فلیٹ سے نکال لے جانا آسان ثابت ہوگا۔“

”وقت اور حالات نے اسے ضرورت سے زیادہ ہوشیار اور چالاک بنا دیا ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ تمہارے قابو میں نہیں آسکے گی“ سلطان شاہ نے پرخیال انداز میں کہا۔

”اس کی ہوشیاری اور چالاکی ہی میرے کام میں آسانی پیدا کرے گی“ میں نے پورے اعتماد سے کہا ”برے دنوں میں حبیب جیوانی اپنے سارے معاملات سے اسے آگاہ کرتا رہا ہے۔ وہ مافیا اس کی تنظیم اور اس کے عہدے داروں کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہوگی۔ فلیٹ سے حبیب جیوانی کے روانہ ہونے کے بعد میں وہاں پہنچ کر جب اسے بتاؤں گا کہ پولیس کسی بھی لمحے اس کے فلیٹ پر چھاپا مارنے والی ہے تو وہ بوکھلا جائے گی اور میرے مشورے پر فوراً میرے ساتھ ہو لے گی۔ کی کلب پر ڈان کے گھیرے جانے کی خبر کے بعد وہ میرے لئے نرم چارا ثابت ہوگی۔“

”اسے اغوا کر کے تم کہاں لے جاؤ گے؟“ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے پوچھا ”میں غزالہ کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اسے دیکھ کر ویرا ضرور بھڑک جائے گی۔ مافیا اور حبیب جیوانی کے بارے میں وہ بالکل ہی بے خبر نہیں ہو سکتی۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ فلیٹ میں لائی جانے والی عورت مسز جیوانی ہے تو ویرا تمہاری طرف سے شبہات کا شکار ہو جائے گی۔ میں تمہیں اسے یہاں لانے کا مشورہ نہیں دوں گا۔“

”ویرا اور غزالہ کی موجودگی میں یہاں کسی تیسری عورت کی گنجائش نہیں ہے۔ میں اسے اس وقت تک اپنی تحویل میں رکھوں گا جب تک ڈان تھری یا سپرڈان کراچی سے واپس نہیں چلا جاتا۔ اتنی مختصری مدت کے لئے میں جہانگیر کا گھر بھی استعمال کر سکتا ہوں۔ اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

مجھے اپنی کارروائی کے دوران میں کسی مزاحمت کا خطرہ نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے احتیاطاً ایک بھرا ہوا پستول ساتھ لے لیا۔ بیم گن ویسے ہی میری تحویل میں تھی۔

ان دنوں میرے تصرف میں دو گاڑیاں تھیں۔ جہانگیر سے مستعار لی ہوئی کالی شیراڈ میں ویرا ’غزالہ کے ساتھ خریداری کے لئے گئی ہوئی تھی اس لئے میں نے بلڈنگ سے نیچے گلی میں کھڑی ہوئی وہ کار استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا جو مجھے ٹریڈلائن یا مافیا والوں کی طرف سے ملی ہوئی تھی۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چلا تھا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا اور کار شرف آباد کے چوراہے کی طرف موڑ لی۔

میں نے چوراہے سے بائیں طرف مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آواز نے مجھے چونکا دیا۔

”مڑنے کے بجائے سیدھے شہید ملت روڈ کی طرف نکل چلو“ وہ دھیمی مردانہ آواز عقبی نشست سے آئی تھی جسے سنتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

”کون ہو تم؟“ سرد لہجے میں وہ سوال کرتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر کار کی رفتار کم کر دی۔

”چلتے رہو‘ تم کو کسی ہاک سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے

میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ پھر تلخ لہجے میں بولا "مجھ تک رسائی کے لئے اس ڈرامائی انداز کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تم براہِ راست میرے سامنے نہیں آسکتے تھے؟"

"آسکتا تھا، لیکن تم نے موقع ہی نہیں دیا۔ میں تمہاری کار کی عقبی نشست پر لیٹا ہوا آرام کر رہا تھا کہ تم نے آتے ہی اچانک گاڑی چلادی" پچھلی نشست سے معصومانہ لہجے میں کہا گیا۔

میرا پارہ چڑھ گیا "میری کار کے چاروں دروازے لاک تھے پھر تم اندر کیسے گھسے؟"

"سستی گاڑیاں بنانے کے چکر میں جاپانی بہت بودے تالے استعمال کرنے لگے ہیں۔ میں باہر کھڑے کھڑے تھک گیا تو تمہاری کار کے تالے پر طبع آزمائی کی اور وہ پہلی ہی کوشش میں کھل گیا۔ اگر میں کہیں اور ستانے بیٹھ گیا ہوتا تو تم اس وقت مجھے نچا دے کر صاف نکل گئے ہوتے۔"

میں نے جھلا کر پوری قوت سے کار کے بریک لگادیئے "تمہاری ایسی کی تیسی۔ فوراً میری گاڑی سے اترو اور یہاں سے نودو گیارہ ہو جاؤ ورنہ میں مار مار کر تمہارا حلیہ نکال دوں گا۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو" وہ جلدی سے بولا تھا "میں تمہاری نگرانی نہیں کر رہا تھا بلکہ تم سے ملنے کے چکر میں تھا۔"

"بکواس مت کرو" میں غصے میں حلق کے بل غرّایا "تمہیں مجھ سے ملنا ہی ہوتا تو تم فون پر بھی مجھ سے رابطہ کرسکتے تھے۔ اس کے لئے تمہیں میری کار میں جھک مارنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" اس کی مغموم آواز ابھری "تمہارا فون نمبر میں نے ماچس کی ڈبیا پر لکھا تھا۔ تیلیاں ختم ہو گئیں تو میں نے بے دھیانی میں خالی ڈبیا پھینک کر نئی ماچس خریدلی۔ مجھے تمہارے فلیٹ پر جانے سے منع کیا گیا تھا کیونکہ وہاں تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی مقیم ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ ایسی صورتِ حال میں، میں اور کیا کرتا؟"

میں نے کیبن لائٹ آن کر کے قہربار نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک چاق و چوبند اور معصوم صورت نوجوان تھا لیکن اس کی معصومیت میں ایک عجیب سی پیشہ ورانہ کرختگی نمایاں تھی جو بھیڑیئے کے بچے کی آنکھوں میں پیدائش کے وقت سے ہی چمکنے لگتی ہے۔

"میرا فون نمبر تم نے ضائع کردیا، میری کار کے جاپانی تالے ناقص ہیں، میرے فلیٹ میں تخلیے کی گنجائش نہیں ہے.... یہ سارے بہانے تو تم نے بنالئے لیکن اب مجھے کہاں لے جانا چاہ رہے ہو؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے تلخ، استہزائیہ لہجے میں سوال کیا اور اس نے کسی فرماں بردار بچے کی طرح اپنا سر جھکالیا۔

"تم نے ابھی تک اپنا جوابی کوڈ نہیں دہرایا ہے" اس نے آہستگی سے مجھے یاد دلایا "میں کیسے سمجھ لوں کہ میں صحیح آدمی سے مخاطب ہوں۔ ہمارے یہاں غلطیوں پر معافی کا کوئی رواج نہیں ہے۔"

میرے دل کی گہرائیوں سے ایک ثقیل سی گالی ابھری جو زبان تک آکر اٹک گئی اور میں نے اسی تلخ لہجے میں کہا "بچوں جیسی حرکتیں کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے رویّے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم مجھے پہچان چکے ہو اس لئے میں کوڈ کا سوانگ رچانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ تم نے میرے ساتھ چال بازی کی کوشش کی تو یہ سن لو کہ میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے" اس نے سادگی کے ساتھ میرے آخری فقرے کی تائید کی۔ پھر وہ عقبی دروازہ کھول کر کار سے نیچے اترا اور نہایت اطمینان سے میرے برابر میں پسنجر سیٹ پر براجمان ہوگیا۔

"ہمیں ڈیفنس چلنا ہے" قدرے توقف کے بعد اس نے مجھے آگاہ کیا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے" میں نے بے بسی اور جھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

"وقت میرے پاس بھی نہیں ہے" اس کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا "تمہارا فون نمبر ضائع کر کے میں نے خاصا وقت گنوا دیا ہے۔ وہاں بہت شدت کے ساتھ تمہارا انتظار ہو رہا ہوگا۔"

"لیکن میں کسی اور سے ملنے جا رہا ہوں۔ وہ بھی میرا منتظر ہوگا" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر جھنجلاتے ہوئے لہجے میں کہا "میری اپنی بھی کچھ مصروفیات ہیں۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ تمہاری رگ رگ میں قوم پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے" اس نے آزردہ ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "اس لئے مجھے تم کو لے جانے میں کوئی دشواری نہیں آئے گی لیکن ان لوگوں کے اندازے غلط ثابت ہو رہے ہیں۔ تم تو بہت ضدی اور سخت گیر معلوم ہوتے ہو۔"

میں نے کیبن لائٹ آف کر کے گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھادی۔

میں نے چوراہے سے بائیں طرف مڑنے کے بجائے اس کا بتایا ہوا راستہ اختیار کیا تھا۔

"میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ قوم پرستی جیسے مقدس جذبے سے تم لوگوں کا کیا تعلق ہے" اپنے لئے سگریٹ سلگانے کے بعد میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ہم پسِ پردہ رہ کر قومی مفادات کی حفاظت کا مقدس فریضہ پورا کرتے ہیں۔"

...سو سزا نیلی جنس کے آدمی ہو؟" میں نے کاٹ دار ...ا۔

...پردہ سے مراد خفیہ ادارے ہی نہیں ہوتے۔ وہ لوگ ...یک کائنات ہیں۔ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" ...سانس لے کر بولا۔

...آخر تم کیا بلا ہو؟" میں نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔ ...وردیاں فوج سے ملتی جلتی ہیں۔ ڈسپلن کا بھی وہی ...ر تم پسِ پردہ کیسے ہوسکتے ہو؟"

...وریات کے تحت ہم ہر بہروپ اپنانے کے وسائل ...

...اس کے لہجے میں ہلکا سا غرور پیدا ہوگیا "بس یوں سمجھ ...سلامتی کے ان شعبوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں جن پر ...ے مقامی یا بین الاقوامی مجبوریوں کی وجہ سے نظر ...سکتے۔ بعض اوقات ہم کو اپنے فرائض کی انجام دہی ...ے تجاوز بھی کرنا پڑجاتا ہے۔"

...ا!" میں نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ...کے اردگرد بھی تم ہی لوگوں کا حفاظتی حصار پھیلا ہوا ...نے ادھر گھومنے والے کئی غیر ملکی سفارتکاروں کی ...کی ہے۔"

...لے سے ہنس دیا "میں تمہارے قیاسات پر کوئی پابندی ...ا لیکن اتنا تو تم بھی جانتے ہوگے کہ اس حساس ترین ...تے میں کسی کا بھٹک کر جا نکلنا ناممکنات میں سے ہے۔ ...لوگوں کی ہڈیاں پسلیاں توڑی جاتی ہیں، وہ مذموم عزائم ...راستوں اور متروک گزرگاہوں سے ممنوعہ علاقوں میں ...اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی گاڑیوں کی سفارتی نمبر پلیٹ کی ...گ انہیں نظرانداز کردیں گے۔"

اس کی باتیں میرے لئے یک بیک دلچسپ رخ اختیار کرنے لگی تھیں۔

"لیکن میں نے تو سنا تھا کہ ایسے لوگوں پر غنڈے حملہ کرتے ہیں" میں نے کہا۔

"اس علاقے کے باقاعدہ محافظ سفارتی مراعات کا لحاظ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو مجبوراً ان ہی سادہ پوش غنڈوں کو حرکت میں آنا پڑتا ہے جو قانون اور حکومت کی پابندیوں کی پروا نہیں کرتے۔ تم نے یہ بھی ضرور سنا ہوگا کہ پولیس ہفتوں ایسے غنڈوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہے جو معزز مہمانوں کی... بیحرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔"

"لیکن آج تک ایسے کسی سرکش کی گرفتاری کی کوئی خبر میری نظر سے نہیں گزری۔"

"کیسے گزرتی؟" وہ عارفانہ انداز میں ہنسا "ان کی سرپرستی کرنے والوں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

پچھلی بار میرا جس ہاک سے واسطہ پڑا تھا، وہ بہت خشک مزاج اور کم گو تھا۔ اپنی پوری کوشش کے باوجود میں اس کی زبان سے کوئی غیر ضروری بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا لیکن یہ شخص محتاط ہونے کے باوجود گفتگو کی حد تک بخیل نہیں تھا۔ وہ اشاروں کنایوں میں کئی ایسی کام کی باتیں بتا گیا تھا جن کے سہارے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ میرا واسطہ کن لوگوں سے پڑا ہوا تھا اور ان کا طریقۂ کار کیا تھا۔

اگر وہ روایتی انداز میں قانون کی لکیروں کو پیٹنے والے سرکاری اہل کار ہوتے تو میرے ماضی سے واقف ہوتے ہی مجھے ہتھکڑیاں لگا کر کسی زنداں میں جھونک دیتے اور میری فراہم کی

ہوئی معلومات سے کوئی سنسنی خیز فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنی پوری قوت اور صلاحیتیں اس امر میں صرف کردیتے کہ مجھے عدالت سے کڑی سے کڑی سزا دلوا سکیں۔

لیکن ان لوگوں کی سوچ ہی مختلف تھی۔ وہ انفرادی آزادیوں کے تحفظ کے بجائے قومی تحفظ کے لئے کام کرتے تھے اس لئے قانون اور جرم کے بارے میں ان کا فلسفہ ہی مختلف تھا اسی وجہ سے انہوں نے میرے ماضی سے واقف ہونے کے باوجود اسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ مجھے ایک ایسے شخص کی حیثیت سے تکریم دی تھی جو ملا سرکار جیسے سفاک اور سازشی غیر ملکی ایجنٹ کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔

ملا سرکار کی سرگرمیوں کے بارے میں میرے انکشافات نے میرا داغ دار ماضی ان کی نگاہوں سے اوجھل کردیا تھا اور یوں میں اپنے ملک میں پہلی بار عزت نفس کے لطیف احساس سے روشناس ہوسکا تھا۔

یک بیک میرے دل میں اس ہاک کے لئے عزت و محبت کے جذبات اُمڈ آئے۔ وہ میرے وجود میں رونما ہونے والی تبدیلی سے بے خبر کھڑکی سے باہر کچھ دیکھنے میں مصروف تھا۔

"تمہاری ہٹ دھرمی کے باوجود میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر کار ڈرائیو کررہا ہوں" میں نے کھنکار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ آخر کار ایسا ہی ہوگا" وہ بے پروائی سے بولا "برے لوگوں کے آخری رد عمل کے بارے میں اندازہ لگانا بہت آسان ہوتا ہے۔ وہ طاقت یا برتری کے گھمنڈ میں اپنے عزائم کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے اور کھلا ہوا کھیل کھیلتے ہیں لیکن نام نہاد شرفا کے ارادوں کے بارے میں کچھ قیاس کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ مکروفریب سے کام لے کر اپنے دل کی بات آخر تک ظاہر نہیں ہونے دیتے اور جب بلی تھیلے سے باہر آتی ہے تو عموماً ہمارے پیشگی ارادے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ہمیں بھی بہت محتاط رہنا ہوتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے برے آدمیوں میں شمار کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے اپنی عزت افزائی سمجھوں یا تذلیل سمجھ کر تم سے لپٹ پڑوں۔"

"تم سڑک پر دھیان دو" وہ بوکھلا کر جلدی سے بولا "برے آدمی سے میرا وہ مطلب نہیں تھا جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"کیا مطلب تھا تمہارا؟" میں نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

"جس طرح لاکھوں انسانوں میں کوئی ایک آدھ ولی ہوا کرتا ہے اسی طرح میری نظروں میں ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی اچھا ہوتا ہے۔ باقی سب برے ہوتے ہیں یا پھر وہ منافق ہوتے ہیں جو اپنے اندر کی برائیوں پر اچھائی کا ایک ظاہری خول منڈھ لیتے ہیں

اور دن دہاڑے دوسروں کو دھوکا دیتے پھرتے ہیں۔ انہ
نام نہاد شرفا کہتا ہوں۔"

"اپنا فلسفہ پورے معاشرے پر منڈھ کر تم خود کو ا
سے برتر ثابت کررہے ہو۔"

"یہ میرا فلسفہ نہیں، حقیقت ہے۔ اپنے اردگرد
دیکھ لو۔ تاجر ہوس کار اور ذخیرہ اندوز، صنعتکار خود غرض
سخت گیر، ملازم حرام خور، نگہبان کاہل اور حکمران عیش
آئیں گے لیکن زبان سے ہر ایک اپنی فرض شناسی کے
ہوا نظر آئے گا۔ ایسی افراتفری اور نفسا نفسی میں اگر
سے اپنی برائیوں کا اعتراف کرلے تو میری نگاہ میں ا
افزائی کا مستحق ہوگا، تذلیل کا نہیں۔"

اس نے اپنی باتوں سے ایک بار پھر مجھے بہکا دیا تھا
میں نے فوراً ہی اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے ا
پوچھا "اس راستے سے تم مجھے کہاں لے جارہے ہو؟"

"ڈیفنس!" اس کے ایک لفظی معصومانہ جواب
خون۔ لگا کر رکھ دیا۔

"ڈیفنس تمہارے ابا جان کی بیٹھک نہیں، ایک
آبادی ہے۔ تم مجھے وہاں کس مقام پر لے جانا چاہ رہے ہو
نے چیخ کر سوال کیا تھا۔

"ہماری اصطلاح میں اسے آج کل پوائنٹ فور کہا
اس نے کہا اور مجھے یاد آیا کہ پچھلی ملاقات میں میری ز
ویرا کے مکان کے بارے میں جاننے کے بعد کرنل نا
اپنے فربہ اندام ماتحت کو یونٹ فور تای نفری ادھر روانہ
ہدایت کی تھی۔ شاید اسی مسلح دستے کے حوالے سے ا
پوائنٹ فور قرار دے دیا گیا تھا۔

"یہ وہی مکان تو نہیں جہاں کئی دن پرانی ایک لاش
ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہی مکان ہے، مگر تم کو اس کے بارے میں کیسے
میرے سوال پر وہ حیران رہ گیا تھا۔

"اس شہر میں رہتا ہوں تو یہاں کی بری بھلی خبرو
آگاہ رہنا پڑتا ہے لیکن پوائنٹ فور پر یک بیک میری کیا
پیش آگئی؟ وہ مورچا تو تم ہی لوگوں کو سنبھالنا تھا۔"

"وہاں داڑھی والا ایک شخص پکڑا گیا ہے" اس
میرے اعصاب پر کسی دھماکا خیز بم کی طرح اثر انداز
"شاید اس کی شناخت کے لئے تمہیں بلایا گیا ہے۔"

"وہ ملا سرکار تو نہیں ہے؟" میں نے اضطراری ا
لہجے میں سوال کیا۔

"یہ سب معلوم نہیں۔ ہم لوگ باہر جھاڑیوں
ہوئے تھے اور ہمیں اس مکان پر آنے والے کسی بار
انتظار تھا۔ وہ جونہی مقفل پھاٹک پر آکر رکا، ہم سب ا

ے اپنے ہاتھوں پر سر سے بلند کر کے احاطے کی دیوار
اچھال دیا۔ اس کے بعد یونٹ فور والوں نے اسے
ہوگا۔ ہم لوگ باہر ہی ٹھہرے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد
ے بارے میں ہدایت ملی اور میں ادھر آگیا۔"

ے لئے وہ اس دن کی سب سے بڑی اور سنسنی خیز خبر تھی۔
رکار واقعی پکڑا گیا تھا تو وہ میری اور میرے اندازوں کی
بت تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر کار کی رفتار تیز کر

نے ملا سرکار کے پکڑے جانے کے واقعے کی جو منظر
ی اس پر میرا دل باغ باغ ہوگیا تھا۔ ان لوگوں نے ویرا
کے باہر سے دبوچ کر اسے جتنی آسانی کے ساتھ اندر،
ں پھینکا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ملا سرکار بالکل بے
عالم میں مارا گیا تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی شبہ نہیں رہا
ں کو پکڑنے کے لئے وہاں پہلے سے کوئی جال پھیلایا جا

سرکار بہت زیادہ فعال اور سرگرم ہونے کے باوجود اپنوں
ں کے لئے ہمیشہ سے پراسرار بنا ہوا تھا۔ غیر ملکی سیکرٹ
ر اپنے مشن کا سربراہ ہونے کے باوجود اس نے اپنی
و نہایت کامیابی سے صیغہ راز میں رکھا ہوا تھا اسی وجہ
کے بڑوں کو اس کی شناخت کے لئے میری ضرورت پیش

ویرا کے متروک مکان پر پہنچا تو ملا سرکار کی گرفتاری کے
آہنی پھاٹک کھول دیا گیا تھا۔ وہاں دو چاق و چوبند سادہ
ظ پہرے پر مامور تھے۔ اندر پورچ میں سیاہ رنگ کی ایک
علاوہ نئے ماڈل کی دو برق رفتار گاڑیاں بھی موجود تھیں
ں طور پر وہاں خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔
ں کی وجہ سے مجھے اندر تک بلا تعرض داخلے کی اجازت
ئی۔ ڈرائنگ روم خالی تھا لیکن اس سے آگے اندرونی
ں میں سادہ پوش لوگوں کی خاصی بھیڑ تھی۔ مجھے دیکھتے ہی
ں میں سے دو شناسا چہرے پرتپاک انداز میں میری طرف
۔ ان میں سے ایک کرنل اور دوسرا میجر کی وردی میں ملبوس
چکا تھا۔
تمہارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ ہم نے اس مردود
یا ہے" کرنل نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے پرجوش لہجے
لیکن وہ ہماری توقع سے زیادہ ڈھیٹ اور مکار ثابت ہوا
نہ اصلیت کا اقرار کرتا ہے اور نہ اپنی ناپاک سرگرمیوں کا
کرنے پر آمادہ ہے۔"
وہاں موجود افراد کو شاید میری متوقع آمد اور افادیت کا علم
لئے میرے وہاں پہنچتے ہی راہداری کے وسط سے بھیڑ چھٹنے
رنل نے دیکھا کہ چھت میں پنکھے کے آہنی ہک سے رسی

کے سہارے ایک ننگ دھڑنگ شخص الٹا لٹکا ہوا تھا۔ سر سے پیر تک اس کے بدن پر انڈرویئر کے سوا کوئی لباس نہیں تھا۔

ان لوگوں نے اس کے دونوں پاؤں نائیلون کی رسی سے باندھ کر اسے الٹا لٹکایا ہوا تھا۔ اس کے جسم میں ذرا سی جنبش نہیں تھی اور دونوں ہاتھ بے جان انداز میں نیچے لٹک کر فرش کو چھو رہے تھے۔

اس شخص کی پشت میری جانب تھی۔ میں لپک کر سامنے گیا تو اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میرے مُنہ سے بے اختیار ایک تاسف آمیز آواز آزاد ہوگئی۔ اس شخص کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ تشدد کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ اور سفید داڑھی ضرور موجود تھی لیکن وہ ملا سرکار ہرگز نہیں تھا۔

"یہ ہمارا مطلوبہ آدمی نہیں ہے" میں نے فیصلہ کن لہجے میں اعلان کیا تو وہاں ہلچل سی مچ گئی۔ سب بوکھلائے ہوئے انداز میں یوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے جیسے یک بیک ان کے سروں پر سینگ نکل آئے ہوں۔

"لل..... لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" کرنل خجالت آمیز انداز میں ہکلایا "اس کی داڑھی بھی ہے اور یہ مشتبہ انداز میں اس مکان کے پھاٹک پر آیا تھا" اپنی غلطی پر وہ بہت زیادہ شرمسار بھی تھا۔

"یہ کوئی اور بدنصیب ہے۔ پہلے اسے اتارنے کا بندوبست کیا جائے" میں نے کہا "میں نے ملا سرکار کو ایک سے زائد مواقع پر بہت قریب سے دیکھا ہے، یہ وہ نہیں ہے۔"

کرنل کے اشارے پر کئی افراد بے ہوش قیدی کو فضا سے زمین پر اتارنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے اور کرنل نرمی کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے ڈرائنگ روم کی طرف لیتا چلا گیا۔

"یہ تو بہت برا ہوا کہ ہم غلطی سے کسی بے گناہ پر ہاتھ ڈال بیٹھے۔ میرے آدمیوں نے بازپرس کے سلسلے میں اس پر اچھا خاصا تشدد بھی کیا ہے۔"

"باہر سے اچھال کر اندر پھینکنے میں اس کی ایک آدھ ہڈی بھی ضرور ٹوٹ گئی ہوگی۔"

"یہ بہت برا ہوا" کرنل ڈرائنگ روم میں اضطراری انداز میں ٹہلتا ہوا بڑبڑایا "لیکن یہ یہاں آیا ہی کیوں تھا؟ ہمارے پاس ملا سرکار کو پکڑنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی اور حوالہ موجود نہیں تھا کہ وہ بارلیش ہے اور کسی بھی وقت اس مکان میں گھسنے کی کوشش کرسکتا ہے۔"

"قیدی نے کچھ نہ کچھ تو بتایا ہی ہوگا" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"وہ بتانا چاہ رہا تھا۔ اس نے کسی معذور شخص کی کہانی چھیڑی تھی لیکن اسے مکوں اور لاتوں پر رکھ لیا گیا۔ ہم سمجھ رہے

تھے کہ ملا سرکار اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بول رہا ہے لیکن تم بتا رہے ہو کہ یہ سرے سے ملا سرکار ہی نہیں ہے۔ اگر یہ اس کا ساتھی نہیں ہے تو ہم نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ میں نے اس پر تھرڈ ڈگری آزمانے سے پہلے تم کو یہاں بلانے کا فیصلہ کرلیا ورنہ یہ تو اب تک لبِ گور پہنچ چکا ہوتا۔ میرے آدمی دشمن کے بدن کا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالنے میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔"

کرنل شکست خوردہ انداز میں ایک صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔ ناکامی کے احساس نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔

غلط آدمی کے پکڑے جانے کی خبر آناً فاناً میں ہر طرف پھیل گئی اور اسی کے ساتھ ساری چہل پہل ایک المناک خاموشی میں تبدیل ہوگئی۔ آپریشن کی کامیابی کے نشے میں سرشار جوانوں کے لئے وہ خبرِ بد کسی جانکاہ صدمے سے کم نہیں تھی۔ ان میں سے ہر ایک کی حالت اس شخص جیسی تھی جسے پہاڑ کی چوٹی سر کرنے سے لمحہ بھر پہلے ٹانگ پکڑ کر گہری کھائی میں گھسیٹ لیا گیا ہو اور اس کے رستوں کو آگ لگا دی گئی ہو۔

دوسری طرف میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ اس واقعے کا تجزیہ کرنے میں مصروف تھا۔ میں اس باریش شخص کی وہاں آمد کو ایک اتفاق سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر ملا سرکار کی کوئی گھناؤنی سازش تھی جس پر بے ہوش قیدی ہی ہوش میں آنے کے بعد کچھ روشنی ڈال سکتا تھا۔

میں ڈرائنگ روم میں کرنل کے ساتھ بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔ میں فلیٹ سے سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنا کر نکلا تھا لیکن باہر آتے ہی اس ناگہانی قضیے میں الجھ گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ سلطان شاہ فلیٹ میں نہایت بے چینی کے ساتھ میری کال کا انتظار کر رہا ہوگا جب کہ میں اس معاملے کو ادھورا چھوڑ کر وہاں سے نہیں نکل سکتا تھا اس لئے میں نے وہیں سے فلیٹ فون کرکے سلطان شاہ کو بتایا کہ میں کسی اور کام میں الجھ گیا تھا جس کی وجہ سے میرے پروگرام میں کچھ غیر ضروری تاخیر ہوسکتی تھی۔ سلطان شاہ نے میرے محتاط لب ولہجے سے میری مجبوری کا اندازہ لگالیا اور گفتگو کو طول دینے کی کوئی کوشش نہیں کی اور میں نے چند فقروں کے تبادلے کے بعد سلسلہ منقطع کردیا۔

کچھ دیر بعد قیدی کے ہوش میں آنے کی اطلاع ملی تو میں کرنل کے ساتھ ویرا کی سابقہ خوابگاہ میں پہنچ گیا جہاں قیدی کو بستر پر ڈال کر اس کا بدن چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ وہ شخص تشدد کے جن مراحل سے گزر چکا تھا، ان کے بعد وہ ساری مہربانیاں اسے ایک سراب کے مانند محسوس ہو رہی تھیں۔ خوف سے اس کا منسوب چہرہ سیاہ پڑا ہوا تھا اور آنکھوں سے دہشت جھانک رہی تھی۔ وہ آرام اور خبرگیری کے اس وقفے کو تشدد کے کسی بدترین مرحلے کے آغاز کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا۔

"اب تم کیا محسوس کر رہے ہو؟" کرنل نے اس کے سرہانے پہنچ کر شفقت آمیز لہجے میں سوال کیا۔

اس نے سر گھما کر خوف، حیرت اور بے اعتباری کے ساتھ کرنل کی طرف دیکھا پھر پھنسی پھنسی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا "میں... ٹھیک ہوں۔ خدا کے لئے مجھے جانے دو... میں ملا سرکار نہیں ہوں اور نہ اس نام کے کسی آدمی سے واقف ہوں۔ تم نے میرا جوڑ جوڑ ہلا دیا ہے۔ شاید میں اپنی ٹانگوں پر کھڑا بھی نہ ہوسکوں... تمہارے آدمیوں نے مجھے پھاٹک پر سے اندر اچھال کر شاید میری ایک پنڈلی بھی توڑ دی ہے..."

وہ رو دینے والی آواز میں رک رک کر فریاد کرتا رہا اور کرنل دور کھڑا، ترحم آمیز نظروں سے اپنے اس بدنصیب قیدی کی خستہ حالی کا جائزہ لیتا رہا۔

اس کی فریاد میں قدرے طویل وقفہ آتے ہی کرنل نے بولنا شروع کردیا "تم دیکھ چکے ہو کہ ہم لوگ اپنے معاملات میں کسی رُو رعایت کے قائل نہیں ہیں۔ ہم صرف سچ جاننا چاہتے ہیں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، رکے بغیر ایک ہی بار بتاتے چلے جاؤ۔ اگر تم ہمیں اپنی سچائی اور بے گناہی کا یقین دلانے میں کامیاب ہوگئے تو ہم تمہارے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم جس قدر سنگ دل ہیں اس سے کہیں زیادہ مہربان بھی ہیں۔"

کرنل کی وہ تقریر یک طرفہ اور نرمی کا مظہر تھی جب کہ قیدی کی زبان سے سچ اگلوانے کے لئے اس کے سر پر دہشت کی تلوار لٹکائے رکھنا ضروری تھا اس لئے کرنل کے خاموش ہوتے ہی میں بول پڑا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارے بیان میں جھوٹ کا ایک لفظ بھی شامل ہوا تو ہم تمہاری ہڈیوں کے سارے جوڑ توڑ کر تمہیں کیچوے سے بھی بدتر بنا دیں گے۔"

میرے الفاظ پر قیدی کے تنفس کی رفتار یک بیک تیز ہوگئی اور چادر کے نیچے اس کا سینہ بہت تیزی کے ساتھ پھولنا اور پچکنا شروع ہوگیا۔

"اپنے نام اور پتے سے شروع ہو جاؤ!" کرنل نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

اس کے اشارے پر ایک سادہ پوش نے اپنی جیب میں موجود ڈکٹا فون کا سوئچ آن کر دیا تھا تاکہ قیدی کا بیان مقناطیسی فیتے پر لفظ بہ لفظ ریکارڈ ہوتا رہے۔

"میرا نام مجید ملک ہے" قیدی نے دہشت زدہ لہجے میں شروع کردیا "میں یہاں سے تیسری گلی میں رہتا ہوں اور روزانہ ہوا خوری اور ورزش کے لئے اپنے گھر سے پیدل اپنی داماد کے گھر تک جاتا اور واپس لوٹ آتا ہوں۔ میری بیٹی کا گھر یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے۔ میں آج شام کو بھی اپنے معمول کے مطابق واپس آرہا تھا تو راستے میں مجھے ایک سیاہ مرسڈیز

نظر آئی۔ مجھ سے آگے بھی دو آدمی اس کار کے قریب سے گزرے تھے لیکن جب میں وہاں پہنچا تو کار میں بیٹھے ہوئے آدمی نے آواز دے کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور لنگڑاتا ہوا کار سے اترا۔ اس نے خوشامدانہ لہجے میں مجھے بتایا کہ وہ معذور ہے اور کار میں اچانک خرابی ہوجانے کی وجہ سے کافی دیر سے وہاں پھنسا ہوا ہے۔ اس کا ڈرائیور انجن کی خرابی دور کرنے کے لئے اوزار لانے کی نیت سے گھر گیا تھا لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔

"میں نے گاڑی ڈرائیو کر کے اسے گھر تک پہنچانے کی پیشکش کی تو اس نے مایوسانہ لہجے میں مجھے بتایا کہ کار کی چابی بھی ڈرائیور اپنے ساتھ لے گیا اور اگر میں اس کے گھر پر رک کر ڈرائیور کو جلد واپسی کی یاددہانی کراسکوں تو وہ میرا ممنون ہوگا۔ میرے نزدیک وہ بہت معمولی سا کام تھا، اس لئے میں آمادہ ہوگیا۔ اس معذور بوڑھے نے مجھے اس مکان کا پتا بتایا جہاں مجھے پکڑا گیا تھا۔ اس مکان کے پھاٹک پر پہنچتے ہی مجھ پر جو قیامت ٹوٹی اس نے مجھے بدحواس کردیا۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں ایک شریف اور امن پسند شہری ہوں۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ اس بوڑھے کی مدد کرکے مجھ سے کون سا قصور سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں میرا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اپنی پوری زندگی میں میں نے کبھی اتنی ذلت نہیں اٹھائی تھی جو آج میرا مقدر بن گئی۔"

آخری فقروں پر اس کی رندھی ہوئی آواز اس کے حلق میں پھنسنے لگی اور وہ چند خاموش سسکیاں لے کر پُرامید نظروں سے میری اور کرنل کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے دوسروں کے بجائے صرف تم ہی کو کیوں روکا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"اس وقت میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا لیکن اب خیال آتا ہے کہ مجھ سے آگے جانے والے چونکے بغیر اس کار کے قریب سے گزر گئے تھے جس کا مطلب تھا کہ کار والے نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس نے دوسروں کو چھوڑ کر مجھ ہی کو کیوں منتخب کیا تھا؟"

اس کے لئے وہ راز ناقابلِ فہم تھا لیکن میرے لئے وہ سامنے کی بات تھی۔ دوسرے افراد کلین شیو رہے ہوں گے جب کہ ملا سرکار خود ویرا کے مکان پر طبع آزمائی کرنے سے پہلے کسی غیر متعلقہ مگر باریش شخص کو وہاں بھیج کر اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ کیا صورتِ حال پیش آسکتی تھی۔

وہ مردود اچھی طرح واقف تھا کہ اس کی واحد اور نمایاں ترین شناخت جو میری نظروں میں آچکی تھی، وہ اس کی داڑھی ہی تھی اور میرے آدمی کسی بھی داڑھی والے کے بارے میں ملا سرکار ہونے کے شبے میں مبتلا ہوسکتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ بدنصیب مجید ملک کو اپنی سازش کا چارا بنا کر اس نے دور سے اس پر نگاہ رکھی ہوگی اور اس پر حملہ ہوتے ہی ویرا کے مکان کا رخ کرنے کا ارادہ ترک کرکے، وہ وہاں سے فرار ہوگیا ہوگا۔

ملا سرکار اور اس کے طریقۂ واردات کے بارے میں کرنل نما شخص اور اس کے عملے کی معلومات بہت محدود اور ناقص تھیں اس لئے ان سب نے مجید ملک سے باز پرس کا کام رضاکارانہ طور پر میرے لئے چھوڑ دیا تھا۔

"اگر تم نے اسی وقت اس نکتے پر غور کرلیا ہوتا تو ان دشواریوں سے بچ سکتے تھے۔"

"بس اسے مقدر کی خرابی ہی کہو۔ جب گردش آتی ہے تو انسان لاکھ کوششوں کے باوجود اسے نہیں ٹال سکتا۔ وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ ایک معزز شخص کو بے بس اور پریشان دیکھ کر تم بھی شاید وہی کچھ کرتے جو میں نے کیا تھا۔ اگر وہ کوئی خطرناک آدمی تھا تو تم یقین کرو کہ وہ بہت بڑا اداکار بھی ہے۔" مجید ملک بولا۔

"لباس تو تم نے بتا دیا، اس کی وضع قطع کیا تھی؟" میں نے سوال کیا۔

مجید ملک نے اپنی یادداشت کے سہارے اس کا سراپا بیان کرنا شروع کیا جو حرف بحرف ملا سرکار سے مطابقت رکھتا تھا لیکن اس کے پورے بیان میں داڑھی کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

"اس کی داڑھی کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

"وہ کلین شیو تھا" مجید ملک نے کہا پھر اچانک ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ سرسراتی ہوئی، تحیر زدہ آواز میں بولا "اوہ خدا! اب میں سمجھا کہ اس نے مجھے کیوں روکا تھا۔ اس نے یقیناً اپنی داڑھی تازہ تازہ صاف کی تھی۔ گھنے بالوں کے نیچے سے برآمد ہونے والی جلد نرم اور قدرے گوری تھی۔ اس کے چہرے پر واضح طور پر دو رنگ تھے۔ رخساروں کا اوپری حصہ اور پیشانی وغیرہ قدرے سیاہ تھی لیکن داڑھی والا حصہ صاف اور نرم تھا۔ اس وقت بھی مجھے وہ بات غیر معمولی نظر آئی تھی اسی لئے میرے ذہن سے چپکی رہ گئی لیکن میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ وہ اپنی داڑھی مونڈ کر وہاں کسی اور داڑھی والے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تو تمہیں یقین کرلینا چاہئے کہ میں بے گناہ ہوں اور صرف داڑھی کی وجہ سے مارا گیا ہوں، تمہارا مطلوبہ آدمی وہی مرسڈیز والا تھا جو اب کلین شیو ہوچکا ہے۔ دو چار روز میں اس کی جلد کا فرق بھی ختم ہوجائے گا اور کوئی اسے نہیں پہچان سکے گا۔"

مجید ملک واقعی بہت ذہین آدمی تھا۔ وہ صرف میرے سوالات سے ہی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔

مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ مجید ملک نے اپنے انکشاف سے

میرا کام بڑھادیا تھا۔ ملا سرکار کے کوٹ مندو والے بہروپ کا سحر ٹوٹ چکا تھا اور پھر اس کے چہرے پر گھنی داڑھی' خدو خال پر اس قدر حاوی تھی کہ اسے صاف کردینے کے بعد وہ بڑی حد تک فوری شناخت کے خطرے سے محفوظ ہوگیا تھا۔ اس سے سامنا ہونے پر شاید میں خود بھی پہلی نظر میں اسے پہچاننے سے قاصر ہی رہتا۔

"کہہ دو کہ میں بے گناہ ہوں" مجھے کرنل کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف دیکھ کر مجید ملک کراہا "تم سب سادے کپڑوں میں ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ تم سب سرکاری آدمی ہو اور میں بے خبری میں کسی بڑی سازش کا شکار ہوگیا ہوں۔"

"تمہیں بہت چالاکی کے ساتھ گھیرا گیا ہے" کرنل نے سنجیدہ لہجے میں کہا "لیکن یہ معاملہ اس قدر سنگین ہے کہ ہم فوری طور پر تمہاری کہانی کی صداقت پر یقین نہیں کرسکتے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ آنے والے واقعات کس حد تک تمہارا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اس وقت تک میں بے موت مرجاؤں گا۔ میرے بچے پاگل ہوجائیں گے" وہ مایوسی کے عالم میں تقریباً چیخ پڑا "اس وقت مجھے آزاد کردو۔ میرا کوئی بھی جرم سامنے آجائے تو بے دریغ گولی ماردینا مگر مجھ سے میری ننھی سی گھریلو دنیا کی خوشیاں نہ چھینو! میں ایک رات بھی گھر سے باہر رہ کر اس ٹوٹی پھوٹی حالت میں واپس گیا تو زندگی بھر بہو بیٹوں سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرسکوں گا۔ تم بال بچوں والے ہو تو میری اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔"

"اس وقت بھی تمہاری حالت ابتر ہے۔ ہم نے تمہیں آزاد کردیا تو گھر جاکر تم کون سی کہانی سناؤ گے؟" کرنل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"میں کچھ بھی کہہ لوں گا۔ کراچی کے ڈرائیور بہت ظالم ہیں' کوئی تیز رفتار کار بھی مجھے روند کر فرار ہوسکتی ہے۔ تم یقین کرو کہ میں تم لوگوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ میں کر ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے بعد میرے لئے اپنی عزت نفس کی لاش کو کندھا دینا مشکل ہوجائے گا۔ کوئی شریف باپ اپنے بچوں سے اعتراف نہیں کرسکتا کہ وہ پولیس والوں سے پٹ کر گھر آیا ہے۔"

"ہم پولیس والے نہیں ہیں" کرنل نے سختی سے اس کے اندازے کی تردید کی۔

"سی آئی اے والے ہوگے' ایف آئی اے والے بھی ہوسکتے ہو۔ لاتعداد سرکاری ایجنسیاں ہیں۔ قانون کے محافظوں کی گرفت میں آنا کسی بھی شریف آدمی کے لئے باعث عزت نہیں ہوتا۔"

"ہم تمہیں چھوڑدیں گے" آخر کار کرنل نے اپنے ڈرامائی فیصلے کا اعلان کر ہی ڈالا "لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہم اپنا اطمینان ہونے تک تم پر مسلسل نگاہ رکھیں گے۔ خفیہ نگاہیں تمہارا پیچھا کریں گی اور تم نے اگر اپنی یقین دہانیوں سے انحراف کیا تو دوسری مرتبہ تمہارا انجام اس سے بھی بدتر ہوسکتا ہے۔"

مجید ملک اچانک رو پڑا "مجھے منظور ہے' مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔ بس مجھے اپنے گھر' اپنے بال بچوں میں واپس جانے دو۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اسی لمحے اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ اس وقت ہم ویرا کی خوابگاہ میں تھے جہاں اسپیکر فون موجود تھا لیکن کرنل نے اس کا اسپیکر آن کئے بغیر' اضطراری طور پر ریسیور اٹھا کر اپنے کان سے لگالیا۔

"بے ہودہ آدمی... تو کون ہے اور کس سے بات کرنا چاہتا ہے؟" ریسیور پر دوسری طرف کی بات سنتے ہی کرنل یک بیک غصے میں آپے سے باہر ہوگیا۔

کرنل کے تیور دیکھتے ہی مجید ملک سہم کر خاموش ہوگیا جیسے رونا بھول گیا ہو۔

جب سے ویرا اس مکان سے گئی تھی' وہ خالی پڑا ہوا تھا۔ ویرا کی موجودگی میں بھی وہاں بہت زیادہ فون نہیں آتے تھے اس لئے کرنل کے رد عمل پر میرا دھیان فوراً ملا سرکار کی طرف گیا تھا میں نے کرنل کو اشارہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر اپریٹس پر رکھا اور اسی کے ساتھ اسپیکر فون کا بٹن آن کردیا۔ فوراً ہی اسپیکر سے شیطانی قہقہے کی آواز ابلنے لگی۔

"اگر تم پاگل ہوگئے ہو تو میں فون بند کررہا ہوں" میں نے ملا سرکار کے قہقہے کی آواز پہچانتے ہوئے' بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

اسپیکر پر قہقہے کی آواز تھمنے کے بعد چند شرمناک گالیاں گونجیں پھر ملا سرکار کی آواز ابھری "تم سب حرامی اور سرکاری بھڑوے معلوم ہوتے ہو لیکن یہ لکھ کر رکھ لو کہ اس بار تم گٹے ٹیک کر بھی میری راہ نہیں روک سکو گے۔ تم سمجھ رہے تھے مجھے آسانی کے ساتھ چوہے دان میں گھیر لوگے لیکن تم نے دیکھ کہ تم میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔"

"ابھی تک تو میں خود ہی تم سے نمٹ رہا ہوں۔ جس د سرکاری کارندے تمہاری راہ پر لگ گئے تو تمہیں روئے زمین کہیں بھی امان نہیں مل سکے گی..."

"میں تمہیں کچا چبا جاؤں گا" میری بات کاٹتے ہوئے ا کی غراہٹ ابھری "مجھے پتا چل چکا ہے کہ موہن داس کو جانے والے تم ہی تھے اور تم نے اسے زندہ نہیں چھوڑا ہوگا۔ "تم ہاتھ لگ گئے تو یہی سلوک تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔ بتاؤ کہ اس وقت تم نے فون کیوں کیا ہے؟"

"یہ بتانے کے لئے کہ ملا سرکار سے ٹکرانا بچوں کا کھ نہیں ہے۔" اس کی پر غرور آواز ابھری۔

"ملا سرکار تو کوٹ مندو کے حجرے میں دفن ہوگیا۔ اب بلیک کیٹ ٹی کی بات کرو" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "تم لکھ کر رکھو کہ اب یہی علاقہ تمہاری سیکرٹ سروس کے سازشیوں کا مدفن بنے گا۔"

"وقت آنے پر سب کچھ ظاہر ہوجائے گا۔ کوٹ مندو میں تم کامیاب ضرور ہوگئے ہو لیکن اس سے میرے پلان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تقدس کا بہروپ ختم ہونے کے بعد میں آزادی کے ساتھ اپنے ہمدردوں کی سربراہی کرسکوں گا۔"

"ہمدردوں کے بجائے قاتلوں' ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟"

"میں انہیں اپنے ساتھ نہیں لایا ہوں" اس کی زہر میں بجھی ہوئی آواز ابھری "وہ سب تمہارے اپنے لوگ ہیں۔ تم انہیں جس نام سے چاہو یاد کرسکتے ہو۔"

"کرنل مہیش تو ہم میں سے نہیں تھا" میں نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑا۔

"اس وقت وہ کیسے یاد آگیا تم کو؟" اس کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ اس وقت میری زبان سے کرنل مہیش پال کا ذکر سن کر وہ بری طرح چونکا تھا۔

"ہم دوستوں کے ساتھ اپنے دشمنوں کو بھی یاد رکھتے ہیں" میں نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا "اور انہیں اس انجام سے ضرور دوچار کرتے ہیں جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔"

"تت... تو کیا کرنل مہیش تمہارے قبضے میں ہے؟" وہ اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

"ہوا کرتا تھا۔ اب تو وہ ماضی کی کہانی بن چکا ہے۔ مچھلیاں وغیرہ اب تک اس کا ریشہ ریشہ کھاچکی ہوں گی۔ وہ نرگ میں بڑی بے چینی کے ساتھ تمہارا انتظار کررہا ہوگا۔"

"اوہ! تو میرے خدشات درست ہی تھے" میں اس کے اعتماد پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوگیا تھا "ایک سفارتی افسر کے ساتھ وہ سلوک کرکے تم نے اپنی درندگی کا ثبوت دیا ہے"

"تمہارے بلیک کیٹ یہاں کون سی انسانی قدروں کو پروان چڑھانے کا کام کررہے ہیں؟"

"ڈیئی! تم میرے قہر سے نہیں بچ سکو گے۔ ابھی تک تم اندازہ نہیں کرسکے ہو کہ تم نے بے خبری میں کس شیر کے جبڑوں میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ تمہاری موت میرے ہی ہاتھوں سے آئے گی۔"

"فکر نہ کرو۔ شیر کے جبڑوں سے گزر کر میرا ہاتھ اس کی دم کی طرف سے باہر آجائے گا۔ دوسروں میں موت تقسیم کرنے سے پہلے یہاں سے موہن داس کی سڑتی ہوئی لاش اٹھوا کر اس کا کریا کرم کرانے کی فکر کرو۔ اب اس میں کیڑے پڑنا شروع ہوگئے ہیں۔ اسے دیکھوگے تو تمہیں اپنا انجام بھی یاد آجائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم اسپیشل سروسز گروپ کے لئے کام کررہے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ ہمارے خلاف اب کمانڈو میدان میں اتار دیئے گئے ہیں" قدرے توقف کے بعد اس کی پرخیال آواز ابھری اور میں سمجھ گیا کہ وہ بظاہر مفاہمانہ رویہ اختیار کرکے میری زبان سے کچھ اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"ایس ایس جی کے کمانڈو شیر ببر ہوتے ہیں۔ کالے بلے!" میں نے اپنا چڑانے والا انداز برقرار رکھتے ہوئے کہا "انہیں چوہوں' بلیوں اور گیدڑوں کے شکار کے لئے میدان میں اتارنا ان کی توہین کے مترادف ہوگا۔ فی الحال تم مجھ سے نمٹ لو تو یہی کافی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے کسی اہم ادارے نے ابھی تک تمہاری سرگرمیوں کو توجہ کے لائق بھی نہیں سمجھا ہے۔ اگر کوٹ مندو میں بارودی دھماکوں کے ساتھ تمہارا منحوس حجرہ زیر زمین سرنگ میں نہ دھنسا ہوتا تو شاید کوئی ادھر توجہ بھی نہ دیتا۔ اب بات چل نکلی ہے تو ان علاقوں میں تمہاری آزادانہ نقل و حرکت بھی محال ہوجائے گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ پہلے میری کال کس نے وصول کی تھی؟"

"میرا ہی ایک آدمی تھا" میں نے کرنل نما شخص کو آنکھ مار کر کہا۔ وہ سانس روک کے میری اور ملا سرکار کی خوفناک گفتگو سن رہا تھا۔ اس کے آدمی کمرا چھوڑ کر باہر جاچکے تھی۔

"اور ویرا کہاں ہے؟" اس نے متجسس لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"کہیں ایسی کی تیسی کرا رہی ہوگی" میں نے بے پروایانہ لہجے میں جواب دیا "وہ یہ مکان چھوڑ چکی ہے۔ اس پر اب میرا تصرف ہے اور یہاں میرے آدمی دندنا رہے ہیں۔"

"موہن داس کو تم ویرا کی موجودگی میں یہاں لائے تھے؟" وہ اپنے طور پر کچھ نتائج اخذ کرنے کے چکر میں تھا۔

"وہ اس مکان پر قابض اور متصرف تھی لیکن اسے موہن داس کی آمد کا آخر تک علم نہیں ہوسکا کیونکہ میں نے نصف گھنٹے کی باز پرس کے بعد ہی اسے مار کر ایک کمرے میں مقفل کردیا تھا

"اور غزالہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟" اس کی آواز سے تلخی کافور ہوچکی تھی۔

"شاید تم مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تم اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرسکتے ہو جو میں نے موہن داس کے ساتھ کیا ہے؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا۔

"غزالہ اب میری تحویل میں نہیں ہے" اس نے دھیمے لہجے میں کہا "میں اسے ویرا کی تحویل میں دینے کے لئے اپنے ساتھ لایا تھا لیکن وہ عجیب مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ مجھے دھوکا دے کر کہیں بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئی۔"

"لیکن وہ ویرا کے پاس نہیں پہنچی" میں نے کہا "سچ پوچھو تو

اس کے معاملے میں اب میں نے صبر کرلیا ہے۔ دنیا میں اس سے بہتر لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔"

"یہ بات بہت دیر سے تمہاری سمجھ میں آئی ہے۔ زمین یا جاگیر نسل در نسل انسان کے قبضے میں رہتی ہے۔ زر بھی خاصا ساتھ دیتا ہے۔ جاتے جاتے خاصا وقت لے لیتا ہے لیکن زن اس کائنات کا سب سے زیادہ بے ثبات اثاثہ ہے۔ بعض اوقات تو یہ تمہاری ہو کر بھی تمہاری نہیں ہوتی۔ تمہاری بانہوں میں آنکھیں موند کر نہ جانے کس کے تصور میں کھوئی ہوئی ہوتی ہے۔ تمہارے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ کم از کم ایک بات پر تم نے مجھ سے اتفاقِ رائے کرلیا ہے۔"

"ہم میں مکمل اتفاقِ رائے بھی ہو سکتا ہے" اس کا لہجہ بہت نرم ہوگیا "ویرا مجھے بتا چکی ہے کہ تمہارے سر پر وطن پرستی کا بھوت سوار ہے لیکن یہ فرسودہ باتیں ہیں۔ اب آفاقی دَور چل رہا ہے۔ کوئی ملک کسی کا وطن نہیں ہے اور ساری دنیا ہر ایک کا وطن ہے۔ جس دن تم اس خول سے باہر آگئے اس دن تم خود کو... ازسرِ نو دریافت کرو گے۔"

"پھر اس آفاقی دَور میں تم اپنے وطن کی خدمت کیوں کر رہے ہو؟"

اسپیکر فون پر اُس کی ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "میرا وطن سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خالصتاً میری روزی کا معاملہ ہے۔ فوجیوں کو قتل و غارت گری کے حربے سکھا کر تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ عدالتوں کو قاتلوں اور لٹیروں کو سزا سنانے کی تنخواہ ملتی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ کس کی روزی کہاں اتاری گئی ہے۔"

"یہ باتیں کسی ایسے شخص سے کرنا جس نے تمہاری زہر افشانی پہلے نہ سنی ہو۔"

"میں مشین نہیں، ایک انسان ہوں۔ کبھی کبھی اپنے کام میں اتنا ڈوب جاتا ہوں کہ احمقانہ جذبات کا دورہ پڑنے لگتا ہے لیکن میں فوراً ہی خود کو سنبھال لیتا ہوں..."

"تم یہ سب باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سچ بات یہ ہے کہ میں تمہارے حوصلے اور ارادے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ لگن کے ساتھ کام کرنے والے ہمیشہ سے میری کمزوری رہے ہیں۔ تم چاہو تو میں مُنہ مانگے معاوضے پر تمہیں اپنے ساتھ شریک کرسکتا ہوں" اس کی مکّارانہ آواز ابھری۔

"لیکن میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ تمہارا شریکِ کار بننے کے بارے میں سوچ سکوں۔"

"ایسے فیصلے فوراً نہیں کئے جاتے" وہ مصالحانہ لہجے میں بولا۔ "میں نے اپنے دل کی بات تم تک پہنچادی ہے۔ اس پر غور کرتے

رہو گے تو کسی نہ کسی وقت میرے ہم خیال ہو جاؤ گے۔"

"اپنا پتا اور فون نمبر بھی دے دو تاکہ ہم خیالی کی صورت میں تمہیں آگاہ کرسکوں۔"

"تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو" اس کی آواز میں آزردگی ابھر آئی "خیر، اس موضوع پر پھر کبھی بات ہوگی۔ فی الحال تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

"بلاوجہ میرے گلے پڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ہم ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں اور ہمارے راستے کبھی نہیں مل سکیں گے" میں نے برہمی سے کہا "ابھی تھوڑی دیر پہلے تم خود ہی مجھے گندی گالیوں کے ساتھ غلیظ قسم کے چیلنج بھی دے رہے تھے اور اب مجھے کام بتانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"دشمنی اپنی جگہ پر ہے۔ اعلیٰ ظرف دشمن بھی کبھی کبھی ایک دوسرے کے کام آجاتے ہیں۔ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تمہاری ویرا سے ملاقات ہو تو اسے میری اس خواہش سے آگاہ کردینا کہ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ تم سے کہاں مل سکے گی؟" میں نے استہزائیہ لہجے میں سوال کیا "کوٹ مندد کی کسی سرنگ میں یا دادو کے کسی برساتی نالے میں؟"

"اس نے یہ مکان چھوڑ دیا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ رُوپوش ہوگئی ہے۔ وہ منظرِ عام پر آجائے گی تو میں خود ہی اس تک پہنچ جاؤں گا۔ اسے کوئی زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔"

"ملاقات ہوئی تو میں اس سے کہہ دوں گا" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "یہ بتاؤ کہ موہن داس کی لاش یہاں سے کب اٹھوا رہے ہو؟ ایک آدھ روز میں یہاں اتنا تعفن پھیل جائے گا کہ میرا رہنا بھی دشوار ہو جائے گا۔"

"مہیش پال کے مقابلے میں موہن داس بے حیثیت تھا۔ اُس کی لاش بھی تم ہی ٹھکانے لگادو" اس کی تھکی ہوئی آواز ابھری "لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم نے میری پیشکش کا جلد ہی کوئی مثبت جواب نہیں دیا تو میں اپنے پرانے حسابات چُکانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ میری طرف سے یہ صُلح کی پہلی اور آخری پیشکش ہے۔"

"میں اسے مسترد کرچکا ہوں۔ سانپ اور نیولے کا اکٹھا رہنا ناممکنات میں سے ہے۔"

"یہ تمہارا جذباتی فیصلہ ہے۔ میں تمہیں اپنی طرف سے ایک ہفتے کا وقت دے رہا ہوں۔"

گھن گرج کے ساتھ خون آشام لب و لہجے میں شروع ہونے والی گفتگو کی وہ انتہا کرنل کے لئے حیران کن تھی۔ ملا سرکار کی پل پل کی قلا بازیوں پر وہ بے چارہ بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ آخر میں تو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ملا سرکار اپنے بدترین دشمن کے بجائے

کسی روٹھے ہوئے دوست کو منانے کی کوشش کر رہا ہو۔

میں نے بٹن دبا کر اسپیکر فون آف کیا تو کرنل کی آنکھیں ے پیشانی پر چڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے فوراً ہی میرا ہاتھ اور مجھے خوابگاہ سے ڈرائنگ روم کی طرف لیتا چلا گیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟" ڈرائنگ روم کے تخلیے میں پہنچ اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی پوچھ سکتا ہوں" اس ایک لمحے میں کرنل سے مرعوبیت کی منزل سے گزر کر اس کی برابری ے خوفی کے درجے پر پہنچ گیا۔

"تمہاری اور ملّا سرکار کی گفتگو کے درمیان میں کئی بار مجھے ہونے لگا تھا کہ ہمارے سروں پر بھی تمہارا ہی سایہ ہے۔" کے جواب نے مجھے حیران کردیا۔

"یعنی تم اپنے سربراہ کی شخصیت سے خود بھی لاعلم ہو؟" نے حیرت سے زیادہ اشتیاق سے پوچھا۔

"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم کسی فرد کے ملازم ہیں یا رکاری تنخواہ دار ہیں۔ ملکی قانون کے لحاظ سے ہم بہتیرے ائم کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن آخر کار ہماری ہر کارروائی قومی متی کے کسی اہم ترین شعبے کی کڑی ثابت ہوتی ہے اور شاید کے اسی احساس نے ہماری فورس کو لوہے کی دیوار بنایا ہوا ہے۔"

"تم کس فورس کی بات کر رہے ہو؟" میں نے کرنل سے چھا۔

"اسپیشل ٹاسک فورس!" اس نے کہا "ہم خود کو اسی نام جانتے ہیں۔"

"ہمارے درمیان ابتدا سے ہی یہ معاہدہ تھا کہ تم میرے رے میں زیادہ تجسس میں نہیں پڑو گے" موضوع کو نازک رخ تیار کرتا دیکھ کر میں نے سنجیدگی سے کہا "نہ تم مجھے کریدو، نہ ں تمہارے بارے میں ضرورت سے زیادہ جاننا چاہتا ہوں۔ بس ے اپنا نام ضرور بتادو تاکہ وقتِ ضرورت میں تم تک رسائی حاصل کرسکوں۔"

میرے جواب پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور چہرہ لٹک گیا۔ "میرا نام اوّل خان ہے۔"

"تمہیں مجید ملک کی رہائی کا انتظام کرنا چاہئے۔ وہ سخت ...ت کے عالم میں ہے" میں نے رسانیت سے اسے یاد دلایا۔

"اسے رخصت کرکے میں اپنی یونٹ کو بھی یہاں سے چلتا کرتا ہوں۔"

"وہ تمہاری اپنی مرضی ہے لیکن میری دانست میں تمہیں چند روز تک یہاں قابض رہنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ذہنی طور پر مجھ سے بہت زیادہ مرعوب ہوگیا تھا۔ "اندر پڑی ہوئی لاش کا کیا بنے گا؟"

"اسے گہرے سمندر میں پہنچا دو۔ یہی سب سے آسان طریقہ ہے۔"

"تمہاری اور ملّا سرکار کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہارے ہاتھ پیر بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے کم از کم اتنا تو بتا ہی دو کہ تمہارے پاس کتنی نفری ہے؟"

"میں تنہا کام کرنے کا عادی ہوں" میں نے خوش دلی کے ساتھ جواب دیا۔

"میں نہیں مان سکتا" اس نے بے اعتباری سے کہا "بلیک کیٹس پر کاری ضرب لگانے کے لئے بڑے وسائل کی ضرورت تھی۔ خبریں ملنے کے باوجود ہم ان تک پہنچنے سے قاصر تھے۔ تم اکیلے یہ سب کیسے کرسکتے تھے؟"

"میں تمہیں اپنی کسی بات پر یقین کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا" میں نے بے بسی سے کہا۔

"تمہارے بارے میں بہت کم اور ادھوری معلومات رکھنے کے باوجود مجھے ایک بات کا پورا یقین ہوگیا ہے کہ ہماری اور تمہاری سمت ایک ہی ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "اس یقین نے میرے دل میں تمہارے لئے اپنائیت کا احساس پیدا کر دیا ہے اسی وجہ سے میں تمہیں اپنا نام بھی بتا بیٹھا ہوں مگر یہ راز میرے اور تمہارے درمیان ہی رہنا چاہئے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ سمندر ہے۔ یہاں نہ جانے کیسے کیسے راز پوشیدہ ہیں۔ تم نے نام بتادیا ہے تو اپنا پرائیویٹ فون نمبر بھی دے دو۔ تم سے بات کرکے کم از کم میں اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتا ہوں۔ میری مشکل یہ ہے کہ میں کھل کر کسی سے بھی دل کی بات نہیں کرسکتا۔"

اس نے کسی تامل کے بغیر مجھے اپنے گھر کا فون نمبر بتادیا جو میں نے فوراً ہی جیبی ڈائری میں نوٹ کرلیا۔

"مجید ملک کو تاکید کردینا کہ وہ فون پر سننے والی گفتگو کو بھی بھول جائے۔"

"اُس کے لئے میرا دل اداس ہے۔ اسے اپنی بے گناہی اور سادہ لوحی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی ہے۔ پتا نہیں وہ کتنے دن میں صحت یاب ہو سکے گا؟"

"اس کے بارے میں زیادہ سوچ کر خود کو ہلکان نہ کرو۔ جو کچھ ہوا، اس میں تمہارے کسی ارادے یا بدنیتی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ جب چکّی کے پاٹ چل پڑتے ہیں تو ان کے درمیان میں گیہوں کے ساتھ گھُن بھی پس جاتا ہے۔"

میں وہاں سے روانہ ہوا تو فکرمندی کے باوجود صورتِ حال کے بارے میں میرے ذہن میں ایک واضح خاکہ بن چکا تھا جس کے مطابق کامیابی زیادہ دور نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

ان دنوں اندرونِ سندھ کے حالات شورش کی سی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں رُوپوش مسلح ڈاکوؤں کے جتھے دن کے اجالے یا رات کی سیاہی کی پروا کئے بغیر

جب چاہتے اچانک کہیں بھی نمودار ہوتے تھے اور اپنے جدید ترین خودکار اسلحے کے زور پر لوٹ مار اور قتل وغارت گری کی وارداتیں کر کے اطمینان سے اپنی کمین گاہوں کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ ان کے حوصلے اس قدر بڑھ چکے تھے کہ وہ پولیس کے وجود کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔ جس تھانے کا عملہ ان کی من مانی کارروائیوں کی راہ میں مزاحم ہو کر ان کی کسی واردات کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو جاتا تھا' وہ اگلے دن ڈاکوؤں کی جوابی اور انتقامی کارروائی کا نشانہ بن جاتا تھا۔ ایسے مقابلوں میں دونوں طرف سے کھل کر اور بے محابا گولیاں چلتی تھیں اور میدان صاف ہونے پر پتا چلتا تھا کہ جہاں حملہ آوروں کے چند ساتھی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں وہیں قانون کے محافظوں کو بھی جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہوتا تھا کہ حملہ آور ہونے والے کون تھے اور کہاں روپوش تھے لیکن کسی کی مجال نہیں تھی کہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی ان بھول بھلیوں کا رخ کرتا جہاں ہزار ہا نادیدہ آنکھیں دن رات مجرموں کی کمین گاہوں کی حفاظت کرتی رہتی تھیں اور اگر کوئی پر جوش ٹولی فرض شناسی کے جذبے سے مغلوب ہو کر ادھر گھس ہی پڑتی تھی تو اچانک ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ جلد ہی انہیں پسپائی کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

جنگلوں اور ویرانوں سے ملحق آبادیاں ان شورہ پشتوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھیں لیکن ساتھ ہی' بدامنی کی وہ صورت حال شہروں میں بھی رنگ پکڑ رہی تھی۔ بھاری تاوان کے لئے مال دار اسامیاں اغوا کی جاتی تھیں۔ اغوا کرنے والے مغوی کے لواحقین سے اتنا ہی طلب کرتے جتنا دینے کی ان میں سکت ہوتی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہر واردات کی پشت پر باقاعدہ تحقیق اور منصوبہ بندی کا عنصر کارفرما ہوتا تھا۔ سرگرم پیغام رسانی اور بالواسطہ مذاکرات کے نتیجے میں مغوی اچانک ہی اپنے گھروں کو لوٹ آتے تھے لیکن جانتے بوجھتے ہوئے بھی کوئی اغوا کنندگان کے نام زبان پر نہیں لاتا تھا۔ جو زبان کھولنے کی جسارت کرتا' اگلے دن اس کی باری بھی آسکتی تھی اس لئے سخت انسدادی قوانین موٹی موٹی' مجلد کتابوں میں محفوظ تھے۔ انہیں حقیقی معنوں میں حرکت میں لانے کا کوئی موقع پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔

سیاسی حریف امن و امان کی اس ہولناک تاراجی کو انتظامیہ کی نااہلی قرار دے کر جلسوں اور پریس کانفرنسوں میں بغلیں بجاتے پھر رہے تھے۔ متعصب اور تنگ نظر لوگ ان وارداتوں کو نسلی منافرت کا شاخسانہ قرار دیتے ہوئے اس پہلو کو یکسر نظر انداز کر دیتے تھے کہ ہر طبقے کے ڈاکو اور اغوا کنندگان دوسروں کے مقابلے میں اپنے ہم نسلوں اور ہم زبانوں کو زیادہ نشانہ بنا رہے تھے۔ انتظامیہ دبے لفظوں میں شکوہ کرتی تھی کہ ان تباہ کن تخریبی کارروائیوں کی سربراہی کرنے والے ایسے پر شکوہ سیاسی بتوں کی آڑ میں پناہ لئے ہوئے تھے جن کی طرف نگاہ اٹھانے والے مٹی کے کھلونوں کی طرح توڑ پھوڑ کر خاک میں ملائے جاسکتے تھے۔ اس ہنگامہ دار و گیر میں کبھی کبھی کوئی کمزور سی آواز بلند ہوتی تھی جو ان حالات کی پشت پر بیرونی ہاتھ کی کارفرمائی کا ذکر کرتی تھی لیکن ہر بار ایسے انکشافات کو روایتی بہانہ قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا تھا۔

مگر میں خود بہت قریب سے ان حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ بیرونی سازش کا مقامی سربراہ' ملا سرکار میری نظروں میں آچکا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ سرحد پار سے آنے والے اس کے سیکڑوں پیروکار' روپوش مجرموں کی ٹولیوں میں شامل ہو کر بدامنی، تباہی اور تخریب کاری کی اس فضا کو غیر محسوس طریقے پر پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔

جب سے افغانستان کی سرزمین پر بیرونی فتنے نے سر اٹھایا تھا اور عالمی سازشوں سے مجبور ہو کر' مزاحمت کرنے والوں نے مقامی ذرائع سے اپنے مالی وسائل کو فروغ دینے کے لئے ہیروئن کی پیداوار پر توجہ دینا شروع کی تھی' اس موذی نشے کی پیداوار کی منڈی جنگ کے علاقے سے سرحد پار کر کے قبائلی پہاڑوں میں منتقل ہو گئی تھی جہاں بمباری اور فوجی حملوں کے خوف کے بغیر افیم کو ہیروئن میں تبدیل کرنے کا عمل جاری رکھا جا سکتا تھا۔

ہیروئن پاکستان میں پھلنے پھولنے لگی تو جہاں اس کی غیر قانونی تجارت میں مقامی ملوث ہونے لگے' وہیں اس کا استعمال بھی وبا کی طرح ہر طرف پھیلنے لگا لیکن سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ دنیا کے سب سے زیادہ منافع بخش' اس دھندے سے اربوں روپے کا کالا دھن وجود میں آنے لگا جسے جائز کاموں میں کھپانا محال ہو گیا اور یوں اس کالے دھن کے زور پر ملک میں ہر غیر قانونی دھندے کو فروغ ملنے لگا۔ اس فہرست میں ہیروئن کے بعد دوسرا نمبر اسلحے کا تھا جس میں کلاشنکوف اور دوسری ہلکی مشین گنوں سے لے کر راکٹ تک شامل تھے اور یہ سب چور بازار میں بہ آسانی دستیاب تھے۔

اسلحے کی اس ریل پیل نے جرائم کی آبیاری میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا اور وہی اسلحہ سندھ کے چوروں' قاتلوں اور ڈاکوؤں کے کام آرہا تھا۔ اپنی چھاپا مار کارروائیوں کی حد تک وہ اسلحے میں خود کفیل تھے اور ملا سرکار نے اپنے بلیک کیٹس کے ذریعے انہیں ایک ایسے جنون میں مبتلا کر دیا تھا کہ وافر مقدار میں بھاری اسلحہ مل جانے کے بعد وہ کسی بھی طاقت سے ٹکر لینے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ اپنے ذخائر کی مدد سے وہ گویا مشقیں کر رہے تھے اور جس دن ملا سرکار ان کے خفیہ ٹھکانوں پر اسلحہ اور گولا بارود کے ذخائر پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا' سندھ میں خونریزی اور شورش کا ایک ہوش ربا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

حالات و واقعات ایک دوسرے کے ساتھ اس بری طرح

ہوئے تھے کہ کسی ایک تار کو الگ کر کے سلجھانا ناممکن تھا۔ طبقے کا خیال تھا کہ صوبے میں روزگار کی صورت حال سنگین پڑھے لکھے نوجوان نوکریوں کی تلاش میں ناکام ہو کر وں کے ٹولوں میں شریک ہو رہے تھے۔ اُن کی عارضی خوشحالی ردوں کو بھی ایسے ہی اقدامات کے لئے تحریک دے رہی تھی۔ طرح جاہل اور پیشہ ور ڈاکوؤں کو تعلیم یافتہ نوجوانوں کا سہارا رہا تھا جو اپنی تعلیم' مہارت اور جدید معلومات کی مدد سے ائم' پیش قدمی اور اپنے دفاع کو لنیس انداز میں منظم کرنے صلاحیت سے مالا مال تھے جس کی وجہ سے پولیس کو ان کے بلے میں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ دوسرے طبقے کا کہنا تھا امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی وجہ سے صوبے میں مایہ کاری رک چکی تھی۔ ہلکی پھلکی صنعتوں کی بالائی علاقوں منتقل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے بے روزگاری بڑھ رہی تھی۔ بے روزگاری کی وجہ سے جرائم بڑھ رہے تھے یا جرائم کی سے بے روزگاری بڑھ رہی تھی' یہ ایک علمی بحث تو ہو سکتی لیکن سنگین حقیقت یہ تھی کہ وہ صورت حال بلیک کیٹ ٹی ہولناک عزائم کے لئے بہت زرخیز تھی۔

چوری چھپے سرحد پار سے آنے والے اس کے گرگوں کو کچے ن کے جوشیلے نوجوانوں کو ورغلانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ ل حالات کو اس نازک موڑ تک لے آئے تھے جہاں صرف ب دیا سلائی' پورے علاقے میں فلک بوس شعلے بھڑکا سکتی تھی اور اس دیا سلائی کی کلید' ملا سرکار کی دانست میں ویرا کے ل تھی۔

وہ ویرا کے ذریعے شی کے خوفناک اسلحے کی ایسی بھاری ندار خریدنا چاہ رہا تھا جس کے سہارے تباہ کن قوت سے لیس یک ڈیڑھ ڈویژن نفری تیار کی جاسکتی تھی جو زمینی حملے کرنے کے اتھ ہی اپنا فضائی دفاع بھی کر سکتی تھی۔

دوبدو ہونے والی مسلح جنگ کے لحاظ سے وہ اسلحہ اور اس ی مقدار بہت حقیر تھی جسے گھنٹوں میں نیست و نابود کرنے کے لئے کسی غیر معمولی فوجی مہارت یا قابلیت کی ضرورت نہ ہوتی یکن وسیع و عریض رقبے میں پھیلے ہوئے ہزاروں دہشت گردوں ور تخریب کاروں کے لئے وہ اسلحہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو سکتا ما۔ دیہاتوں اور آبادیوں کے گرد روپوش ان مسلح جتھوں کو کسی ڑے آپریشن سے تباہ کرنا ناممکن ہوتا اور وہ سرحدوں کے اندر ہولناک خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر سکتے تھے۔ ان میں سے ہر شخص چھاپا مار گوریلے کا روپ اختیار کر کے ملکی مفادات کو بدترین نقصان پہنچا سکتا تھا۔

ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ویرا ان دنوں پوری طرح میرے اثر میں تھی۔ اس نے بلیک کیٹ ٹی کو اسلحہ فراہم کرنے کی سرے سے کوئی کوشش کئے بغیر الجھایا ہوا تھا بلکہ اسے اس احساس میں مبتلا کر دیا تھا کہ خود اسی کی کوتاہی کی وجہ سے سودا خراب ہونے والا ہے۔

ان پیچیدگیوں میں پھنس کر بلیک کیٹ ٹی ایسے مرحلے پر آگیا جہاں اسے خود غزالہ سے دستبردار ہونے پر آمادہ ہونا پڑ گیا۔ اسے علم نہیں تھا کہ غزالہ اسے دھوکا دے کر ویرا کے پاس پہنچ چکی تھی لیکن ویرا کے اچانک غائب ہو جانے سے وہ الجھن میں ضرور پڑ گیا تھا۔ وہ اسلحے وغیرہ کا اتنی شدت سے خواہاں تھا کہ ویرا کے عزائم پر شبہ کرنے کے باوجود اس پر نکتہ چینی کرنے کی جرات نہیں کر سکا تھا۔ ابتدا میں اُس نے مجھ سے تیز و تند لہجے میں بات کرنا شروع کی تھی لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس وقت ویرا تک رسائی کے لئے اس کے پاس میرے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

ان دنوں بلیک کیٹ ٹی روئے زمین پر شاید میرا بدترین دشمن اور میرے لہو کا پیاسا تھا لیکن اپنی مصلحت کی خاطر اُس نے مجھ سے بالکل ہی مختلف اور دوستانہ انداز گفتگو اپنایا تھا اور اس حد تک چلا گیا کہ مجھے اپنے ساتھ شریک ہونے کی پیشکش تک کر بیٹھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اس کی مکاری تھی۔ میرے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر اپنے اصل روپ میں میرے مدمقابل آجاتا۔ ایسا کوئی موقع آنے سے پیشتر میرے لئے اس کا سر کچلنا ضروری ہو گیا تھا۔

میرے لئے خوشی کی بات یہ تھی کہ اب میں بلیک کیٹ ٹی کے مقابلے میں اکیلا نہیں رہا تھا۔ میری جاں گسل جدوجہد کے نتیجے میں اول خان کی اسپیشل ٹاسک فورس بھی ان لوگوں کے پیچھے لگ گئی تھی۔ وہ لوگ سرکاری تھے یا غیر سرکاری' میرے لئے سب سے اہم بات یہ تھی کہ انہیں قانون کی قوتوں کی پوری پوری پشت پناہی حاصل تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو منظور ماموں کی حویلی سے مجھے فون کرنے والا ایریا کمانڈر مجھے کراچی میں رکا رہنے کی ہدایت کر کے اول خان کو میری طرف متوجہ نہ کرتا۔

اسی ادھیڑ بن میں میں سولجر بازار کے علاقے میں ان اپارٹمنٹس تک پہنچ گیا جہاں سیٹھ حبیب جیوانی رہتا تھا۔

کئی منزلہ' صاف ستھری رہائشی عمارتیں احاطے میں گھری ہوئی تھیں۔ گیٹ پر بنے ہوئے کیبن میں مستعد دربان موجود تھا اور پھاٹک کے ساتھ ہی دیوار پر ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر ملاقاتیوں کے لئے اردو' انگریزی اور گجراتی میں ہدایت درج تھی کہ وہ اپنی گاڑیاں احاطے میں لے جانے کے بجائے باہر ہی پارک کریں۔

میں احاطے اور بورڈ کا جائزہ لیتا ہوا اپنی کار آگے لیتا چلا گیا۔

وہ صورت حال میرے لئے غیر متوقع تھی۔ میں نے حبیب جیوانی کا فلیٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ کسی عام سی بلڈنگ میں واقع ہوگا جہاں میں کار میں بیٹھ کر نگرانی

کا کام کر سکوں گا لیکن احاطے نے میرا کام دشوار بنا دیا تھا۔ کار چھوڑ کر پیدل اندر جانے میں خطرہ تھا کہ حبیب جیوانی گھر سے باہر چہل قدمی نہ کر رہا ہو۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں حویلیاں میں اپنے چچا کے گھر بیمار پڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنے دوبدو دیکھ کر وہ میری طرف سے بھڑک سکتا تھا اور پھر میرے لئے لینے کے دینے پڑ سکتے تھے۔

اس علاقے کا ایک طویل چکر کاٹ کر میں کسی نئی حکمتِ عملی کے بارے میں سوچتا رہا دوبارہ ان اپارٹمنٹس کے قریب پہنچا تو میرے ذہن میں ایک متبادل لائحہ عمل سر ابھار چکا تھا۔

احاطے کے پھاٹک کے مقابل، کچھ فاصلے پر واقع پبلک کال آفس کی موجودگی میں نوٹ کر چکا تھا۔ وہاں رک کر میں احاطے سے آنے جانے والی گاڑیوں پر بخوبی نگاہ رکھ سکتا تھا۔

فٹ پاتھ کے سہارے گاڑی پارک کر کے میں نے پی سی او سے فلیٹ کا نمبر ملایا تو سلطان شاہ فوراً ہی لائن پر آگیا۔

"بہت دیر لگا دی، کہاں رہ گئے تھے؟" میری آواز سنتے ہی اُس نے سوال کیا تھا۔

"میں پی سی او سے بول رہا ہوں۔ تم اسے فون کرو۔ پیغام اسی کو دینا، اُس کی بیوی کو نہیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے کنایوں میں بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "چند منٹ کے بعد میں تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔"

وہ نجی تحویل میں لگا ہوا پبلک کال آفس تھا اس لئے وہاں کوئی دانستہ دوسروں کی گفتگو سننے کی کوشش نہیں کرتا تھا لیکن جگہ کی تنگی نے اس آزادی کو محدود کیا ہوا تھا اور محدود آزادی کی قیمت کال کے دوگنے داموں کی صورت میں وصول کی جاتی تھی۔

کاؤنٹر پر پیسے ادا کر کے میں سگریٹ سلگاتا ہوا باہر آگیا۔ دوسری کال سے پہلے میں نے اتنا وقت دیا کہ سلطان شاہ حبیب جیوانی سے بات کر سکے۔ دوسری مرتبہ اس سے اطلاع ملی کہ کام بن گیا تھا۔

وہ حبیب جیوانی یا اس کی آواز سے متعارف نہیں تھا لیکن اس کا واسطہ مردانہ آواز سے پڑا تھا جوں ہی اس نے مردانہ آواز والے کو کی کلب پر ڈان کے گھر جانے کے بارے میں بتایا، وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ اس کے اضطراری ردّعمل سے سلطان شاہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ حبیب جیوانی ہی تھا۔

میں نے فوری طور پر اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسے اپارٹمنٹس کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ایسی جگہ پر پارک کر دیا جہاں میں اندھیرے میں رہ کر پھاٹک سے باہر نکلنے والی گاڑیوں پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

گیٹ لیمپس کی روشنی میں دو گاڑیاں احاطے میں داخل ہوئیں اور ایک وہاں سے باہر آئی۔ روشنی میں تمام سوار بخوبی

دیکھے جا سکتے تھے مگر ان میں حبیب جیوانی نہیں تھا۔

حبیب جیوانی ٹریڈ لائن میں آمدورفت کے لئے سرمئی رنگ کی گاڑی استعمال کرتا تھا اس لئے میں نے پھاٹک سے نمودار ہونے والی سفید کار پر خاص توجہ نہیں دی۔ بس خالی الذہنی کے عالم میں پھاٹک سے برآمد ہوتے ہوئے کار کے اگلے حصے کو دیکھتا رہا لیکن جب وہ کار باہر آکر داہنی طرف گھومی تو میں چونک پڑا کیونکہ ڈرائیونگ سیٹ پر حبیب جیوانی بذاتِ خود موجود تھا۔

میرے لئے وہ سنہرا موقع تھا۔ لمحہ بھر کے لئے میرے دل میں آئی کہ اس کا پیچھا کر کے راستے ہی میں اس کا کام تمام کر دوں تاکہ وہ بکھیڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے لیکن میں نے فوراً ہی وہ خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ اس وقت میں حبیب جیوانی کو مار کر اپنی راہ میں حائل خطرہ ضرور دور کر سکتا تھا لیکن مافیا کو کوئی نقصان پہنچانا ممکن نہیں تھا۔ اگلے دن کوئی ڈان کراچی پہنچنے والا تھا اور اگر میں اسے دستیاب نہ ہوتا تو وہ حبیب جیوانی کی جگہ کسی اور کو مافیا کے مقامی بیورو کا چیف مقرر کر سکتا تھا۔

سفید کار کی عقبی بتیاں آگے جا کر ایک موڑ پر غائب ہو گئیں تو میں پھرتی سے اپنی کار کا دروازہ کھول کر نیچے آگیا۔ امید تو یہی تھی کہ ساحل کے قریب ڈیفنس کے علاقے سے حبیب جیوانی کافی دیر تک واپس نہیں لوٹ سکے گا لیکن میں ان آباد اور بارونق اپارٹمنٹس میں کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

چوکیدار کے سامنے سے گزرتے ہوئے میرے دل میں ٹوکے جانے کا ایک موہوم سا خوف موجود تھا جو بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ جس در پر کوئی دیکھنے اور ٹوکنے والا ہو، اسے پار کرتے ہوئے جھجک آہی جاتی ہے۔ شاید اسی وجہ سے قدیم زمانے کے حکمراں اپنے شہروں کے گرد دروازوں والی فصیل بنا کر پورے شہر کو ایک گھر کا درجہ دے دیتے تھے جس میں داخل ہونے والے اجنبی اپنی آمد کا کوئی معقول جواز پیش نہ کرنے کی صورت میں قیدی بنا لئے جاتے تھے۔

بلاک 'سی' زمین سے اگی ہوئی متعدد عمارات کے تقریباً وسط میں کھڑا ہوا تھا۔ اس سے ملحق لان پر، روشنی میں بچے کھیل رہے تھے۔ مجھے فلیٹ نمبر دو میں جانا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ گراؤنڈ فلور پر ہی واقع ہوگا۔

بچے میری طرف توجّہ دیے بغیر اپنے کھیل کود میں مصروف تھے لیکن میرے دل کا چور ان سے خوف زدہ تھا۔ میں اس عمارت بلکہ احاطے میں ہی اجنبی تھا اور اگر کوئی بھی مجھے روک کر میری وہاں موجودگی کا جواز طلب کر لیتا تو میرے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

اپنی خود اعتمادی بحال کرنے کے لئے میں لپک کر زینوں والی راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

زینوں کی ابتدا سے پہلے ہی داہنی سمت کے دروازے پر

ں کا چمکتا ہوا دو کا ہندسہ دیکھ کر میں وہیں پہنچ گیا۔

دیوار میں کال بیل کا سوئچ موجود تھا لیکن میں نے دانستہ دازے پر دستک دینے کو ترجیح دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ایک مترنم اور دھیمی نسوانی آواز مری۔

میں نے دوبارہ ہولے سے دستک دی۔ اس بار اندر سے کوئی وال نہیں کیا گیا لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ دروازے ں نصب ننھے سے محدّب عدسے کے پیچھے سے کوئی آنکھ میرا ائزہ لے رہی ہے۔

"کس سے ملنا ہے؟" قدرے توقف کے بعد اندر سے پوچھا لیا۔ اس بار وہ آواز دروازے کے قریب سے ابھری تھی لیکن روازہ نہیں کھولا گیا تھا۔

"حبیب سیٹھ سے" میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔ یرا خیال تھا کہ وہ عورت حبیب کے موجود نہ ہونے کا عذر کر کے مجھے ٹالنے کی کوشش کرے گی اس لئے میں نے فوراً ہی اگلا جواب بھی سوچ لیا تھا۔

لیکن میری توقع کے برعکس دروازہ کھول دیا گیا اور میں کنجی آنکھوں اور گوری جِلد والی ایک خوش اندام خاتون کو اپنے روبرو دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔

"حبیب سیٹھ گھر پر نہیں ہیں... آپ کون ہیں؟" اس نے جواب دے کر سوال کیا۔

اس کے خدّوخال غیر معمولی نہیں تھے لیکن آنکھوں کی رنگت نے میدے جیسی جِلد کے ساتھ اسے سحرانگیز بنا دیا تھا۔ اس نے دروازہ صرف اسی قدر کھولا تھا کہ مجھ سے دوبدو بات کر سکے۔ وہ پردے وغیرہ کی قائل نہیں تھی لیکن اتنی آزاد خیال بھی نہیں تھی کہ اپنے شوہر کے کسی شناسا کو اکیلے گھر میں بلا کر مذاکرات کرے۔ اس کا ارادہ اپنی دہلیز پر ہی بات ختم کر دینے کا نظر آتا تھا جو میرے منصوبے کے لئے کسی بھی طرح سازگار نہیں تھا۔

"میرا نام پیڈرو ہے، پیڈرو ڈی سوزا" میں نے قدرے توقف کے بعد ایک جھٹکے کے ساتھ کہا "میں سیٹھ کے دفتر میں کام کرتا ہوں اس وقت میرا ان سے ملنا ضروری ہے۔"

میں اس ساحرہ کے سامنے اپنا سر جھکائے، معصومانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اس کی ٹٹولنے والی نگاہوں کی چبھن اپنے چہرے سے شروع ہو کر بدن پر سفر کرتی ہوئی محسوس کی۔

"اندر آجاؤ" میری سادگی اور معصومیت کے مشاہدے نے اس کا دل موم کر دیا۔ سیٹھ کے دفتر میں میری ملازمت کا اعتراف سنتے ہی وہ اچانک آپ سے تم پر آگئی تھی۔

اس نے پورا دروازہ کھول کر مجھے راستہ دیا اور میرے اندر داخل ہونے پر خود کار دروازہ مقفل کر کے میرے پیچھے آگئی۔

"اس وقت یہ مکان خطرے میں ہے" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے دھیمے مگر سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

"اوہ خدا!" وہ یک بیک گھبرا گئی "آج کیا ہونے والا ہے، حبیب سیٹھ فون پر ابھی کوئی بری خبر سن کر باہر گئے ہیں اور اب تم آ گئے ہو، اس مکان کو کیسا خطرہ ہے؟"

"مجھے تفصیل کا علم نہیں، استاد سینڈو نے صرف اس پیغام کے ساتھ مجھے یہاں بھیجا تھا کہ پولیس کسی بھی لمحے یہاں ریڈ کر سکتی ہے اس لئے سیٹھ کو یہاں سے نکل جانا چاہئے۔"

"سیٹھ تو چلے گئے... لیکن سینڈو نے تمہیں بھیجنے کے بجائے فون کیوں نہیں کیا؟" اس نے چونک کر پوچھا تھا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہوا کہ سینڈو اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔

"ڈیفنس میں ہمارا کی کلب ہے۔ پولیس نے وہاں ہم سب کو گھیر لیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے بچ بچا کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ وہاں گولیوں کا زبردست تبادلہ ہو رہا ہے۔"

میں نے دیدہ ودانستہ ایک ایسی کہانی تراشی تھی کہ اگر حبیب جیوانی اپنی بیوی کو کچھ بتا کر گیا ہو تو اس کا بیان میری کہانی کے کھانچے میں آسانی کے ساتھ فٹ ہو جائے۔

"اب تم کہاں جاؤ گے؟" ساحرہ نے اپنی کنجی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے سوال کیا۔

"سیٹھ مل جاتے تو میں انہی سے ہدایات لیتا... اب واپس کی کلب کی طرف جاؤں گا، ہو سکتا ہے کہ پولیس کے گھیرے سے باہر رہ کر میں اپنے ساتھیوں کی کوئی مدد کر سکوں۔ میرے آنے تک کئی تو زخمی ہو چکے تھے" میں نے تشویش زدہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر اچانک نکاسی کے راستے کی طرف پلٹ پڑا۔

"ٹھہرو" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی "کیا تمہیں میری کوئی فکر نہیں ہے؟ میں حبیب سیٹھ کی بیوی ہوں" اس کی آواز سے غصے کے ساتھ ہی خوف بھی جھلک رہا تھا۔

"سیٹھ ہوتے تو اور بات تھی، میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟" میں نے بے چارگی کے ساتھ کہا "ہو سکتا ہے کہ پولیس والے عورت سمجھ کر آپ کو کچھ نہ کہیں، انہیں تو سیٹھ کی تلاش ہو گی۔"

"تم عقل سے بالکل پیدل معلوم ہوتے ہو" میری احمقانہ سادگی پر وہ بری طرح تلملا گئی "پولیس والے بہت سنگ دل ہوتے ہیں، سیٹھ نہیں ملا تو وہ سیٹھ کی بیوی کو لے جائیں گے۔ ٹھہرو، میں تمہارے ساتھ چلوں گی" وہ تیزی کے ساتھ ایک کمرے میں گھس گئی۔

میں بے بسی سے شانے ہلا کر رہ گیا۔ پنچھی اگر خود ہی جال میں آرہا تھا تو مجھے کیا عذر ہو سکتا تھا؟

اس نے اپنے بارے میں کسرِ نفسی سے کام لیا تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ ایک بار اسے غور سے دیکھ لینے کے بعد سنگ

دل تو ہر کنار نرم دل اور مہربان مرد بھی اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر اونٹ کی طرح ہنکتے ہوئے' دوڑ لگانے پر آمادہ ہو جاتے۔ کوئی عورت اگر خوب صورت نہ ہونے کے باوجود کشش انگیز ہو تو بڑی آسانی کے ساتھ مردوں کو دیوانہ بنادیتی ہے اور حبیب جیوانی کی بیوی عورتوں کے اسی پراسرار قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔

چند ثانیوں بعد وہ اپنے شولڈر بیگ میں مختلف اشیا ٹھونستی ہوئی کمرے سے برآمد ہوئی اور عجلت میں میرا بازو تھام کر مجھے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولی "جلدی نکلو! پولیس آگئی تو دونوں دھر لئے جائیں گے۔"

اس کی گداز ہتھیلی کی بے تابانہ گرفت نے میرے بازو میں کرنٹ سا دوڑا دیا۔ میں نے پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کے بشرے پر خوف اور گھبراہٹ کے علاوہ دور دور تک کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے یہ فرض کرلیا تھا کہ اس کے شوہر کا ملازم ہونے کے ناتے مجھے اس کے حق میں بالکل بے ضرر ہونا چاہئے تھا۔

ہم دونوں فلیٹ اور پھر عمارت سے باہر نکل آئے۔ وہ دانستہ مجھ سے ایک دو قدم آگے نکل گئی۔ میں نے بھی احتراماً اس کے پہلو میں چلنے سے گریز کرنا ہی مناسب سمجھا' کار میں بھی میں نے دانستہ اسے پیچھے ہی بٹھایا جو میری سعادت مندی کا کھلا اظہار تھا۔

سولجر بازار سے شاہراہ قائدین سے ہوتے ہوئے ہم گورا قبرستان کی طرف سے گزرے تو میں نے عقب نما آئینے میں اس کی پوزیشن کا جائزہ لیا۔ وہ میرے عقب میں' ڈرائیونگ سیٹ کی پشت گاہ کی سیدھ میں بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ مافیا والوں کی کار تھی اور میں اس کے تمام کل پرزوں سے بخوبی واقف تھا۔ میں نے اپنے آس پاس سڑک صاف دیکھ کر ڈیش بورڈ میں لگا ہوا ایک سوئچ دبایا۔ پیچھے سے اس کی ہلکی سی تحیرزدہ چیخ ابھری اور سناٹا چھا گیا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھے ہی بیٹھے ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

اس کی طرف سے اطمینان ہوتے ہی میں نے کار کی رفتار یک بیک تیز کردی۔

سلمٰی گھر پر موجود ہوتی تو بھی مجھے کوئی خاص پریشانی نہ ہوتی کیونکہ وہ ہمارے بہتیرے چھوٹے موٹے جرائم میں ہمارا ساتھ دیتی رہی تھی البتہ گھر میں ایک دلکش اور جوان عورت کے قید ہونے کی وجہ سے جہانگیر کو اپنی بیوی کی ناروا پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا لیکن اس رات ہمارے ستارے ہی کچھ اچھے تھے۔ سلمٰی کو کسی پیچیدگی کی وجہ سے سرشام ہی اس کے نومولود بچے سمیت اسپتال میں داخل کردیا گیا تھا اور جہانگیر ایک ہلکا پھلکا گلاس لئے ٹیلی وژن پر کوئی فلم دیکھنے میں مصروف تھا۔

میری زبان سے قیدی عورت کا ذکر سنتے ہی اس ندیدے کی باچھیں کھل گئیں۔

"کہاں سے لایا ہے اسے؟" وہ ایک ہی سانس میں اپنے گلاس کی تلچھٹ تک پی کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔

میں نے اس کے سر پر ہاتھ مار کر اسے دوبارہ صوفے پر براجمان ہونے پر مجبور کردیا "تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ وہ میری گاڑی میں بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔"

"تو چلو' اسے خواب گاہ میں لے آتے ہیں۔ وہ وہاں کب تک پڑی رہے گی؟"

"میں اسے صرف ایک شرط پر تمہاری تحویل میں دے سکتا ہوں" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"شرط نہیں' حکم کہو میرے دوست! میں تو ہمیشہ سے تمہارا حکم مانتا آیا ہوں۔"

"اس کے ساتھ ظلم یا زیادتی کی گئی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"قطعی نہیں ہوگی' میں ذاتی طور پر اس کا خیال رکھوں گا" اس نے خلوص سے کہا "لیکن اتنا تو بتادو کہ وہ کون ہے اور اندازاً کتنے دن تک یہاں رہے گی؟"

"وہ ایک خانہ دار عورت اور وفاشعار بیوی ہے" میرے آخری الفاظ پر اس نے برا سا منہ بنایا جیسے اس عورت کا کسی کی بیوی ہونا اسے پسند نہ آیا ہو۔

میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اس کا شوہر اول درجے کا بدمعاش اور مکار ہے۔ اسی کو چرکا لگانے کے لئے میں نے اس کی بیوی کو اغوا کیا ہے لیکن میں اس عورت کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہوسکتا ہے کہ دو چار دن بعد میں اسے رہا کردوں۔ اس کا انحصار میرے اور اس کے شوہر کے معاملات طے ہونے پر ہوگا۔"

"ہوش میں آنے کے بعد وہ جاننا چاہے گی کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کے درمیان میں ہے۔"

"تم کرائے کے آدمی ہو' تمہیں مغویان کو چھپائے رکھنے کا بھاری معاوضہ ملتا ہے۔ وہ مجھے پیڈرو ڈی سوزا کے نام سے جانتی ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ پیڈرو کبھی کبھار لوگوں کو تاوان کے لئے اٹھاتا رہتا ہے۔"

"اس کے سامنے میں تمہیں برا بھلا بھی کہہ لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"تم مجھے گالیاں بھی دے سکتے ہو" میں نے اس کا دل بھانپتے ہوئے کہا "بس یہ یاد رکھنا کہ اس نے مجھ سے تمہاری کوئی شکایت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"یہ فقرہ تم دوسری بار کہہ رہے ہو' مجھے شرافت کا درس دیتے ہوئے تمہیں اپنی برائی کا اتنی شدت سے احساس کیوں ہورہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس طرح تم خود کو اس عورت کی

... اشتعال میں لانے کی کوشش کررہے ہو؟"

... بہت بولنے لگے ہو' یہ بتاؤ کہ تمہاری غیر موجودگی میں ... بنے گا؟"

... سپتال میں ملاقات کے اوقات کے علاوہ کسی کو داخلے کی ... میں ہے اس لئے میں تھوڑی دیر کے لئے سلمٰی سے ملنے ... گا۔ پانچوں ملازمین میرے اعتماد کے ہیں۔ میں انہیں ... بار کردوں گا تاکہ وہ کسی کو دھوکا دے کر نکلنے میں کامیاب ... چابی دو' میں اسے گاڑی سے نکلوا تا ہوں۔"

... نگیر نے سروس بیل بجا کر ایک ملازم کو طلب کیا اور ... یتے ہوئے میری کار کی چابی اس کے حوالے کردی۔

... ملازم کی نگرانی میں تنومند چوکیدار بے ہوش عورت کو ... ھے پر لاد کر لایا تو جہانگیر اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔ اسے ... پڑا ہوا دیکھ کر اس کی جو حالت ہوئی' وہ دیدنی تھی۔ شاید ... وس ہورہا تھا کہ ایسی دلکش اور خوش بدن خاتون کو اپنے ... پر لادنے کی سعادت سے وہ کیوں محروم رہا۔

... دل چاہتا ہے کہ میں اسے فوراً اپنی سیکریٹری بنالوں" ... کے جاتے ہی جہانگیر ایک گہرا سانس لے کر بولا "آج کل ... چہرے خوابوں میں بھی نظر نہیں آتے۔"

... کیوں؟ کیا جولیا سے دل بھر گیا ہے؟" میں نے اس کی ... ٹینو کے بارے میں سوال کیا۔

... وہ ضرورت سے زیادہ سعادت مند ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی تو ... وس ہونے لگتا ہے جیسے میں نے سیکریٹری کی جگہ اپنی ... بیوی کو بٹھالیا ہو" وہ اداس لہجے میں بولا۔

... یہ اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئی' زبردستی لائی گئی ہے۔ ... کے بارے میں زیادہ سوچ کر اپنا دل خراب نہ کرو' تم اسے ... ی بنانے کی کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"اسے ہاتھ پیر باندھ کر بھی سیکریٹری کی کرسی پر بٹھادیا جائے ... چل سکتا ہے۔"

"اس کے ہاتھ پیر باندھ دوگے تو کام تمہارے فرشتے کریں ..." وہ موج میں آیا ہوا تھا اور میں اسے چھیڑ کر لطف لے رہا ...

"کام" وہ دل کھول کر ہنسا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ ... سیکریٹری کام بھی کرتی ہے' پہلے میں ایک کام جولیا کو سمجھاتا ... پھر جھک مار کر وہی کام از سرنو خود کرنا پڑتا ہے۔ اس کے ... پیر بندھے ہوئے ہوں گے تو میرا کام دگنا تو نہیں ہوگا... یہ ... یٹریاں تو بس صاحب لوگوں کا موڈ اچھا رکھنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ... م کرنے والی سیکریٹریاں گورے اپنے ساتھ لائے تھے اور ... تے ہوئے انہیں اپنی بیویاں بنا کر ساتھ ہی لے گئے تھے۔ ان ... سے سرمئی نسل کے کچھ اینگلو انڈین دانے یہاں رہ گئے ہیں' ... لال اسامیوں کے مقابلے میں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔"

اسی اثنا میں بے ہوش عورت نے کراہتے ہوئے اپنی آنکھیں نیم وا کیں اور جہانگیر "ارے باپ رے!" کہہ کر اچھل پڑا۔

"اب کیا ہوا تم کو؟" میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی تو آنکھیں بھی نیلی ہیں" وہ دانت پر دانت جما کر' کسی سردی کھائے ہوئے شخص کی طرح بولا "نیلی آنکھیں میرے دل پر خنجر کی طرح وار کرتی ہیں۔"

"اس کے معاملے میں سنجیدہ رہنے کی کوشش کرو۔ میں تمہیں ایک بار پھر متنبہ کررہا ہوں کہ یہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تو اس کا شوہر ہمارا اس شہر میں جینا دوبھر کردے گا۔ عملاً وہ دلدار آغا سے کم نہیں ہے۔"

"تم فکر نہ کرو' میں دل کے معاملات کو دماغ پر نہیں چڑھنے دیتا۔" وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

پہلے میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ہوش میں آنے سے پہلے وہاں سے کھسک جاؤں تاکہ وہ ایک اجنبی کے سامنے کھل کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے لیکن پھر میں نے ارادہ بدل دیا۔

میں کمال ہوشیاری کے ساتھ اسے اس کے فلیٹ سے نکال تو لایا تھا لیکن اس کے بھڑک اٹھنے کے خطرے کی وجہ سے راستے میں اس سے کوئی متنازعہ سوال نہیں کرسکا تھا اس لئے میں مختصر سی بازپرس کا سلسلہ اسی وقت ختم کردینا چاہ رہا تھا۔

کئی بار کسمسانے کے بعد آخر کار اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند ثانیوں تک وہ بستر پر چت پڑی اس طرح پلکیں جھپکاتی رہی جیسے اسے گھور اندھیرے سے یک بیک چندھیا دینے والی تیز روشنی میں دھکیل دیا گیا ہو۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرے پر ہوش مندی کی علامات ظاہر ہوئیں تو وہ بھڑک کر بستر سے اتر گئی اور کھا جانے والی نظروں سے باری باری ہم دونوں کو گھورنے لگی۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر غصیلے لہجے میں پھٹ پڑی "نمک حرام! تم تو مجھے کی کلب لے جارہے تھے... یہ کہاں لے آئے ہو؟ تم نے راستے میں مجھے بے ہوش کیوں کیا تھا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے اس کے غصیلے چہرے کا جائزہ لیا پھر پرسکون لہجے میں کہا "پہلی بات یہ کہ میں نمک حرام نہیں ہوں۔ تمہارے شوہر کا ملازم نہیں ہوں بلکہ اپنا نمک کھاتا ہوں اور اپنا ہی وفادار ہوں۔ دوسری بات یہ کہ کی کلب کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ شریف عورتیں وہاں نہیں جایا کرتیں۔ تیسری بات یہ کہ تم اس وقت میرے ایک محفوظ ٹھکانے پر ہو۔ آخری بات یہ کہ میں نے تمہیں بے ہوش نہیں کیا تھا۔ تم خود بے ہوش ہوگئی تھیں۔"

چند ثانیوں تک وہ خاموش رہی۔ اس کے چہرے کے تاثرات رفتہ رفتہ تشویش میں ڈھلتے جارہے تھے۔ آخر کار بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم نے جھوٹ بول کر مجھے اغوا کیا ہے۔“

”تم اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی ہو۔ میں نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔“

”لیکن تم نے کی کلب پر پولیس کے گھیراؤ اور میرے فلیٹ پر پولیس کے چھاپے کا ذکر کر کے مجھے اس قدر خوف زدہ کردیا تھا کہ میرے پاس تم پر بھروسا کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہیں تھا۔“

”کی کلب شہر کے رؤسا اور اعلیٰ حکام کی عیاشیوں کا خفیہ اڈا ہے۔ اگر تمہارا اس سے کوئی تعلق ہے تو تمہیں خوف زدہ ہونا ہی چاہئے تھا۔ ویسے سیٹھ اس وقت کہاں ہوگا؟“

”مجھے یہ سب تمہاری سازش معلوم ہوتی ہے۔ تم نے پہلے اسے بہانے سے گھر سے چلا جانے پر مجبور کیا پھر تم مجھے لے آئے۔ اسے بھی کی کلب کے حوالے سے الجھایا گیا ہے لیکن میں بتائے دیتی ہوں کہ حبیب سے ٹکرا کر تم خسارے میں رہو گے۔ وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کرے گا کہ کوئی اجنبی اس کی بیوی کی توہین کرے۔“

”تمہارے شوہر کا دم خم بھی جلد ہی سامنے آجائے گا۔ فی الحال تم یہ بتاؤ کہ رسوائے زمانہ کی کلب سے حبیب کا کیا تعلق ہے اور تم اس کی مصروفیات سے کس حد تک باخبر ہو؟“

”میں تمہاری کسی بات کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔“ وہ بے خوفی کے ساتھ بولی۔

اسے اپنے شوہر کی ہمت اور حوصلے پر ناز تھا اسی لئے وہ مجھ سے بحث کررہی تھی لیکن اس کے لئے بھی دل گردے کی ضرورت تھی اور میرا اندازہ تھا کہ وہ ایک دلیر عورت تھی۔

”چند روز یہاں رہو گی تو تمہارے سارے کس بل ڈھیلے ہو جائیں گے۔“

”تم مجھے میری مرضی کے خلاف یہاں نہیں روک سکتے۔ میں شور مچا کر ہنگامہ کھڑا کردوں گی۔“

”یہ شوق بھی پورا کرلینا۔“ میں نے نہایت سکون سے کہا۔ ”گلا بیٹھ جائے تو دوا مانگ لینا۔ یہ مکان ایک ویرانے میں واقع ہے جہاں میلوں دور تک تمہاری آواز سننے والا کوئی نہیں ہوگا۔“

”تم وحشی درندے ہو۔“ وہ کراہت آمیز انداز میں بولی۔ ”ایک بے بس عورت کے ساتھ یہ سلوک کسی مرد کے شایانِ شان نہیں ہے۔ پتا نہیں تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

”ہمیں سیٹھ کی اصلیت کا علم ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اسے جرمنی کی جیل سے کن لوگوں نے فرار کرایا تھا۔ وہ اب تک انہی کے لئے کام کر رہا ہے۔ اس کی خدمات کے صلے میں اسے بہت کچھ مل چکا ہے لیکن اب ہم بھی اپنا حصہ چاہتے ہیں۔ جب تک وہ ہمارے مطالبات تسلیم نہیں کرے گا، تمہیں یہاں رہنا ہوگا۔ وہ اپنی ضد پر اڑا رہا تو پھر اسے تمہاری لاش کا سامنا کرنا ہوگا۔ ہم لوگ حریفوں کو اپنے سامنے جھکانے کے ہرگُر سے اچھی طرح واقف ہیں۔“

اس بار میری باتیں سن کر اس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی۔ ”یعنی تم مجھے یرغمال بنانا چاہتے ہو؟“

”وہ تمہاری لاش ملنے پر بھی نہ جھکا تو اس کا کچا چٹھا پولیس تک پہنچا دیا جائے گا“ میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ”ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کوئی چکر چلا کر اس کے ہم شکل کو ریکارڈ میں سیٹھ حبیب جیوانی ظاہر کر کے مردہ قرار دیا جاچکا ہے لیکن یہ نہ بھولو کہ ایک مدت کے بعد بھی قبر سے متوفی کی باقیات نکال کر یہ ثابت کرنا دشوار نہیں ہوگا کہ وہ حبیب جیوانی نہیں تھا۔ ہم سے ٹکرا کر وہ اپنی زندگی عذاب بنالے گا۔“

وہ تھکے ہوئے انداز میں مسہری پر بیٹھ گئی اور نقاہت زدہ آواز میں بولی ”مجھے کچھ پتا نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ تمہاری باتوں میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے ایک بار حبیب سے فون پر بات کرنے کا موقع ضرور دو۔ میرا خیال ہے کہ میں افہام و تفہیم کی کوئی راہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہوجاؤں گی۔“

”کسی آخری فیصلے سے قبل میں اس بارے میں غور کروں گا۔ فی الحال تمہیں کسی سے رابطے کی کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ حبیب کا ابتدائی ردِعمل سامنے آنے کے بعد میں اپنا لائحہ عمل طے کروں گا۔“

میں ٹہلتا ہوا اس خواب گاہ سے باہر آگیا۔ جہانگیر وہیں رُ رہا۔

”یہ بہت خبیث اور ضدی آدمی ہے“ جہانگیر کی دھیمی آواز میرے کانوں سے محفوظ نہ رہ سکی ”تم اس سے زیادہ بات نہ کرو ورنہ یہ تمہارے بال مونڈ کر تمہارا چہرہ بگاڑ دے گا۔“

”لیکن تم بھی تو اسی کے ساتھی ہو“ عورت کی آواز ابھر ان کے مکالمات سننے کے لئے میں اپنی پیش قدمی ترک کر کے دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔

”پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں“ جہانگیر اسے رام کرنے کے چکر میں فرسودہ محاوروں پر اتر آیا تھا۔ ”پیڈرو نے اپ جوانی کے پورے بیس برس مال بردار بحری جہازوں پر نوکری کرتے ہوئے، کھلے سمندروں میں گزارے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایسے جہازوں پر جنسِ لطیف کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔ بیس سال تک دن رات مردوں میں رہ کر پیڈرو بالکل جنگلی ہوگیا ہے۔ اسے عورتوں سے نہ کوئی رغبت ہے اور نہ ہمدردی۔“

”تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم پیڈرو کے خلاف میرا ساتھ دو گے؟“

”وہ مجھے بھی چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ میں اتنا ضرور

کہتا ہوں کہ جب تک تم اس کی تحویل میں رہو، تمہیں اس کے تشدد سے بچاتا رہوں“ جہانگیر کی آواز سنائی دی۔

”اگر تمہاری یہ ہمدردی بے لوث ہے تو تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔“

وہ جہانگیر کی اپنی چالبازیاں تھیں جو اس نے میری توقع سے پہلے شروع کردی تھیں اس لئے میں اس پر اپنا بھرم قائم رکھنے کی نیت سے پنجوں کے بل چلتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ میں ڈرائنگ روم میں ٹی وی کے سامنے آبیٹھا۔ کچھ دیر بعد جہانگیر وہاں پہنچا تو خاصا مسرور اور شاداں نظر آرہا تھا۔

”وہ تم سے بہت زیادہ ڈر گئی ہے۔“ اس نے آتے ہی مجھے بتایا کیا۔

”چلو، اچھی بات ہے۔ تمہیں اپنی نرم دلی دکھا کر اس سے دوستی گانٹھنے میں آسانی ہوجائے گی۔“

”میں اتنا گھٹیا نہیں ہوں کہ اس کی زبان سے تمہاری ہجو سن کر بھی اس کی نیلی آنکھوں میں ڈوب جانے کی کوشش کرتا رہوں۔ میں نے اسے صاف الفاظ میں بتادیا ہے کہ میں تم سے مختلف نہیں ہوں۔“

اس کے سفید جھوٹ پر میں دل ہی دل میں ہنس دیا اور بولا۔ ”ان میں نے تو اجازت دے دی تھی کہ نظریۂ ضرورت کے تحت اس کے سامنے مجھے برا بھلا کہہ سکتے ہو۔“

”تمہاری اجازت اپنی جگہ، لیکن انسان کا ضمیر بھی تو کوئی چیز ہے“ اس نے اتنے پُرخلوص لہجے میں وہ بات کہی کہ اگر میں نے اس کی ہرزہ سرائی اپنے کانوں سے نہ سنی ہوتی تو بے اختیار اس پر یقین کرلیتا۔

”کئی بار سوچا کہ تمہاری برائیاں کر کے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کروں لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔“ مجھے خاموش پا کر اس نے اپنی پاکیٔ داماں کی حکایت کچھ اور دراز کردی۔

میرے لئے اس مرحلے پر اسے ٹوکنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس لئے میں نے بے پروائی سے کہا ”زبان کیسے ساتھ دیتی؟ تم ڈر رہے تھے کہ کہیں میں تمہیں بھی چیر پھاڑ کر نہ رکھ دوں۔ کھلے سمندر میں مال بردار جہازوں پر بیس برس گزارنے کے بعد آدمی بہت خونخوار اور جنگلی ہوجاتا ہے۔“

جہانگیر آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے مجھے گھورنے لگا۔ اس کے چہرے پر برسنے والی احمقانہ بوکھلاہٹ اور سراسیمگی قابلِ دید تھی۔ چند ثانیوں تک کوشش کے باوجود وہ اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ کرسکا پھر یکایک ہی اس کی زبان کی بندش دور ہوگئی اور وہ اونچی آواز میں مجھ پر برس پڑا۔

”تم بہت واہیات اور چھچھورے انسان ہو، میری ہی چھت کے نیچے میری جاسوسی میں لگے رہتے ہو۔“

”جاسوسی کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ جوش کی وجہ سے تم کو اپنی آواز پر قابو نہیں رہا تھا اس لئے میں نے واپس لوٹتے ہوئے تمہاری گفتگو لفظ بہ لفظ سنی ہے“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم جھوٹے ہو“ اپنی خفت مٹانے کے لئے اسے الزام تراشی کا سہارا لینا ہی تھا ”چیر پھاڑ کی بات تو میں نے کافی دیر بعد کی تھی۔ اتنی دیر میں تمہیں یہاں لوٹ آنا چاہئے تھا اور یہاں تک میری آواز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اس لئے بری طرح جھینپا ہوا تھا۔ وہ جھاڑ کے کانٹے کی طرح مجھ سے الجھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن میں کیبنٹ سے بوتل اور گلاس نکالنے کے بعد اسے ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

وہاں سے فارغ ہو کر میں فلیٹ پر پہنچا تو تینوں ہی بے تابی کے ساتھ میری واپسی کے منتظر تھے۔ ویرا سب سے زیادہ بھری بیٹھی تھی اور آثار بتا رہے تھے کہ اس نے غزالہ کو بھی میری طرف سے بھڑکایا ہوا تھا۔

”یہ وقت ہے تمہارا آنے کا؟ کہاں دھکے کھاتے پھر رہے تھے؟“ ویرا نے آنکھیں نکال کر دھونس سے پوچھا تھا۔

”آئندہ دیر ہوگئی تو رات باہر گزار کر سویرے ہی آیا کروں گا۔“ میں نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔

”میں فکر مند ہوگئی تھی“ غزالہ شکایتی لہجے میں بولی ”آج کل کے حالات اچھے نہیں ہیں اور ہم لوگ تو ویسے بھی تلوار کی دھار پر چل رہے ہیں۔ جب تک بلیک کیٹ ٹی زندہ ہے یہ خطرہ باقی رہے گا۔“

”مجھے احساس ہے ڈارلنگ۔ میں خود بھی گھر لوٹنا چاہ رہا تھا۔ میرے لئے تمہاری واپسی کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے لیکن میری مجبوری ناگزیر تھی۔ آج پھر ملا سرکار اپنی حاضر دماغی کی وجہ سے بال بال بچا ہے ورنہ اس کا بھی قصہ نمٹ ہی گیا ہوتا۔“

اس مردود کا ذکر سب ہی کے لئے چونکا دینے کا سبب بن گیا۔

ویرا اور غزالہ کو میرے مشن کا سرے سے علم ہی نہیں تھا کیونکہ سینڈو اور حبیب جیوانی سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد جب میں فلیٹ سے نکلا تو وہ دونوں شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ سلطان شاہ کو معلوم تھا کہ میں حبیب جیوانی کی بیوی کو اغوا کرنے کے ارادے سے نکلا تھا پھر میں نے ویرا کے گھر سے فون کر کے اسے اپنے الجھ جانے اور دیر سے فارغ ہونے کے بارے میں بتایا تھا لیکن وہ بھی اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ میں بلیک کیٹ ٹی کے مسئلے میں الجھ گیا تھا۔

”ہمارے درمیان دوستی اور دشمنی چلتی رہتی ہے“ میں نے براہِ راست ویرا سے مخاطب ہو کر کہا ”آج ہم ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ تم کب ہتھیار

سنبھال کر میرے خون کی پیاسی ہو جاؤ گی۔ اس لئے....."

"بس!" ویرا نے ہاتھ اٹھا کر تلخ لہجے میں کہا "تمہارے دل میں میری طرف سے ابھی تک بدگمانیاں موجود ہیں۔ جب ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف نہ ہوں تو پھر مل بیٹھنا راحت کے بجائے کوفت کا سبب بن جاتا ہے۔ جب تک غزالہ تم کو نہیں ملی تھی میں اخلاقاً خود کو تمہارا پابند سمجھ رہی تھی۔ اس کے آجانے کے بعد یہ مجبوری بھی دور ہو گئی ہے....."

"پوری بات سنو!" میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے سختی سے ڈانٹا۔ "بلاوجہ اپنا اور میرا موڈ برباد نہ کرو۔"

میں لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوا۔ جب خلاف توقع ویرا نے زبان نہیں کھولی تو میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جو کچھ میں بتانے والا ہوں وہ بہت اہم ہے اور اس ملک کی داخلی سلامتی کے ایک حساس موضوع سے تعلق رکھتا ہے اس لئے میں سب سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ ہمارے باہمی تعلقات جیسے بھی رہیں، ہم اس انکشاف سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور نہ اسے کسی اور پر ظاہر کریں گے۔ یہ راز ہمیشہ ہمارے سینے میں دفن رہے گا۔"

"یہ دونوں تو تمہارے اپنے اور پاکستانی ہیں۔ میں غیر ملکی ہوں اور تم مجھ سے بدظن بھی ہو، اس لئے بائبل لے آؤ تاکہ میں حلف اٹھا کر تمہیں اپنی نیک نیتی کا یقین دلا سکوں" ویرا کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"تم باز نہیں آؤ گی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"ویرا ٹھیک کہہ رہی ہے" غزالہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "اگر تمہیں ہم میں سے کسی کی نیک نیتی پر شبہ ہے تو تمہیں اس کی موجودگی میں یہ ذکر ہی نہیں چھیڑنا چاہئے تھا۔"

کچھ دیر کی بدمزگی کے بعد میں ان تینوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر میں نے اول خان کا نام ظاہر کئے بغیر اسپیشل ٹاسک فورس کا ذکر چھیڑ دیا جو بلیک کیٹ ٹی کے پیچھے لگ چکی تھی۔

میری کہانی ان کے لئے جتنی سنسنی خیز تھی، اس سے کہیں زیادہ تحیر آمیز تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہماری کوششوں کے نتیجے میں کوئی منظم اور طاقتور قوت بلیک کیٹ ٹی کی بیخ کنی کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔

○☆○

ہماری مجلس رات گئے تک جاری رہی اس لئے اگلی صبح میں شاید دیر تک سوتا رہتا لیکن فون کی مسلسل بجنے والی گھنٹی نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ سلطان شاہ اسی کمرے میں ایک صوفے پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ غزالہ، ویرا کے ساتھ دوسری خوابگاہ میں سو رہی تھی۔

"یار! میں نے صبح ہی صبح ایک بری خبر سنانے کے لئے فون کیا ہے" جہانگیر کی اداس اور بوجھل آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سب سے پہلے میرا دھیان مسز جیوانی کی طرف گیا تھا۔

اگر وہ جہانگیر اور اس کے ملازمین کو چکمہ دے کر نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھی تو وہ واقعی ایک بدترین خبر ہوتی۔ اس کی نشاندہی پر حبیب جیوانی پوری بربریت کے ساتھ جہانگیر کے مکان اور اس کے مکینوں کو نیست و نابود کروا سکتا تھا۔ وہ مقامی مافیا کا چیف تھا اور مافیا چیف کی بیوی کو اغوا کرنا دنیا کے کسی بھی خطے میں ناقابل معافی، سنگین جرم سمجھا جاتا ہے جس کی سزا کو مافیا کے سارے بڑے متحد ہو کر پوری قوت سے نافذ کرتے ہیں تاکہ جرائم کی دنیا میں ان کی ساکھ اور دھاک برقرار رہ سکے۔

"آگے پھوٹو!" اس کی خاموشی سے خلجان میں مبتلا ہو کر میں نے بے چینی سے کہا۔

"کل رات ڈاکوؤں کی بہت بڑی نفری نے منظور ماموں کی حویلی پر حملہ کر کے ان کا بدن چھلنی کر دیا....."

وہ خبر میرے اعصاب پر بجلی بن کر گری۔ منظور ماموں اپنی پوری احتیاط کے باوجود اس امر کو صیغہ راز میں رکھنے میں ناکام رہے تھے کہ ملا سرکار کے سحر کو ختم کر کے اس کے حجرے کو منہدم کرنے والے ان کے مہمان تھے۔ ملا سرکار یا بلیک کیٹ ٹی اندرون سندھ ڈاکوؤں کا سب سے بڑا سرپرست اور مربی تھا۔ اسے نقصان پہنچانے والے، اس کے پیروکاروں کے نزدیک ناقابل معافی مجرم تھے اور انہوں نے آخر کار منظور ماموں جیسے، اپنی کھال میں مست رہنے والے منچلے جاگیر دار کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"حویلی پر گھنٹوں فائرنگ کی گئی اور راکٹ بھی برسائے گئے" جہانگیر کی دل گرفتہ آواز مجھے کسی گہرے کنوئیں کی تہہ سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی "ان لوگوں نے ملازمین کی مدد سے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن پھر ان کا میگزین جواب دے گیا۔ وہ سب حویلی سے نکل کر تاریک باغ میں چھپ گئے لیکن ڈاکو پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے منظور ماموں اور ان کے بڑے لڑکے محمود کو ڈھونڈ نکالا۔ ان کی دلخراش چیخیں اور ڈاکوؤں کے وحشیانہ قہقہے رات کے اندھیرے میں گونجتے رہے۔ ثریا اور منصور ان چیخوں پر لرزتے رہے لیکن کوئی اپنی کمین گاہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ گولیوں کی آخری باڑھ کے ساتھ رانی پور کی اس بدنصیب حویلی میں سناٹا چھا گیا۔ آج صبح، اجالا پھیلنے پر وہ لوگ ڈرتے ڈرتے باہر نکلے تو منظور ماموں اور محمود کی چھلنی لاشیں رسوں کے سہارے حویلی کے بڑے پھاٹک پر جھول رہی تھیں۔ ڈاکوؤں نے انہیں بدترین تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد

قتل کیا تھا۔ مجھے ابھی ابھی منصور نے فون پر اس سانحے کی اطلاع دی ہے۔"

میرا دل یک بیک بوجھل ہو گیا۔ کہنے کو تو ان دونوں، باپ بیٹے کی عمروں میں کافی تفاوت تھا لیکن دونوں ہی چنچل اور رنگین مزاج تھے۔ دونوں ہی نے الگ الگ ویرا سے اظہار عشق کر کے سب توفیق پھٹکار اور مار کھائی تھی لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اس سراپا ناز کی ناز برداری سے بے مزہ نہیں ہوا تھا۔

اس دہرے قتل کا بوجھ مجھے اپنی گردن پر محسوس ہونے لگا۔ ہم منظور ماموں کے مہمان تھے اور محمود نے کوٹ مندو کی طرف ہماری رہنمائی کی تھی۔ ان دونوں کا بس وہی جرم تھا جس پر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

"تم ان کی تدفین کے لئے جاؤ گے؟" قدرے سکوت کے بعد میں نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"نہ میں جاؤں گا اور نہ تم ادھر کا رخ کرو گے" جہانگیر نے جواب دیا "یہ منصور کی ہدایت ہے۔ ڈاکوؤں کے انتقام کی آگ دشمن کے لہو کی پھوار کے بغیر سرد نہیں ہوتی۔ اس کا خیال ہے کہ ڈاکوؤں کے مسلح ساتھی بھیس بدل کر جنازوں میں شرکت کریں گے اور اس جلوس میں ہم میں سے جو بھی دیکھا یا پہچانا گیا، اسے وہیں بھرے جلوس میں چھلنی کر دیا جائے گا۔ کوٹ مندو کے واقعے نے ڈاکوؤں کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا ہے۔ منصور نے ہمیں کراچی میں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"وہ دونوں ہماری مدد اور میزبانی کرنے کی وجہ سے مارے گئے" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اور ہم اپنے ہاتھوں سے انہیں مٹی بھی نہیں دے سکتے، کیسی مجبوری اور بے بسی ہے؟"

"یہ سب بہانے ہوتے ہیں۔ موت کا وقت تو ہر ایک کا مقرر ہوتا ہے۔"

"اور مسز جیوانی کہاں ہے؟" کچھ دیر تک منظور ماموں اور ان کی اولادوں کے بارے میں گفتگو کرنے کے بعد میں نے سرسری روا روی میں پوچھا۔

"کچن میں ناشتا بنا رہی ہے" جہانگیر کا جواب سن کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

"وہ کسی کھڑکی یا روشندان سے نکل بھاگی تو اس کا شوہر تمہیں کچا چبا جائے گا" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ نہیں بھاگے گی۔ میں نے اسے مسلح پہرے داروں کا خوف دلایا ہوا ہے۔ وہ یہیں میرے ساتھ تھی۔ اس کے جاتے ہی منصور کا فون آیا تھا۔ ویسے میں مزید احتیاط رکھوں گا۔"

"وہ تمہاری خوابگاہ میں کیا کر رہی تھی؟" میں نے ترش لہجے میں سوال کیا۔

"وہ اپنے کمرے میں ڈر رہی تھی" اس کی خفت آمیز آواز ابھری "میں رات ہی کو اسے یہاں لے آیا تھا۔ اس سے میری دوستی ہو گئی ہے۔ منظور ماموں اور محمود کے دہرے قتل کی خبر نے میرا اچھا خاصا موڈ غارت کر دیا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمہیں الو کا گوشت کھلا دیا ہے" میں نے غصیلے لہجے میں کہا "رات بھر تم سے دوستی کر کے تمہاری عقل چوپٹ کر دی اور اب وہ یقیناً نکل بھاگی ہو گی۔ میں لائن ہولڈ کر رہا ہوں۔ کچن دیکھ کر مجھے بتاؤ کہ وہ موجود ہے یا بھاگ گئی۔"

"میں دو منٹ میں آتا ہوں" وہ میری ہدایت پر بحث کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا اور انتظار کا وقفہ تکلیف دہ حد تک طویل ہوتا چلا گیا۔ اس تاخیر نے میرے اندیشوں کو اور قوی کر دیا۔ اگر مسز جیوانی فرار ہو ہی گئی تھی تو جہانگیر کے سر پر جوتے لگانے ضروری ہو گئے تھے۔

تقریباً دس منٹ بعد ریسیور میں جہانگیر کے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان اس کی آواز ابھری "وہ..... وہ موجود ہے۔"

"موجود ہے تو تم ہانپ کیوں رہے ہو؟" میں نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا اندازہ درست تھا" اس کی مسمسی آواز ابھری "وہ کچن کی کھڑکی سے احاطے میں کود گئی تھی لیکن چوکیدار نے بروقت اسے دیکھ لیا۔ میں ابھی ابھی اسے کمرے میں مقفل کروا کے آیا ہوں۔ اب اس الو کی پٹھی کے ساتھ ذرا سی بھی رعایت نہیں کروں گا۔ یہاں سے ایسی معصوم بن کر گئی تھی جیسے عمر بھر یہاں سے جانے کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔"

"تم میں ذرا سی بھی شرم ہے تو کہیں ڈوب مرو!" میں اس پر برس پڑا "بڈھے طوطے ہو گئے ہو لیکن تریا چلتر کو خاک نہیں سمجھتے۔ بس جہاں کسی عورت کو دیکھتے ہو، رال ٹپکنے لگتی ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اس سے ہوشیار رہنا لیکن تمہیں تو ضد ہو گئی ہے کہ جو کچھ میں کہوں گا، تم اس کا الٹ ہی کرو گے....."

اس نے شرمسار لہجے میں میری بات کاٹ دی "بس اب اتنی لعن طعن نہ کرو۔ منظور ماموں کے قتل سے میرا دل ویسے ہی برا ہو رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں واقعی خود کو گولی مار لوں تم یقین کرو کہ میری جگہ تم خود بھی ہوتے تو اس کی معصومانہ اداکاری سے دھوکا کھا جاتے۔ سالی پکی صورت حرام ثابت ہوئی ہے۔"

"میری بات رہنے دو۔ تم وہاں رہ کر ناقل ہو اور میں یہاں بھی چوکنا ہوں۔ اگر میں ابھی تمہیں کچن کی طرف نہ دوڑاتا تو وہ تمہارے چوکیدار سے کبڈی کھیل کر صاف نکل جاتی اور تم اپنی گردن کٹوا بیٹھتے۔"

"تم کو تو واقعی پیر یا ولی ہونا چاہئے تھا" جہانگیر کی تحیر زدہ آواز ابھری "چوکیدار شور مچائے بغیر، اکیلا ہی ا.....

کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں عقبی لان پر ایک دوسرے سے بری طرح گتھم گتھا تھے۔ میں کچن کی کھلی ہوئی کھڑکی سے ادھر نہ کودا ہوتا تو شاید وہی کچھ ہوتا جس کا تم ذکر کرتے ہو۔"

"میں اپنے پوت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تمہارے نوکر بھی تم سے کم نہیں ہیں۔"

مزید تلخ نوائی سے بچنے کے لئے میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

منظور ماموں اور ان کے بڑے لڑکے کے وحشیانہ قتل کی خبر اتنی معمولی نہیں تھی کہ میں دوبارہ بستر میں دبک کر سو جاتا۔ ان لوگوں سے میری ملاقات بہت مختصر تھی اور ویرا کے تجربات کی وجہ سے مجھے وہاں کچھ کوفت بھی ہوئی تھی لیکن مجموعی طور پر میں اس گھرانے سے خوشگوار یادیں لے کر واپس ہوا تھا۔ وہ لوگ رانی پور میں مخیر ہونے کی شہرت رکھنے کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے۔

انتظامیہ اور دوسرے اہم اداروں میں ان کے رسوخ کا یہ عالم تھا کہ اپنی سہولت اور مرضی کے مطابق منظور ماموں نے ایریا کمانڈر کو اپنی حویلی میں چائے پر بلالیا تھا۔ اگر ان جیسے جاگیردار کے ساتھ ڈاکو اتنا من مانا سلوک کر سکتے تھے تو دیہی علاقوں کی ناخواندہ اور بے آسرا آبادیوں کی بے بسی کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

ہیروئن کی زرخیز کوکھ سے ملک میں غیر قانونی اسلحے نے جنم لیا تھا اور اس اسلحے کے بل پر ڈاکو اور دہشت گرد' روز بروز قانون کے رکھوالوں کے لئے ایک کھلا چیلنج بنتے جا رہے تھے۔

اسلحے کی قوت کا اندازہ اس ایک امر سے لگایا جا سکتا تھا کہ بلیک کیٹ ٹی کی ہولناک سازش کے تانے بانے پوری طرح تیار تھے مگر اس کی کامیابی کے لئے اسلحہ درکار تھا جس کے راستے کاٹ کر پوری سازش کے تار و پود کو بکھیرا جا سکتا تھا۔

اس وقت میری رسٹ واچ صبح کے چھ بجا رہی تھی۔ باہر صبح کا ملگجا اجالا' تیزی کے ساتھ رات کے اندھیروں کو نگلتا جا رہا تھا۔ وہ تینوں بے خبر سوئے ہوئے تھے جب کہ میری نیند اچاٹ ہو چکی تھی اس لئے میں نے سگریٹ سلگا کر وقت گزاری کے لئے ٹریڈ لائن کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا تاکہ سینڈو سے ڈان کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل کر سکوں۔

"تم کیا فون ہی سے لگے بیٹھے تھے؟" پہلی گھنٹی پر دوسری طرف سے سینڈو کی آواز سن کر میں نے حیرت سے پوچھا۔

"رات بھر شہر کے بدنام اڈوں کی خاک چھاننے کے بعد ابھی ابھی واپس لوٹا ہوں" اس نے گہرا سانس لے کر تھکے ہوئے لہجے میں کہا "رات کو کسی نے چیف کو چکمہ دے کر اس کی بیوی کو اغوا کر لیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آگے کی بات بتاؤ" روا روی میں بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

"باس! تو کیا تم نے اٹھایا ہے اسے؟" سینڈو کی دھیمی اور تحیر زدہ آواز ابھری۔

مجھے فوراً ہی ہوش آگیا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا جسے واپس [illegible] ناممکن تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو!" میں نے بات نبھانے کے لئے غراتے ہوئے کہا "مجھے کیا ضرورت تھی اسے اٹھانے کی؟"

"پھر یہ خبر تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟ اس واقعے پر چیف غصے اور مایوسی سے پاگل ہوا جا رہا ہے لیکن پھر بھی وہ بہت رازداری سے کام لے رہا ہے۔ اس نے صرف مجھے اپنے اعتماد میں لیا ہے اور مجھے اپنے آدمیوں تک سے کام لینے سے منع کر دیا ہے۔"

"اغوا کرنے والوں کو کسی طرح میرے اور چیف کے تعلقات کا علم ہو گیا ہے کیونکہ چیف کی بیوی کی رہائی کے لئے تاوان ادا کرنے کا پیغام مجھے رات ہی کو مل گیا تھا۔"

"اوہ! یہ خبر تو فوراً چیف کو ملنا چاہئے" اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"نہیں' کیونکہ چیف کی معلومات کے مطابق میں حویلیاں میں اپنے چچا کے یہاں بیمار پڑا ہوا ہوں" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔

"یہ تو گڑبڑ ہو گئی" میرے انکشاف اور پھر انکار پر وہ پریشان ہو گیا "یہ پیغام چیف کو نہ ملا تو وہ میری مٹی پلید کراتا رہے گا۔ تم مجھے بتا دو' میں اپنے طور پر پیغام اُسے پہنچا دوں گا۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ بات آگے بڑھی تو مجھے سامنے آنا پڑے گا۔ وہ مذاکرات کے لئے بار بار مجھ سے رابطہ کرتے اس لئے میں نے فون کرنے والے سے کہہ دیا کہ میں کسی حبیب جیوانی کو نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اب براہِ راست چیف ہی سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں۔ میں اس معاملے سے باہر رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں اپنا آدمی سمجھ کر بتا دیا ورنہ کسی اور کو میں اپنی معلومات کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔"

وہ میری خوشامد کرتا ہوا بولا "پھر یہ بھی بتا دو کہ اغوا کرنے والا کون ہے اور کتنا تاوان مانگتا ہے؟"

"لیکن یہ باتیں تمہارے سینے میں دفن رہیں گی" میں نے تاکید کرتے ہوئے کہا "وہ میر بحر چاچڑ کے آدمی ہیں اور دو کروڑ مانگتے ہیں۔ مسز جیوانی جنگلات میں ان کے پاس بحفاظت موجود ہے۔"

"دو کروڑ روپے!" سینڈو نے سرسراتی ہوئی آواز میں دہرایا "چیف مر کر بھی اتنا تاوان ادا نہیں کر سکے گا۔ بس ایک ہی راستہ نظر آتا ہے کہ مدر مافیا فنڈ فراہم کرے۔ کسی بھی چیف کی بیوی پوری مافیا کی عزت ہوتی ہے۔ اسے بچانے کے لئے مافیا میر بحر چاچڑ کو تحت الثریٰ سے بھی نکال لے گی۔"

"یہ معاملہ بہت سنگین ہے اسی لئے میں نے تم کو اپنی زبان بند رکھنے کا حکم دیا ہے۔"

ماری اور چیف کی پرخاش اپنی جگہ پر ہے۔ مجھے معلوم تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہے لیکن اسی کے ساتھ میں وی کے بارے میں بھی فکر مند ہوں۔ اس کی بازیابی کے کچھ کر سکتے ہو تو تمہیں ضرور کرنا چاہئے۔ ایسے نیک لئے آدمی صلے اور ستائش کی پروا کئے بغیر بہت کچھ کر ہے۔"

یں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا کہ میر بحر چاچڑ کے کا پیغام رساں بننا پسند کر لیتا۔ میرے انکار کے بعد وہ بند ہو گیا ہے۔"

م چیف سے بات کر کے دیکھو۔ شاید وہ تمہیں بھی اعتماد لے۔"

اسے کراچی میں میری موجودگی کا علم ہوا تو وہ میری طرف میں پڑ جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی کے اغوا کو وہ سے منسلک کر کے میرے خلاف اپنی مہم تیز کر دے۔"

حالات ایسے ہیں کہ میں تمہارے کسی اندیشے کی تردید سکتا" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

ڈان کی آمد کا کیا رہا؟" اس لمبی تمہید کے بعد آخر کار میں وال کر ہی ڈالا جس کا جواب حاصل کرنے کے تجسس میں نے اس وقت سینڈو کو فون کیا تھا۔

پہلے سپر ڈان کی آمد کی خبر تھی لیکن کل شام آخری لمحات نے اپنا پروگرام منسوخ کر دیا۔ چیف سے معلوم ہوا تھا ب دو چار روز کے بعد ڈان تھری یہاں آئے گا۔"

کیا سپر ڈان کی آمد کی منسوخی کا چیف کی بیوی کے اغوا سے لق ہے؟"

"نہیں... پروگرام شام کو منسوخ ہوا تھا۔ اغوا کا واقعہ تو میں کسی وقت رونما ہوا ہے۔"

"میں اس کی بازیابی میں تمہاری کامیابی کے لئے دعاگو ہا گا۔"

اس سے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا وہ میں اگلوا چکا تھا اس میں نے فون بند کر دیا۔

اس صبح کا آغاز کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔ منظور ماموں اور کے قتل کی اندوہناک خبر کے بعد سپر ڈان کی آمد کی منسوخی لئے مایوس کن ثابت ہوئی تھی کیونکہ اس طرح سیٹھ ب جیوانی کی سرکوبی کا میرا منصوبہ بھی التوا کا شکار ہو گیا تھا۔ تک مافیا کا کوئی بڑا کراچی نہ آتا مجھے حبیب جیوانی کی طرف چلائی ہوئی سرد جنگ کی مہم سے نبرد آزما رہنا پڑتا جب کہ میں انصافی محاذ کو جلد از جلد بند کرنا چاہتا تھا۔

میں اپنے لئے کافی بنانے کی نیت سے کچن کی طرف چلا تھا کہ دروازے کی طرف سے سرسراہٹ کی آواز سن کر مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور لمحہ بھر میں دروازے اور فرش کے درمیانی خلا سے ایک لفافہ اندر داخل ہو گیا۔

میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ شاید اول خان کا کوئی آدمی ہم لوگوں کی نیند میں خلل ڈالے بغیر میرے لئے کوئی پیغام لایا تھا لیکن میں نے فوراً ہی اپنے اس خیال کو مسترد کر دیا۔

ان لوگوں کا طریقہ کار بہت محتاط اور محفوظ تھا۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ میں اس فلیٹ میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ ایسی صورت میں تحریری پیغام خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اس قوی امکان کو کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لفافہ تجسس یا نادانستگی میں کوئی اور بھی کھول سکتا تھا۔

لفافہ تو اندر پہنچ ہی چکا تھا' اسے کسی بھی وقت کھول کر دیکھا جا سکتا تھا لیکن وہ لمحات گزر جانے کے بعد پیغام لانے والے کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا اس لئے میں تیزی سے دروازہ کھول کر باہر لپکا۔

میں نے وہ فیصلہ پلک جھپکتے میں کیا تھا لیکن میں فلیٹ سے باہر نکلا تو ایک دراز قامت شخص بہت تیزی کے ساتھ سیڑھیوں کا موڑ گھوم رہا تھا۔

اس وقت میرے بدن پر شب خوابی کا لباس موجود تھا۔ اس حالت میں باہر نکل کر میں خود کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا سکتا تھا۔ دوسری طرف لفافہ چھوڑنے والے کی عجلت میرے لئے ناقابلِ فہم تھی۔ میں نے لمحہ بھر ٹھٹکنے کے بعد سیڑھیاں اترنا شروع کر دیں۔ چوکیدار نے مجھے حیرت سے دیکھا تھا۔

میں باہر پہنچا تو مجھے تاخیر ہو چکی تھی کیونکہ دراز قامت شخص ایک لمبی سی سیاہ کار کا دروازہ کھول کر اس میں سوار ہو رہا تھا۔ کار کا انجن شاید پہلے سے اسٹارٹ تھا کیونکہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی وہ کار ایک جھٹکے سے آگے روانہ ہو گئی۔ میں نے کار کی نمبر پلیٹ پر نگاہ ڈالی اور وہ نمبر ذہن میں محفوظ کر کے واپس ہو لیا۔

اوپر پہنچ کر میں نے لفافے پر نگاہ ڈالی اور بری طرح چونک پڑا کیونکہ وہ پیغام میرے لئے نہیں تھا۔ اس پر مس ویرا لائیڈ کا نام میرا منہ چڑا رہا تھا۔

ویرا میرے فلیٹ میں آتی جاتی رہتی تھی لیکن اسے مستقل طور پر وہاں آئے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس کے لئے وہ پُراسرار لفافہ آگیا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ شہر میں یک بیک ایسا کون سا شخص پیدا ہو گیا تھا جو ویرا کی ذات میں اتنی گہری دلچسپی رکھ سکتا تھا۔

مجھے قلق ہونے لگا کہ میں نے چند لمحوں کی تاخیر سے لفافہ لانے والے کو گنوا دیا تھا۔ اس وقت میرے لئے وہی ایک خیال طمانیت کا باعث تھا کہ میں نے اس پُراسرار اجنبی کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔

لفافہ مضبوطی سے بند تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ ویرا کی لاعلمی میں اسے کھول کر دوبارہ بند کر دیا جاتا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ

طرح میری مصروفیات کے بعض شعبے ویرا کی نگاہوں سے اوجھل تھے' اسی طرح وہ بھی پس پردہ اپنے کچھ چکر چلا رہی تھی۔ وہ محض ایک اتفاق تھا کہ پراسرار پیغام رساں کی حماقت کی وجہ سے وہ لفافہ میرے ہاتھ آگیا تھا۔

کافی پاٹ کا پلگ آن کر کے میں نے ویرا اور غزالہ کی مشترکہ خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ویرا نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔ دروازہ بند ضرور تھا لیکن اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ میں نے اسے قدرے کھول کر ویرا کو باہر آنے کے لئے کہا اور دوبارہ کچن کی طرف چلا گیا۔

ویرا بند لفافہ دیکھ کر مجھ سے زیادہ حیران ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں دور دور تک ایسے کسی شخص کا نام ونشان نہیں تھا جو اس سے ایسے پراسرار انداز میں پیغام رسانی کرنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔

اس نے لفافہ کھولا تو اس میں سادہ کاغذ پر انگریزی کے دو الفاظ ٹائپ کئے ہوئے تھے جن کا مفہوم تھا' آرنیٹ سے رابطہ کرو وہ ایک واضح ہدایت تھی' اس کے نیچے چھ ہندسوں پر مشتمل ایک نمبر تھا جو منطقی طور پر آرنیٹ کا فون نمبر ہونا چاہئے تھا کیونکہ ویرا کے مقامی بلکہ غیر ملکی شناساؤں میں بھی آرنیٹ نام کا کوئی شخص شامل نہیں تھا۔

"یہ نمبر ملا کر دیکھو کہ یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟" میں نے مشورہ دیا۔

"تم جاگ ہی رہے تھے تو تم نے اسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"...۔ سیڑھیوں کے اختتام تک اس کا پیچھا کیا تھا لیکن وہ بہت تیزی کے ساتھ واپس گیا تھا۔ تم فکر نہ کرو' اگر کوئی پیچیدگی پیدا ہوئی تو میرے پاس اس کی کار کا نمبر محفوظ ہے۔"

ویرا اس دو لفظی ہدایت سے اتنی پریشان ہوئی کہ اس نے فوراً ہی رقعے پر ٹائپ کیا ہوا نمبر ڈائل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں اس کے قریب ہی موجود تھا۔

دوسری طرف آرنیٹ نے شاید خود ہی وہ کال وصول کی تھی کیونکہ چند مختصر سے فقروں کے تبادلے کے بعد ویرا نے مایوسانہ انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آرنیٹ نے غیر ضروری گفتگو سے احتراز کرتے ہوئے اپنا مدعا بتانے کے بعد فون بند کردیا ہو۔

"ایک کاؤنسلیٹ میں طلبی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آرنیٹ وہیں کا کوئی افسر ہے" ویرا نے مجھے آگاہ کیا۔

وہ اطلاع چونکا دینے والی تھی۔ ویرا خود بھی ان امور پر کوئی روشنی نہیں ڈال سکی کہ اس غیر ملکی سفارتی مشن کو اس کی ذات میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی اور اسے کیسے علم ہوا کہ ویرا میرے فلیٹ میں ہی مقیم تھی؟

کافی اور ناشتے کے دوران بھی ہمارے درمیان اسی ... پر بات ہوتی رہی۔ موٹروہیکل رجسٹریشن آفس میں سلطان ... کوئی پرانا شناسا کام کرتا تھا۔ سلطان شاہ نے اسے فون ... پیغام لانے والے کی کار کا نمبر دیا اور تھوڑی دیر بعد ... ہوگئی کہ وہ کاؤنسلیٹ کی اسٹاف کار کا نمبر تھا۔

ویرا کا ارادہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا تھا ... غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کا اکیلا جانا ہی ... گا۔ آرنیٹ نے اس سے جس انداز میں مختصر گفتگو کی تھی ... سے ظاہر ہوگیا تھا کہ وہ کوئی بہت خاص اور خفیہ معاملہ ... میں کسی اور کا شامل کیا جانا ممکن نہیں تھا۔

ویرا کو وہاں پہنچنے کے لئے گیارہ بجے کا وقت دیا گیا ... لئے وہ تیار ہو کر ساڑھے دس بجے فلیٹ سے روانہ ہوگئی ... میں غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔ سلطان شاہ ... باتیں کرنے کا موقع دے کر باہر نکل گیا تھا۔

میری اور غزالہ کی رفاقت کی کہانی بہت عجیب اور ... جس میں رفاقت کے آسودہ لمحے بھی تھے اور ہجر وانتظار کی ... ناک گھڑیاں بھی۔ میری تو پوری زندگی ہی ایک ہنگامہ خیز ... چل رہی تھی لیکن مجھ سے ملاقات کے بعد غزالہ کی زندگی ... تصور پیچیدگیوں کا شکار ہوگئی تھی۔ سب سے بڑھ کر المناک ... یہ تھی کہ اس خانہ دار لڑکی کو اپنا گھربار چھوڑنے پر مجبور ... گیا۔ مقدر کا لکھا کچھ یوں ہی تھا کہ ویرا اسے اغوا کر کے ... لے گئی۔ غزالہ کے پیچھے اس کی ماں کا انتقال ہوا' باپ ... خودکشی کی اور آخر میں جب اس کے اکلوتے بھائی' کام... ذہنی توازن سنبھلا اور وہ اپنی بہن کے ہمراہ دلدار آغا کے ... رہنے لگا تو کاتب تقدیر کو ایک ہی ماں کی کوکھ سے جنم لینے ... کی وہ یکجائی ایک آنکھ نہ بھائی۔ دلدار آغا میرے ہاتھوں ... ہوا' غزالہ لاپتا ہوگئی اور کامران ایک بھیانک سازش ... ہو کر ایک کار بم کے دھماکے میں لوتھڑوں میں تبدیل ہوگیا۔

غزالہ کی داستان پر پیچ کہانیوں کی ایک دلگداز لڑی ... ہم دونوں کے لئے ان میں سے ہر کہانی میں بے پناہ د... موجود تھیں۔ غزالہ کھو کر' بچھڑ کر اور پرائی دہلیز کی باندی ... کے بعد آخر کار میرے پاس واپس آئی تھی۔ دلدار آغا کے ... میں اسے جو خوش فہمیاں تھیں' وہ دور ہونے کے بعد بھی ... اس وقت تک اس کے بندھن میں بندھی رہی جب تک ... آغا زندہ تھا۔ اپنی خوش فہمیوں کا احساس ہوجانے اور ... پناہ چاہنے کے باوجود غزالہ نے کبھی بھول کر بھی دلدار آ... بے وفائی نہیں کی تھی بلکہ ہمیشہ مجھے اپنے وجود سے دور ... مشورہ دیتی رہی اور یہی اس کی وفاداری کی سب سے بڑی ... تھی۔

ہم دونوں دنیا ومافیہا سے بے خبر اپنی باتوں میں ایسے ...

... وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ اس اثنا میں ... جانے کب واپس آکر اپنے کمرے میں جا گھسا تھا۔ ... فلیٹ کی چابی موجود رہتی تھی اس لئے اس نے ... کھولنے کے لئے بھی ہمیں زحمت نہیں دی تھی۔ ... کی موجودگی کا علم اس وقت ہوا جب اس نے ... میں آکر لنچ کے بارے میں دریافت کیا۔

... استفسار پر میں نے چونک کر گھڑی پر نگاہ ڈالی تو یہ ... ہ گیا کہ باتوں ہی باتوں میں دو بج چکے تھے اور ہمیں ... کا احساس ہی نہیں ہوسکا تھا۔

... کچھ حساس اور چڑچڑی ہوگئی ہے" غزالہ نے ... ے کہا "اس کی واپسی کا انتظار کرلو ورنہ وہ برا مان ... کئی دن تک روٹھی رہے گی۔"

... یہ تبدیلی تمہاری واپسی کے بعد آئی ہے" سلطان ... یز لہجے میں کہا "اس سے پہلے تو وہ دن رات ڈینی کے ... وں میں لگی رہتی تھی۔"

... سمجھتی ہوں" غزالہ کے لبوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ ... "اپنوں سے دور رہ کر میں نے زندگی کے ہر کھیل کو ... دیکھا اور سمجھا ہے۔ وہ ڈینی پر اپنا ... حق سمجھتی ... رتھی تو میرے بارے میں وہ مجرمانہ احساس کا شکار ... لوٹ آئی ہوں تو اسے محرومی کا احساس ستانے لگا ...

... پرانا سلطان شاہ نہیں رہا' بہت بدمعاش ہوگیا ہے۔ ... سے کہا "تم اس مردود کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ ویرا ... نے لگا ہے اس لئے اس کے بارے میں بے سروپا باتیں ... ہے۔"

... شاہ بھی ہمارے ساتھ وہیں بیٹھ گیا اور ہنسی مذاق کا ... وگیا۔

... کی واپسی تین بجے ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے ... گہری سنجیدگی مترشح تھی۔

... دم ہوتا ہے کہ کسی کو مٹی دے کر آئی ہو" میں نے ...

... کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہاں کیا ہورہا ہے اور کیا ... ہے" اس کی سنجیدگی میں سرمو فرق نہیں آیا تھا "کل ... ولنے سے پہلے ہم لوگوں سے وعدے لینے کی ضرورت ... ر آج میں اپنی زبان کھولتے ہوئے ڈر رہی ہوں۔ یہ ... نکل گئیں تو میں ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہیں رہ ...

... بے فکر ہو کر بات کرو' یہاں کی بات باہر نہیں جاسکے گی ... ند ثانیوں تک خاموش رہی پھر سگریٹ سلگا کر سوچنے لگی ... بات کی ابتدا کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کررہی ...

ہو۔ اس کی وہ پر تشویش اور اضطرابی کیفیت میرے لئے بالکل نئی تھی۔

"میں جمی لائیڈ سے بات کر کے آرہی ہوں" اس کے انکشاف پر ہم تینوں ہی حیرت سے اچھل پڑے۔

"تو کیا وہ کراچی میں موجود ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"تم ہمیشہ بونگی بات سوچو گے" ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی۔

"کیا اس سے فون پر بات نہیں ہوسکتی؟"

"فون تو تم یہاں سے بھی کرسکتی تھیں۔ آرنیٹ تمہیں بلانے کے بجائے براہ راست کہہ سکتا تھا کہ فلاں نمبر پر فلاں شخص سے بات کرلو" سلطان شاہ فوراً بحث پر تل گیا۔

"امکانات میں سر کھپانے کے بجائے ویرا کی بات غور سے سنو" میں نے سلطان شاہ کو ڈانٹ کر خاموش کردیا۔

"ان لوگوں کے دنیا بھر میں مائیکروویو رابطے ہیں جو ... سیٹ اور اس کے سگنل وصول کرنے والے ڈش اینٹینا یونٹوں پر مشتمل ہیں۔ آرنیٹ نے اپنے ہی یونٹ سے میری بات کرائی ہے۔"

میرے ذہن میں فوراً ہی یہ خیال ابھرا تھا کہ جمی لائیڈ کا اس سفارتی مشن سے کیا تعلق ہے؟ اور تعلق بھی اتنا مضبوط کہ ویرا اور جمی کی بات کرانے کے لئے مشن کا سفارتی سیٹلائٹ فون استعمال کیا گیا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ ویرا کی بات مکمل ہوجانے کے بعد ہم کھل کر سارے سوالات پہ تبادلۂ خیال کرسکتے تھے۔

"جمی لائیڈ مجھ پر بہت برہم ہوا۔ اس کا خیال ہے کہ پاکستان آکر میں پھر بہک گئی ہوں۔ کسی ذریعے سے اس سے شکایت کی گئی ہے کہ میں بلیک کیٹس سے اسلحے کے سودے پر لات مار رہی ہوں۔ جمی لائیڈ کی خواہش ہے کہ تفصیلات طے کر کے اسلحہ جلد از جلد ان لوگوں کے حوالے کیا جائے کیونکہ اس سودے کی تکمیل کے لئے اس پر کئی طرف سے شدید دباؤ ڈالا جارہا ہے" وہ بتا رہی تھی اور ہم تینوں حیرت سے دیدے پھاڑے اس کے انکشافات سن رہے تھے۔

"میں نے اسے آگاہ کردیا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی سودے کی اصولی منظوری کے بعد لاپتا ہے کیونکہ اس کے پاس فنڈز کی قلت ہے۔ جمی لائیڈ نے مجھے ہر قیمت پر بلیک کیٹس کو جلد از جلد اسلحہ فراہم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بلیک کیٹ ٹی رقم نہ دے سکا تو اس آپریشن سے دلچسپی رکھنے والی ایک بین الاقوامی خفیہ ایجنسی معاہدے کی پوری رقم ادا کرے گی۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ تمہارے سندھ کے معاملات بہت نازک ہوچکے ہیں۔"

جو کچھ ویرا بتا رہی تھی اس کا مطلب صاف ظاہر تھا۔ سندھ

میں مقامی اور غیر ملکی تخریب کاروں کے ذریعے شورش پھیلانے کے لئے ملاّ سرکار جو کچھ کر رہا تھا اس میں صرف بلیک کیٹس ہی ملوّث نہیں تھے بلکہ بعض دیگر غیر ملکی طاقتیں بھی دلچسپی لے رہی تھیں اور چاہتی تھیں کہ رقم ملنے یا ڈوبنے کی پروا کئے بغیر شی اپنے ذرائع سے بلیک کیٹ ٹی کو اسلحے کی وہ بھاری مقدار فوراً فراہم کردے جو بلیک کیٹ ٹی کو درکار تھی تاکہ وہ وقت ضائع کئے بغیر اپنے مذموم منصوبے پر عمل درآمد کا آغاز کرسکے۔

پڑوسی ملک کے علاوہ دوسری غیر ملکی طاقت کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ تازہ ترین حالات سے باخبر تھی۔ بلیک کیٹ ٹی کے ساتھ ٹال مٹول میں ویرا نے بہت زیادہ مدت نہیں گزاری تھی لیکن فریق ثانی ویرا کی نیت سے باخبر ہوگیا تھا۔

وہ غیر ملکی طاقت کون ہوسکتی تھی اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں تھا کیونکہ کوئی بھی غیر ملکی سفارتی مشن اپنے کسی دوررس مفاد کے بغیر دو مجرموں کو اپنے مواصلاتی ذرائع پر مشاورت کے لئے یکجا کرنے کی جرات تک نہیں کرسکتا تھا۔ اگر سفارتخانے کے سیٹلائٹ فون پر ویرا اور جمی لائیڈ کے رابطے کی خبر پھیل جاتی تو آرنیٹ کے کاؤنسلیٹ بلکہ پورے سفارتخانے کے لئے ناقابلِ تصور سیاسی دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ خطرہ مول لیا گیا تھا۔

"تم نے جمی لائیڈ کے ساتھ کیا طے کیا ہے؟" میں نے ویرا سے سوال کیا۔

"کچھ بھی نہیں!" ویرا نے تیزی سے کہا "میں نے اسے بتادیا کہ میں اسلحہ بندرگاہ کی کسی برتھ یا شہر کے چوراہے پر اتروا کر اس کے ضرورت مندوں تک نہیں پہنچا سکتی۔ اگر انہیں اسلحہ لینا ہے تو میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کے بجائے انہیں مجھ سے رجوع کرنا چاہئے تاکہ ہم اسلحے کی مقدار اور ڈلیوری شیڈول وغیرہ طے کرسکیں۔"

بلیک کیٹ ٹی اسلحے کی فہرست ویرا کو دے چکا تھا۔ شیڈول بھی کم و بیش طے ہو ہی گیا تھا' اگر کوٹ مندو والا واقعہ رونما نہ ہوا ہوتا تو وہ اسلحہ فوری طور پر وصول کرنے کے لئے تیار تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ویرا نے جمی لائیڈ سے وہ تمام باتیں صاف چھپالی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ہمارے ہی ساتھ تھی۔

"اس معاملے میں آرنیٹ اور اس کے سفارتخانے کا کیا رول ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بظاہر تو وہ لوگ اس کھیل میں پوری طرح ملوث نظر آتے ہیں۔ مجھے اس بارے میں ایک فیصد بھی شبہ نہیں ہے لیکن آرنیٹ نے اپنا دامن صاف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ مسٹر جمی لائیڈ ایک امریکی شہری ہیں۔ ان ... سفارتکار ملک سے باہر اپنے ہر شہری کی انفرادی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اس لئے جب جمی لائیڈ ... کا سراغ لگا کر اس سے بات کرنے کی خواہش ظاہر ... نے مجھے کاؤنسلیٹ میں بلوالیا۔"

"لیکن آرنیٹ نے تمہارے پتے اور ٹھکانے کا ... لگالیا؟" ویرا کی کہانی بہت دلچسپ تھی۔

"اس نے اپنے مخصوص ذرائع کا حوالہ دے کر ... دی مگر میں نے جمی لائیڈ سے یہ راز بھی اگلوالیا۔ مشکل ... میرے باپ نے پچھلے دنوں میری لاعلمی میں میرے بدن ... حصے میں ایک ننھا سا چپ چھپا دیا ہے۔ یہ طاقتور الیکٹر... ہروقت سگنل پھینکتا رہتا ہے اور اس سگنل کے ذریعے ... دنیا کے کسی بھی حصے میں میرا سراغ لگا سکتے ہیں۔ یہ ... نظام ہے جو چند جدید ترین جاپانی گاڑیوں میں استعمال ہو... کار دنیا کے کسی بھی براعظم میں چلی جائے گم نہیں ... سیٹلائیٹ کی مدد سے فوراً اس کا سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ ... تلاش کرکے اس چپ کو بھی اپنے بدن سے الگ کرنا ہو...

وہ واقعی جدید ترین طریقہ کار تھا۔ سگنلز کو مانیٹر... ٹیلی وژن اسکرین پر دیکھ کر کار یا آدمی کا سراغ لگانا زیا... نہیں تھا لیکن اس کے لئے کمپیوٹر پروگرامنگ کا عمل ... اور مہنگا تھا۔ پورے نظام کو روبہ کار لاتے ہی اسکرین ... کا نقشہ نظر آنے لگتا اور چپ کا سگنل نشر کرنے وا... میں ایک سرخ نقطہ جلنے بجھنے لگتا جس سے پتا چل سکتا ... اس وقت کس براعظم میں ہے۔ دوبارہ بٹن دبانے پر ... صرف وہی براعظم بڑا ہوکر نظر آنے لگتا اور یوں ملک ... ہوجاتی۔ ملک کے بعد شہر' علاقے' سڑک' محلے' گلی ... سے ہوکر کسی خاص مقام تک کی نشاندہی ہونا ممکن تھ... لئے ضروری تھا کہ کمپیوٹر میں وہ سارے نقشے موجو... سیٹلائٹ سے ہوکر آنے والے سگنل کا مقام متعین کر...

میری دانست میں بیرونِ ملک اس نظام کے ... پروگرام میں براعظموں' ملکوں اور شہروں سے آگے ... ہونا ممکن نہیں تھی البتہ اہم اور مخصوص شہروں کے ... زیادہ تفصیلات بھی ہوسکتی تھیں لیکن شہروں میں مز... کام آرنیٹ کے کاؤنسلیٹ کی سطح پر ہی کیا جاسکتا تھا ... یقینی طور پر کراچی کا تفصیلی نقشہ رکھتے تھے اور ایک بار ... کرلینے کے بعد کوئی بھی مخصوص چپ ڈیٹکٹر کے ذر... مخصوص شخص تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا ... ویرا کا سراغ لگانے کا کام بھی سفارتی ذرائع سے ... کی سطح پر انجام پایا تھا اور وہ سب بلیک کیٹ ٹی ... لوگوں کے ملوث ہونے کے ثبوت تھے۔ یقینی طور پر وہ ... لائیڈ پر اسلحہ فراہم کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے۔

"جمی لائیڈ سے تمہاری گفتگو آرنیٹ کی موجود...

... نے اگلا سوال کیا۔

... وہ مجھے ایک بوتھ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا لیکن مجھے ... ہے کہ میری پوری گفتگو نہ صرف کہیں اور سنی گئی ہوگی ... لفظ بہ لفظ ریکارڈ بھی کرلیا گیا ہوگا۔"

... معاملہ الجھ رہا ہے" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ... بات صرف اتنی ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس بھی اس ... میں آگئی ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ جمی لائیڈ اور ... وسائل سے وہ لوگ محروم ہیں۔"

... تو یہ بات بڑھتی ہوئی نظر آرہی ہے" ویرا نے ایمان ... اپنی رائے ظاہر کردی "... سیاسی پیچاک... تے ہیں۔ ... تم دونوں نے کب کس کو ناراض کیا ... خمیازہ تمہیں اب بھگتنا ہوگا۔"

... اپنے جسم سے چپ نکال کر ضائع کردو یا کسی پاگل کتے ... میں باندھ دو تاکہ آئندہ آرنیٹ کا کوئی آدمی تم تک ... مل نہ کرسکے۔ اس معاملے میں تم غزالہ سے مدد لے ... چپ کو جلد کاٹ کر ہی چھپایا گیا ہوگا۔ غزالہ تمہارے ... خراش کا جائزہ لے گی۔ میرا خیال ہے کہ چپ ہمیں ... گا۔ دوسرا کام بہت اہم اور ضروری ہے۔ ملا سرکار کو ... نہیں ہٹایا گیا تو دو چار روز میں تم اسے اسلحہ دینے پر ... ؤگی۔ تم ٹال مٹول کرتی رہیں تو جمی لائیڈ براہِ راست ... کو اس کام پر مامور کرسکتا ہے جو تیزی کے ساتھ بلیک ... ضروریات کو پورا کردے گا۔"

... رتِ حال سنگین رخ اختیار کررہی تھی اور میری دانست ... خان کو نئی معلومات میں شریک کرنا ضروری ہوگیا تھا ... کام میں ویرا کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ میری ... ز کی بات کے جواب میں اس نے آتے ہی عہد اور ... کا ذکر کیا تھا۔

... تینوں شدّ و مد کے ساتھ بحث میں مصروف تھے۔ سلطان ... بندوبست کرنے کے لئے بازار چلا گیا تھا کہ اچانک فون ... بج اٹھی۔ غزالہ نے لحہ بھر بعد ریسیور مجھے دے دیا۔

... سری طرف سے اوّل خان بول رہا تھا۔ اس کی آواز سن ... دل خوش ہوگیا۔

... میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں' تم پوائنٹ فور پر کس ... سکتے ہو؟"

... بہت زیادہ ضروری ہو تو اسی وقت بھی آسکتا ہوں" میں ... ں سے کہا۔

... تم سات بجے وہاں آجاؤ' میں فون پر زیادہ کھل کر کچھ ... نہ سکتا۔"

... ہوسکے تو اشارے کنائے ہی میں کچھ بتادو ورنہ تم سے ... ملاقات ہونے تک تجسس رہے گا۔"

"اندرونِ سندھ جانے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا ایک سنہرا موقع آیا ہے۔ چاہو تو تم بھی ساتھ چل سکتے ہو' وہ لوگ باقاعدہ انٹرویو لے کر بھرتیاں کررہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اس مرحلے سے بھی گزر جائیں" اس نے تفصیل میں جائے بغیر ملاقات کا مدعا بیان کردیا جو خاصا دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔

میں نے اس سے سات بجے پوائنٹ فور پر پہنچنے کا وعدہ کرکے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

اوّل خان سے پوائنٹ فور پر ملاقات کا وقت شام سات بجے طے ہوا تھا۔ اس لئے ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ سلطان شاہ بازار سے خورونوش کا سامان لے کر جلد ہی واپس آگیا۔ اسے معلوم تھا کہ واقعات تیزی کے ساتھ رُونما ہو رہے تھے اور

صورتِ حال لحہ بہ لحہ تبدیل ہوتی جارہی تھی اور وہ جتنی دیر فلیٹ سے غیر حاضر رہتا اُسی قدر اس کی معلومات میں کمی واقع ہوجاتی جو جلد یا بدیر اس کے لئے ذہنی کوفت کا سبب بن سکتی تھی۔

پہلے وہ غزالہ کی تلاش اور بازیابی کی ایک سیدھی سادی سی مہم تھی جس میں جانو ماچھی کی مداخلت کی وجہ سے بلیک کیٹ ٹی شامل ہوگیا۔ بلیک کیٹ ٹی یا ملاّ سرکار پڑوسی ملک کا ایک خطرناک

سیکرٹ ایجنٹ تھا جو سندھ کے حسّاس سرحدی علاقوں میں اسلحے کی مدد سے شورش برپا کرانے کے ناپاک منصوبے پر کام کررہا تھا۔ ویرا نے اسلحے کی فراہمی کے معاملے میں اسے دھوکے میں رکھا اور غزالہ کو لہو کی ایک بوند بہائے بغیر ہی ملاّ سرکار کے قبضے سے

آزاد کرالیا لیکن دوسری طرف ملا سرکار کے کوٹ مندو والے ٹھکانے کی تباہی نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس طرف متوجّہ کردیا۔ اس طرح اوّل خان اور اس کی اسپیشل ٹاسک فورس اس معاملے میں ملوّث ہوگئی۔

بلیک کیٹ ٹی اور اول خان کے بعد تیسرا نام آرنیٹ کا تھا جو ایک غیر ملکی مشن سے وابستہ تھا۔ آرنیٹ کے ذریعے ویرا کی اپنے باپ سے بات ہوئی جو بلیک کیٹس کو اسلحہ نہ ملنے پر برہم تھا۔ ...اسے سودے کی رقم کی ضمانت کسی غیر ملکی ایجنسی نے فراہم کردی تھی جس کا مطلب تھا کہ سندھ کی صورتِ حال بین الاقوامی پیچیدگیوں کا شکار ہوچلی تھی۔

ان سنگین اور مخدوش حالات میں ملاّ سرکار لاپتا تھا اور ویرا کے جسم میں جمی لائیڈ کا چُھپایا ہوا چپ پوشیدہ تھا جس سے نشر ہونے والے برقی سگنلوں کے سہارے آرنیٹ کے آدمی ہروقت اس تک پہنچ سکتے تھے۔

جب تک ملا سرکار زندہ تھا' بلیک کیٹس کو اسلحہ فراہم کرنے کا معاملہ کھٹائی میں نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔ ایک طرف وہ خود ویرا سے ملنے کے لئے مضطرب تھا' دوسری طرف سے اسلحے کی ...

کے لئے جی لائیڈ کا دباؤ تھا۔ اس معاملے میں ویرا ایک آدھ روز تک کوئی پیش رفت نہ کرتی تو قوی امکان تھا کہ ٹی میں اس کی ساکھ تباہ ہو جاتی اور ٹی کے عالمی مقاصد کے خلاف کام کرنے کے جرم میں اس کا باپ خود ہی اسے غائب کرا دیتا۔

اس بھیانک کھیل کا زور توڑنے کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ملا سرکار کو فوری طور پر موت کے گھاٹ اتار کر اس کی لاش کو سرعام ڈال دیا جاتا تاکہ اخبارات اور ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے اس کی تشہیر ہوتی اور ویرا کو یہ بہانا ہاتھ آ جاتا کہ ملا سرکار کے قتل کے بعد بلیک کیٹس کی تنظیم اس کے لئے قطعی اجنبی تھی اور وہ ملا سرکار کے کسی جانشین کے سامنے آئے بغیر اسلحے کے لین دین کے سلسلے میں کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔

ایک طرف وہ نازک معاملات تھے' دوسری طرف مافیا کے مقامی چیف سیٹھ حبیب جیوانی نے اپنی بدنیتی کی بنا پر مجھے ایک حماقت میں الجھا لیا تھا۔ ڈان کی آمد اور حبیب جیوانی کے عزائم کی خبریں پا کر میں نے اس کی بیوی کو اغوا کر لیا تھا۔ ڈان کی کراچی آمد کا معاملہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ٹل جانے کی وجہ سے وہ محاذ عارضی طور پر سرد پڑ چکا تھا لیکن سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی میرے لئے گلے کی چھچھوندر بن گئی تھی۔

وہ مافیا کے مقامی چیف کی عزت تھی اور اس کے اغوا کو مافیا والے اپنی ساکھ کے لئے گالی سمجھ کر میدان میں اتر سکتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ سیٹھ حبیب جیوانی اتنا بے غیرت اور بے شرم نہیں تھا کہ اپنی بیوی کے غائب ہوتے ہی مدر مافیا والوں سے مدد کی بھیک مانگنے پر تل جاتا۔ کسی بھی جرائم پیشہ تنظیم کے سربراہ کے لئے یہ بات بڑی شرمناک تھی کہ وہ اپنی تنظیم تو کیا' خود اپنے گھر کی بھی حفاظت نہیں کر سکا۔ بدنامی سے بچنے کے لئے سیٹھ حبیب جیوانی نے اس وقت تک اپنی بیوی کے اغوا کے معاملے کو راز میں رکھا ہوا تھا اور صرف سینڈو کی مدد سے اس کا سراغ لگانے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب مایوس ہو کر اپنی تنظیم کے دوسرے لوگوں کو بھی میدان عمل میں لے آتا۔

سینڈو سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ سیٹھ حبیب جیوانی سے اضطراری طور پر ایک ناقابل معافی حماقت کا ارتکاب ہوا تھا۔ جس وقت سلطان شاہ نے ایک گمنام اجنبی کی حیثیت سے فون پر اسے یہ اطلاع دی کہ ڈان کی کلب پر پولیس کے نرغے میں آ گیا تھا' اس سے بہت پہلے سیٹھ حبیب جیوانی کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سپر ڈان نے بعض وجوہ کی بنا پر اپنی آمد کا پروگرام چند روز کے لئے ملتوی کر دیا تھا اس کے باوجود وہ ڈان کے مشکلات میں گھر جانے کی خبر سنتے ہی مشینی طور پر گھر سے نکل پڑا تھا۔ وہ سر سے پیر تک مافیا والوں کے احسانات کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے جرمنی کی جیل سے فرار کرا کے روپوشی کی زندگی بسر کرنے اور پاکستان میں مافیا کی سربراہی کرنے کا موقع فراہم کیا اور اب' چند روز پہلے انہوں نے سیٹھ حبیب جیوانی کے ہم شکل کی موت کو خود اس کی موت قرار دلوا کر اسے آزادی کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکا کہ اس کے محسن اعظم کے نام پر کوئی اسے دھوکا بھی دے سکتا تھا۔ مافیا میں قول و فعل کی سخت ترین رازداری' صدیوں سے ایک مقدس رسم کی صورت میں چلی آ رہی تھی۔ وہ خبر سن کر سیٹھ حبیب جیوانی کے ذہن میں یہی خیال آیا ہو گا کہ سپر ڈان نے اپنی آمد کے التوا کی خبر دے کر اسے چند دنوں کے لئے بے فکر کر دینے کی کوشش کی اور خود پروگرام کے مطابق کراچی پہنچ کر' براہ راست کلب کی طرف چلا گیا تاکہ اس کی تباہی و بربادی کے حقیقی اسباب کا ذاتی طور پر جائزہ لے سکے۔ وہاں وہ بدقسمتی سے پولیس کے گھیرے میں آ گیا۔

وہ سیٹھ حبیب جیوانی کی اپنی کوتاہی تھی جس نے مجھے اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا سنہری موقع فراہم کر دیا تھا لیکن سپر ڈان کی آمد میں التوا نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ میں مسز جیوانی کو سپر ڈان کی آمد تک قید میں رکھتا تو حبیب جیوانی مایوس ہو کر دوسروں کی مدد بھی طلب کر سکتا تھا۔ اس عورت کو رہا کرتا تو وہ اپنے شوہر کو جہانگیر اور اس کے گھر کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ جہانگیر کے گھر کے محل وقوع سے واقف نہیں ہو سکی تھی لیکن اس نے اپنے تریا چلتروں سے جہانگیر کو ایسا الو بنایا تھا کہ اس کی خوابگاہ کے ذریعے پورے گھر میں گھومنے پھرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ تیسرا راستہ یہ تھا کہ اسے ہلاک کر کے اس کی لاش غائب کر دی جاتی۔

بادی النظر میں اس عورت کا کوئی ایسا جرم میری نگاہوں میں نہیں آ سکا تھا جس کی بنا پر میں کسی ندامت کے بغیر اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔ اس نے جہانگیر کی خلوت کو آباد کر کے اپنے شوہر سے بدترین بے وفائی کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر میں کوئی صالح اور باعمل مسلمان ہوتا تو اسی ایک جرم پر اسے سنگسار کر سکتا تھا لیکن میرا کردار اس معاملے میں داغ داغ تھا۔ دوسری طرف امکان بھی تھا کہ اس نے اپنے شوہر سے بے وفائی کا تصور کئے اپنے وجود کی رعنائیوں کو اسیری کی نادیدہ زنجیروں کو پگھلانے کے لئے آزمایا ہو۔ اگر میں فون کر کے جہانگیر کو بروقت ہوشیار نہ کرتا تو وہ گدھا گزرے ہوئے لمحات کی رنگینیوں میں ڈوبا' بستر پر ناشتے کا انتظار کرتا رہتا اور مسز جیوانی اس کی طرح اس کے چوکیدار کو بھی حسن و جمال کی کچھ بھینٹ دے کر وہاں سے صاف بچ نکلتی اور ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے۔

میرے ایما پر ویرا' غزالہ کے ساتھ ایک خوابگاہ میں چلی ... بدن کے کسی حصے میں پوشیدہ چپ کا سراغ لگایا ... نے فون سنبھال لیا۔ سلطان شاہ کسی کام سے باہر

... تمہاری خوابگاہ میں ہے یا بھاگ چکی ہے؟" ... ہوتے ہی میں نے جہانگیر کی آواز پہچان کر جلے کٹے ... کیا۔

... کے ساتھ ہنس دیا تھا "یار! اب اتنا ذلیل نہ کرو۔ ... ہے کہ آدمی' عورت ہی کی وجہ سے جنت سے نکالا

... مجھ سے زیادہ حسن پرست ہو لیکن میری سمجھ میں ... دور رہ کر بھی عورتوں کی چالبازیوں کا اندازہ لگا لیتے ... کا ہم نفس ہوتے ہوئے بھی الو کا پٹھا بنا رہتا ہوں۔" ... ولدیت کے معاملے پر میں کوئی رائے زنی نہیں ... نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "جذبات کی ... اگر تم اپنی عقل پر برف نہ جمنے دیا کرو تو مجھ سے زیادہ ... ہو سکتے ہو۔ یہ عورت ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ ... ہونے میں کامیاب ہو گئی تو ہماری زندگیاں جہنم بن سکتی

... مجھے بتا چکے ہو کہ وہ ایک مکار اور بدمعاش شخص کی ... ایسی عورتیں عموماً پارسا نہیں ہوتیں۔ اسی لئے میں ... پر ڈورے ڈالے تھے۔ پہلی بار اس نے مجھے.... ... نے میں کامیابی حاصل کر لی لیکن اب تم اطمینان رکھو' ... کہیں نہیں جا سکے گی۔"

... اسپتال سے کب فارغ ہو گی؟" میں نے اپنے ... سوال کیا۔

... وغیرہ کا معاملہ ہے۔ وہ تین چار دن سے پہلے فارغ ... سکے گی۔"

... تو پھر عیش کرو۔ تین، چار دن تک وہ تمہاری تحویل ... گی۔ تم تالاب میں پہلا پتھر پھینک چکے ہو۔ اس لئے میں ... باری سے نہیں روکوں گا۔ لیکن وہ تمہاری چھت ... سے باہر نہ نکلنے پائے۔ اس دوران میں مجھے تمہاری ... کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اس لئے تمہیں خود ہی ... رہنا ہو گا۔"

... تم بالکل بے فکر رہو" اس کی مسرور آواز ابھری "بس اتنا ... مایوس ہو کر خود کشی وغیرہ کی کوشش تو نہیں کرے گی؟"

... اس نے اپنی زندگی کا بدترین دور دیکھا ہوا ہے اور وہ ... سے لڑنا جانتی ہے۔ اس میں زندہ رہنے کی اتنی طاقتور ... امنگ موجود ہے کہ وہ موت کے بارے میں سوچ بھی نہیں ... تمہاری بدقسمتی ہی کچھ زیادہ زور مارنے لگے تو اور بات ہے۔"

"آج اس نے مجھے رشوت کی پیشکش بھی کی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ پیڈرو سے دگنا معاوضہ دے سکتی ہے...."

"دگنا تو وہ پچھلی رات کو ہی ادا کر چکی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ نقد نرائن کی بات ہے۔ تمہارا نام سن کر وہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ وہ سینڈو کو تو جانتی ہے لیکن یہ حرامی پیڈرو کہاں سے پیدا ہو گیا؟"

"اسے الجھن ہی میں رہنے دو۔ تم نقد ملتی ہے تو اینٹھ لو۔ باقی آگے دیکھ لیں گے۔"

"سب ادھار کی باتیں ہیں۔ نقدی کے نام پر شہابی رنگ کے چرمی سکوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔" ہنسی کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔

"بس تو پھر فی الحال چمڑے کی سوداگری پر اکتفا کرو۔ موقع ملا تو میں خود ہی دوبارہ بات کروں گا۔ اس دوران میں فلیٹ پر تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"کیا کہیں باہر جا رہے ہو؟" اس نے پرتجسس لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ جانا ہی پڑ جائے۔"

"کئی بار اس پر ہاتھ اٹھانے کو دل چاہا ہے' اجازت ہو تو تھوڑی سی مار دھاڑ بھی کر لوں؟" اس نے جھجکتی ہوئی معذرت خواہانہ آواز میں سوال کیا۔

"شاید تم نفسیاتی مریض ہو گئے ہو۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "سالی سے تمہاری جان نکلتی ہے اور اس پر اپنی مردانگی آزمانے پر تلے ہوئے ہو۔ یہ بہت گھٹیا حرکت ہو گی۔"

"اب میں تمہیں کیا بتاؤں؟" اس کی خفت آمیز آواز ابھری۔ "میں نہیں بلکہ وہ خود نفسیاتی مریضہ ہے۔ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ کوئی بھی اس پر ہاتھ چھوڑ سکتا ہے۔ ابھی تک میں تمہارے خیال سے اپنے غصے پر قابو پاتا رہا ہوں۔ وہ مجھے کچھ اذیت پرست نظر آتی ہے۔"

"میرا خیال چھوڑ دو! وہ میری منگیتر نہیں ہے۔ اگر اس کی کھال مصالحہ مانگتی ہے تو بڑے شوق سے اسے جوتے لگاؤ۔ بعض عورتیں اپنے مرد کے ہاتھ سے مار کھائے بغیر اس کی مردانگی کو تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ بھی ان ہی میں سے ہو سکتی ہے۔ بس یہ

دھیان رکھنا کہ وہ افرا تفری اور ہڑبونگ پھیلا کر فرار کا منصوبہ نہ بنا رہی ہو۔"

"میرے لئے تمہاری اجازت کافی ہے۔ وہ بھی عمر بھر یاد رکھے گی کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔"

میں نے فون بند کردیا کیونکہ خوابگاہ میں سے دروازے کا بولٹ گرانے کی آواز سنائی دی تھی۔

ویرا لباس درست کرتی ہوئی خوابگاہ سے برآمد ہوئی۔ اس کے پیچھے غزالہ تھی جس کے بشرے پر مایوسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔

"کچھ نہیں مل سکا" ویرا نے چہکتے لہجے میں کہا "اس کے لئے شاید مجھے باڈی اسکیننگ ہی کرانا پڑے گی ورنہ اس لعنتی چپ سے چھٹکارا نہیں مل سکے گا۔"

"کمال ہے۔ چپ کم از کم دال یا چاول کے دانے کے برابر ضرور ہوگا۔ اس سے چھوٹا چپ زیادہ طاقتور سگنل نشر نہیں کرسکتا اسے تلاش کرنا اتنا دشوار نہیں ہونا چاہئے۔"

"میں نے ویرا کا پورا بدن ' حتیٰ کہ سر کی کھال تک ٹٹول کر دیکھ لی ہے لیکن کہیں بھی جلد کے نیچے کسی چیز کی موجودگی کا اندازہ نہیں ہوسکا۔ میں نے تمام غدود تک اچھی طرح دیکھے ہیں"... غزالہ نے کہا۔

"جہاں جہاں میرے ہاتھ جاسکتے ہیں 'میں نے خود بھی غزالہ کی مدد کی ہے" ویرا بولی۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ چپ جلد کی چربی کے نیچے چھپایا گیا ہو۔"

"ناممکن" میں نے پُر وثوق لہجے میں کہا "چربی یا گوشت کے ریشے کسی بیرونی چیز کو قبول نہیں کرتے۔ چپ کی وجہ سے وہاں اندر ہی اندر زخم بنتا اور سڑنا شروع ہوجاتا جو تم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا پھر گہرائی میں ہونے کی وجہ سے چپ کے سگنل بھی کمزور ہوجاتے۔"

"ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مجھے چپ کھلا دیا ہو" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

"احمقانہ باتیں نہ کرو" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "اتنی مدت تک کوئی چیز معدے میں رکی نہیں رہ سکتی۔ دو چار گھنٹے کے لئے بھی چپ نگلنا بے سود ہوتا کیونکہ معدے میں سے سگنلوں کا دور تک پھیلنا محال ہوتا۔ وہ چپ تمہاری کھال کے نیچے ہی ہونا چاہئے۔"

"نہیں تو نہیں ملا 'اب تم خود ہی اسے تلاش کرلو!" ویرا جل کر بولی۔

"نہیں ویرا 'یہ کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ ہم لوگ ابھی اتنے تیز آزاد خیال نہیں ہوئے ہیں۔" غزالہ نے ہنس کر کہا۔

ویرا نے لحظہ بھر کے لئے اسے گھورا پھر غصیلے لہجے میں بولی۔ "کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ کیا مجبوری ہے؟ عورتیں مرد ڈاکٹروں سے رجوع نہیں کرتیں؟ اتنی ترقی تو تم لوگوں نے بھی کرلی ہے کہ مرد گائناکولوجسٹ عورتوں کو بچے جنواتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے ڈینی کو ڈاکٹر سمجھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

غزالہ کے چہرے پر بدمزگی کے آثار اُمڈ آئے۔ دوسری طرف ویرا نے غزالہ کے اعتراض کو اپنی انا کی توہین سمجھا اور مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ میں نے اس معاملے کو نمٹانے کی کوشش نہ کی تو ان دونوں میں شدید جھڑپ ہوجائے گی۔ اس لئے میں نے نرم لہجے میں بات کا رخ گھما دیا۔

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ آرنیٹ کے ہرکارے کی آمد سے یہ یقین نہیں کرسکتے کہ تمہارے جسم میں واقعی کوئی چپ ہو ہے۔ تمہارے علم میں لائے بغیر وہ لوگ ایسی کوئی حرکت کرسکتے تھے۔"

"صلح صفائی ہونے سے قبل میں شی میں بازپرس کے کڑے مراحل سے گزری ہوں" ویرا تلخ لہجے میں بولی "ہفتوں ان کی قید میں رہی ہوں۔ اس دوران میں وہ مجھے بے ہوش بھی رکھتے رہے تھے۔ بے ہوشی کے دوران میں وہ میرے علم میں لائے بغیر میرے ساتھ کچھ بھی کرسکتے تھے۔"

"لیکن جلد کا کوئی بھی زخم 'خواہ وہ پھانس کی خراش ہی نہ ہو' بھرنے میں کئی دن کا وقت لیتا ہے۔ تمہیں پتا چل جانا چاہئے تھا کہ تمہاری جلد پر نشتر زنی کی گئی ہے۔"

"یہ فضول مفروضات ہیں" ویرا اکتائے ہوئے لہجے میں بولی "ان میں الجھ کر تم وقت برباد کررہے ہو۔ شی بیسویں صدی کی انتہائی ترقی یافتہ تنظیم ہے۔ جو لوگ خلا میں تیرتے مواصلاتی سیاروں کی مدد سے سب کچھ دیکھ اور سن سکتے ہیں ان کے لئے مجھے چند روز تک مسلسل بے ہوش رکھنا یا میری والی جگہ کو زخم مندمل ہونے تک مسلسل بے ہوش کئے رکھنا کوئی کام نہیں تھا۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ میرے بدن میں موجود ہے تو تم کو بحث کئے بغیر میری بات پر یقین کرلینا چاہئے"

"تم نے ویرا کے بدن کا کوئی حصہ نظرانداز تو نہیں کیا؟" میں نے غزالہ سے پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ نے پورے یقین سے کہا۔ "اس میں ویرا نے خود مجھ سے بہت تعاون کیا ہے۔"

"اور تم اس کے بدن پر کوئی نئی یا پرانی خراش تک نہیں کرسکیں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"خراشیں تو بہت سی ہیں" ویرا معنی خیز لہجے میں بولی "کسی کی طرح میرا بدن بھی زخم کھاتا رہا ہے۔ کچھ تازہ چرکے لگائے ہوئے ہیں جو اب بھر چکے ہیں۔"

"تم نے انہیں بھی ٹٹولا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

نئے زخموں کو کریدنا بے سود تھا۔ پرانے نشانات کو ... دیکھا ہے۔" غزالہ اپنی بات پُراعتماد لہجے میں پوری کرتے کرتے چونک پڑی جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔

"جو کچھ ذہن میں آرہا ہے 'کھل کر بتا ڈالو" میں نے اسے ... ویرا سے میری بہت بے تکلفی ہے۔ یہ کسی بات کا برا نہیں ... ہوسکتا ہے کہ تم کوئی اہم بات بھول گئی ہو جو اب یاد آئی ہے"

"ویرا کے پیٹ کے نچلے حصے پر 'دائیں طرف کاج کے برابر ایک پرانا نشان ہے جسے میں نے چھوڑ دیا تھا۔" غزالہ نے خاموش ہونے پر آہستگی سے کہا۔

"اسے کیوں چھوڑا تم نے؟" میں نے قدرے تیزی کے ساتھ غزالہ سے پوچھا۔

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی ویرا بول پڑی "میں نے بتایا تھا۔ وہ اپینڈکس کے آپریشن کا بہت پرانا نشان ہے۔ خیال ہے کہ وہ صاف ہوگا۔"

"تمہاری کھوپڑی پر شاید کہر پڑی ہوئی ہے" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کے کام کے لئے پرانے زخم سے بہتر جگہ کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ آدمی کو خود بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ویرا نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر اپنے زخم کو ٹٹولنے کا قصد کیا تو غزالہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے خوابگاہ کی طرف لیتی چلی گئی۔

میری دانست میں وہ چند سیکنڈ کا کام تھا۔ جب ان دونوں کی واپسی میں تاخیر ہونے لگی تو میں نے خوابگاہ کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے غزالہ کو پکارا۔

"بس ابھی آتے ہیں 'وہ مل گیا" غزالہ کی آواز سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ چپ کی دریافت کسی بھی طرح حقیر نہیں کہی جاسکتی تھی۔ وہ ہم پر شی کی ناقابلِ تصور ریشہ دوانیوں کا ایک اور کھلا ثبوت تھا۔

غزالہ کے جواب کے بعد بھی کئی منٹ گزر گئے لیکن خوابگاہ کا دروازہ کھلنے کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے تو میری طبیعت پر جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی۔

میں دوبارہ دستک دینے ہی والا تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا۔ سب سے پہلے میری نگاہ ویرا کی پتلون کے اس خون آلود حصے پر پڑی جو تقریباً اپینڈکس کے مقام پر تھا۔ خون کا دھبا تازہ اور خاصا بڑا تھا۔

"یہ کیا ہوا؟" میں نے اضطراری طور پر سوال کیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا کہ کہیں غیر ضروری چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے وہ چپ ویرا کی جلد کے نیچے ہی نہ پھٹ گیا ہو۔ شی والے ناخنے سے چپ میں بھی ایسا کوئی خودکار حفاظتی نظام نصب کرنے کے پوری طرح اہل تھے۔

ویرا نے اپنی داہنی چٹکی میں دبا ہوا 'ایک ننھا سا سُرمئی آلہ اپنی ہتھیلی پر ڈال کر میرے سامنے کردیا "یہ رہا وہ موذی چپ۔" اس نے فخر آمیز لہجے میں کہا "میں نے کہا تھا کہ چپ موجود ہے۔ ...اس کے بغیر وہ مجھ تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔"

"یہ کہاں سے نکالا تم نے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا اور اس کی نم آلود ہتھیلی سے وہ چپ اٹھالیا جو بادی النظر میں سرالک کی چھوٹی سی ٹکیا سے مشابہ لگ رہا تھا۔

"یہ اپینڈکس کے اسی زخم میں پوشیدہ تھا جس کی طرف تم نے توجہ دلائی تھی" اس نے انکشاف کیا۔ "میں نے قینچی کی نوک سے جلد پر ہلکا سا نشتر لگا کر اسے نکال لیا۔"

"تم بہت احمق عورت ہو..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا دیکھو 'تمہارے زخم سے کتنا خون بہہ رہا ہے۔ قینچی کی نوک صاف نہ ہوئی تو تمہارے نئے زخم میں زہر بھی پھیل سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم تھا کہ اسے برآمد کرنے کے لئے تم ڈاکٹر اور سرجن سے رجوع کرنے کا مشورہ دو گے۔ جو ہونا تھا 'وہ ہوگیا۔ میں نے قینچی کی نوک ڈیٹول میں صاف کرلی تھی۔ جو خون تم میری پتلون پر دیکھ رہے ہو 'وہ چپ نکالنے کی کوششوں میں بہا تھا۔ بعد میں غزالہ نے زخم کی اچھی طرح ڈریسنگ کردی۔ خون کا بہاؤ رک چکا ہے۔ دو تین روز میں یہ زخم بھی بھر جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس چپ کو ضائع کردینا چاہئے۔"

"زخم پر ٹانکوں وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہے؟" میں نے غزالہ سے سوال کیا۔

"میں نے اسے منع کیا تھا لیکن یہ نہ مانی" غزالہ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں جلد پر دو تین ٹانکے لگانے کی ضرورت تھی۔ اب زخم دیر سے بھرے گا۔"

میں نے خاصا اصرار کیا کہ ویرا کسی ڈاکٹر کو اپنا زخم دکھالے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی بلکہ مجھ سے اصرار کرتی رہی کہ کوئی نئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے مجھے چپ کو تباہ کردینا چاہئے۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ چپ مل گیا تو میں اسے کسی پاگل کتے کے گلے میں باندھ دوں گا۔ میں اب بھی اپنے اس ارادے پر قائم ہوں۔" تکرار کو ختم کرنے کے لئے میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"پاگل کتا تم کہاں سے لاؤ گے؟" ویرا نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"جمی لائیڈ نہیں ملتا تو نہ سہی 'شہر میں بہتیرے پاگل کتے مل جائیں گے۔"

"یہ بلاوجہ کی ضد ہے۔" غزالہ نے ویرا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "پاگل کتے آسانی سے قابو میں نہیں آتے 'اس نے کاٹ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"کتے کی طرح بھونکنے اور پیٹ میں چودہ انجکشن لگوانے سے بہتر ہے کہ میری بات مان لو۔" ویرا بولی۔

"یہ بلاوجہ کی ضد نہیں ہے۔" میں نے ناصحانہ لہجے میں کہا۔ "آوارہ کتے کے بجائے میں کسی بلی کو بھی استعمال کرسکتا ہوں۔"

ویرا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "تم نے اس راہب کا قصہ ضرور سنا ہوگا جو اپنے بند حجرے میں بلی پکڑنے کی ناکام کوششوں میں لہولہان ہوکر رات گئے اپنے ایک پیروکار کے گھر گیا تھا۔"

میں غصیلی نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا مگر غزالہ کے لئے وہ کوئی نیا اور دلچسپ قصّہ تھا۔ "راہب کو اپنے پیروکار کے گھر جانے کی ضرورت کیوں پیش آگئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"پچھلی شام اسی پیروکار نے راہب کے سامنے اپنے کسی اعترافِ جرم کے سلسلے میں بلی پکڑنے کا ذکر کیا تھا۔ راہب اس سے یہ پوچھنے گیا تھا کہ اس نے بلی کیسے پکڑی تھی؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟" غزالہ نے باری باری ہم دونوں کے چہرے تکتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کی باتوں میں اپنا سر نہ کھپاؤ!" میں نے ترش لہجے میں کہا۔ "یہ بعض اوقات بہت ناشائستہ اور جارح ہوجاتی ہے۔ اس کا سُدھرنا بہت مشکل ہے۔"

"تم دونوں کی نوک جھوک میرے لئے عموماً ناقابلِ فہم ہوتی ہے۔" غزالہ اُداس لہجے میں بولی، اس کا چہرہ قدرے اتر گیا تھا۔ "کبھی کبھی تو مجھے محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں بلاوجہ ہی تمہارے درمیان آگئی۔ تم دونوں میں اس قدر باتیں اور عادتیں مشترک ہیں کہ میں شاید کبھی اس خلا کو پورا نہ کرسکوں گی۔"

"اب بتاؤ کہ کتے اور بلی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" غزالہ کے ردِعمل سے ویرا شیر ہوگئی۔

"یہ چپ ہم نے تباہ کردیا تو آرنیٹ کے ریسیور پر اس کے سگنل موصول ہونا بند ہوجائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ ہم نے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ ویرا کی نگرانی کے لئے کوئی دوسرا بندوبست کرلیں گے۔ اگر یہ چپ اسی طرح کسی آوارہ جانور کے گلے میں باندھ دیا جائے تو وہ ویرا کی طرف سے مطمئن رہیں گے۔ انہیں چوٹ کھانے کا احساس اس وقت ہوگا جب ان کا کوئی آدمی سگنلز کے سہارے ویرا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا اور اس کے بجائے کسی کتے یا بلی کو اپنے رُوبرو پائے گا۔"

"تم بہت چالاک اور مکّار ہو۔" ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "جھوٹی اور فی البدیہہ کہانیاں تراشنے میں تمہیں ایسی مہارت ہوگئی ہے کہ تم داستان گو بن سکتے ہو۔"

غزالہ کی آنکھوں میں بھی میری طرف سے بے اعتباری لہرا رہ تھی۔ اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔ "کتے اور بلی کی کہانی تو سن لی، یہ پاگل کتے کا کیا چکر تھا؟"

"میں پاگل کتے کو ہی ترجیح دیتا لیکن چودہ انجکشنوں والا معاملہ سنگین ہوسکتا ہے۔ عام کتے، بلیاں ست رفتار ہوتے ہیں

اور گھوم پھر کر ایک ہی علاقے یا محلّے میں منڈلاتے رہتے ہیں۔ ان تک رسائی بھی آسان ہوتی ہے جب کہ ایک پاگل کتا پورے شہر میں مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ اتنی تیزی کے ساتھ اپنے ٹھکانے بدلتا ہوا سفر کرتا ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہوجاتا۔"

ویرا حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری گفتگو سن رہی میرے خاموش ہونے پر اپنے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے بولی "خدا کی پناہ! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے وجود میں ہٹلر کے وزیر گوئبلز کی روح حلول کرگئی تھی۔ وہ تو پھر بھی کہانیاں تراشنے میں وقت لیتا تھا لیکن تم..... تم تو بلاتوقف اور بے تکان جھوٹ بولتے ہو اور بولے ہی چلے جاتے ہو۔"

میں ان دونوں کو کسی طرح یقین نہ دلا سکا کہ وہ میرا فی البدیہہ جھوٹ نہیں تھا بلکہ ابتدا ہی سے میں نے چپ کا استعمال سوچا ہوا تھا۔ میری اس بات پر یقین نہ کرنا ایک الگ معاملہ تھا لیکن وہ دونوں ہی اس بات پر متفق تھیں کہ پاگل کتے سے بہتر کوئی اور مصرف نہیں ہوسکتا تھا۔

ویرا کے پیٹ کی جلد میں چھپایا ہوا چپ ایک پاگل کتے کی گردن سے برآمد ہونے کی خبر سن کر جمی لائیڈ اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔ اس ستم ظریفی سے اسے یہ اندازہ بھی ہوجاتا کہ ویرا دل و جان سے میرے ساتھ مل گئی ہے۔

اسی اثنا میں سلطان شاہ واپس لوٹ آیا۔ اس نے ویرا کے بدن سے چپ کی برآمدگی کی خبر حیرت اور بے یقینی کے ساتھ سنی۔ اس کے لئے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ ویرا نے اپنی جلد شگاف دے کر خود ہی وہ چپ برآمد کیا تھا۔

"اور تو سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ویرا کی دلیری کا قصّہ ناقابلِ فہم ہے۔" سلطان شاہ پوری کہانی سن کر کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

ویرا آنکھیں نکال کر اس پر چڑھ دوڑی۔ "تمہیں میرے لباس پر خون کے دھبّے نظر نہیں آرہے؟"

"یہ کسی کا خونِ ناحق بھی ہوسکتا ہے۔" سلطان شاہ دبی آواز میں بڑبڑایا۔ "مجھے تو تمہارا دامن ہمیشہ ہی داغ دار نظر آتا ہے۔ آج کون سی انوکھی بات ہے؟"

"تم بھی اسی ڈینی کے بچّے کے چیلے ہو۔" ویرا نے غرّاتے ہوئے جھپٹ کر سلطان شاہ کو زور سے دھکا دیا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھتے ہوئے صوفے پر ڈھیر ہوگیا۔

"تم دونوں تو ہاتھ دھو کر بے چاری ویرا کے پیچھے پڑے ہو۔" غزالہ نے وہ تماشا دیکھ کر ملامت آمیز لہجے میں سلطان شاہ سے کہا۔

"اس وقت یہ بے چاری بنی ہوئی ہے۔ جب اپنی ترنگ میں اترتی ہے تو بڑے بڑوں کے کان کاٹنے لگتی ہے۔" سلطان شاہ نے صوفے پر اسی حالت میں پڑے پڑے کہا۔

ویرا دانت پیستی ہوئی اس کی طرف لپکی تھی لیکن میں نے بازو تھام لیا۔ "اب اتنی تیزی نہ دکھاؤ۔ زخم سے زیادہ خون بہنے لگا تو ایمرجنسی ہوجائے گی۔ مجھے چھ بجے ایک کام سے جانا ہے۔"

"زخم؟" سلطان شاہ نے اداکاری کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "ارے، پھر تو تمہارا قصہ واقعی سچ معلوم ہوتا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔"

"مداریوں جیسی حرکتیں کرتے ہوئے تم دونوں مجھے زہر لگتے ہو" وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی۔

"تم بلاوجہ ان کے مُنہ نہ لگو، یہ مل کر تمہیں جلاتے رہیں گے" غزالہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

ویرا نے پلٹ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور کھسیائے ہوئے انداز میں ہنس پڑی "یہ دونوں میرے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں کرتے ہیں لیکن پتا نہیں، میں کیوں انہیں طرح دے جاتی ہوں۔"

"ہم زہر نہ ہوتے تو یہ اب تک ہمیں کھا گئی ہوتی۔" سلطان شاہ نے ٹکڑا لگایا اور میں نے اسی لمحے اسے گھور کر خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

چند لمحوں بعد ویرا نے سلطان شاہ کو شیشے میں اتار لیا اور اس کے ساتھ مل کر میری درگت بنانے کی کوشش کی۔ سلطان شاہ کو چپ کے بارے میں میرے منصوبے کا کوئی علم نہیں تھا جوں ہی ویرا نے اسے پاگل کتے والی بات سنائی، اس نے مستانہ انداز میں جھومنا شروع کردیا۔

اس کے غیر متوقع ردِعمل پر ویرا سلگ اٹھی اور بھنا کر بولی "ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے تم نے میری زبان سے اپنے کسی ولی کا ذکر سن لیا ہے۔"

"میں ڈینی کی عقل مندی پر اپنا سر دُھن رہا ہوں" وہ اسی طرح جھومتا ہوا بولا۔ "اس نے تمہارے بدن سے برآمد ہونے والے چپ کے لئے مناسب ترین مقام تجویز کیا ہے..... ویسے تمہارا نال کہاں گاڑا گیا تھا؟"

"میں تمہارا مُنہ توڑ دوں گی۔ یہ کیا بکواس کررہے ہو؟" وہ حلق کے بل چیخی۔

"اوہ! سمجھا، تمہاری طرف شاید نال گاڑنے کا رواج نہیں ہوتا" سلطان شاہ اس کے لہجے کا کوئی اثر لئے بغیر سکون سے بولا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوگیا "صرف کتے سے بھی کام چل سکتا تھا، تمہیں یہ پاگل کتے کی کیا ضرورت پیش آگئی تمہیں؟ کتا ہوش مند ہو یا پاگل، ہوتا تو کتا ہی ہے۔"

"پاگل کتا بہت ہی کتا ہوتا ہے۔ ٹی والے اس کا پیچھا کرتے کرتے عاجز آجائیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اور ویرا میری اس تجویز پر چراغ پا ہوئی جارہی ہے۔"

"میرے ذہن میں اس سے بھی عمدہ تجویز ہے......" سلطان شاہ نے درجواب آں غزل بات چھیڑی اور غزالہ ویرا کا بازو تھام کر اسے تقریباً گھسیٹتی ہوئی وہاں سے لے گئی۔

"اس وقت ان دونوں کے دماغ چل رہے ہیں۔ تم یہاں رُکی رہیں تو یہ تمہیں دیوانہ بنادیں گے۔ انہیں اپنی اپنی ہانکنے دو اور تم میرے ساتھ سکون سے بیٹھو۔ یہ تھک کر خود خاموش ہوجائیں گے۔"

"بھاگ گئی۔" سلطان شاہ نے ان دونوں کے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے داہنی آنکھ دبا کر کہا۔ "تم اس وقت اس سے پیچھا چھڑانے پر کیوں تلے ہوئے تھے؟"

"میں سکون سے کچھ سوچنا چاہ رہا تھا" میں نے صوفے پر دراز ہوکر سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے کہا "وہ دلیر اور بے خوف ضرور ہے لیکن بعض اوقات عقل اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔"

"اس چپ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟" سلطان شاہ نے چپ کو انگلیوں میں گھماتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کے بارے میں تم اپنی کسی تجویز کا ذکر کررہے تھے۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"اگر ٹی والوں کو چکر ہی دینا ہے تو پھر کوئی اونچا چکر دو۔ میں اس کا بندوبست کرسکتا ہوں۔"

"میں وہی سننا چاہتا ہوں۔ انہیں دھوکے میں رہنا چاہئے کہ چپ ابھی تک ویرا کے جسم میں محفوظ ہے اور وہ کسی بھی وقت اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"باوانی چالی اور چٹیل پاڑے سے ہر روز ملک کے شمالی علاقوں کے لئے متعدد بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ ان میں مجھے کوئی نہ کوئی شناسا مل ہی جائے گا۔ میں یہ چپ ایک کپڑے میں سی کر اسے دے دوں گا۔ اپنے گاؤں پہنچ کر وہ شخص پہاڑوں میں رہنے والے کسی پرندے کے پیر میں یہ پٹی باندھ کر اسے اڑا دے گا۔ یہ پرندے میلوں اوپر اڑتے ہیں اور برف پوش پہاڑوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ ٹی والے اپنے کمپیوٹروں پر جب یہ معلوم کریں گے کہ ان کا چپ ایسے ناقابلِ گزر علاقوں میں پہنچ چکا ہے تو وہ اپنا سر پیٹ لیں گے۔ ویرا ان کی نظروں سے رُوپوش رہنے میں کامیاب ہوگئی تو وہ یہی سمجھیں گے کہ ویرا بغاوت کی سزا سے خوف زدہ ہو کر شمال کے برف پوش پہاڑوں میں جا چھپی ہے اور وہاں بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

اس کی تجویز سن کر میرا دل باغ باغ ہوگیا۔ آرنیٹ کو اپنے آلات پر جب یہ علم ہوتا کہ ویرا پاکستان کے شمالی سرحدی علاقے میں ہزاروں فٹ کی بلندی پر محوِ پرواز ہے تو اس کے ذہنی توازن کے بارے میں قیاس کرنا دشوار نہیں تھا۔ وہ ہماری حکمتِ عملی کی تہ تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔

وہ ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے کہ ویرا نے کسی طیارے کے

ساتھ ان پہاڑوں میں اپنا مسکن بنالیا ہے۔ رسد وغیرہ حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے طیارے یا ہیلی کاپٹر میں آبادی کی طرف سفر کرتی ہے اور ضرورت کا ساز و سامان لے کر پھر اپنے ٹھکانے پر لوٹ آتی ہے اتنا مجھے بھی معلوم تھا کہ پہاڑی پرندے برفانی موسم کی سختیوں کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ بدترین طوفانوں کے باوجود سال ہا سال اپنے نشیمن نہیں بدلتے۔ رزق کی تلاش میں ہر صبح ایک ہی آشیانے سے پرواز کرتے ہیں اور میلوں دور کا سفر کرکے سرِشام اسی آشیانے پر لوٹ آتے ہیں۔

"سات بجے مجھے ویرا کے سابقہ مکان پر پہنچنا ہے۔ تم سیدھے چیل پاڑے کی طرف نکل جانا۔ تمہاری تجویز بہت بہتر اور قابلِ عمل ہے۔" میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "چپ کو غزالہ کپڑے کی پٹی میں سی دے گی۔"

"ابھی اُدھر جانا بے سود ہوگا۔ وہاں سے بسیں صبح سے روانہ ہونا شروع ہوتی ہیں۔ بسوں کے عملے اور مسافروں کی بھیڑ میں کوئی شناسا مل ہی جائے گا۔ اس وقت وہاں سناٹا ہوگا۔"

چِپ سے نجات پانے کی انوکھی صورت سامنے آگئی تھی لیکن اسی کے ساتھ کچھ اور اقدامات بھی ناگزیر ہوگئے تھے۔ آرنیٹ کا ایک ہرکارہ ویرا کو پیغام پہنچانے کے سلسلے میں وہ فلیٹ دیکھ چکا تھا اس لئے ہم لوگوں کا وہاں مقیم رہنا ہمارے حق میں مضر ثابت ہو سکتا تھا۔ جمی لائیڈ' بلیک کیٹ ٹی کو اسلحہ پہنچانے کے لئے مرا جا رہا تھا۔ متحرک بس میں موجود چِپ کی تیزی سے بدلتی ہوئی پوزیشن کے بارے میں خبر پاتے ہی وہ ویرا سے روابط رکھنے والوں کی طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہمیں ویرا سمیت فلیٹ فوری طور پر چھوڑ دینا چاہئے تھا۔

دوسری طرف بلیک کیٹ ٹی لاپتا تھا۔ اس نے مجھے پیغام دیا تھا کہ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ ملنے کی صورت یہ تھی کہ ویرا منظرِ عام پر آجاتی تو وہ خود ہی اس سے رابطہ کرلیتا۔

جمی لائیڈ والا معاملہ ویرا کی رُوپوشی کا متقاضی تھا اور بلیک کیٹ ٹی کو اس کی کچھار سے باہر لانے کے لئے ویرا کا سامنے آنا ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔ ویرا کو چارا بنا کر بلیک کیٹ ٹی کو ہلاک کرنا آسان ہو جاتا۔ ایک بار وہ خوفناک دہشت گرد مار دیا جاتا تو جمی لائیڈ کی سرگرمیوں کا زور خود بخود ٹوٹ سکتا تھا۔

خاصے غور و خوض کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ہمارے پاس فلیٹ چھوڑنے کے لئے کم از کم چوبیس گھنٹے کی مہلت موجود تھی اس دوران ویرا شہر کے ہوٹلوں وغیرہ کی خاک چھان کر کہیں نہ کہیں بلیک کیٹ ٹی کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ سلطان شاہ اس کا پیچھا کرکے بلیک کیٹ ٹی کو پہچان سکتا تھا کیونکہ اگلی صبح تک کے لئے وہ بالکل فارغ تھا۔ اس دوران میں میں اوّل خان سے ملنے کے لے پوائنٹ فور چلا جاتا اور غزالہ فلیٹ میں تنہا اور غیر محفوظ رہنے کے بجائے جہانگیر کے گھر چلی جاتی۔ پوائنٹ فور سے واپسی پر میں اُسے اپنے ساتھ فلیٹ پر لے آتا۔

ہم نے ویرا اور غزالہ کو بمشکل باہر بلایا تو یہ دیکھ کر میری طبیعت خوش ہوگئی کہ اس وقت ویرا کے چہرے پر جھنجھلاہٹ اور غصّے کے ملے جلے آثار نمایاں تھے۔ جن کی وجہ سے وہ ایک روایتی عورت نظر آرہی تھی۔ اتنی سی دیر میں اس نے غزالہ کو اپنا مزید ہم نوا بنالیا تھا۔ ان دونوں نے ہم پر دل کھول کر ہی طعن کی جو ہم ہنس ہنس کر سنتے رہے۔ باہمی تعلقات کے بارے میں ہم چاروں ہی اس قدر ڈھیٹ ہو چکے تھے کہ کوئی بھی کسی سے گالیاں کھا کے بے مزہ ہونے کا عادی نہیں رہا تھا۔ ہماری مسلسل خاموشی اور مسکراہٹوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذرا سی دیر میں ان کے غباروں کی ہوا خارج ہوگئی۔

جب میں نے ویرا کو بتایا کہ اس کے سائے سے نجات ملتے ہی سلطان شاہ کی کھوپڑی نے کیا گُل کھلایا تھا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اس کی دانست میں چِپ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی وہ بہترین صورت تھی۔

وہ لوگ اوّل خان کے نام اور کردار سے واقف نہیں تھے لیکن میں انہیں یہ بتا چکا تھا کہ ہماری کوٹ مندو والی مہم اور بعد کی کارروائیوں کے نتیجے میں اسپیشل ٹاسک فورس بلیک کیٹ ٹی کے پیچھے لگ گئی تھی اور اپنے حریف کی مکّاریوں سے ناواقف ہونے کی بِنا پر اسے پکڑنے کا ایک موقع بھی گنوا چکی تھی۔ اس لئے میں نے انہیں بتا دیا کہ اسی سلسلے میں مجھے شام کو اسپیشل ٹاسک فورس کے کسی ذمّے دار فرد سے ملنا تھا اور یہ امکان بھی تھا کہ شاید میں چند روز کے لئے گھر واپس ہی نہ آسکوں۔ میں نے اندرونِ سندھ کے اپنے متوقع سفر کے بجائے انہیں یہ بتایا کہ شاید ان لوگوں کی مدد کرنے کے لئے مجھے ان کے ہمراہ ایک بار پھر کوٹ مندو کی راہ اختیار کرنا پڑے۔

سلطان شاہ اور ویرا کے لئے وہ کوئی غیر معمولی اطلاع نہیں تھی۔ میری غیر حاضری میں وہ دونوں اپنی ذمّے داریاں سرانجام دینے کے لئے تیار تھے لیکن میری طویل غیر حاضری کے امکان نے غزالہ کو اس قدر مضطرب کردیا کہ اس کی پریشانی اس کی آنکھوں اور چہرے سے جھانکنے لگی۔

موقع کی نزاکت بھانپ کر ویرا' سلطان شاہ سمیت ڈرائنگ روم سے ٹل گئی۔

"میں کب تک سہارے کی تلاش میں تنہا بھٹکتی رہوں گی؟"... غزالہ نے نمناک آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے جگر خراش لہجے میں سوال کیا۔ "تم آتے ہو اور ایک جھلک دکھا کر پھر کہیں رُوپوش ہو جاتے ہو۔ اب اس آنکھ مچولی سے میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ میں اکیلی چلتے چلتے تھک گئی ہوں۔"

اس کی آنکھوں کے گوشوں پر لرزنے والے شفّاف موتی' میں نے نرمی کے ساتھ اپنے رومال میں جذب کرلئے اور دھیمے

...اس قدر عالی حوصلہ ہوتے ہوئے یوں بچوں کی طرح ...کررہی ہو؟ برے دن تم نے اپنی ہمت اور حوصلے سے ...اب اچھے دن قریب آئے ہیں تو دل چھوڑ بیٹھی ہو۔ ...ہیں جانا ضروری نہیں ہے۔ گیا بھی' تو چند روز میں ...۔"

...ہیں معلوم ہے کہ ہم کبھی بھی طویل غیر حاضری کا ...ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے۔" اس کی آواز ...تھی۔ "ہر بار ہم چند گھنٹوں' چند لمحوں یا چند دنوں ...دوسرے سے الگ ہوئے تھے لیکن حالات کے بے ...نے بار بار ہمیں ایک دوسرے سے کالے کوسوں دور ...میں تھک گئی ہوں۔ دلدار آغا سے فریب کھانے کے ...لہولہان ہوگئی ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ مسز آغا بن کر ...موتی رولوں گی لیکن وہی میری زندگی کا بھیانک ترین ...ہوا۔ اب میں تم سے یا کسی اور سے نہیں' اپنی تقدیر ...ہوں۔ پتا نہیں ابھی کتنے اور دکھ میرے مقدر میں ہیں؟"

...نے مضبوطی کے ساتھ اس کے دونوں شانے تھام کر ...رُوبرو کرلیا "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم سے میری محبت ...بے لوث ہے۔ میں نے شمع جی اور کرنل زوّار زیدی کی ...لوبے پاکیزہ جذبوں کے ساتھ چاہا تھا۔ جب تم دیارِ ...جان اور ناموس کے دشمنوں میں گھر کر اپنی بقا کی جنگ ...تب بھی میں اپنے ایک ایک سانس میں تم کو یاد کرتا ...تم نے مسز دلدار آغا بن کر مجھے خود سے دور رہنے کا ...وقت بھی میں تمہاری راہ کاٹے بغیر' چپکے چپکے تمہیں ...مرد اور عورت کی دوستی اس کائنات کا سب سے کمزور ...دیوانی رشتہ ہے جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا۔ ...تم سے اعتراف کرتا ہوں کہ میری بہتیری دوستیاں رہیں ...کے تند و تیز دھارے کی نذر ہوگئیں لیکن پہلی محبت میں ...اور صرف تم سے کی ہے اور یہی میری زندگی کی آخری ...ہوگی۔ ابھی میری کشتی منجدھار میں ڈانواں ڈول ہے۔ ...ٹی میرے لہو کا پیاسا ہو رہا ہے۔ میں تمہیں ساتھ لے ...نہیں چاہتا۔ اس مردود کا قصہ پاک کردوں تو پھر ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے ہو کر اپنی طبعی عمر پوری کریں گے۔"

"مجھے تو اب اپنے اگلے سانس کی بھی آس نہیں رہی ہے۔" ...ری اندر ایک دردناک سسکی لے کر بولی۔ "ماں' باپ ...تے بھائی کو کھو دینے کے بعد اس دنیا میں اب میرے لئے ...ہے؟ کون رہ گیا ہے؟ وحشی اور ہوس ناک درندوں کے ...دور دور تک نظریں دوڑانے کے بعد ایک تم ہی نظر ...ڈیئر! تم یقین کرو کہ تمہیں کچھ ہوگیا تو میں زہر ...کھا لوں یا خود کو گولی مار لوں گی۔ مجھ میں اب کوئی بری خبر سننے کا ...نہیں رہا۔ تم جہاں جا رہے ہو' مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔

تنہائی میں خیالات کے ڈراؤنے آسیب مجھے دہلائے دیتے ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی حفاظت خود کروں گی اور تم پر کہیں بھی بوجھ نہیں بنوں گی۔"

"تم میرے ساتھ ہوا کرتی تھیں اور تم نے اس کا خمیازہ بھی بھگت کر دیکھ لیا۔ ویرا نے مجھے زیر کرنے کے لئے تمہیں اغوا کرکے لندن بھجوا دیا اور تم برسوں دیارِ غیر میں بھٹکتی رہیں۔ اس بار میرا جن لوگوں سے پالا پڑا ہوا ہے' وہ ویرا سے بہت کم ظرف اور کمینے ہیں۔ انہیں تمہارے وجود کی بھنک بھی مل گئی تو وہ خونی بھیڑیوں کی طرح تمہیں گھیر لیں گے۔ بس چند روز اور صبر کرلو۔ بلیک کیٹ ٹی کے گرد میرا جال مکمل ہونے ہی والا ہے۔ اس کے بعد تم سدا میرے ساتھ رہو گی.... یہ تم سے میرا قول ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس قول کے بعد تم مسکراتے ہوئے مجھے رخصت کرو۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے' چہرے پر حزن و ملال کے سائے رقصاں تھے' آواز دل گرفتہ تھی لیکن میری فرمائش پر وہ مسکرا دی۔ بالکل اس طرح جیسے وہ گُل سے چلنے والی کوئی گڑیا ہو۔ اس کی وہ ادا میرے دل کو اتنی بھائی کہ میں نے بے قرار ہو کر زندگی میں پہلی بار' پوری قوّت سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

وہ آندھی کی زد میں آئے ہوئے' کسی ہلکے سے پتّے کی طرح میری گرفت میں ہولے ہولے لرزتی رہی اور پھر ہڑبڑا کر یکلخت میری گرفت سے نکل گئی۔

"میں ڈرتی ہوں کہ اپنے اس سہارے کو کہیں خود میری ہی نظر نہ لگ جائے" وہ ایک جھرجھری لے کر بولی۔ "بس تم اتنا یاد رکھنا کہ مجھے واپسی کا قول دے کر جا رہے ہو۔ طبعی موت کی اور بات ہے وہ کسی کو بھی' کہیں بھی آسکتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ تم نے مہم جوئی کے کسی شوق میں زندگی کی دہلیز پار کرلی تو تم میرے قرض دار ہوگے۔"

"تم فکر نہ کرو.... ہو سکتا ہے کہ مجھے جانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔" میں نے اسے جھوٹی تسلی دی اور اس کی جھلملاتی ہوئی آنکھوں میں یکایک اُمیدوں کے دیے جل اٹھے۔

○☆○

اسے خود علم نہیں تھا کہ وہ سرکاری ملازم تھا یا غیر سرکاری.... ان لوگوں کی وردیاں اور شانوں پر لگے ہوئے عہدوں کے امتیازی نشانات فوجیوں جیسے تھے لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ لوگ کسی بھی طرح فوجی نہیں تھے۔ میں نے اپنی شناخت کے اعتبار سے اُس کے عہدے کا ایک تعیّن کرلیا تھا جو کرنل کے برابر تھا۔

میں پونے سات بجے پوائنٹ فور پہنچ گیا۔ پھاٹک پر میری زبان سے فاکس کا کوڈ سنتے ہی مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی جہاں کرنل اوّل خان مجھ سے پہلے پہنچا ہوا تھا۔

اس وقت وہ اپنے ایک سادہ پوش ماتحت سے تبادلۂ خیال میں مصروف تھا لیکن میرے پہنچتے ہی اس نے اپنے ماتحت کو رخصت کردیا اور مجھے صوفے پر اپنے پاس بٹھالیا۔

"میرے آدمیوں نے دن رات کی محنت کے بعد ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے" ہاتھ ملانے کے بعد اوّل خان نے بلا تمہید ہی اپنی کہانی شروع کردی۔ "کافی دنوں سے خبریں مل رہی تھیں کہ ڈاکو مایوس' بے روزگار اور باغیانہ خیالات رکھنے والے نوجوانوں کو بھاری تنخواہوں کا لالچ دے کر بھرتی کررہے ہیں۔ ان کے کارندے شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں پھر کر قابلِ اعتماد اور کار آمد نوجوانوں کی درخواستیں جمع کرتے ہیں۔ پھر گھنے جنگلات میں ڈاکوؤں کے سردار ان امیدواروں کے باقاعدہ انٹرویو لے کر انہیں ملازم رکھتے ہیں۔ میرے آدمی دو فرضی ناموں پر انٹرویو کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ ...میرا خیال ہے کہ مجھے اور تمہیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"ڈاکوؤں کے کارندے امیدواروں کی چھان بین بھی کرتے ہوں گے۔ وہ دونوں فرضی نام ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم وہاں جاتے ہی دھر لئے جائیں اور کسی کو ہمارے حشر کا پتا بھی نہ چل سکے؟" میں نے اپنے دل میں ابھرنے والے خدشات کا فوراً ہی بے لاگ اظہار کردیا۔

"سب کچھ ہوتا تھا۔ پہلے درخواستوں پر امیدواروں کی تصویریں بھی ہوتی تھیں۔ اُس وقت ہیر پھیر کرنا بہت مشکل تھا لیکن پچھلے چند ہفتوں سے تیزی سے بھرتی کی جارہی ہے کیونکہ انہیں عنقریب کہیں سے بھاری مقدار میں جدید ترین اسلحہ ملنے کی امید ہے۔ یہ وہی ملاّ سرکار والا چکر معلوم ہوتا ہے۔ اس امید پر انہوں نے بہت سی احتیاطی تدابیر نظرانداز کی ہوئی ہیں اسی وجہ سے ہمیں یہ موقع مل گیا۔ زندہ بچ گئے تو ہم کوئی بڑا کام کرگزریں گے اور اگر پھنس گئے تو مفت میں شہادت کا رُتبہ مل جائے گا۔ میری دانست میں یہ مہم جہاد سے کم نہیں ہوگی۔"

میرے دل میں ایسی شہادت کا کوئی شوق نہیں تھا جس میں ڈاکوؤں کی گولیوں سے چھلنی ہونا پڑے۔ دوسری طرف منظور ماموں اور ان کے لڑکے' محمود کے بہیمانہ قتل کا واقعہ بھی بالکل تازہ تھا جس سے ظاہر تھا کہ ڈاکو اپنے دشمنوں کے ساتھ ذرا بھی رُو رعایت سے کام لینے کے عادی نہیں تھے لیکن اوّل خان کے راسخ جذبۂ شہادت کو دیکھتے ہوئے میں اپنے ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی ہمت نہ کرسکا۔

سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بے خوف آدمی مجھے اپنے کسی ماتحت کے ساتھ جنگلات میں جانے کا مشورہ نہیں دے رہا تھا بلکہ خود میرے ساتھ جانے پر آمادہ تھا اس لئے میری کسی بھی اختلافی رائے پر وہ جھٹ سے بزدلی کا لیبل چسپاں کرنے کی

پوزیشن میں تھا جو مجھے ہرگز گوارا نہ ہوتا۔

"جہاد کافروں کے خلاف ہوتا ہے" میں نے اس خیالات میں تبدیلی لانے کی ایک کمزور سی کوشش کرتے ہو "یہ سب ڈاکو تو اپنے پاکستانی اور مسلمان ہیں۔ ان کے ہا مرنے والے شہید کیسے کہلا سکتے ہیں؟ میں نے تو آج تک نہیں پڑھا کہ ڈاکوؤں نے فلاں علاقے میں اتنے لوگوں کو کردیا۔"

توقع کے عین مطابق میری وہ دلیل رائیگاں گئی اور اوّل نے پُرجوش لہجے میں کہا "اخبار والے تو سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ تمہیں اندر تک کی باتیں معلوم ہیں۔ جن لوگو نکیل بلیک کیٹ ٹی اور اس کے گرگوں کے ہاتھ میں ہو' مسلمان کون کہہ سکتا ہے؟"

"ڈاکوؤں کے لئے تو وہ ملاّ سرکار بنا ہوا تھا۔ وہ اسے ا مانتے ہیں۔"

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اب بلیک کیٹ ٹی کرا نہیں ہے۔ اس سے بھی انہی جنگلات میں کہیں مڈبھیڑ ہو گ اگر تم خوف زدہ ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اپنے کی کو ساتھ لے جاؤں گا۔ ملک اور قوم کی خدمت کا یہ سنہ میں ضائع نہیں کروں گا۔"

مجھے کٹ حجتی پر آمادہ پاکر اس نے میری دُکھتی رگ دبا لمحہ بھر کے لئے مجھے اوّل خان اور اس کی سوچ پر رشک آیا اس ملک کو اس جیسے فرض شناس اور محبِ وطن کارکنوں کی حقیر سی نفری بھی میسر آجاتی تو ملک کی تقدیر بدل سکتی تھی۔ غزالہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد آیا' یہ خیال آیا کہ ہم ا خلائی جنگوں کے ہولناک اندیشوں کے سائے میں جی ر جہاں بے تیغ لڑنے کا تصور بہت زیادہ کارگر نہیں رہا تھا ا خان تو بے تیغ ہی اس خون ریز مہم پر نکلنے کا ارادہ رکھتا اسلحہ ساتھ لے جاتا تو جنگلات میں داخل ہونے سے ڈاکوؤں کی پہلی نگراں چوکی پر ڈھیر کردیا جاتا۔ اس کا منصو آتا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کی نوکری کرکے ان کے اسلحے سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا جذبہ بہت صادق اس کا انجام اوّل خان کے حق میں خوشگوار نظر نہیں آ ان حالات میں جو بھی اس کا شریکِ کار ہوتا' اس انجام دامن ہرگز نہیں بچا سکتا تھا۔

"یہ نہ سمجھنا کہ میں خودکشی کرنے جارہا ہوں۔" تو توقّف کے بعد اوّل خان نے اپنی بات جاری رکھی تو میں ... میری دانست میں وہ خود ہی اپنے ارادوں کی نفی کر شاید میری ہی طرح اسے بھی سب کچھ یاد آرہا تھا۔

"خودکشی اور شہادت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے" ...

حرام ہے اور دوسری عین عبادت۔ اگر مجھے کچھ کر کا موقع نہیں ملا تو میں حالات کا جائزہ لے کر خاموشی واپس لوٹ آؤں گا۔ اپنی اکٹھا کی ہوئی معلومات کے میں ان ڈاکوؤں اور ان کی کمین گاہوں کو زیادہ شدید پہنچا سکوں گا۔"

کی وہ وضاحت قابلِ عمل اور خاصی معقول تھی۔ میں کریدنے کی نیت سے پوچھا۔ "وہاں اپنے نام' کام اور کے بارے میں کیا بتانے کا ارادہ ہے؟"

معاشرے کے ستائے ہوئے بے گھر اور بے در لوگ ہر ہیں۔ ہمیں اپنا روپ بدلنا پڑے گا" اس نے کہا "زیادہ انی سنانے میں یہ خطرہ ہے کہ وہ ہمارے بیان کی تصدیق ہمیں قید میں رکھ سکتے ہیں۔ تصدیق نہ ہو سکی تو وہ دنیں اڑا دیں گے وہاں... ہمیں ہر قدم پھونک پھونک کر گا۔"

ل خان کی وہ باتیں ہر لحاظ سے قابلِ عمل اور حوصلہ افزا اُس نے جس انداز میں گفتگو کی ابتدا کی تھی' اس سے ہوتا تھا کہ وہ جنگل میں پہلا قدم رکھتے ہی شہید ہوجانے کا تا تھا جو اس کے اپنے حق میں بھی ناروا سی بات تھی۔

روانگی کا کیا پروگرام رہے گا؟" میں نے پُرسکون لہجے میں یا۔

تو تم میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو؟" وہ حیرت اور مسرت یا اچھل پڑا۔

بالواسطہ شہادت کے مقابلے میں تمہارا دوسرا پروگرام اسب ہے" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ڈاکوؤں کے مسکن تے ہوئے ہمیں جوش سے زیادہ ہوش سے کام لینا ہوگا۔ میں ان کا طریقۂ کار قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر وہاں یٹ ٹی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو وہ ہمارا بونس ہوگا۔"

"ہمیں آج رات ہی کسی وقت سیکھاٹ کے لئے روانہ ہونا گا" اس نے مسرت آمیز لہجے میں مجھے آگاہ کیا "راستے میں یدر آباد میں رک اپنے اس آدمی سے بریفنگ لینا ہوگی لئے یہ بندوبست کیا ہے۔"

"میں آج رات کیا' اسی وقت روانگی کے لئے تیار ہوں۔" نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اوّل خان کو فوری روانگی کی پیشکش کرتے ہوئے میرا ذہن صاف تھا۔ غزالہ کے ساتھ خاصے کٹھن اور جذباتی لمحات ار کر میں اُس سے روانگی کی اجازت لینے میں کامیاب ہوا تھا۔ ر میں روانگی کا پروگرام قدرے التوا میں ڈال کر دوبارہ اس رجوع کرتا تو مجھے ایک بار پھر ان بوجھل جذباتی لمحات سے نا پڑتا اس لئے میں نے فوراً ہی اپنی آمادگی ظاہر کردی تھی۔

کرنل اوّل خان کا خیال تھا کہ وہ حیدر آباد تک کا سفر اپنی

اسپیشل ٹاسک فورس کی کسی بند جیپ میں طے کرے گا لیکن میں نے اس کا وہ خیال مسترد کردیا۔

میرا اندازہ تھا کہ ان دنوں جنگلات اور پہاڑوں میں رُوپوش رہ کر وارداتیں کرنے والے ڈاکو اپنے سرپرستوں کی شہ پر اتنے منظم ہو گئے تھے کہ میلوں دور سے ان کے مخبروں کا جال شروع ہوجاتا تھا اور اگر وہ کسی فرد یا واقعے پر نظر رکھنے کا فیصلہ کرلیتے تو یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے مخبروں کو فریب دیا جاسکتا۔

اوّل خان کو سیکھاٹ پہنچنے سے پہلے حیدر آباد میں رک کر اپنے کسی آدمی سے بریفنگ لینا تھی جس کے لئے مناسب یہی تھا کہ ہم وہیں سے حلئے بدل کر' بس کے ذریعے اپنے سفر کا آغاز کرتے اور بیراج کالونی کے مقررّہ مکان میں پہنچ جاتے جہاں آرام کرنے کے بعد سیکھاٹ کا رخ کیا جاسکتا تھا۔

ان واقعات میں اسپیشل ٹاسک فورس تازہ تازہ ملوّث ہوئی تھی۔ اس لئے اوّل خان کی شناخت کا کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن مجھے ملاّ سرکار سے اپنی دشمنی کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا تھا۔

اس قلیل سی مدت میں اپنے چہرے پر نمایاں قدرتی تبدیلیاں لانا میرے بس سے باہر تھا اس لئے میں نے اپنی چھّی داڑھی اور سر کے بالوں سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

کرنل اوّل خان کے ماتحتوں میں سب ہی لڑنے بھڑنے والے لوگ تھے جو فنِ سپہ گری کے مختلف شعبوں میں طاق تھے لیکن اس کی ہدایت پر ان ہی میں سے ایک نئے ریزر کی مدد سے حجّام کی خدمات سرانجام دینے پر تیار ہوگیا۔

ویرا کی سابقہ' عالیشان خوابگاہ کی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں مَیں اپنے سر اور چہرے پر شیونگ کریم کے پھولتے ہوئے جھاگوں کی تہ کا جائزہ لیتا رہا اور جب ریزر کی تیز دھار نے اپنا کام دکھانا شروع کیا تو میرے لئے خود کو پہچاننا بھی دشوار ہوگیا۔ میک اَپ اور بھیس بدلنے کے کتابی طریقوں کے برعکس قدرتی عناصر کی ترتیب میں ذرا سا ردّوبدل بھی بڑی تبدیلیاں لاسکتا تھا' جس کا میں مُنہ بولتا شاہکار تھا۔

داڑھی صاف ہونے پر میرے چہرے کی جلد پر کوئی نشان باقی نہیں رہا جس سے پتا چلتا کہ وہاں کوئی فوری کارروائی کی گئی ہے البتہ سالہا سال کے بعد گنجا ہونے کی وجہ سے سر کی جلد پر سفیدی سی نمودار ہوگئی تھی جو تبدیلی کی چغلی کھا رہی تھی۔ سر اور چہرے کی بقیہ جلد کی رنگت کا وہ فرق عارضی تھا اور دو تین روز میں بالکل ختم ہوسکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ سر پر کپڑے کی کوئی سستی سی ٹوپی منڈھ کر میں وہ دو تین دن کسی دشواری کے بغیر گزارنے میں کامیاب ہوجاؤں گا لیکن اوّل خان کے غیر پیشہ ور حجّام نے میرے اس مسئلے کا بھی ایک فوری حل پیش کردیا۔

بازار سے بال رنگنے والا شیمپو آجانے پر میں غسل خانے

میں دبا گھسا۔ بالوں سے محروم کھوپڑی پر چند منٹ کی قلیل مدت کے لئے شیمپو کے لیس دار جھاگ چھوڑ کر میں نے سر دھویا تو دل ہی دل میں اس غیر پیشہ ور حجام کے تجربے کا معترف ہونا پڑا کیونکہ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نیا نیا گنجا ہوا تھا۔

وہ لوگ کون تھے؟ یہ انہیں خود علم نہیں تھا لیکن ان کے سارے انداز فوجیوں جیسے تھے۔ وہ نقل و حرکت کرتے تھے تو پوری تیاریوں کے ساتھ کرتے تھے۔ ذاتی ضروریات کی اشیا ہر وقت ان کے ساتھ رہتی تھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر وہ ایک پڑاؤ سے بلا تردد دوسری منزل کی طرف چل پڑیں اور انہیں اپنی کسی ضرورت کے لئے واپس' اپنے پرانے ٹھکانے کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے۔

اسی وجہ سے پوائنٹ فور پر موجود ہر شخص کے پاس وردی کے علاوہ سادے کپڑے بھی موجود تھے۔ ان میں سے اپنے ہم جسامت ایک شخص کے کپڑے پہن کر میں روانگی کے لئے تیار ہو گیا۔

کرنل اوّل خان نے بھی اپنی فوجی وردی کو خیرباد کہہ کر سویلین کپڑے پہن لئے تھے۔ قمیض شلوار میں وہ زیادہ وجیہہ اور بارعب نظر آ رہا تھا۔

بسیں سپرہائی وے پر حیدر آباد تک پہنچنے میں اتنا وقت نہیں لیتیں جتنا شہر کے اندرونی علاقوں سے سپرہائی وے پر پہنچنے میں لیتی ہیں۔ وقت بچانے کے لئے ہم نے سہراب گوٹھ سے بس پکڑنے کا فیصلہ کیا۔ اوّل خان اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ نصف گھنٹے بعد وہ فارغ ہوا تو اس کے آدمی ہمارے لئے بازار سے کھانا لا کر ڈائننگ ٹیبل پر سجا چکے تھے۔ میں نے دیر سے لنچ کیا تھا اس لئے اس وقت کھانے کی خواہش نہیں تھی لیکن اوّل خان کے اصرار پر مجھے اس کا ساتھ دینا پڑا۔ اس کا کہنا تھا کہ آنے والے وقت نہ جانے کب' کہاں اور کیسا کھانا میسّر ہو۔ اس لئے ہمیں اس ڈنر کو اپنی الوداعی دعوت سمجھ کر پورے احترام سے قبول کر لینا چاہئے۔

اس کا وہ نکتہ اس قدر اثر آفرین تھا کہ فوراً ہی میری اشتہا بھڑک اٹھی۔

نو بجے اوّل خان کی گاڑی نے ہمیں سہراب گوٹھ پر اتار دیا اور ہم سپرہائی وے کی طرف رینگتی ہوئی ایک جناتی بس کو رکوا کر اس میں سوار ہو گئے۔ وہ بس غیر معمولی طور پر طویل تھی۔ اس میں مسافروں کی کثیر تعداد موجود تھی لیکن پھر بھی چند نشستیں خالی تھیں۔

ہم بس رکوا کر اس میں سوار ہوئے تھے اس لئے میرا اندازہ تھا کہ ہمارے بیٹھتے ہی وہ روانہ ہو جائے گی لیکن وہ کافی دیر تک سسک سسک کر آگے رینگتی اور پھر تقریباً وہیں رکتی رہی۔ بس کے عملے کا ایک تنومند لڑکا بس کی آہنی چادر پر اپنی ہتھیلی کی ضربوں سے یک تالہ اور دو تالہ سُر بجا بجا کر حیدر آباد' حیدر آباد کا شور مچا رہا تھا اور میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی محنت رائیگاں نہیں جا رہی تھی بریف کیس' تھیلے یا سازوسامان سے لدا ہوا کوئی نہ کوئی مسافر کہیں نہ کہیں سے چلا ہی آ رہا تھا۔ بس میں ابھی دو نشستیں خالی تھیں کہ پیچھے سے کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے ہارن کے شور کے ساتھ تیز روشنیوں کا ایک سیلاب آیا۔ بچے چونک کر رونے لگے۔ کچھ لوگوں نے خوف زدہ انداز میں پہلو بدلے۔ عادی مسافروں کے بشرے پر بے زاری کے آثار زور ہی سے پڑھے جا سکتے تھے۔ اس قدرے ہیجانی ماحول میں ہماری بس تیزی کے ساتھ حرکت میں آ گئی۔ پتا چلا کہ اس کی جگہ لینے کے لئے دوسری بس اسی مقام پر پہنچ چکی تھی۔

سہراب گوٹھ سے آگے سڑک سے دور ایستادہ کنکریٹ کے روشن اور تاریک ڈھانچوں کو پیچھے چھوڑ کر ہم ٹول پلازا سے گزرے تو سڑک کے دونوں جانب لامتناہی سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ دنبہ گوٹھ کی مدھم سی روشنیاں پلک جھپکتے میں پیچھے رہ گئیں۔ سڑک پر رواں دو طرفہ ٹریفک کی قریب آتی اور دور جاتی ہوئی روشنیوں کے علاوہ اس سفر میں عجیب مشینی سی یکسانیت تھی ...ڈرائیور بریکوں کو بھول کر ایکسیلیٹر' ہارن اور روشنیوں کی مدد سے اس سیاہ سڑک پر اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ اس لئے انجن کی غراہٹ بھی ایک ہی سطح پر پہنچ کر گویا منجمد ہو گئی تھی۔

حیدر آباد یوں تو ایک خاصا بڑا شہر ہے لیکن وہاں کی شہری زندگی پر دیہی معاشرت کے آثار خاصے گہرے ہیں۔ لوگ سحر خیزی کے عادی ہیں لیکن وہاں رات کا سناٹا جلد راج کرنے لگتا ہے۔ ہم جیل کے قریب اپنے مطلوبہ بس اسٹاپ پر اترے تو اِکّا دُکّا شور مچاتی ہوئی سواریوں کے علاوہ وہاں نیم تاریک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ البتہ آوارہ کتوں کی ساجی سرگرمیوں نے اس سناٹے میں قدرے جان ڈالی ہوئی تھی۔

سڑک عبور کر کے ہم بیراج کالونی کے احاطے کی دیوار کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے سے اندر داخل ہو گئے۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" میں نے کوارٹروں سے پہلے ہوئے کھیل کے میدان کو عبور کرتے ہوئے اوّل خان سے پوچھا۔ "یہ تو نچلے اور درمیانی درجے کے سرکاری ملازمین کی کالونی معلوم ہوتی ہے۔"

"میں اتنا جانتا ہوں کہ یہاں کم کرائے پر مکان مل جاتے ہیں" اوّل خان ہنستے ہوئی بے پروایانہ انداز میں بولا۔ "یہاں میرے دو آدمی رہتے ہیں۔"

"وہ یہاں کیا کرتے ہیں؟" اس کی اسپیشل ٹاسک فورس کی سرگرمیوں کے بارے میں میرا تجسس بیدار ہو گیا۔

"یہاں بھی بعض اہم تنصیبات ہیں۔ ان کے بارے میں ہم پر براہِ راست کوئی ذمّے داری نہیں ہے لیکن میرے آدمی ہر وقت

م پھر کران پر نگاہ رکھتے ہیں۔"

"اور یہ لوگ بھی تم ہی کو جواب دہ ہیں" میں نے اس طرح خان کی تنظیم کی وسعت کا اندازہ لگانا چاہا۔

"یہاں کی ٹیم الگ ہے لیکن ہم لوگ کہیں بھی ہوں' ایک رے سے کھل کر تعاون کرتے ہیں۔ ہم جن لوگوں سے ملیں ' ان کا کام خطرناک سماج دشمن عناصر کی بیخ کنی کرنا بھی ہے نا یہ یہاں بدمعاشوں کے روپ میں ان ہی کے ساتھ مل کر چے ہیں تاکہ اندر کی زیادہ سے زیادہ خبریں معلوم کر سکیں۔"

"بدمعاشوں میں رہ کر زیادہ عرصے تک ان کے خلاف کام تے رہنا مجھے تو ناممکن نظر آتا ہے۔"

"یہ اپنی ترجیحات کے تحت کام کرتے ہیں۔ کبھی امن و ان کی صورتِ حال بہت اچھی ہو جائے تو شاید یہ چور اچکوں ، بھی دشمن ہو جائیں لیکن آج کل کے حالات میں یہ صرف ی مچھلیوں کا شکار کھیلتے ہیں۔"

آبادی پر خواب ناک سناٹا چھایا ہوا تھا' دن بھر دفاتر اور رخانوں میں کام کرنے والے لوگ تھک ہار کر اپنے اپنے مروں میں آرام کر رہے تھے۔ کہیں کہیں سے وی سی آر پر چلنے لی فلموں کے بلند آہنگ مکالمے اور گانے سنائی دے رہے تھے۔ زمین نیم تاریک گلیوں سے گزر کر اوّل خان ایک مکان کے امنے رک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پہلے بھی وہاں آتا رہا ہے۔

دستک کے جواب میں دروازہ کھول کر' اوّل خان کو پہچانتے ہانوس انداز میں اندر بلا لیا گیا۔

کمرے میں بلب جل رہا تھا اور اس کی روشنی میں وہ شخص پی وضع قطع کے اعتبار سے چھٹا ہوا غنڈا نظر آ رہا تھا۔ کرنل مجھے بتا چکا تھا کہ وہ اس کا بہروپ تھا لیکن میرے لئے یہ نکتہ پھر بھی قابلِ غور تھا کہ بال بچوں والے لوگ اپنی آبادی میں ایسے عناصر کو کیوں قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں؟

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" اوّل خان نے طائرانہ انداز میں اس خالی خالی کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ایک چیک اپ پر گیا ہوا ہے" اس کا لہجہ مہذّب اور مودّبانہ تھا جو اس امر کا غمّاز تھا کہ واقعی وہ اندر سے کچھ اور تھا لیکن باہر سے کچھ اور بنا ہوا تھا۔

"اس نے مجھے بتا دیا تھا' تم چاہو تو یہیں آرام کر سکتے ہو' تمہیں صبح سات بجے سیکھاٹ پہنچنا ہے۔"

سیکھاٹ حیدر آباد سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم صبح چھ بجے بیدار ہو کر بھی مقررہ وقت پر وہاں پہنچ سکتے تھے۔

اس شخص نے مجھ سے ہاتھ ضرور ملایا تھا لیکن میرے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لئے غالباً اتنا ہی کافی تھا کہ میں اوّل خان کے ساتھ اس کے پاس پہنچا تھا۔

وہ دونوں مجھے نظر انداز کر کے آپس میں باتیں کرتے رہے جو میرے لئے بھی قابلِ فہم تھیں۔ ان کے مطابق نیشنل ہائی وے پر سیکھاٹ کے بس اسٹاپ پر مقررہ وقت پر ہمیں قلندر نامی ایک ایسے شخص تک پہنچنا تھا جو کسی مست ملنگ کے روپ میں عموماً وہیں چرس کے دم لگاتا ہوا ملتا تھا۔

ہمیں اس کو بتانا تھا کہ ہم صاحب کی گڑھی سے آئے تھے' قلندر ہمیں پہچان لیتا۔ اس سے آگے ہمیں قلندر کی ہدایات پر عمل کرنا تھا جن کے نتیجے میں ہم اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ سکتے تھے۔

ان لوگوں کے درمیان اگر کوئی تکلّف نہیں تھا تو بے تکلّفی بھی نہیں تھی۔ اجنبی کے رویّے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے لئے اوّل خان خاصا سینئر آدمی تھا۔ اس نے کمرے میں موجود دونوں چارپائیوں پر بستر درست کر کے صاف چادریں بچھائیں اور خود ایک تکیہ لے کر صحن یا دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وہ کمرا اتنا چھوٹا تھا کہ وہاں کھل کر سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا' کہیں دل کی بات کوئی سن نہ لے اس لئے شدید خواہش کے باوجود میں اوّل خان سے کوئی تبادلۂ خیال نہ کر سکا۔

اوّل خان فوجی نہ سہی فوجی نما ضرور تھا اس لئے وہ چارپائی پر یوں دراز ہوا جیسے اسے کوئی پُرتکلف مسہری مہیا کر دی گئی ہو۔ میں نے بے آرامی کے احساس سے چھٹکارا پانے کے لئے سگریٹ سلگا لی۔ مختلف سوچوں میں گم رہ کر میں نے سگریٹ ختم کی پھر کوئی بات پوچھنے کے لئے اوّل خان کی طرف پلٹا تو وہ گہری نیند سو چکا تھا۔

صاف ستھری مشقت کے بعد رات کی گہری نیند زندگی کی وہ نعمت ہے جو مشینی عذاب میں مبتلا شہروں کے باسیوں کو مشکل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ اوّل خان سو گیا لیکن میں رات بھر پہلو بدلنے کے باوجود ایک پل کے لئے بھی پلکیں جھپکانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اس مکان میں رہنے والا دوسرا آدمی رات بھر واپس نہیں آیا لیکن کوئی اس کے لئے فکرمند نہیں تھا۔ چھ بجے میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھ کر بستر چھوڑا تو اوّل خان کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"وقت سے اٹھ گئے' میرا تو خیال تھا کہ تمہیں جھنجھوڑ کر جگانا ہو گا۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ اسے یہ بتانا بے سود تھا کہ میں نے وہ رات سنسناتے ہوئے تاریک جنگلوں کا تصور کرتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔

میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے باہر نکلا تو اپنے میزبان کو خود سے کہیں زیادہ مستعد پایا۔ وہ نیچی چھت والے تنگ باورچی خانے میں خاموشی سے ناشتا تیار کر رہا تھا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم تھوڑی ہی دیر میں وہاں سے

روانہ ہوگئے۔ ہمارے میزبان نے ہمیں سڑک تک پہنچانا چاہا لیکن اوّل خان نے سختی سے اسے منع کردیا۔ اس کی دانست میں ہم تینوں کا غیر ضروری طور پر اکٹھا باہر نکلنا احتیاط اور سلامتی کے بنیادی اصولوں کے منافی ہوتا۔

وہ صبح قدرے خنک اور خوش گوار تھی۔ ہم پونے سات بجے چیختی چنگھاڑتی بس کے ذریعے سیکھاٹ پہنچ گئے۔ جھونپڑا ہوٹل کے باہر گھنے درختوں کے نیچے متعدد چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان ہی پر پانی سے بھرے ہوئے ڈالڈا کے ڈبّے رکھے ہوئے تھے۔ ایک آدھ گلاس بھی کسی کسی چارپائی پر لڑھک رہا تھا۔ ۔۔اس وقت وہاں سڑک کے کنارے مال سے لدے ہوئے تین ٹرک کھڑے ہوئے تھے اور ٹرکوں کا عملہ وہیں چائے نوشی کے درمیان خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

وہ ہمارے لئے ایک اجنبی اور نامعروف جگہ تھی۔ میرے دل میں یہ خوف تھا کہ اگر ہم سے کسی نے ہماری وہاں آمد کا مدّعا پوچھ لیا تو ہم کیا جواب دے سکیں گے۔ میری نظریں بہت تیزی کے ساتھ قرب وجوار کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن مجھے کہیں بھی کسی ایسے آدمی کا وجود نظر نہیں آرہا تھا جس پر قلندر ہونے کا شبہ کیا جاسکتا۔

اوّل خان بے فکری کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی تقلید کی۔

ہمارے بیٹھتے ہی جھونپڑے میں سے ایک شخص برآمد ہوکر ہماری طرف آیا۔ اس کی آنکھوں میں تجسّس کی تیز چمک دور ہی سے دیکھی جاسکتی تھی۔

میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوگئیں۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ ہم سے کچھ پوچھ گچھ کرنے آرہا تھا۔

"دو چائے، لمبا پانی" اوّل خان نے اسے قریب آنے کا موقع دیئے بغیر اپنی دبنگ آواز میں کہا اور وہ راستے ہی میں سے واپس لوٹنے پر مجبور ہوگیا۔

"قلندر تو کہیں نہیں نظر آرہا۔ اب کیا کروگے؟" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"انتظار کے علاوہ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟" اوّل خان کی آواز سے بے چارگی مترشح تھی۔

"لیکن کب تک؟" میرے لئے وہ صورتِ حال بے چینی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہی ڈر ہے نا کہ کسی نے ہم سے کچھ پوچھ لیا تو ہم اس چھوٹی سی جگہ پر اپنی موجودگی کا کیا جواز دے سکیں گے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراعتماد لہجے میں سوال کیا۔

میں آہستگی سے اثبات میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا "ہوٹل والے ہمیں غور سے دیکھ رہے ہیں۔"

"تم بے فکری سے بیٹھے رہو، کوئی بات ہوئی تو میں خود سنبھال لوں گا۔"

وہی شخص چائے لایا تو پیالیاں چارپائی کی چوڑی پٹّی پر رکھتے ہوئے اسے بات کرنے کا موقع مل گیا "تم ابھی بس سے اترے تھے۔ کہاں سے آئے ہو؟" سوال کرتے ہوئے اس نے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لیا تھا۔

"ٹنڈے سے" اوّل خان نے مختصر سا دو لفظی جواب دیا اور اس کی طرف دیکھے بغیر چائے کی پیالی مُنہ سے لگالی۔

"کون سا ٹنڈا؟" اس کے لئے اوّل خان کا مختصر جواب تشنہ ثابت ہوا تھا۔

اوّل خان نے چائے کی پیالی پٹی پر رکھی اور اسے گھورتا ہوا بولا "کیا تم ہماری پولیس انکوائری کررہے ہو؟ ہم کہیں سے بھی آئے ہوں اور کہیں بھی جارہے ہوں، تمہیں اس سے مطلب

"سائیں! غصہ مت دکھاؤ!" وہ مرعوب ہونے کے بجائے ترش لہجے میں بولا تو متوقع بدمزگی کا احساس ہوتے ہی میرے بدن میں یکلخت کروڑوں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

"ہم نوکر آدمی ہے۔ ادھر سے جائے گا تو حیدر آباد میں دُر روپیہ زیادہ کمائے گا۔ ہم نے تم سے جو پوچھا ہے، وہ بتاؤ! ہوسکا ہے کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہو۔"

اوّل خان نے لحظہ بھر کے لئے کچھ سوچا پھر اس کے ہونٹو سے سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی۔ "ٹنڈو الٰہ یار سے۔"

"اور کیوں آئے ہو؟" اس نے بے خوفی کے ساتھ اگلا سوال کیا جو خاصا ٹیڑھا تھا۔

"قلندر کب آئے گا؟" اوّل خان نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد سوال کی صورت میں جواب دیا۔

سوال کرنے والے کا چہرہ دمک اٹھا "مجھے تم دونوں کا انتظا تھا اسی لئے تمہاری پولیس انکوائری کررہا تھا" گفتگو کی حد تک و اچھے جمالیاتی ذوق کا مالک محسوس ہورہا تھا "قلندر آج ادھ نہیں آئے گا۔ ہائی وے پر رینجرز گشت کررہے ہیں۔ قلندر ا کے سامنے آتے ہی پکڑا جائے گا۔ وہ اُدھر جنگل میں تمہارا انتظا کرے گا" آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے فضا میں اپنا ہا بلند کرکے ہوٹل کے پیچھے اشارہ کیا تھا۔

"پھر اُس سے کیسے ملا جاسکتا ہے؟" اوّل خان نے پہلی با اس شخص کو کوئی اہمیت دینے کی ضرورت محسوس کرتے ہو پُرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

"وہ مجھے بتا گیا تھا کہ سات بجے دو آدمی آئیں گے۔ م تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔"

"لیکن ہمیں کیا پتا کہ تم واقعی قلندر کے آدمی ہو؟" مذاکرات کا بار اوّل خان نے ہی اٹھایا ہوا تھا۔

"بھروسا نہیں کرتے تو ٹھنڈے ٹھنڈے ٹنڈے چلے جاؤ

کل اچھی نوکری آسانی سے نہیں ملتی۔"

اس کی زبان سے نوکری کا ذکر سن کر اوّل خان بری طرح تھا "کس نوکری کی بات کررہے ہو؟"

وہ آہستہ سے ہنس پڑا "اتنے انجان نہ بنو! اِدھر کے بچّے کو معلوم ہے کہ باہر سے آنے والے آج کل جنگلوں میں جاتے ہیں اور کس کے پاس جاتے ہیں۔"

وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ اور جس انداز میں باتیں کررہا تھا اس ظاہر ہورہا تھا کہ شہروں میں رہنے والوں کے لئے جو باتیں راز تھیں وہ ان علاقوں میں سب کے علم میں تھیں۔ یہ بات تھی کہ وہ لوگ اندر کی باتیں غیر متعلقہ لوگوں سے تے ہوں اور کوئی نازک موضوع آتے ہی انجان بن جاتے ۔

"تو پھر ہمیں قلندر کے پاس لے چلو!" اوّل خان اس عتماد کرنے پر مجبور ہوگیا۔

"دس روپے لوں گا" اس نے حریصانہ لہجے میں کہا "وہاں جانے کے لئے مجھے مالک سے چھٹّی لینا ہوگی۔"

اوّل خان نے غصے سے اسے گھورا اور جیب سے دس روپے وٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ہتھیلی بند کئے بغیر استہزائیہ لہجے میں ال کیا۔

"دس روپے، جو تم نے مانگے تھے" اوّل خان نے بھنّائے ئے لہجے میں کہا۔

"تم دو آدمی ہو۔ دس روپے کے حساب سے بیس روپے دو!" اس نے مضبوط لہجے میں مطالبہ کیا۔ غالباً اس نے بھانپ لیا تھا اوّل خان کی جیب میں کچھ رقم موجود تھی۔

"ایک آدمی ہو یا پچاس آدمی، تمہارا اتنا ہی وقت لگے گا ر تم کو اسی قدر چلنا ہوگا ..... پھر بیس روپے کس بات کے؟" ل خان اس کی قلابازی کو آسانی سے قبول کرنے کے لئے آمادہ یں تھا۔

"یہ ہمارا حق ہے .... تم مجھے ایک دفعہ دس روپے دوگے۔ ر تمہاری لاٹری نکل آئی تو تم عمر بھر ان جنگلوں میں ہزاروں، کھوں روپے کماتے رہوگے۔ رینجرز نہ آگئے ہوتے تو قلندر تم کو یں مل جاتا یہ موقع تو مجھے کبھی کبھی ملتا ہے۔ لاؤ جلدی سے دس پے اور نکالو ورنہ میں قلندر سے کہہ دوں گا کہ سات بجے یہاں لی نہیں آیا تھا۔"

اوّل خان مزید بحث پر تُلا ہوا تھا لیکن میں نے قصہ ختم رنے کے لئے اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کے والے کیا اور اس نے بیس روپے جلدی سے اپنی جیب میں ٹرس لئے۔

چائے کے دام ادا کرکے ہم دونوں اس کے ہمراہ ہوٹل کے پچھلے علاقے میں چل دیئے۔ طویل میدان سے آگے چھ رے درختوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا جو اندر جاکر یقیناً گھنے جنگل میں تبدیل ہوجاتا ہوگا۔ تقریباً دس منٹ بعد ہم ان درختوں کے قریب پہنچے تو اس شخص نے وہیں رک کر غور سے ہر طرف کا جائزہ لیا اور پھر سمت بدل کر ایک طرف چل پڑا۔

"اُسے آواز دے نو۔ وہ جہاں ہوگا، تمہیں بلالے گا" اوّل خان نے اسے مشورہ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اسے دیکھ لیا ہے" وہ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

چند منٹ بعد ہم نے اپنے سفر کی سمت میں زمین میں سے دھوئیں کے مرغولے بلند ہوتے دیکھے تو میں چونک پڑا "یہ دھواں کہاں سے اٹھ رہا ہے؟" میں نے اپنے رہبر سے پوچھا تھا۔

"یہ قلندر کے سینے سے نکل رہا ہے" اس کا جواب عجیب تھا لیکن میں نے آگے کچھ نہیں پوچھا۔

آگے جاکر ہم نے دیکھا کہ وہ درست ہی کہہ رہا تھا۔ وہ ایک خاصا بڑا اور گہرا گڑھا تھا۔ اس خشک گڑھے میں سبز لباس والا ایک شخص نہایت اطمینان سے لیٹا ہوا، چرس سے بھرے ہوئے سگریٹ کے دُم لگا رہا تھا۔ اس کی کمین گاہ ایسی تھی کہ وہ سگریٹ نہ پی رہا ہوتا تو اس کے ٹھکانے کا سراغ لگانا مشکل ہوجاتا۔

ہماری آہٹوں پر اُس نے اپنی بڑی بڑی، نشے میں ڈوبی ہوئی سُرخ آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھا۔

"تیرے مہمان آگئے سائیں قلندر" ہمیں لانے والے نے کہا اور فوراً ہی واپس چل دیا۔

قلندر ایک اُدھیڑ عمر اور استخوانی بدن والا شخص تھا۔ ڈھیلے ڈھالے سبز لباس اور منکوں کی وزنی مالاؤں اور کڑوں کے ساتھ وہ کسی اور دنیا کی مخلوق نظر آرہا تھا۔

اُس نے اپنے پہلو میں رکھا ہوا موٹا سا سونٹا فضا میں لہراتے ہوئے پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟"

"صاحب کی گڑھی سے!" اوّل خان نے مختصر سا جواب دینے پر ہی اکتفا کیا۔

"حق اللہ ..... اللہ ھُو" قلندر نے گڑھے میں لیٹے لیٹے، آنکھیں بند کرکے زور سے درویشانہ نعرہ لگایا۔ سگریٹ کے چھوٹے سے ٹوٹے کو انگوٹھے اور انگشتِ شہادت میں دبا کر اس کے سرے پر پھیپھڑوں کی پوری قوت سے زور لگایا۔ ایک ہی کش میں اتنا تمباکو انگارہ ہوکر راکھ ہوگیا کہ اس کی انگلیاں جلنے لگیں تو اس نے وہ ٹوٹا وہیں گڑھے میں ایک طرف اچھال دیا اور سونٹا لے کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

چرس اور تمباکو کا ملا جلا دھواں اس کے پھیپھڑوں میں گردش کررہا تھا جسے وہ پوری طرح نچوڑ کر، آہستہ آہستہ اپنے نتھنوں سے خارج کررہا تھا۔

وہ جنگل میں داخل ہوگیا۔ ہم دونوں بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔

"ہمارا خیال تھا کہ تم سے ہوٹل پر ہی ملاقات ہوگی" جمود توڑنے کے لئے میں نے پہلی بار زبان کھولی۔

"دن رات وہیں پڑا رہتا ہوں۔ ساری خبریں میرے ہی ذریعے اِدھر اُدھر ہوتی ہیں" اس نے فخریہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "مگر سرمئی وردیوں والے اپنے باپ سے بھی رعایت نہیں کرتے۔ ... ایک بار مجھے لے گئے تھے تو سات گھنٹے تک دھوپ میں الٹا لٹکا کر مارا تھا.. اب تو میں ان کی پرچھائیں سے بھی بچتا ہوں اور فوراً اندر آجاتا ہوں۔"

"وہ قلندروں کو بھی معاف نہیں کرتے؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں نے کہا نا کہ وہ اپنے باپ کو بھی معاف نہیں کرتے" اس نے اپنی انگاروں کی طرح سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا "کسی نے میری مخبری کردی تھی۔"

"بڑا برا وقت آگیا ہے" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "لوگ پیروں فقیروں کو بھی نہیں چھوڑتے .... تمہارے پاس دوسری تیار سگریٹ ہوگی؟"

"اوہ! تم بھی پیتے ہو؟" اس نے مسرت آمیز حیرت کے ساتھ پوچھا اور اپنے لبادے کی جیبیں ٹٹول کر ایک مڑی تڑی سگریٹ میری طرف بڑھادی "تم بھی دَم لگاؤ اور مجھے بھی دو!"

اوّل خان نے میری پسلیوں میں کہنی سے ٹھوکا دیا لیکن میں اس کی طرف دیکھے بغیر قلندر کے داہنے ہاتھ پر ہوگیا۔ قلندر کے بیچ میں آجانے کے بعد اول خان مجھے روکنے ٹوکنے سے قاصر ہوگیا تھا۔

چرس بہت عمدہ اور خالص تھی۔ وہ کوالٹی زیرِ زمین دنیا کے اہم لوگوں کو ہی ذاتی استعمال کے لئے میسر آتی تھی ورنہ ہر طرف ملاوٹ کا دوردورہ تھا۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ ملاوٹ کی جاتی تھی۔ ... میں نے چرس کی تعریف کرکے قلندر سے بے تکلفی پیدا کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان کی دُکھتی ہوئی رگ ایک بار پھر پھڑک اٹھی۔

"ہمیں لانے والا آدمی بہت لالچی اور حریص تھا" اوّل خان نے بلا کسی تمہید کے کہا۔

"کیوں؟" قلندر نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھما کر چُبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"اس نے ہمیں تم تک پہنچانے کے دس روپے فی کس لئے ہیں" اول خان کا لہجہ تلخ ہوگیا۔

"کوئی بات نہیں" قلندر اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتا ہوا بزرگانہ لہجے میں بولا "ان لوگوں کا بھی حق بنتا ہے۔ تم باہر سے آنے والے لوگ بے نشان ہوتے ہو۔ ڈاکو بن جاتے ہو تو کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ تمہارے ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچے کون ہیں۔ تمہارے لئے یہ روزی بہت آسان ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بے چارے چاہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھی نہیں بن سکتے۔ پہلے تو پولیس ان کے گھر والوں کو تنگ کرتی ہے۔ کوئی بڑی واردات ہوجائے تو ان کے پورے پورے گھرانے اٹھالئے جاتے ہیں۔ پولیس کے ہتھے لگ جائیں تو سرمئی وردیوں والے، جب آتے ہیں، سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ مقامیوں میں کون کون ڈاکوؤں سے ملا ہوا ہے۔ یہ بے چارے دریا کے کنارے پیاسے بیٹھے رہتے ہیں۔ کسی کی چھاگل سے دو چار قطرے لے لیتے ہیں تو یہ ان کا حق بنتا ہے۔ تم بیٹھک میں کامیاب ہوگئے تو خود ہی ان مسکینوں کو روزانہ ہزاروں روپے بانٹتے پھروگے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارے بیس روپوں سے آج غریب نبی بخش کے گھر میں چولہا روشن ہوجائے گا۔"

ان لوگوں میں حق کا فلسفہ زیادہ زور پکڑ رہا تھا۔ اس شخص نے حق جتا کر بیس روپے لئے تھے۔ قلندر بھی اسی حق پر زور دے رہا تھا۔ ساری گفتگو میں فرائض کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

جنگل تیزی سے گھنا اور دشوار گزار ہوتا جارہا تھا لیکن قلندر جھاڑیوں، خاردار پودوں اور جھکی ہوئی خطرناک شاخوں سے بچتا یوں بے تکان بڑھا چلا جارہا تھا جیسے وہاں کا ایک ایک درخت اس کا جانا پہچانا ہو۔ چرس نوشی کے معاملے میں وہ اس قدر ندیدا تھا کہ دوسری سگریٹ کا بیشتر حصہ خود ہی سُونت گیا تھا۔ نشہ کرکے اس میں سستی اور کاہلی کے بجائے پھرتی پیدا ہورہی تھی۔ وہ نشے بازوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو نشے کی حالت میں کاہل ہونے کے بجائے 'اپنی بساط سے بڑھ کر' بڑے اور زیادہ کام کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس قدر چاق و چوبند تھا کہ اس نے راستے میں کئی حشرات الارض کو فرار کا موقع دیئے بغیر اپنے سونٹے کی ضربات سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

البتہ اس قلندر کا مذہبی علم اللہ ہُو اور حق اللہ۔ سے شروع ہوکر فی الفور وہیں ختم ہوجاتا تھا کیونکہ چالیس پینتالیس منٹ کی رفاقت میں، مَیں نے اس کی زبان سے کوئی تیسرا عارفانہ لفظ نہیں سنا تھا۔ گالیوں کے معاملے میں اس کی زبان بہت فراخ اور دراز تھی۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ سہل ترکیبیں استعمال کرے تاکہ اس کا مخاطب کسی ابہام کا شکار ہوئے بغیر ان گالیوں کی روح تک سے واقف ہوجائے۔

"تم قلندر ہو تو شریعت پر کہاں تک عمل کرتے ہو؟" راستے میں موقع پاکر میں نے اس سے پوچھ لیا۔

اس نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ مجھے گھورا۔ "شریعت وریعت مولوی ملّاؤں کے کام ہیں۔ میں تو سیدھا سادہ قلندر ہوں، دمادم مست قلندر۔"

"شریعت نہ سہی، کوئی طریقت تو ہوگی تمہاری؟ کس پیر کے ...؟" وہ جھگڑالو آدمی... نہیں تھا اس لئے میں نے اُس کی ... چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"... کچھ نہیں!" وہ اپنا سونٹا فضا میں لہرا کر بولا "پیر سائیں، ملّا ... نے ہمیں سب بکھیڑوں سے آزاد کیا ہوا ہے۔ ہم دنیا داری ... ہیں، وہ ہماری طرف سے اللہ سائیں کو راضی رکھنے میں لگا ... ہے۔"

"... کلمہ تو پڑھتے ہی ہوگے؟" میں نے اس کا موڈ دیکھتے ہوئے ... جسارت کی۔

"... مسلمانی پر شبہ کرتے ہو؟" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "... اللہ ...... حق اللہ، ہم لوگ پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ ... کی مجبوری نہ ہوتی تو میں بھی کسی مسجد میں مولوی ہوتا۔"

"یہ پورا کلمہ نہیں ہے" میں نے دبے لفظوں میں احتجاج ... چاہا مگر وہ بھڑک اٹھا۔

... پیش قدمی موقوف کرکے وہ وہیں بیچ جنگل میں میرے سامنے ... "سچ سچ بتاؤ کہ تم نوکری کرنے آئے ہو یا تبلیغ کرنے؟" اس ... اس کا سونٹا خطرناک انداز میں اٹھا ہوا تھا۔

"ہم تبلیغی جماعت کے آدمی نہیں ہیں" اوّل خان نے مجھے ... ت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے اسے مطمئن کرنا چاہا "تم ... ل آدمی ہو، اس لئے یہ تم سے کچھ سیکھنا چاہ رہا ہے۔"

اس کا اٹھا ہوا سونٹا نیچے گر گیا اور وہ بدلی ہوئی، معتدل آواز ... بولا "سکھانے والے اور لوگ ہوتے ہیں۔ میں تو ضرورت کی ... ر قلندر رہتا ہوں۔ بغیر کسی روک ٹوک کے ہر جگہ چلا جاتا ہوں۔ ... رمئی وردیوں والوں کے علاوہ کوئی کچھ نہیں کہتا۔ سیکھنا ہی ... ہے ہو تو پیر سائیں، ملّا سرکار کے قدم چومو۔ وہ نورانی چہرے ... اصلی بزرگ ہے۔ جو کہتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے۔ وہ تبلیغی ... توں سے بہت جلتا ہے....."

اُس نے ایک جھٹکے کے ساتھ پھر پیش قدمی شروع کردی تھی۔ ... اس وقت بات میرے ڈھب پر آگئی تھی اس لئے میں نے نرمی ... سے سوال کیا "سائیں سرکار سے کہاں ملاقات ہوسکے گی؟"

"سائیں سرکار کا حجرہ دشمنوں نے تباہ کردیا لیکن پھر بھی وہ ... کبھی کبھی اپنے مریدوں کو زیارت کراتے رہتے ہیں۔ تمہارا مقدر ... اچھا ہوا تو کبھی ان سے مل ہی لوگے ..... ایسے بزرگ روز روز ... پیدا نہیں ہوتے۔"

پہلے میں نے جو کچھ سنا تھا وہ باہر کی باتیں تھیں۔ اب قلندر ... ڈاکوؤں کے ساتھی کی حیثیت سے جو کچھ بتا رہا تھا، وہ محمود کی ... اطلاع پر مہرِ تصدیق کے مترادف تھا۔ ملا سرکار ایک طرف سادہ ... لوح دیہاتیوں کا پیر بنا ہوا تھا دوسری طرف ڈاکوؤں اور دہشت ... گردوں کا غیر رسمی سرغنہ بھی تھا۔ اپنے تقدس کو برقرار رکھتے ... ہوئے وہ ڈاکوؤں کو کیا تعلیم اور تلقین دیا کرتا تھا، وہ ہنوز ایک ... راز تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں میں باقاعدہ شمولیت کے بعد بہت سی باتیں خود بخود مجھ پر ظاہر ہوسکتی تھیں۔

گھنے جنگل میں خاصی دور ہم ڈاکوؤں کی پہلی منزل پر پہنچے تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہماری وہ مہم کھیل نہیں تھی۔

گھنے درختوں کے درمیان صاف کی ہوئی اس مسطح جگہ پر ایک بڑی سی چھولداری نصب تھی جس کے باہر ایک جیپ بھی کھڑی ہوئی تھی۔ زمین کی حالت سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ جگہ ایک طویل عرصے سے آباد اور زیرِ استعمال تھی۔

چھولداری کے باہر کینوس کی فولڈنگ کرسیوں پر خطرناک چہروں والے تین افراد براجمان تھے۔ ان کے شانوں سے خودکار سب مشین گنیں لٹک رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ ہر ایک کے قدموں میں رائفل بھی پڑی ہوئی تھی۔

اپنے مضبوط جسموں اور طویل قامت پر موجود ڈھیلے ڈھالے لباس کی وجہ سے وہ تینوں ہی خونخوار عفریت نظر آرہے تھے۔ دو کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں تھیں۔ تیسرے نے پگڑی کی کمی اپنی چڑھی ہوئی مونچھوں سے پوری کی تھی۔ وہ اپنی سرد اور نیم وا آنکھوں سے ہمیں گھورتے ہوئے اپنی مونچھ کے سِروں کو بے رحمی سے مروڑے جارہا تھا۔

"کیوں بے قلندر! انہیں یہاں لانے سے پہلے تُو نے ان کی تلاشی لے لی تھی؟" پگڑی والے ایک شخص نے تحقیر آمیز لہجے میں سوال کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک قلندر کی حیثیت ایک معمولی مخبر سے زیادہ نہیں تھی۔

"بھول گیا تھا" قلندر گھگھیایا "اب تلاشی لئے لیتا ہوں۔" وہ تیزی سے ہماری طرف لپکا تھا۔

"اب ضرورت نہیں" وہی شخص کڑک کر بولا "بھاگ جا یہاں سے۔ اب یہ دونوں ہمارے قیدی ہیں۔ ہم خود انہیں دیکھ لیں گے" اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی قلندر گھنے درختوں میں واپس بھاگ گیا۔

پگڑی والے کی زبان سے اپنے لئے قیدی کا لفظ سن کر ہم دونوں ہی بری طرح چونکے تھے۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ "ہمارے پاس تھوڑی سی نقد رقم کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمیں قیدی نہ کہو، ہم یہاں کام کے لئے آئے ہیں۔"

"کام" ان میں سے ایک نے کہا اور تینوں نے چنگھاڑ کر فلک شگاف قہقہے لگانا شروع کردیئے۔ ہم دونوں ہونقوں کی طرح ان کا وحشیانہ ردِّعمل ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

"کام کارخانوں اور دفتروں میں ہوتا ہے" قہقہوں کا زور ٹوٹنے پر وہی شخص بولا "جنگلوں میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہاں قتل ہوتے ہیں، اغوا ہوتے ہیں یا پھر ڈاکے پڑتے ہیں۔"

"دفتروں اور کارخانوں کے دروازے بند ہونے کے بعد ہی ہم یہاں آئے ہیں۔ ہمارے لئے یہ بھی کام اور روزگار ہوگا کیونکہ ہمیں اپنا پیٹ پالنے کے لئے معاوضہ ملے گا" میں نے

خوشامدانہ لہجے میں کہا۔
"کہاں سے آئے ہو؟" فرعونیت کے ساتھ ہم دونوں سے سوال کیا گیا۔
"صاحب کی گڑھی سے" اوّل خان مجھ سے پہلے مشینی انداز میں بول پڑا۔
تینوں تفہیمی انداز میں اپنے اپنے سر ہلانے لگے۔ وہ فولڈنگ کرسیوں پر دراز تھے اور ہم ان کے حضور، مجرموں کی طرح سہمے ہوئے کھڑے تھے۔
قلندر کے بارے میں تو مَیں نے سمجھ لیا تھا کہ ہمارے انتخاب میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اسے ہمیں کسی مخصوص مقام تک پہنچانا تھا لیکن ان تینوں کے بارے میں مَیں تذبذب کا شکار ہوگیا تھا۔ ہمارا انتخاب ان ہی کو کرنا تھا یا انہیں بھی قلندر کی طرح ہمیں کہیں اور لے جانا تھا؟ میرے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ ان تینوں کے تیور خطرناک تھے۔ انہوں نے قلندر کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کی روشنی میں وہ خود بھی اہم افراد معلوم ہوتے تھے اور کچھ عجب نہیں تھا کہ ہمارے مقدر کا فیصلہ ان ہی تینوں کی خوشنودی پر منحصر ہوتا۔
"جب تک تمہارا انتخاب نہیں ہو جاتا، تم ہمارے قیدی رہو گے" مونچھ والے نے اپنی مونچھوں کو بیک وقت دونوں چٹکیوں سے تاؤ دیتے ہوئے کہا "منتخب ہوگئے تو تمہیں ہر طرح کی آزادی مل جائے گی۔ رہ گئے تو تمہاری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر تمہیں جنگلات سے باہر کسی سڑک پر چھوڑ دیا جائے گا۔"
"تو کیا ہم ابھی تک تمہیں مطمئن کرانے میں کامیاب نہیں ہوسکے؟" میں نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔
"ہم بیچ کے آدمی ہیں" میرے سوال نے اسے حقیقت اُگلنے پر مجبور کردیا "نئے آدمیوں کا انتخاب ہمارا سردار خود کرتا ہے۔ تم تھوڑی دیر یہیں سائے میں ستا لو پھر ہم تمہاری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر تمہیں اندر لے جائیں گے۔ وہاں سردار تمہارا فیصلہ کرے گا۔ ہم لوگ اس کے حکم کے غلام ہیں۔"
اسی اثنا میں ایک پگڑی والا اپنی کرسی چھوڑ کر کسلمندانہ انداز میں ہماری طرف آیا اور بہت تفصیل کے ساتھ ہم دونوں کی جامہ تلاشی لے کر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔
ان تینوں کی حیثیت کا تعین ہونے کے بعد میرا حوصلہ قدرے بڑھ گیا اور میں نے ان سے بات چیت شروع کرنے کے لئے مایوسانہ انداز میں کہا "بے روزگاری بھی ایک عذاب ہوتی ہے۔ جسے شہروں کے بعد جنگلوں میں بھی روزی نہ ملے اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہیے۔"
"دل چھوٹا نہ کرو" مونچھوں والے نے کہا "ہمارا سردار نر بچہ ہے اور ہیرے کو پہچانتا ہے۔ تم میں ذرا سی بھی صلاحیت ہوئی تو وہ تمہیں نوکر رکھ لے گا۔ وہ جانتا ہے کہ بے روزگاری اور بھوک مسلمان کو کفر سے بہت قریب کردیتی ہے" وہ میرے جال میں آکر بات آگے بڑھانے میں ملوث ہوگیا تھا۔
"پہلے تو پادری بھاری رقمیں دے کر مسلمانوں کو عیسائی بنالیا کرتے تھے لیکن مولویوں نے شور مچاکر یہ سلسلہ بھی ختم کرادیا۔ اب تو کفر اور مذہب بدلنے سے بھی پیٹ نہیں بھرتا۔"
میں ان کی سامنے ایک مایوس اور دل شکستہ انسان کا بہروپ بھرنے کی کامیاب کوشش کرتا ہوا بولا اور وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔
"شش!" اس نے مجھے فہمائش کی "مایوسی گناہ ہے۔ ایسی باتیں نہ کرو، جانتے ہو کہ مذہب بدلنے والے مسلمان کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔"
"شروع میں لاکھوں غریب مسلمانوں کو مشنریوں نے پیسے کے زور پر عیسائی بنایا۔ میں نے تو آج تک نہیں سنا کہ اس اسلامی ملک میں کسی مرتد کو سزائے موت دی گئی ہو۔"
وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا "یہ حکومتوں کا قصور ہے۔ ہم لوگ اپنی خوشی سے ڈاکو نہیں بنے۔ ہماری مجبوریوں نے ہمیں اس راستے پر دھکیلا ہے۔ غربت اور افلاس کی آخری سرحدوں پر مرتد ہونے کے بجائے ہم مسلمان ہی رہے لیکن ڈاکو بن گئے۔ یہاں مرتدوں کے لئے کوئی سزا نہیں ہے۔ ان کی نسلیں پھل پھول رہی ہیں لیکن ہم مظلوم ڈاکوؤں کے لئے ہر طرف صرف اور صرف موت ہے۔ پولیس، فوج، عدالتیں اور عوام.... سب ہی ہمارے خلاف ہیں۔"
"وہ اس لئے کہ کچھ لوگ انتقاماً ڈاکو بن جاتے ہیں" میں اسے اُکسانے پر تلا ہوا تھا۔
"انتقام ظلم کی کوکھ سے جنم لیتا ہے" وہ ایک دم جوش میں آگیا "تم خود بتاؤ کہ وڈیرے کے آدمی کسی غریب ہاری کے سامنے اس کی بیوی یا بہن کو وڈیرے کی حویلی میں اٹھالے جائیں، ظالم کے خوف سے گاؤں میں کوئی مظلوم کا ساتھ نہ دے، پولیس فریاد لکھنے سے انکار کردے، مجسٹریٹ بیان سننے پر آمادہ نہ ہو اور پھر وڈیرے کے اشارے پر اسی مظلوم ہاری اور اس کے گھر والوں کو تھانے میں بلا کر بے آبرو کیا جائے، الٹا لٹکا کر مارا جائے، انہیں ایذائیں دی جائیں تو کیا ہونا چاہیے؟ شہروں میں رہنے والے ان بھیانک کہانیوں سے ناواقف ہیں۔ دور دراز کے پسماندہ علاقوں میں ہر روز ایسی کہانیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ جو بزدل ہوتے ہیں وہ دل ہی دل میں خون کے آنسو بہا کر، اپنی آبرو کی لاش کے سرہانے باقی عمر گزار لیتے ہیں اور جن کے خون میں ذرا سی بھی غیرت باقی ہوتی ہے، وہ اسلحہ اٹھا کر جنگلوں میں نکل آتے ہیں۔ اپنے دشمن وڈیرے سے انتقام لینے کے لئے وہ دوسرے وڈیروں کے ہاتھ میں کھیلنے لگتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ وڈیرے ڈاکو بنانے کی سب سے بڑی مشین ہیں۔ ایک دفعہ ڈاکوؤں کو عام معافی دے کر ان سب وڈیروں کو سولی پر ٹانگ دیا جائے تو میں گارنٹی دیتا ہوں کہ

بستیوں اور جنگلوں میں صدیوں کوئی نیا ڈاکو پیدا نہیں ہوسکے گا کیوں کہ گروہ بنانے والے بڑے ڈاکو وہی سورما ہوتے ہیں جو ظلم کے سامنے جھکنے کے بجائے، اسلحہ سنبھال کر اس کے مقابلے پر آجاتے ہیں۔ ان کے حواری صرف انہی کے دم سے زندہ رہتے ہیں۔ بڑے ڈاکو پیدا نہیں ہوں گے تو چھوٹے موٹے ڈاکو خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"
اس کی باتیں دلچسپ اور فکرانگیز تھیں۔ یہ اس کی ذاتی رائے تھی کہ وہ اپنی پوری برادری کو مظلوم سمجھتا تھا لیکن بڑے ڈاکوؤں کے پیدا ہونے کے اسباب قابلِ غور تھے۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اغوا، ڈکیتی، قتل اور تاوان کے سارے معاملات میں پھر پھر کر چند ہی نام بار بار سننے میں آتے تھے لیکن ان میں سے ہر نام کے ساتھ ڈاکوؤں کا ایک طفیلی لشکر وابستہ ہوا کرتا تھا۔ اس طفیلی لشکر میں بھی دوسرے درجے کے وہی لوگ شامل ہوسکتے تھے جو معاشرے میں اپنے حقوق کے لئے لڑنے کے بجائے دولت مند بننے کے شارٹ کٹ پر یقین رکھتے ہوں یا روزگار کے ستائے ہوئے ہوں۔ ان دوسرے درجے کے لوگوں میں اتنی ہمت اور جرات نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کسی سورما کی پشت پناہی کے بغیر کہیں سے ٹھیک کیل بھی چرا سکیں۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" میں نے اُس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "میں اور نہ شاید تم اپنا گروہ بنانے کے بارے میں سوچ سکتے ہو۔ یہ تمہارے سردار کی مضبوط اور ناقابلِ شکست ذات ہے جس کے گرد لوگ جمع ہوتے جارہے ہیں۔ خدانخواستہ آج وہ نہ رہے تو سب بکھر جائیں گے یا کسی دوسرے سردار سے جاملیں گے۔"
"یہ بات کوئی نہیں سمجھتا۔ سب ہزاروں ڈاکوؤں کی بات کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سوں کے پاس اتنی پونجی جمع ہوگئی ہے کہ آج انہیں معافی مل جائے تو وہ کل اپنے خاندان میں لوٹ کر روزی کمانے کا کوئی باعزت دھندا شروع کرسکتے ہیں۔ ان سے مچلکے لئے جاسکتے ہیں۔ بدعہدی پر انہیں بدترین سزائیں قبول کرنے کا پابند کیا جاسکتا ہے لیکن وڈیرہ شاہی یہ نہیں چاہتی۔ وہ سب اپنی جاگیروں کے فرعون بنے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنی محفلوں کی رونقیں عزیز ہیں اور وہی حکومت ہیں۔ یہ لوگ ہمیں کچل کر نیست و نابود کرنے پر تُل گئے ہیں لیکن ہم میں بھی زندہ رہنے کی تڑپ ہے۔ ان کے مقابلے کے لئے ہم تیزی سے اپنی نفری بڑھا رہے ہیں۔ اسی لئے آج تم یہاں نظر آرہے ہو۔"
"خالی نفری سے ہتھیاروں کو شکست نہیں دی جاسکتی" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسے چھیڑا۔
"سب تیاریاں مکمل ہیں۔ اسلحہ کسی بھی وقت آنے والا ہے اور وہ ایسا اسلحہ ہوگا جو ہماری طرف بڑھنے والوں کے دانت کھٹے کردے گا۔ جنگلوں کی ہر شاخ اور پہاڑوں کے ہر پتھر سے ان پر اتنا بارود برسایا جائے گا کہ وہ چوکڑی بھول جائیں گے" آنے والے بھیانک دنوں کا تصور کرکے اس کا چہرہ سرخ اور لہجہ ڈراؤنا ہوگیا "آج ہم ان سے رحم کی بھیک اور معافی مانگ رہے ہیں، کل وہ ان ہی باتوں کے لئے ہمارے سامنے گڑگڑائیں گے۔ وقت سدا کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ آج دن بڑے ہیں تو کل راتیں بھی بڑی ہوں گی۔ اچھے مستقبل کی اسی امید پر ہم ان جنگلوں، پہاڑوں اور دلدلوں میں رہ رہے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں اور درختوں پر چڑھ کر ہم اپنے گھروں کی ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں دیکھتے ہیں۔ تصور میں اپنے پیاروں اور عزیزوں کو چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے دیکھتے ہیں لیکن ہم اپنے گھروں کا رخ نہیں کرسکتے کیونکہ وہاں سُرمئی وردیوں والے ہمارے منتظر ہوں گے۔ ہمارے گھر والے ہماری صورتوں کو ترس گئے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ دور اب زیادہ دن تک نہیں چل سکے گا۔"
اس کی بعض باتیں وحشیانہ اور بعض انتہائی رقت انگیز اور جذباتی تھیں۔ وہ کہانی کا صرف ایک رخ تھا اور یقیناً سوفیصد درست نہیں تھا لیکن میرا خیال تھا کہ وہ معاملہ صرف طاقت کے استعمال کا متقاضی نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کہانی میں بہت سے دلدوز انسانی المیے بھی شامل ہوگئے تھے جنہیں اسی انداز میں سوچا اور حل کیا جانا چاہیے تھا۔
"جس گھرانے کا ایک فرد بھی ڈاکو بن چکا ہے، وہ پورا گھرانا جاگیرداروں اور وڈیروں کے مظالم سے محفوظ ہوچکا ہے" اس بار ایک پگڑی والا بولا تھا "وڈیرے جانتے ہیں کہ جس دن انہوں نے کوئی زیادتی کی، جنگلوں کی طرف سے ایک غول آئے گا اور ان کی فصلوں اور باغات کو تاراج کرکے انہیں یا ان کے چہیتوں کو اٹھالے جائے گا۔ جس خاندان میں کوئی ڈاکو نہیں ہے، وہ پہلے کی طرح آج بھی ان وڈیروں کے رحم وکرم پر ہے۔ بڑی تعداد میں لوگوں کے ڈاکو بننے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ گھر کے ایک جوان مرد کی قربانی دے کر ہر خاندان عزت کی زندگی گزارنے کی آرزو کرنے لگا ہے۔ اپنے گروہ میں شامل آدمیوں کے گھرانوں کے جان ومال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہر سردار کا سب سے پہلا فرض ہوتا ہے۔ اخبارات میں ڈاکوؤں کی پھیلائی ہوئی تباہی اور بربادی کی کہانیاں ہر روز اچھالی جاتی ہیں لیکن یہ کہیں نہیں لکھا جاتا کہ عزت دار وڈیرے رات کے اندھیروں میں اپنی رعایا کو اپنے کیسے کیسے کرتوتوں کا نشانہ بناتے ہیں۔"
ان لوگوں سے میری گفتگو میری توقع سے بڑھ کر کامیاب اور معلومات افزا ثابت ہوئی تھی۔ ان تینوں سے میں نے دیدہ و دانستہ ملّا سرکار کا کوئی ذکر نہیں چھیڑا تھا۔ ڈاکوؤں میں اس خبیث کی مقبولیت کا حال میں قلندر سے پہلے ہی معلوم کرچکا تھا۔ مونچھوں والے نے جس جدید ترین اسلحے کی آمد کی اُمید ظاہر کی تھی، اس کی اصل بھی مجھے معلوم تھی۔ وہ وہی اسلحہ ہوسکتا تھا جو

ملا سرکار وریا کے ذریعے ثی سے خریدنا چاہ رہا تھا۔

ڈاکو غالباً بلیک کیٹ ٹی کے اشارے پر تیزی کے ساتھ اپنی نفری بڑھا رہے تھے اور بے چینی کے ساتھ جدید اسلحے کے منتظر تھے۔ایسے حالات میں اسلحے کی ڈیل کے لئے جی لائیڈ پر نامعلوم بیرونی قوتوں کی طرف سے دباؤ پڑنا اور اس کا مضطرب ہونا ہر اعتبار سے قابلِ فہم تھا۔

اس مہم میں میری شمولیت آول خان کے ایما پر ہوئی تھی لیکن اس تمام گفتگو کے دوران میں وہ بے چارہ مسلسل خاموش بیٹھا ہماری باتیں سنتا رہا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوسکا تھا کہ میں اس گفتگو کو کس رخ پر لے جا رہا تھا۔ وہ اسی وقت قدرے چونکتا اور پھر فوراً ہی سنبھلتا تھا جب کوئی انکشاف اس کے سامنے آتا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے" مونچھوں والا کہہ رہا تھا "ہم نے اب یہ سیکھ لیا ہے کہ اگر کوئی ہاتھ خود سے تمہیں تمہارا حق نہ دے تو بڑھ کر پوری طاقت سے اس ہاتھ کو توڑ دو۔ باہر والے ہمیں چور' ڈاکو' جو چاہے کہتے رہیں' ہمارا کام جاری رہے گا اور آنے والے دنوں میں ہمیں ہماری محنت کا پھل مل جائے گا۔"

"اس مہم میں کوئی سیاسی قوت بھی تمہارا... یعنی ہم لوگوں کا ساتھ دے رہی ہے؟"

"کوئی نہیں" اس نے تنفّر آمیز لہجے میں کہا "زیادہ تر سیاست داں بزدل اور دوغلے ہوتے ہیں۔ ہمارے ڈیروں پر آکر میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں' باہر جاکر زہر اگلتے ہیں۔ ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ سائیں سرکار کی دعائیں ہمارے ساتھ رہیں تو ہم جلد ہی سُرخ رو ہوں گے۔"

سائیں سرکار کا نام سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں نے پوچھا "سائیں سرکار کون ہیں؟"

"ہمارے پیرو مرشد" اس نے احترام و عقیدت سے لبریز لہجے میں کہا "اگر تم ہمارے ساتھی بننے میں کامیاب ہوگئے تو تمہاری ان سے ضرور ملاقات ہوگی۔"

"اب چلنے کی تیاری کرو" پگڑی والے دوسرے شخص نے کہا "تم لوگ تو ایسے باتیں کر رہے ہو جیسے یہ دونوں ہمارے ساتھ شامل ہوگئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھو اور انہیں جیپ میں ڈال کر لے جا۔"

اس خبیث نے وہ سنسنی خیز محفل پل بھر میں درہم برہم کرادی۔

ہم نے انہیں اپنی نیک نیتی کا لاکھ یقین دلانا چاہا لیکن وہ اپنے اصولوں سے منحرف ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس پہلی چوکی سے آگے کا سفر آنکھوں پر پٹیاں باندھے بغیر ناممکن تھا۔

میری اور اول خان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھنے کے بعد ہمارے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے گئے۔ اول خان کو ایک شخص

کے ساتھ پچھلی نشست پر بٹھایا گیا۔ مجھے مونچھوں والے کے برابر میں اگلی نشست پر بٹھایا گیا۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ ہچکولوں کے ساتھ آہستہ سے اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔

انجن کے شور کے مقابلے میں جیپ کی رفتار بہت سست تھی جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ گھنے جنگل میں راستہ بہت خراب تھا اور جیپ فور وہیل پر چل رہی تھی۔ شدید جھٹکوں کے ساتھ ہی بار بار موڑ بھی کاٹے جا رہے تھے جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ درختوں کو صاف کرکے جنگل میں مصنوعی راستہ بنانے کے بجائے ان لوگوں نے پُر پیچ قدرتی راستہ ہی اپنے زیرِ استعمال رکھا ہوا تھا جس سے گزر کر کسی اجنبی کا ان تک پہنچنا ناممکنات میں سے تھا۔

وہ الجھن آمیز اور پُر صعوبت سفر میری توقع سے کہیں زیادہ طویل ثابت ہوا۔ گونگے اور اندھے کی طرح ایک گھنٹا گزارنے کے بعد میرے لئے سگریٹ کی طلب ناقابلِ برداشت ہوگئی تو میں نے انجن کے تیز شور میں چیخ کر اپنے نگہبانوں کو اپنی خواہش سے باخبر کیا۔

"یوں ہی بیٹھے رہو" مونچھوں والے کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی "یہ سمجھ لو کہ ابھی سے تمہاری تربیت کا آغاز ہوگیا ہے۔ یہ جیپ ساڑھے تین چار گھنٹے تک یوں ہی چلتی رہے گی۔"

اس سے آگے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ جیپ کی رفتار بہت سست تھی لیکن پھر بھی ساڑھے تین چار گھنٹے کا سفر معنی رکھتا تھا۔ جنگل میں ان کے سردار کا ٹھکانا بہت دور تھا یا پھر وہ ہمیں ایک ہی علاقے میں چکر دے کر مسافت کے بارے میں فریب دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ پُر پیچ سفر کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ میرے لئے صحیح صورتِ حال کا ادراک کرنا بالکل ہی ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

ہم لوگ پیدل چل رہے ہوتے تو شاید اتنی تکان نہ ہوتی مگر جیپ میں مزید کچھ دیر کے سفر کے بعد میرا جوڑ جوڑ دُکھنا شروع ہوگیا۔ آخر کار طویل وقفے کے بعد ایک مقام پر جیپ ٹھہرنے کے ساتھ ہی اس کا انجن بند ہوا اور متعدد ملی جلی انسانی آوازیں میرے کانوں میں آئیں تو میں نے دل ہی دل میں وہ پُر صعوبت سفر ختم ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

مونچھوں والے نے پہلے میری آنکھیں کھولیں پھر جیپ سے اتارنے کے بعد ہاتھ بھی کھول دیئے۔ یہی عمل دوسرے آدمی نے اول خان کے ساتھ دہرایا تھا۔

اس مقام کا جائزہ لیتے ہوئے میں کوشش کے باوجود اپنی حیرت پر قابو نہ رکھ سکا۔

وہ گھنے جنگل کا صاف کرکے ہموار کیا ہوا ایک میدان تھا جس کے چاروں طرف' تاحدِ نظر گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ وہ جنگل اس قدر گنجان اور دن کے وقت نیم تاریک تھا کہ اس میں چند قدم سے آگے دیکھنا دشوار تھا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھ میں نہیں

...ا کہ وہاں کھڑی ہوئی متعدد گاڑیاں کس راستے سے اس ...ن میں داخل ہوئی ہوں گی۔ ہماری جیپ کی پوزیشن سے یہ ...ہ ہو رہا تھا کہ وہ کدھر سے آئی ہوگی لیکن اس سمت میں بھی ...درخت ایک دوسرے سے اتنے قریب تھے کہ کسی گاڑی کا ...ے سیدھا گزرنا محال تھا۔

...میدان میں ایک بڑا خیمہ نصب تھا۔ اسی کے آس پاس چھ ...اریاں لگی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ مختلف قسم کے ...ں میں مصروف تھے۔ ایک طرف اینٹوں کے بنے ہوئے ...ے میں لکڑیوں کی تیز آگ بھڑک رہی تھی جس پر دیگ چڑھی تھی۔ اگر وہاں ہر شخص کے بدن پر اسلحہ موجود نہ ہوتا تو ...النظر میں یہی معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی بڑی پارٹی پکنک منانے ...رادے سے وہاں کیمپنگ کئے ہوئے تھی۔

میرا سرسری سا اندازہ تھا کہ وہاں ستّر سے سو کے درمیان ...موجود تھی اور وہ سب کم از کم پچھلے کئی دن سے وہاں رہ رہے ...

"تم باتیں بہت کرتے ہو" مونچھوں والے نے میرے ...ب آکر ناصحانہ لہجے میں کہا "سردار باتونی لوگوں کو پسند نہیں ...نا۔ اس کے سامنے سوچ سمجھ کر زبان کھولنا۔"

"تو کیا ہمیں اسی وقت اُس کے سامنے جانا ہوگا؟" میں نے ...سلگائی ہوئی سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بوکھلا کر سوال ...

"یہ سپاہیانہ زندگی ہے' یہاں تر و تازہ ہونے کا کوئی ...بست نہیں ہے۔ پیشی کے مرحلے سے جتنی جلدی نمٹ جاؤ' ...ہی اچھا ہوگا۔ تمہارے نمٹنے تک ہم بھی یہیں پھنسے رہیں گے۔"

"تو کیا تمہارا واپس جانے کا ارادہ ہے؟" میں نے حیرت ...پوچھا۔

"ہاں' ہماری ڈیوٹی اسی چوکی پر ہے جہاں سے تمہیں لایا گیا ...ہے" اس نے کہا۔

"تو تم جاؤ' واپسی کا سفر زیادہ تھکانے والا ثابت ہوگا" میں ...نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"جب تک تم فارغ نہیں ہوجاتے' ہمیں یہیں رکنا پڑے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر کیوں؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا انتخاب نہ ہوسکا تو ہم ہی تمہیں یہاں سے واپس لے جائیں گے۔"

"کیا تمہاری رائے میں ایسا کوئی امکان موجود ہے؟" ...میرے لئے وہ اطلاع پریشان کُن تھی۔

"کسی کی رائے نہیں چلتی' سردار نے کئی ایسے آدمی رکھے ...ہیں جو ہماری نظروں میں ڈرپوک اور بودے تھے لیکن بعد میں ...انہوں نے ناقابلِ یقین کارنامے انجام دیئے۔ یہ فیصلہ سردار خود

کرتا ہے۔"

پہلے سے وہاں موجود لوگوں نے ہماری آمد میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی' نہ ہی کسی نے ہمارے لانے والوں کے ساتھ گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ سب اس کیمپ کے معمولات میں شامل تھا۔

وہ دونوں ہمیں لے کر بڑے خیمے کی طرف گئے۔ پہلے مونچھوں والا پردہ اٹھا کر اکیلا اندر گیا۔ اس کے باہر آنے پر میں آول خان کے ساتھ خیمے میں داخل ہوگیا۔

خیمے میں قدم رکھتے ہی لہو میری رگوں میں گویا منجمد ہوگیا اور میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سردار ایک تنومند اور دراز قامت شخص تھا۔ وہ ایک فولڈنگ کوچ پر نیم دراز سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک عورت اور ایک مرد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ مرد میرے لئے اجنبی تھا لیکن وہ عورت' جانو ماچھی کی بیوہ' رانی تھی۔

میں اس کے شوہر کا قاتل تھا۔ اپنے شوہر کے دم توڑنے سے پہلے اور اس کے بعد رانی نے بحث و تمحیص میں میرے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ وہ میری صورت نہیں بھول سکتی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میرا سر منڈا ہوا ہونے کے باوجود وہ مجھے پہچان لے گی اور وہی خیمہ میرا مدفن بن جائے گا۔ میں تنہا اور نہتا تھا جب کہ وہ پورا میدان رانی کے مسلح دوستوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ مجھے ایک ایک گولی بھی مارتے تو میری لاش ناقابلِ شناخت ہوسکتی تھی لیکن یہ حیرت ناک بات ہوئی کہ رانی نے سرسری انداز میں ہم دونوں کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کی ذرا بھی رمق نمودار نہ ہوئی۔ شاید قدرت کو میری زندگی منظور تھی کہ رانی کی نظروں پر پردہ پڑ گیا تھا۔

"تم دونوں جاؤ" خیمے میں سردار کی بھاری اور تحکم آمیز آواز گونجی۔

اس کے حکم کی تعمیل میں وہ دونوں خیمے کا پردہ ہٹا کر یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔

سردار کوچ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے سرہانے رکھی ہوئی پگڑی اپنے سر پر جمائی اور گہری ناقدانہ نظروں سے باری باری ہم دونوں کا جائزہ لینے لگا۔

"تم میں تانی کون ہے؟" آخر کار اس نے سوال کیا۔ درخواستوں پر نظرِ ثانی کئے بغیر اسے صاحب کی گڑھی سے آنے والے امیدواروں کے نام ازبر تھے۔ درخواستوں کے حساب سے میرا نام تنویر عرف تانی تھا۔

"میرا نام ہے' سردار" میں نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر کہا۔

"اسلحے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" اس نے اَدھ جلی سگریٹ چٹکی سے دور اچھالتے ہوئے سوال کیا۔

وہ میرا دل پسند موضوع تھا۔ مجھے اسلحے کی اقسام سے لے کر ان کے بہترین میک تک معلوم تھے۔ میں نے نپے تلے الفاظ میں ' رک رک کر تقریر شروع کردی جو وہ تحمل سے سنتا رہا۔ مشین گن کی باری آنے پر اس نے مجھے خاموش کردیا۔

" پہلے کیا کرتے تھے ؟ " اس نے خشک اور تحکم آمیز لہجے میں اگلا سوال کیا۔ اس دوران میں اس کی نگاہیں ایک پل کے لئے بھی مجھ پر سے نہیں ہٹی تھیں۔

" ہیروئن کی پڑیاں بیچا کرتا تھا " میں نے بلاتوقف جواب دیا۔ ... میرے دل میں آئی کہ اس کام سے دست بردار ہونے کے اسباب پر بھی روشنی ڈالوں لیکن مونچھوں والے کی ہدایت یاد آتے ہی میں نے وہ ارادہ ترک کردیا۔

" تمہاری رائے میں غدّاری کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ سزا کیا ہونا چاہئے ؟ "

" غداری کی صرف ایک ہی سزا ہونا چاہئے اور وہ موت ہے "

... رفتہ رفتہ میرا اعتماد بحال ہونے لگا تھا۔

" پانچ ہزار روپے ماہانہ ' چھٹی کوئی نہیں ' گولی کا زخم آیا تو علاج مفت ' معذوری کی صورت میں پچاس ہزار روپیہ اور گھر بیٹھے آدھی تنخواہ ' مقابلے میں مارے گئے تو وارثوں کے لئے دو لاکھ نقد۔ نوکری منظور ہے ؟ "

" ب ... بالکل منظور ہے " اس قدر مختصر انٹرویو پر انتخاب ہونے پر میں واقعی بوکھلا گیا۔

" تمہارا ولی وارث کون ہے ؟ " اس کا لب ولہجہ اپنے اندر شاہانہ تحکم لئے ہوئے تھا۔

" کوئی نہیں ' بس میرا یہ دوست ہے " میں نے اوّل خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

" مارے گئے تو دو لاکھ روپے کس کو ادا کئے جائیں گے ؟ " وہ کھرا اور عملی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

" ایک لاکھ اسے اور ایک لاکھ مولانا عبدالستّار ایدھی کو دے دئے جائیں۔ "

اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور بولا " کیسی عجیب بات ہے۔ ایدھی کو لوگ اپنی مرضی سے لاکھوں روپے دیتے ہیں ' رجب علی بھیو کو زبردستی کرنا پڑتی ہے۔ مقصد دونوں کا ' غریبوں کی خدمت کرنا ہے۔ "

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سردار رجب علی ' اوّل خان کی طرف متوجہ ہوگیا " تمہارا نام مستی خان ہے لیکن تمہارے چہرے پر مستی کے کوئی آثار نہیں ہیں ' اس کی کیا وجہ ہے ؟ "

" چہرہ میرا اپنا ہے اور نام ماں باپ کا رکھا ہوا ہے " اوّل خان اس وقت اوّل درجے کا تابعدار نظر آرہا تھا۔

" اجنبی دوست اور شناسا دشمن میں سے کسی ایک پر بھروسا کرنا ہو تو کسے ترجیح دوگے اور کیوں ؟ "

" شناسا دشمن کو ' کیونکہ وہ جانا بوجھا ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دغا دی تو کہاں سے اور کیسے وار کرے گا ' اجنبی کا کچھ پتا نہیں ہوتا " اوّل خان نے میرا دل خوش کردیا۔

" لڑنے بھڑنے میں مہارت ہے ؟ " سردار رجب علی نے اُس سے اگلا سوال کیا۔

" بیک وقت دو آدمیوں کو آسانی سے ڈھیر کرسکتا ہوں " اوّل خان کے لہجے میں ہلکا سا غرور اُمڈ آیا۔

" تنخواہ چار ہزار ' باقی سب کچھ وہی " سردار رجب علی نے اپنا فرمان سنایا " لیکن اس کے لئے شام کو تمہیں اپنا دعویٰ ثابت کرنا ہوگا۔ تم میرے دو آدمیوں سے میدان میں لڑوگے۔ "

اوّل خان کا چہرہ اتر گیا۔ وہ دانستہ میری طرف دیکھنے سے گریز کررہا تھا۔

نوکری کے سلسلے میں مجھے نہ صرف زیادہ تنخواہ دی گئی تھی بلکہ مجھ سے میری رضا پوچھی گئی تھی جب کہ اوّل خان کو کم مشاہرے پر مشروط پیش کش کی گئی تھی۔ اگر وہ اپنے دعوے کے مطابق دو آدمیوں کو زیر کرنے میں ناکام رہتا تو سردار رجب علی اسے فوری طور پر واپس روانہ کراسکتا تھا۔

" تم دونوں برابر والی چھولداری میں خمیسو سے مل لو ' وہ تمہیں کام سے لگادے گا۔ "

ہم سردار کو سلام کرکے اُلٹے قدموں خیمے سے باہر آگئے۔ میرے لئے اہم ترین بات یہ تھی کہ ہم ڈاکوؤں کے ایک اہم ٹولے میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے جہاں سے ہمیں بلیک کیٹ ٹی اور اس کے طریقۂ واردات کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا جس کے نتیجے میں ہم اس پر بھرپور ضرب لگانے میں کامیاب ہوسکتے تھے۔

" شام والی لڑائی بلاوجہ ہی گلے پڑگئی " اوّل خان چھولداری کی طرف جاتے ہوئے بڑبڑایا " اس نے چھٹے ہوئے آدمی میرے مقابلے پر اتار دئے تو خواہ مخواہ کرکری ہوجائے گی۔ "

" اس سے مفر ہی نہیں تھا۔ تم لڑنے بھڑنے سے انکار کرتے تو وہ اُسی وقت تمہیں واپس لوٹا دیتا۔ "

" اس نے مجھ سے میرے ورثاء کے بارے میں بھی کچھ نہیں پوچھا " اس نے شکوہ کیا۔

" شام کو پوچھے گا ' ابھی تمہاری نوکری کچّی ہے ... جو کچھ ہورہا ہے ' ہونے دو۔ اس پر کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کرنا۔ دو تین دن گزار کر ہم یہاں سے نکلنے کی فکر کریں گے۔ "

سردار رجب علی جس قدر خوش شکل اور پُرشکوہ انسان تھا ' خمیسو اسی قدر چھچھورا اور بدخو انسان تھا۔ اس نے نہایت طنزیہ انداز میں ہم دونوں کا استقبال کیا تھا۔

وہ شاید سردار رجب علی کا دستِ راست ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا منشی بھی تھا۔ اس نے ہمیں ایک آہنی صندوق میں

ے بور کے پستول فاضل گولیوں سمیت دئے اور ہمیں لے کر ایک طرف چل دیا۔ اول خان کو اس نے کھانا والوں کی ٹولی کے ساتھ چھوڑا اور مجھے گنجان درختوں کے بیٹھے ہوئے پانچ قیدیوں کی طرف لے گیا۔

دہاں پہلے سے مامور ' مسلح شخص ' خمیسو کا اشارہ پاتے ہی

" یہ پانچوں موٹی اسامیاں ہیں۔ ان کے تاوان کی بات چل رہی ہے۔ ان میں سے کوئی بھی نکل بھاگنے میں ب ہوگیا تو تمہاری چمڑی گرادی جائے گی " آخری فقرہ اس ہرے کان میں مُنہ ڈال کر آہستہ سے کہا تھا۔

خمیسو فوراً ہی چلا گیا۔ ان پانچوں قیدیوں کے شیو بڑھے تھے۔ بے خوابی کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ہوئے تھے۔ چہروں سے سنگین تشویش ہویدا تھی۔ یوں ہورہا تھا جیسے ان میں سے ہر ایک کے جسم سے خون کی کئی تلیں نچوڑلی گئی ہوں۔

ان میں سے ہر قیدی کے دونوں ہاتھ دوسرے قیدی کے ہتھکڑیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ داہنا ہاتھ داہنی سمت لے قیدی کے بائیں بازو کے ساتھ بندھا ہوا تھا تو بایاں ہاتھ سمت والے قیدی کے داہنے بازو سے بندھا ہوا تھا۔ اس سے وہ سب دائرے کی صورت میں بیٹھنے پر مجبور تھے۔ ان سے کسی بھی ایک کی غیر محتاط نقل وحرکت دوسروں کے لئے ف کا باعث بن سکتی تھی۔

میں ان سے قدرے دور ایک درخت کے تنے سے ٹیک زمین پر بیٹھ گیا۔ بھرا ہوا پستول میں نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا بوقتِ ضرورت اسے فوری طور پر کام میں لاسکوں۔

مجھے سکون کے ساتھ سگریٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ی ثانئے گزرے ہوں گے کہ اچانک بھوں بھوں کی ایک ں آواز نے مجھے چونکادیا۔ میں نے بھڑک کر اپنی جگہ چھوڑدی۔ گے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان پانچوں میں سے ایک ادھیڑ عمر ں اپنا سر جھٹک جھٹک کر اونچی آواز میں روئے جارہا ہے۔

میں پستول تانے ترحّم آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ آخر پانچوں سے میں ایک مجھ سے مخاطب ہوگیا " بھائی ! تم ان میں ے اور ذرا شریف معلوم ہوتے ہو۔ تم ہی اس کی مشکل کو کچھ مان کرو۔ "

" یہاں سردار کا حکم اور اس کی مرضی چلتی ہے۔ ہم سب ا کے حکم کے بندے ہیں۔ "

" چالیس لاکھ میری ساری پونجی ہے " رونے والا شخص رونا ل کر اپنی بپتا سنانے لگا " پتا نہیں میرے گھر کے کس بھیدی نے خبر ان کو پہنچادی ہے۔ چالیس لاکھ ان کو دے دوں تو پھر میں کیا ؤں گا ؟ "

اس کی بات بہت سادہ اور قابلِ فہم تھی۔ میں نے نرمی سے کہا " چالیس لاکھ دے دو۔ تم زندہ رہے تو اس سے زیادہ رقم کمالوگے۔ اپنی ضد کی وجہ سے مارے گئے تو ایک پیسہ بھی تمہارے کام نہیں آسکے گا۔ "

اس نے دل کی گہرائیوں سے ایک سرد آہ کھینچی اور بولا " وہ میری خون پسینے کی کمائی ہے۔ یہ بات سب بڑی آسانی سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ روپے کس پیڑ میں اُگتے ہیں۔ "

اس نے دوبارہ رونا شروع کردیا۔ اس کے ساتھی قیدی اپنی تشویش اور پریشانی کے باوجود اسے ہمدردانہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

ڈاکو اپنی دانست میں ان قیدیوں کے ساتھ بہتر رویّہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کے فرار کے خطرے کے سدِباب کے لئے انہیں اجتماعی طور پر ہتھکڑیاں پہنانے کے علاوہ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جارہا تھا۔ حوائجِ ضروریہ کے سلسلے میں جو بھی ' جب چاہتا کھول دیا جاتا تھا۔ اسے ایک مسلح ڈاکو کی نگرانی میں قریبی جنگل میں بھیجا جاتا اور واپسی پر دوبارہ ہتھکڑی لگادی جاتی۔ کھانے کے وقت ان سب کو آزاد کردیا گیا اور سب سے پہلے ان ہی کو کھانا فراہم کیا گیا۔ ان میں سے دو افراد بغیر نمک مرچ کا پھیکا اور پرہیزی سالن کھاتے تھے جو ان کے لئے علیٰحدہ تیار کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک قیدی سرِشام وسکی پینے کا عادی تھا۔ مجھے پتا چلا کہ سردار رجب علی بذاتِ خود اسے شراب بھجواتا تھا۔

لیکن اس امر سے چشم پوشی کسی بھی طرح ممکن نہیں تھی کہ وہ سب قیدی تھے۔ انہیں ' ان کی مرضی کے خلاف ان کے گھروں ' دفتروں یا راستوں سے اغوا کیا گیا تھا۔ ان کی بخیروعافیت رہائی کے لئے ان کے لواحقین سے خطیر رقوم کا مطالبہ کیا گیا تھا ' انہیں یہ بتادیا گیا تھا کہ ایک مقرّرہ مدت تک مطلوبہ رقوم نہ ملیں تو ان کی لاشیں ان کے گھروں کو روانہ کردی جائیں گی۔ وہ سب ہی ذی حیثیت لوگ تھے اور اس کھلے جنگل میں ' آسمان تلے ' انہیں ان کے معیار کی سہولتیں فراہم کرنا ناممکنات میں سے تھا اس لئے چند ہی روز میں وہ سب برسوں کے بیمار نظر آنے لگے تھے۔

سورج مغرب کی طرف جھکنے کے بعد جب وسطی میدان میں درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے تو اوّل خان کے مقابلے کی تیاری شروع ہوگئی۔ مقابلے کے لئے اسے نیکر اور بنیان فراہم کیا گیا تھا۔ ڈاکوؤں کی بھیڑ میں بھی دو تندرست وتوانا افراد اسی لباس میں گھوم رہے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہی اوّل خان کے حریف ہوسکتے تھے۔

سردار رجب علی کے خیمے سے باہر آتے ہی ' ساڑھے تین بجے اس غیر مسلح مقابلے کا آغاز ہوگیا۔

ان دونوں کے پہلے حملے کے جواب میں اول خان کے ردِعمل پر مجھے اس کی مہارت کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے کسی پیشہ ور کمانڈو کی طرح ان دونوں کو جھکائی دے کر نہ صرف خود کو بچایا تھا بلکہ ان میں سے ایک کی پشت پر ایسی زوردار لات رسید کی تھی کہ وہ دور تک دوڑنے کے باوجود خود کو نہ سنبھال سکا اور منہ کے بل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

مقابلے کی ابتدا قدرے سکون سے ہوئی تھی لیکن جلد ہی تماشائیوں کی بھیڑ میں جوش و خروش بڑھنے لگا۔ لوگوں کے چہرے زمین پر خون دیکھنے کی آرزو میں دمکنے لگے' ان کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک کوند رہی تھی اور وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کی یوں حوصلہ افزائی کررہے تھے جیسے ان کے مدِمقابل ایک انسان کے بجائے کوئی قابلِ نفرت درندہ اترا ہوا ہو۔

وہاں ان کے حامیوں کی کثرت تھی۔ ان کے لئے جیتنا انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ وہ ہر بار مار کھا کر زیادہ مشتعل ہورہے تھے جب کہ اول خان کا وہاں کوئی شناسا نہیں تھا۔ وہ بڑی چالاکی کے ساتھ اپنا دفاع کرتے ہوئے' ان دونوں کو حملے کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ اول خان کے چہرے پر ایک آدھ گہری خراش آچکی تھی جس سے خون بھی رسنے لگا تھا لیکن اس کے جواب میں اس نے ہانپتے ہوئے ان دونوں گینڈوں کے چہرے بگاڑ کر رکھ دئے تھے۔

ان میں سے ایک کی شامت آئی اور وہ جوں ہی اوّل خان پر اکیلا حملہ آور ہوا' اول خان نے بائیں طرف سرک کر خود کو اس کی جھونک سے بچاتے ہوئے اس کی کنپٹی پر ایسا کرارا ہاتھ رسید کیا کہ وہ ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہوکر بے حس و حرکت ہوگیا۔

اس کے بے ہوش ہونے کے بعد مقابلہ برابر کا رہ گیا تھا لیکن اول خان کے حریف کی حالت یہ بتارہی تھی کہ وہ اکیلا زیادہ دیر تک مقابلے پر نہ ٹک سکے گا۔

جو کچھ میں سوچ رہا تھا' وہی سردار رجب علی نے بھی سوچا ہوگا کیونکہ اسی لمحے اس نے ہاتھ اٹھا کر مقابلہ روک دینے کا حکم دیا۔ اول خان کو سردار نے اپنی طرف بلالیا۔ اس کا حریف اپنے ساتھیوں میں جاملا۔

دن کے اجالے میں ان قیدیوں پر صرف میری ڈیوٹی رہی لیکن شام ہوتے ہی' میری جگہ تین نئے' چاق وچوبند آدمی آگئے۔ ... وہ مقام ایسا تھا کہ وہاں لوگ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے۔ کسی تیسرے کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ کسے کیا کرنا ہے۔ میں نے اپنی جگہ آنے والوں کی بات مان کر ٹمیسو کی چھولداری کا رخ کیا۔

وہ باہر ہی کھڑا ہوا' نسوار کی چٹکی اپنی ہتھیلی پر مسل رہا تھا۔

"جب تک یہاں پڑاؤ ہے' گھوم پھر کر دوسروں کا ہاتھ بٹاتے رہو" ٹمیسو نے مجھے پہچان کر کہا "دن میں قیدیوں کی دیکھ بھال کرلیا کرو۔ ابھی تم نئے ہو اور ان جنگلوں سے ناواقف بھی اس لئے رات کے وقت تمہیں کوئی کام نہیں سونپا جائے گا۔ دوا' دارو کچھ پیتے ہو تو وہ مجھ سے مل جائے گی۔ آخر میں تنخواہ پر حساب ہوجائے گا۔"

"اسکاچ مل جائے تو تمہارا بڑا احسان ہوگا" میں نے خوشامدانہ لہجے میں کہا "میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ سردار رجب علی کے بعد گروہ میں اسی کا طوطی بولتا تھا۔

ٹمیسو نے میری خواہش سن کر برا سا منہ بنایا "تم لونڈوں میں یہی خرابی ہے۔ دو پیسے کی نوکری ملتے ہی ہرا ہرا سوجھنے لگتا ہے۔ کل تک شاید کنگال پھر رہے تھے' آج اسکاچ کی سوجھ رہی ہے۔"

وہ مجھے ساتھ لے کر ایک لینڈ روور جیپ کی طرف گیا۔ اس کے عقبی حصے میں اسلحے کی پیٹیاں اور دیسی اور ولایتی شراب کے کریٹ لدے ہوئے تھے۔ میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ وہ سارے ہی اَدھے تھے۔ شاید اس لئے کہ ایک رات میں پوری ایک بوتل ختم کرنا کسی کے لئے بھی محال تھا اور اگلے دن بچی ہوئی بوتل لئے پھرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ لوگ ہر وقت حالتِ سفر میں رہتے تھے۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کب کُوچ کا حکم مل جائے اس لئے روز مرہ ضرورت کی اشیا اسی قدر بانٹی جاتی تھیں کہ روز کا کوٹا روز ختم ہوجائے' ان کے لئے بوجھ نہ بنے۔

بلیک لیبل کا ہاف دو سو روپے میں بہت سستا تھا۔ وہ دام کراچی کی مارکیٹ سے نصف سے بھی کم تھے۔

"یہاں شراب تو بہت سستی ہے استاد" میں نے ٹمیسو سے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

"ان جنگلوں میں مقدر کے ستائے ہوئے لوگوں کے لئے اور رکھا ہی کیا ہے؟" ٹمیسو پلٹ کر تلخ لہجے میں بولا "پہلے سردار شراب مفت بانٹتا تھا۔ مفت کا مال سب ہی پینے لگتے تھے اس لئے برائے نام قیمت رکھنا پڑی۔ ریڈ لیبل اور ٹیچرز تین سو کی بوتل ہے وہ ذرا جلدی چڑھتی ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ پی کر ذرا بھی بہکے یا اودھم مچایا تو سردار مار مار کر تمہاری چمڑی گرادے گا۔ یہاں پینے پر کوئی پابندی نہیں لیکن پی کر بہکنا ناقابلِ معافی جرم ہے۔"

میں ٹمیسو سے بوتل لے کر واپس لوٹ رہا تھا تو سامنے سے رانی آتی ہوئی نظر آئی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میرے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ خیمے میں سامنا ہونے پر وہ مجھے نہیں پہچان سکی تھی لیکن مجھے ہر آن یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ جانو ماچھی کے قاتل کو کسی بھی لمحے پہچان کر میرا گریبان پکڑلے گی۔

اس وقت میری حالت چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی سی تھی لیکن رانی میری طرف ذرا بھی توجہ دئے بغیر نہایت سبک خرامی کے ساتھ میرے قریب سے گزرتی چلی گئی اور میں نے ان کٹھن لمحات گزر جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

رانی سے کوٹ مندو کے مضافات میں میرا ٹکراؤ ہوچکا تھا۔ [...]ں جانتا تھا کہ وہ ایک پیشہ ور ڈاکو کی بیوی تھی۔ جانو ماچھی کی [...]وت کی بعد اس نے اپنی گزر اوقات کے لئے سردار رجب علی [...]ے گروہ میں شمولیت اختیار کرلی۔ لیکن میں نے رانی کے علاوہ [...]ی سردار کے خیمے کے قریب' کئی حسین و جمیل عورتوں کی جھلک [...]بھی تھی جو شاید چھولداریوں میں رہتی تھیں۔ ان کے بارے [...]ں شدید تجسس ہونے کے باوجود میں کسی سے کوئی سوال کرنے [...]ی جرات نہیں کرسکا تھا۔

بڑے ڈاکوؤں کی رنگ رلیوں کے بارے میں' میں بہت کچھ [...]ھ اور سن چکا تھا لیکن ان تمام حالات کا بچشم خود مشاہدہ کرنے [...]اوہ میرا پہلا اور آخری موقع تھا۔ وہ خوش بدن اور خوش جمال [...]ورتیں سردار رجب علی کی رکھیل بھی ہوسکتی تھیں اور ان ہی [...]ں اس کی کوئی بیوی بھی ہوسکتی تھی۔

اس کھلے جنگل میں پہنچ کر میں محسوس کررہا تھا کہ ڈاکو بننا [...]وئی سہل کام نہیں تھا۔ اپنے خاندانوں اور معاشرے سے کٹ [...]ر' وہ لوگ حیوانوں سے قدرے بہتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ [...]اپنی چیرہ دستیوں کے طفیل' ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ [...]شاید انہیں خود علم نہ ہو کہ ڈکیتیوں اور تاوان کے ذریعے وہ [...]س قدر دولت بٹور چکے ہیں لیکن ان کے پاس اس بے اندازہ [...]ولت کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ گاڑیاں وہ چھین لاتے تھے' لے [...]ے کر رقم کا ایک ہی مصرف تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے [...]تر اسلحہ خریدیں تاکہ انہیں قانون کے محافظوں کے سامنے نیچا [...]ہ دیکھنا پڑے۔ رقم خرچ کرنے کے اس قدر محدود ذرائع کی وجہ [...]سے وہ سخاوت دکھانے پر مجبور تھے۔ اپنے ملازموں اور مخبروں کو [...]ھاری تنخواہوں کے علاوہ انعامات دیا کرتے تھے' اپنے آدمیوں کو [...]ستی شراب پلاتے تھے اور شاید قرب وجوار کی بستیوں کے غربا [...]ی مدد بھی کرتے تھے۔

لیکن ان راندۂ درگاہ لوگوں کو ایک لمحے کا بھی سکھ میسر نہیں [...]تھا۔ موت کے قدموں کی دھیمی دھیمی چاپ انہیں شاید نیند میں [...]بھی اپنا پیچھا کرتی سنائی دیتی تھی۔ ایک عالم کے سکھ چین کو تس [...]نہس کردینے والے ان ڈاکوؤں کی کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ [...]صرف زندہ رہنے کے لئے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے خود کو حالات کا ایسا غلام بنالیا تھا جو نہ اپنی مرضی سے پڑاؤ کرسکتا ہے اور نہ کوچ! انہیں کچھ علم نہیں تھا کہ قزاقِ اجل کب ان کے ٹولے پر [...]شب خون مار کر ان کی آنکھوں سے زندگی کی حرارت لوٹ کرلے جائے گا۔ بے یقینی کی اس زندگی میں سردار رجب علی اپنی بیویوں اور محبوباؤں کو اپنے جلو میں لئے دشت وجبل میں بھٹکتا پھر رہا تھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ آج جانو ماچھی کی بیوہ اپنی ضرورتوں کے تحت اس کی باندی بنی ہوئی تھی تو کل اس کی عورتیں بھی کسی اور ڈکیت کے پہلو میں پناہ لے سکتی تھیں۔

اس بھیانک اور ڈراؤنے ماحول میں وہ سب سوال ممنوعہ تھے۔ ان پر سوچا جاسکتا تھا لیکن زبان کھولنے والا بغاوت کی سزا سے ہرگز نہیں بچ سکتا تھا جسے میں نے صرف اور صرف موت تجویز کیا تھا۔

دُھندلکا پھیلنے کے ساتھ ہی فضا پرندوں کے شور سے گونجنے لگی۔ اپنے رزق کی تلاش میں دن بھر کی خونچکاں پروازوں سے نڈھال ہوکر وہ تمام پرندے خوشی خوشی اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے لیکن ڈاکوؤں کا کوئی گھر نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے آشیانوں کے در' خود اپنے اوپر بند کرلئے تھے۔ وہ مستقل سفر میں تھے۔ ان کی پرواز مسلسل تھی جس میں آشیانے کی طرف لَوٹنے کا کوئی تصور باقی نہیں رہا تھا۔ ان کی حیثیت ان بھٹکے ہوئے پرندوں کی سی تھی جو اندھیرا پھیل جانے پر اوپر آسمان اور نیچے اتھاہ سمندر دیکھتے ہیں۔ ان کے درماندہ اور تھکے ہوئے اعصاب انہیں آرام کرنے پر اکساتے ہیں تو وہ فضا میں اڑتے اڑتے' اپنے پروں کی جنبش کو روک کر سستانا چاہتے ہیں لیکن خود کو تیزی کے ساتھ نیچے' بپھرے ہوئے سمندر کی طرف گرتا ہوا محسوس کرکے بھرپوری قوت سے اپنے پر پھڑپھڑانے لگتے ہیں۔ وہ اڑتے رہتے ہیں اور جب ان کے پر شل ہوجاتے ہیں تو وہ گولی کی طرح نیچے آتے ہیں اور سنگلاخ دھرتی سے ٹکرا کر چیتھڑوں میں بکھر جاتے ہیں۔

گیدڑ اور دوسرے درندے بھی جنگل میں چنگھاڑنے لگے تھے' کچھ لوگوں نے لالٹینیں جلا کر اپنی منڈلیاں جمالی تھیں۔ سورج ڈھلتے ڈھلتے اس میدان میں جابجا یرقان زدہ روشنیاں ٹمٹمانے لگیں' رندوں نے بوتلیں سنبھال لیں۔ فضا میں الکحل کی بو کے ساتھ انسانی آوازیں پھیلنے لگیں' میں میدان میں بھٹکتا ہوا آخر کار اوّل خان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جو ایک چادر پر ان دونوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جن سے اس کا شام کو مقابلہ ہوا تھا۔

اول خان کے چہرے پر ایک لمبی سی خراش تھی جس سے رِسنے والا خون جم چکا تھا لیکن ان دونوں کے چہرے شدید ضربات سے نیلے اودے ہورہے تھے۔ میں نے ان تینوں کو تشویش آمیز نظروں سے دیکھا۔ شاید وہ اول خان کو گھیرنے کی کوشش کررہے تھے تاکہ رات میں اسے غافل پاکر' اُس سے اپنی شکست کا بدلہ لے سکیں۔

"تم غلط سوچ رہے ہو" اول خان نے میرے بشرے سے میرے دل کی بات بھانپ لی "شام کو جو کچھ ہوا' وہ ایک دوستانہ مقابلہ تھا۔ سردار رجب علی کا اصول ہے کہ پہلی رات نووارد اپنے حریفوں کا مہمان ہوتا ہے۔ یہ دونوں اس وقت میرے میزبان ہیں۔ آج کے لنگر کی رقم میرے بجائے ان کے کھاتے میں جائے گی۔"

ان دونوں کے سامنے ٹھرّے کی بوتل اور پانی کا ڈونگا رکھا

ہوا تھا۔ وہ چائے کی پیالیوں سے پیمانوں کا کام لے رہے تھے۔ انہوں نے غیر معمولی خوش دلی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔

"تمہارا ساتھی واقعی دلیر اور سخت جان ہے" ان میں سے ایک نے چادر پر میرے لئے جگہ بناتے ہوئے کہا۔

"اس کے ستارے اچھے تھے' ذرا بھی چوک جاتا تو تم دونوں اسے چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے" میں نے ان کا دل رکھنے کے لئے سفید جھوٹ بولا۔

انہوں نے مجھے ٹھرّے کی پیش کش کی' میں نے جیب میں سے بلیک لیبل کا ہاف نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا "میں یہ پیتا ہوں۔ تم بھی لے کر دیکھو' لطف آجائے گا۔"

"یہ ہمارے لئے پانی کی طرح ہے' ٹھرّے سے ذرا سا نشہ ہوجاتا ہے اور نیند آسانی سے آجاتی ہے۔"

سردار کے خیمے کے باہر پیٹرومیکس لیمپ جلایا گیا تو میدان میں ہر طرف مدہم سا اجالا پھیل گیا۔ میرے آجانے کے بعد اول خان اکیلا نہیں رہا تھا اس لئے وہ دونوں ٹھرّے کی بوتل لے کے کسی اور طرف چل دیئے۔ "تم یہیں بیٹھو! ہم تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں۔"

"یہاں تو ہماری دال گلنا مشکل نظر آتی ہے۔" تخلیہ ہو جانے پر اول خان نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"کم از کم یہ تو ثابت ہوگیا ہے کہ یہ لوگ بھاری معاوضوں پر بھرتیاں کر رہے ہیں اور اپنی بھرپور کارروائی کے لئے صرف اسلحے کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"بے کار ہے۔ یہ ثبوت ہمیں کسی عدالت میں تو پیش نہیں کرنا پڑیں گے۔ یہاں شورش پروان چڑھ رہی ہے۔ باہر نکلے بغیر ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔"

"یہاں آنا جتنا دشوار تھا' واپس لوٹنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہوگا۔ اب ہم سردار کے تابع ہیں۔ ہمیں کچھ علم نہیں کہ ہم کہاں اور کسی سڑک سے کتنا دور ہیں؟" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "جان پر کھیل کر ہم گھنے جنگل میں نکل بھی جائیں تو ہم کو راستہ معلوم نہیں۔ بھٹکتے ہوئے پھر ان ہی کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔"

اول خان کھوکھلے انداز میں ہنس پڑا۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہاری باتوں سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے ہمیں زندگی بھر انہی کے ساتھ رہنا ہوگا اور ہمارا انجام بھی ان ہی کے ساتھ ہوگا۔"

"کسی معجزے کی اور بات ہے' فی الحال تو آثار یہی بتا رہے ہیں۔ بس ایک امید نظر آتی ہے کہ شاید یہاں بلیک کیٹ ٹی سے ہمارا سامنا ہو جائے۔ ان میں سے ہر ایک اس کا معتقد نظر آرہا ہے۔"

"اس سے سامنا ہونا خطرناک ثابت ہوگا۔ وہ فوراً تمہیں پہچان لے گا۔ ہو سکتا ہے کہ مجید ملک والے واقعے کے بعد اس نے دور رہ کر مجھے بھی اچھی طرح دیکھ لیا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے نہیں پہچان سکے گا۔" میں نے بلیک لیبل کی بوتل سے نیٹ وہسکی کا ایک دہکتا ہوا گھونٹ اپنے معدے میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"سر منڈوانے سے تم میں کوئی ایسی بڑی تبدیلی نہیں آئی ہے جو تم اتنے پُر یقین ہو سکو۔ بلیک کیٹ ٹی ایک گرگِ باراں دیدہ ہے۔ وہ یہاں آیا تو سردار کے نئے آدمیوں سے ضرور ملے گا۔"

"میرے یقین کی ایک وجہ ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "سردار رجب علی کے خیمے میں جو عورت موجود تھی' اس کا شوہر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ عورت مجھے اچھی طرح پہچانتی ہے۔ جب وہ دھوکا کھا گئی تو بلیک کیٹ ٹی بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔"

میرے انکشاف پر وہ چونک پڑا۔ میں نے اس کے استفسار پر اسے جانو ماچھی اور رانی کا قصہ پوری تفصیل کے ساتھ سنا دیا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں پلکیں جھپکائے بغیر میری کہانی سنتا رہا۔

"اگر وہ اپنے شوہر کو اتنا ہی چاہتی تھی تو وہ تمہیں ہرگز نہیں بھول سکتی۔" میرے خاموش ہونے پر اس نے بے اعتباری سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ خیمے میں روشنی کم ہونے کی وجہ سے وہ تمہیں نہ پہچان سکی ہو۔"

"اس سے ایک بار' باہر کھلی فضا میں بھی سامنا ہوا تھا۔ اس مرتبہ بھی وہ انجان بن کر میرے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لئے شناسائی کی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی۔"

اچانک ہوا کے دوش پر کسی انجن کی موہوم سی آواز سنائی دی اور اس وسیع میدان میں ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔ بولتے بولتے' سب لوگ یکلخت خاموش ہو گئے تھے اور اپنا اپنا اسلحہ نکال کر' اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے تھے۔

وہ آواز بہت دور کی تھی۔ معدوم ہو کر ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دوبارہ سنائی دی۔ اس بار جنگل میں گیدڑ بولنے لگے۔ فوراً ہی دوسرے جانوروں اور پرندوں نے بھی ان کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔

قریب آتی ہوئی وہ آواز اب تسلسل سے سنائی دے رہی تھی

اچانک کسی نے اپنی رائفل کی نال آسمان کی طرف اٹھا کر ایک فائر کیا۔ ہولناک بارودی دھماکے سے فضا لرز اٹھی' ہزاروں پرندے اس دھماکے سے خوف زدہ ہو کر پھڑپھڑاتے ہوئے' اپنے آشیانوں سے نکل کی فضا میں ادھر ادھر اڑنے لگے

دھماکا ہوتے ہی' بلکہ اس کی گونج معدوم ہوتے ہی فضا میں ایک سُریلا سا ہارن بجنے کی آواز سنائی دی جو وقفے وقفے سے تین

...ر کر معدوم ہو گئی۔ وہ غالباً کسی قسم کا جوابی سگنل تھا کیونکہ ...ے بعد اسلحہ واپس رکھ لیا گیا۔ اعصاب زدہ ڈاکو دوبارہ اپنی ...پر جم گئے اور پل بھر میں وہاں وہی فضا بحال ہو گئی جو انجن ...از سنائی دینے سے پہلے موجود تھی۔

...یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا لیکن ان لوگوں کا نظم و ضبط دیکھ ...ں حیران رہ گیا۔ وہاں ایک پل کے لئے بھی کوئی بدنظمی یا ...ری نظر نہیں آئی تھی۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسے کن ...میں کیا کرنا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ قانون نافذ کرنے ...اداروں کے مقابلے میں اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب

چند منٹ بعد وہ آواز واضح ہو گئی۔ وہ کسی موٹر سائیکل کے ...ا شور تھا۔

"شاید کوئی مخبر آرہا ہے۔" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے ...ا خیال ظاہر کیا۔

"ہوں!" میں نے بوتل سے دوسرا گھونٹ لیتے ہوئے اپنی جگہ ...ی۔

وہ اگر کوئی مخبر تھا تو اسے براہِ راست سردار رجب علی کے ...ہی آنا چاہئے تھا۔ دوسروں کے لئے وہ معمول کا ایک واقعہ ...لئے کسی کی مصروفیات میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی مگر ہم ...ر کے بارے میں تجسس تھا اس لئے میں اول خان کو ساتھ ...ٹہلتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا جدھر سردار کا خیمہ نصب تھا۔ ...خیمے سے ذرا دور' ہم زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ مجھے اندازہ تھا کہ ...ے اردگرد پھیلا ہوا گھنا جنگل موذی اور زہریلے حشرات ...ن سے بھرا ہوا ہوگا مگر یہ بھی معلوم تھا کہ دنیا کی موذی سے ...ی مخلوق بھی انسان کے سائے سے دور بھاگتی ہے۔ جس زمین ...مان کے قدم پڑ جائیں وہاں سے سانپ اور بچھو تک ہجرت کر ...نے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں اس لئے خیمے کے قریب ...میکس کی تیز روشنی سے ذرا دور مجھے کسی زہریلے کیڑے ...ڑے کے حملے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد موٹر سائیکل وہاں پہنچی تو اسے دیکھ کر حیرت سے ...ا آنکھیں پیشانی پر جا چڑھیں۔

موٹر سائیکل چلانے والا پولیس کا ایک باوردی سپاہی تھا۔ ...لی اور پلپلے بدن والے سپاہی کے پیچھے ایک سادہ پوش بیٹھا تھا جو اپنی صورت ہی سے چھٹا ہوا بدمعاش نظر آرہا تھا۔

ایک شخص نے لپک کر سپاہی کے ہاتھ سے موٹر سائیکل لی۔ ...دونوں تیزی کے ساتھ سردار رجب علی کے خیمے میں غائب ہو ...۔ تیسرا شخص موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے اسے اسٹینڈ پر ...ا کرنے لگا۔

"پولیس والے بھی اس حد تک ان ڈاکوؤں سے ملے ہوئے ...؟" اول خان نے حیرت سے کہا۔

"یہی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔ اسی وجہ سے ایماندار اور محنتی پولیس فورس بھاری قربانیاں دینے کے باوجود ڈاکوؤں کی مکمل بیخ کنی میں کامیاب نہیں ہوتی۔ ان کی صفوں میں موجود کالی بھیڑیں ہر آپریشن کا راز قبل از وقت ڈاکوؤں تک پہنچا دیتی ہیں۔ پیسے کے لالچ میں یہ لوگ اپنا سب کچھ بیچ ڈالنے پر تُلے رہتے ہیں۔"

"لیکن یہ جعلی سپاہی بھی تو ہو سکتا ہے۔" اول خان نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"بالکل ہو سکتا ہے" میں نے اس کی تائید کی۔ "لیکن تم نے کبھی یہ غور کیا کہ ہمیشہ جعلی سپاہی ہی کیوں ہوتا ہے؟ جعلی رینجر یا جعلی فوجی کیوں نہیں ہوتا؟ دراصل پولیس کے محکمے کے بے ضمیر اور غدار کارندوں نے اس قومی محکمے کی ساکھ اس بری طرح تباہ کی ہے کہ اصلی اور نقلی کا کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے ایماندار افسر بھی ناکام رہتے ہیں۔ یہ سپاہی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر کسی دور دراز مقام سے آیا ہے' آسمان سے یہاں نہیں ٹپکا اور تم اخبارات میں روز پڑھتے ہو کہ سندھ کے جنگلات میں چپے چپے پر پولیس کی نگراں چوکیاں قائم کر دی گئی ہیں۔ اگر یہ سب درست ہے تو یہ سپاہی ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں پہنچنے میں کامیاب کیسے ہوا؟ اسے تو راستے ہی میں پکڑ لیا جانا چاہئے تھا۔"

ہم وہیں بیٹھے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے رہے۔ ہمارے تجزیئے کتنے بھی بے لاگ اور حقیقی رہے ہوں' حقیقت یہ تھی کہ جو کچھ ہو رہا تھا' اسے روکنے کے سلسلے میں ہم قطعی بے بس تھے۔

کافی دیر بعد وہ دونوں اسی بے خوفی اور شان کے ساتھ واپس جنگل میں روانہ ہو گئے جیسے آئے تھے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم دونوں بھی اپنے ٹھکانے کی طرف ہو لئے۔

تھوڑی دیر بعد خبر ملی کہ آنے والے تین مغویوں کے تاوان کی وصولی کی خبر لائے تھے۔ سردار رجب علی بذاتِ خود اپنے خیمے سے نکل کر مغویوں کے پاس آیا تھا۔ اسے دیکھ کر کافی ڈاکو اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ہم بھی اس موقع کو غنیمت جان کر وہیں پہنچ گئے۔

سردار رجب علی بہت نرم اور شریفانہ لہجے میں مغویوں سے ان کی بے آرامی اور زحمت پر معذرت کر رہا تھا۔

"تم نے خود دیکھ لیا ہے کہ ہم کہاں اور کس حال میں رہتے ہیں۔ ہم نے تمہیں اپنے سے بہتر سہولتیں فراہم کرنے کی کوششیں کی ہیں کیونکہ ہماری روزی تم ہی سے چلتی ہے۔ ہم اپنی مرضی سے ان جنگلوں میں نہیں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم پر عزت کے ساتھ زندہ رہنے اور روزی کمانے کے سب دروازے بند کر کے ہمیں یہاں دھکیلا گیا ہے۔ ہمارے لوگ [illegible] رہتے

ہیں۔ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے تمہیں اٹھانا اور تاوان وصول کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں کا تاوان آگیا ہے انہیں آزادی مبارک ہو۔ وہ جائیں اور عزت کے ساتھ اپنے گھروں میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سوئیں اور ہم سب کے لئے بھی دعا کریں کہ ایک دن ہم بھی سُولی گولی اور گرفتاری کے خوف کے بغیر اپنے گھروں کو لوٹ سکیں۔۔ یہاں جو کچھ دیکھا ہے اسے بھول کر بھی زبان پر نہ لانا۔ ہم قانون سے ڈرتے ہیں مگر اسی سے لڑتے بھی ہیں۔ کسی نے بھول کر بھی ہماری کوئی نشاندہی کی تو وہ ہماری کھلی دشمنی مول لے گا۔ ہماری دشمنی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ہم لوگ اپنے دشمنوں کو پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ سب کچھ بھولے رہو گے تو سکھ سے زندہ رہو گے۔ جس دن زبان کھولی اس دن مر کر بھی تمہاری روحوں کو قرار نہیں آسکے گا۔ تمہارے بیوی بچوں کو ہم غلام بنالیں گے۔ عورت اور مزدور کی ہمیں ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ کوشش کرنا کہ تمہارے گھر والے ہماری ضرورتوں کا ایندھن نہ بن سکیں۔"

وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے سردار رجب علی کو دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تک ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ قاصد کس کس کی رہائی کا پروانہ لائے تھے۔

قیدیوں کے بارے میں میں کیا کہتا' سردار رجب علی کی مختصر اور سادہ تقریر سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے بڑی بڑی باتیں چھوٹے چھوٹے الفاظ میں اس طرح بیان کی تھیں کہ اس کی قید سے رہا ہونے والے اس کی ہدایات سے سرتابی کی جرات نہیں کرسکتے تھے۔

سردار کے اشارے پر خمیسو نے تین قیدیوں کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔

ادھیڑ عمر قیدی اپنی بدقسمتی پر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ دوسرا قیدی خاموش رہا لیکن اس کی ویران اور بے نور آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلی تھیں۔

"خاموش!" سردار رجب علی زمین پر پیر پٹخ کر دہاڑا اور اُدھیڑ عمر قیدی سہم کر خاموش ہو گیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے وارث چالیس لاکھ نہیں دے سکتے لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا سرمایہ ساٹھ لاکھ سے اوپر ہے۔ جب تک تم انہیں خط نہیں لکھو گے' وہ تاوان نہیں دے سکیں گے۔ تمہارے لئے صرف دو دن رہ گئے ہیں۔ اس دوران میں تم نے ٹھیک فیصلہ نہیں کیا تو ہم تمہیں مار کر تمہاری لاش دریا میں بہا دیں گے..... تم میرے ہاتھوں مرنے والے پہلے مغوی ہو گے۔ اس کا مجھے افسوس ہو گا لیکن یہ افسوس میرا فیصلہ نہیں بدل سکے گا۔"

"تم تینوں اب آزاد اور میرے مہمان ہو۔" سردار رجب علی آزادی پانے والوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "کل صبح میرے آدمی تمہیں کچھ رقم دے کر ایسی جگہ پر چھوڑ دیں گے جہاں سے سواری لے کر تم اپنے اپنے گھر لوٹ سکو گے۔ جلد بازی اور حماقت میں رات کو بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ جنگل چھوٹے درندوں سے بھرے ہوئے ہیں جو آناً فاناً میں آدمی کو چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں۔ یہ تمہاری آزادی کی رات ہے' گھومو پھرو اور عیش کرو۔"

وہ بے نیازی کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف جانے کے لئے مڑ گیا۔ اس کے حواری اس کے پیچھے تھے۔

رہائی پانے والے تینوں افراد میں ایک وہ بھی تھا جو مے نوشی کا عادی تھا۔ اسے شاید مفت میں روزانہ ایک اَدّھا ملتا تھا۔ سردار کے جاتے ہی اس نے اپنی بوتل سے غٹا غٹ دو لمبے گھونٹ لئے پھر اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو صاف کرتا ہوا' ادھیڑ عمر قیدی سے بولا۔ "روپیہ پیسہ سالا ہاتھ کا میل ہے۔ وہ اپنا بابے والا ساعر بولا تھا۔ جان ہے تو جہان ہے پیارے۔ کیا خبر اپن نے اکھا عمر سردار ہی کے لئے کمایا ہو۔ اس کا حصہ اسے دے دیا۔ اب واپس جاکر پھر دو کا چار کرلیں گے۔ میرے کو معلوم ہے کہ تم بنیا ہے' پر سیٹھ رام دیال! اپنا دل بڑا کرو۔ ابھی لفڑے میں پڑ گیا ہے تو مال دینا ہی پڑے گا۔"

رام دیال برے منہ بنا کر اسے یوں گھورتا رہا جیسے وہ اسے گندی گندی گالیاں سنا رہا ہو۔

"تیرے باپ کا مال ہے نا جو مفت میں دے دوں۔" رام دیال نفرت آمیز لہجے میں بولا۔ "تم سب بزدل ہو۔ تم نے لمبے لمبے مال دے کر ان کو بگاڑا ہے۔ میں مر جاؤں گا مگر بیس لاکھ سے اوپر ایک پیسہ نہیں دوں گا۔"

وہ لوگ آپس میں الجھتے رہے اور ہم دونوں خاموشی کے ساتھ وہاں سے ٹل گئے۔

رائفل کے فائر کی گونج سے جنگل میں پیدا ہونے والا پرندوں اور چوپایوں کا شور بتدریج سکوت میں ڈھل رہا تھا۔ کھانا پکانے والوں نے دیگ بجا کر ڈنر کا وقت ہونے کا اعلان کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے لنگر کے لئے قطار لگ گئی۔ پانچوں یرغمالیوں کو اس سے پہلے ہی' ان کی جگہوں پر کھانا پہنچا دیا گیا تھا۔ اپنی باری آنے پر ہم دونوں بھی روٹی سالن لے کر اپنی جگہ پر آگئے۔

کھانے کے بعد بیشتر لالٹینیں گل کر دی گئیں۔ سردار رجب علی کے خیمے پر پیٹرومیکس جلتا رہا۔ رات کی ڈیوٹی پر مامور مسلح محافظ اپنے اپنے مورچوں پر ڈٹ گئے اور ہم دونوں بھی چادر پر دراز ہو گئے۔

رفتہ رفتہ اس میدان پر رات کا خوابناک سناٹا طاری ہونے لگا۔ کبھی کبھار کسی کے کھانسنے کی آواز سکوت کی اس چادر کو برہم کر دیتی تھی ورنہ پھر وہی لامتناہی سناٹا چھا جاتا تھا جس میں جنگل سے ابھرنے والی جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازوں کے سوا کچھ

نائی دے رہا تھا۔

طرح وہ اول خان کا بھی پہلا ہی تجربہ تھا لیکن وہ میرے زیادہ سخت جان ثابت ہوا اور کھردری زمین پر بچھی جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا مگر میری آنکھوں میں نیند کا پتا نہیں تھا۔ میرا ذہن مسلسل غزالہ یا پھر رانی الجھا ہوا تھا۔۔

طرح سگریٹیں پھونکتے ہوئے رات بیت گئی۔ سر پر شفاف آسمان چمک رہا تھا۔ تصنع کا دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف زندگی اپنے اصل اور فطری روپ ہی تھی۔

چت لیٹا ہوا آسمان کی طرف نگراں تھا کہ اچانک مجھے خفیف سی دھمک کا احساس ہوا۔ اس اجنبی ماحول لئے وہ آواز تشویش کا باعث تھی اس لئے میں نے پہلو بدلا اور یہ دیکھ کر میرے بدن میں کروڑوں چیونٹیاں کہ وہاں رانی موجود تھی۔

وقت اس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا اور اس کی نفرت ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

ٹھو' اور میرے ساتھ آؤ۔" اس نے غصے سے کانپتی آواز میں کہا۔

وقت اس کے تیوروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے ح پہچان چکی تھی جس کا مطلب تھا کہ دن میں دونوں نے مجھے نہ پہچاننے کی کامیاب ترین اداکاری کی تھی۔ تے ہی' میرے دل میں اس کی طرف سے جو اندیشے منے لگے تھے وہ بے بنیاد نہیں تھے۔ خطرہ سر پر آگیا تھا یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ سب کے سامنے مجھ سے انجان بعد وہ رات کے سناٹے میں میرے پاس کیوں آئی تھی؟ انے دیکھ لیا تھا کہ وہ غیر مسلح تھی جب کہ میرے پاس کسی ت کے لئے بڑے بور کا وہ بھرا ہوا پستول موجود تھا جو نے نوکری مل جانے پر میرے حوالے کیا تھا۔

انے خاموشی سے اپنی جگہ چھوڑی اور رانی کے پیچھے ہو

وقت اول خان سمیت اس لشکر کے تقریباً سب ہی بے خبر سو رہے تھے مگر مجھے معلوم تھا کہ چند مسلح محافظ اس پوری طرح چاق و چوبند اور اپنی جگہوں پر مستعد تھے جو اس کھیل کے چشم دید گواہ ہو سکتے تھے۔ اگر میں رانی تھ کوئی چالبازی کرنے کی کوشش کرتا تو وہی محافظ میرے اس کے مددگار بھی بن سکتے تھے۔

یرے لئے وہ بہت عجیب اور سنسنی خیز صورتحال تھی جس رانی کے پاس تھی اور وہ مڑ کر میری طرف دیکھے بغیر' پُر نداز میں اس طرف بڑھ رہی تھی جہاں میدان ختم ہونے کے بعد گھنا جنگل شروع ہو جاتا تھا۔

جنگل کے سرے پر درختوں کے سائے کی وجہ سے خاصی تاریکی تھی جس میں سردار کے خیمے والے پیٹرومیکس کے انعکاس کے باعث بینائی کسی حد تک کام کر رہی تھی۔ رانی وہیں رک کر تن کر کھڑی ہو گئی۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" میرے قریب پہنچنے پر اس نے غراتی ہوئی سرگوشیانہ آواز میں سوال کیا۔

"نوکری کے لئے" میں نے پر سکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تم میرے جانو ماچھی کے قاتل ہو" اس کی آواز فرطِ غضب سے کانپ رہی تھی "جس دن تم نے اسے مارا' اسی روز تم کوٹ مندو کی طرف گئے تھے۔ اسی روز پیر سائیں کے حجرے کو شہید کر دیا گیا۔ تم بدمعاش' قاتل اور گستاخ ہو۔ تمہارا ساتھ دینے والوں کو ان کے انجام تک پہنچا دیا گیا۔ رانی پور میں ہزاروں لوگوں نے حویلی کے پھاٹک پر جھولتی ہوئی' جھلسی لاشیں دیکھ کر عبرت پکڑی ہو گی مگر تم اب تک زندہ ہو۔"

اپنی شناخت کے معاملے میں بحث بے سود تھی اس لئے میں نے سرد لہجے میں پوچھا "تم مجھے یہ سب کیوں سنا رہی ہو؟"

"یہ بتانے کے لئے کہ میں تمہیں اور تمہارے ارادوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں' تم یقیناً کسی بری نیت سے یہاں آئے ہو اور سردار کو دھوکا دے کر اس کے آدمیوں میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گئے ہو۔۔"

"اگر یہی تھا تو تم نے خیمے میں پہلی بار سامنا ہوتے ہی سردار رجب علی کو میرے بارے میں سب کچھ کیوں نہیں بتا دیا؟ یہاں رات کے سناٹے میں مجھ سے ملنے کیوں آئی ہو؟" میں نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"بتا دیتی تو وہ اسی وقت تمہارے سینے میں گولیاں اتار دیتا۔" اس کی آواز زہر میں ڈوبی ہوئی تھی "مگر میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ تم نے میرے جانو ماچھی کی آخری خواہش پوری کی تھی۔ اس کی لاش پر مقرر انعام کی پروانہ کرتے ہوئے لاش میرے حوالے کی تھی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا۔ میں تمہارے ان احسانات کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہوں۔ ہم ڈاکو لوگ کبھی بھی احسان فراموش نہیں ہوتے۔ آج میں تمہارے احسانات کا حساب بیباق کرنے آئی ہوں۔"

اس کی گفتگو پر میں ہکا بکا رہ گیا۔ رانی جیسی گھٹیا اور ذکیت قسم کی عورت سے مجھے اس اعلیٰ ظرفی کی ذرا بھی امید نہیں تھی لیکن پھر مجھے محمود کے الفاظ یاد آئے۔ اس نے وہی کچھ کہا تھا جو رانی کہہ رہی تھی۔ وہ بیچارہ اپنی حویلی کے پھاٹک پر مارا گیا تھا اور میں رانی سے اپنے احسانات کی قیمت وصول کرنے کے لئے اس گھنے جنگل میں زندہ تھا۔

"پھر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے چند ثانیوں کے بوجھل سکوت کے بعد اس سے پوچھا۔

"تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا "میں تمہیں جان بچانے کا موقع دے رہی ہوں۔ یہ تمہارے احسانات کا بدلہ ہے۔ تم نہ گئے تو میں سردار رجب علی کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں کہ ہم کہاں ہیں ... پھر ہم سردار کی اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ وہ ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اس کے آدمی ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے۔ ہم ان ہی جنگلوں میں بھٹکتے ہوئے ان کا نشانہ بن جائیں گے۔"

"تم رضامندی ظاہر کرو' یہ سب میں سنبھال لوں گی۔ میں تمہیں اس جنگل سے نکال کر خود شاہراہ تک چھوڑوں گی۔ تم نے انکار کیا تو تم یہ موقع کھو دو گے۔"

میں خود بھی اس مہیب اور روح فرسا ماحول سے نکلنا چاہ رہا تھا۔ میرے لئے رانی کی وہ پیشکش عطیۂ خداوندی سے کم نہیں تھی لیکن اس پر اپنا بھرم قائم رکھنا بھی ضروری تھا۔

"یہ سراسر زیادتی ہے' ہم بہت مشکل سے یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں" میں نے احتجاج کیا۔

"پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے اپنا حساب برابر کر دیا ہے۔ صبح میں سردار کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"موت مجھے اتنی عزیز نہیں ہے" میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "میں تمہاری پیش کش قبول کرتا ہوں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم مان لوگے" اس کی آواز میں طنز اور تحقیر کی عجیب سی آمیزش تھی۔

"یہاں تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔ اسی لمحے زناٹے کی تیز آواز کے ساتھ پورا میدان سرخ روشنی کے تیز انعکاس سے بھر گیا اور رانی بوکھلا کر درختوں کے سائے سے کھلے میدان میں نکل آئی۔

آسمان پر ایک گولا سرخ روشنی خارج کرتا ہوا تیزی سے اوپر ہی اوپر چلا جا رہا تھا۔ وہ میدان سے بہت دور مشرق کی جانب تھا لیکن اس کی روشنی نے پورا آسمان منور کر دیا تھا۔

"حملہ ... پولیس آرہی ہے" رانی کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی اور وہ تیزی کے ساتھ سردار کے خیمے کی طرف دوڑتی چلی گئی۔ شب بیدار محافظوں نے سیٹیاں بجانا شروع کر دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ہر طرف بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

روشنی کا سرخ گولا' شاید ان لوگوں کی کسی نگراں چوکی سے سگنل کے طور پر چلایا گیا تھا۔

اس سگنل کے دو ہی جواب ہو سکتے تھے۔ مقابلے کی تیاری یا کوچ!

مجھے دیکھنا تھا کہ سردار رجب علی اس نازک مرحلے پر کیا فیصلہ کرتا ہے۔

سُرخ روشنی والا گولا فضا میں انتہائی بلندی پر پہنچ کر راکھ میں معدوم ہو گیا لیکن اس کی پھیلائی ہوئی روشنی فضا میں ... تک قائم تھی۔

میدان میں سوئے ہوئے تمام ڈاکو نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ وہ اپنی مرضی سے نہ سو سکتے تھے' نہ جاگ سکتے تھے۔ ... پناہ دولت ہونے کے باوجود ان کا ہر فعل ان حالات کے تابع ... جن پر ان کے لہو کے پیاسوں کی گرفت تھی۔ موت ان کے ... چاروں طرف دبے قدموں سرسراتی پھرتی تھی۔ جس لمحے بھی ... ذرا سی غفلت کے مرتکب ہوتے' اسی لمحے موت اپنے پر پھیلا ... پوری قوت سے ان پر ٹوٹ پڑتی۔

ان میں رہ کر ان کے بارے میں زیادہ جاننے کا موقع مل ... تھا۔ شوق' انتقام یا کسی مجبوری کے تحت وہ ڈاکو بن گئے تھے۔ ... راستہ انہوں نے اپنی مرضی سے اختیار کیا تھا۔ پھر ڈاکو بن جا... کے بعد آدمی جنگل میں کسی درخت کی چوٹی پر نہیں جا بیٹھتا۔ ... قانون سے اپنی بغاوت کا اظہار کرنے کے لئے پہلا جرم کرتا ... جو عموماً سنگین ہوتا ہے اور جن کا پہلا جرم معمولی نوعیت کا ہو ... اپنے ساتھیوں میں سُرخ روئی کے لئے جلد ہی کوئی بڑی واردا... کوئی بڑا جرم کر گزرتے ہیں اس طرح قانون سے ان کا ر... فوری طور پر کٹ جاتا ہے۔ وہ قانون کے دشمن ہوتے ہیں ا... قانون ان کا دشمن بن جاتا ہے۔

مجبوری اور محرومی کی ایک عامیانہ سی زندگی کے مقابلے ... اس پیشے کے ابتدائی تجربات بہت سنسنی خیز ہوتے ہیں۔ را... کی نال پر وہ جو چاہتے ہیں' حاصل کر لیتے ہیں۔ جنہیں پہلے ... گھاس نہیں ڈالتا' بعد میں ان کے ناموں سے بڑے بڑے ڈر... لگتے ہیں لیکن فخر' خوشی اور اپنی وحشیانہ بالادستی کی آسودگی ... دن برقرار نہیں رہتی۔

جلد یا بدیر' ہر ڈاکو کی زندگی میں یہ مرحلہ آتا ہے کہ ... سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ہر شخص کو ہلاک کرنے پر قادر ... ہے لیکن اپنے ایک دو بدترین دشمنوں کو مار لینے کے بعد ہر ا... کے وجود میں لہو کی پیاس سرد پڑ جاتی ہے۔ کوئی بھی انسان ... اور پاگل درندے کی طرح ہمیشہ خون بہا کر تسکین حاصل ... کر سکتا۔ ان کے پاس مال ہوتا ہے لیکن بستیوں سے دور غیر ... جنگلوں اور پہاڑوں میں اس پیسے کا کوئی مصرف نہیں ہو... انہیں اپنے گھروں کی یاد ستاتی ہے جہاں وہ اتنے زیادہ بااختیا... ہوتے ہوئے بھی آسودہ رہتے تھے۔ اپنے لوٹے ہوئے مال ... ذہنی سکون اور چین نہیں خرید سکتے۔ ان کے شعور اور ... الشعور پر ہر وقت قانون کی دہشت سوار رہتی ہے۔

قانون جو ہر مہذب معاشرے کی آبرو ہوتا ہے۔ جس ... بے حساب پامالی بھی کبھی اس کی سربلندی پر اثر انداز ... ہوتی۔ قانون وہ آہنی دیوار ہوتی ہے جس سے سر ٹکرانے وا...

...ی لہولہان ہو جاتے ہیں۔ ڈاکو جب اپنے گھر لوٹنے ... میں سوچتا ہے تو اسے اپنے سنگین جرائم یاد آتے ہیں۔ ... کے قدموں کی زنجیر بن جاتی ہیں۔ جب اس نے کبھی ... نہیں کیا تو قانون کیوں اسے معاف کرے گا؟

... کی زندگی میں اکتاہٹ کا وہ موڑ بہت نازک اور ... وتا ہے۔ وہ اپنی گناہ آلود زندگی سے تائب ہو کر اپنے ... کے انبوہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کے دل سیر ... جانے کے لئے مچلتے ہیں۔ وہ اپنی یکساں اور بے رنگ ... اکتا چکے ہوتے ہیں لیکن اپنی کشتیاں وہ خود جلا چکے ... یہیں وہ خود پر مظلومیت کا خول منڈھنا شروع کر دیتے ... معافیاں طلب کرتے ہیں۔

... اور عام معافی کی طلب ایسے لوگوں کی ٹوٹی ہوئی ... نشاندہی کرتی ہے۔ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ مہذب ... میں واپسی کی خواہش ظاہر کر کے وہ کوئی انوکھا اور ... نامہ سرانجام دے رہا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک ... ہوتا ہے جو بگڑے ہوئے معاشروں میں' صدیوں سے ... سے دہرایا جا رہا ہے۔

... مراحل پر چور' ڈاکو' لٹیرے اور اغوا کرنے والے ... ذرائع سے قانون کے محافظوں کی کردار کشی کرتے ہیں۔ ... فاک' راشی اور بزدل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کا ... اتنا ہوتا ہے کہ اپنی مظلومیت کے افسانوں اور ... محافظوں کی لرزہ بر اندام کر دینے والی سازشوں کے ... رائے عامہ ان کے حق میں استوار ہو سکے۔ رائے عامہ ... کرنے کے لئے وہ اپنی کمین گاہوں اور گزرگاہوں کے ... بسنے والے غربا پر اپنی فیاضیوں کی برسات کرنے لگتے ... بھی سمجھدار انتظامیہ کے لئے وہی وار کرنے کا وقت ... منظم اور بھرپور کارروائی کے سامنے دل شکستہ ڈاکو ... تک نہیں ٹھہرتے اور تھوڑے سے کشت و خون کے بعد ... امن و امان ہو جاتا ہے۔

...دار رجب علی کے خیمے سے کوچ کا فرمان جاری ہوتے ہی ... میدان صاف ہونے لگا۔ چادریں سمیٹ لی گئیں۔ ... چھولداریاں گرا دی گئیں۔ وزنی سامان جیپوں میں بار ... ۔ ایک جیپ میں صرف عورتیں تھیں۔ دوسری جیپ ... پانے والے تینوں مغویوں کے ساتھ سردار خود موجود

... نعر' کاموں اور لالو!" سردار کی آواز بلند ہوتے ہی ... سناٹا چھا گیا "تم تینوں پیچھے جا کر پولیس پارٹی کو گھیر کر ... کھول دو۔ ایک رائفل اور دو سب مشین گنوں کے ... بھاری مقدار میں میگزین لے جانا ہو گا۔ ان کے دو چار ... گرا دیئے گئے تو وہ تیزی سے پسپا ہو جائیں گے۔ مرنے

والوں کو ان کے یہاں باعزت تدفین کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ انہیں کھدیڑ کر جنگل سے باہر نکال دو۔ اگر تم ان کی بھاری نفری کے پیر اکھاڑنے میں کامیاب نہ ہوسکو تو دریا کا کنارا پکڑ لینا۔ دولت پور کے مقام پر ہم دریا عبور کریں گے۔ تم بھان اور جوہی کے درمیانی علاقے میں آسانی کے ساتھ ہم سے مل جاؤ گے۔ ہم گھنے جنگل میں پھیل کر آہستہ آہستہ بڑھیں گے تاکہ پیچھے سے آنے والوں سے مقابلہ کرنا ہی پڑجائے تو ہم کوئی نقصان اٹھائے بغیر انہیں انہی کے خون میں غسل دے سکیں۔۔۔ مجھے امید ہے کہ میرے تین سُورما یہ نوبت نہیں آنے دیں گے۔ سائیں سرکار کی دعائیں قدم قدم پر ان کا ساتھ دیں گی۔ ان جنگلوں اور پہاڑوں میں وہی ہمارا سچا مددگار ہے۔"

میرا خیال تھا کہ سوتے سے بیدار ہونے والوں کے کوچ میں بدترین افراتفری دیکھنے میں آئے گی لیکن ان کی سبک رفتار تیاریوں سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رات گئے کوچ کی تیاری کا پروگرام بنا کر ہی سوئے تھے۔

اچانک رانی کہیں سے بھٹکتی ہوئی ہمارے پاس آنکلی اور آتے ہی زہریلی سرگوشیانہ آواز میں بولی "ہم دس دن سے یہاں پڑاؤ کئے ہوئے تھے لیکن تمہارے قدم آتے ہی کوچ کرنے کی نوبت آگئی۔ یہ سفر تمہارے لئے ایک امتحان ثابت ہوگا۔ تم نے کہیں بھی کوئی مشتبہ حرکت کی تو میں تمہیں گولی ماردوں گی۔"

"یہاں سے ہماری واپسی کا کیا بنے گا؟" میں نے دھیمی آواز میں سوال کیا۔ اوّل خان اس وقت مجھ سے دور تھا۔

"اگلے پڑاؤ تک اسے بھول جاؤ۔ اس وقت تک حالات جوں کے توں رہیں گے۔ سردار اس نئی افتاد پر برہم ہے۔ میں اسے تم دونوں کے بارے میں بتا کر اور پریشان نہیں کروں گی۔"

وہ عجلت میں تھی اس لئے آگے بڑھ گئی۔ اس کے کندھے پر بڑے میگزین والی ہلکی کلاشنکوف جھول رہی تھی۔

جیپوں کے انجن بیدار ہوئے اور تین مختلف مقامات سے وہ لدی پھندی گاڑیاں جنگل میں داخل ہوگئیں۔ ڈرائیوروں نے گاڑیاں گھما پھرا کر گھنے درختوں کے درمیان بمشکل راستہ بنایا تھا۔

پیدل بڑھنے والوں نے زمین پر جوتے رگڑ کر ٹائروں کے نشان مٹادیئے تاکہ بعد میں آنے والوں کو ہمارے فرار کی سمت کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکے۔

سردار رجب علی کے تین سورما وہیں ڈٹے رہے۔ آسمان پر پھیلی ہوئی سرخ روشنی کافی حد تک معدوم ہوچکی تھی۔ مگر میں نے ان تینوں ہیولوں کو مخالف سمت میں بڑھتے دیکھ لیا۔ ان کے کندھوں سے میگزین کے وزنی تھیلے جھول رہے تھے اور میرا اندازہ تھا کہ وہ پولیس والوں کو نقصان پہنچانے میں ناکام نہیں رہیں گے۔

کھلی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس گھنے جنگل میں پیدل چلتے

ہوئے اندازہ ہوا کہ وہ کیسا پُرخطر راستہ تھا۔ کہیں زمین خشا پتھریلی تھی تو کہیں دلدلی۔

ہمارے کوچ نے پرندوں کو ایک مرتبہ پھر پریشان کردیا گاڑیاں پارکنگ لائٹس کی دھیمی روشنی میں سفر کررہی تھ لیکن ان کے انجنوں کا شور دور تک گونج رہا تھا۔ سائلنسر خارج ہونے والے دھوئیں کی تیز بُو نے پیدل چلنے والوں مشکل پیدا کی ہوئی تھی مگر وہاں سب مہربہ لب تھے، کسی ز کوئی شکوہ نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ اس بدترین صورت میں سردار رجب علی نے وہی راہ اختیار کی تھی جو ان حق میں بہترین اور محفوظ ترین تھی۔ اگر وہ لوگ وہیں ر پولیس کی مسلح اور بھاری نفری کا استقبال کرنے کی تیاریاں تو دونوں فریقوں کا اس قدر لہو بہتا کہ اس علاقے کی بھور مہینوں کے لئے خونی دلدل میں تبدیل ہوجاتی اور مردا پرندوں اور جانوروں کے لئے مہینوں کا راشن فراہم ہو ایسے خون ریز اور وحشیانہ مقابلوں میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ لوگ کھلے میدان میں ہی مارے جائیں اور فائر بندی ہو امدادی اور تفتیشی جماعتیں تمام لاشوں اور زخمیوں کو اٹ جائیں۔

بہت سے لوگ زخم کھا کر وہیں ڈھیر ہونے کے بجائے دشوار گزار اور خفیہ ٹھکانوں کی طرف بھاگتے ہیں اور بھٹوں میں منہ چھپا کر آتش و بارود کی برسات ختم ہونے کا کرتے ہیں۔ اس طویل انتظار میں ان کے زخموں سے ات بہہ چکا ہوتا ہے کہ ان میں اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت بھ نہیں رہتی اور آخر کار ان کی حسرت زدہ نگاہوں کے سا گدھ منڈلانے لگتے ہیں جن کی مسرّت آمیز چیخوں سے ظا ہے کہ انہوں نے اس خطۂ زمین پر اجل کے فرشتے کے قدم چاپ سن لی ہے۔

وہ مایوسی، بے بسی، بے کسی اور عبرت کے عالم میں م ہیں۔ ان بے جان لاشوں پر پرندے جھپٹتے ہیں، درندے دانت تیز کرتے ہیں اور حشرات الارض ان کی ہڈیوں تک کر ماس کا ایک ایک ریشہ نگل جاتے ہیں۔

ان میں سے بیشتر افراد ان سنگین حقائق کا ہولناک ا رکھتے تھے۔ وہ اپنے بہت سے بدنصیب ساتھیوں کی لاشیں چکے تھے۔ بہت سے مُردوں کی ہڈیاں دریافت کرچکے تھے بھی جانتے تھے کہ اگر ان کی گولی کسی وردی والے کو چاٹ میں کامیاب ہو بھی جائے تو یہ کامیابی انہیں ہمیشہ مہنگی پڑتی ان کے حریف، اپنا کوئی جانی نقصان نہ ہونے تک احتیاط مقابلہ کرتے ہیں لیکن اپنا کوئی آدمی گنواتے ہی جوشِ انتقا پوری قوت سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایسے لمحات میں قانو تحفظ کے علاوہ اپنے ساتھی کے خون کے انتقام کا جذبہ بھی

ا ہے اور وہ عموماً انہیں بھاری جانی نقصان اٹھا کر گھنے میں فرار ہونے پر مجبور کردیتے ہیں۔

یا شکست، جب دونوں صورتوں میں ہی فرار ہونا تھا تو بہتر لہ وردی والوں کے ہاتھ سے کوئی نقصان اٹھائے بغیر اپنی ت اور رسد کے ساتھ راہ بدل لی جائے۔ سردار رجب اس فیصلے میں اس کے تجربے اور ذہانت کی جھلک تھی۔ وہ ، ناسمجھ اور نو آموز ڈاکوؤں کی طرح جوش اور بہادری کے پنے آدمیوں کی گردن کٹوانے کا سرے سے قائل ہی نہیں اس کے گروہ کے لوگ، کوچ کرتے ہوئے بار بار ان باتوں کررہے تھے۔

ھنے اور تاریک جنگل میں اس کوچ نے ایک پُراسراری برپا کردی تھی۔ پارکنگ لائٹس کی آسیبی روشنیاں اس ندھیرے میں بہت تیز محسوس ہورہی تھیں۔ پھر نجانے سے بڑے اور طاقتور انجنوں کا دھیما دھیما شور سنائی دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے گھنے درختوں کے درمیان سے اونچی آہنی والے تین بڑے بڑے ٹرک نمودار ہوکر اس پیدل اور اروان میں شامل ہوگئے۔

یاہ یا سیاہی مائل وہ تینوں ٹرک یکساں ساخت کے تھے۔ ، عقبی حصے ترپالوں سے چھپے ہوئے تھے۔ ناہموار اور کچے ں پر ان کی کمانیوں سے پیدا ہونے والی آوازوں سے ہورہا تھا کہ اُن پر ان کی گنجائش سے زیادہ وزن لدا ہوا تھا ر اور اسلحہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔

جو کچھ ہورہا تھا، وہ کسی بدنظمی یا افراتفری کے بغیر نہایت طریقے پر ہورہا تھا۔ ٹرکوں کے نمودار ہونے پر کوئی بھی نہیں تھا۔ جیسے انہیں پہلے سے اپنے کارواں کے اس مشینی حصے ر کا علم رہا ہو۔

اس وقت تک ہم دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ ہمارے لئے کچھ اجنبی تھا۔ لیکن ہم ان کے لئے یا کم از کم رانی کے لئے نہیں رہے تھے۔ جانو ماچھی کی اس چالاک مگر جواں سال نے مجھے پہچان کر میرے سر پر بدترین خطرے کی تلوار لٹکا دی ۔ غنیمت یہ تھا کہ اسے اپنے مرتے ہوئے شوہر کے ساتھ آخری سلوک اچھی طرح یاد تھا اور وہ اس کے صلے میں مجھے موقع دینے کے لئے تیار تھی۔

ہم دونوں دیدہ و دانستہ سست رفتاری سے چل رہے تھے۔ غیر محسوس طریقے پر ہم سے آگے نکلتے رہے اور آخر کار ہم سے پیچھے رہ گئے۔ اس مرحلے پر ہم نے اپنی رفتار تیز کردی درمیانی فاصلہ بڑھائے بغیر ہم اس جلوس کے پیچھے چلتے ے۔

"ہم سب سے پیچھے رہنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔" اوّل نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "دائیں بائیں کھسک کر ہم بڑی آسانی کے ساتھ اس ٹکڑی سے الگ ہوسکتے ہیں۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔" میں نے قدرے سخت اور خشک لہجے میں کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ اندھیرے کے باوجود ہماری کڑی نگرانی کی جارہی ہوگی۔ وہ لوگ غافل نہیں ہوں گے کہ اس وقت ہم سب سے پیچھے چل رہے ہیں۔"

"رانی سے خطرہ ہوسکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت کافی آگے نکلی ہوئی ہے۔"

"رانی کو ہم پر نظر رکھنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو خود مجھ سے کہہ چکی ہے کہ ہم پہلی فرصت میں یہاں سے نکل جائیں ورنہ وہ میرا بھانڈا پھوڑ دے گی۔ سردار سازشیوں کے ساتھ ذرا بھی رعایت نہیں کرتا۔"

"یہ کب کہا اس نے؟" اوّل خان نے اضطراری طور پر سوال کیا۔ میرا انکشاف سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔ بھاگ دوڑ میں مجھے موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ اسے اپنی اور رانی کی گفتگو سے آگاہ کرتا۔

"جب آسمان میں روشنی کا گولا پھٹا تو وہ درختوں کے سائے میں مجھے یہی بتا رہی تھی کہ وہ پہلی ہی نظر میں مجھے پہچان گئی تھی اور اب ایک لمحے کے لئے بھی مجھے یہاں نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"پہچان لیا تھا تو پھر خاموش کیوں رہی؟" اول خان کی آواز سے بے اعتباری ترشح تھی۔

جواب میں مجھے اختصار کے ساتھ پوری گفتگو دہرانا پڑگئی جو خاصی سنسنی خیز تھی۔

"وہ تمہیں پہچان کر بھی چھوٹ دینے پر آمادہ ہے تو پھر تمہیں نگرانی کا کیا خوف ہے؟"

"یہ نہ بھولو کہ سردار رجب علی کے گروہ میں آج ہمارا پہلا دن ہے۔"

"اس وقت انہیں اپنی سلامتی کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ وہ ہمیں بھول گئے ہوں گے۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کوچ کے وقت کسی کو کام بانٹنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ گروہ کے سب لوگ مشینی روبوٹوں کی طرح خود بخود کام سے لگ گئے تھے۔ ایسے نظم و ضبط کے ساتھ انتظامیہ سے ٹکر لینے والے عقل سے کورے نہیں ہوسکتے۔ سردار رجب علی یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ ہم پولیس کے آدمی ہیں۔ انہوں نے ہمیں گروہ میں شامل کرانے کے بعد دھاوا بولا ہے۔ باہر سے پولیس چلی آرہی ہے۔ اگر اس اندھیرے جنگل میں اندر کے ایک دو آدمی بھی ان پر ہتھیار اٹھالیں تو یہ کسی طرح مکمل تباہی سے نہیں بچ سکیں گے۔ نہیں اوّل خان، وہ ہمیں کھلی چھوٹ نہیں دے سکتے۔"

"پھر بھی کوشش کرلینے میں کیا ہرج ہے؟" اس نے نیم دلی سے اصرار کیا۔

"ایسی کوئی بھی کوشش براہِ راست خودکشی کے برابر ہوگی۔ وہ سب چوکنا بلکہ اعصاب زدہ ہیں۔ ان کی نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ ہمیں پکڑنے اور قیدی بنانے کے بجائے للکارے بغیر گولیوں سے چھلنی کردیں گے اور بفرضِ محال ہم جنگل میں رُوپوش ہونے میں کامیاب ہو بھی گئے تو اس گھور اندھیرے میں کہاں جائیں گے؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور کس طرف چل کر سڑک تک پہنچ سکتے ہیں؟"

"سردار رجب علی نے دولت پور کے مقام پر دریا عبور کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اس نے پیچھے رہ جانے والے تینوں آدمیوں کو بھان اور جوہی کے درمیان آملنے کی ہدایت کی تھی۔" اوّل خان پُرخیال لہجے میں کہنے لگا "میرا خیال ہے کہ اس وقت ہم دریائے سندھ کے دائیں کنارے پر سکرنڈ اور نواب شاہ وغیرہ کے ساتھ شمال مغرب کی جانب سفر کررہے ہیں۔ ورنہ بھان اور جوہی تک پہنچنے کے لئے دریا عبور کرنے کا ذکر نہ کیا جاتا....."

میں نے اس کی بات درمیان سے کاٹ دی "نیچے اندھیری رات اور سر پر گھنے درختوں کا سایہ ہے۔ تم اتنے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ہم اس وقت شمال سے جنوب کی طرف سفر کررہے ہوں۔ ایسی صورت میں بائیں طرف چل کر کسی سڑک یا آبادی تک پہنچنے کے بجائے ہم مزید گھنے اور خطرناک جنگلات میں بھٹک سکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھٹکنے اور ان اجنبی جنگلات کی ناقابلِ بیان صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد ہم دوبارہ انہی کے چنگل میں پھنس جائیں یا اسی علاقے میں سرگرم ڈاکوؤں کے کسی اور گروہ کے ہتھے چڑھ جائیں۔"

"ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔" وہ بڑبڑایا "کچھ کئے بغیر ہم انہی کے ساتھ جنگلوں کی خاک چھانتے رہیں گے۔"

"تو تم یہاں آئے کس لئے تھے؟ ابھی تو ہمیں آئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے۔"

"ہمارے یہ چوبیس گھنٹے، چوبیس دنوں کی تپسیا پر بھاری ہیں۔ میری الگ بات ہے۔ تم تو خود بھی اس جنجال سے نکلنا چاہ رہے تھے۔ ان کے ساتھ رہ کر تو ہم کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ چند دن اور یہی شب و روز رہے تو نفسیاتی طور پر ہم بھی خود کو ڈاکو سمجھنے لگیں گے۔"

"نکلنے کے لئے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔" میں نے لمحہ بھر کے سکوت کے بعد کہا "یہ صحیح ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مزید وقت گزار کر ہم اپنی معلومات میں کوئی قابلِ قدر اضافہ نہیں کرسکیں گے لیکن ہمیں تحمل کے ساتھ ایسے مناسب موقع کا انتظار کرنا ہوگا جب رانی ہمیں اپنی حفاظت میں یہاں سے نکالنے کا بندوبست کرسکے۔"

کچھ دیر تک ہم دونوں ہی خاموشی کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔ ہمارے اردگرد، ہر طرف تناور درخت بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے حیرت ہورہی تھی کہ جیپوں اور ٹرکوں کے ڈرائیور اس دشوار گزار جنگل میں اپنا راستہ کس طرح بنا رہے تھے۔ وہ چھوٹی موٹی جھاڑیوں، خودرَو پودوں اور کمزور درختوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ٹرکوں کے آہنی کیبن، درختوں کے نیچے جھکی ہوئی شاخوں کو بے رحمی سے توڑ رہے تھے۔ وزنی شاخیں چرچراہٹ کے ساتھ زمین پر گر کر رکاوٹ پیدا کررہی تھیں۔ پیدل چلنے والے خود کو ان سرسبز اور وزنی شاخوں کی زد سے بچانے کے بعد پھرتی کے ساتھ انہیں ایک طرف گھسیٹ لیتے تھے تاکہ پیچھے آنے والی گاڑیاں بغیر کسی رکاوٹ کے آگے بڑھتی رہیں۔

"یہ ڈاکو ایک طرف تو بہادری، خودداری اور مردانگی کے دعوے دار ہیں لیکن دوسری طرف ان کا رویّہ بہت نرم بلکہ محکومانہ ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" اوّل خان بولا۔ "مجھے تو ان کے کسی رویّے میں ابھی تک نرمی کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی۔"

"یہ سب بڑے سفّاک سورما ہیں۔ اپنے گھربار اور رشتے داروں کو چھوڑ کر ان جنگلوں کی خاک چھان رہے ہیں لیکن سردار رجب علی اور اس کے حرم کو انہوں نے مقدر سمجھ کر قبول کیا ہوا ہے۔ کیا ان لوگوں کو ہر لمحے اپنے بیوی بچوں یا ماں باپ کا خیال نہیں آتا ہوگا؟"

"سردار رجب علی نے طاقت، تجربے اور ذہانت کے بل پر خود کو منوایا ہوا ہے۔ اس کی گفتگو پُراثر اور سحرانگیز ہوتی ہے۔ اسی کی ذات نے ان سب کو یہ حوصلہ دیا ہے کہ وہ جنگل میں صف آرا ہوکر قانون سے لڑسکیں۔ اسی لئے اسے ساری رعایتیں بھی استعمال کرنے کا حق ہے۔ ان میں ڈسپلن کی روح نہ پھونکی گئی ہوتی تو ان میں سے ہر ایک رجب علی کی جگہ لینے کے لئے بے قرار ہوتا اور یہ [illegible] میں ہی لڑلڑ کر لہولہان ہوجاتے۔ مجھ سے سچ پوچھو تو اس ساری بھیڑ میں فقط رجب علی ہی ڈاکو کہلانے کا مستحق ہے۔ باقی سب لوگ اس کے حواری ہیں۔"

"اس کے حکم پر وہ تینوں آدمی کوئی چون و چرا کئے بغیر پیچھے رہ گئے۔ حالانکہ انہیں اچھی طرح اندازہ ہوگا کہ پولیس کی بھاری جمعیت کے مقابلے میں ان کی جانوں کو شدید خطرات لاحق ہوں گے۔"

اس کے یاد دلانے پر میں چونک پڑا "لیکن وہ لوگ ابھی تک خاموش ہیں۔"

"ایسے گھنے اور بھیانک جنگلات میں لڑنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ حریف کے زد پر آجانے کا پورا یقین ہونے سے پہلے کوئی بھی فریق فائر کھولنے کی حماقت نہیں کرے گا کیونکہ پہلی گولی چلانے والا دراصل اپنے حریف کو اپنی مضبوط پوزیشن سے آگاہ کرتا ہے اور پوزیشن وہی مضبوط ہوتی ہے جو دشمن کے فائر سے

"
اس وقت کسی فوجی کی طرح تقریر کررہے ہو۔ کیا تم
ے اس بیان پر قائم ہو کہ تمہیں اسپیشل ٹاسک فورس
کوئی علم نہیں ہے؟"
نگجو پیدائشی فوجی ہوتا ہے یا ہر فوجی پیدائشی جنگجو ہوتا
لئے دونوں کی زبان ایک ہی ہوتی ہے۔ تم کو اب تک
چاہئے کہ میری فورس کا فوج سے کوئی تعلق نہیں

میں اس قدر بھاری نقل و حرکت کی پرشور آوازیں
ل چھیل رہی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ
فیرہ سے بہت دور تھے یا پھر انہیں پورا یقین تھا کہ
مسلح دستوں کے علاوہ کوئی اور ان کی عمل داری میں
روکنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔
اٹ کے قریب میں نے قلندر سے رینجرز کے گشت اور
جو کہانی سنی تھی اس سے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے
مدود اور عمل داری کے بارے میں پولیس اور ڈاکوؤں
ن کوئی خاموش اور اَن کہا سمجھوتا ہوچکا تھا۔ شاہراہ
تحویل یا حفاظت میں تھی۔ جنگلوں سے باہر پولیس کا
ور گھنے جنگلات میں ڈاکوؤں کو پوری پوری آزادیاں

آزادیوں کا شاہکار وہ تین بڑے اور وزنی ٹرک تھے جو
ں کی غراتی ہوئی ناہموار گونج میں سردار رجب علی کے
ساتھ چل رہے تھے۔ ان ٹرکوں کے بارے میں مجھے
تھا کہ ان میں راشن، اسلحے اور دیگر ضروریات کے
اور نہیں تھا۔ وہ ٹرک ہیلی کاپٹروں سے ان جنگلوں میں
ے گئے تھے بلکہ اپنی اپنی منازل سے مال و اسباب لاد
فاصلہ طے کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور یہ بھی لازمی
وہ خالی ہونے کے بعد نیا لوڈ لینے کے لئے جنگلات سے
اور پھر واپس آتے ہوں گے۔ کسی بھی ذی شعور شخص
یہ ماننا ممکن نہیں تھا کہ اس طویل نقل و حرکت میں وہ
ں یا کسی اور ادارے کی نظروں میں نہیں آتے ہوں
رے سامنے جو کچھ تھا وہ ایک منظم سازش کا مظہر تھا۔
ان کے بعض اہم ذمے داروں کی چشم پوشی کے بغیر ان
لمن ڈاکو ہرگز نہیں پنپ سکتے تھے۔ ان کے پاس پیسہ تھا۔
رے راشن، اسلحہ، بارود، میگزین اور ادویات وغیرہ کی
رہتی تھی اور ہوس ناک عزائم رکھنے والے راشی اہلکار
کی تلاش میں معاشرے کی ہر گندی نالی کو اپنے
ں کی پوری قوت سے سونگھتے پھرتے ہیں۔ وہ ڈاکوؤں
کی معاوضے لے کر نہ صرف گونگے، بہرے اور اندھے
ے تھے بلکہ وقتِ ضرورت شاید انہیں تحفظ بھی فراہم

کرتے تھے۔ دیکھا جائے تو علاقے کے ڈاکوؤں کو تحفظ فراہم کرنا ایسے بے ایمان اہل کاروں کی مجبوری بھی تھی۔ ان کے علاقے میں ڈاکو مارے یا پکڑے جاتے یا ان کا کوئی ٹرک گرفت میں آجاتا تو افسرانِ بالا ان سے ڈاکوؤں کی پرورش کے بارے میں بازپرس کرسکتے تھے کہ تھانے کا ریکارڈ بے داغ ہونے کے باوجود وہاں یک بیک ڈاکو کہاں سے اُگ آئے؟ ان بے ایمانوں کی مجبوری قابلِ فہم تھی اور یہ باور کرنا دشوار نہیں تھا کہ اپنی چمڑی بچانے اور سروس ریکارڈ صاف ستھرا رکھنے کے لئے بھی بے ایمان افسر اپنے علاقے میں کوئی آپریشن کامیاب نہیں ہونے دیتا تھا۔ ضلع، ڈویژن یا صوبے کی سطح سے آنے والی جماعتوں کے بارے میں بھی ڈاکوؤں کو پیشگی اطلاع دے دی جاتی تھی تاکہ آنے والے افسران جنگلات وغیرہ کو عملاً بھی اسی قدر صاف ستھرا پائیں جتنا وہ ریکارڈ میں دکھائے جاتے تھے۔

کاغذ پر راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا اور دھرتی پر نہ جانے کتنے رجب علی پل رہے تھے۔

یہ سب باہر سے درآمد کئے گئے تھے نہ بیرونی تخریب کار تھے۔ ان کی شناخت ان کی اپنی سرزمین تھی۔ یہ سب پاکستانی تھے ان کی صفوں میں باہر سے چند دہشت گرد اور تخریب کار آملے ہوں تو اور بات ہے ورنہ اپنی ہیئت اور ترکیب میں یہ مقامی ہی تھے اور ملا سرکار انہیں اپنے مذموم مقاصد کی راہ پر دھکیل رہا تھا۔ ملا سرکار ایک فردِ واحد تھا۔ وہ شی سے بھاری مقدار میں اسلحہ حاصل کرنے میں ناکام ہوکر آرنیٹ کے ملک کی سفارش پر جمی لائیڈ سے براہِ راست بھاری مقدار میں مہلک اسلحہ حاصل کرسکتا تھا لیکن اسے چلانا اس کے بس سے باہر تھا۔ اس اسلحے کے ماہرانہ استعمال کے لئے اسے ان گھنے جنگلات میں لشکر کے لشکر مل سکتے تھے۔ اس نے پیری کے تقدّس کی آڑ میں ان سب کو اپنا مرید بنا کر ان پر بالادستی حاصل کی ہوئی تھی۔ اس طرح نام نہاد محرومیوں اور مظلوموں کے سہارے ایک غیرملکی جاسوس بلکہ دہشت گرد پورے خطے میں تباہی و بربادی کی آگ پھیلانے میں کامیاب ہوتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"پھیل جاؤ!" اچانک انجنوں کے شور پر حاوی، سردار

رجب علی کی تحکمانہ آواز میگافون پر گونجی "کالم کے بجائے دائیں بائیں پھیل کر چلو۔ دونوں بازوؤں پر نفری برابر ہوگی۔"

میری دانست میں سردار رجب علی کی وہ ہدایت نامکمل تھی جس کے نتیجے میں افراتفری پھیل سکتی تھی۔ اندھیرے میں یہ اندازہ لگانا دشوار ہوتا کہ کتنے لوگ کس سمت میں پھیل رہے ہیں۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قافلہ اسی رفتار سے اور اسی طرح چلتا رہا۔ گاڑیوں کے عقبی پارکنگ لیمپس کی روشنی میں آگے سے ایک آدمی داہنی طرف گیا دوسرا بائیں طرف۔ باری باری لوگ دائیں اور بائیں جانب غائب ہونے لگے۔ طاق نمبر داہنے بازو والے تھے، جفت نمبر والے بائیں طرف جارہے تھے۔

گاڑیوں کے پیچھے سے قطار تیزی کے ساتھ دائیں بائیں معدوم ہوتی جارہی تھی۔ آگے خالی ہونے والی جگہ کو پر کرتے ہوئے اپنی اپنی سمتوں میں جانے کے لئے پیچھے والوں کی رفتار میں تیزی آگئی تھی۔ اس وقت تک ہم دونوں ایک ساتھ تھے اس لئے یہ امر لازمی تھا کہ ہمیں دو مخالف سمتوں میں جانا پڑتا۔

اس وقت ہم دونوں زیادہ تاریکی میں تھے اور فارمیشن تبدیلی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ ہم میں سے کسی ایک کو بڑھ کر، ایسی جگہ لے لینا چاہئے کہ ہم دونوں ہی طاق یا جفت نمبروں پر آجائیں اور دونوں کو ایک ہی سمت میں جانے کا موقع مل سکے۔ ان مخدوش اور غیر یقینی حالات میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ایک بار بچھڑ کر ہم دونوں کو کب یکجا ہونے کا موقع مل سکے گا۔ میں نے چلتے چلتے گردوپیش کا جائزہ لیا تو کوئی بھی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔

"تم پیچھے چلتے رہو، میں آگے بھیڑ میں مل جاتا ہوں۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اوّل خان سے کہا "جدھر میں جاؤں، اپنی باری آنے پر تم بھی اسی طرف چلے آنا۔ ہمارا اکٹھا رہنا بہت ضروری ہے۔"

اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے اپنی رفتار تیز کی تھی کہ اچانک ایک قریبی تنے کی اوٹ سے آنے والی تحکمانہ آواز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا "خبردار! گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اپنی جگہ پر چلتے رہو۔"

وہ آواز رانی کی تھی۔ اس کے سرد لہجے میں ترحم یا ہمدردی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ نہ جانے کب سے بے آواز قدموں کے ساتھ ہماری داہنی جانب درختوں کی اوٹ میں چل رہی تھی۔

"میں تمہاری ہی تلاش میں آگے جارہا تھا۔" چند ثانیوں کے بھیانک اور سنسنی خیز سکوت کے دوران میں مجھے ایک بہانا سوجھ ہی گیا۔ ویسے اس کی ہدایت سنتے ہی میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کرکے اپنی رفتار فوراً ہی کم کرلی تھی۔

"مجھ سے کیا کام تھا؟" اس نے درختوں کی اوٹ سے نکلتے ہوئے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"ہم دونوں ایک ہی جانب اکٹھا رہنے کی اجازت حا[صل] کرنا چاہتے ہیں۔"

"ناممکن!" اس کی آواز سخت اور دوٹوک تھی "ا[س] سے کوئی انحراف نہیں کرسکتا۔"

"انحراف کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہم صرف اجازت حا[صل] کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ ہم پر کڑا وقت ہے۔ ایسے میں اپنی فکر کرنے والو[ں کو] گولی سے جواب دیا جاتا ہے۔"

"تم اگلے پڑاؤ تک ہمیں زندہ رکھنے کا ارادہ ظاہر [کر رہی] ہو۔"

"وہ مشروط ارادہ ہے۔ تم خاموش رہو گے تو میرا اسل[حہ] خاموش رہے گا۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ رانی کے رویّے م[یں] بھی لچک نہیں تھی۔

میمنہ اور میسرہ میں افرادی قوت کی مساوی اور خودکار [تقسیم] کا وہ عمل اس قدر سُرعت کے ساتھ جاری تھا کہ آناً فاناً ہمارے سامنے کوئی نہ رہا۔ ہم تینوں سے آگے آخری جیپ ر[ہ گئی] تھی۔ اوّل خان کا نمبر طاق تھا اس لئے اسے داہنی [جانب] جانا پڑا۔ میں تیزی کے ساتھ بائیں طرف ہولیا۔

رانی کسی سائے کی طرح میرے ساتھ لگی ہوئی۔ شاید میری نیت پر کوئی شبہ ہوگیا تھا۔

"میرے بعد تمہارا نمبر بھی طاق ہوجاتا ہے۔ تمہیں [اس] طرف جانا چاہئے تھا۔" میں نے اپنے اور اس کے درمیان [طاری] ہوا جمود توڑنے کے لئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سردار اور اس کے نائب دوسروں کے لئے اصول [بناتے] ہیں۔ آئندہ سردار کے کسی نائب کو ٹوکنے کی غلطی نہ کرنا، و[رنہ یہ] جسارت تمہیں بہت مہنگی پڑسکتی ہے۔" وہ سرد لہجے میں [غراتے] ہوئے بولی۔

"تو تم سردار رجب علی کی نائب ہو؟" میں نے د[بی] حیرت سے پوچھا۔

"سردار رجب علی نے مجھے یہ مقام دے کر میر[ے] ماچھی کی مردانگی کا اعتراف کیا ہے۔" اس کی آواز پُرغرو[ر] تھی "اس بھیڑ میں اس کے چار نائب اور بھی ہیں۔ سردا[ر کے] فیصلوں کو ہم پانچوں ہی نافذ کرتے ہیں۔"

"معاف کرنا، یہ ہمارا پہلا دن ہے۔ مجھے اس گرد[ہ میں] تمہاری اہمیت کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ دن کی روشنی می[ں] باقی چار بڑوں کو بھی دیکھنا چاہوں گا تاکہ مجھ سے ان کی شا[ن میں] کوئی گستاخی سرزد نہ ہو۔"

"غور کروگے تو کسی کے دکھائے اور بتائے بغیر بھی ان کو پہچان لوگے۔ سردار رجب علی کے نائب اپنی شجاعت مردانگی کی وجہ سے الگ ہی پہچانے جاتے ہیں۔"

[کیسی] مردانگی؟" میں نے گھنے درختوں کے درمیان متحرک [اس کے] فصیل کے انتہائی بائیں سرے کی طرف بڑھتے ہوئے [حیرت] سے دہرایا "مردانگی تو مَردوں میں دیکھی جاتی ہے۔ [تم سردا]ر کی نائب مگر ایک عورت ہو۔ تمہاری ذات میں مردانگی [کہاں س]ے آسکتی ہے؟ تم تو بہت خوبصورت اور مکمل عورت [ہو۔]"

[اس] نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ [...]کے سردار کی نائب ضرور تھی لیکن دنیا کی دوسری عورتوں [کی طر]ح میری زبان سے اپنی تعریف سن کر شاید کچھ پھول گئی [تھی۔]

چند ثانیوں کے بعد وہ بالکل بدلی ہوئی بوجھل سی آواز میں [بول]ی "جانو کی موت کے بعد میں نے بھلا دیا ہے کہ میں کوئی [عورت] ہوں۔ اپنی خوبصورتی اور عورت ہونے کی تعریف اسی کی [زبان س]ے اچھی لگتی تھی۔ سہاگ اجڑ جانے کے بعد وفادار [عورت]وں کی باہر کی نرمی اور خوبصورتی کو اندر کی سختی نگل جاتی ہے۔ [تم]ہیں نے خود بخود اپنا محسن مان لیا ہے اس لئے تمہیں ڈھیل [دے] رہی ہوں ورنہ بڑے بڑے سورما مجھ سے بات کرتے ہوئے [کانپ]تے ہیں۔"

"وہ تمہیں مرد کی نہیں، ماتحت بلکہ ایک غلام کی نگاہ سے [دیکھتے] ہیں اس لئے تم سے ڈرتے ہیں۔" اس کا نرم جواب سن کر [میرا ح]وصلہ بڑھ گیا "میں نہ پہلے تم سے ڈرا تھا، نہ اب ڈرتا ہوں۔ [تمہیں] اس دھول میں چلتا ہوا دیکھ کر کئی بار میرا دل چاہا ہے کہ [تمہیں] اپنے کندھوں پر اٹھالوں یا کسی جیپ میں سوار کرادوں۔ [تمہار]ے نرم و نازک پاؤں زیادہ دنوں تک جنگلات کی خاردار [جھاڑ]یوں کو نہیں روند سکیں گے۔"

"وقت ہی اس کا جواب دے سکے گا۔" وہ میری خوشامدانہ مکّارانہ باتوں کا برا منائے بغیر پُرعزم لہجے میں بولی "سردار کا [کہن]ا ہے کہ وہ میری ذات میں آنے والے دنوں کا سنہرا خواب [دیکھت]ا ہے۔ جب میرا اپنا بھی ایک گروہ ہوگا۔ جس کے سامنے کوئی [نہ ٹھہر] سکے گا۔ آج بھی میں ہر وہ کام کرگزرتی ہوں جس کے [بارے] میں دوسرے سوچتے رہ جاتے ہیں۔"

"لیکن سردار دوسری عورتوں کو تم سے زیادہ عزیز رکھتا [ہے]۔ وہ اس کے ساتھ گاڑیوں میں سفر کررہی ہیں۔ جب کہ تم [ہم]اری ماری پھررہی ہو۔" موقع پاتے ہی میں نے اس کی انا پر [وار] کردیا۔

رانی زہریلے انداز میں ہنس پڑی اور بولی "وہ سردار کی تنخواہ [دار] رکھیل اور باندیاں ہیں جو ضرورت پیش آنے پر اس کا دل [بہل]اتی ہیں۔ وہ سردار سے قریب رہ کر بھی اس سے بہت دور [ہیں۔ ج]ب مقابلے ہوتے ہیں تو گولیوں کا شور سنتے ہی ان کی چیخیں نکل [جات]ی ہیں۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگتی ہیں۔ سردار انہیں [ٹھو]کریں مارتا ہے تو وہ سہم کر خاموش ہوجاتی ہیں لیکن اندر ہی اندر لرزتی رہتی ہیں۔ ان کھلونوں سے تم میرا موازنہ نہیں کرسکتے۔"

"تم سرداری کے خواب دیکھ رہی ہو تو تمہارا دل بھی ایسے کھلونوں کے لئے مچلتا ہوگا؟"

"جانو ماچھی کے بعد کوئی مرد میری زندگی میں نہیں آسکے گا۔" میرے اس ٹیڑھے سوال پر وہ بپھر گئی "جس طرح ہر سردار خوبصورت عورتوں کا رسیا نہیں ہوتا.. اسی طرح ہر عورت مردوں کی دیوانی نہیں ہوتی۔ جانو ماچھی کی بیوی گوشت پوست کی ایک جیتی جاگتی عورت تھی۔ وہ مسکراتی تھی تو ویرانوں میں کلیاں کھل اٹھتی تھیں لیکن جانو کی بیوہ پتھر کی بن گئی ہے۔ اس پتھر میں اب کبھی عشق و محبت اور پیار کی جونک نہیں لگ سکتی..."

"تم سردار رجب علی کو عورتوں کا رسیا کہہ رہی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے بات میں سے بات نکالی۔ وہ جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی لیکن میری بے حجاب گفتگو پر اس وقت تک مشتعل نہیں ہوئی تھی۔

"میں کسی کو کچھ نہیں کہہ رہی۔ سب جانتے ہیں کہ وہ عورتوں کا شوقین ہے۔"

"پھر تم اس کے پاس کیا امید لے کر آئی تھیں؟ کیا اس نے تمہیں قبول نہیں کیا؟"

"تم حد سے بڑھ رہے ہو۔" اس بار رانی کی آواز غصیلی تھی "میں انصاف اور پناہ لینے کے لئے اس کے پاس آئی تھی۔ مجھے باعزت پناہ مل گئی۔ انصاف اس دن پورا ہوگا جب میں تمہارے سینے میں اپنے ہاتھوں سے گولیاں اتاردوں گی۔"

اس کا جواب سن کر میرے بدن میں بیک وقت کروڑوں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

"یہ کام تو تم مجھے سردار رجب علی کے خیمے میں دیکھتے ہی کرسکتی تھیں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد پورے حوصلے مگر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ پڑاؤ پر اس سے ہونے والی ابتدائی گفتگو کے مقابلے میں فضا اس وقت بہت مختلف تھی۔

"ہم سب کچھ ہیں مگر احسان فراموش نہیں ہیں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا "مقدر نے اتنی کم مدت میں دوسری بار تمہیں میرے سامنے لا ڈالا ہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ میرے انتقام کی ہولناک کشش تمہیں تیسری بار بھی مجھ سے ملائے گی۔ پہلی بار تم بالادست تھے اور تم نے مجھ پر احسان کیا۔ آج میں تمہاری تقدیر کی مالک ہوں مگر تمہارے احسان کا بدلہ چکا رہی ہوں۔ تیسری بار ہم میں سے کوئی، کسی کا مقروض نہیں ہوگا اور وہی انصاف پورا ہونے کا لمحہ ہوگا۔ کوٹ مندو کے اطراف میں جب میرا جانو ماچھی زندگی کی آخری سرحدوں پر سسک رہا تھا تو تم نے اس پر اور مجھ پر احسان کیا تھا۔ اسے میری بانہوں میں آخری سانسیں لینے کا موقع دیا تھا پھر اس کی لاش میرے حوالے کردی

تھی مگر تمہارا ایک ساتھی ظالم تھا۔ وہ جانو ماچھی کے سر پر مقرر انعام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جانو ماچھی کی میت کو مٹی دیتے ہی سردار رجب علی نے پتا چلالیا کہ وہ تمہارا میزبان اور رانی پور کے ایک جاگیردار کا بیٹا تھا۔ پھر دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ رانی پور کی حویلی میں بسنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے ان دونوں باپ بیٹوں کی لاشوں کو عبرت کے لئے انہی کی حویلی کے پھاٹک پر سولی میں ٹانگ دیا تھا۔ وہ ہمارا انتقام تھا اور یہ ہماری محسن پروری ہے کہ تم میرے سامنے ہوتے ہوئے بھی زندہ ہو اور میں نے پورے گروہ میں کسی کو بھی تمہارے سوانگ کی ہوا نہیں لگنے دی ہے۔"

وہ جذباتی ہونے لگی تھی اس لئے میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ اس کے بھڑک اٹھنے کی صورت میں میرے لئے ناقابلِ تصور دشواریاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ میرے بارے میں سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی خاموش رہنے پر آمادہ تھی۔

اسی لمحے دور کہیں گولی چلی۔ وہ رائفل کا فائر تھا۔ فائر کی بازگشت کئی لمحوں تک فضا میں برقرار رہی۔ پھر اچانک ہی بہت سی گولیاں چلیں اور پھر چلتی ہی رہیں۔

قافلے کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جنگلات میں پھیلی ہوئی مسلح نفری وسط میں رواں مشینی حصے کی دھیمی روشنیوں کے سہارے اسی طرح آگے بڑھتی رہی۔ فائرنگ کی آواز ہمارے عقب میں کچھ دور سے آرہی تھی۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سردار رجب علی کے پیچھے رہ جانے والے تینوں آدمی پولیس والوں کو اپنے ساتھ الجھانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

پولیس کا سامنا کئے بغیر اپنے گروہ کے سارے آدمیوں کو صحیح سلامت نکال لے جانے کی 'پسپائی کی وہ حکمتِ عملی سو فیصد کامیاب ہوتی نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنے صرف تین آدمیوں کو پیچھے چھوڑا تھا لیکن فضا میں جس بھاری اور متواتر فائرنگ کا شور گونج رہا تھا اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ پولیس والے سردار رجب علی کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر اسے اصل مقابلہ سمجھ رہے تھے اور اپنے حریف کو پوری قوت سے تہس نہس کردینے پر تل گئے تھے۔

ان تینوں کا کام صرف اتنا تھا کہ ڈیڑھ دو گھنٹے تک پولیس کو پچھلے پڑاؤ کے قرب و جوار میں روکے رکھتے تاکہ سردار رجب علی کے لاؤ لشکر کو گھنے جنگلات میں کئی میل آگے نکل کر محفوظ فاصلے پر پہنچنے کا موقع مل جاتا۔ اس کے بعد وہ تینوں بھی فائرنگ بند کرکے اپنے مورچوں سے پسپائی اختیار کرلیتے اور دریا کے کنارے کنارے فرار ہوتے ہوئے بھان اور جوہی کے درمیان اپنے گروہ سے آملتے۔

"تم کبھی سوچتی ہو کہ یہ پہاڑ جیسی زندگی اسی طرح دشت و جبل میں لڑتے اور بھاگتے ہوئے کیسے گزار سکوگی؟" میسرہ میں

اپنی جگہ پر پہنچنے کے کافی دیر بعد میں نے سوال کیا۔ رانی خاموشی کے ساتھ مسلسل میرے ساتھ چل رہی تھی۔

"سوچنے کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں آدمی کے سامنے کئی راستے ہوں۔ ہمارے لئے تو زندہ رہنے کی یہی ایک امید ہے کہ جنگلوں میں روپوش رہ کر اپنی روزی کماتے اور پولیس سے بچتے رہیں۔ جس دن ہم نے دن کے اجالوں میں اپنی کمین گاہوں سے نکل کر بستیوں کا رخ کیا' پولیس ہمیں پکڑ لے گی اور ہم آسمان دیکھنے کو ترس جائیں گے۔ ہمیں سولی چڑھا دیا جائے گا یا زندگی بھر کے لئے تاریک اور گندی کوٹھریوں میں بند کردیا جائے گا۔"

"جسے تم روزی کہہ رہی ہو' کیا وہ واقعی تمہاری روزی ہے؟ دوسروں کے حلق سے چھینے ہوئے لقمے روزی نہیں بن سکتے۔ ان میں سے ہر لقمہ انسانی لہو میں تر بتر ہوتا ہے۔"

وہ دھیمے سے ہنس دی "معلوم ہوتا ہے کہ تم تبلیغ کے لئے یہاں آئے ہو۔"

"یہ تو بالکل سامنے کی باتیں ہیں۔ تم لوگ رنگ' نسل' مذہب' علاقے اور قوم کا لحاظ کئے بغیر اپنی زد میں آنے والی اسامی کو لوٹتے یا تاوان کے لئے اغوا کرتے ہو۔ اسے روزی کون کہہ سکتا ہے؟"

"جس طرح بھوک اور فاقے حد سے بڑھ جانے پر مردار حلال ہوجاتے ہیں اسی طرح ضرورتیں پوری ہونے کے سب راستے بند ہونے کے بعد سب کچھ جائز ہوجاتا ہے۔ تم ان لوگوں کی بات کررہے ہو جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور دن رات پتھر کی حویلیوں میں قلعہ بند رہتے ہیں۔ خود کو ہماری جگہ رکھ کر سوچو۔ ہماری زندگی کی قیمت ایک حقیری گولی ہے جو کسی بھی وقت اور کہیں سے بھی آسکتی ہے۔ جو لوگ ایسے ماحول میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندہ رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نہ اپنی زندگی کی وقعت رہتی ہے اور نہ دوسروں کی۔ وہ آن مرجانے یا مار ڈالنے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی اس قدر پُر آشوب ہوتی ہے کہ سینے میں گولی اترنے تک انہیں سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"سردار رجب علی سوچے اور سمجھے بغیر کب کوئی قدم اٹھاتا ہوگا؟"

"اس مقام تک پہنچنے کے لئے بہت قربانیاں دینا پڑتی ہیں۔ ہم سب کے برے بھلے کی ذمے داری اسی پر ہے۔ وہ سوچتا ہے اور ہم اس کی سوچ کو ایک ٹھوس حقیقت میں ڈھال دیتے ہیں۔"

"گروہ کے سب لوگ تم پانچوں کے احکام کے پابند ہیں۔ تم پانچوں سردار رجب علی سے ہدایات لیتے ہو لیکن سردار کو کہاں سے ہدایات ملتی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا دماغ بہت زرخیز ہے۔ وہ سب کچھ اپنی عقل سے سوچتا ہے اور کامیاب رہتا ہے۔"

"پھر ملا سرکار تم سب کا پیر کیوں کہلاتا ہے؟ تم میں سے ہر شخص اس کی خوشنودی کا طلب گار کیوں رہتا ہے؟"

وہ خاموش رہی۔ اندھیرے کی چادر میں میرے لئے کچھ دیکھنا تو ممکن نہیں تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے گھور رہی ہے۔ پھر اسی اندھیرے میں اس کی ملامت آمیز آواز ابھری "تم میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ یہ یاد رکھنا کہ ہم لوگ پیر سائیں سرکار کی شان میں گستاخی کرنے والے کو فوراً جہنم واصل کردیتے ہیں۔ تم نے ایسی کوئی جسارت کی تو میں ذرا بھی رو رعایت سے کام نہیں لوں گی۔ سردار رجب علی سے تمہیں بچانے کی حد تک میں اپنے وعدے کی پابند ہوں۔ اس سے آگے میں آزاد ہوں۔"

"میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ ملا سرکار کی ذات میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ تم لوگ اس کی عقیدت میں اس حد تک مرنے مارنے پر تل جاتے ہو؟ تم نے پڑاؤ پر مجھے بدمعاش' قاتل اور گستاخ کہا تھا۔ مجھ پر یہ الزام بھی لگایا تھا کہ جس روز میں کوٹ کی طرف گیا اسی روز پیر سائیں کا حجرہ تباہ کردیا گیا۔ آخر تم میری طرف سے اتنی بدظن کیوں ہو؟"

"خدا کو کسی نے نہیں دیکھا مگر عقل سے پہچانا ہے۔ ہم بُرے آدمی کی بُو سے پہچان لیتے ہیں کہ وہ ہمارا دوست ہے یا دشمن۔ اگر تمہارے دل میں کھوٹ نہیں ہے تو پیر سائیں کا نام عزت سے لو۔ اسے ملا سرکار وہی منہ پھٹ لوگ کہتے ہیں جو اس کی کرامات اور بزرگی پر یقین نہیں رکھتے۔"

"مجھے اپنے سائیں سرکار کے بارے میں بتاؤ۔ ہوسکتا ہے میرا دل بھی اس کی بزرگی کی طرف راغب ہوجائے۔ اب تک میں نے جو کچھ سنا ہے وہ اس کے حق میں کچھ بہتر نہیں ہے۔"

"سائیں سرکار بہت بڑی سرکار ہے۔" وہ عقیدت سے سرشار لہجے میں بولی "وہ لوگوں کے دلوں کا حال جانتا ہے۔ ان کی مجبوریوں کو سمجھتا ہے۔ اچھے لوگوں کو ہی نہیں' وہ ہم جیسے راندۂ درگاہ لوگوں کو بھی اپنے قدموں سے اٹھا کر گلے سے لگاتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کیسے ظلم اور جبر سے تنگ آکر ہتھیار اٹھائے ہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیں اچھا وقت آنے کی خبر دیتا رہتا ہے۔ سائیں سرکار کا فرمان ہے کہ ظلم کی رات سدا جاری نہیں رہ سکتی۔ ان اندھیروں کو انصاف اور محبت کا اجالا بہت جلد نگل جائے گا اور اس اجالے میں جو چہرے سامنے آئیں گے وہ ماں کی طرح شفیق اور مہربان ہوں گے۔ وہ ہماری آزادیاں ہمیں لوٹا دیں گے۔ ہمیں ذلت اور روپوشی کی زندگی سے نجات مل جائے گی۔ ہم جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر خوشی خوشی اپنے گھروں کو لوٹ سکیں گے اور کوئی ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔"

"یہ سب بہت اچھی باتیں ہیں۔ سچ پوچھو تو یہ اس گروہ اور دوسرے گروہوں میں شامل ہر شخص کے دل کی نا آسودہ آرزوئیں ہیں جنہیں سائیں سرکار کی حمایت حاصل ہے لیکن وہ یہ بھی تو بتاتا ہوگا کہ یہ ساری کایا پلٹ کیسے ہوگی؟ خالی امیدیں باندھ لینے سے حالات تو نہیں بدلا کرتے۔"

"یہی وہ بھی کہتا ہے۔" رانی پُرجوش لہجے میں بولی "وہ کہتا ہے کہ کوّوں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرا کرتے۔ خدا آسمان سے اتر کر ہماری مدد نہیں کرے گا۔ اپنی مصیبتیں ختم کرنے کے لئے ہمیں خود ظلم اور ظالم سے لڑنا ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ ظلم کا ساتھ دینے والے ہر ہاتھ کو پوری قوت سے کاٹ دو۔"

"لیکن یہ جو لوگ اپنے گھروں اور بھرے بازاروں سے اٹھا لئے جاتے ہیں اور پھر بھاری تاوان لے کر رہا کئے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں سائیں سرکار کا کیا فرمان ہے؟"

"یہ بالکل جائز ہے۔ وہ کہتا ہے حاکم کی گردن پر پوری رعایا کا بوجھ ہوتا ہے۔ اسی طرح مال داروں پر اپنے کنبے اور محلے والوں کی خبرگیری کی ذمے داری ہوتی ہے۔ اس سے غفلت برتنے والے سزا کے مستحق ہیں۔ جس دھرتی پر لاکھوں انسانوں کو دو تو کیا ایک وقت کی روٹی بھی پیٹ بھرنے کو نہیں ملتی ہو' وہاں کسی کو اپنی تجوریاں بھر کر عیش کرنے کا حق نہیں ہے۔ ایسے لوگ خدا کی دی ہوئی دولت پر ناگ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنی مرضی سے مظلوموں' مسکینوں اور غریبوں کو ان کا حق نہ دیں تو طاقت کے زور پر ان سے سب کچھ چھین لینا جائز ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں اسے ظالم ظلم کا نام دیتے ہیں لیکن ہمیں اپنے ہر عمل کے لئے پیر سائیں کی اجازت حاصل ہے۔ مرشد کی مرضی کے بغیر ہم کچھ نہیں کرتے۔"

اس وقت تک رانی نے جو کچھ کہا وہ بہت خیال انگیز تھا۔ اس سے پہلے میں ملا سرکار کی پُراسرار اور فسوں خیز شخصیت کے بارے میں جو کچھ سنتا رہا وہ سنی سنائی کہانیوں پر مبنی ہوتا تھا لیکن رانی کی ہربات مستند تھی کیونکہ وہ خود ملا سرکار کی سچی پیروکار تھی اور مجھے اس کی زہر آلود تعلیمات کا خلاصہ سنا رہی تھی۔

وہ ڈاکوؤں کا غیر متنازعہ پیر بنا ہوا تھا۔ اخلاق' عدل' انصاف اور مساوات جیسے اعلیٰ اصولوں کی آڑ لے کر اپنے پیروکاروں میں بغاوت کے جراثیم کی پرورش کررہا تھا۔ ظالم اور مظلوم کے طاقتور ابدی نعرے کی آڑ میں انہیں حکومت اور انتظامیہ کے خلاف اکسا رہا تھا۔ ڈاکو اس کی اصلیت سے بے خبر اور اس کے اندھے معتقد تھے۔ اس لئے اس کی باتوں کے ظاہری معنوں پر اپنا سر دھنتے رہ جاتے ہوں گے مگر میں ملا سرکار کی اصل نسل سے واقف ہوچکا تھا اس لئے.... خوب سمجھ رہا تھا کہ وہ ان قانون شکن قوتوں کے بل پر انصاف اور محبت کے کس اجالے کی بانگیں دے رہا تھا؟ اس کے سارے اشارے اپنے ان آقاؤں کی طرف

تھے جن کا نمک وہ بیسیوں برس سے کھا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اور ہر قیمت پر انہیں سرحدیں عبور کرلینے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔

"اغوا کے بارے میں تو ہم لوگ اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں۔" رانی کہہ رہی تھی "اگر کبھی کسی کنگال کو اٹھالائیں تو وہ ہمارے گلے پڑسکتا ہے۔ اس لئے کسی شکار کا انتخاب کرنے کے بعد سردار خود سائیں سرکار سے اجازت لیتا ہے۔ وہ اپنے علم اور عمل کی طاقت سے اسی وقت یا پھر دو چار روز میں اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اس کا علم اتنا سچا ہے کہ تاوان کی رقم تک وہ خود بتاتا ہے جو ہمیں مل کر رہتی ہے۔"

"کبھی ایسا بھی ہوا کہ سائیں سرکار نے تم لوگوں کو کسی کے اغوا سے روکا ہو؟"

"ایک دفعہ نہیں، کئی بار ایسا ہوا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سائیں سرکار کی اجازت سے ہم نے کسی کو اٹھایا ہو اور ہمیں تاوان کی رقم نہ ملی ہو۔ جس کے بارے میں وہ ہمیں منع کردیتا ہے، اس کے بارے میں ہم سوچنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ اسی اطاعت کا انعام ہے کہ ہم ان بھیانک جنگلوں میں بھی خوب پھل پھول رہے ہیں۔"

"ڈکیت جدّی پشتی ہوتے ہیں۔ ان میں اِکّا دکّا نئے لوگ بھی شامل ہوتے رہتے ہیں لیکن تنخواہ پر لوگوں کو ڈاکو بھرتی کرنے کی بات میں نے پہلی بار سنی ہے۔ کیا پیر سائیں کو اس بھرتی کا علم ہے؟"

"میں کہہ رہی ہوں کہ ہمارا ہر اہم اور بڑا فیصلہ سائیں سرکار کی مرضی سے ہوتا ہے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "تنخواہ پر ڈاکو بھرتی کرنے والی بات بکواس ہے۔ ڈاکو بنائے نہیں جاسکتے، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے حکومت پر زور ڈالنے اور اپنی نفری بڑھانے کے لئے بھرتی شروع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ جب ہر گاؤں اور ہر تحصیل کے لوگ جنگلوں میں ہمارے دوش بدوش ہوں گے تو کوئی بھی شخص ہمارے خلاف قانون کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔ دوسری طرف اس طرح ہمارے پڑھے لکھے، بے روزگار لڑکوں کو اچھی نوکریاں ملیں گی۔ ہمارے ساتھ ملنے والے ایک آدمی کے گھر خوشحالی آئے گی تو اسے دیکھ کر اس کی بستی کے اور لوگ بھی ہماری طرف آئیں گے۔ اگر قدرت ظالموں کی رسّی دراز کرتی رہی تو ایک وقت ایسا آجائے گا کہ سرکاری دفتر اور کارخانے خالی پڑے ہوں گے اور جنگلوں میں نوکریاں حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں کی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوں گی۔ اس سے تیسرا اور سب سے بڑا فائدہ پیر سائیں نے ہی بتایا تھا۔ بھرتی کے ذریعے اس مرتے ہوئے پیشے میں نیا خون آئے گا۔ پڑھے لکھے لڑکے ہتھیار اٹھائیں گے تو ان کے علم اور خیالات سے سب کو فائدہ ہوگا۔ وہ آسانی کے ساتھ نئے اور نازک ہتھیار چلا سکیں گے...."

"لیکن یہ نئے اور نازک ہتھیار کہاں سے آئیں گے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"پیر سائیں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہے۔ اس کے کشف اور کرامات کے ہم سب قائل ہوچکے ہیں۔ اس نے کئی بار ہم کو کسی خاص سمت میں سفر کرنے کی ہدایت کی اور وہاں ہمیں خفیہ ٹھکانوں پر اسلحہ اور گولا بارود کے ذخیرے ملے جو شاید ہمارے دشمنوں نے ہماری جڑوں پر وار کرنے کے لئے وہاں چھپائے ہوئے تھے۔ پچھلے دنوں پیر سائیں کے کشف پر سفر کرکے ہم نے راکٹوں اور راکٹ لانچروں کا ایک ذخیرہ حاصل کیا ہے جو پیر سائیں کی ہدایت پر سردار نے کئی گروہوں میں برابر سے بانٹ دیا ہے۔ یہ لانچر ہزاروں گز دور نشانوں پر ہلاکت اور بربادی پھیلا سکتے ہیں۔ اس کی دعائیں ہمارے شاملِ حال رہیں تو بہت جلد ہمارے پاس ایسا ان گنت اسلحہ آجائے گا کہ کوئی ہمارے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکے گا۔"

ملا سرکار نے ان کی عقلوں پر عقیدت کے دبیز پردے ڈال کر انہیں اندھا اور بہرا بنایا ہوا تھا۔ وہ خود ہی اسلحہ غاروں وغیرہ میں رکھوا کر کشف کا ڈھونگ رچاتا رہا ہوگا اور وہ انہیں جس ان گنت اسلحے کی امید دلا رہا تھا... اس کی اصلیت میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔ وہ شی سے اسلحہ حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کے ملک کے ایما پر آرنیٹ کا سفارتخانہ میدان عمل میں کود چکا تھا۔ ایک غیر ملکی طاقت جمی لائیڈ پر دباؤ ڈال رہی تھی۔ سیٹلائیٹ فون پر ویرا اور جمی لائیڈ کے مذاکرات کرائے جارہے تھے اور بات صرف اتنی تھی کہ سندھ کے ان جنگلات میں لاوا پوری طرح پک چکا تھا۔ افرادی قوت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔ روپوش افراد کے دلوں میں قانون اور اس سے وابستہ ہر نظام کے خلاف نفرت کے جذبات عروج پر پہنچے ہوئے تھے۔ کمی تھی تو صرف اسلحے اور بارود کی تھی۔ ہر خالی ہاتھ میں اسلحہ تھما کر کندھوں سے میگزین کے وزنی تھیلے لٹکا دیئے جاتے تو ان دشوار گزار جنگلات سے بارودی آتش و آہن کا ایسا ہولناک طوفان ابلتا کہ زندگی کو امان ملنا مشکل ہوجاتی۔

میرے لئے وہ مفروضہ بہت بھیانک اور کرب ناک تھا کہ محبت آمیز اجالے اور شفیق چہروں کی امید میں اپنے ہم نفسوں پر موت برسانے والے جب اپنی جھولیوں سے آخری گولی بھی چلا چکتے تو بے رحم زندگی کی وہ سنگین حقیقت، آہنی ہتھوڑے کی کسی ضرب کی طرح ان کی کھوپڑیوں کو ہلا کر رکھ دیتی کہ جو کچھ وہ سوچتے رہے، وہ محض ایک سراب اور خواب تھا۔ ان کی خون آشام یورش کی آڑ میں را اور اس کے بلیک کیٹ نامی گوریلوں نے ملا سرکار کی سرکردگی میں ہر طرف اپنے تیز اور خونیں پنجے گاڑ لئے تھے۔ عقل اور منطق یہ کہتی تھی کہ خدانخواستہ وہ ناپاک منصوبہ کامیاب ہو ہی جاتا تو سرحد پار سے آئے ہوئے بھیڑیا صفت

ں راہ سیدھی رکھنے کے لئے سب سے پہلے انہی مسلح
یاد و تاراج کرتے جو ملا سرکار کا آلۂ کار بنے ہوئے
یب ہر دو صورتوں میں نہ صرف اپنے دردناک انجام
تھے بلکہ اس کی جھلک بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر
ہوش میں لانے کی کوشش کرتا تو وہ اپنے سائیں
قدس کی پامالی کے جرم میں اسے ہلاک کر ڈالتے۔

سردار رجب علی کے تجربات سنا رہی تھی لیکن پورے
الائی سندھ کے جنگلات میں اکیلے رجب علی کا ہی راج
وہاں بڑے بڑے متعدد گروہ سرگرم تھے۔ ان سب پر ملا
مضبوط گرفت تھی وہ انہیں بھی اپنے نام نہاد کشف اور
سے مفلوج کرتا رہا ہوگا۔ وہ ایک بھیانک اور بہت بڑی
جس کے تانے بانے پوری احتیاط کے ساتھ بُنے گئے
کی روایتی توہم پرستی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ملا سرکار
منبر پر جا چڑھا تھا جہاں اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کا
زہ خیز ہو کر رہ گیا تھا۔

یہ ٹھکانوں سے ملنے والا اسلحہ تو مقامی یا زیادہ سے زیادہ
نت کا ہوتا ہوگا؟" مایوسی، ناامیدی اور اپنے غصے کو
ئے میں نے سرسری لہجے میں وہ اہم سوال کیا۔

کل نہیں!" رانی نے سختی سے میرے اس اندازے کی
ی "ہمیں ایک گولی بھی مقامی یا بھارتی ساخت کی نہیں
مغربی ساخت کا بہترین اسلحہ اور گولا بارود ہاتھ آیا

ی امیدوں پر اوس پڑگئی۔ اگر انہیں بھارتی ساخت کا
وتا تو میں ملّا سرکار کے خلاف دبے لفظوں میں اپنی کہانی
ر سکتا تھا مگر وہ مردود ایک گرگِ باراں دیدہ تھا۔ اپنے
کی ساری جزئیات اس کی نگاہ میں تھیں۔ وہ اپنی سازش
ب بنانے کے لئے بے دریغ پیسہ صرف کررہا تھا۔ اس
پ کے کمانڈو اپنے سربراہ کی ذات کو ہر قسم کے شبہے سے
ھنے کے لئے غیر ملکی ساخت کا بہترین اسلحہ ان مقامات پر
تے تھے جن کی نشاندہی ملّا سرکار اپنے نام نہاد کشف کے
سے کیا کرتا تھا۔ اس طرح نہ صرف پاکستان کے ایک
باہی و بربادی کے لئے جدید اسلحے کی چھوٹی چھوٹی کھیپیں
، نادان ترین دوستوں کے ہاتھوں میں پہنچتی رہتی تھیں
رکار کی ساکھ میں بھی اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

سائیں سرکار واقعی بہت عظیم آدمی ہے۔" میں نے دل
ں اس ملعون کو گالیاں دیتے ہوئے آہستگی سے کہا "مجھے
یہ تمام قصے آج تک معلوم نہیں تھے..."

بہت سے لوگ نہیں جانتے۔" اس نے میری بات کاٹ
لہجے میں کہا "شہرت اور بھیڑ بھاڑ سے پیر سائیں بہت
ہے۔ اس کے کمال سے بس وہی لوگ واقف ہوتے ہیں

جنہیں اس کی ذات سے فیض پہنچتا ہے۔"

"تم نے اپنی باتوں سے مجھے بہت متاثر کیا ہے اور میرے دل میں پیر سائیں کے دیدار کا شوق پیدا ہوگیا ہے۔" میں نے کسی سچے عقیدت مند کی طرح خود کو مرعوب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے نکل جانے کا حکم دے چکی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں پیر سائیں کی زیارت کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔" وہ پُرخیال لہجے میں بولی "ہوسکتا ہے کہ ان کی نظرِ کرم تمہاری کایا پلٹ کردے اور تم سچے دل سے ہمارے ساتھ ہوجاؤ۔ ہمیں دلیر اور فراخ دل لوگوں کی ہر وقت تلاش رہتی ہے۔ تمہاری یہ دونوں خوبیاں میں دیکھ چکی ہوں۔ رہا دل کا حال تو پیر سائیں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں رہتا۔ وہ ایک نظر میں دلوں کا حال پڑھ لیتا ہے۔"

رانی کے الفاظ سنتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ میں ان جنگلات میں ملا سرکار کا سامنا ہونے سے پہلے وہاں سے نکل کر بھاگنا چاہتا تھا اور مجھے خوشی تھی کہ رانی نے احسان مندی کے جذبے سے مغلوب ہو کر خود ہی مجھے وہاں سے فرار کرانے کی پیشکش بھی کردی تھی لیکن میرے ایک غیر محتاط فقرے نے پوری صورتِ حال بدل کر رکھ دی تھی۔

"پیر سائیں سے کب اور کہاں ملاقات ہوسکے گی؟" میں نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"اس کے آنے کا کوئی وقت اور مقام مقرر نہیں ہے۔ وہ حشرات الارض اور درندوں سے بھرے ہوئے ان جنگلات میں اپنے مریدوں کی خیر خبر لینے آتا رہتا ہے۔ وہ آج رات بھی آسکتا

ہے اور اس کی زیارت میں پندرہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔ جب تک وہ نہیں آجاتا تم اسی طرح ہمارے ساتھ رہو گے۔ میں تمہارے بارے میں اپنی زبان بند رکھوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس دوران میں کوئی شرارت نہیں کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ کہا، پھر چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا "لیکن میں نے تو سنا ہے کہ وہ مدت سے کوٹ مندو سے نہیں نکلا تھا بلکہ ہفتوں اپنے حجرے میں بند رہ کر بھوک اور پیاس کی حالت میں عبادت و ریاضت کیا کرتا تھا، پھر وہ تم لوگوں کے پاس کیسے آتا تھا؟"

"یہ اللہ لوگوں کی باتیں ہیں، ہم جیسے دنیا داروں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ایسے لوگوں کی روح کہاں ہوتی ہے اور جسم کہاں ہوتا ہے؟" وہ الو کی پٹھی ملا سرکار کی عقیدت میں بالکل ہی چوپٹ ہو کر رہ گئی تھی "کوٹ مندو والے کہتے ہیں کہ وہ حجرے میں ہوتا تھا تو وہ ضرور وہاں ہوتا ہو گا۔ ان جنگلوں میں میں خود اس سے مل چکی ہوں۔"

"سنا ہے کہ اب تو کوٹ مندو کے کچھ لوگ بھی اس سے بدظن ہو گئے ہیں۔"

"ان پر عتاب آئے گا۔" اس کے دل کی گہرائیوں سے پُر یقین آواز ابھری "پیر سائیں کے حجرے کی تباہی کے اگلے دن ہی فوج نے گاؤں خالی کرا کے وہاں قبضہ کرلیا تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ وہاں کیا ہوا تھا یا اب کیا ہو رہا ہے۔ پیر سائیں کو کوسنے والی وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن کے بیٹے اس واقعے میں مارے گئے لیکن تم دیکھ لو کہ وہاں پیر سائیں کا سراغ بھی نہیں مل سکا۔ وہ اپنی روحانی قوت سے صاف بچ کر کہیں نکل گیا۔"

اس خبیث کی نام نہاد روحانی قوت کے دو تین مظاہرے تو میں خود دیکھ چکا تھا۔ اس کے ستارے ہی یاور تھے جو میرے ہر وار سے بچتا چلا آرہا تھا اور آخر میں اوّل خان کے خونخوار کارندوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی جگہ۔ مجید ملک کی گردن ان کے ہاتھ میں تھما کر فرار ہو گیا تھا لیکن میں عقیدت زدہ رانی کو اپنے تجربات سنانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میری مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی زیادہ سے زیادہ کہانی سنی جائے۔

"سائیں سرکار کا ادھر آنا اپنی جگہ پر، لیکن کوئی حاجت مند اس سے ملنا چاہے تو کہاں جا کر مل سکتا ہے؟" میں نے چلتے چلتے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

گھور اندھیرے میں دیا سلائی کا تیز شعلہ بھڑکا تو اس کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ رانی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ نظریں چار ہوتے ہی اس نے بوکھلا کر اپنا منہ پھیرلیا۔ دیا سلائی پھینکتے ہوئے میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ رانی اپنی زبان سے جو دعوے چاہتی کرسکتی تھی لیکن اپنی اصل کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی تھی۔

"کوٹ مندو کا آستانہ دور دور سے آنے والوں کی امید کا مرکز تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی تباہی کے بعد پیر سائیں نے کوئی نیا ٹھکانا بنایا ہے یا نہیں۔ سردار رجب علی کو معلوم ہو تو دوسری بات ہے۔"

"مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ تم چھپ کر میرا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ تم اس وقت سارے کام بھول کر میرے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

"تم پر بھروسا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم موقع پا کر فرار ہو جاؤ۔"

"اس خطرناک جنگل میں کسی رہنما کے بغیر فرار ہونا موت کو دعوت دینے کے برابر ہو گا۔"

"جان کے خوف سے آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن اب تمہیں سمجھ گئی ہوں۔"

"میں بھاگ بھی جاتا تو تمہیں کیا فرق پڑتا تھا؟ تم تو خود مجھے یہاں سے بھگانا چاہتی ہو۔" میں نے اپنے لہجے میں ہلکا سا طنز پیدا کرتے ہوئے کہا "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم مجھے بھٹکنے اور بے بسی سے مر جانے سے بچانا چاہتی ہو۔"

"یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے عشق میں مبتلا ہو گئی ہوں۔" وہ چیخ کر بولی "تم راستہ بھولو یا گھر پہنچو، زندہ رہو یا مر جاؤ، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں کوچ کے دوران میں تمہیں فرار نہیں ہونے دینا چاہتی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے اس کے فقرے پر دھیان دیے بغیر پوچھا۔

"تم بھٹک کر پولیس والوں کے ہاتھ لگ سکتے ہو اور ایسی باتیں بتا سکتے ہو جس سے ہمیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پڑاؤ تک تم ہر وقت میری نظروں میں رہو گے۔"

"اب تو وہ بات ہی ختم ہو چکی ہے۔ تم نے مجھے سرکار کی زیارت کرانے تک اپنا مہمان رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔ آزادی کے ساتھ مفت کی روٹیاں ملتی رہیں تو مجھے ادھر سے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے اسے یاد دلایا۔

"یہ تمہارے دل کی بات ہو سکتی ہے مگر میں اپنے فرض سے غافل نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن ایک بات سن لو۔ آج بھی کئی آدمیوں نے میری طرف دیکھ کر حقارت سے درختوں میں تھوک کر پھینکا تھا۔ جب تک ممکن ہوا میں سب کچھ برداشت کرلوں گا لیکن میری کھوپڑی سنک گئی تو یہاں کسی بھی وقت خون ریزی ہو سکتی ہے۔" یاد آجانے پر میں نے اسے ان واقعات سے باخبر کرنا ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

خود پر قابو رکھو گے۔" اس نے سخت لہجے میں کہا "میں انہیں سمجھا دوں گی۔ پھر بھی تمہیں خیال رکھنا ہو گا کہ اس گروہ میں بھانت بھانت کے لوگ موجود ہیں۔ آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ ہمیشہ پرانے آدمیوں کے حق میں ہوتا ہے۔ تم الجھ بیٹھے تو کان پکڑ کر باہر نکال دیے جاؤ گے۔"

اس نے اپنی دانست میں مجھے ایک کڑی سزا سے آگاہ کیا تھا لیکن میرے لئے اس کا انکشاف کسی خوش خبری سے کم نہیں تھا۔ پہلے اس نے مجھے چلے جانے کے لئے کہا۔ پھر ملا سرکار کے آنے تک ٹھہرانے پر آمادہ ہو گئی۔ اس کی وہ خود رو پیش کش میرے لئے تشویش کا باعث بن گئی تھی لیکن اس کے تازہ انکشاف نے میری مشکل بالکل آسان کر دی تھی۔ میں وہاں سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتا، گروہ کے لوگوں سے دنگا کر کے اپنا مطلب حاصل کر سکتا تھا۔

گروہ کے داداگیروں سے میری چشمک کے بارے میں وہ سن چکی تھی اس لئے میں کسی بھی موقع پر جھگڑا کھڑا کرتا تو رانی کو اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہ ملتا اور میری وہاں سے گلو خلاصی ہو جاتی۔

فائرنگ کا شور رفتہ رفتہ دور ہوتا جا رہا تھا لیکن رات کے سناٹے میں وہ سب اتنا واضح تھا کہ توجہ کے تھوڑے سے ارتکاز سے ہر گولی کی آواز الگ سنی جا سکتی تھی۔ مجھے علم تھا کہ سردار رجب علی نے پولیس کو الجھانے کے لئے اپنے صرف تین آدمی چھوڑے تھے لیکن فضا میں جس طرح بیسیوں رائفلوں اور مشین گنوں کا شور گونج رہا تھا اس سے مقابلے کی شدت اور پولیس والوں کی کثرت کا اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا۔

تقریباً چالیس منٹ کی دھواں دار فائرنگ کے بعد اچانک ہی اس کا زور ٹوٹ گیا۔ چند ثانیوں تک اِکا دُکا فائر ہوئے اور پھر موت کا سناٹا چھا گیا۔

مقابلے کا آغاز قافلے کی رفتار پر اثر انداز ہوا تھا نہ فائرنگ کے دوران قافلے کے کسی حصے سے کسی ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ گاڑیوں کے انجنوں کے شور کے علاوہ پیدل چلنے والوں کے قدموں اور پہیوں میں روندے جانے والے خشک پتوں اور شاخوں کی چرچراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قافلے کا اگلے پڑاؤ سے پہلے رکنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔

اچانک ہمارے قریب ہی فضا میں ایک گھٹی گھٹی انسانی چیخ ابھری اور کسی وزنی شے کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ بدنصیب ضبط کرنے کے باوجود اپنی چیخ پر قابو نہ پا سکا ہو۔

رانی نے اپنی کمر سے کسی ہوئی پیٹی سے ٹارچ نکال کر آواز کی سمت روشنی کی۔

کئی لوگ چند آدمی اندھیرے میں کسی کے گرد جمع تھے۔ اچانک

ٹارچ کی روشنی کے ہالے میں مجھے ایک بہت لمبا ناگ نظر آیا جو دم کے بل کسی درخت کی اونچی شاخ سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس ناگ کا پھن زمین سے بمشکل پانچ چھ فٹ اوپر آتشیں زبانیں نگل اور اگل رہا تھا جس وقت اس پر روشنی پڑی تو وہ اپنے جسم کو لہرا کر فضا میں اسی طرف پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جدھر کچھ لوگ کسی کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے ہوئے تھے۔

ٹارچ کی روشنی لمحہ بھر کے لئے اس ناگ پر پڑی اور دوسری طرف مڑ گئی مگر میں اپنی اضطراری چیخ پر قابو نہ پا سکا۔

"سانپ!" میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنے والے انداز میں بے اختیار چیخ پڑا۔

ان لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ بیک وقت کئی آوازوں نے سانپ کے محلِ وقوع کے بارے میں پوچھا۔

میرے ایما پر رانی نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی تو سانپ کا پھن فضا میں جھولتا ہوا اوپر ہوتا جا رہا تھا۔ لمحہ بھر میں وہ ناگ گھنے درخت کے پتوں میں روپوش ہو گیا۔

زمین پر پڑا ہوا شخص بے ہوش ہو چکا تھا۔ وہ یقینی طور پر اسی زہریلے ناگ کا نشانہ بنا تھا۔ جس سے دوسرے لوگ بال بال بچے تھے۔ اس کا چہرہ نیلا پڑ رہا تھا۔ دہانے سے کف جاری تھا اور بدن پر تشنج کی کیفیت طاری تھی۔

"اسے سانپ نے ڈسا ہے۔ اٹھا کر لاریوں کی طرف لے جاؤ۔" رانی نے ان لوگوں کو حکم دیا۔

ایک شخص نے فوراً ہی اپنی چھپی ہوئی پگڑی کھول کر طول کی سمت میں دوہری کی اور تنگ زمین پر ڈال دی۔ پل بھر میں مارگزیدہ کو اس اسٹریچر پر منتقل کر دیا گیا۔ دو آدمیوں نے دوہری پگڑی کے سرے سمیٹ کر اپنی مٹھیوں میں تھامے اور تیزی کے ساتھ متحرک سرخ روشنیوں کی طرف دوڑ پڑے۔

"اس کا زندہ بچنا محال نظر آتا ہے۔" اپنی جگہ پر پہنچ کر میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"زندگی ہوئی تو بچ جائے گا۔ خمیسو سانپ کے کاٹے کے بہترین منتر جانتا ہے۔" رانی بولی۔

"زہر کا توڑ منتروں میں نہیں، اس کے تریاق یا دواؤں میں ہوتا ہے۔"

"وہ دیسی جڑی بوٹیوں اور انگریزی دواؤں سے ملا جلا کر بہت سی بیماریوں کا علاج بھی کر لیتا ہے۔ ہمارے بہت کم مریض علاج کے لئے جنگل سے باہر بھیجے جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کی گرفتاری کا ڈر رہتا ہے۔"

"پھر تو زیادہ تر مریضوں کی قبریں انہی جنگلات میں بنتی ہوں گی۔"

"تم کڑوی کسیلی باتیں نہ کیا کرو۔ ایسے حادثے روز روز نہیں ہوتے۔"

”حالانکہ یہ جنگلات موذی اور زہریلے حشرات الارض کے علاوہ جانوروں سے بھی بھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔“ میں نے کہا ”دن میں ہر وقت بھیڑیوں، گیدڑوں اور سؤروں کی آوازیں آتی رہی تھیں۔“

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن انسان کی بو پاکر یہ سب خود ہی دور بھاگتے ہیں۔ بچھو پیر پڑجائے یا بھیڑیا زخم سے بہنے والے خون کی بو سونگھ کر پیچھے لگ جائے تو اور بات ہے ورنہ ایسے واقعات کم ہی ہوتے ہیں۔“

تھوڑی دیر بعد درختوں کے گھنے پتوں کے درمیان سے کہیں کہیں نظر آنے والے سیاہ آسمان پر ملگجا سا اجالا، دھبوں کی صورت میں نظر آنے لگا جس کا مطلب تھا کہ رات ڈھل چکی تھی اور دن کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔

☆☆

اس نے پھر اپنا سر پیٹ کر عورتوں کی طرح بین لرنا شروع کردیا۔ رات بھر اور آدھے دن کے پیدل سفر کی صعوبتوں اور پھر پڑاؤ کے لئے جنگل کا وہ حصہ صاف کرنے کی مشقت سے تھکے ہوئے بہت سے لوگ تماشا دیکھنے کے لئے ان کے گرد آکھڑے ہوئے۔ کسی کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی، کسی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی اور کوئی کھل کر اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

اس کے رونے کا سبب کچھ ایسا ناقابلِ فہم نہیں تھا۔ سردار رجب علی کی رہنمائی میں وہ قافلہ دوپہر تک سفر کرتا رہا۔ اس دوران میں دریا تو کیا کوئی ندی تک عبور کرنے کی نوبت نہیں آئی اور پھر ایک جگہ گاڑیاں رک گئیں۔ جنگل میں دور دور تک پھیلے ہوئے لوگ گاڑیوں کے گرد جمع ہوگئے۔

جنگل کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں اس مقام پر درخت زیادہ گنجان نہیں تھے اور تھوڑی سی محنت کے بعد اسے پڑاؤ کے قابل بنایا جاسکتا تھا۔ سردار کے اشارے پر فوراً ہی وہاں پڑاؤ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

اسی کے ساتھ سردار رجب علی نے اپنے تین آدمیوں کو بلا کر وہ تین قیدی ان کے حوالے کردیئے جن کے تاوان کی وصولی کی خبر آچکی تھی۔ سردار کی دانست میں پولیس سے مقابلہ ہونے کا خطرہ سر سے ٹل چکا تھا۔ اس لئے ان تینوں کو پہلی فرصت میں کسی محفوظ مقام تک پہنچانا اس کا فرض بن چکا تھا۔ اس وقت پانچوں قیدی ہتھکڑیوں سے آزاد تھے۔

”سڑک کا راستہ بتا کر انہیں دور ہی چھوڑ دینا۔“ سردار نے تینوں خوش نصیب یرغمالیوں سے باری باری مصافحہ کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی ”سڑک سے انہیں کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔“

ان تینوں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر انہیں جیپ میں سوار کرایا گیا۔ سردار کے آدمی بھاری خودکار اسلحہ سے لیس ہوکر کے ہمراہ تھے۔ جونہی جیپ کا انجن غرا کر بیدار ہوا۔ سیٹھ دیال نے سیٹی کی سی آواز نکال کر یوں رونا شروع کردیا جیسے میں اس کی بیٹیاں اپنی سسرال کو رخصت ہورہی ہوں۔

جیپ کے روانہ ہونے کے بعد سردار رجب علی اپنے خیم طرف چلا گیا اور سیٹھ رام دیال کے گرد تماشائیوں کی بھی لگی۔ دوسرا آدمی جس کا نام اکبر تھا... کھوئے کھوئے اندا خاموش اور گم صم بیٹھا ہوا تھا۔

”سیٹھ تیری مٹکی میں مٹکا۔“ اچانک کسی زندہ دل تما نے ہانک لگائی۔

ان الفاظ میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ رام دیال اپنا رونا بھول کر اچھل کر زمین سے اٹھ گیا اور کسی دیوانے کی طر تحاشا گالیاں بکنے لگا۔ سب لوگ اس تماشے سے محظوظ ہو ر رہے تھے۔

”مٹکا!“ اس کے جنونی ردِعمل کو مزید ہوا دینے کے ایک شخص نے کہا۔ اس بار رام دیال نے اسے دیکھ کر غضبناک انداز میں اس کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ بالکل غیر اس لئے کسی نے بھی اسے پکڑنے یا روکنے کی کوشش نہ بلکہ سب ہی اسے راستہ دے رہے تھے۔

رام دیال نے ایک مختصر اور بھونڈی سی چھلانگ لگا اس شخص پر ٹوٹ پڑا جس نے مٹکا کہا تھا۔ رام دیال کے شا کندھے سے رائفل جھول رہی تھی جو اس کے ڈھیر ہو شانے سے نکل گئی اور وہ دونوں زمین پر بری طرح گتھ گئے۔

”تیری ماں کا مٹکا۔“ رام دیال بری طرح ہانپتا ہوا غ ”تجھے کس نے بتایا۔ آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ مفت کا مال نہیں ہے۔ میں نے زندگی بھر پیٹ کاٹ کر کیا ہے۔“

وہ شخص ہنسی مذاق کے موڈ میں تھا۔ اس لئے رام د آسانی کے ساتھ اسے گرا کر اس کے دو چار گھے بھی کردیئے تھے۔ جس پر مجمعے میں شور ہوگیا۔ پٹنے والے اپنے ساتھیوں کا شور توہین آمیز تھا اس لئے اسے جوش اگلے ہی لمحے وہ رام دیال کو زمین پر گرا کر اس کے سینے بیٹھا۔ اس تندرست و توانا شخص کے پہلے ہی گھونسے دیال کے اوسان خطا کردیئے اور اس کا غصہ جھاگ کی ط گیا۔ اس گھونسے سے اس کے چہرے کی جلد پھٹ گئی خون بہنے لگا۔

رام دیال کا خون دیکھتے ہی اس کشتی میں مست تماش ہوش آگیا اور بیک وقت کئی آدمیوں نے ان دونوں دوسرے سے الگ کرادیا۔

لوگوں کی سرگوشیوں سے مجھے اندازہ ہوا کہ سردار ر

نب سے گروہ کے تمام ارکان کو یرغمالیوں پر غیر ضروری تشدد نے کی سخت ممانعت تھی۔ وہ سب ہی اس بارے میں فکرمند نے لگے تھے کہ سردار کو رام دیال کا خون بہنے کا کیا جواز بتا طمئن کیا جاسکے گا۔

وہاں اس قدر شوروغل ہوا تھا کہ سردار بھی اس ہنگامے تعلق نہ رہ سکا۔ وہ دوبارہ وہاں آیا تو بھیڑ کائی کی طرح چھٹ تھی۔ رام دیال کو مارنے والے کے علاوہ چند ہی آدمی باقی رہ تھے جن میں 'میں' بھی شامل تھا۔

”اسے کس نے زخمی کیا ہے؟“ رام دیال کے چہرے پر خون ر سردار دور ہی سے چنگھاڑا تھا۔

مجرم سر جھکا کر سردار کی طرف بڑھ گیا ”پہلے اس نے مجھ پر لیا تھا۔“

”لیکن کیوں؟“ سردار زمین پر پیر پٹخ کر غصیلے لہجے میں ا۔

”تیرے سب آدمی حرامی ہیں۔“ رام دیال رندھی ہوئی زمیں بولا ”میں دیکھتا ہوں کہ کون مٹکا لے لگا۔“

”مٹکا؟“ سردار رجب علی اپنے آدمی کو بھول کر حیرت سے کی طرف گھوم گیا۔

”ہاں ہاں مٹکا۔“ رام دیال کسی ضدی بچے کی طرح بولا ”وہ کے باپ کا نہیں ہے۔ تمہیں پتا چل بھی گیا ہے تو تم اسے نہیں لگا سکو گے۔ اس کے منہ پر رامائن بندھی ہوئی ہے۔ نے میرے مٹکے کو ہاتھ لگایا، وہ کھڑے کھڑے جل کر بھسم ہو جائے گا۔ برہمن ذات کے منہ آنے والے کبھی سکھی نہیں ہے۔“

میں رام دیال کو ترحم آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ مسلسل لت، فکر اور بے آرامی نے آخر کار اس کے دماغ کی چولیں ڈالی تھیں اور وہ مذاق میں کہی ہوئی ایک بات پر بھڑک کر وہ ہ کہنے لگا تھا جسے اپنی قید کی ابتدا سے وہ اپنے سینے میں چھپائے ئے تھا۔ وہ پیسے کا پجاری تھا۔ اپنی رہائی کے عوض بیس لاکھ کا ان دینے پر آمادہ تھا لیکن سردار رجب علی کا چالیس لاکھ کا البہ پورا کرنے پر قطعی آمادہ نہیں تھا۔

رام دیال کا اصرار تھا کہ اس کی کل پونجی چالیس لاکھ تھی۔ ل میں سے نصف وہ سردار کو دے سکتا تھا لیکن سردار کے ہوں کی دی ہوئی اطلاعات کے مطابق رام دیال ساٹھ لاکھ کی سامی تھا اور سردار اس کا دو تہائی نوچ لینا چاہتا تھا۔

سردار رجب علی بہت گھاگ آدمی تھا۔ میری طرح فوراً ہی ت کا رخ بھانپ گیا۔

”راموسائیں!“ اس نے رام دیال کو مخاطب کیا ”ہم خانہ وش لوگ ہیں۔ زیادہ دن تک تمہاری مہمان داری نہیں کرسکتے۔ آج کا دن گیا تو سمجھو کہ کل تمہارا آخری دن ہوگا۔ مال نہیں ملا تو تمہاری لاش دریا میں ہوگی۔ لیکن رجب علی نے بیسیوں خون کرنے کے باوجود آج تک کسی یرغمالی کی نکسیر بھی نہیں پھوڑی ہے۔ تمہارے جیسے لالچی آدمی کو مارتے ہوئے مجھ دکھ ہوتا کہ میں ایک یرغمالی کو مار رہا ہوں۔ اسی لئے میں نے.....“ بولتے بولتے وہ خاموش ہوکر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور پھر بات کا سلسلہ جوڑتا ہوا بولا ”ہاں سائیں، میں نے اپنے دو آدمی سکھر بھیجے تھے جو مٹکے کی خبر لائے ہیں۔“

سردار کے الفاظ سن کر رام دیال کو زخمی کرنے والے کے پژمردہ چہرے پر رونق کی لہر دوڑ گئی۔ رام دیال کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔ لمحہ بھر کے لئے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس سینے میں رکنے لگا ہو۔ پھر وہ دمے کے کسی پرانے مریض کی طرح اپنا سر اوپر نیچے ہلاتا ہوا بمشکل بولا ”پھر گھر کے کسی بھیدی نے لنکا ڈھایا ہے۔ ارے رام! میری چوکی کے نیچے گڑے ہوئے مٹکے کی خبر تو میری پتنی کو بھی نہیں ہے۔ میں لٹ گیا، برباد ہوگیا۔“

سردار رجب علی کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے رام دیال کو زخمی کرنے والے کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھا کیونکہ اسی کی ہنگامہ آرائی کے طفیل وہ رام دیال تک آیا تھا۔

”لٹے نہیں تو اب لٹ جاؤ گے راموسائیں۔“ سردار نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”تت.... تم مجھ سے بے ایمانی نہیں کرسکتے۔“ رام دیال پھٹی پھٹی آنکھوں سے سردار کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ”مٹکے میں ستر لاکھ سے اوپر رقم ہے۔ چالیس لے کر میرے تیس لاکھ واپس کردو۔“

اپنے شکار کی ذہنی حالت پر سردار نے ایک گرجدار قہقہہ لگایا اور بولا ”نہیں راموسائیں، اندر کا مال تو پورا میرا ہے۔ وہ میری حق حلال کی کمائی ہے۔ اب تو باہر کے چالیس لاکھ کی بات کرو جس میں سے بیس لاکھ تم مجھے دینے کو تیار تھے۔ تم تو میرے اندازے سے بھی تگڑی اسامی نکلے ہو۔“

رام دیال پر ایک مرتبہ پھر دورہ سا پڑ گیا۔ اس کے دہانے سے جھاگ اڑ رہے تھے اور وہ پورے جہان کو ننگی گالیوں سے نواز رہا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں چیخ چیخ کر بے حال ہوگیا۔ اس دوران میں سردار دور کھڑا دلچسپی کے ساتھ اس کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی کیفیت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

”ستر اور چالیس ہوئے ایک کروڑ دس لاکھ۔“ اس گنتی کا ذکر کرتے ہوئے سردار اپنی خوشی پوشیدہ نہ رکھ سکا ”اس میں پورے ایک کروڑ میرے ہیں۔ دس لاکھ تمہارے۔ تم تو میرے لئے سونے کی کان نکلے ہو۔ راموسائیں!“

”دیکھ رجب علی! تو زبان کا پکا ہے۔“ تھک ہار کر رام دیال خوشامد پر اتر آیا۔ اس نے سردار کا نام کچھ ایسی فطری بے تکلفی

سے لیا تھا کہ مجھے شبہ سا ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے پرانے شناسا بھی ہیں۔

"تو نے میری رہائی کے چالیس لاکھ مانگے تھے۔ اب میرے مٹکے کی دولت دیکھ کر اپنی زبان سے نہ پھر۔ میں خود گن کر تجھے پورے چالیس لاکھ دوں گا...."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی رجب علی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا "کیسا مٹکا اور کہاں کی دولت؟ یہ سب تو نے ابھی بتایا ہے۔ رامو سائیں اب میں تیرے وارثوں کو تیری طرف سے پیغام بھیجوں گا کہ وہ تیری چوکی اکھاڑ کر زمین میں سے مٹکا خالی کریں اور باہر کی رقم سے ملا کر ایک کروڑ مجھے دے دیں...."

رام دیال کی طرح رجب علی کی بات بھی ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ رام دیال کھڑے کھڑے تیورا کر زمین پر ڈھیر ہوگیا تھا۔

چند ثانیوں تک کسی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ میں خود بھی اسے رام دیال کی مکاری سمجھ رہا تھا لیکن وہ زمین پر جس بے طرح گرا تھا' اسی طرح پڑا رہا۔ اس کے جسم میں ذرا بھی جنبش نہیں تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں دور سے پتھرائی ہوئی لگنے لگی تھیں۔ گردن جس بے ڈھب طریقے سے مڑی تھی۔ اسی طرح مڑی رہ گئی تھی۔

میری ہی طرح شاید دوسروں نے بھی صورت حال کا صحیح ادراک کرلیا تھا لیکن اس وقت سردار خود رام دیال کے مقابلے پر اترا ہوا تھا اس لئے اس کے اشارے کے بغیر کوئی رام دیال کو دیکھنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

"بڑا سائیں!" سردار کے پیچھے کھڑا ہوا خمیسو دونوں ہاتھ باندھ کر خوشامدانہ آواز میں منمنایا۔ یہ مجھے پہلے ہی معلوم ہوچکا تھا کہ خود کو چھوٹا سائیں کہلوانے کے شوق میں وہ خود سردار کو بڑا سائیں کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" سردار کا چہرہ سُت گیا تھا اور آواز بالکل سپاٹ ہوگئی تھی۔

"پلھی مرگیا' بڑا سائیں!" خمیسو نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"اسے دیکھو' اس کے منہ میں مُنہ ڈال کر سانس دو' دل مسلو۔" رام دیال کے گرتے ہی رجب علی کے لب و لہجہ میں غمناک ٹھہراؤ پیدا ہوگیا تھا "شاید اس میں ابھی جان باقی ہو۔"

سب لوگوں کے لئے وہ اشارہ کافی تھا۔ ہر ایک ہی رام دیال کو الٹ پلٹ کر زندہ کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ خمیسو اس کے بے جان دہانے سے ہونٹ ملا کر اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے اسے سانس دلانے کی کوشش کررہا تھا اور رجب علی اپنی جگہ پر کھڑا ہوا متاسفانہ انداز میں بار بار پیر زمین پر پٹخ رہا تھا۔

شاید اسے افسوس ہورہا تھا کہ اس نے رام دیال کے سامنے آخری فقرے کیوں ادا کئے تھے۔ اپنا مقصد تو وہ انکشافات سے پہلے ہی حاصل کرچکا تھا۔

سب سے پہلے خمیسو نے حوصلہ چھوڑا "بے کار ہے بڑا سائیں' یہ مرچکا ہے۔"

اس کے اعلان کے ساتھ ہی بقیہ لوگ رام دیال کے ہاتھ پیر سیدھے کرتے ہوئے الگ ہوگئے۔ خمیسو نے اپنی ہتھیلیوں کے بوجھ سے اس کی حلقوں سے باہر ابلتی ہوئی پتلیوں پر پپوٹے جھکا دیئے۔ رجب علی کسی سے کچھ کہے بغیر دل گرفتہ انداز میں اپنے خیمے کی طرف واپس چل دیا۔

وہ لوگ دن رات آتش و بارود کے سائے میں رہتے تھے۔ ان کے ہاتھ ان گنت انسانوں کے خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ سفاکی اور بے رحمی ان کے یہاں مردانہ اوصاف میں شمار کی جاتی تھی۔ پھر رام دیال کو ان میں سے کسی نے قتل نہیں کیا تھا۔ اس بدنصیب نے ہر بری خبر سن کر سہہ لی تھی لیکن اس کا دل یہ خبر نہ سہہ سکا کہ اس نے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے' سردار کو اس کی دولت کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ اس نے اپنی زبان سے مٹکے کا راز فاش کرکے مایا دیوی کے چھن جانے کا بندوبست کیا تھا۔ اپنی حماقت کی وجہ سے خطیر دولت سے محرومی کا صدمہ اس کا دلِ ناتواں نہ جھیل سکا اور اس کی روح اچانک ہی قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اس موت کا بار ان میں سے کسی کی گردن پر نہیں تھا۔

ان حالات میں ان سب کا اور خاص طور پر رجب علی کا سوگوارانہ ردِعمل میرے لئے ناقابلِ فہم تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ ان لوگوں کے لئے اپنی تحویل میں کسی یرغمالی کا مرجانا کوئی برا شگون تھا یا سردار رجب علی اپنی کسی پرانی آشنائی کی وجہ سے رام دیال کو خاص طور پر زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔

خمیسو جیسے نیم حکیم نے رات کے مارگزیدہ کو موت کے بے رحم جبڑوں سے کھینچ کر نکال لیا تھا لیکن رام دیال کو ان میں سے کوئی موت کے منہ میں جانے سے نہیں بچا سکا تھا۔ ان کی حالتوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ رامو سائیں مرتے مرتے بھی انہیں ان کی زندگی کی بدترین شکست سے دوچار کرگیا تھا۔

میرے لئے اس پوری بھیڑ میں کوئی اور دلچسپی موجود نہیں تھی۔ اس لئے میں سگریٹ سلگا کر وہیں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اردگرد کا ماحول انسان کے مزاج پر کتنی شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ پچھلی رات جب پوری گھن گرج کے ساتھ گولیاں چل رہی تھیں تو نہ جانے کتنے مائی کے لال ان کی زد میں آکر ہلاک اور زخمی ہوئے تھے لیکن سردار رجب علی کے گروہ کے کسی فرد پر اس فائرنگ کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا اس لئے ان کے درمیان رہ کر میں بھی فائرنگ سے لاتعلق رہا تھا لیکن اب رام دیال کی موت پر وہ سب اداس تھے تو ان کی اداسی مجھے بھی اپنے وجود میں اترتی محسوس ہورہی تھی۔ مذاق میں شروع ہونے والے اس تماشے کے شرمناک انجام نے میرے ذہن پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

رام دیال کے ورثا کی طرف سے تاوان کی رقم وصول نہیں ہوئی تھی اور وہ ان کی تحویل میں مرچکا تھا۔ رجب علی نے جاتے ہوئے اس برہمن کی لاش کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے خمیسو ہدایات لینے کے لئے سردار کے خیمے کی طرف چل دیا۔ باقی لوگ ٹکڑیوں کی صورت میں رام دیال کی بے نور لاش کے آس پاس جمع ہونے لگے۔

اسی وقت پانچواں یرغمالی اپنی جگہ سے اٹھا اور سہمی سہمی نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا دبے قدموں رام دیال کی لاش کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کردی۔

مرنے والا برہمن تھا' بڑھنے والا مسلمان تھا لیکن مجھے اندازہ تھا کہ اس پُرہول جنگل میں ان کے مصائب مشترک تھے۔

اکبر' رام دیال کی لاش کے سرہانے بہت اہتمام سے اکڑوں بیٹھا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ وہ ویسے بھی کم گو اور سب سے الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا اس لئے وہ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان زیرلب جو کچھ بڑبڑاتا رہا وہ میرے پلے نہیں پڑسکا۔

رانی نے وہاں آکر اسے رام دیال کی لاش کے سرہانے سے اٹھادیا۔

"اے تانی!" اس نے میری طرف دیکھ کر کڑکدار آواز میں کہا۔

میرا اور اس کا نام ہم قافیہ تھا۔ میری آدھی اداسی اس کی صورت دیکھ کر ہی دور ہوگئی تھی۔ اس کے اندازِ تکلم پر میرا دل چاہا کہ "ہاں رانی" کہہ کر جھومتا ہوا اس کی طرف چل دوں لیکن وہ ایسی کسی حرکت کا موقع نہیں تھا۔

"وہ سالا مستی خان کہاں ہے؟" میرے قریب پہنچ جانے پر رانی نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے پوچھا۔ سب لوگوں کے سامنے وہ مجھے بالکل ہی بدلی بدلی لگ رہی تھی۔

"کہیں پڑا اونگھ رہا ہوگا۔ کہو تو میں اسے ڈھونڈ لاؤں؟" میں نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"ہاں' جلدی بلاؤ اسے۔" رانی نے سختی سے کہا "تم دونوں کو یہ لاش ڈھونا ہے۔"

"یہاں اتنے لوگ کھڑے ہیں۔ ان میں سے کسی کو لے لو؟" میں نے اس کے قریب ہوکر آہستگی سے کہا تاکہ میری آواز کسی اور کے کانوں میں نہ پڑسکے۔

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی "جو کہا ہے وہ کرو۔"

میں خاموشی کے ساتھ اوّل خان کی تلاش میں چل پڑا۔ ان لوگوں میں رہ کر رانی کے حکم سے سرتابی کی کوئی بھی جرات ہمیں مہنگی پڑسکتی تھی۔

"چل بے نیرو!" میرے کانوں میں رانی کی آواز آئی "بڈ والی جیپ اِدھر لے آ" اپنے ماتحتوں سے وہ اکھڑ اور مردانہ لہجے میں بات کرنے کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ ان مغلوب الغضب' خون آشام اور بے جگر مردوں کی بھیڑ میں اپنا وجود برقرار رکھنے اور منوانے کے لئے اس نرم و نازک عورت کے پاس کوئی دوسرا چارۂ کار بھی نہیں تھا۔

اوّل خان ایک سایہ دار جگہ پر اپنے منہ پر کپڑا ڈالے واقعی بے خبر سو رہا تھا۔ میں دو مرتبہ اس کے قریب سے گزر گیا لیکن چہرہ ڈھکا ہوا ہونے کی وجہ سے اسے نہیں پہچان سکا۔ تیسری بار ایک شخص کی نشاندہی پر میں نے اس "نئے آدمی" کو بیدار کیا اور اپنے ساتھ لے کر واپس پہنچا تو وہاں میدان صاف ہوچکا تھا۔ جتنی دیر تک میں اوّل خان کو تلاش کرتا رہا اتنی دیر میں رام دیال کی لاش اٹھائی جاچکی تھی اور رانی بھی انتظار سے اکتا کر لوٹ گئی تھی۔

"تم دونوں کو اس نے چھوٹے سائیں کے پاس بلایا ہے۔" وہاں موجود ایک شخص نے نئے رانی کا پیغام دیا۔

خمیسو کی چھولداری شاید ہمیشہ سردار کے خیمے کے قریب ہی ایستادہ کی جاتی تھی۔ وہاں پہنچنے کے لئے میں سردار کے خیمے کے قریب سے گزرا تو اندر خلافِ معمول سناٹا طاری تھا۔

خمیسو اپنی چھولداری میں نہیں تھا۔ اس کے بستر پر رانی جوتوں سمیت دراز تھی اور دلکش لگ رہی تھی۔ اس کا اسلحہ قریب ہی رکھا ہوا تھا۔

"کہاں مرگئے تھے؟" میری صورت دیکھتے ہی وہ جھلا کر غصیلے لہجے میں بولی۔

"یہ منہ لپیٹ کر سو رہا تھا اس لئے اس کی تلاش میں دیر ہوگئی۔" میں نے تحمل سے کہا "لیکن تم نے تو ہمارے آنے کا انتظار کئے بغیر وہاں سے لاش اٹھوالی۔"

"بیٹھ جاؤ!" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اور مجھے بتاؤ کہ ہمارے بارے میں تم اب تک کیا سمجھے ہو؟"

ہم دونوں کینوس کی فولڈنگ بنچ پر بیٹھ گئے جو بستر کے مقابل رکھی ہوئی تھی۔

"جو کچھ سمجھتے ہیں وہ جلد ہی بھول جانا پڑتا ہے۔ کم از کم میں تو ابھی تک چکرایا ہوا ہوں۔" میں نے کہا۔

"جو کچھ دیکھ رہے ہو اس کا کوئی مطلب تو تمہاری سمجھ میں آیا ہوگا؟"

"آ ہی نہیں سکتا۔ کل کوچ کے وقت دولت پور کے

دریا عبور کرکے جوہی اور بھان کے قریب سے گزرنے کا ذکر ہوا تھا لیکن مجھے دریا تو کیا کوئی ندی بھی نظر نہیں آئی۔ ہم تو بس جنگلوں ہی میں چلتے رہے ہیں۔"

"وہ سردار کی چال تھی۔" رانی نے سنجیدگی سے کہا "سردار یرغمالیوں کو جلد از جلد رہا کرنا چاہتا تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ رہا ہونے کے بعد وہ زبان کھولیں گے نہ پولیس کو کوئی بیان دینے کی ہمت کرسکیں گے پھر بھی اپنی منزل کے بارے میں ہم انہیں اندھیرے میں رکھنا چاہتے تھے۔ ہم وہیں پڑاؤ کئے ہوئے ہیں جہاں ہمارا ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔"

"لیکن پولیس سے مقابلے کے لئے رکنے والے تینوں آدمی تو بھان اور جوہی کے درمیان بھٹک رہے ہوں گے۔" میں نے پُرتشویش ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ یہاں ہمارے ساتھ ہیں۔ انہیں اصل پروگرام معلوم تھا۔ سردار نے میدان میں جو کچھ کہا تھا وہ یرغمالیوں کو گمراہ کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اب تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا سمجھیں گے؟ سامنے کی اتنی سیدھی باتیں بھی تمہارے بتائے بغیر ہماری موٹی عقلوں میں نہیں آتیں تو اور کیا خاک سمجھ میں آئے گا؟"

"اس پڑاؤ کے بارے میں تم ہی نہیں، سب لوگ بے خبر تھے۔ سردار، اس کے پانچ نائبوں اور پیچھے رہ جانے والے تین آدمیوں کو اصل راستے اور منزل کا علم تھا۔"

"تم لوگوں کے ہاتھوں دسیوں، بیسیوں بلکہ شاید سیکڑوں لوگ مارے جاچکے ہوں گے اور تمہیں ذرا بھی ملال نہیں ہوا ہوگا مگر آج مایا کا ایک لوبھی، اپنی مایا لُٹ جانے کے صدمے سے پٹ سے مرگیا تو سب لوگ اس طرح اداس ہوگئے تھے جیسے انہوں نے آج سے پہلے چڑیا کے بچے کی موت بھی نہ دیکھی ہو۔"

"اس کی موت کا کسی کو غم نہیں ہوسکتا۔" رانی نے وثوق سے کہا "تم خود کہہ رہے ہو کہ وہ مایا کا لوبھی تھا۔ اول تو رام دیال ہماری قید میں مرنے والا پہلا یرغمالی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی دور کی ایک بھانجی سردار کی بیوی ہے..."

"سردار کی بیوی؟" اس انکشاف پر حیرت سے میرے دیدے پھیل گئے۔

"ہاں! لیکن شادی سے پہلے وہ مسلمان ہوگئی تھی۔ کافی عرصے کی ناراضی کے بعد سارے خاندان نے اس لڑکی سے دوبارہ ملنا جلنا شروع کردیا لیکن رام دیال اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا جب کہ سردار کی بیوی اپنے اس منحوس ماموں سے بہت محبت کرتی ہے۔ اسے پتا چلے گا کہ رام دیال اس کے شوہر کی قید میں مرا ہے تو اسے بہت صدمہ ہوگا۔"

"اگر وہ زندہ رہتا تو کیا سردار کی بیوی کو اس بات پر ملال نہ ہوتا کہ اس کے شوہر نے اس کے ماموں کو یرغمال بنا کر اس کی دولت ہتھیالی ہے؟" میں نے نیچی آواز میں سوال کیا۔ اس وقت رانی سے میری کچھ کچھ ذہنی ہم آہنگی ہوگئی تھی لیکن میں اپنی پُرپیچ باتوں پر دوسروں کے ردِعمل کے بارے میں خوش فہمی کا شکار نہیں تھا۔

"وہی نہیں، اس کے سارے رشتے دار خوش ہوتے۔ رام دیال کو اپنی دولت پر بہت گھمنڈ تھا۔ اپنے غریب رشتے داروں سے وہ بہت حقارت سے ملتا تھا۔"

"پھر تو سردار کی بیوی بھی کسی بڑے باپ کی بیٹی ہوگی۔ غریب ہوتی تو ماموں اسے منہ لگاتا اور نہ ہی اسے اپنے ماموں سے اس قدر محبت ہوتی۔" سردار کی نجی زندگی کے بارے میں ہونے والی وہ گفتگو میرے لئے بہت دلچسپ تھی۔

اسی وقت قریب ہی کسی جیپ کا طاقتور انجن بیدار ہوا اور پھر اس کی آواز بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ رانی نے رام دیال کی لاش لدوانے کے لئے ایک جیپ ہی طلب کی تھی اس لئے انجن کے شور کو یکسر نظرانداز کردینے ہی میں مجھے عافیت نظر آئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جیپ لاش لے کر ہی روانہ ہوئی تھی۔

"سردار کے سسر کی آج بھی دو فیکٹریاں دن رات چل رہی ہیں۔"

"ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کا داماد بہت بڑا ڈاکو بن چکا ہے؟"

"کسی کسی وقت تم بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہو۔" رانی میرے سوال پر ہنس پڑی "سردار رجب علی کے نام سے بچہ بچہ واقف ہے۔ اس نے جب شادی کی تو وہ اسی وقت بڑے ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہوچکا تھا۔"

"پھر ایسے گھر کی لڑکی نے اسے اپنے شوہر کے طور پر کیسے قبول کرلیا؟" میں حیران تھا "سردار ڈاکو بھی تھا اور لڑکی کا ہم مذہب نہیں بلکہ مسلمان تھا۔ سندھ میں تو ہندو ویسے بھی بڑی تعداد میں بستے ہیں اور بارسوخ ہیں۔"

"دلوں کے کھیل نیارے ہوتے ہیں۔ سردار اپنے سسر کے گھر میں ڈاکا ڈالنے کے لئے دن دہاڑے وہاں گھسا تھا۔ ایک پستول سے اس نے چوکیداروں، ملازموں اور سارے گھر والوں کو بے بس کرلیا تھا۔ سب کو ایک کمرے میں مقفل کرکے وہ اپنے سسر کی کھوپڑی سے پستول کی نال لگائے ایک کمرے میں گھسا تو وہاں وہ لڑکی بے خبر سو رہی تھی۔ سردار نے اسے دیکھا اور دل ہار گیا۔ باپ نے ڈاکو کے حکم پر اپنی بیٹی کو جگایا تو وہ سراسیمہ ہوگئی۔ اسے پریشان دیکھ کر سردار نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اس گھر سے ایک تنکا بھی لُوٹے بغیر، خالی ہاتھ واپس لوٹ گیا۔ اس لڑکی نے دنیا جہان کو لُوٹنے والے کا دل لوٹ کر اسے بے حال کردیا تھا۔ لڑکی کا احمق باپ بالکل نہیں سمجھ سکا کہ ڈاکو نے پورے گھر کو بے

لردینے کے باوجود وہاں ڈکیتی کیوں نہیں کی۔ چند روز بعد ربڑی کوششوں کے بعد ایک بازار میں لڑکی سے ملا تو اسے واکہ وہی فراق کی آگ میں نہیں جل رہا تھا بلکہ لڑکی بھی پہلی ات کے انوکھے لمحوں کو اپنی آنکھوں میں سجائے، اندر ہی سلگ رہی تھی۔ وہ بازار ہی سے سردار کے ساتھ ہولی اور وہ کے ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ شام کو سردار نے اپنے ایک ں کے ذریعے لڑکی کے باپ کو شادی کا پیغام بھیجا جس پر وہ غ پا ہوگیا۔ ایک مسلمان اور وہ بھی ڈاکو، اس کی لڑکی کا وار ہو۔ یہ اس کے لئے گالی تھی۔ لڑکی کا باپ دفتروں اور توں میں دھکے کھاتا رہا۔ اخبار والوں کو بھنک ملی تو چٹنی مل کی کے عشق کے افسانے جلی سرخیوں میں چھپنے لگے لیکن لڑکی نے بار اور خاندان کی پروا کئے بغیر، تیسرے دن مسلمان ہوکر ارسے شادی کرلی۔"

"تو کیا وہ سردار کے ساتھ نہیں رہتی؟" میں نے اپنے ذہن جنم لینے والے ایک خوفناک منصوبے کی روشنی میں، دھڑکتے ےدل کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"وہ سکھر میں رہتی ہے۔" وہ کھوئی ہوئی آواز میں بولی۔ سردار کے عشق کی کہانی سناتے ہوئے اسے اپنا بچھڑا ہوا ب جانو ماچھی یاد آگیا تھا۔

"سردار کو پکڑنے یا اس پر دباؤ ڈالنے کے لئے پولیس اسے نہیں کرتی؟"

"اول تو وہ بڑے خاندان کی بیٹی ہے۔ پھر انتظامیہ اچھی ح جانتی ہے کہ جس دن اسے چھیڑا گیا، سردار رجب علی ول سے نکل کر بستیوں اور شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادے ۔ سمجھنے کی ساری بات یہی ہے کہ پولیس غریب کی ماں، بہن، اور بیوی کی بے آبروئی تو کرسکتی ہے لیکن ڈاکو کی کسی عورت کو ی نگاہ سے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ ڈاکو اپنی عزت کی حرمت کے دشمن کے حلق میں ہاتھ ڈال کر آنتیں باہر نکال لیتے ہیں۔"

"رجب علی کے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا؟" میں نے چند ں کے سکوت کے بعد پوچھا۔

"وہ شوہر بن گیا ہے لیکن اس کا عہد ہے کہ جب تک تمام افی نہیں ملے گی، وہ باپ نہیں بنے گا ورنہ اس کے بچوں کو ڈاکو اولاد ہونے کے طعنے سننے پڑیں گے؟"

"اور اگر زندگی بھر اسے معافی نہ ملی تو وہ لاولد ہی مرجائے ؟"

"اس کا ارادہ یہی ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ کب تک اس گھڑی انتظار کرسکتا ہے۔"

"تم مجھے سوتے سے کیوں اٹھا لائے ہو؟" اچانک اول خان ے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ!" میں نے چونک کر کہا "تم کو رانی نے بلوایا تھا۔"

رانی انگڑائی لیتی ہوئی بستر سے اٹھ گئی "تم فضول باتیں بہت کرتے ہو۔ میں نے تمہیں وقت برباد کرنے کے لیے نہیں بلکہ کام کے لئے بلایا تھا۔"

"تم نے کام بتایا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نے ہمیں لاش ڈھونے کے لئے بلایا تھا۔ ہمارے آنے سے پہلے لاش جیپ میں لادلی گئی تھی اور ابھی چند منٹ پہلے وہ جیپ شاید چلی بھی گئی۔"

"ایمان داری، وفاداری اور رازداری۔" رانی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "سردار رجب علی کے یہ تین اصول ہیں جو بھی ان سے منہ موڑتا ہے وہ غدار کہلاتا ہے اور سردار اپنے غداروں کو کتے کی موت مارتا ہے۔"

"شاید تم ہمیں یہ سمجھانا چاہ رہی تھیں۔ یہ تو بہت بنیادی باتیں ہیں۔ میں سمجھ رہا تھا تم اس سے آگے کی باتیں پوچھ رہی ہو ان معاملات میں تم ہمیں ہر طرح قابل اعتماد پاؤ گی۔"

"تم دونوں تمیسو سے اپنی تنخواہ وصول کرلو۔ وہ اخراجات کے لئے کچھ فاضل رقم بھی دے گا...."

"لیکن کیوں؟" اول خان نے آنکھیں پھاڑ کر نیند بھگانے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا "کیا ہمیں نوکری سے نکالا جارہا ہے؟"

"نہیں!" رانی دانت پیس کر بولی "یہ سب کام کے سلسلے میں ہے۔ تمہیں رام دیال کی لاش سکھر پہنچانا ہوگی اور اسی لئے میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔"

"لیکن رام دیال کی لاش تو جیپ میں چلی گئی۔ کیا ہمیں اس کے پیچھے دوڑ لگانا ہوگی؟" اس بار احتجاج کرنے کی باری میری تھی۔

"جیپ میں سردار کا قاصد گیا ہے تاکہ رام دیال کی لاش پہنچنے سے پہلے اس کے گھر والوں سے تاوان کی رقم منافع سمیت وصول کی جاسکے۔ لاش والی جیپ تم خیرو کے ساتھ لے جاؤ گے۔ جنگلات سے باہر نکلنے تک تمہاری آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہیں گی تاکہ پکڑے جانے کی صورت میں تم کسی کی کوئی رہنمائی نہ کرسکو۔ جنگل سے نکلنے کے بعد خیرو تمہیں سفر کی سمت بتا کر اپنے ساتھی سمیت واپس جنگل میں آجائے گا اور تم دونوں جیپ میں لاش لے کر اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل پڑو گے۔ سڑک پر پہنچنے کے بعد تمہیں سکھر کا رخ کرنا ہوگا۔"

"تو کیا تم رام دیال کے گھر والوں سے اس کی لاش تک کا تاوان وصول کرنا چاہتی ہو؟"

"اسے ہم نے نہیں مارا، وہ اپنی قدرتی موت مرا ہے۔ اس کے گھرانے کے لئے دولت ایک عذاب بلکہ زہر بن گئی ہے۔ اس سے چھٹکارا دلا کر ہم رام دیال کی آنے والی نسلوں پر احسان کریں گے۔"

"اور اگر ہم قاصد سے پہلے سکھر پہنچ گئے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ ناممکن ہے۔ تمہاری اور اس کی روانگی میں ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہوگا۔ وہ ان علاقوں کا کیڑا ہے اس لئے کچے راستوں سے بہت آگے نکل جائے گا۔ تم کو سڑک پر ہی رہنا ہوگا ورنہ تم راستہ بھول جاؤ گے۔"

"راستے میں کسی نے روک لیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے بچاؤ کے لئے تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ رجب علی کے آدمی تمہیں شاہراہ سے اغوا کرکے لے گئے اور لاش سمیت جیپ حوالے کرکے تمہیں جنگل سے باہر ہانک دیا۔"

"سچ بول کر کیا ہم تینوں اصولوں کی پامالی کا ارتکاب نہیں کریں گے؟"

"ہرگز نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ رام دیال کو کس نے اٹھایا ہے۔ تم انہیں اس پڑاؤ تک نہیں لاسکو گے۔ اس لئے کسی اصول کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔ یہ سمجھو کہ جنگل سے نکلنے کے بعد تم آزاد اور خود مختار ہو جاؤ گے۔"

"ہمیں سکھر پہنچ کر کیا کرنا ہوگا؟" میں تیزی کے ساتھ اس مہم کی جزئیات پر غور کررہا تھا۔

"اس بارے میں تمہیں سردار خود بتائے گا۔" اس نے ایمانداری سے ہتھیار ڈال دیئے۔

"اور ہماری یہاں دوبارہ واپسی کیسے ہوگی؟" میرے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

"یہ بھی ٹیڑھا سوال ہے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے؟"

"اور اگر سڑک پر نکلتے ہی پولیس کی کسی گشتی پارٹی نے ہمیں روک لیا اور سکھر پولیس کو وائرلیس پر رام دیال کی موت اور لاش کی پراسرار برآمدگی کی خبر دے دی تو سردار کا قاصد سکھر پہنچتے ہی دھر لیا جائے گا۔ اس خطرے کا کیا توڑ سوچا ہے تم نے؟" تخریبی نکات پر میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔

"سچی بات ہے کہ میں نے اس نکتے پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔" میری چرب زبانی اسے مسلسل پسپائی پر مجبور کررہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم سردار سے ہماری ملاقات کا بندوبست کراؤ۔"

"ہاں! یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تم یہیں بیٹھو خمیسو آجائے تو اس سے پیسے لے لینا۔ میں سردار سے بات کرکے واپس آتی ہوں۔ اتنی دیر میں تم کچھ اور سوالات بھی سوچ لو۔ سردار جرح کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" وہ اپنا اسلحہ بدن پر سجانے لگی۔

وہ چلی گئی اور میں اوّل خان کو آنکھ مار کر خالی مُنہ چلانے میں مصروف ہوگیا۔

"ساری تقریر خود ہی کرنا تھی تو مجھے کاٹھ کے الو کی طرح کیوں لا بٹھایا؟" اول خان پر نیند کا چڑچڑاپن سوار تھا۔

"تم خود خاموش بیٹھے ہوئے ہو۔ میں نے تمہاری زبان بندی تو نہیں کی ہے۔"

"مجھے معاملات کے سر پیر کا ہی علم نہیں ہے تو میں کیا بکواس کروں؟"

"ساری بات تمہارے سامنے ہورہی ہے۔ میری اور تمہاری معلومات میں فقط ایک عدد لاش کا فرق تھا۔ جس سے میں نے تمہیں راستے ہی میں آگاہ کردیا تھا۔ ہمیں اسی کو ڈھونے کے لئے بلایا گیا تھا۔"

"مجھے قاصد والی جیپ کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں۔" وہ بری طرح الجھا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم یہاں بیٹھے بیٹھے دوبارہ سو گئے تھے ورنہ میں نے وہ آواز یہیں، تمہارے برابر میں بیٹھ کر سنی تھی۔ ذہن کو حاضر رکھنے سے بہت سی باتیں خود بخود سمجھ میں آنے لگتی ہیں۔"

"رجب علی کے عشق میں تمہیں یک بیک کیوں اتنی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی؟ زیادہ وقت تم نے اسی فضول فلمی کہانی پر ضائع کیا ہے۔ اگر رانی جھوٹ نہیں بول رہی تھی تو رجب علی کی بیوی بہت گھٹیا عورت ہے جس نے اپنی ہوس کی خاطر اپنے پورے خاندان کے نام کو بٹا لگادیا۔" اول خان پر اکتاہٹ بری طرح حملہ آور ہوئی تھی۔

"میں بلا وجہ اسے نہیں کرید رہا تھا۔ میرے منصوبے کو سنو گے تو اچھل پڑو گے۔"

باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ہم دونوں ہی خاموش ہوگئے۔

آنے والا خمیسو تھا۔ مجھے اس کی خوشامد پسندانہ طبیعت کا اندازہ ہوچکا تھا۔ اس لئے میں اول خان کو ٹھوکا مارتا ہوا احتراماً کھڑا ہوگیا۔ خمیسو نے ہماری اس حرکت پر خاصی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"چھوٹا سائیں۔ پیسے کے ساتھ کچھ دارو دارد بھی مل جائے گی؟" رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد اس سے پیشگی تنخواہ کے علاوہ ایک ہزار کی رقم وصول کرتے ہوئے میں نے کہا۔

پچھلے روز والے بلیک لیبل کے ادھے کے دو سو روپے میری تنخواہ میں سے پہلے ہی وضع کرچکا تھا۔ مزید دو سو روپے ادا کرکے وہ بخوشی اس لینڈ روور کی طرف چل دیا جس کے عقبی حصے میں اسلحے کی پیٹیاں اور شراب کے کریٹ لدے ہوئے تھے۔ اول خان کے نزدیک شراب نوشی بے ہودہ شغل تھا۔ اس لئے وہ چھونداری ہی میں بیٹھا رہا۔

"کل والی بوتل کہاں ہے؟ راستے میں خمیسو نے محبت آمیز لہجے میں دریافت کیا۔

"خالی بوتل رات ہی کو جنگل میں کہیں پھینک دی تھی۔" میں نے معذرت سے کہا۔

"ایک رات میں دو سو روپے خرچ کرو گے تو زندگی بھر مفلس رہو گے۔" اس نے ناصحانہ انداز میں کہا "پانچ ہزار تنخواہ والا چھ ہزار کی شراب پینے لگے تو چور اور بے ایمان ہوجاتا ہے۔ اتنی پیئے بغیر گزارہ نہیں ہوتا تو دیسی یا ریڈ لیبل پیا کرو۔ سردار چادر سے باہر پاؤں پھیلانے والوں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔"

"باہر تو دیسی بھی مشکل سے ملتی ہے۔ آج بلیک لیبل ہی پینے دو۔"

میں نے وہیں کھڑے کھڑے بوتل کھول کر نیٹ وسکی کے دو بڑے گھونٹ لئے۔ چھوٹا سائیں مجھے غور سے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کے ساتھ ہی ملامت کے آثار بھی تھے۔

اس کے خیمے میں رانی میرے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ اول خان باہر ہی ٹہل رہا تھا۔

سردار رجب علی چادر بدن پر ڈالے ہوئے اپنے فولڈنگ بیڈ/کاؤچ پر سیدھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ گمبھیر اور سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

"پہلی بات یہ یاد رکھنا کہ تمہیں مرنے والے کا نام پتا معلوم نہیں ہے۔ نہ اس کے بدن پر ایسی کوئی چیز ہے جس سے اس کی شناخت ہوسکے۔" ہمارے پہنچتے ہی سردار نے بلا تمہید کام کی بات شروع کردی۔ "یہ سب پولیس والوں کے لئے ہے۔ انہوں نے تمہیں راستے میں پکڑ لیا تو رات بھر کچھ بھی نہیں کریں گے۔ تمہیں حوالات میں ڈال کر آرام سے سو جائیں گے۔" اس نے اچانک ہی اپنے شناسا یا شاید تنخواہ دار پولیس والوں کے نام لے لے کر ایسی دیو پیکر گالیاں بکنا شروع کردیں جو اسی جیسے پُرشکوہ تن و توش والے کسی مہاڈکیت کی زبان پر سج سکتی تھیں۔

"یہ شطرنج کا کھیل ہے بیٹا!" اس نے دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد بزرگانہ لہجے میں بات دوبارہ شروع کی "دو کھلاڑی آمنے سامنے کھیلتے ہیں تو ایک دوسرے کا دماغ پڑھ کر کمزور چالیں بھی چلتے ہیں اور کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی پولیس والوں کی رگ رگ سے واقف ہوں اور وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے پاس وائرلیس، تیر، تفنگ، توپ، کچھ بھی ہو رات کو یہ زیادہ کام نہیں کرتے۔ جو کچھ ہوگا صبح ہوگا۔ جب تک وہ لاش کی شناخت کرائیں گے، میرا قاصد سکھر سے تاوان لے کر یہاں واپس پہنچ چکا ہوگا۔ یہ ہوا تمہارے پہلے سوال کا جواب۔ اگر پولیس کی پکڑ میں آئے بغیر تم سکھر پہنچنے میں کامیاب ہوجاؤ تو وہاں سیدھے رام دیال کے گھر چلے جانا۔ انہیں تم کوئی بھی کہانی سناسکتے ہو۔ وہ ڈرپوک لوگ ہیں، لاش لے کر تمہارے مُنہ نہیں لگیں گے۔ لاش تم پہنچاؤ یا تمہیں پکڑنے کے بعد پولیس پہنچائے، میرا مقصد حاصل ہوجائے گا۔ اس کے بعد جہاں تمہارا دل چاہے جاؤ اور عیش کرو لیکن سندھ سے باہر نہ جانا۔ میدان صاف دیکھ کر میرا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے مل لے گا۔ وہ کوئی وردی والا بھی ہوسکتا ہے۔ تم کو اس سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جو کچھ بتائے اس پر عمل کرکے تم میرے پاس لوٹ آؤ گے۔ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ جیپ کے کاغذ پکے ہیں۔ پولیس سے بچ گئے تو وہ تمہاری ہوگی۔ بس مالک کا نام اور پتا جعلی ہے۔"

"اتنے چکر کے بجائے کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ مُنہ اندھیرے کوئی آدمی لاش سمیت جیپ کو سڑک کے قریب چھوڑ دے۔ ہم میں سے کسی کو خطرے میں ڈالے بغیر لاش پولیس کے ذریعے اپنے وارثوں کو مل جائے گی۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"نہیں!" سردار کی آواز گونجی مگر اس میں خفگی کا کوئی شائبہ نہیں تھا "یہ بات تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔ رام دیال کی لاش لاوارث نہیں ملنا چاہئے۔ ہر صورت میں میرے آدمی اس کے ساتھ ہوں گے۔"

"ہم ڈرتے نہیں لیکن یہ بہت اہم اور بڑا کام معلوم ہوتا ہے جس کے لئے تم نے ہمیں یہاں آنے کی عزت بخشی۔" میں نے لحظہ بھر کی خاموشی کے بعد جھجکتے ہوئے کہا "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ یہ کام ہم جیسے نئے لوگوں کے بجائے پرانے اور تجربے کار ساتھیوں کے حوالے کیا جائے؟"

"تم بالکل نئے ہو۔ تمہارا کوئی پولیس ریکارڈ نہیں ہے۔ میرے پرانے آدمیوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں یا وہ اچھی طرح پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے جنگل چھوڑ کر کسی بھی بستی کا رخ کیا تو پکڑے جائیں گے۔ میں تم سمیت اپنا کوئی آدمی کھونا نہیں چاہتا۔ یہ اچھی بات کہ تم سوچتے ہو لیکن فی الحال میری سوچ تم پر بھاری ہے اس لئے وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ تم اس امتحان میں سُرخ رو رہے تو تمہیں ترقی دے دوں گا۔"

"بڑے سائیں کا اقبال بلند ہو۔ تمہارے بال بچے سدا سکھی رہیں۔ اب ہم اجازت چاہتے ہیں۔" میں نے اپنی کمر کو خم دے کر سردار کو نیم فرشی سلام کرتے ہوئے دانستہ بچوں والی دعا دی۔

"بچے!" سردار رجب علی نے اونچی پُرخیال آواز میں دہرایا "اس وقت میرے بچے تم لوگ ہو۔ اس روشن دن کا انتظار کرو جب پیر سائیں کی دعاؤں سے ہمیں ہمارے دوست عام معافی دیں گے اور ہم ہتھیار پھینک کر عزت سے اپنے گھروں کو لوٹ سکیں گے۔ رجب علی اسی وقت ہمکتے ہوئے بچوں کو اپنی گود میں کھلانے کی ہمت کرسکے گا۔ ڈاکو کی گود میں صرف ڈاکو پلتا ہے۔ مجھے حالات نے اس راستے پر دھکیل دیا لیکن میں اب [illegible]

ڈاکو بنانے کا تصور نہیں کرسکتا۔ میری اور تمہاری زندگیوں میں وہ روشن دن ضرور آئے گا اور بہت جلد آئے گا۔ جاؤ خدا تمہیں سلامتی دے۔"

ہم دونوں رانی کے ساتھ تیزی سے باہر نکل آئے "تم چاہو تو جا کر تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ!" رانی نے اول خان سے کہا۔ میری چھٹی حس نے فوراً ہی خطرے کا نعرہ بلند کیا لیکن اول خان اس کا مشورہ سنتے ہی کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح سر جھکا کر اس سمت میں چل دیا جدھر سے میں اسے اٹھا کر لایا تھا۔

"میں نے تم کو بتایا تھا کہ سردار کے بچے نہیں ہیں پھر تم نے اس کے سامنے بال بچوں کا ذکر کیوں کیا؟" رانی نے میرے ساتھ گاڑیوں کی طرف بڑھتے ہوئے برہمی کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے چھیڑ کر اس کا ردِعمل دیکھنا چاہ رہا تھا۔" میں نے سادگی سے اعتراف کرلیا۔

"تم نے دیکھا کہ بچوں کے ذکر پر وہ کتنا اداس ہوگیا تھا؟ تم ابھی نئے ہو اس لئے ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ تمہارے سر پر پیسہ حاصل کرنے کا بھوت سوار ہے۔ جب تم خوب دولت بٹور لو گے تو ان جنگلوں میں تمہیں ہر طرف مہیب محرومیاں اور تنہائیاں نظر آنے لگیں گی۔ برسہابرس سے یہی شب و روز گزار کر ہم تھک گئے ہیں۔ باہر سے ہم سب بہت مضبوط 'سفاک' ظالم اور بے خوف نظر آتے ہیں لیکن وہ سب ہماری ماضی کی پرچھائیاں ہیں جو ابھی تک ہمارا ساتھ دے رہی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اندر سے بہت بری طرح ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔"

وہ رام دیال کی لاش والی جیپ کے قریب پہنچ کر اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور کنجی اگنیشن میں لگالی۔ اس نے اپنے کندھے سے رائفل اتار کر اپنے داہنے پہلو میں کھڑی کرلی تھی۔ کارتوسوں کی پیٹی بدستور اس کے شانے پر موجود تھی۔ کمر سے لٹکے ہوئے چرمی ہولسٹر میں بھرا ہوا مشینی پستول موجود تھا۔

"کہاں جارہی ہو؟" میں نے اس کی تقلید کئے بغیر اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"آؤ' ابھی تھوڑی دیر میں واپس آتے ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی میرے فرشتے کوچ کرگئے۔ پتھر میں جونک لگنے کے وہ آثار میرے لئے حیران کن تھے۔ میں اسے شہ زور مَردوں سے گالیوں کے ساتھ تُو تڑاخ سے بات کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ عملاً وہ اپنے کیمپ کی ہوا بنی ہوئی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت تک اُس نے مجھ سے کوئی بدکلامی نہیں کی تھی۔ ... وہاں سے میری روانگی میں زیادہ وقت باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے میں بادلِ ناخواستہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اول خان کو خوبصورتی کے ساتھ ٹال کر وہ جس انداز میں جیپ میں روانہ ہورہی تھی اس سے مجھے دال میں کچھ کالا نظر آنے لگا تھا۔ میرے ذہن میں کچھ خدشات سر ابھار رہے تھے جن میں شبنم کی سی نزاکت بھی تھی اور آتشیں گولی کی کثافت بھی۔ میں نے اپنی سب مشین گن پائیدان میں رکھنے کے بجائے احتیاطاً گود میں رکھ لی اور اس کی مکھی دبا کر اسے مسلسل فائر پر ڈال دیا۔

جیپ ناہموار زمین پر جھٹکے لیتی ہوئی' درختوں کے درمیان اندر کی طرف بڑھنے لگی۔

جب تک جیپ چلتی رہی ہم دونوں ہی خاموش رہے۔ میں اپنے تفکرات میں الجھا ہوا تھا اور وہ شاید اپنے خیالات مجتمع کرنے میں مصروف تھی۔

پڑاؤ سے تقریباً نصف میل دور نکل آنے کے بعد رانی نے ایک صاف ستھرے مقام پر جیپ روک کر انجن بند کردیا۔

"رک کیوں گئیں؟ یہ مقام خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" میں نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا "یہاں قرب و جوار میں کوئی ندی یا چشمہ معلوم ہوتا ہے۔ جانور وہاں پانی پینے آتے ہوں گے۔ اس کھلی ہوئی جیپ میں بے خبری میں کوئی درندہ ہم پر حملہ آور بھی ہوسکتا ہے۔"

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میری بات سنتی رہی پھر شیریں لہجے میں بولی "انسانوں سے لڑتے لڑتے میں جانوروں سے بے خوف ہوگئی ہوں۔ ہاں تم سے ڈر لگتا ہے۔"

میں ایک گہرا سانس لے کر نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا "مجھ سے کیوں ڈر لگتا ہے؟"

"تم چبھتی ہوئی اور تیکھی باتیں کرتے ہو جو زندگی سے بہت قریب ہوتی ہیں۔"

"بہت سے لوگ مجھ سے اچھی اور میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ یہ تو اپنی اپنی پسند کی بات ہوتی ہے۔"

"میں جانو کی زندگی کے آخری لمحات کو زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گی...."

مجھے گمان ہوا کہ وہ اس واقعے کو دُہرا کر ایک مرتبہ پھر میری طبیعت بے مزہ کرے گی اس لئے میں نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا "ایسے کٹھن لمحات ہر جوڑے کی زندگی میں آ- ہیں۔ یہ شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ دو چاہنے والے ایک ساتھ زندگی کی قید و بند سے آزاد ہو جائیں۔ جانو ماچھی خوش نصیب تھا کہ تمہاری موت کا صدمہ جھیلنے سے بچ گیا۔ اسی طرح تم بھی خوش قسمت ہو کہ آخری وقت پر تمہیں اس کی خدمت کرنے کا موقع مل گیا۔ اصل بات یہ ہوتی ہے کہ ہم لوگ کسی واقعے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اب تو میرے دل و دماغ نے اس حقیقت کو قبول کرلیا ہے کہ وہ مجھ سے اتنی دور چلا گیا جہاں سے اس کی واپسی ناممکن ہے لیکن ان لمحات میں میں

ی ذات میں جو مردانہ بیگانگی دیکھی اس نے مجھے اُسی وقت یا تھا۔ قریب المرگ دشمن سے ایسا سلوک بڑے سے بڑا نہیں کرسکتا۔ پھر میں نے دوبارہ تم کو سردار کے خیمے میں تو اسی لمحے فیصلہ کیا کہ تم سے ہمیشہ انجان بنی رہوں گی لیکن ر گھنٹوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکا۔" اس کی شہادت کی غیر ارادی طور پر اسٹیئرنگ وھیل کو کھرچنے میں مصروف تھی۔

"لیکن پہلی بار تو تم مجھے دھمکیاں دینے کے لئے میرے پاس تھیں۔"

"وہ میرے اندر کا خوف تھا جو مجھے تم پر حاوی ہوجانے پر رہا تھا۔ تمہاری باتیں دلکش ہوتی ہیں۔ میں دوسروں کی ، تمہیں زیر کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔" میں ہولے سے ہنس دیا "تو کیا رف یہی بتانے کے لئے مجھے یہاں لائی ہو؟"

"تم نے کہا تھا نا کہ مرد سردار کھلونوں سے اپنا دل بہلاتے تو عورت سردار ہو کر کیا کرے گی؟ تمہاری اس بات نے مجھے ، سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ، میں دیکھتی ہوں تو سامنے تاحدِ نظر پھیلی ہوئی ایک تپتی ہوئی گزر نظر آتی ہے جس پر کسی سائے کے بغیر سفر کرنا مشکل ہی ، بلکہ ناممکن ہے۔"

"صرف باتیں کرنے اور عمل کی بھٹی سے گزرنے میں یہی ہوتا ہے۔"

"عورت جنگل میں ہو یا گھر میں' اگر وہ باعزت زندگی گزارنا تی ہے تو اسے مرد کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا مرد اسے کھلونا نہ سمجھے بلکہ ہر کٹھن گھڑی میں اس کا پشت پناہ بت ہو۔" اس کی آواز دھیمی اور خوابناک ہوگئی۔ مجھے اس کی ازاور شخصیت تک بدلی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

"مجھے خوشی ہے رانی کہ تم نے کوئی ٹھوکر کھائے بغیر یہ باتیں بھلی ہیں۔"

"تمہیں یاد ہے۔ تم نے کہا تھا کہ سردار رجب علی کے آدمی مجھے مرد کی نہیں بلکہ ایک غلام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے مجھ سے ڈرتے ہیں لیکن تم مجھ سے نہیں ڈرتے۔" اس کے ذہن میں گزرے ہوئے بھلے لمحات کی یادیں' آتش بازی کی بے ضرر چنگاریوں کی طرح پھیل رہی تھیں۔

"میں اب بھی اپنے اس بیان پر مضبوطی سے قائم ہوں۔ کسی کا لحاظ کرنا اور بات ہے لیکن اس سے ڈرنا بزدلی کی بات ہے۔ مرد کسی عورت سے کبھی خوفزدہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ اسے بہلا پھسلا کر رام کرنے کے ہر حربے سے لیس ہوتا ہے۔"

"مجھے دھول میں چلتا ہوا دیکھ کر تمہارا دل چاہا تھا کہ تم مجھے اپنے کندھوں پر اٹھالو۔" اس نے فرطِ جذبات سے بھاری ہوتی ہوئی آواز میں مجھے یاد دلایا۔

"تمہاری جگہ کوئی بھی شریف اور خوبرو عورت ہوتی تو میرا یہی دل چاہتا۔ تم سے تو میں صرف کہہ کر رہ گیا تھا... اسے شاید کچھ کہے سنے بغیر اپنے کندھوں پر اٹھالیتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے گوشوں میں ہلکی سی نمی جھلملا رہی تھی۔ تمتماہٹ سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ میں اندازہ نہیں کرسکا کہ وہ غصے کی سرخی تھی یا وہ ان نرم و نازک گوشوں پر بات کرتے ہوئے شرم و حیا سے سرخ ہوئی جارہی تھی۔

وہ چند ثانیوں تک پلکیں جھپکائے بغیر یونہی مجھے گھورتی رہی پھر اس نے غیر متوقع طور پر جھپٹ کر دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان تھام لیا اور مجھے پوری قوت سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں؟" اس بار اس کی آواز واضح طور پر رُندھی ہوئی تھی اور وہ میرے تجاہلِ عارفانہ پر غصے سے بپھری ہوئی معلوم ہورہی تھی "میں اتنی دیر سے بکے جارہی ہوں اور تمہارے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔"

"میں تمہاری ہر بات کا جواب دے تو رہا ہوں۔" میں نے اپنا گریبان چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بے بسی کے ساتھ کہا "تمہاری ہر بات پوری طرح میری سمجھ میں آرہی ہے۔"

"خاک سمجھ میں آرہی ہے۔" اس نے غصے میں ایک بار پھر میرے گریبان کو جھٹکا دیا "ویسے دنیا بھر کی باتیں بنالیتے ہو لیکن اس وقت تمہاری کھوپڑی پر برف جمی ہوئی محسوس ہورہی ہے۔ آخر تم سمجھتے کیوں نہیں؟ میں تم سے اپنی باتوں کا جواب چاہتی ہوں۔ جواب لئے بغیر تمہاری جان نہیں چھوڑوں گی۔"

"جواب تو میں نے ہر بات کا دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے اپنے پچھلے رویّے پر شرمندہ ہو۔ اگر تمہارا مطلب معافی سے ہے تو میں تم کو اپنے دل کی گہرائیوں سے معاف کرتا ہوں۔"

اس بار اُس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ گریبان کے سہارے مجھے اپنی طرف کھینچتے ہوئے سرگوشیانہ مگر تیز آواز میں غرائی "کان کھول کر سن لو کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ میں اکیلی زیادہ دور تک نہیں چل سکوں گی! اس بارے میں 'میں تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں۔"

مجھے بے اختیار جھرجھری سی آگئی۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے دو موتی گوشوں سے ڈھلک کر اس کے رخساروں پر آگئے تھے۔ اس کی آواز میں غصے اور بے بسی کا دلدوز امتزاج تھا۔ وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح میرا گریبان تھام کر میرے سینے پر سوار تھی اور شاید مجھ سے اسی لمحے جواب سننے کی منتظر تھی۔

"آرام سے بیٹھو" میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر

تھام کر اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا "اتنی دیر سے تم گول مول باتیں کر رہی تھیں۔ اب میری سمجھ میں آیا ہے کہ تم کیا چاہتی ہو۔ اپنی جگہ پر بیٹھو تاکہ میں کچھ سوچ سکوں۔"

اس نے مجھے گھورتے ہوئے میرا گریبان چھوڑا اور واپس ڈرائیونگ سیٹ پر جم گئی۔

"ڈاکوؤں کے کُٹم قبیلے میں چلتے چلتے لوٹ لینے یا لُٹ جانے کا بڑا رواج نظر آتا ہے۔" میں نے اپنے گریبان کے کھل جانے والے بٹن دوبارہ لگاتے ہوئے دھیمی آواز میں تبصرہ کیا "سردار رجب علی ڈاکا مارنے گیا اور پہلی ہی نظر میں دل لٹا کر خالی ہاتھ واپس لوٹ آیا اور اب تم ایک نئی خبر سنا رہی ہو۔ کیا میں یہ پوچھنے کی ہمت کر سکتا ہوں کہ یہ واقعہ کب رونما ہوا؟ یعنی تم نے مجھ کو کب سے پسند کرنا شروع کیا ہے؟"

"اب تم میرا مضحکہ اڑاؤ گے؟" وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ "میں نے کبھی تمہارے قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اپنی سخت گیری سے تمہیں گروہ کے دوسروں لوگوں کی سطح پر رکھنا چاہتی تھی لیکن تم ڈھٹائی کے ساتھ میرے سامنے ڈٹے رہے۔ میں تم سے بے پناہ نفرت کرنا چاہتی تھی کیونکہ تم جانو کے قاتل ہو لیکن میں کوشش کے باوجود اپنی اس نفرت کو برقرار نہیں رکھ سکی۔ تمہیں سکھر جانے کا حکم نہ ملا ہوتا تو میں آج بھی تم سے کوئی بات نہ کرتی۔ تمہاری اچانک روانگی کی خبر مجھے یہاں تک لائی ہے۔ ...تم پر میرا کوئی حق نہیں ہے مگر میں تمہاری زبان سے اپنی بات کا جواب سننا چاہتی ہوں۔"

"تم ایک حسین اور قابل پرستش عورت ہو رانی!" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا "میرا دل بھی تم سے باتیں کرنے کے لئے مچلتا رہتا ہے۔ تم نے اپنی ذات پر سختی اور تحکم کا خول نہ منڈھ لیا ہوتا تو شاید میں کوئی پیش قدمی بھی کر بیٹھا ہوتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میری سکھر روانگی کی اطلاع نے تم کو اپنے خول سے باہر آنے پر مجبور کر دیا۔"

اس کی نمناک آنکھیں یک بیک جگمگا اٹھیں اور اس نے نرمی سے اپنا سر میرے شانے سے ٹکا دیا۔

"دل کے معاملے عجیب اور انسان کی اپنی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔" میں نے اس کے نرم اور سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "نفرت اور چاہت کے جذبے دلوں کی گہرائیوں سے اٹھتے ہیں اور اتنی شدت سے اٹھتے ہیں کہ ہم ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مجھے تمہارے سائیں سرکار سے ملنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ اس کے ذکر میں میں نے صرف اس لئے دلچسپی لی تھی کہ اس بہانے مجھے چند روز تمہارے ساتھ رہنے کا موقع مل جائے گا۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" اس نے میرے شانے سے سر اٹھا کر مسرت سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اس وقت اُس کی کیفیت کسی ایسے بچے کی سی تھی جو اپنی پسند کے کھلونے کے لئے دیر تک رو رو کر نڈھال ہوتا رہا ہو اور پھر اچانک ہی وہ کھلونا مل جانے پر رونا دھونا بھول کر قلقاریاں مارتا ہوا کھلونے سے کھیلنے میں مصروف ہو گیا ہو۔

"میں جھوٹ بولتا ہی کب ہوں؟ تم نے خود وعدہ کیا تھا کہ جب تک مجھے سائیں سرکار سے نہیں ملوا دو گی، میری مہمان داری کرتی رہو گی لیکن اب خود ہی مجھے سکھر بھیج رہی ہو۔"

"رام دیال کو ہم میں سے کسی نے نہیں مارا۔ یہ کام تو ناگہانی آفت بن کر سامنے آیا ہے۔ سردار اپنی بیوی کی خوشنودی کے لئے تمہیں لاش کے ساتھ بھیج رہا ہے۔ وہ اسے جتانا چاہتا ہے کہ اس کے ماموں کی لاش ایک لمحے کے لئے بھی لاوارث نہیں چھوڑی گئی تھی۔ تم شہر جا رہے ہو۔ میں اپنے گاؤں اور جنگل سے کبھی کسی شہر میں نہیں گئی لیکن میں نے شہروں کی کہانیاں سنی ہیں۔ وہاں قدم قدم پر خوبصورت اور چالاک عورتیں، سیدھے سادے مردوں کو پھانسنے کے لئے موجود ہوتی ہیں۔ میں تم سے وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ تم ان سے دور رہو گے اور جلد از جلد میرے پاس لوٹ آؤ گے۔"

"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ میں شہر سے ہی اس بن میں آیا تھا۔" میں نے اس کے معصومانہ خوف پر ہنستے ہوئے کہا "سکھر تو خیر چھوٹا سا شہر ہے، میں تو بڑے شہروں میں عمر بھر جوتیاں چٹخاتا پھرا ہوں لیکن کہیں بھی کسی خوب صورت عورت نے میرا راستہ نہیں روکا۔ چھوٹے اور محروم ذہن کے لوگ اپنی تسکین کے لئے ایسے قصے تراشتے ہیں۔"

"ماضی کو بھول جاؤ۔ اس وقت تم مجھ سے نہیں ملے تھے لیکن اب تمہیں ہر لمحے یہ یاد رکھنا ہو گا کہ رانی ان جنگلوں میں تمہاری واپسی کی راہ تک رہی ہے۔"

"لیکن میری واپسی میرے بس سے باہر ہو گی۔ سردار کا حکم تم نے خود سنا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو، میں سردار کو راضی کر لوں گی۔ وہ بہت جلد تمہیں واپس بلا لے گا۔"

وہ جانو ماچھی کی موت کے بعد کرب اور تنہائی کے جس جہنم میں جل رہی تھی، اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ ویرانوں میں پلنے اور رہنے والی ایک وحشی ہرنی تھی اور میں شہر کے چڑیا گھر میں بندھا ہوا غزال۔ حالات کے طوفانی تھپیڑوں نے ہمیں دو بار ایک دوسرے کے سامنے ضرور لا پھینکا تھا لیکن سنگلاخ حقیقت یہ تھی کہ ہم دو متوازی راستوں کے مسافر تھے جو ابد تک بھی، کبھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے۔ پھر بھی وہ ایک عورت تھی۔ اگر میرے جھوٹے الفاظ اور کھوکھلے وعدوں سے اس کی ٹوٹی پھوٹی ہوئی ذات کو کوئی سہارا مل سکتا تھا تو مجھے

ے گریز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اسی لئے میں نے اس کے ...کے خلاف کوئی مزاحمت نہیں کی، اسے غزالہ کے بارے ...ھ نہیں بتایا تھا۔

اگر وہ اپنے دعووں میں سچی تھی اور اس کے دل میں محبت کی ...ہی چنگاری بھڑک اٹھی تھی تو وہ میرے وعدے کے پورا ...ے اور میری واپسی کی امید میں اپنی پہاڑ جیسی زندگی کے کئی ...بڑے آرام سے گزار سکتی تھی۔ ہجر و فراق کی اس تپتی ہوئی ...سے وہ ایک پختہ کار اور سمجھ دار عورت بن کر برآمد ہوتی۔ ...بعد جب میرے بارے میں اس کے سہانے سپنے بکھر جاتے ...بہتر طور پر اپنے اچھے مستقبل کے لئے کوئی فیصلہ کر سکتی تھی۔ ...مانا کہ وہ ایک نامی گرامی ڈاکو کی بیوی رہی تھی جس نے ...چی کے ایک حوالات سے غزالہ کو اغوا کر کے مجھے بدترین ...کرب اور اذیت سے دوچار کیا تھا مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی ...میں نے اس ڈاکو کو ہلاک کر کے رانی جیسی خوبرو اور بھرپور ...کو تنہائی کے ہولناک جہنم میں دھکیلا تھا اور اس کھاتے میں ...اس کا مقروض تھا۔

پڑاؤ والی سنگدل اور سخت گیر رانی اس وقت پگھل کر موم ہوئی تھی۔ محبت کے سرور آگیں خمار نے اسے چور چور کر کے ...دگی کی اس منزل پر پہنچا دیا تھا جہاں میں بڑی آسانی کے ساتھ ...کے پیکر سے طرب و نشاط کے چند لمحے کشید کر سکتا تھا لیکن ...وقت میرے اندر کا حیوان سویا ہوا تھا۔ ذہنی پورے ہوش و ...اس کے ساتھ بیدار تھا اس لئے ہم دیر تک جیپ سے اتر کر ...اں ٹہلتے اور باتیں کرتے رہے۔ وقت دھیمے دھیمے گزرتا رہا جس ...ہم دونوں میں سے کسی کو احساس نہ ہو سکا، پھر اچانک ہی مجھے ...اپسی کا خیال آیا۔ ہماری طویل غیر حاضری کی وجہ سے اگر پڑاؤ پر ...ماری ڈھونڈ پڑ جاتی تو بے رحم اور سازشی مردوں کے اس غول ...میں عجیب و غریب کہانیاں پھیل سکتی تھیں۔

جھٹپٹے کے وقت ہم پڑاؤ پر پہنچے تو وہاں سب کچھ نارمل تھا۔ پتا چلا کہ سردار نے ہماری روانگی کا پروگرام موخر کر دیا تھا۔ نئے پروگرام کے مطابق ہمیں اندھیرا پھیلنے پر وہاں سے روانہ ہونا تھا۔

اندھیرا پھیلنے میں زیادہ دیر باقی نہیں تھی۔ فضا میں کھانے کی اشتہا انگیز بو پھیلی ہوئی تھی۔ میں بھی لنگر سے اپنا کھانا لے کر اول خان کی تلاش میں چل دیا۔

ان گھنے جنگلات میں شام کا تصور بہت واضح نہیں تھا۔ دن ہوتا تھا یا پھر رات اپنے پر پھیلا دیتی تھی۔ سورج غروب ہوتے ہی وہاں اچانک اور اس قدر تیزی سے اندھیرا پھیلتا تھا کہ شام معدوم ہو کر رہ جاتی تھی۔ اندھیرے میں موٹے موٹے مچھروں کی یلغار اس قدر شدید ہوتی تھی کہ دس پانچ مچھر نگلے بغیر اندھیرے میں کھانا کھانا ممکن نہیں رہتا تھا۔

"تم یہاں واپسی کے بارے میں بہت فکر مند نظر آتے ہو۔" میری صورت دیکھتے ہی اول خان دھیمی آواز میں پھٹ پڑا۔ "پہلے رانی سے اور پھر سردار سے اس بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ...کان کھول کر سن لو میں کسی قیمت پر دوبارہ ادھر نہیں آؤں گا۔"

"اس نوکری کا بندوبست تم ہی نے کیا تھا۔" میں نے اسے چھیڑا "اور پھر تم تو خود کو نیم فوجی کہتے ہو۔ فوجیوں کو اپنی مہمات بلکہ مشقوں تک میں اس سے بدتر حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔"

"بھاڑ میں گئی نوکری اور ایسی کی تیسی میں گئی میری تربیت۔ تم مجھ سے زیادہ سخت جان ہو تو اکیلے ہی لوٹ آنا۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تمہاری رانی سے گاڑھی چھن رہی ہے۔ عقل پر کسی جوان اور خوبصورت عورت کا پردہ پڑ جائے تو سیانے سے سیانا آدمی بھی ایک بار جہنم میں کود ہی پڑتا ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ، وہ باتیں مجھ سے کرتی ہے لیکن اس کی نظر تم پر ہے۔ وہ تم سے شادی کے بارے میں بہت سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ وہ اس بارے میں سردار سے بھی بات کر چکی ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا لیکن اس کی آواز سے خوشگوار حیرت بھی نمایاں تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے مجھ سے میری بات کی مکرر تصدیق سننا چاہتا ہو۔

"اس سے شادی کر لو گے تو شاید سردار ڈاکوؤں کی اس آبادی میں اضافے کے لئے تمہیں کوئی چھوٹا موٹا خیمہ بھی دے دے گا۔ میں بھی کبھی کبھی وہاں آرام کر لیا کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا لیکن وہ میرا جوابی مذاق تاڑ گیا۔

"ایک بار یہاں سے نکل جاؤں تو پھر دیکھتا ہوں کہ کون ادھر لاتا ہے؟"

اندھیرا پھیلتے ہی ہم سردار کے خیمے پر پہنچ گئے۔ خیرو اور اس کا ساتھی اپنی سج دھج کے ساتھ دور ہی سے ڈاکو لگ رہے تھے۔ ان کے جسموں پر رائفلیں، کلاشنکوف، پستول اور کارتوسوں کی پیٹی، سب ہی چیزیں موجود تھیں۔ خمیسو، رانی اور چند افراد بھی وہاں جمع تھے۔ آخر سردار رجب علی نے اپنے خیمے سے باہر آ کر ہمیں الوداع کہا۔ خیرو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کیا۔ میں نے پسنجر سیٹ سنبھال لی۔ دوسرا آدمی اول خان کے ساتھ عقبی نشست پر بیٹھ گیا۔ جس کے پائیدان میں بدنصیب رام دیال کی لاش ٹھنسی ہوئی تھی۔

وہ ایک پُرخطر سفر تھا لیکن پڑاؤ سے جیپ روانہ ہوتے ہی مجھے بے نام سی خوشی کا احساس ہوا۔ رانی نے زور زور سے ہاتھ ہلا کر ہمیں الوداع کہا تھا۔ اس کے لئے میں اپنے دل کے کسی گوشے میں ہلکی سی کسک محسوس کر رہا تھا۔

کافی دیر تک ہم چاروں بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ زمین بہت زیادہ ناہموار تھی۔ درختوں کے درمیان آ گئے

لئے خیرو کو ہر چند گز کے بعد جیپ کو موڑنا پڑ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ سفر دو تین گھنٹے تک یونہی جاری رہا تو خیرو کے بازو شل ہو جائیں گے شاید اسی لئے دوسرا آدمی اس کے ساتھ تھا۔

"تم لوگ ہماری آنکھوں پر پٹیاں کب باندھو گے؟" آخر کار میں نے سگریٹ سلگا کر سکوت توڑا۔

"اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" خیرو نے بے پروائی سے کہا "رات کے اندھیرے میں سارے درخت اور راستے یکساں لگتے ہیں۔ تم چاہو بھی تو انہیں یاد نہیں کر سکتے۔"

"کیا سردار کو ہم پر اعتماد نہیں تھا جو ہمیں راستے سے بے خبر رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے؟"

"پولیس والوں کی مار کے سامنے بڑے بڑے سورماؤں کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا ہے۔" خیرو نے نرمی سے کہا "اگر تم پکڑے گئے تو مار پڑنے کے باوجود انہیں کچھ نہیں بتا سکو گے۔ راستہ دیکھ کر یاد کر لیتے تو ان لوگوں کی کچھ نہ کچھ رہنمائی کر سکتے تھے۔ یہ تم پر اعتماد کی بات نہیں ہے بلکہ سردار خود کو بچائے رکھنا چاہتا ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم کس کی لاش لے جارہے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"سردار کی بیوی کا رشتے کا ماموں ہے۔ اس سے زیادہ لالچی آدمی میں نے نہیں دیکھا۔"

"ہمارا یہ سفر اندازاً کتنی دیر جاری رہے گا؟" اس بار اوّل خان نے پوچھا تھا۔

"اگر راستہ نہ بھولے تو تین چار گھنٹے لگ جائیں گے۔" پیچھے والے کی آواز آئی۔

خیرو کا اندازہ تھا کہ پیدل چل کر جلد سڑک تک پہنچا جا سکتا تھا لیکن ان اطراف میں ندی، نالوں اور کھائیوں کی وجہ سے جیپ میں زیادہ لمبا راستہ اختیار کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر جا بجا رکاوٹوں کی وجہ سے جیپ کی رفتار بھی بہت سست تھی۔ خیرو تین چار گھنٹے کی بات کر رہا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ ہم پو پھٹنے سے پہلے بھی سڑک کے قریب پہنچ جاتے تو غنیمت ہوتا۔

پیچھے والے نے چرس سے بھری ہوئی سگریٹ سلگائی تو مجھے بے اختیار اپنی بوتل یاد آگئی۔

"نیٹ نہ لیا کرو، یہ دل کو جلاتی ہے۔" خیرو نے مجھے بوتل سے منہ لگا کر پیتے ہوئے دیکھ کر ہمدردانہ لہجے میں کہا "سالی خراب ہے لیکن اندر جا کر وہ مزہ دیتی ہے کہ اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں بھی برسوں سے پی رہا ہوں لیکن آج تک سوڈا یا پانی ملائے بغیر میں نے ایک گھونٹ بھی نہیں لیا۔"

ان دونوں سے وقفے وقفے سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ پیچھے والا چرس کی دوسری سگریٹ ختم کرنے کے بعد ترنگ میں آیا تو خاصا دلچسپ آدمی ثابت ہوا۔ بے ہودہ لطیفوں سے اس کا حافظہ مالا مال تھا۔ خوبی کی بات یہ تھی کہ خیرو بار بار وہ سب سننے کے باوجود اس کی باتوں سے اکتایا ہوا نہیں تھا۔

وہ لوگ ناخواندہ اور نیم خواندہ تھے۔ ان میں کچھ پڑھے لکھے لڑکے بھی تھے لیکن وہ اپنی روایتی بزدلی اور احساسِ جرم کی وجہ سے دبے دبے سے رہتے تھے اور سردار کے پورے گروہ کے ماحول پر ان ناخواندہ لوگوں کا رنگ حاوی تھا جو کثیر تعداد میں تھے لیکن میں نے یہ بات ... حیرت کے ساتھ نوٹ کی تھی کہ اپنی تہذیب، روایات اور معاشرت سے محبت کے باوجود ان لوگوں میں نسلی، علاقائی یا لسانی تعصب نام کو نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ رہی ہو کہ وہ لوگ کھلے جنگلات میں اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کے تحت آزادانہ زندگی گزارتے تھے اور انہیں کسی کی محکومی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ ملا سرکار اپنے زہرناک منصوبے کے تحت انہیں قوم پرستی اور منافرت کی راہ پر لے جارہا تھا لیکن اسے بھی یہ ہمت نہیں ہو سکی تھی کہ ان لوگوں کو زبان یا جغرافیے کے نام پر بھڑکاتا۔ اس کے مقاصد اس کے دل میں پوشیدہ تھے یا میں ان سے واقف تھا لیکن وہ جب بھی بات کرتا تھا، استحصال، ظلم، عدم مساوات اور ناانصافی کے خلاف کرتا تھا۔ وہ سب ایسے آفاقی کلمے تھے جن کی عظمت و صداقت سے کوئی ذی ہوش شخص انحراف نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لئے وہ سب اس کے پیروکار بنے ہوئے تھے۔

اپنی جداگانہ تشخیص اور دوسروں سے تعصب برتنے کا کرشمہ تحمل غالباً اس وقت بروئے کار آتا ہے جب لوگوں کے انبوہ خود کو کسی کا محکوم سمجھنے لگتے ہیں اور ہر سطح پر ہونے والے اجتماعی فیصلوں میں اپنی آواز کو ناموجود پاتے ہیں۔ اخوت اور ملنساری کے پُرسکون تالاب میں وہ انتشار تعصب کا پہلا پتھر ہوتا ہے اگر اس سے پیدا ہونے والی متلاطم لہروں پر اسی مرحلے پر قابو نہ پایا جائے تو پھر جن آنکھوں پر محرومی کے حوالے سے تعصب کی عینک چڑھ جاتی ہے، انہیں منصفانہ فیصلوں میں بھی اپنی حق تلفی اور دوسروں کی زیادتی کے پہلو نظر آنے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرتی شکست و ریخت کا سلسلہ چل پڑتا ہے۔

ہمیں کراچی سے آئے ہوئے تیسرا دن تھا لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے کوئی پہاڑ سی مدت ان جنگلوں میں گزاری ہو۔ واقعات اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہو رہے تھے اور ہم نے مختصر سے وقت میں اتنا کچھ جان لیا تھا کہ ان لوگوں کے درمیان گزرے ہوئے دو دن مدتوں پر بھاری محسوس ہو رہے تھے۔

دوسری طرف کراچی کے معاملات بھی میرے سر پر سوار تھے۔ مافیا کے سُپرڈان کی آمد منسوخ نہیں بلکہ ملتوی ہوئی تھی۔ کسی بھی وقت اس کا اگلا پیغام موصول ہو سکتا تھا۔ میں اس کی آمد سے قبل ہی سیٹھ حبیب جیوانی کی بیوی کا معاملہ نمٹانا چاہتا تھا ... جسے میں جہانگیر کی تحویل میں چھوڑ کر آیا تھا۔ اگر سپرڈان کی

آمد تک اسے رہا نہ کیا جاتا تو وہ معاملہ سُپرڈان کے علم میں آکر مافیا کی عزت کا سوال بن جاتا اور پاکستان میں دم توڑتی ہوئی مافیا ایک مرتبہ پھر جان پکڑ لیتی جب کہ میں سیٹھ حبیب جیوانی کو آہستہ آہستہ مفلوج کر کے ختم کرنا چاہ رہا تھا۔

اسی کے ساتھ ویرا کا معاملہ بھی تھا۔ ملا سرکار کو اسلحے کی فراہمی میں اس کی طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہونے پر آرنیٹ نے پُراسرار طریقے پر اسے اپنے کاؤنسلیٹ میں طلب کیا تھا جہاں ویرا کو سیٹلائٹ فون پر اپنے باپ، جمی لائیڈ کی جھاڑ سننا پڑی تھی۔ ویرا کے جسم سے الیکٹرانک سگنل نشر کرنے والا وہ طاقتور چپ نکال لیا گیا تھا جس کے سہارے آرنیٹ اس کی نقل و حرکت کو اپنے یونٹ پر مانیٹر کر سکتا تھا۔ سلطان شاہ نے اس چپ کو شمالی علاقے میں بھیج کر کسی بلند پرواز، آزاد پرندے کے پر میں بندھوانے کی ذمے داری بھی لے لی تھی لیکن مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ ویرا کی زیادہ فکر مجھے اس لئے بھی دامن گیر تھی کہ غزالہ اُس کے ساتھ تھی اور اگر ویرا پر کوئی برا وقت آتا تو غزالہ اس کے اثرات سے نہیں بچ سکتی تھی۔

تیسرا اور اہم ترین معاملہ بلیک کیٹ ٹی یا ملا سرکار کو تلاش کر کے جہنم واصل کرنے کا تھا۔ جس کے لئے ہم ان جنگلوں کی خاک چھان رہے تھے۔ ملا سرکار کی طرف سے میرے دل میں ایسی کدورت اور نفرت بیٹھ گئی تھی کہ اس تک رسائی کے لئے میں نے سردار رجب علی کی سکھر میں مقیم بیوی تک کو استعمال کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

"تم ہمیں کہاں چھوڑو گے؟" اول خان کی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

"ہم قاضی احمد اور نواب شاہ کے درمیان کہیں بھی نکل سکتے ہیں۔" خیرو نے جواب دیا۔

"لیکن نواب شاہ تو قومی شاہراہ پر نہیں پڑتا۔" میں نے ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک بار کوئی سڑک مل جائے تو قومی شاہراہ تم خود ڈھونڈ لو گے۔"

اس کا مطلب ہوا کہ ہم اپنے پڑاؤ سے پیچھے لوٹ رہے ہیں۔" میں نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

خیرو ہنس پڑا۔ "تم آگے پیچھے کے چکر میں نہ پڑو۔ پولیس والے ان جنگلوں میں آنے سے گھبراتے ہیں کہ یہاں گھسنا جس قدر آسان ہے یہاں سے باہر نکلنا اتنا ہی مشکل ہے۔ آدمی ایک بار اس ٹھنڈی چھاؤں میں آجائے تو پھر آگے پیچھے اور دائیں بائیں کا کچھ پتا نہیں چلتا اور وہ گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔"

ہماری تقریباً آدھی رات اسی طرح سفر میں گزر گئی۔ راستے میں دو مقامات پر چند ہلکی ہلکی، یرقان زدہ روشنیاں بھی درختوں کے تنوں کی اوٹ سے ڈوبتی ابھرتی نظر آئیں۔ خیرو نے بتایا کہ وہ جنگلوں کے کنارے پر آباد خانہ بدوشوں کی جھونپڑیاں تھیں جن سے وہ دانستہ بچ کر گزر رہا تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب ہمیں اپنے سر پر کھلے آسمان کا خاصا حصہ نظر آنا شروع ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ ہم اس دہشتناک جنگل کے گنجان حصے سے چھدرے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔

"رانی بی بی نے میری سیٹ کے نیچے کچھ ہتھیار رکھوا دیئے تھے۔" خیرو نے مجھے آگاہ کیا۔ "یہ کسی برے وقت پر تمہارے کام آسکیں گے۔ اب تھوڑی ہی دیر میں ہم جنگل سے نکلنے والے ہیں۔ ... اس سے آگے تمہارا خطرناک سفر شروع ہو جائے گا۔"

"ٹیلوں کے اس پار سڑک ہے۔" اس نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سڑک پر چڑھنے سے پہلے ہیڈ لیمپس نہ جلانا ورنہ سڑک پر افراتفری پھیل جائے گی۔ اِدھر سے نکلنے والی گاڑیوں سے ڈرائیور خوف کھاتے ہیں۔"

باہر نکل کر خیرو نے جیپ کی رفتار تیز کر دی تھی۔ چند منٹ بعد اس نے سنگلاخ ٹیلوں کے قریب جیپ روک دی اور انجن بند کر کے نیچے کود گیا، باقی لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

خیرو کے ساتھی نے ہمیں راستے کے لئے عمدہ چرس سے بھری ہوئی سگریٹیں دینا چاہیں جو میں نے شکریئے کے ساتھ اسے لوٹا دیں۔ وہ دونوں ہم سے باری باری پرتپاک انداز میں گلے ملے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے جنگل کی طرف واپس چل دیئے۔ جہاں ان کی اپنی دنیا ان کی واپسی کی منتظر تھی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ ٹیلوں کے اس پار کون سی سڑک ہے۔" میں نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"یہ ہائی وے ہے۔ تمہیں جیپ کی ہی سمت میں جانا ہے۔" خیرو نے مڑ کر جواب دیا اور میں نے اچھل کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سیلف لگاتے ہوئے میں نے بائیں ہاتھ سے اپنی نشست کے نیچے ٹٹولا تو وہاں کم از کم تین ہتھیاروں کی موجودگی کا اندازہ ہوا جو ہماری سلامتی کے لئے رانی کی فکرمندی کے مظہر تھے۔

"میری سیٹ کے نیچے سے اسلحہ اور گولیاں وغیرہ نکال کر باہر پھینک دو۔" میں نے جیپ کو حرکت میں لاتے ہوئے اول خان کو ہدایت دی "جیپ میں ایک گولی بھی نہیں رہنا چاہئے۔"

"رہنے دو، ہو سکتا ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت پیش آجائے" اس نے گہرا سانس لے کر کہا "اف خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم ان جنگلوں سے باہر نکل آئے۔ میرا تو وہاں دم گھٹنے لگا تھا۔"

"میں کہہ رہا ہوں اسلحہ پھینک دو!" میں نے سختی سے کہا۔ "لاش کے ساتھ گاڑی سے اسلحہ بھی برآمد ہوا تو کوئی ہماری بے گناہی تسلیم نہیں کرے گا۔ یہ ہتھیار ہمارے گلے پڑ جائیں گے۔"

"تم بلا وجہ ڈر رہے ہو۔ دیکھنا میری پوزیشن کس طرح کام آتی ہے۔ اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سنتے ہی پولیس والے دور ہٹ جائیں گے۔" اس نے پُریقین لہجے میں کہا لیکن غنیمت ہوا کہ اس نے میری ہدایت پر بھی عمل شروع کردیا۔

ان میں دو ٹی ٹی اور ایک ماؤزر تھا۔ ساتھ ہی ان کی فاضل گولیوں کے دو ڈبے بھی تھے۔

"قیمتی اسلحہ ہے۔ اتنا ہی محتاط رہنا ہے تو بونٹ کھول کر اسے انجن والے حصے میں چھپا دو' ادھر کسی کا دھیان نہیں جاتا۔" ہتھیار دیکھ کر اول خان کی رال ٹپک پڑی۔

میں نے ہاتھ مار کر' اس کی گود میں رکھے ہوئے وہ ہتھیار باہر پھینک دیئے۔

ٹیلوں پر چڑھتے ہوئے ہمیں شاہراہ نظر آگئی جس پر دونوں سمتوں میں متعدد روشنیاں رواں تھیں۔ گھنے اور تاریک جنگلات میں دو دن گزارنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دل خوش کن منظر میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہو۔ اول خان بہ آوازِ بلند جنگل کے مصائب سے اتنی آسانی سے چھٹکارا ملنے پر اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

میں نے اپنی بوتل سے ایک اور گھونٹ اپنے معدے میں انڈیلا اور جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

سڑک پر آنے کے چند منٹ بعد ہی ہمیں پہلا جھٹکا لگا۔ جب ہم نے سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی پولیس کی ایک گشتی گاڑی دیکھی۔ میں نے زندگی میں کسی نازک ترین موڑ پر بھی ایسا خوف محسوس نہیں کیا تھا جو اس وقت پولیس کی گاڑی کو سامنے دیکھ کر مجھ پر طاری ہوگیا تھا۔ مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہو رہی تھیں اور دل چاہ رہا تھا کہ میں جیپ سے چھلانگ لگا کر دوبارہ جنگل کی طرف دوڑ لگا دوں۔

میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور بدن پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہوگئی تھی کیونکہ اس وقت رام دیال کی صورت میں میں ایک ناکردہ جرم کا بوجھ لئے پھر رہا تھا۔

پھر ایک حیرت ناک واقعہ ہوا۔ گاڑی سے باہر موجود باوردی پولیس افسر نے اپنا ہاتھ پیشانی تک لے جا کر اور اس کے ساتھ موجود سپاہی نے ایڑیاں بجا کر ہمیں تعظیم دی۔ شاید وہ جیپ ان کے لئے نئی نہیں تھی۔ لیکن جوں ہی ہماری جیپ ان کے قریب سے گزری اور انہوں نے اگلی بتیوں کی چکا چوند ختم ہوتے ہی جیپ میں ہمارے ہیولے دیکھے تو فضا ایک کڑکدار آواز سے لرز اٹھی۔ ان دونوں میں سے کسی نے بلکہ شاید افسر نے ہمیں رکنے کا حکم دیا تھا۔

میں نے فوراً بریک لگاتے ہوئے جیپ سڑک سے کچے میں اتار دی۔

"میرے اشارے کے بغیر گفتگو میں دخل نہ دینا۔" میں نے اول خان سے کہا۔

میں نے جیپ کو ریورس کر کے ان کے قریب لے جانا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی افسر ٹارچ چمکاتا ہوا اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا۔ اس لئے راستے میں ہمارا اور اس کا سامنا ہوا۔

"کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟" اس نے ٹارچ کی روشنی باری باری ہم دونوں کے چہروں پر پھینکتے ہوئے دبنگ لہجے میں سوال کیا لیکن میں دیکھ چکا تھا کہ جیپ پہچان کر اس نے احترام آمیز رویے کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے اس کی بارعب آواز میرے کمزور پڑتے ہوئے اعصاب پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوسکی۔

"ہمیں سردار رجب علی نے بھیجا ہے۔ جنگل سے آرہے ہیں۔" میں سپاٹ لہجے میں کہا۔

"جیپ تو رجب علی کی ہی ہے لیکن تم دونوں مشتبہ لگتے ہو۔" وہ بڑبڑاتا ہوا جیپ کے عقبی حصے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

میرا خیال تھا کہ ٹارچ کی روشنی میں رام دیال کی اکڑی ہوئی لاش دیکھتے ہی وہ پستول تان کر ہمیں جیپ سے نیچے اترنے کا حکم دے گا لیکن ہمیں بس اس کی تحیرزدہ سیٹی کی آواز آئی پھر وہ ہمارے پاس آگیا۔

"مریض کو لے جا رہے ہو تو کم از کم چادر ہی ڈال لیتے۔" اس نے سخت مگر دھیمے لہجے میں کہا۔

"ڈالی تھی۔ تیز ہوا سے راستے میں اڑ گئی ہوگی۔" میں اس کے رویے سے شیر ہوگیا۔ میرا دل یہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ ایک تجربے کار پولیس افسر پہلی نظر میں کئی گھنٹے پرانی' اکڑی ہوئی لاش اور مریض میں تمیز نہ کرسکے۔

"تمہارے پاس کوئی کپڑا ہو تو دے دو ورنہ اسے راستے میں سردی چڑھ جائے گی۔" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس پر فرمائش کا بوجھ لاد دیا۔

اس نے وہیں کھڑے کھڑے' سپاہی کو کپڑا لانے کی ہدایت کی فوراً ہی تین سپاہی تین مختلف کپڑے لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈسٹر تھا' دوسرا بڑا سا رومال اور تیسری ایک چادر تھی۔

افسر نے رومال لے کر انہیں ڈانٹ کر گاڑی کی طرف بھگا دیا اور مجھ سے بولا "اس کے کنارے بدن کے نیچے دبا دینا۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی زخمی مردہ پڑا ہوا ہو۔"

"سن لیا تم نے؟" میں نے رومال اول خان کو تھماتے ہوئے کہا۔

"سردار رجب علی کو میرا سلام بولنا۔" اس افسر نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کھیسیں پھیلا کر کہا "میرا نام سب انسپکٹر غلام قادر ہے۔ سردار مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔"

میں نے انجن اسٹارٹ کر کے لوفرانہ انداز میں تیز رفتاری سے جیپ آگے بڑھا دی۔ میرا اندازہ تھا کہ غلام قادر کے ساتھ اس کے سپاہی بھی ٹائروں کی اڑائی ہوئی دھول میں اٹ گئے ہوں

ے۔ اس جھٹکے سے اوّل خان لڑکھڑا کر پیچھے رام دیال کی لاش پر جا گرا۔ مجھے برا بھلا کہتا ہوا دوبارہ اپنی نشست پر آیا تو اس کی کھوپڑی گھومی ہوئی تھی۔

"غضب خدا کا!" وہ تحیرزدہ آواز میں کہہ رہا تھا "جس اندھے کو اکڑی ہوئی لاش اور ایک زندہ مریض میں تمیز نہیں' اسے سب انسپکٹر کس نے بنا دیا؟"

"وہ اندھا نہیں تھا اس نے لاش پہچان لی تھی۔ لاش پہچان کر ہی اس نے ہمیں اس پر کپڑا ڈالنے کا مشورہ دیا تھا وہ سردار کا ٹاؤٹ ہے اور شاید اس کا باقاعدہ تنخواہ دار بھی۔"

"پھر اس نے سیلوٹ دینے کے بعد ہمیں کیوں روکا تھا؟"

"ہم اس کے لئے اجنبی تھے۔ ہماری جگہ پرانے آدمی ہوتے تو وہ روکنے کی جرات ہی نہ کرتا۔"

"اور سردار کا پولیس سے دم نکلا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کے آدمیوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں۔ وہ بستی کی طرف گئے تو پولیس ان کو گرفتار کرلے گی۔"

"سردار غلام قادر جیسے بے ضمیر لوگوں کو خرید سکتا ہے۔ پولیس کے محکمے میں کثرت ایماندار ملازمین کی ہے۔"

"غلام قادر کیا' اس کے سپاہی بھی سردار رجب علی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اس گھناؤنے کھیل میں شامل نہیں ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ غلام قادر نے رومال لیتے ہی ان کو کس طرح ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ اس نے اُن میں سے کسی کو جیپ کے پچھلے حصے کے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔"

"لیکن اس کے ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی نے جیپ پہچان کر ہمیں سیلوٹ کیا تھا۔"

"ہاتھی کے پیر میں سب کا پیر ہوتا ہے۔ وہ ایک ماتحت کی مجبوری تھی۔ وہ تو شاید جیپ ویپ بھی نہ پہچانتا ہو۔ اس نے دیکھا کہ اس کا افسر کسی کو سلام کر رہا ہے تو اس نے مشینی انداز میں سیلوٹ دے مارا۔"

"ایسے بے ایمان اور راشی لوگوں کی کھال کھینچ کر اس میں بُھس بھر دینا چاہئے۔" وہ غصے میں دانت کچکچا کر بولا "لیکن تمہیں یہ کیا سوجھی تھی کہ چھوٹتے ہی سردار رجب علی کا نام لے بیٹھے۔ اگر غلام قادر اس کا آدمی نہ ہوتا تو تم کیا کرتے؟"

"پھر بھی اپنی کہانی پر قائم رہتا' بس ذرا وضاحتیں کرنی پڑ جاتیں۔"

"کیسی وضاحتیں؟" ذہن صاف نہ ہونے کی وجہ سے اس نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ سردار نے ہمیں اغوا کرایا اور اب لاش ہمارے پلّے باندھ کر ہمیں جنگل سے نکال دیا ہے۔"

"کیوں نہ ہم جیپ کچے میں لے جا کر رام دیال کی لاش پھینک دیں اور جیپ گھما کر کراچی کی طرف چل دیں؟ اس مصیبت سے جان چھوٹ جائے گی اور ہم بے خوف و خطر ہو کر سفر کرسکیں گے۔" چند منٹ کے طویل سکوت کے بعد اول خان کی کھوپڑی نے ایک نیا گل کھلایا۔

"رام دیال کے قتل کا الزام ہم پر کسی طرح نہیں آسکتا۔ تمہاری پوزیشن بھی اس معاملے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ میں فی الحال رجب علی کو اپنی طرف سے کسی شبے میں مبتلا ہونے کا موقع دیئے بغیر اس کام کو اس کی مرضی کے مطابق نمٹانا چاہتا ہوں' اگر رام دیال کی لاش کسی ویرانے میں پڑی ہوئی ملی تو رجب علی مشتعل ہو کر اپنے سارے وسائل ہماری تلاش اور سرکوبی کی مہم میں جھونک دے گا جس کے لئے میں بالکل تیار نہیں ہوں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے اندازے درست ہیں" وہ غصیلی آواز میں بولا "تم پھر رجب علی کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہاں تمہارے لئے کیا رکھا ہوا ہے؟"

"ضروری نہیں کہ میں جنگلات میں جاؤں۔ وہ خود بھی میرے پاس آسکتا ہے۔ اس کے ساتھ خیرسگالی کی یہ فضا کسی بھی وقت ہمارے کام آسکتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا ذہن پڑھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "پتا نہیں تم ہر وقت کن سازشوں کا تانا بانا بُنتے رہتے ہو۔ رجب علی ڈاکو ہے اور ہم شریف لوگ' ہمارا اور اس کا کیا واسطہ ہوسکتا ہے؟"

"سنبھلو! پھر ایک گاڑی آرہی ہے۔" میں نے اگلے موڑ پر مخالف سمت سے نمودار ہونے والی گاڑی پر گردش کرتی ہوئی نیلی روشنی دیکھ کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آج اس سڑک پر پولیس نے گشت بڑھایا ہوا ہے۔"

"ڈکیتیوں اور لوٹ مار کی وارداتوں میں پھر بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔" اول خان بڑبڑایا۔

گردش کرتی ہوئی روشنی والی کار تیزی سے بڑھی چلی آرہی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت میں سفر کر رہے تھے اس لئے ٹرکوں وغیرہ کو اوورٹیک کرتی ہوئی وہ گشتی وین تیزی کے ساتھ ہمارے مقابل آئی اور ایک زناٹے کے ساتھ آگے نکلتی چلی گئی۔

"یہ بھی آنکھیں بند کر کے نکل گئے۔" اوّل خان کی آواز سے دردمندی جھلک رہی تھی۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پورا علاقہ رجب علی کے سرپرستوں اور حامیوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اس بار میں پولیس والوں سے بات کروں گا۔"

"ایسا نہیں ہے۔" میں نے عقب نما آئینے میں پولیس وین کی بریک لائٹس روشن ہوتی دیکھ کر کہا۔ "وہ رک رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ گاڑی گھما کر ہمارا پیچھا کرنے کا فیصلہ کرلیں۔..

آجائیں تو اس بار تم بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال لینا۔"

کچھ دیر تک وہ وین ایک جگہ رکی رہی پھر فضا میں پولیس سائرن کا شور گونجنے لگا۔ اول خان مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ عقب نما آئینے میں وہ وین یوٹرن لیتی ہوئی نظر آئی پھر سائرن کی دل اڑا دینے والی آواز اور گھومتی ہوئی نیلی روشنی تیزی کے ساتھ ہم سے قریب ہونے لگی۔ اس وقت اتفاق سے دونوں کے درمیان کوئی گاڑی نہیں تھی اس لئے پولیس وین کا ڈرائیور بار بار ہمیں ڈپر بھی دے رہا تھا جو واضح طور پر ہمارے لئے رک جانے کا اشارہ تھا۔

"جیپ روک لو' وہ ہمیں ڈپر دے رہے ہیں۔" اول خان کی آواز جوش یا خوف سے لرز رہی تھی۔

میں نے بریک لگا کر رفتار سست کرتے ہوئے جیپ کو سڑک سے اتار کر کچھ دور کچے میں روک لیا۔ پولیس وین سائرن بجاتی ہوئی بہت تیز رفتاری سے آرہی تھی۔ انجن بند کر کے ہم دونوں جیپ سے نیچے آگئے۔

"اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر رکھو' انہیں کسی ہتھیار کی موجودگی کا شبہ ہوگیا تو وہ بے دریغ فائر کردیں گے۔" میں نے اول خان کو ٹوکا اور اس نے فوراً اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر نکال لئے۔

پولیس وین جیپ کے پیچھے آکر رک گئی۔ سائرن بند کردیا گیا' نیلی روشنی گھومتی رہی۔ اگلی بتیاں بھی روشن تھیں' چند ثانیوں تک وہی صورتِ حال برقرار رہی۔ شاید پولیس والے اپنی گاڑی کی اگلی بتیوں کی روشنی میں ہمارا جائزہ لے کر کوئی ابتدائی رائے قائم کرنے کی کوشش کررہے تھے جو مجھے کوئی نیک فال معلوم نہیں ہورہی تھی۔

آخر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز اور متعدد وزنی جوتوں کی دھمک کے ساتھ روشنی کی اس تیز چادر کے عقب میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں سے باوردی مسلح افراد کا ایک مختصر سا جلوس برآمد ہوا جس کی سربراہی ایک نوجوان افسر کررہا تھا۔ شولڈر فلیپس پر لگے ہوئے تین پھولوں کے بوجھ سے اس کے شانے آگے جھکے پڑ رہے تھے۔ وہ متکبرانہ انداز میں چھڑی ہلاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔

اس نے آتے ہی ہمیں سلام کیا اور تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "تھوڑی دیر جیپ سے دور بے حس و حرکت کھڑے رہو" پھر اپنے سپاہیوں کی طرف مڑے بغیر بولا "جیپ کی اچھی طرح تلاشی لو۔ بونٹ اٹھا کر انجن اور نیچے لیٹ کر چیسز بھی دیکھ لینا۔"

پہلے ہی سپاہی نے عقبی پائیدان پر سرچ لائٹ کی روشنی ڈالی' رومال کھینچا اور اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی "لاش!"

سب لوگ تجسس اور سنسنی کے عالم میں جیپ کے عقبی حصے [illegible] گئے۔

اول خان دونوں ہاتھوں کو مسلتے ہوا' ہموار قدموں سے ان کی طرف بڑھا اور شائستہ لہجے میں بولا "انسپکٹر! میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ...." اس کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ انسپکٹر نے پوری قوت کے ساتھ اپنی بید اس کی گردن پر رسید کی اور وہ درد سے بلبلاتا ہوا وہیں دہرا ہوگیا۔

انسپکٹر کی چمکتی ہوئی تحقیر آمیز نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ غلام قادر سے بہت مختلف نظر آرہا تھا۔

غلام قادر بھی ایک باوردی پولیس والا تھا لیکن وہ سردار رجب علی کا اتنا پکا نمک خوار تھا کہ دیدہ ودانستہ ایک لاش کو شناخت کرنے سے منکر ہوگیا تھا۔ اس نے لاش کا ویران اور بے رونق چہرہ دیکھ کر بھی اسے مریض قرار دیا تھا۔ یہی نہیں' بلکہ اس نے ہم کو یہ مشورہ بھی دے ڈالا تھا کہ ہمیں مریض کو کپڑے یا چادر وغیرہ سے ڈھانپ کر لے جانا چاہئے تاکہ اس پر ہوا وغیرہ اثرانداز نہ ہو لیکن میں اسی لمحے بھانپ گیا تھا کہ وہ ہمیں کیا سمجھانا چاہ رہا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ ہمارا خیر خواہ تھا اس لئے لاش پہچان کر بھی ہم سے کوئی تعرض نہیں کررہا تھا لیکن کسی "بدخواہ" سے ٹکراؤ ہوجاتا تو وہ لاش دیکھتے ہی ہمارے لہو کا پیاسا ہوجاتا۔ لاش پر کپڑا پڑا ہونے کی صورت میں یہ امکان باقی رہتا تھا کہ ہم سے ٹکرانے والا کپڑا ہٹا کر مریض کو پریشان نہ کرتا اور ہم آرام سے آگے نکل جاتے۔ رام دیال کی لاش کی پردہ پوشی کے لئے غلام قادر نے اپنی سرکاری گاڑی سے کسی ماتحت کا بڑا سا رومال ہمیں دلوایا تھا لیکن اس بار ہماری راہ روکنے والا نوجوان پولیس انسپکٹر غلام قادر سے بالکل ہی الگ نظر آرہا تھا۔ نہ وہ کسی سے مرعوب تھا' نہ اس کے ماتحت ڈرنے والے نظر آرہے تھے۔ افسر کی دلیری اور فرض شناسی نے اس کے ماتحتوں میں کارکردگی کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ پہلے ہی سپاہی نے ہماری جیپ میں لاش کی موجودگی کا اعلان کردیا تھا۔

اس نوجوان افسر کو اپنے ماتحتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے فوری طور پر اس کے انکشاف کی تصدیق کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور اس کی بنیاد پر ہمیں مجرم تصور کرلیا۔ اس کے خدوخال کی نرماہٹ سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ پولیس والوں کی روایتی سنگدلی سے بہت دور تھا لیکن اس نے اول خان کی صفائی کی ابتدا ہی میں اس کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس سے ظاہر ہوگیا تھا کہ ضرورت پیش آنے پر وہ انسپکٹر' خونخوار بھیڑیا بھی بن سکتا تھا۔

اول خان پر اسپیشل ٹاسک فورس کی افسری کا خمار طاری تھا۔ وہ یہ بھولا ہوا تھا کہ ایک لاش کے ساتھ پایا جانے والا شخص پہلے مرحلے پر صرف اور صرف قاتل تصور کیا جاتا ہے اور ہمارے روایتی قانونی ڈھانچے میں فی الفور اپنے تمام بنیادی اور غیر بنیادی حقوق سے محروم ہوکر' افسرِ مجاز کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے۔ افسر غلام قادر جیسا ضمیر فروش ہو تو پہلے سے دئے ہوئے بھتے اور

ام آتے ہیں یا براہِ راست سودے بازی شروع ہوجاتی افسر دوسری قسم کا ہو تو گربہ کشتن روزِ اول کے مصداق' حلے پر مجرم یا ملزم کے حوصلے کو خاک میں ملا دینے کے لئے لیکن اصولی تشدد کا آغاز کردیتا ہے۔

اندازہ تھا کہ اول خان' اس انسپکٹر کی ہدایت پر تھوڑی یپ سے دور' بے حس و حرکت اور خاموش کھڑا رہتا تو بید نہ کھاتا۔ تحقیق اور دیکھ بھال کے دوران اس کی لب رکاری فرائض میں مداخلتِ بے جا کے مترادف تھی اس پکٹر کی بید کھا کر' اپنی گردن سہلاتا ہوا' بری طرح ناچ رہا کے برعکس میں نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر خاموش تھا۔

ن جیسے نازک مقام پر' غیر متوقع طور پر پڑنے والی بید نے پر چودہ طبق روشن کردئے تھے۔ اس کی مدارات کرکے صرف چند لمحوں کے لئے توقف کیا تھا پھر وہ جیپ کے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کی گھاگ نظروں نے اول اضطراری ردِ عمل سے شاید یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ عادی اور نہ وہاں سے بھاگنے یا جوابی کارروائی کرنے والا تھا پنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس اور ٹارچ کی روشنی میں جیپ کے کا معائنہ کرتے ہوئے وہ اپنی سلامتی کی طرف سے بالکل اور بے خوف نظر آرہا تھا۔

وہ" اچانک ہی فضا میں کسی کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ تو رام دیال معلوم ہوتا ہے" وہ تبصرہ یقینی طور پر اسی نوجوان اتھا۔

وہ اپنی بید اپنی پنڈلی پر مارتا ہوا' اضطراری انداز میں ہماری پلٹا تھا "یہ لاش کس کی ہے اور تم لوگ کون ہو؟"

وہاں رکنے سے پہلے اول خان نے کہا تھا کہ اس بار وہ خود لے گا' اس لئے میں خاموش رہا۔

"جواب دو!" انسپکٹر غصیلے لہجے میں دہاڑا "ورنہ کھال لوں گا۔"

اول خان خاموش تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی ان آنکھوں میں مدد کی التجا رقصاں تھی۔ ایک بید کھا کر وہ بے ذاکرات کرنے کے ارادے سے فی الفور تائب ہوچکا تھا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ یہ لاش کس کی ہے۔ ہمیں اس لاش نے سردار رجب علی نے جنگل سے ادھر بھیجا ہے۔" میں نے اپنا ذاکر کے دانستہ مبہم سا جواب دیا۔ اس تند خو اور سخت گیر سا افسر سے خائف ہونے کے باوجود میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ پر سردار رجب علی کے نام کا کیا اثر ہوتا ہے۔

"رجب علی!" وہ دانت پیس کر بولا "اب اس کی موت کے قریب آگئے ہیں۔ شاید اسے علم نہیں ہے کہ یہ علاقہ اب میری عملداری میں آچکا ہے" پھر وہ کڑک کر بولا "تم دونوں کون ہو؟"

"ہم معصوم اور بے گناہ شہری ہیں" میں نے نرم اور مصالحانہ لہجے میں کہا "سردار رجب علی کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کیا تھا اور اب اس نے ہمیں اس لاش اور جیپ کے ساتھ جنگل سے نکال دیا۔"

انسپکٹر کی آنکھوں میں تحیر آمیز چمک پیدا ہوگئی "تمہارا مطلب ہے کہ تم رجب علی کے ساتھی نہیں ہو؟"

"یہ حقیقت ہے' اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"اپنے اس دعوے کی تصدیق کے لئے تم کیا ثبوت پیش کرسکتے ہو؟"

"کچھ بھی نہیں" میں نے مایوسانہ لہجے میں کہا پھر اچانک ہی مجھے ان ہتھیاروں کا خیال آگیا جو رانی نے ہمارے لئے جیپ میں رکھوائے تھے لیکن میں نے اول خان کی مرضی کے خلاف پھینک دئے تھے۔

"اس جیپ میں ہتھیار اور اسلحہ بھی تھا" میں نے لحہ بھر کے توقف کے بعد کہا "یہاں سے تھوڑی دور ہم کچے سے سڑک پر چڑھے تھے۔ وہ سامان اب بھی وہیں پڑا ہوا مل سکتا ہے۔ ہماری نیت خراب ہوتی تو ہم رجب علی سے ملے ہوئے مفت کے ہتھیاروں کو یوں پھینک کر نہ آتے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم رجب علی کے موجودہ ٹھکانے کے بارے میں جانتے ہو؟"

"اس حد تک کہ وہ گھنے جنگلوں سے گھرا ہوا ایک چھوٹا سا میدان ہے" میں نے جلدی سے کہا "اس نے ہمیں رات کو روانہ کیا تھا۔ جنگل میں اسی کے آدمی جیپ چلاتے رہے رات کے اندھیرے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوسکا کہ ہم کدھر لے جائے جارہے ہیں۔ ان لوگوں نے جنگل سے نکلنے کے بعد تھوڑی دیر پہلے ہی جیپ ہمارے حوالے کی تھی۔"

"تمہیں معلوم تھا کہ جیپ کے پچھلے حصے میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے؟"

"معلوم تھا۔"

"پھر اسلحہ پھینکنے کے ساتھ تم نے لاش بھی کیوں نہیں پھینکی؟" اس نے پوچھا۔

"رجب علی کا حکم تھا۔ ہم لاش کہیں پھینک دیتے تو وہ ہمیں پاتال میں بھی زندہ نہیں چھوڑتا۔ وہ اس علاقے کی بادشاہی کا دعوے دار ہے۔ تم کچھ الگ نظر آتے ہو ورنہ بہت سے پولیس والے گھنے جنگلوں میں آکر اسے تازہ ترین خبریں پہنچاتے ہیں۔"

اس نے اضطراری طور پر اپنا داہنا بوٹ زور سے زمین پر مارا اور بولا "تم اس کے پاس آنے والے پولیس والوں کو پہچان سکتے ہو یا ان کی نشاندہی کرسکتے ہو؟"

میں نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا دیا "ہم وہاں قیدی تھے۔ [illegible]

سے وردیاں دیکھ سکتے تھے لیکن چہرے نہیں پہچان سکتے تھے۔ وہ موٹر سائیکلوں پر آتے ہیں اور خبریں پہنچا کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے .... مجھے سب معلوم ہے" وہ تڑپ کر بولا" ایسے ہی حرامیوں اور خنزیروں کی وجہ سے کل رات وہ بچ نکلا۔ پولیس فورس ہوا میں گولیاں چلاتی رہ گئی اور وہ اپنے لشکر سمیت بچ کر نکل گیا۔ کسی نے انتظار کرکے یہ اندازہ لگانے کی زحمت نہیں کی کہ دوسری طرف سے صرف تین یا چار ہتھیار استعمال کئے جارہے تھے۔ تجربے کار افسر کے کان ہر ہتھیار کے فائر کو الگ الگ پہچان لینے کے اہل ہوتے ہیں۔"

جذبات کی رو میں آکر وہ مجھ سے قدرے بے تکلف ہو چلا تھا' اس لئے میں نے آہستہ سے کہا" اجازت ہو تو میں تخلیئے میں کچھ عرض کرنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں۔"

"گاڑی کی طرف جاؤ" اس نے ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے مسلح اور مستعد سپاہیوں کو کڑک دار آواز میں حکم دیا اور وہ سب آناً فاناً ہمیں چھوڑ کر اپنی پیٹرول کار کی ہیڈ لیمپس کے پیچھے روپوش ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟" وہ انسپکٹر مجھ سے کہیں زیادہ مضطرب تھا۔

"تم سے سامنا ہونے سے پہلے ... انسپکٹر غلام قادر نے ہمیں روکا تھا" میں نے دھیمے اور معنی خیز لہجے میں کہا" وہ بے چارہ اس لاش کو کوئی مریض سمجھا تھا۔"

"مجھے اس حرامی پر پہلے ہی شبہ تھا" وہ غصیلی اور پُرجوش آواز میں بولا" تم اپنے اس بیان پر قائم رہو تو میں اس کو عبرت کا نمونہ بنا سکتا ہوں۔"

"ہم خود بھی اسی مشن پر نکلے ہوئے ہیں" فضا سازگار پا کر میں نے آہستگی سے کہا" ہماری بدقسمتی سے سردار رجب علی کے آدمیوں کا داؤ چل گیا ورنہ ہم بھی ان ہی لوگوں کی بیخ کنی کے مشن پر نکلے تھے...."

"تو کیا تم بھی کسی ایجنسی کے آدمی ہو؟" اس نے میری بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا۔

"تم نے میرے ساتھی پر بید برسا کر زیادتی کی ہے۔ وہ تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک اعلیٰ عہدے دار ہے۔"

"واقعی؟" اُس کے اس ایک لفظ میں ایسی بے ساختہ حیرت پنہاں تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس بے چارے نے اسپیشل ٹاسک فورس کا نام لیا ہی تھا کہ تم نے پوری قوت سے اس کی گردن پر بید رسید کر دی اور اسے آگے کچھ کہنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

انسپکٹر نے اپنی اضطراری حیرت سے فوراً ہی سنبھالا لے لیا ... ٹھہری ہوئی آواز میں بولا" ابھی تم لوگوں کی حیثیت کا تعین ہونا ... ہے۔ تمہیں اپنے دعوے کی تصدیق کرانا ہو گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے الفاظ نہیں سنے تھے مجھے اس بات پر غصہ آگیا تھا کہ تمہارے ساتھی نے میری ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لب کشائی کی تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسپیشل ٹاسک فورس موجودہ حالات میں ملک میں بہت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔"

"اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے" اوّل خان نے بھرائی ہوئی اور شکست خوردہ آواز میں کہا" کسی بڑے مشن پر نکلتے ہوئے ہم اپنے ساتھ کوئی شناخت نہیں لیتے۔ ذرا سے تحمل سے کام لو تو اپنے ذرائع سے میری اصلیت کے بارے میں تصدیق کر سکتے ہو' میں اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے دار افسر ہوں۔"

"خفیہ اداروں سے تعلق رکھنے والوں کی مجبوریاں قابلِ فہم ہوتی ہیں" انسپکٹر سر ہلا کر بولا جیسے اسپیشل ٹاسک فورس کے بارے میں وہ خاصا کچھ جانتا ہو" فی الحال وہ ہتھیار تمہاری بے گناہی کی گواہی دے سکیں گے جو تم نے سڑک پر چڑھنے سے پہلے ویرانے میں پھینک دئے تھے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے وہ ہتھیار کیوں پھینک دئے؟"

"ہم یہ لاش اپنی مرضی سے لاد کر نہیں لائے" میں نے سلسلۂ تکلّم سنبھالتے ہوئے کہا" سردار رجب علی نے وہ ہتھیار ہمیں اپنی حفاظت کے لئے دئے تھے۔ انہیں اپنے ساتھ رکھنے یا نہ رکھنے کی کوئی شرط عائد نہیں کی تھی۔ لیکن لاش کے بارے میں اس کی سخت ہدایت تھی کہ ہم اسے کہیں نہ پھینکیں بلکہ اپنے ساتھ رکھیں۔ ہمیں اندازہ تھا کہ ہم لاش کی وجہ سے کہیں نہ کہیں ضرور پکڑے جائیں گے۔ ایسے میں اگر ہمارے پاس سے ہتھیار بھی برآمد ہو جاتے تو ہمارے لئے فوری طور پر اپنی بے گناہی ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔ ہمیں پورا یقین تھا کہ پولیس کے سارے اہلکار غلام قادر کی طرح بے ضمیر اور ڈاکوؤں کے پشت پناہ نہیں ہو سکتے۔"

"تمہاری باتیں صاف اور سیدھی ہیں لیکن قانون کے اپنے بھی کچھ ضابطے ہوتے ہیں" وہ پُرخیال لہجے میں بولا" جب تک تفتیش کے نتیجے میں تمہاری بے گناہی ثابت نہ ہو جائے' تم دونوں زیرِ حراست رہو گے۔ پہلے تمہیں اپنے پھینکے ہوئے ہتھیاروں کی نشان دہی کرنی ہے۔ اس کے بعد تھانے میں تمہارا تفصیلی بیان قلم بند کیا جائے گا۔"

انسپکٹر نے ہماری جیپ اپنے باوردی ڈرائیور کے حوالے کر دی۔ وہ دو مسلح سپاہیوں کے ہمراہ جیپ لے کر آگے روانہ ہو گیا۔ باقی چار سپاہی اوّل خان کو ساتھ لے کر عقبی حصے میں سوار ہو گئے۔ انسپکٹر نے وین کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ میں رہنمائی کے لئے اس کے ہمراہ کیبن میں بیٹھ گیا اور وین برق رفتاری سے اس سمت میں روانہ ہو گئی جدھر سے ہم آئے تھے۔

"فی الحال میں غلام قادر کے معاملے کی تشہیر پسند نہیں ...

... کے سکوت کے بعد انسپکٹر نے دھیمی آواز میں کہا" یہ ... اور تمہارے درمیان رہے گا۔ غلام قادر کو گڑبڑ کی ... گئی تو وہ گرفتاری سے بچنے کے لئے جنگلوں میں رُوپوش ... آقاؤں کے پاس پناہ لے لے گا۔ یہ ڈاکو بہت اثر و رسوخ ... ہیں۔ کسی نہ کسی طرح اس کی ضمانت قبل از گرفتاری کا ... کرالیں گے۔ اپنے ایک ٹاؤٹ کو بچانے کے لئے وہ تم ... ک بھی کرا سکتے ہیں۔"

... اید سرکاری ملازمت کے پیچیدہ ضابطے بھی غلام قادر کی ... اری میں رکاوٹ بنیں گے۔"

... ں کا جرم بہت سنگین ہے' مجھے اس پر پہلے سے شبہ تھا' تم ... نیتی کے عینی شاہد ہو لیکن عدالت میں اس کے جرم کو ... اتنا آسان نہیں ہو گا۔ اس کی معطلی اور گرفتاری کے ... اپنے افسرانِ بالا سے اجازت لینا ہو گی۔ اس کے لئے مجھے ... ار ہو گا۔"

... ان ضابطوں کی بات کر رہے تھے جو بنیادی طور پر' فرائض ... دہی کے دوران نوکر شاہی کے تحفظ کے لئے بنائے گئے ... نوکر شاہی کا کوئی کارندہ اپنے فرائض سے منحرف ہو کر ضمیر ... ر بے ایمانی پر اتر آئے تو ان ہی ضابطوں کی آڑ لے کر ... مدافعت کر سکتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عام ... ح اسے گرفتار کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ بعض اوقات ایسی ... گوں کو حد سے زیادہ دیدہ دلیر بھی بنا دیتی ہیں۔

... اس وقت سندھ کے کس علاقے میں ہیں؟" میں نے انسپکٹر سے پوچھا۔

... ہیں یہ بھی نہیں معلوم؟" اس کی آواز میں طنز کی تلخی گھلی ...

... جب علی کے آدمی ہمیں جہاں چھوڑ گئے تھے' وہیں سے ہم ... چڑھ گئے۔ ہمیں قطعی اندازہ نہیں کہ ہم کہاں ہیں۔ ... ں کوئی آبادی ملتی تو کچھ اندازہ ہو جاتا لیکن اس سے پہلے ... ملاقات ہو گئی۔"

... م کس طرف سے سڑک پر چڑھے تھے؟" اس نے میرے ... ال کا جواب دیئے بغیر پوچھا۔

... ئیں طرف سے۔" میں نے لمحہ بھر غور کرنے کے بعد کہا ... وہ چکر میں پڑ گیا۔

... اس وقت ہم سندھ کے بالائی حصے اور پنجاب کی سمت میں سفر ... تھے۔ حیدرآباد سے سیکھاٹ پہنچنے پر بھی ہماری وہی سمت ... سیکھاٹ میں ہم سڑک سے داہنی طرف جنگل میں داخل ... تھے۔ ادھر ہمیں کہیں کہیں ریلوے لائن بھی نظر آئی تھی ... یکا یک مجھے یاد آیا تھا کہ سردار رجب علی کے پڑاؤ سے ... واپسی سڑک کی بائیں سمت سے ہوئی تھی جدھر ریلوے لائن ... دور تک وجود نہیں تھا بلکہ ریت کے ٹیلوں اور کھیتوں کے پار گھنا جنگل تھا اور اس سے آگے دریائے سندھ کی آبی گزرگاہ تھی۔

انسپکٹر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے میں اس امر پر حیران تھا کہ ہم سڑک کی داہنی سمت سے جنگل میں داخل ہو کر' اپنی دانست میں سڑک پار کئے بغیر یک بیک بائیں طرف کیسے پہنچ گئے تھے؟

سردار رجب علی اور اس کے گروہ کے ساتھ قیام اور سفر کے دوران ہم پوری طرح آزاد رہے تھے اور ہم اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ سردار سے ملاقات کے بعد ہم نے سڑک عبور نہیں کی تھی۔ وہ واقعہ لامحالہ اسی وقت ظہور پذیر ہوا تھا جب سیکھاٹ کے قلندر کی واپسی کے بعد سردار رجب علی کے دو آدمی ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہمیں سردار کی طرف لے کر روانہ ہوئے تھے۔

وہ لوگ اپنے ٹھکانوں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ حسّاس نظر آتے تھے۔ ایک طرف ہمیں بے خبر رکھ کر قومی شاہراہ کے پار منتقل کیا گیا اور دوسری مرتبہ خیرو نے بھی ہمیں چکمہ دینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے میرے استفسار پر واضح طور پر بتایا تھا کہ ہم لوگ قاضی احمد اور نواب شاہ کے درمیان سڑک پر نکلیں گے جب کہ نواب شاہ قومی شاہراہ سے داہنی طرف خاصی دور واقع تھا البتہ قاضی احمد شاہراہ پر پڑتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ خیرو ہمیں یہ فریب دینا چاہ رہا تھا کہ ہم خود کو سڑک کی داہنی جانب ہی تصور کرتے رہیں اور بھول کر بھی بائیں طرف کے جنگلات کا خیال دل میں نہ لائیں۔

"ان کے بیشتر ٹھکانے بائیں طرف کے گھنے جنگلات ہی میں ہیں۔" انسپکٹر کہہ رہا تھا۔" وہ تمہیں گھنٹوں جنگلات میں بھٹکانے کے بعد باہر لائے ہوں گے۔ ان کا بچاؤ اسی میں ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ٹھکانوں کی رازداری کا پورا خیال رکھتے ہیں بلکہ تیزی کے ساتھ ٹھکانے بدلتے بھی رہتے ہیں۔"

"جس طرح کچھ پولیس والے ان کے لئے مخبری کرتے ہیں اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ پولیس ان کے کارندوں کو لالچ یا دھونس دھمکی کے ذریعے اپنے ساتھ ملا لے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی سب سے بڑی مشکل ہے۔ ان لوگوں کے وسائل ہم سے بہت زیادہ ہیں۔ ان کے پاس ہم سے بہتر اور جدید ترین ہتھیار ہیں۔ ان کے پاس مالی وسائل کی ریل پیل ہے۔ وہ مخبروں کو منہ مانگے معاوضے پر خریدتے ہیں۔ انہیں کسی کی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے' نہ آڈٹ کا خوف پھر وہ اپنے قول و فعل میں بالکل خود مختار ہوتے ہیں۔ جہاں اپنے وفادار کارکنوں کو بھاری معاوضے دیتے ہیں وہیں اپنے غدّاروں اور باغیوں کو ایسی سفاکی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارتے ہیں کہ دوسرے کارکن غداری کا خیال آتے ہی لرز اٹھتے ہیں۔ ہمارے لئے ان کے آدمیوں کو توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن ہم اپنے ضمیر فروش ساتھیوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے۔ قانون اور ضابطے ہماری راہ روک لیتے ہیں ...

مجھے سب انسپکٹر‘ غلام قادر کے بارے میں بتادیا۔ مجھے خود بھی اس پر شبہ تھا لیکن میں کوتوالی جاکر اسے اسی وقت ہتھکڑیاں نہیں لگا سکتا۔ میں اسے کوئی بڑی سزا دلوانے میں کامیاب ہوگیا تو خود کو بہت خوش نصیب تصور کروں گا ورنہ ایسی شکایات عموماً تبادلے پر نمٹادی جاتی ہیں۔ کوئی سنگین معاملہ ہو تو چند ہفتوں کی معطلی یا تنزلی پر معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ کالی بھیڑیں عام طور پر اسی طرح ہمارے سینے پر مونگ دلتی رہتی ہیں۔“

وہ بظاہر ایک چالاک اور سخت گیر افسر تھا لیکن اس کے سینے میں ایک دردمند دل موجود تھا جو تیزی سے بگڑتے ہوئے حالات پر اندر ہی اندر سلگتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے تجربے سے اندازہ لگالیا تھا کہ ہمارے بیانات سو فیصد نہ سہی‘ تو بڑی حد تک درست تھے اسی لئے وہ مجھ سے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا۔ وہ ایسے حساس اور نازک موضوعات تھے کہ ایک ذمے دار افسر عام لوگوں یا اپنے ساتھیوں میں‘ ان پر کھل کر اپنی رائے کا اظہار نہیں کرسکتا تھا۔

”یہ مجبوریاں اور رکاوٹیں اتنی واضح ہیں تو اس بارے میں قانون سازی کیوں نہیں کی جاتی؟“

”کون کرے؟“ وہ تلخ انداز میں ہنس پڑا۔ ”ہمارے سیاستداں آئینی موشگافیوں میں الجھے رہتے ہیں۔ انگریز کے بنائے ہوئے جن فرسودہ قوانین نے سب کی زندگی اجیرن کی ہوئی ہے‘ ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اسمبلیوں میں جانے والے وڈیرے اور جاگیرداران قوانین کو اسی طرح نافذ رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کے مفادات کی پرورش ہوتی ہے۔ قانون کے ابہام سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے حریفوں اور دشمنوں کی زندگیاں اجیرن کردیتے ہیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر اس ہتھیار کو اپنے ہاتھوں سے کھونا نہیں چاہتے۔ بدعنوان افسر شاہی بھی ان ہی لنگڑے لولے قوانین سے رزقِ حرام کشید کرتی ہے۔ ان حالات میں سدھار ہونا مشکل ہی نظر آتا ہے۔ اگر تم دونوں واقعی اسپیشل ٹاسک فورس کے آدمی ہو تو ان مجبوریوں کو خوب سمجھ سکتے ہو۔ تم ہر قانون اور ضابطے سے آزاد رہ کر اپنے فیصلے کرتے ہو اور کسی بازپرس کے بغیر انہیں نافذ بھی کرسکتے ہو۔ موجودہ صورتِ حال میں ایسے ہی خفیہ اور خود مختار ادارے بہتری کی کوئی راہ نکال سکتے ہیں ورنہ مستقبل بہت خون آشام نظر آتا ہے۔“

”ہم دونوں نہیں‘ بلکہ میرا ساتھی اسپیشل ٹاسک فورس کا ایک ذمے دار افسر ہے۔“ میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ ”میں فری لانسر اور اس کا دوست ہوں۔“

”فری لانسر!“ اس کی آواز تحیر آمیز تھی۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم اسپیشل ٹاسک فورس کے مخبر ہو؟“

”ایسا ہی سمجھ لو!“ میں اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

”میرا ڈرائیور تمہاری جیپ خیرپور لے گیا ہے اور ہم وقت رانی پور سے نوشہرو فیروز کی طرف جارہے ہیں۔“ چند ثا[نیوں] کے سکوت کے بعد وہ بولا ”راستے کا خیال رکھنا۔ تمہارے [بتائے] ہوئے ہتھیار برآمد کرکے ہمیں بھی خیرپور واپس جانا ہے۔ کوتوالی میں باقی کارروائی پوری کی جائے گی۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم کو مزید چند کلومیٹر سفر کرنا ہے۔ [...] وہاں دو ٹی ٹی‘ ایک ماؤزر اور گولیوں کے دو ڈبے پھینکے تھے۔ [...] حافظے نے غلطی نہیں کی تو ہم جلد ہی وہاں پہنچ جائیں گے۔“

”تاریکی اور ویرانے کا فائدہ اٹھا کر کسی مہم جوئی کی حماق[ت] کر بیٹھنا۔“ اس نے تنبیہہ کی ”میرے سپاہی بہترین نشا[نہ باز] ہیں۔ وہ بے دریغ تمہاری پنڈلیاں چھلنی کردیں گے۔“

”تم فکر نہ کرو۔ ہمیں اپنی جانیں بہت عزیز ہیں اور ہم غ[...] بھی ہیں۔“

”میں نے احتیاطاً بتادیا۔ میرا تجربہ ہے کہ کمانڈو ہتھیا[روں] سے زیادہ اپنے زورِ بازو پر انحصار کرتے ہیں اور اسی زعم میں [کبھی] کبھار مارے بھی جاتے ہیں۔“

”تم بہت نیک اور ہمدرد افسر ہو۔“ میں نے ستائشی لہجے [میں] کہا پھر لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد چونک کر پوچھا۔ ”تم نے [ایک] نظر میں ہماری جیپ میں موجود لاش کو کیسے پہچان لیا؟“

”پولیس افسر عقابی آنکھوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کمال نہیں تھا۔ پورے ڈویژن کے تھانوں میں دس دن [سے] رام دیال کی تصویریں آئی ہوئی ہیں۔ وہ رجب علی کی بیوی کا ماموں ہے۔ رجب علی نے اس کی رہائی کے لئے چالیس [لاکھ] تاوان طلب کیا تھا۔ رام دیال سکھر کا لکھ پتی ضرور ہے لیکن ا[س کی] اتنی حیثیت نہیں ہے کہ تاوان کے چالیس لاکھ دے کر عز[ت کی] زندگی گزار سکے۔ اسی لئے رجب علی نے اسے ماردیا۔“

”رجب علی یا اس کے کسی آدمی نے رام دیال پر ہاتھ ب[ھی] نہیں اٹھایا۔“ میرے انکشاف پر انسپکٹر کے منہ سے چند تحیرز[دہ] عجیب و غریب آوازیں نکل کر رہ گئیں۔

”وہ صدمے اور دھاکے سے مرا ہے۔“ میں نے اپنی بات [جاری] کرتے ہوئے کہا۔

”کس بات کا صدمہ؟ رجب علی کے ڈیرے پر ایسی ک[یا بات] ہوگئی تھی؟“

میں نے اسے رام دیال کے اس مدفون مٹکے کا قصہ سنا[یا جس] میں ستر لاکھ سے زیادہ رقم موجود تھی اور مٹکے کے منہ پر [...] باندھ کر اسے رام دیال کی چوکی کے نیچے زمین میں دبادیا گیا تھا۔

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے دودھ کا دودھ اور پانی [کا پانی] ہوجائے گا۔“

”وہ اپنی حماقت کا صدمہ نہیں سہہ سکا اور دل کا دور[ہ پڑنے] سے چل بسا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ رجب علی کے آدمی ا[...]

[...] مٹکے کی ساری رقم اور مزید بیس لاکھ روپے لے کر [...] اپنے ٹھکانے پر لوٹ آئے ہوں گے۔“ میں نے حسرت [...] میں اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

[”]یہ بہت برا ہوا۔ رجب علی نے مردے کا تاوان لیا ہے۔“ [...] فیصلے لہجے میں بولا ”مجھے پہلے ہی معلوم ہوجاتا تو میں اس کے [...] کو رام دیال کے گھر پر ہی گھیر لیتا۔“

[”]میرا خیال ہے کہ اس نے اپنے آدمیوں کی بحفاظت واپسی [...] ہی ہمیں رام دیال کی لاش کے ساتھ روانہ کیا ہوگا۔ وہ [...]ی طرح چالاک ہے۔“

[”رام] دیال کی اولادیں اُسی کی طرح کنجوس مشہور ہیں۔ مجھے شبہ ہے [...]وں نے کوئی چون و چرا کئے بغیر اتنی بڑی رقم اجنبیوں کے [...]ی ہوگی۔“

[”]رجب علی کے آدمی رام دیال کے پیغام رساں بن کر گئے [...]ے۔ اس کے بقول اس کی بیوی بھی مایا کے مٹکے کے وجود سے [...]تھی۔ انہوں نے مٹکے کی نشانیاں بتا کر اس مقام کی نشان دہی [...]گی تو رام دیال کے گھر والوں کو پورا یقین آگیا ہوگا کہ انہیں [رام د]یال ہی نے بھیجا ہے۔“

”دیکھا جائے گا۔“ وہ سخت لہجے میں بولا ”رام دیال کو اس [...]ر بہت گھمنڈ تھا کہ وہ پوتڑوں کا رئیس ہے۔ دولت کی وہی [...]اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی... تم یہ بتاؤ کہ وہ مقام اب [...] دور رہ گیا ہے؟“

”میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نشانیاں تلاش کررہا ہوں۔ تم وین [کی] رفتار ذرا کم کرلو۔“

وہ قدرے الجھا ہوا نظر آنے لگا تھا اس لئے میں نے گفتگو کا [سلس]لہ منقطع کرکے اپنی پوری توجہ قومی شاہراہ کے بائیں جانب کے [...]ب میں مرکوز کردی جدھر ہمیں اترنا تھا۔

[...]کھیتوں کے اختتام پر آخر کار وہ ریتیلے ٹیلے نظر آہی گئے جن [کے] عقب میں خیرو نے ہمیں الوداع کہا تھا۔ میرے ایما پر انسپکٹر نے [وی]ن کی رفتار کم کی‘ اس کی چھت پر گھومنے والی نیلی بتی روشن کی اور [...]ن احتیاط سے سڑک سے نیچے اتارلی۔ سامنے پھیلے ہوئے تاریک [وی]رانے میں اترنے والی ہیڈ لیمپس کی روشن دھاریں اور گردش [ک]رنے والی نیلی بتی کا گھٹتا بڑھتا ہوا انعکاس عجیب پُرہول سماں پیدا [ک]ررہا تھا۔

ریتیلے ٹیلوں پر سے دوسری طرف اترتے ہوئے انسپکٹر نے [میر]ی نشان دہی کے بغیر‘ اگلی بتیوں کی تیز روشنی میں‘ ریت پر پڑے [ہ]وئے سیاہ ہتھیار دیکھ لئے اور وین کا رخ اسی طرف موڑ لیا۔ وین کے رکتے ہی عقبی حصے سے دو مسلح سپاہی پھرتی کے ساتھ نیچے اترے‘ دو سپاہی اول خان کی نگرانی کے لئے وین ہی میں موجود رہے۔ انسپکٹر اپنی نشست پر جما رہا۔ سپاہیوں نے آگے آکر وین کی روشنی [م]یں حیرت سے ان ہتھیاروں کا جائزہ لیا اور پھر رومالوں وغیرہ کی مدد سے انہیں اٹھا کر انسپکٹر کی طرف لے آئے۔ انسپکٹر نے بے پروائی سے وہ ہتھیار خالی کرکے اپنی نشست کے نیچے ڈال لئے۔ گرنے کے [سبب] دونوں ڈبے ٹوٹ جانے کی وجہ سے گولیاں ریت میں بکھر گئی تھیں۔ سپاہی انہیں جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔

”مجھے خوشی ہے کہ تمہاری بیان کا ایک حصہ درست ثابت ہوا۔“ انسپکٹر نے سپاٹ لہجے میں کہا ”دیکھنا یہ ہے کہ باقی معاملات کس موڑ پر ختم ہوتے ہیں؟“

”ہم نے بلا کم و کاست حقائق بتائے ہیں۔ ان میں سرِ مو بھی فرق نہیں نکلے گا۔“

گولیاں سمیٹتے ہی سپاہی وین میں واپس آگئے۔ وہاں آتے ہوئے انسپکٹر نے راستے کی نشاندہی کے لئے مجھے اپنے ساتھ آگے بٹھایا تھا لیکن واپسی پر بھی وہ مہربان رہا اور میں اُسی کے ساتھ بیٹھا رہا۔

”رجب علی کے ساتھ سفر کے دوران تم نے کہیں دریا بھی عبور کیا تھا؟“ دوبارہ سڑک پر آجانے کے بعد اس نے مجھ سے پُرخیال لہجے میں سوال کیا۔

”ہم صرف اور صرف گھنے جنگل ہی میں پھرتے رہے۔ قومی شاہراہ‘ ریلوے لائن یا دریا کی جھلک تک دیکھنے کی نوبت نہیں آئی لیکن یہ بات حیرتناک ہے کہ وہ لوگ ہمیں اغوا کرکے قومی شاہراہ سے داہنی طرف کے جنگلات میں لے گئے تھے جہاں ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہمیں کئی گھنٹے تک حالتِ سفر میں رکھا گیا۔ اس دوران انہوں نے ہماری بے خبری میں شاید رخ بدلا تھا کیونکہ رہائی پانے پر ہم نے خود کو سڑک کی دوسری جانب موجود پایا تھا۔“

”اغوا کئے جانے والے یرغمالیوں کے ساتھ یہ ان کے خاص حربے ہیں۔ ان اطراف کے دریائی راستے سال بھر کارآمد رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو دریا کے دونوں کناروں پر مختلف گھاٹوں تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور وہ جب چاہتے ہیں‘ دور مار اسلحے کے سائے میں چپوؤں سے چلنے والی بیڑیوں‘ کشتیوں اور موٹربوٹس کے ذریعے دریا عبور کرلیتے ہیں۔ پولیس ان تمام مقامات سے واقف ہونے کے باوجود‘ اپنے کمتر درجے کے اسلحے کی وجہ سے ان کو للکارنے یا روکنے سے قاصر رہتی ہے۔“

”رجب علی فخر سے کہتا ہے کہ جنگلوں میں اُس کا راج چلتا ہے‘ باہر پولیس کی حکومت ہے اور دونوں میں سے کوئی فریق‘ ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔“

”اگر تمہارا ساتھی واقعی ایس ٹی ایف کا کوئی ذمے دار افسر ہے اور اس کے دل میں کچھ کرگزرنے کی لگن موجود ہے تو میں اسے ایسے نقشے فراہم کرسکتا ہوں جو میں نے بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ تیار کئے ہیں۔ ان نقشوں میں ایسے مقامات اور راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی ناکابندی کرکے نہ صرف ڈاکوؤں کی رسد کے راستے کاٹے جاسکتے ہیں بلکہ ان کو باہر آکر مقابلہ کرنے [...]

ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہاری اس محنت سے تمہارا محکمہ فائدہ کیوں نہیں اٹھاتا؟"

"ہم اپنے محدود وسائل اور اپنی صفوں میں موجود کالی بھیڑوں کی وجہ سے مار کھا جاتے ہیں۔ انہیں ہماری ہر کارروائی کا قبل از وقت علم ہو جاتا ہے اور وہ محفوظ کمین گاہوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔"

"رینجرز ان معلومات کے سہارے ڈاکوؤں کی سرکوبی کرسکتے ہیں۔"

"انہیں ڈاکوؤں کی خلاف آپریشن میں آج تک براہِ راست ملوث نہیں کیا گیا۔ انہیں قومی شاہراہ اور اس کے قرب و جوار میں امن و امان قائم رکھنے کی ذمے داریاں سونپی جاتی ہیں اس لئے ان کا دائرۂ کار قومی شاہراہ پر ہلکے یا بھاری گشت تک محدود رہتا ہے۔"

"کاش میرا ساتھی اس سلسلے میں کچھ کر سکے۔ ڈاکوؤں میں سرحد پار سے آئے ہوئے ایک سیکرٹ ایجنٹ کا بہت اثر و نفوذ ہے۔ میرا خیال ہے کہ را کے بلیک کیٹ کمانڈوز بھی ڈاکوؤں کو اکسا رہے ہیں۔"

"تم کس سیکرٹ ایجنٹ کا ذکر کر رہے ہو؟" اُس نے چونک کر سوال کیا۔

"ملاّ سرکار!" میں نہایت غیر محسوس طریقے پر اسے اپنے ڈھب پر لاتا ہوا بولا "سنا ہے کہ آرمی نے کوٹ مندو میں اس کے کسی خفیہ اڈے کو بے نقاب کر کے اس کی پیری مریدی کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی یہ ڈاکو اسے ایک صاحبِ کرامت بزرگ سمجھتے ہیں جس کی بشارتوں کے نتیجے میں انہیں اسلحے کے بڑے ذخائر ملتے رہتے ہیں۔"

"تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔" وہ مضطربانہ لہجے میں بولا "میرے اوپر والے یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ کوئی ایک شخص ڈاکوؤں کی اتنی بڑی تعداد کو فعال اور متحرک کر سکتا ہے۔ اس خبیث پیر کے بارے میں میری رپورٹیں سرد خانے کی نذر ہوتی رہی ہیں۔"

"ہر بڑی شورش' کارروائی یا بغاوت کے پیچھے ہمیشہ ایک ہی دماغ کارفرما ہوتا ہے جو سازگار فضا تیار کر کے اپنے حامیوں کی بھیڑ جمع کرتا ہے۔ ملاّ سرکار تو ایک مدت سے اپنے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔"

"لوگ اسے سازش اور شورش ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔" وہ کرب آلود لہجے میں بولا "وہ ڈاکوؤں کی روز افزوں تعداد کو بے روزگاری' معاشی ناہمواری اور طبقاتی کشمکش کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ جب قانون کے محافظ' حکمراں اور سیاست داں ہی ایک جرم کا جواز پیش کرنے لگیں تو مجرموں کا شیر ہونا لازمی ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ ایک سنگین جرم کو اس وقت جرم نہیں سمجھا قتل' اغوا اور ڈکیتی کی وارداتوں پر روایتی انداز میں انفرادی کارروائیاں ہوتی ہیں اور پھر فائلیں بند ہو جاتی ہیں۔ لوگوں کو ہوش اس وقت آئے گا جب پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔"

"مجھے دکھ ہے کہ تم جیسا زیرک اور فرض شناس افسر بھی حالات کے شکنجے میں اس قدر بے بس ہے۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے' دردمندانہ لہجے میں کہا "ابھی تم نوجوان اور پُرجوش ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مسلسل بے بسی اور مجبوری تمہارے جذبوں کو بھی تھپک تھپک کر سلا دے اور تم...."

"بس!" اس نے غرّا کر مجھے خاموش کر دیا۔ "اس سے آگے ایک لفظ بھی نہ بولنا۔ مجھے اس تصور ہی سے گھن آتی ہے کہ ایک روز میں بھی غلام قادر کی راہ پر چلنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اس سے تو بہتر ہوگا کہ میں اپنی وردی کی آبرو رکھنے کے لئے اپنے پستول سے گولیاں برساتا ہوا جنگل میں گھس جاؤں اور دو چار ڈاکوؤں یا مجرموں کو مار کر خود بھی شہید ہو جاؤں۔ اگر آدمی پر عزت سے زندہ رہنے کے سب راستے بند ہو جائیں تو عزت کی موت کو گلے لگا لینا ہمیشہ اُس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ غلام قادر اور اس جیسے ضمیر فروشوں کے درمیان رہ کر بھی میں کبھی اپنی وردی کی حرمت پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

"تمہارے جذبات کی قدر کرتے ہوئے تمہارے لئے دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

"تم میری توقع سے کہیں زیادہ معلومات رکھتے ہو۔" وہ مجھ سے مسلسل باتیں کئے جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سینے میں کوئی طوفان پوشیدہ ہو اور وہ ایک ہم نفس مل جانے پر اپنا دل چیر کر اس کے سامنے رکھ دینے پر تُل گیا ہو۔ "ڈاکوؤں کی بیخ کنی کا کام بہت بڑا ہے اور بے پناہ وسائل کا طالب بھی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم لوگ ملاّ سرکار کو ٹھکانے لگا کر اس گھناؤنی سازش کا دماغ ختم کر دو۔"

"سچ پوچھو تو ہم دونوں اسی مشن پر نکلے تھے کہ سردار رجب علی کے آدمیوں نے ہمیں اغوا کر لیا۔ کوٹ مندو کا حجرہ تباہ ہونے اور سرحد پار تک جانے والی سرنگ کا راز فاش ہونے کے بعد ملاّ سرکار لاپتا ہو گیا ہے۔"

"یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس سرزمین پر آج بھی محبِ وطن لوگ بڑی تعداد میں باقی ہیں۔ پیشہ ور مخبروں کے علاوہ دردمند معززین بھی مجھے خبریں پہنچاتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ ملاّ سرکار اکثر سکھر کے قریب واقع' سادھو بیلہ نامی دریائی جزیرے میں آتا رہتا ہے۔ وہاں ہندوؤں کا بڑا مندر ہے۔ ساری آبادی بھی ہندوؤں پر مشتمل ہے۔ ایک رات مجھے باوثوق ذریعے سے خبر ملی کہ ملاّ سرکار سادھو بیلہ میں موجود ہے۔ دریائی راستوں سے بہتیرے ڈاکو اور روپوش مجرم بھی اس سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے لیکن میرے اوپر والے ملاّ سرکار کی زہرناکیوں کو نہیں مانتے۔ انہوں نے ہندو مسلم فسادات اور منافرت کے خوف سے کوئی کارروائی نہیں کی۔

بری قانونی دسترس سے باہر ہے۔ پھر اپنی حدود میں بھی کوئی رروائی کرنے سے پہلے مجھے اوپر والوں سے اجازت لینا پڑتی اس لئے میں اپنا سر پیٹ کر رہ گیا اور ملاّ سرکار اپنے چیلوں کو ہدایات دے کر سادھو بیلہ سے بحفاظت واپس لوٹ گیا لیکن نتا ہوں کہ وہ جلد ہی دوبارہ وہاں آئے گا۔"

"مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تمہارا پورا محکمہ ہی ار اور ڈاکوؤں کا بہی خواہ ہو۔"

"ایسا نہیں ہے۔" اس نے سختی کے ساتھ میری تردید کرتے کہا۔ "کہیں کم فہمی آڑے آجاتی ہے۔ کہیں مقامی سیاسی یں اور سفارشیں سدِ راہ بن جاتی ہیں۔ اسباب جو بھی ان رکاوٹوں کا سارا فائدہ سماج دشمن عناصر کو پہنچتا ہے۔ ام میں ہمارا تصور دھندلاتا چلا جاتا ہے... یہ بتاؤ کہ ملاّ سرکار رے میں تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"اس کی سرکوبی ہماری دلی آرزو ہے۔ وہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ ختم کرنے کے لئے ہم سادھو بیلہ کے چپّے چپّے پر رکاوٹوں کا پھیلا دیں گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ سادھو بیلہ میں اس کے چند گے اسی طرح موجود ہیں جس طرح ہمارے محکمے میں ڈاکوؤں کے ل رہے ہیں۔ وہاں کی عام ہندو آبادی' ملاّ سرکار اور اس کے م عزائم سے لاتعلق ہے۔"

مجھے اپنے کراچی کے تجربات یاد آگئے۔ ملاّ سرکار شہر کی یت ہندو آبادی کے جذبات مشتعل کر کے 'اکھنڈ بھارت مہم نام پر ان سے بھاری چندے بٹورتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ھو بیلہ کے آسودہ حال لوگوں سے بھی بھاری مالی امداد لے رہا ۔ یہ اور بات تھی کہ اس کام کے لئے وہ سادھو بیلہ میں اپنے قابلِ اعتماد ساتھیوں پر انحصار کرتا ہو اور عام ہندوؤں کو اس ت کا مطلق علم نہ ہو کہ وہ کس کے لئے سرمایہ فراہم کرتے تھے ں اس نازک مرحلے پر میں نے انسپکٹر کی رائے سے اختلاف ہر کرنے کے بجائے خاموش ہو جانا ہی مناسب خیال کیا۔

"لیکن اس کی آمد کب تک متوقع ہے اور وہ وہاں کتنے دن قیام رتا ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب وہاں آئے گا لیکن میرا تجربہ ہے کہ جب بھی ڈاکوؤں کی کارروائیاں زور پکڑتی ہیں تو وہ کہیں نہ کہیں دیکھا جاتا ہے۔ پچھلی بار اس نے صرف ایک رات سادھو بیلہ میں قیام کیا تھا اور اگلی شام کو وہاں سے اپنے نامعلوم ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔"

"ہم زیادہ دن تک یہاں نہیں رک سکتے۔ اس بارے میں مجھے اپنے ساتھی سے بھی مشورہ کرنا ہوگا۔ ضرورت پیش آنے پر تم ہم سے کراچی میں فون پر رابطہ کر سکتے ہو۔ ہم جہاز سے فوراً سکھر پہنچ جائیں گے۔"

"خیرپور پہنچ کر ہم اس بارے میں مزید بات کریں گے۔ جب تک رام دیال کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آجاتی' تم دونوں ضابطے کے تحت قتل کے شبے میں زیرِ حراست رہو گے۔ اس دوران میں ہم ملاّ سرکار کے بارے میں کسی نہ کسی لائحۂ عمل پر پہنچ جائیں گے۔"

رام دیال کا دوبارہ ذکر آتے ہی مجھے وہ سوال یاد آگیا جس کی وجہ سے میں مستقل ذہنی الجھن میں مبتلا تھا اور میں نے وہ سوال انسپکٹر سے کر ڈالا "ملاّ سرکار اپنے پیروکاروں کو احساس کرنے کا موقع دیئے بغیر ہندوؤں کا تحفظ کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس نے رجب علی کو رام دیال پر ہاتھ ڈالنے کی اجازت دے دی؟"

"اس کا سبب میرے سامنے آچکا ہے۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "رام دیال حریص اور کنجوس ہونے کے ساتھ ہی بہت زیادہ ڈرپوک بھی ہے اس لئے شہر میں اپنی زندگی اور ساکھ کے تحفظ کے لئے وقتاً فوقتاً چند قوم پرست اور سیاسی تنظیموں کو چندے دیتا رہتا تھا۔ اس کا یہ فعل شاید ملاّ سرکار کے مقاصد سے ہم آہنگ نہیں تھا اس لئے رجب علی کو اس کے پیچھے لگا دیا گیا۔ وہ جس دن سے اغوا ہوا تھا میں نے اس کے بارے میں شوقیہ معلومات اکٹھا کرنا شروع کر دی تھیں۔ سکھر میرا علاقہ نہیں ہے لیکن وہاں کے بہتیرے لوگوں سے میرے گہرے روابط ہیں۔"

میں نے اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا لیکن دو باتیں بہرحال اُس سے پوشیدہ رکھی تھیں۔ اوّل یہ کہ ہمیں کسی نے اغوا نہیں کیا تھا بلکہ ہم سردار رجب علی کے پاس ملازمت حاصل کرنے کے منصوبے کے تحت خود ان اطراف میں پہنچے تھے اور دوم یہ کہ رجب علی نے ہمیں رام دیال کی لاش سکھر میں اس کے گھر پہنچانے کی ہدایت کی تھی۔ میری دانست میں وہ دونوں نکات غیر اہم تھے۔ ان کے انکشاف سے ہماری پوزیشن قدرے متاثر ہو سکتی تھی۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اس کے دل میں ہم دونوں کے لیے ....جو نرم گوشہ پیدا ہوا تھا' وہ ختم ہو جاتا اور ہم پولیس کی روایتی تفتیش کا شکار ہو کر غیر معینہ مدت کے لئے خیرپور ہی میں پھنسے رہ جاتے۔

خیرپور جانے کے لئے پولیس وین قومی شاہراہ سے بائیں طرف گھومی تو آسمان پر صبح کا ہلکا سا اجالا پھیل چکا تھا لیکن فضا اتنی ملگجی تھی کہ محفوظ ڈرائیونگ کے لئے ہیڈ لیمپس جلائے رکھنا ضروری تھا۔

ہماری جیپ ہم سے پہلے کوتوالی پہنچ چکی تھی۔ رام دیال کی لاش کی برآمدگی کی خبر نے وہاں ہلچل مچا دی تھی۔ ڈیوٹی پر موجود اور ڈیوٹی پوری کر کے وہاں آرام کرنے والا سارا عملہ نیند سے بیدار ہو کر' کوتوالی کے احاطے میں جیپ کے گرد موجود تھا۔ انسپکٹر کی آمد کے انتظار میں کسی نے بھی رام دیال کی لاش کو نہیں چھیڑا تھا۔

جوں ہی ہماری وین کوتوالی کے احاطے میں داخل ہوئی' وہاں سنسنی پھیل گئی۔ شاید ان لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ رام دیال کی

لاش کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے دو ملزم بھی انسپکٹر کے ساتھ آ رہے تھے۔
ہمارے استقبال کے لئے عملے کے ہر مسلح فرد نے اپنے ہتھیار فائر کرنے کی پوزیشن میں تان لئے۔ وین رکتے ہی فضا ایڑیوں کی... کھٹا کھٹ سے گونج اٹھی۔ ماتحت عملے نے بہت مستعدی کے ساتھ انسپکٹر کو سیلوٹ پیش کیا تھا۔
وہاں پہنچتے ہی انسپکٹر ہم لوگوں سے لاتعلق ہو کر اپنے ماتحتوں کو رام دیال کی لاش کی تصاویر بنوا کر اسے پوسٹ مارٹم کے لئے اسپتال لے جانے کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔ محرّر اس کے حکم پر رام دیال کے اہلِ خانہ سے فون پر رابطہ کرنے چلا گیا۔ اس دوران میں ہم دونوں مجرموں کی طرح، سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے رہے۔ کوتوالی کا عملہ ہمیں جسم میں پیوست ہو جانے والی نفرت اور حقارت آمیز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔
"ان دونوں کو لاک اپ میں ڈال دو اور امیر کھوسو، تم میرے دفتر میں آؤ!" آخر کار انسپکٹر نے ہمارے بارے میں بھی فرمان جاری کر دیا اور اپنے ایک ماتحت کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔
"چلو بیٹا!" ایک سپاہی نے اپنی رائفل کے کندے سے ہم دونوں کو باری باری ٹھوکا دیتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا "حوالات میں چلو! اب صاحب تمہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دے گا۔"
اس وقت ہماری پوزیشن نہایت مخدوش تھی۔ انسپکٹر سے ہماری خاصی مفاہمت ہو چکی تھی۔ اس نے راستے میں مجھے کچھ یقین دہانیاں بھی کرا دی تھیں لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اس نے اپنے ماتحتوں کے سامنے ہم سے سرد مہری بلکہ بے رخی کا رویّہ اپنا لیا تھا جس کی وجہ سے وہ ہمیں قتل کے عام مجرم سمجھ کر، ہمارے ساتھ ویسا ہی سلوک کر رہے تھے۔ اگر اس وقت ہم کسی بھی بات پر اشتعال میں آ جاتے تو انسپکٹر کو خبر ہونے سے پہلے، اس کے ماتحت مار مار کر ہمارا بھرکس نکال سکتے تھے جس کا کوئی ازالہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔
سپاہی کے توہین آمیز رویے پر اوّل خان ذرا سا ٹھٹکا تھا کہ میں اس کا بازو تھام کر اسے آگے لے گیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔
"اپنی کھوپڑی پر قابو رکھو، تھوڑی دیر میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"
وہ وین کے پچھلے حصے میں چار سپاہیوں کے ساتھ سفر کرتا رہا تھا جب کہ میں ڈرائیونگ کیبن میں انسپکٹر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اس لئے اسے میرے اور انسپکٹر کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ذرا بھی علم نہیں تھا۔
کوتوالی کی راہداریوں میں یرقان زدہ روشنی والے اِکّا دُکّا قمقموں کی ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ تین مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں دو موڑ گھومنے کے بعد میں نے خود کو حوالات کے سلاخوں والے آہنی دروازے کے سامنے موجود پایا۔ حوالات خالی تھی اور اندر گھور اندھیرا تھا جس میں سے اٹھنے والے سیلن زدہ بھپکے دور ہی سے محسوس کئے جا سکتے تھے۔
راہداریوں کی دیوار میں نصب سوئچ آن کر کے حوالات میں روشنی کی گئی۔ ایک سپاہی نے دروازے کا قفل کھولا اور سلاخوں والا آہنی پھاٹک پُرشور آواز سے باہر کھول لیا۔
سردار رجب علی کے ٹھکانے سے باہر آنے کے بعد اوّل خان کے سر پر اسپیشل ٹاسک فورس کی افسری کا ہلکا سا خمار طاری ہو چکا تھا جسے انسپکٹر کے بید کی ضرب بھی کافور نہیں کر سکی تھی اس لئے اسے اس بلند اور مستطیل کوٹھری میں داخل ہونے میں تامّل ہوا جس کی دیواروں پر خون وغیرہ کے پرانے دھبے اس عقوبت کدے میں آنے والے مہمانوں کی مدارات کی دل گداز کہانیاں سنا رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان داغ دھبوں کو دھو کر مٹانے کی کوششیں کی جاتی رہی تھیں لیکن لہو کے وہ داغ جہاں پڑ گئے تھے، امر ہو گئے تھے۔
میں حوالات میں داخل ہوا تو ناچار اوّل خان کو بھی میری تقلید کرنا پڑی۔ ہم دونوں کے پیچھے وہ تینوں سپاہی بھی اندر ہی آ گئے۔
میری چھٹی حس نے مجھے کسی موہوم سے خطرے سے آگاہ کیا اور میں فوراً ہی پیچھے پلٹ پڑا۔ میری اس غیر متوقع حرکت پر ان تینوں کو بھی رکنا پڑا اور میں نے ناکافی روشنی کے باوجود بھانپ لیا کہ ان تینوں کی نگاہوں میں شرارت اور شرپسندی ناچ رہی تھی۔ مجھے گمان گزرا کہ شاید وہ ہمیں مرعوب رکھنے کے لئے بغیر کچھ پوچھ گچھ کئے ہی مار دھاڑ کا ارادہ رکھتے ہیں۔
"کیا بات ہے؟ ہمارے سینوں پر کیوں چڑھے چلے آ رہے ہو؟" میں نے دفاعی پوزیشن اختیار کرتے ہوئے ان سے دبنگ لہجے میں سوال کیا۔
"آواز دھیمی رکھو!" ان میں سے ایک غرّایا "اس کوتوالی میں اڑنے والے عام طور پر کندھوں پر اٹھا کر حوالات سے باہر لائے جاتے ہیں۔ بدمعاشی دکھانے کی کوشش کی تو ابھی ہاتھ پیر توڑ ڈالیں گے۔"
"حوالات کو مقفل کرو اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم اندر کیوں آئے ہو؟"

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات نویں حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو 15 جولائی 2003ء کو شائع ہوگا